توضیحات

اردو شرح

مشکوۃ المصابیح

متن و ترجمہ، تشریح و توضیح کے ساتھ

تألیف

مولانا فضل محمد یوسف زئی

استاذ حدیث جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی

ناشر: المکتبۃ العربیۃ

جمشید روڈ کراچی 0321-3788955-6

کتاب کا نام .... توضیحات اردو شرح مشکوۃ المصابیح (جلد سوم)

مصنف .... استاذ الحدیث حضرت مولانا فضل محمد یوسف زئی دامت برکاتہم

سن اشاعت .... نومبر 2011

تعداد صفحات 754

ناشر .... المکتبۃ العربیۃ 0321-3788955

ملنے کے پتے

دارالاشاعت، کراچی	قدیمی کتب خانہ، آرام باغ کراچی
بیت الاشاعت بہار کالونی کراچی	مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور
وحیدی کتب خانہ پشاور،	البلال پبلشرز، 03003630753
اسلامی کتب خانہ اردو بازار لاہور	مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ

إدارة الرشيد کراچی
علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی
Cell: 0321-2045610
0321-2940462, 0213-4928643

فہرست مضامین

توضیحات شرح مشکوٰۃ (جلد سوم)

باب صلوٰۃ التطوع

نفل نماز کا بیان

"تطوع" یعنی نفل نماز، فرائض اور واجبات کے علاوہ تمام نمازیں نفل ہیں خواہ سنت مؤکدہ ہوں یا غیر مؤکدہ ہوں۔ البتہ اتنی بات یاد رکھنے کی ہے کہ لفظ تطوع کا اطلاق ان نوافل پر ہوتا ہے جو رواتب نہ ہوں یعنی سنن مؤکدہ نہ ہوں۔ بلکہ سنن زوائد اور نوافل پر لفظ تطوع کا اطلاق ہوتا ہے۔[1]

الفصل الاول

تحیۃ الوضو کی فضیلت

﴿۱﴾ عن أبي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لبلال عند صلاة الفجر يا بلال حدثني بأرجى عمل عملته في الإسلام فإني سمعت دف نعليك بين يدي في الجنة قال ما عملت عملا أرجى عندي أني لم أتطهر طهورا في ساعة من ليل ولا نهار إلا صليت بذلك الطهور ما كتب لي أن أصلي. (متفق عليه)[2]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) سرتاج دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز فجر کے وقت حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ بلال ذرا مجھے یہ بتاؤ کہ تم نے حالت اسلام میں کونسا عمل کیا ہے جس سے تمہیں ثواب کی بہت زیادہ امید ہے کیونکہ میں نے جنت میں اپنے آگے تمہارے جوتوں کی آواز سنی ہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا "میں نے ایسا زیادہ امید کا کوئی عمل نہیں کیا سوائے اس کے کہ رات دن میں جب بھی میں پاکی حاصل کرتا ہوں تو اس پاکی سے جس قدر میرے مقدور میں ہے میں نماز ضرور پڑھتا ہوں۔" (بخاری ومسلم)

استخارہ کی نماز ودعا

﴿۲﴾ وعن جابر قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يعلمنا الاستخارة في الأمور كما يعلمنا السورة من القرآن يقول إذا هم أحدكم بالأمر فليركع ركعتين من غير الفريضة ثم ليقل اللهم إني أستخيرك بعلمك وأستقدرك بقدرتك وأسألك من فضلك العظيم فإنك تقدر ولا أقدر وتعلم ولا أعلم وأنت علام الغيوب اللهم إن كنت تعلم أن هذا الأمر خير

[1] المرقات: ۳/۴۰۰ [2] اخرجه البخاري: ۲/۶۷ ومسلم: ۷/۱۳۶

لِیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ أَمْرِیْ أَوْقَالَ فِیْ عَاجِلِ أَمْرِیْ وَآجِلِهٖ فَاقْدُرْهُ لِیْ وَیَسِّرْهُ لِیْ ثُمَّ بَارِكْ لِیْ فِیْهِ وَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هٰذَا الْأَمْرَ شَرٌّ لِیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ أَمْرِیْ أَوْقَالَ فِیْ عَاجِلِ أَمْرِیْ وَآجِلِهٖ فَاصْرِفْهُ عَنِّیْ وَاصْرِفْنِیْ عَنْهُ وَاقْدُرْ لِیَ الْخَیْرَ حَیْثُ كَانَ ثُمَّ أَرْضِنِیْ بِهٖ قَالَ وَیُسَمِّیْ حَاجَتَهٗ.

(رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرتاج دوعالم ﷺ ہمارے تمام کاموں کے لئے دعاے استخارہ اس طرح سکھاتے تھے۔ جیسے قرآن کریم کی کوئی سورۃ سکھاتے تھے (یعنی آپ اس دعا کی تعلیم کا بہت اہتمام رکھتے تھے) چنانچہ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ ''جب تم میں سے کوئی شخص کسی کام کا ارادہ کرے تو اس کو چاہیۓ کہ فرض نماز کے علاوہ دو رکعت (نفل) نماز پڑھے پھر یہ دعا پڑھے۔

اے اللہ! میں تیرے علم کے وسیلہ سے تجھ سے بھلائی مانگتا ہوں اور تیری قدرت کے واسطہ سے (نیک عمل کرنے کی) تجھ سے قدرت مانگتا ہوں اور میں تجھ سے تیرا فضل مانگتا ہوں کیونکہ تو ہی (ہر چیز پر) قادر ہے میں (تیری مرضی کے بغیر کسی چیز پر) قادر نہیں ہوں۔ تو (سب چیزوں کو) جانتا ہے میں کچھ نہیں جانتا اور تو پوشیدہ باتوں کو بھی جاننے والا ہے، اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام (یعنی مقصد) میرے لئے میرے دین میں، میری دنیا میں، میری زندگی اور میری آخرت میں، یا فرمایا اس جہان (یعنی دنیا میں اور اس جہان (آخرت) میں بہتر ہے تو اسے میرے لئے مہیا فرمادے وراسے میرے لئے آسان فرمادے، پھر اس میں میرے واسطے برکت دے اور اگر تو اس امر (یعنی میرے مقصد اور میری مراد) کو میرے دین، میری زندگی اور میری آخرت میں، یا فرمایا، اس جہان اور اس جہان میں برا جانتا ہے تو مجھے اس سے اور اسے مجھ سے پھیر دے اور میرے لئے جہاں بھلائی ہو وہ مہیا فرما پھر اس کے ساتھ مجھے راضی کر۔'' (بخاری) راوی کہتے ہیں کہ (لفظ ہذا الامر کی جگہ) اپنی حاجت کا نام لینا چاہیۓ۔'' (بخاری)

توضیح: ''الاستخارۃ'' سین وتا طلب کے لئے ہیں لہٰذا استخارہ کا معنی یہ ہوا کہ خیر کا طلب کرنا اگر کوئی شخص کسی کام کا ارادہ کرے اور وہ کام مباح کے درجہ میں ہو مثلاً کسی جگہ نکاح کرنا چاہتا ہے یا کسی تجارت کو شروع کرنا چاہتا ہے یا کسی سفر پر جانا چاہتا ہے یا کسی مدرسہ میں داخلہ لینا چاہتا ہے اب اس شخص کو اس کام میں کامیابی اور اس کی بھلائی میں تردد اور شک واقع ہو گیا کہ اس میں ہاتھ ڈالنا چاہیۓ یا نہیں اور اس میں کونسی صورت زیادہ بہتر ہو گی اسی بہتر کو معلوم کرنے کے لئے استخارہ ہوتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ استخارہ کسی فرض یا واجب حکم میں نہیں ہوتا وہ تو کرنا پڑتا ہے اسی طرح استخارہ کسی حرام کام میں نہیں ہوتا اس کو تو چھوڑنا ہوتا ہے۔[2]

در کارِ خیر حاجت ہیچ استخارہ نیست

استخارہ کرنے کے بعد انسان کبھی خواب میں بہتر صورت کو دیکھتا ہے کبھی خواب نہیں آتا مگر ان کا دل ایک طرف مائل

[1] اخرجه البخاری: ۲/۷۰، ۸/۱۰۱، ۲۰۳، ۹/۱۴۴ [2] المرقات: ۳/۲۰۱، ۲۰۲

ہوکر مطمئن ہوجاتا ہے یہی اطمینان استخارہ کا نتیجہ ہے اور اسی پر عمل کرنا چاہئے مسلمانوں کے پاس مستقبل کے بارے میں دوٹوک انداز سے فیصلہ کرنے کے لئے استخارہ ایک بڑی نعمت ہے دسیوں منصوبوں اور پریشان کن مشوروں سے جان چھوٹ جاتی ہے اور عواقب امور میں بہتر انجام تک استخارہ کی برکت سے آدمی پہنچ جاتا ہے۔[1]

استخارہ کا طریقہ اس حدیث میں خود مذکور ہے کہ آدمی وضو بنالے اور دو رکعت نفل نماز پڑھ کر سلام پھیرنے کے بعد مذکورہ دعا پڑھ لے دو نفل میں اگر پہلی رکعت میں سورۃ **قل یاایها الکافرون** اور دوسری رکعت میں **قل هو الله احد** پڑھ لے تو زیادہ بہتر ہے ورنہ کوئی بھی سورۃ پڑھ سکتا ہے اس کے بعد مذکورہ دعا اگر یاد ہے تو یاد سے پڑھ لے ورنہ کتاب میں دیکھ کر پڑھے۔[2]

"**اوقال عاجل امری**" راوی کو شک ہوگیا کہ حضور اکرم ﷺ نے کونسے الفاظ استعمال فرمائے تھے۔[3]

علماء نے لکھا ہے کہ اگر دونوں الفاظ پڑھ لیے جائیں تو بھی بہتر ہے۔

"**ویسمی حاجته**" یعنی اس حدیث میں مذکور دعا میں "**هذا الامر**" میں عام الفاظ سے مقصود کی طرف اشارہ کیا گیا ہے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اس موقع پر استخارہ کرنے والا اپنا مقصود و مطلوب صریح الفاظ میں نام لیکر بیان کرے مثلاً **هذا الامر** کے بجائے "**هذا السفر، وهذه التجارة**" کہہ دے۔[4]

اور یہ بھی صحیح ہے کہ **هذا الامر** کہنے کے بعد اپنے مطلوب کا نام لیکر ذکر کرے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ استخارہ کرنے کے بعد تیرے دل میں جو بات شرح صدر اور اطمینان کے ساتھ آکر بیٹھ گئی اسی پر عمل کرو وہی تمہارے لئے بہتر ہے۔

احادیث میں ایک اور استخارہ کا ذکر بھی آیا ہے جو زیادہ مختصر ہے اور ہر حالت میں اس کا کرنا ممکن ہے مثلاً کسی کو جلدی ہے اور فوری طور پر بھلائی معلوم کرنا چاہتا ہے تو وہ کسی بھی حالت میں ہو استخارہ کے لئے یہ الفاظ بار بار دہرائے۔

"**اَللّٰهُمَّ خِرْلِیْ وَاخْتَرْلِیْ وَلَا تَكِلْنِیْ اِلٰی اِخْتِیَارِیْ**" اے اللہ! میرے لئے جو بہتر ہو وہ مہیا فرما اور مجھے میرے اختیار کے حوالہ نہ فرما۔

علماء نے لکھا ہے کہ استخارہ میں اگر ایک بار کرنے سے اشارہ نہیں ملا تو دوبارہ سہ بارہ کرے یہاں تک کہ سات دن کرے اور پھر اپنے قلبی میلان پر عمل کرے استخارہ خود بھی آدمی کرسکتا ہے اور دوسرے سے بھی کرا سکتا ہے۔

الفصل الثانی

نماز توبہ کا بیان

﴿۳﴾ **عن علیٍّ قَالَ حَدَّثَنِیْ اَبُوْبَكْرٍ وَ صَدَقَ اَبُوْبَكْرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ**

[1] المرقات: ۳/۴۰۲ [2] المرقات: ۳/۴۰۲ [3] المرقات: ۳/۴۰۳ [4] المرقات: ۳/۴۰۶

يَقُولُ مَامِنْ رَجُلٍ يُذْنِبُ ذَنْبًا ثُمَّ يَقُوْمُ فَيَتَطَهَّرُ ثُمَّ يُصَلِّيْ ثُمَّ يَسْتَغْفِرُ اللهَ اِلاَّ غَفَرَ اللهُ لَهٗ ثُمَّ قَرَأَ وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً أَوْظَلَمُوْا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوْا اللهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَه اِلاَّ أَنَّ ابْنَ مَاجَه لَمْ يَذْكُرِ الاٰيَةَ) [1]

ترجمہ: حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بالکل سچ فرمایا کہ میں نے سرتاج دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ارشاد گرامی سنا ہے کہ ”جو شخص گناہ کرتا ہے اور گناہ پر ندامت ہونے کی وجہ سے، اٹھ کر وضو کرتا ہے اور نماز پڑھتا ہے اور پروردگار سے اپنے گناہ کی مغفرت چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا گناہ معاف فرمادیتا ہے پھر آپ نے یہ آیت پڑھی۔

اور ایسے لوگ کہ جب کوئی ایسا کام کر گزرتے ہیں جس میں زیادتی ہو یا اپنی ذات پر ظلم کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کو (یعنی اس کے عذاب کو) یاد کر لیتے ہیں پھر اپنے گناہوں کی معافی چاہنے لگتے ہیں۔ اس روایت کو ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے مگر ابن ماجہ نے آیت ذکر نہیں کی ہے۔

توضیح: ”وصدق ابوبکر“ یہ جملہ معترضہ ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی عظمت و بزرگی کو ظاہر فرمایا کہ صدیق نے سچ فرمایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ ان کی عادت تھی کہ حدیث بیان کرنے والے راوی سے قسم لیتے تھے کہ تم سچ کہتے ہو یا نہیں جب وہ قسم کھالیتا تب آپ ان کی حدیث قبول فرماتے تھے یہاں خود فرماتے ہیں کہ ابوبکر نے سچ فرمایا وہ سچے تھے۔ واقعی صدیق سچے تھے وہ صدیق تھے صدیق صدیق ہوتا ہے۔ [2]

حدیث بالا کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص گناہ کا ارتکاب کرتا ہے اور پھر چاہتا ہے کہ اس گناہ کے ازالہ کے لئے توبہ کرے تو پہلے وہ وضو بنائے پھر دو رکعت نفل پڑھے اور پھر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے اللہ تعالیٰ معاف کریگا یہ صلوٰۃ توبہ ہے اور توبہ کے لئے ایک شرط یہ ہے کہ ندامت کے ساتھ سابقہ گناہ پر پچھتاوے کے ساتھ سچے دل سے توبہ کرے دوسری شرط یہ کہ آئندہ کے لئے پکا ارادہ ہو کہ پھر گناہ کے قریب نہیں جائے گا تیسری شرط یہ کہ اگر کسی انسان کا حق ہو تو پہلے اس سے معافی تلافی کرے پھر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرے کیونکہ حقوق العباد میں توبہ کی یہی صورت ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر میں بطور دلیل قرآن کی دو آیتیں تلاوت فرمائیں کہ جو کچھ میں نے کہا ہے اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی توبہ کرنے اور استغفار کا یہی طریقہ ہے۔ [3]

بوقت مصیبت نفل نماز پڑھنی چاہیے

﴿۴﴾ وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا حَزَبَهٗ أَمْرٌ صَلّٰى۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ) [4]

[1] اخرجه الترمذی: ۴۰۶، ۳۰۰۶ وابن ماجه: ۱۳۹۵ [2] المرقات: ۳/۴۰۷ [3] المرقات: ۳/۴۰۸ [4] اخرجه وابوداود: ۱۳۱۹

ترجمہ: اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "سرتاج دو عالم ﷺ جب کسی مصیبت سے دوچار ہوتے تو (نفل) نماز پڑھتے۔" (ابوداؤد)

توضیح: "حزبہ" یعنی جب حضور اکرم ﷺ پر غم و مصیبت ہجوم کرتی تو آپ نفل نماز کی طرف متوجہ ہو جاتے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "**واستعینوا بالصبر والصلاۃ**"۔[1]

نماز میں آدمی کی توجہات اور افکار مکمل طور پر عالم بالا اور عالم ربوبیت کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور عالم دنیا سے آدمی نکل جاتا ہے تو عالم مصائب کے مصائب و آلام ذہن سے دور ہو جاتے ہیں اور آدمی کو اطمینان حاصل ہو جاتا ہے اسی وجہ سے مصیبت کے وقت نماز میں مشغول ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔

تحیۃ الوضو کی وجہ سے جنت مل گئی

﴿۵﴾ وعن بُرَيْدَةَ قَالَ أَصْبَحَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَعَا بِلَالًا فَقَالَ بِمَا سَبَقْتَنِيْ إِلَى الْجَنَّةِ مَادَخَلْتُ الْجَنَّةَ قَطُّ إِلَّا سَمِعْتُ خَشْخَشَتَكَ أَمَامِيْ قَالَ يَارَسُوْلَ اللهِ مَا أَذَّنْتُ قَطُّ إِلَّا صَلَّيْتُ رَكْعَتَيْنِ وَمَا أَصَابَنِيْ حَدَثٌ قَطُّ إِلَّا تَوَضَّأْتُ عِنْدَهُ وَرَأَيْتُ أَنَّ لِلّٰهِ عَلَيَّ رَكْعَتَيْنِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهِمَا۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[2]

ترجمہ: اور حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) سرتاج دو عالم ﷺ نے صبح کے وقت (فجر کی نماز کے بعد) حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو طلب کیا اور (جب وہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان سے فرمایا کہ "کس عمل کے ذریعہ تم نے جنت میں مجھ سے پیش روی اختیار کی ہے (کیونکہ) میں جب بھی جنت میں داخل ہوا تو اپنے آگے آگے تمہارے جوتوں کی آواز سنی؟ انہوں نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! میں نے جب بھی اذان دی ہے تو اس کے بعد دو رکعت نماز (ضرور) پڑھی ہے اور جب بھی میرا وضو ٹوٹا ہے میں نے اسی وقت وضو کر لیا ہے اور میں نے خدا کے واسطے دو رکعت نماز پڑھنی ضروری سمجھی ہے۔ (یعنی ہر وضو کے بعد پابندی کے ساتھ دو رکعت نماز پڑھنی میں نے اپنے اوپر لازم قرار دے رکھی ہے) آنحضرت ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا کہ "اسی وجہ سے تم اس (عظیم) درجہ کو پہنچے ہو۔" (ترمذی)

صلوٰۃ الحاجۃ

﴿۶﴾ وعن عَبْدِاللهِ بْنِ أَبِيْ أَوْفٰى قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَتْ لَهُ حَاجَةٌ إِلَى اللهِ أَوْ إِلٰى أَحَدٍ مِنْ بَنِيْ آدَمَ فَلْيَتَوَضَّأْ فَلْيُحْسِنِ الْوُضُوْءَ ثُمَّ لِيُصَلِّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ لِيُثْنِ عَلَى اللهِ

[1] المرقات: ۳/۴۱۰ [2] اخرجه الترمذی: ۳۶۸۹

تَعَالٰى وَلْيُصَلِّ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ لِيَقُلْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ أَسْأَلُكَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِكَ وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ وَالْغَنِيْمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ وَالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ إِثْمٍ لَا تَدَعْ لِيْ ذَنْبًا إِلَّا غَفَرْتَهُ وَلَا هَمًّا إِلَّا فَرَّجْتَهُ وَلَا حَاجَةً هِيَ لَكَ رِضًى إِلَّا قَضَيْتَهَا يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَه وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو اللہ تعالیٰ یا کسی آدمی کی طرف کوئی حاجت ہو تو اسے چاہئے کہ (پہلے) وضو کرے اور اچھا وضو (یعنی پورے آداب کی رعایت کے ساتھ) کرے اور دو رکعت نماز پڑھے، پھر اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیج کر یہ دعا پڑھے۔

نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے چشم پوشی اور بخشش کرنے والے کے، پاک ہے اللہ جو مالک ہے عرش عظیم کا، اور سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو سارے جہان کا پروردگار ہے، اے اللہ میں تجھ سے ان چیزوں کو مانگتا ہوں جن پر رحمت ہوتی ہے اور جو تیری بخشش کا سبب ہوتی ہیں اور مانگتا ہوں اپنا حصہ ہر نیکی سے اور بچنا چاہتا ہوں ہر گناہ سے، اے اللہ میرے کسی گناہ کو بے بخشے ہوئے اور کسی غم کو بے دور کئے ہوئے اور کسی حاجت کو جو تیرے نزدیک پسند ہو، بے پورا کئے ہوئے نہ چھوڑ، اے بہت رحم کرنے والے رحم کرنے والوں سے۔'' امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے۔

توضیح: جب کسی آدمی کو کوئی حاجت درپیش ہو خواہ وہ حاجت بلاواسطہ اللہ تعالیٰ سے متعلق ہو یا بالواسطہ کسی بندے سے متعلق ہو مثلاً کسی جگہ نوکری کا مسئلہ ہو داخلہ کا مسئلہ ہو مقدمہ کی کوئی صورت ہو تو اس شخص کو چاہئے کہ اچھی طرح وضو بنائے پھر دو رکعت نماز حاجت پڑھے یعنی حاجت برآوری کی نیت سے پڑھے اور پھر سلام کے بعد مذکورہ دعا پڑھے اور پھر اپنی حاجت برآوری کی دعا مانگے اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت کو پورا فرما دیگا۔

صلوٰۃ الحاجۃ اس امت کے خواص وعوام میں مشہور ہے اور یہ بہت مجرب ہے۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ علامہ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صلوٰۃ الحاجۃ کو یوم السبت یعنی شنبہ ہفتہ کے دن پڑھنا چاہئے کیونکہ ایک حدیث میں وارد ہے کہ جو شخص شنبہ کے دن صبح اللہ تعالیٰ سے اپنی حلال اور جائز حاجت کو طلب کرے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اس کی حاجت روائی کا ضامن ہوں۔[۲]

[۱] اخرجه الترمذی: ۴۷۹ وابن ماجه: ۱۳۸۴ [۲] المرقات: ۳/۲۱۳

بہر حال ایک مسلمان کے لئے اس پرُفتن دور میں یہ دعائیں اور یہ نمازیں ایک بڑی نعمت اور عظیم دولت ہیں مسلمانوں کو چاہئے کہ مادیات کے پیچھے دوڑ دوڑ کر خوار ہونے کے بجائے ان روحانیات سے فائدہ اٹھائیں۔

اس باب میں ایک تو نماز استخارہ کا ذکر آیا ہے یہ ایک دولت ہے۔

دوسرا نماز توبہ کا بیان ہے یہ دوسری دولت ہے۔

تیسرا نماز مصیبت کا بیان ہے یہ تیسری دولت ہے۔

چوتھا نماز حاجت کا بیان ہے یہ چوتھی دولت ہے۔

ہر مسلمان کو چاہئے کہ ان دولتوں سے ہر وقت مالا مال رہے اور اس سے فائدہ اٹھائے:

تمتع من شمیم عرار نجد   فما بعد العشیة من عرار

باب صلوٰۃ التسبیح

نماز تسبیح کا بیان

صلوٰۃ تسبیح مستحب ہے مگر اس کا ثواب بے حد و بے انتہاء ہے اس کی چار رکعتیں ہیں اور دن رات کسی بھی جائز وقت میں پڑھی جاسکتی ہے اس کو صلوٰۃ تسبیح اس لئے کہتے ہیں کہ اس کی ہر رکعت میں ۷۵ مرتبہ **سبحان الله والحمد لله ولا اله الا الله والله اکبر**" پڑھا جاتا ہے صلوٰۃ تسبیح کا طریقہ خود آنے والی حدیث میں مذکور ہے بہر حال ثناء کے بعد فاتحہ ہے پھر کوئی سورۃ پڑھنی ہے قرأت سے فارغ ہو کر کھڑے کھڑے ۱۵ مرتبہ مذکورہ بالا تسبیح پڑھنی ہے پھر رکوع میں **سبحان الله ربی العظیم** تین مرتبہ پڑھ کر مذکورہ تسبیح دس بار پڑھنی ہے پھر قومہ میں دس مرتبہ ہے پھر سجدہ میں **سبحان ربی الاعلیٰ** کے بعد دس مرتبہ تسبیح ہے پھر جلسہ میں دس مرتبہ ہے پھر دوبارہ سجدہ میں دس مرتبہ ہے پھر دوسری رکعت کے لئے اٹھنے سے پہلے بیٹھے بیٹھے دس بار تسبیح ہیں دوسری رکعت بھی اسی طریقہ پر ہے ایک رکعت میں ۷۵ تسبیح بنتی ہیں قعدہ اولیٰ واخیرہ میں تشہد پڑھنے سے پہلے بھی دس مرتبہ تسبیح ہے یہاں اس حدیث میں یہی طریقہ مذکور ہے ایک دوسرا طریقہ بھی بعض روایات میں مذکور ہے اس میں ۱۵ مرتبہ تسبیحات کا ذکر ثناء کے بعد فاتحہ سے پہلے ہے دونوں طریقے جائز ہیں جس کو جو طریقہ آسان لگے وہ اس کو اپنا لے۔

الفصل الاول

صلوٰۃ تسبیح کی فضیلت اور طریقہ

﴿۱﴾ عن ابنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِلْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ يَا عَبَّاسُ يَا عَمَّاهُ أَلاَ أُعْطِيكَ أَلاَ أَمْنَحُكَ أَلاَ أُخْبِرُكَ أَلاَ أَفْعَلُ بِكَ عَشْرَ خِصَالٍ إِذَا أَنْتَ فَعَلْتَ ذٰلِكَ غَفَرَ اللهُ لَكَ ذَنْبَكَ أَوَّلَهُ وَ آخِرَهُ قَدِيمَهُ وَحَدِيثَهُ خَطَأَهُ وَعَمَدَهُ صَغِيرَهُ وَ كَبِيرَهُ سِرَّهُ وَعَلاَنِيَتَهُ أَنْ تُصَلِّيَ أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ تَقْرَأُ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ وَسُورَةً فَإِذَا فَرَغْتَ مِنَ الْقِرَاءَةِ فِي أَوَّلِ رَكْعَةٍ وَأَنْتَ قَائِمٌ قُلْتَ سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ وَاللهُ أَكْبَرُ خَمْسَ عَشْرَةَ مَرَّةً ثُمَّ تَرْكَعُ فَتَقُولُهَا وَأَنْتَ رَاكِعٌ عَشْرًا ثُمَّ تَرْفَعُ رَأْسَكَ مِنَ الرُّكُوعِ فَتَقُولُهَا عَشْراً ثُمَّ تَهْوِيْ سَاجِدًا فَتَقُولُهَا وَأَنْتَ سَاجِدٌ عَشْراً ثُمَّ تَرْفَعُ رَأْسَكَ مِنَ السُّجُودِ فَتَقُولُهَا عَشْراً ثُمَّ تَسْجُدُ فَتَقُولُهَا عَشْراً ثُمَّ تَرْفَعُ رَأْسَكَ فَتَقُولُهَا عَشْرًا فَذٰلِكَ خَمْسٌ وَّ سَبْعُونَ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ تَفْعَلُ ذٰلِكَ فِي أَرْبَعِ

رَكَعَاتٍ إِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ تُصَلِّيَهَا فِي كُلِّ يَوْمٍ مَرَّةً فَافْعَلْ فَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَفِي كُلِّ جُمُعَةٍ مَرَّةً فَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَفِي كُلِّ شَهْرٍ مَرَّةً فَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَفِي كُلِّ سَنَةٍ مَرَّةً فَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَفِي عُمُرِكَ مَرَّةً.

(رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَه وَالْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعَوَاتِ الْكَبِيرِ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ عَنْ أَبِي رَافِعٍ نَحْوَهُ)[1]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے حضرت عباس ابن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ "اے عباس! اے میرے چچا کیا نہ دوں میں آپ کو؟ کیا نہ دوں میں آپ کو؟ کیا نہ بتاؤں میں آپ کو؟ کیا آپ کو دس خصلتوں کا مالک نہ بنادوں؟ کہ اگر آپ ان کو اختیار کریں تو اللہ تعالیٰ آپ کے اگلے اور پچھلے، پرانے اور نئے، قصداً اور سہواً، چھوٹے اور بڑے پوشیدہ اور ظاہر تمام گناہوں کو بخش دے (تو سنیئے کہ) آپ چار رکعت نماز (اس طرح) پڑھیئے کہ ہر رکعت سورۂ فاتحہ اور کوئی دوسری سورۃ پڑھیئے۔ جب آپ پہلی رکعت میں قرأت سے فارغ ہو جائیں تو کھڑے ہی کھڑے پندرہ مرتبہ (یہ تسبیح) کہیئے۔ سبحان اللہ و الحمد للہ ولا الہ الا اللہ و اللہ اکبر پھر رکوع میں جایئے اور (رکوع کی تسبیح سبحان ربی العظیم کہنے کے بعد) رکوع میں یہ تسبیح دس مرتبہ کہئے پھر رکوع سے سر اٹھایئے اور (سمع اللہ لمن حمدہ کہنے کے بعد) یہ تسبیح دس مرتبہ کہیئے پھر سجدہ میں جایئے۔ اور (سبحان ربی الاعلی کہنے کے بعد) یہ تسبیح دس مرتبہ کہیئے۔ پھر سجدہ سے سر اٹھایئے۔ اور تسبیح دس مرتبہ کہیئے پھر (دوسرے) سجدہ میں جایئے اور (سجدہ کی تسبیح کہنے کے بعد) یہ تسبیح دس مرتبہ کہیئے۔ پھر اپنا سر سجدہ سے اٹھایئے اور یہ تسبیح دس مرتبہ کہئے۔ یہ سب پچھتر تسبیحات ہوئیں ہر رکعت میں اسی طرح چاروں رکعت میں کیجیئے (یعنی مذکور طریقہ سے یہ تسبیح پچھتر مرتبہ ہر رکعت میں پڑھیئے۔) اگر آپ اس نماز کو روزانہ پڑھنے پر قدرت رکھتے ہوں تو روزانہ پڑھیئے۔ اگر روزانہ نہ پڑھ سکیں تو ہفتہ میں ایک مرتبہ پڑھیئے۔ اگر ہر ہفتہ میں نہ پڑھ سکیں تو مہینہ میں ایک مرتبہ پڑھیئے اگر ہر مہینہ نہ پڑھ سکیں تو سال میں ایک مرتبہ پڑھیئے اور اگر ہر سال نہ پڑھ سکیں تو (کم سے کم) پوری عمر میں ایک مرتبہ (تو ضرور ہی) پڑھ لیجیئے۔" (ابوداؤد، ابن ماجہ، بیہقی، فی دعوات الکبیر) امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح کی روایت حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے۔

قیامت کے دن سب سے پہلے نماز کا سوال ہوگا

﴿۲﴾ وعن أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ أَوَّلَ مَا يُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ عَمَلِهِ صَلَاتُهُ فَإِنْ صَلُحَتْ فَقَدْ أَفْلَحَ وَأَنْجَحَ وَإِنْ فَسَدَتْ فَقَدْ خَابَ وَخَسِرَ فَإِنِ انْتَقَصَ مِنْ فَرِيْضَتِهِ شَيْءٌ قَالَ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالَى أُنْظُرُوا هَلْ لِعَبْدِي مِنْ تَطَوُّعٍ فَيُكَمَّلُ بِهَا مَا انْتَقَصَ مِنَ الْفَرِيْضَةِ ثُمَّ يَكُونُ سَائِرُ عَمَلِهِ عَلَى ذٰلِكَ وَفِي رِوَايَةٍ ثُمَّ الزَّكَاةُ مِثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ تُؤْخَذُ الْأَعْمَالُ عَلَى حَسَبِ ذٰلِكَ. (رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَرَوَاهُ أَحْمَدُ عَنْ رَجُلٍ)[2]

---

[1] اخرجه ابوداؤد: ۱۲۹۷ وابن ماجه: ۱۳۸۷ والترمذی: ۴۸۲ [2] اخرجه احمد: ۲/۲۹۰

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ میں نے سرتاج دو عالم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "قیامت کے روز بندہ کے اعمال میں سب سے پہلے جس عمل کے بارے میں محاسبہ کیا جائے گا وہ اس کی نماز ہوگی، لہٰذا اگر اس کی نماز درست ہوگی (یعنی اس نے نماز کو صحیح ادا کیا ہوگا۔ یا یہ کہ اس کی نماز مقبول ہوئی ہوگی) تو وہ فلاح اور کامیابی پائے گا اور اگر نماز فاسد ہوگی (یعنی نماز ادا نہ کی گئی یا ادا تو کی گئی مگر غیر صحیح اور غیر مقبول) تو وہ ثواب سے، ناامید ہوگا اور (عذاب میں مبتلا ہونے کی وجہ سے) خسارے میں رہے گا۔ ہاں اگر (کسی کی) فرض نماز میں کچھ کمی رہ گئی (یعنی نماز کے فرض، واجب اور سنت مؤکدہ ارکان میں سے کوئی رکن رہ گیا اور نماز مکمل ہوگئی) تو اللہ بزرگ و برتر (فرشتوں سے) فرمائے گا کہ "دیکھو میرے بندہ کے پاس (یعنی اس کے نامۂ اعمال میں) کچھ سنت یا نفل نماز بھی ہے؟ لہٰذا (اگر اس کے نامۂ اعمال میں سنت و نفل نماز ہوگی تو) اس کے ذریعہ سے اس کی فرض نماز کی کمی پوری کی جائے گی پھر اسی طرح بندہ کے دوسرے اعمال کا حساب ہوگا۔" ایک دوسری روایت میں (آخری الفاظ) یوں ہیں "پھر ایسے ہی زکوٰۃ کا حساب ہوگا اور پھر بقیہ اعمال کا محاسبہ کیا جائے گا۔" یہ روایت ابوداؤد نے نقل کی ہے اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت ایک (دوسرے) شخص سے نقل کی ہے۔

توضیح: "اول مایحاسب" قیامت کے روز سب سے پہلے سوال اور حساب نماز کا ہوگا چنانچہ عوام میں یہی مشہور ہے اور کچھ عرصہ پہلے اکثر مساجد کی دیواروں اور محرابوں پر فارسی کا یہ شعر لکھا رہتا تھا [۱]

روز محشر کہ جان گداز بود   اولین پرسش نماز بود

سوال: یہاں یہ سوال اٹھتا ہے کہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ قیامت کے روز سب سے پہلے حساب نماز کا ہوگا جبکہ ایک اور روایت میں مذکور ہے کہ قیامت میں سب سے پہلے حساب خون کا ہوگا یہ تعارض ہے۔

جواب: اس سوال کا جواب علماء نے یہ دیا ہے کہ حقوق اللہ میں پہلا حساب نماز کا ہوگا اور حقوق العباد میں پہلا حساب ناحق خون کا ہوگا اسکی مزید تفصیل توضیحات ج ۴ ص ۳۸۲ میں لکھی جا چکی ہے۔ [۲]

"فیکمل" یعنی نماز حج روزہ اور زکوٰۃ کے فریضوں میں اگر کوئی نقص رہ گیا ہو تو قیامت کے دن نوافل سے اس کی تکمیل کی جائے گی یہ حدیث ہمارے عرب بھائیوں کے لئے تازیانہ عبرت ہے جو سنن و نوافل کو نظر انداز کرتے ہیں صرف مکروہ [۳] وقت میں نفل پڑھنے کی پابندی کرتے ہیں سنن مؤکدہ کا چھوڑنا کتنی محرومی کی بات ہے علماء نے لکھا کہ پورا فریضہ اگر کسی نے چھوڑ دیا تو نوافل سے اس کی تکمیل نہیں ہوسکتی یہ قاعدہ صرف ادا شدہ ناقص فریضہ کی تکمیل کے لئے ہے۔ (التعلیق الفصیح)

نماز اور قرآن کی فضیلت

﴿۳﴾ وعن أَبِي أُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَذِنَ اللّٰهُ لِعَبْدٍ فِيْ شَيْءٍ أَفْضَلَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ يُصَلِّيْهِمَا وَإِنَّ الْبِرَّ لَيُذَرُّ عَلٰى رَأْسِ الْعَبْدِ مَادَامَ فِيْ صَلَاتِهٖ وَمَا تَقَرَّبَ الْعِبَادُ إِلٰى

[۱] المرقات: ۳/۲۲۰ [۲] المرقات: ۳/۲۲۰ [۳] المرقات: ۳/۲۲۱

اللّٰهِ بِمِثْلِ مَا خَرَجَ مِنْهُ يَعْنِي الْقُرْآنَ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے فرمایا اللہ جل شانہ بندہ کے کسی عمل پر اپنی رحمت کے ساتھ اتنا زیادہ متوجہ نہیں ہوتا جتنا کہ اس کی پڑھی ہوئی دو رکعت نماز پر (چونکہ تمام اعمال میں نماز سب سے زیادہ افضل ہے اس لئے بندہ پر اس کے اور اعمال کی بہ نسبت نماز پڑھنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی عنایت بہت زیادہ ہوتی ہے) اور بندہ جب تک نماز میں مشغول رہتا ہے تو اس کے سر پر نیکی و بھلائی چھڑکی جاتی ہے (یعنی اس کے اوپر رحمت و ثواب کا جو نیکی کا نتیجہ ہے نزول ہوتا ہے) اور بندہ خدا کا تقرب حاصل کرنے میں جس قدر اس سے نکلے ہوئے سرچشمہ ہدایت یعنی قرآن کریم سے فائدہ اٹھاتا ہے اتنا کسی چیز سے نہیں (یعنی خدا کا قرب جتنا زیادہ قرآن کریم پڑھنے سے ہوگا اتنا اور کسی چیز سے حاصل نہیں ہوگا۔) (احمد، ترمذی)

توضیح: "ما اذن" یہاں اذن استمع کے معنی میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ اس کو قبول کرتا ہے اس سے راضی ہوتا ہے اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔[۲]

"یذر" نصر ینصر سے مجہول کا صیغہ ہے چھڑکنے اور نچھاور کرنے کے معنی میں ہے۔[۳]

"ما خرج منه" مجرور کی یہ ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف بھی لوٹتی ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے علم سے جو کچھ نکلا ہے یا اللہ تعالیٰ کے لوح محفوظ سے جو کچھ نکلا ہے اس سے مراد قرآن عظیم ہے، مجرور کی یہ ضمیر عبد کی طرف بھی لوٹ سکتی ہے مطلب یہ ہوگا کہ جو چیز اس بندے کی زبان اور منہ سے نکلتی ہے اس سے بھی قرآن عظیم مراد ہے خلاصہ یہ کہ قرآن عظیم کی تلاوت اور اس پر عمل سے انسان جو قرب الٰہی حاصل کرسکتا ہے اس طرح کسی اور عبادت سے حاصل نہیں کرسکتا ہے۔[۴]

[۱] اخرجه احمد: ۵/۲۶۸ والترمذی: ۱/۲۹ [۲] المرقات: ۳/۳۲۲ [۳] المرقات: ۳/۳۲۲ [۴] المرقات: ۳/۳۲۳

مورخہ ۱۹ جمادی الاول ۱۴۲۵ھ

باب صلوٰۃ السفر

نمازسفر کا بیان

قال اللہ تعالیٰ ﴿واذا ضربتم فی الارض فلیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوٰۃ﴾[1]

وقال اللہ تعالیٰ ﴿فاینما تولوا فثم وجه اللہ﴾[2]

سفر یسفر سے **سفرًا وسفورًا** سفر کے لئے روانہ ہونے کو کہتے ہیں لفظ سفر کے مادہ میں انکشاف کا معنی پڑا ہے چنانچہ **اسفر اسفارًا تفسر تفسیرًا** اور **مسفرۃ** تمام الفاظ میں کشف وانکشاف اور وضاحت کا معنی پڑا ہے۔[3]

"**مسفرۃ**" آج کل اس آلہ کو کہتے ہیں جس کو ڈاکٹر صاحبان لوگوں کے پیٹ اور پیٹھ پر رکھ کر بیمار کی اندرونی کیفیت کا اندازہ لگاتے ہیں اس آلہ سے ڈاکٹر کو کچھ نظر تو نہیں آتا ہے البتہ اندر سے غُر غُر اور غروں غروں کی آواز کا اندازہ لگا دیتے ہیں اور گلے میں ڈالکر رعب جمانے اور مزے لینے کا فائدہ اٹھاتے ہیں۔

بہرحال وہ سفر جس سے بعض شرعی احکام متاثر ہوجاتے ہیں مثلاً رمضان کے روزے متاثر ہوجاتے ہیں اور نمازوں پر اس کا اس طرح اثر پڑتا ہے کہ چار رکعات والی نماز دو رکعتوں میں بدل جاتی ہے اور سنن مؤکدہ کا تأکد ختم ہوجاتا ہے اور جمع بین الصلوتین کا مسئلہ پیدا ہوجاتا ہے کہ آیا سفر کی وجہ سے جمع بین الصلوتین کی گنجائش ہے یا نہیں؟

بہرحال اس شرعی سفر کے چند مواضع میں تفصیل وتحقیق اور فقہاء کا اختلاف ہے اسی کو چند مباحث کے عنوان سے بیان کیا جاتا ہے۔

بحث اول مسافت سفر:

کتنی مسافت کا سفر طے کرنے سے آدمی شرعاً مسافر بنتا ہے اور اس کو شرعی سہولیات مثل قصر صلوٰۃ اور افطار صوم حاصل ہوجاتی ہیں اس مسافت میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف:

بعض اہل ظواہر اور غیر مقلدین حضرات کے نزدیک قصر صلوٰۃ کے لئے سفر کی کوئی حد متعین نہیں ہے بلکہ مطلق سفر قصر کے لئے کافی ہے مودودی صاحب نے بھی تقریباً اسی مسلک کو اپنایا ہے۔

مگر عام اہل ظواہر کے نزدیک قصر صلوٰۃ کے لئے تین میل کی مقدار سفر کا ہونا ضروری ہے اور یہی مقدار موجب قصر ہے لیکن جمہور فقہاء فرماتے ہیں کہ اتنی کم مسافت سفر سے قصر صلوٰۃ جائز نہیں بلکہ قرآن کی آیت "**او علی سفر**" ایک معتدبہ

[1] نساء الآیہ: ۱۰۱ [2] بقرہ: ۱۱۵ [3] المرقات: ۳/۲۲۳

سفر کا تقاضا کرتی ہے کیونکہ علی استعلاء کیلئے ہے گویا یہ شخص سفر کی گردن پر مسلسل سوار ہے۔

پھر جمہور کا آپس میں تھوڑا سا اختلاف ہے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابنیۂ مصر سے نکلنے کے بعد اڑتالیس میل کی مسافت کا سفر موجب قصر ہے اس سے کم نہیں اور صرف ارادہ سفر بھی کافی نہیں بلکہ شہر کے مضافات سے نکلنا ضروری ہے ان حضرات کے نزدیک اصل میں شرعی سفر چار برید یا سولہ فرسخ کی مسافت ہے ایک برید بارہ میل کا ہوتا ہے اور ایک فرسخ تین میل کا ہوتا ہے۔[1]

تو دونوں اطلاقات کا نتیجہ اڑتالیس میل نکلتا ہے لہٰذا شرعی سفر کی مسافت اڑتالیس میل ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا اصل مسلک تین مراحل کا ہے ایک اطلاق تین منازل کا ہے اور ایک اطلاق یہ ہے کہ متوسط سفر کے ساتھ تین دن کا سفر موجب قصر صلوٰۃ ہے متوسط سفر کا مطلب یہ کہ پیدل آدمی کی چال یا اونٹ کی چال سے سال کے سب سے چھوٹے دن میں آدمی صبح سے فقط دو پہر تک سفر کرے یہ مطلب نہیں کہ صبح سے شام تک سفر کرے تو بہر حال ایک دن یا ایک منزل یا ایک مرحلہ کے سفر کی مسافت تقریباً سولہ میل ہوتے ہیں تو نتیجہ کے اعتبار سے امام صاحب کا قول بھی جمہور کے قول کی طرف لوٹتا ہے صرف لفظی اختلاف ہے اور اگر فرق بھی ہو تو علماء احناف نے عوام کی سہولت کے پیش نظر جمہور کے قول کے مطابق ۴۸ میل پر فتویٰ دیا ہے علماء نے ۴۸ میل مسافت کو ۷۸ کلومیٹر کے برابر قرار دیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ آج کل جو شخص اپنے گھر سے ۴۸ میل یعنی ۷۸ کلومیٹر کی مسافت کے سفر پر نکلا تو جونہی وہ اپنے گاؤں یا شہر کی آبادی سے باہر نکلا اس پر قصر کا حکم نافذ ہو جائے گا۔[2]

دلائل:

اہل ظواہر داؤد ظاہری اور غیر مقلدین نے اس باب کی پہلی حدیث کے ظاہری الفاظ سے استدلال کیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے "صلی القصر بذی الحلیفة رکعتین" ذوالحلیفہ میں دو رکعت نماز قصر پڑھی اور ذوالحلیفہ مدینہ منورہ سے تقریباً تین میل کے فاصلہ پر ہے۔[3]

اہل ظواہر نے ایک غیر ثابت شدہ روایت سے بھی استدلال کیا ہے جس میں تین میل کی تصریح موجود ہے۔

جمہور نے اس باب کی فصل ثالث کی حدیث نمبر ۱۹ سے استدلال کیا ہے الفاظ اس طرح ہیں۔

وعن مالك بلغه ان ابن عباس كان يقصر الصلوٰة فى مثل مايكون بين مكة والطائف وفى مثل مابين مكة وعسفان وفى مثل مابين مكة وجدة قال وذلك اربعة برد. (رواه مالك فى المؤطا)

جمہور کی دوسری دلیل حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو مسلم شریف میں ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔

جعل النبى صلى الله عليه وسلم ثلاثة ايام ولياليهن للمسافر.

---

[1] المرقات: ۳/۲۲۲ [2] المرقات: ۳/۲۲۲ [3] المرقات: ۳/۲۲۲

اس روایت سے استدلال اس طرز پر ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے مسافر کی حیثیت اور شرعی احکام کے تغیر کے لئے تین دن مقرر فرمائے ہیں کہ اگر تین دن کا سفر ہے تو مسح علی الخفین تین دن تک ہے ورنہ سفر نہیں اور جب تین دن سے کم سفر نہیں بنتا تو مسح تین دن کے بجائے ایک دن ایک رات تک ہوگا جو مقیم کے لئے ہوتا ہے۔

اس روایت سے احناف جمہور کے مقابلہ میں اس پر بھی استدلال کرتے ہیں کہ مسافت سفر اور سفر کی مقدار کا اعتبار تین دن رات پر ہے نہ کہ چار برید پر یہاں جمہور کا اختلاف چونکہ لفظی اختلاف تھا جو ختم ہو گیا اس لئے اس کو چھیڑنے کی ضرورت نہیں ہے اہل ظواہر کے مقابلہ میں جمہور نے حضرت ابن عمر اور حضرت سوید بن غفلہ رضی اللہ عنہما کے ایک اثر سے بھی استدلال کیا ہے الفاظ یہ ہیں "اذا سافرت ثلاثا فاقصر"۔ (کتاب الآثار لمحمد)

ان روایات سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ موجب قصر صلوٰۃ کی مسافت ایک معین اور محدود ومعدود مسافت ہے نہ یہ کہ جو بھی سفر ہو وہ موجب قصر ہے خواہ قصیر ہو یا کثیر ہو۔

جواب: داؤد ظاہری اور غیر مقلدین نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی جس روایت سے استدلال کیا ہے وہ استدلال غلط ہے اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ مدینہ سے صرف ذوالحلیفہ نہیں جا رہے تھے بلکہ آپ مدینہ سے مکہ جا رہے تھے جو پانچ سو میل سے زیادہ کی مسافت ہے۔

بحث دوم کہ قصر رخصت ہے یا عزیمت ہے:

اس پر سب کا اتفاق ہے کہ سفر میں دو اور تین رکعات والی نماز میں قصر نہیں ہوتا ہے اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ سفر میں چار رکعتوں والی نماز میں قصر ہوتا ہے چار رکعتوں والی نماز کو دو رکعتیں پڑھنا قصر کہلاتا ہے سفر شرعی میں قصر کرنا ہر حالت میں بالاتفاق مشروع اور جائز ہے خواہ حالت امن ہو یا حالت خوف ہو۔[1]

اب اس میں اختلاف ہوا ہے کہ اس قصر کی حیثیت کیا ہے آیا قصر کرنا رخصت ہے یا عزیمت ہے بالفاظ دیگر یہ رخصت اسقاط ہے یا رخصت ترفیہ ہے۔

فقہاء کا اختلاف:

جمہور کے نزدیک قصر کرنا رخصت ہے اور اتمام کرنا عزیمت ہے یعنی قصر کرنا رخصت ترفیہ ہے قصر اور اتمام دونوں جائز ہیں مگر اتمام افضل ہے رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمہ کے ص ۵۳ پر جمہور کا مسلک اسی طرح لکھا ہے اگرچہ دیگر کتب میں امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے دوسرے اقوال بھی ہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک شرعی سفر میں قصر کرنا عزیمت ہے یہ رخصت ترفیہ واختیار یہ نہیں بلکہ رخصت اسقاط ہے کہ قصر کرنا لازم ہے اتمام ناجائز ہے۔ اس اختلاف کا ثمرہ اس صورت میں ظاہر ہوگا کہ اگر کسی نے سفر میں چار رکعات پڑھ لیں اور قعدہ اولیٰ نہیں کیا تو جمہور کے نزدیک نماز باطل نہیں ہوگی لیکن احناف کے نزدیک نماز باطل ہو جائے گی اس لئے کہ

[1] المرقات: ۳/۲۲۶

دو رکعت پر بیٹھ کر قعدہ کرنا قعدہ آخیرہ تھا جو فرض تھا اس کے ترک کرنے سے نماز باطل ہوگئی۔ [۱]

دلائل:

جمہور نے قرآن عظیم کی آیت ﴿واذا ضربتم فی الارض فلیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوٰة﴾ سورت نساء ۱۰۱ سے استدلال کیا ہے۔ [۲]

طرز استدلال اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قصر کی صورت میں جناح وگناہ کی نفی فرمائی ہے کہ قصر میں گناہ نہیں بلکہ مباح ہے اور اباحت وجوب کے منافی ہے لہٰذا اِتمام عزیمت نہیں بلکہ رخصت ہے۔

جمہور کی دوسری دلیل اس باب کی فصل ثانی کی پہلی حدیث نمبر ۹ جس میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر کی حالت میں نماز میں قصر بھی کیا ہے اور اِتمام بھی کیا ہے۔

اسی طرح دارقطنی میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں "ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یقصر فی السفر ویتم" اس سے بھی جمہور استدلال کرتے ہیں۔ [۳]

جمہور کی تیسری دلیل حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا فعل ہے یہ دونوں حضرات سفر میں اِتمام کرتے تھے جس طرح فصل ثالث کی حدیث نمبر ۱۵ اور حدیث نمبر ۱۶ میں واضح طور پر مذکور ہے۔

ائمہ احناف نے کئی احادیث سے استدلال کیا ہے کہ قصر عزیمت ہے اور یہ رخصت اسقاط ہے اور اِتمام ناجائز ہے چند احادیث بطور نمونہ پیش خدمت ہیں۔

احناف نے اس باب کی فصل اول کی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی حدیث نمبر ۳ سے استدلال کیا ہے جس کی تخریج امام مسلم رحمہ اللہ نے کی ہے جس میں یہ الفاظ ہیں "فقال صدقة تصدق الله بها علیکم فاقبلوا صدقته"۔ [۴]

یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سفر میں قصر کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک احسان ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کے اس احسان کو قبول کرو تو اس میں ایک تو قصر کو صدقہ قرار دیا اور صدقہ جب کسی کے ہاتھ میں آجاتا ہے تو وہ اس کا مالک بن جاتا ہے اور دینے والا اس کو واپس نہیں لیتا یہ انداز بھی وجوب قصر کی طرف اشارہ کرتا ہے دوسرا اس حدیث میں فاقبلوا امر کا صیغہ ہے جو وجوب کے لئے آتا ہے لہٰذا قصر واجب وعزیمت ہے اور رخصت اسقاط ہے اور اتمام ساقط ہوگیا ہے مشکوٰۃ میں یہ حدیث ص ۱۱۸ پر مذکور ہے۔

ائمہ احناف کی دوسری دلیل اس باب کی فصل ثالث کی حدیث نمبر ۱۶ ہے جس کی روایت حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہے اور جس کی تخریج بخاری ومسلم نے کی ہے جس میں واضح طور پر مذکور ہے کہ ابتداء اسلام میں دو رکعت نماز فرض ہوئی پھر جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تو چار رکعت نماز فرض ہوگئی لیکن سفر کی نماز اسی طرح دو رکعت رہ گئی یہ حدیث مشکوٰۃ ص ۱۱۹ پر مذکور ہے۔ [۵]

---

[۱] المرقات [۲] سورت نساء الایۃ: ۱۰۱ [۳] المرقات: ۲/۱۴۱ [۴] المرقات: ۲/۲۲۶ [۵] المرقات: ۲/۲۲۵

احناف کی تیسری دلیل مشکوٰۃ کے اسی صفحہ پر حدیث نمبر ۱۷۱ ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے جس کی تخریج امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے اس کا مضمون بھی اسی طرح ہے جس طرح حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی گذشتہ روایت کا مضمون ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حالت قیام میں چار رکعات نماز فرض فرمائی اور سفر میں دو رکعت فرض فرمائی۔[1]

ائمہ احناف کی چوتھی دلیل حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی وہ حدیث ہے جس کی تخریج امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری شریف میں کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔

عن ابن عمر قال صحبتُ رسول الله صلى الله عليه وسلم في السفر فلم يزد على الركعتين حتى قبضه الله۔ (رواه البخاری)

گویا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدۃ العمر سفر میں قصر فرمایا ہے اور کسی عمل پر اس طرح مداومت و مواظبت وجوب کی دلیل ہے لہٰذا قصر عزیمت ہے اور اتمام ناجائز ہے۔

جواب: جمہور نے قرآن کی آیت سے جو استدلال کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ قصر صلوٰۃ فی السفر میں صحابہ کرام کی طرف سے حرج محسوس کرنے کا امکان تھا کہ اتمام میں ثواب زیادہ ہے قصر میں ثواب کم ملیگا اسی حرج کو دور کرنے کے لئے لاجناح فرمایا یہ لفظ اباحت کے لئے متعین نہیں ہے بلکہ وجوب کے موقع پر بھی استعمال ہوسکتا ہے جیسا کہ صفا مروہ کے درمیان سعی کے لئے فلا جناح علیه ای یطوف بهما کے الفاظ آئے ہیں حالانکہ سعی واجب ہے۔

بعض علماء نے آیت کا جواب یہ بھی دیا ہے کہ اس آیت کا تعلق صلوٰۃ خوف سے ہے اس کا تعلق قصر فی السفر سے نہیں ہے جیسا کہ مجاہد اور ابن جریر و ابن کثیر کی تفاسیر سے معلوم ہوتا ہے۔

جمہور کی دوسری دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت کا جواب یہ ہے کہ یقصر اور یتم کے مواقع الگ الگ ہیں یقصر کا تعلق سفر سے ہے کہ تین دن کی مسافت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قصر فرماتے تھے اور تین دن سے کم سفر میں قصر نہیں فرماتے تھے کیونکہ وہ شرعی سفر نہیں ہوتا بلکہ لغوی سفر ہوتا تھا۔

دارقطنی کی روایت کا بھی ایک جواب یہی ہے دوسرا جواب یہ ہے کہ یقصر کے الفاظ اور قصر کا تعلق رباعیہ نمازوں سے ہے جس میں قصر ہوتا ہے اور یتم کے لفظ کا تعلق ان نمازوں سے ہے جو ثنائی یا ثلاثی ہیں جس میں قصر نہیں بلکہ مکمل پڑھی جاتی ہیں تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ ابتدائی دور کا حکم تھا بعد میں قصر کا وجوب آیا۔[2]

جمہور کی تیسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے فعل سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ وہ حضرات خود کسی دلیل کی وجہ سے اتمام فی السفر نہیں کرتے تھے بلکہ تاویل و اجتہاد سے کام لیتے تھے چنانچہ حدیث نمبر ۱۶۱ میں جب زہری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حالت سفر میں اتمام

---

[1] المرقات: ۳/۲۳۶ [2] المرقات: ۳/۲۲۲

صلوٰۃ کیوں کرتی تھیں تو حضرت عروہ نے جواب دیا کہ وہ اسی طرح تاویل کرتی تھیں جس طرح تاویل واجتہاد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کرتے تھے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تاویل اوران کا اجتہاد یہ تھا کہ وہ امیر المؤمنین ہیں جہاں جائیں گے گویا اپنے ہی گھر میں ہیں سفر میں نہیں ایک اجتہاد انکی طرف سے یہ بھی تھا کہ وہ فرماتے تھے کہ موسم حج میں دنیا کے لوگ اکٹھے ہوتے ہیں اگر میں منیٰ وغیرہ میں قصر کروں گا تو دیہاتی لوگ سمجھیں گے کہ نماز ہی دو رکعت ہے اس سے ان کو مغالطہ لگ جائے گا۔[1]

حضرت عثمان کی اِتمام کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ انہوں نے مکہ مکرمہ میں نکاح کیا تھا اور وہاں اپنے اہل وعیال کے ساتھ رہنا پڑتا تھا اس لئے وہ اپنے آپ کو مقیم سمجھتے تھے۔[2]

اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یہ تاویل اور اجتہاد فرماتی تھیں کہ میں ام المؤمنین ہوں جہاں جاتی ہوں گویا وہ میرا اپنا اقامتی گھر ہے لہٰذا سفر نہیں ہے اس وجہ سے وہ نماز میں اتمام فرماتی تھیں۔

تاہم ان حضرات کی اس تاویل اور اجتہاد کو صحابہ نے قبول نہیں کیا اور ان پر طرح طرح کے سوالات کیے اور یہ حضرات کسی دلیل پیش کرنے کے بجائے صرف تاویل واجتہاد فرماتے تھے اس سے معلوم ہوا کہ سفر میں قصر ہے اور قصر عزیمت ہے رخصت نہیں ہے۔

الفصل الاول

﴿۱﴾ عن أَنَسٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الظُّهْرَ بِالْمَدِيْنَةِ أَرْبَعاً وَصَلَّى الْعَصْرَ بِذِي الْحُلَيْفَةِ رَكْعَتَيْنِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْه)[3]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرتاج دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں ظہر کی نماز چار رکعت پڑھی اور ذی الحلیفہ میں عصر کی نماز دو رکعت پڑھی (بخاری ومسلم)

توضیح: پہلے بتایا جا چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سفر میں صرف ذوالحلیفہ تک نہیں بلکہ مکہ کے سفر پر جارہے تھے لہٰذا غیر مقلدین اس سے استدلال نہیں کر سکتے ہیں کہ تین میل کی مسافت کے سفر میں قصر ہوتا ہے۔

ذوالحلیفہ مدینہ منورہ سے باہر ہے لہٰذا جمہور کا یہی مسلک ہے کہ جب شہر یا گاؤں کی حدود سے آدمی نکل جاتا ہے اور ۴۸ میل یعنی ۷۸ کلومیٹر کی نیت پر جاتا ہے تو وہ شرعی مسافر ہے جب تک گاؤں کی حدود سے نکلا نہیں صرف سفر کے ارادہ اور نیت سے آدمی مسافر نہیں بنتا اور نہ ان پر مسافر کے احکام نافذ ہوتے ہیں۔

منیٰ اور عرفات میں قصر سفر ہے یا قصر حج ہے

﴿۲﴾ وَعَنْ حَارِثَةَ بْنِ وَهْبٍ الْخُزَاعِيِّ قَالَ صَلَّى بِنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ أَكْثَرُ مَا

[1] اخرجه [2] المرقات: ۳/۳۲۲ [3] اشعة المعات: ۵۹۸ اخرجه البخاري: ۲/۲۱۰ ومسلم: ۲/۱۴۴

كُنَّا قَطُّ وَآمَنَهُ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت حارثہ ابن وہب خزاعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "سرتاج دو عالم ﷺ نے ہمیں منیٰ میں دو رکعتیں پڑھائیں اور اس موقعہ پر ہم اتنی تعداد میں تھے کہ اس سے پہلے کبھی نہ تھے اور امن کی حالت میں تھے۔" (بخاری و مسلم)

توضیح: "ونحن اکثر ما کنا" ای نحن اکثر اکوانا عددًا و اکثر اکواننا امنا یہ جملہ حالیہ اور ما مصدر یہ ہے۔

شیخ عبدالحق رحمہ اللہ نے اس جملہ کی ترکیب میں بہت کچھ لکھا ہے اوپر جو تقدیری عبارت نکالی گئی ہے یہ سب سے آسان صورت ہے۔ مطلب یہ کہ حضور اکرم ﷺ نے منیٰ میں قصر کی نماز اس حالت میں پڑھائی کہ ہم اس زمانے میں سب سے زیادہ امن میں تھے اور سب سے زیادہ تعداد میں بھی تھے اس حدیث میں صحابی یہ بتانا چاہتے ہیں کہ قصر کے لئے کفار کا خوف یا حملہ کوئی شرط نہیں ہے بلکہ حالت امن میں بھی شرعی سفر میں قصر کیا جاسکتا ہے۔ اب یہاں یہ مسئلہ اٹھتا ہے کہ آیا یہ دو رکعت جو حضور اکرم ﷺ نے منیٰ میں پڑھائیں سفر کی وجہ سے قصر فرمایا۔ یا حج کی وجہ سے ایسا فرمایا اس میں فقہاء کا تھوڑا سا اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف:

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ قصر الحج یعنی حج کے ایام میں عرفات مزدلفہ اور منی میں چونکہ بہت بڑا اژدحام ہوتا ہے اس لئے سہولت کے پیش نظر ان مقامات میں نماز رباعی میں قصر کیا جائے گا نیز جمعہ کی نماز ان مقامات میں نہیں اور عید الاضحیٰ کی نماز بھی نہیں ہے بلکہ عرفات اور مزدلفہ میں جمع بین الصلوتین پر عمل ہوگا یہ سب آسانی کے پیش نظر ہے۔

جمہور علماء فرماتے ہیں کہ یہ قصر الحج نہیں بلکہ قصر صلوٰۃ بوجہ سفر تھا لہٰذا جو آدمی مسافر ہوگا وہ ان مقامات میں قصر سفر پر عمل کریگا لیکن جو آدمی مقیم ہوگا وہ قصر نہیں کریگا۔

فقہاء احناف کی کتابوں مثلاً شامی میں احناف کو مشورہ دیا گیا ہے کہ اگر کوئی مسافر نہیں تو وہ اپنی نماز خراب نہ کرے اور قصر کی کوشش نہ کرے بلکہ الگ کامل و مکمل نماز پڑھے بحر الرائق کے ہامش پر حاشیہ شامی ابن عابدین ہے اس میں اسی طرح لکھا ہے۔ (بحر ج ۲ ص ۳۳۷)

عرفات میں جمع بین الصلوتین میں بھی اسی اصول کے پیش نظر مقیم آدمی شریک نہیں ہوسکتا ہے کیونکہ مقیم کے لئے قصر جائز نہیں ہے اور جمع بین الصلوتین کے لئے شرط یہ ہے کہ آدمی اس عام اجتماعی امام کی اجتماعی نماز میں شریک ہو کر جمع بین الصلوتین کرے لہٰذا ایک حنفی الگ اپنے طور پر جمع بین الصلوتین بھی نہیں کرسکتا ہے یہ امام صاحب کا مسلک ہے صاحبین کے ہاں جماعت اور اجتماع شرط نہیں ہے تنہا بھی جمع بین الصلوتین جائز ہے اگرچہ پہلا قول راجح ہے۔

---

[1] اخرجه البخاري: ۲/۵۳، ۲/۱۹۷ و مسلم: ۲/۱۴۷

آج کل عرفات ومنیٰ میں سعودی علماء قصر کرتے ہیں جو امام مالک رحمہ اللہ کے علاوہ تمام مسالک کے لئے باعث پریشانی ہے کبھی کبھی سعودی حکومت عرفات کی نماز کے لئے ایسے امام کو لاتے ہیں جو خود مسافر ہوتا ہے تا کہ قصر کی نماز درست ہوجائے عموماً آج کل اسی پر عمل ہوتا ہے کہ امام مسافر ہوتا ہے۔

احناف کے کچھ علماء نے یہ بھی لکھا کہ اگر اس مسئلہ میں امام مالک کے مسلک پر عمل کیا جائے تو یہ عمل بھی جائز ہے کیونکہ الگ نماز پڑھنے میں بڑا حرج ہے اور ''الحرج مدفوع فی الشرع'' ایک قاعدہ ہے۔

اور یا یہ کیا جائے کہ اس مسئلہ میں امام مالک رحمہ اللہ کے مسلک ہی کو اپنایا جائے اور اس پر فتویٰ دیا جائے اور کہا جائے کہ یہاں قصر سفر نہیں بلکہ قصر الحج ہے۔ بہر حال اس حدیث میں صحابی یہ بتانا چاہتے ہیں کہ قصر صلوٰۃ کے لئے یہ شرط نہیں کہ کفار کا خوف ہو بغیر خوف امن کی حالت میں بھی جب سفر ہو تو قصر جائز ہے آیت میں ان خفتم کی قید اتفاقی ہے چنانچہ آنے والی روایت میں اس کی تصریح موجود ہے۔

آیت قصر میں خوف کی قید اتفاقی

﴿۳﴾ وعن يَعْلَى بْنِ أُمَيَّةَ قَالَ قُلْتُ لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ إِنَّمَا قَالَ اللهُ تَعَالَى أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَفْتِنَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَقَدْ أَمِنَ النَّاسُ قَالَ عُمَرُ عَجِبْتُ مِمَّا عَجِبْتَ مِنْهُ فَسَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ صَدَقَةٌ تَصَدَّقَ اللهُ بِهَا عَلَيْكُمْ فَاقْبَلُوا صَدَقَتَهُ.

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت یعلیٰ ابن امیہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ اللہ جل شانہ کا ارشاد یہ ہے کہ: کم نماز پڑھو (یعنی قصر کرو) اگر تمہیں یہ خوف ہو کہ کافر تمہیں ستائیں گے۔ (تو) اب (جبکہ) لوگ امن میں ہیں (اور کافروں کے ستانے کا خوف جاتا رہا ہے تو قصر کی کیا ضرورت ہے؟) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ ''جس پر تمہیں تعجب ہے اس پر مجھے بھی تعجب ہوا تھا چنانچہ میں نے سرتاج دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے (اس بارے میں) پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ ''(نماز میں قصر) اللہ تعالیٰ کا ایک احسان ہے جو تم پر کیا گیا ہے لہٰذا تم اس کا صدقہ (یعنی احسان) قبول کرو۔'' (مسلم)

توضیح: یعنی قصر کا حکم کفار کے خوف اور انکے حملوں یا فتنوں سے وابستہ نہیں ہے بلکہ یہ ایک آسانی ہے جو اللہ تعالیٰ نے حالت سفر میں مسلمانوں پر احسان وانعام کیا ہے اس حدیث سے ایک بات یہ معلوم ہوگئی کہ قصر صلوٰۃ کفار کے خوف پر موقوف نہیں بلکہ یہ ایک سہولت ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمان مسافروں کو دی گئی ہے دوسری بات اس حدیث سے یہ معلوم ہوگئی کہ قصر فی السفر اللہ تعالیٰ کا انعام واحسان ہے اور بندوں پر اس کا قبول کرنا واجب ہے لہٰذا قصر عزیمت اور رخصت اسقاط ہے رخصت ترفیہ واختیار یہ نہیں ہے اور یہی احناف کا مسلک ہے۔[2]

---

[1] اخرجه مسلم: ۲/۱۴۳ [2] المرقات: ۳/۲۲۵

اقامت کی مدت کتنی ہے؟

﴿۴﴾ وعن أَنَسٍ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمَدِيْنَةِ إِلَى مَكَّةَ فَكَانَ يُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ حَتّٰى رَجَعْنَا إِلَى الْمَدِيْنَةِ قِيْلَ لَهُ أَقَمْتُمْ بِمَكَّةَ شَيْئًا قَالَ أَقَمْنَا بِهَا عَشْرًا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ کے ہمراہ حجۃ الوداع کے موقع پر ہم مدینہ سے مکہ گئے اور آپ نے (چار رکعت والی نماز کی) دو دو رکعتیں پڑھیں یہاں تک کہ ہم مدینہ واپس آئے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ "کیا آپ لوگ مکہ میں کچھ دن ٹھہرے تھے؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "(ہاں) ہم لوگ مکہ میں دس دن ٹھہرے تھے۔"
(بخاری ومسلم)

توضیح: "اقمنا بها عشرا" شرعی سفر کے باطل ہونے کی ایک صورت یہ ہے کہ آدمی سفر سے فارغ ہوکر منزل مقصود وطن اصلی تک پہنچ جائے اور دوسری صورت یہ ہے کہ آدمی کسی جگہ اقامت کی نیت کرے اب کتنے دن اقامت کی نیت کرنے سے شرعی سفر اور قصر باطل ہوجاتا ہے اس میں فقہاء کے بہت سارے اقوال ہیں مگر مشہور اقوال چار ہیں۔[2]

فقہاء کا اختلاف:

❶ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور داؤد ظاہری کے نزدیک چار دن سے کچھ زیادہ اقامت کی نیت سے قصر باطل ہوجاتا ہے یعنی ۲۱ نمازوں کی مقدار اقامت کی نیت سے قصر باطل ہوجائے گا۔

❷ امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک چار دن کی اقامت کی نیت سے شرعی سفر باطل ہوجاتا ہے البتہ آنے اور جانے کا دن اس سے مستثنیٰ ہے۔

❸ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک ۱۹ دن یا اس سے زائد کی نیت سے قصر باطل ہوجاتا ہے۔[3]

❹ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک پندرہ دن یا اس سے زائد کی اقامت کی نیت سے شرعی سفر اور قصر باطل ہوجاتا ہے۔

دلائل:

ان تمام حضرات کے پاس کوئی مرفوع منصوص حکم نہیں ہے البتہ آثار صحابہ سے سب نے استدلال کیا ہے جس کے ضمن میں اجتہاد بھی شامل ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور داؤد ظاہری اس سے استدلال کرتے ہیں کہ حضور اکرم حجۃ الوداع کے موقع پر مکہ مکرمہ میں چار دن تک ٹھہرے رہے اور قصر کرتے رہے معلوم ہوا اس سے کچھ زیادہ سے قصر باطل ہوجاتا ہے۔

[1] اخرجه البخاری: ۱۹۰/۵ ومسلم: ۲/۱۳۵ [2] المرقات: ۳/۴۲۶ [3] المرقات: ۳/۴۲۸

امام مالک اور شوافع حضرات فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ مکہ مکرمہ میں تین دن ٹھہرے تھے اور قصر کرتے رہے لہٰذا اس سے زیادہ ٹھہرنے سے قصر باطل ہو جاتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ ایک سفر میں کہیں تشریف لے گئے اور ۱۹ دن تک قیام کیا مگر آپ قصر کرتے رہے جیسا کہ آئندہ حدیث نمبر ۵ میں آرہا ہے لہٰذا ۱۹ دن سے زیادہ کی نیت سے شرعی سفر باطل ہوتا ہے۔

ائمہ احناف کی دلیل حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے متعلق ایک اثر ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔

وعن مجاهد ان ابن عمر كان اذا اجمع على اقامة خمسة عشر يوما اتم الصلوٰة۔

(رواه ابن ابی شیبه بسند صحیح)

احناف کی دوسری دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اثر ہے جو طحاوی میں اس طرح مذکور ہے۔

اذا قدمت بلدة وانت مسافر وفي نفسك ان تقيم خمسة عشر يوما فاكمل الصلوٰة بها وان كنت لا تدري متى تظعن فاقصرها۔ (طحاوی)

ترجمہ: جب آپ کسی شہر میں مسافر بن کر آجائیں اور وہاں پندرہ دن قیام کا ارادہ ہو تو آپ وہاں پوری نماز پڑھیں اور تمہیں معلوم نہ ہو کہ کب سفر پر روانہ ہونا ہے تو پھر قصر کیا کرو۔

جواب: زیر بحث حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے شوافع اور حنابلہ کی دلیل بالکل ختم ہوگئی اس لئے کہ اس حدیث کے مطابق دس دن کے قیام میں صحابہ کرام قصر کرتے رہے تو چار دن یا تین دن کی اقامت کی کیا حیثیت باقی رہ سکتی ہے؟۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ جب آدمی آج کل کرتے کرتے جانے کا ارادہ رکھتا ہو تو وہاں ۱۹ دن تو کیا بلکہ ۱۹ ماہ تک آدمی مسافر رہ سکتا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رامہرمز میں ۹ ماہ تک قصر کرتے رہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما چھ ماہ تک آذربائیجان میں مقیم تھے لیکن قصر کرتے رہے کیونکہ آج کل کرتے کرتے یہ عرصہ گذر گیا اسی طرح حضور اکرم ﷺ نے بھی کسی سفر میں یہی نیت کی کہ کل جائیں گے لیکن جہادی معاملات میں پھر رک جاتے اس طرح ۱۹ دن گذر گئے یہ فعل مدت اقامت کے لئے دلیل نہیں بن سکتا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی دلیل

﴿۵﴾ وعن ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَافَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَفَرًا فَأَقَامَ تِسْعَةَ عَشَرَ يَوْمًا يُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَنَحْنُ نُصَلِّيْ فِيْمَا بَيْنَنَا وَبَيْنَ مَكَّةَ تِسْعَةَ عَشَرَ رَكْعَتَيْنِ

رَكْعَتَيْنِ فَإِذَا أَقَمْنَا أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ صَلَّيْنَا أَرْبَعًا۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) سرتاج دو عالم ﷺ (کہیں) سفر میں تشریف لے گئے اور وہاں انیس دن قیام فرمایا (دوران قیام) آپ دو دو رکعتیں نماز پڑھتے رہے۔" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ "ہم لوگ بھی جب مکہ اور اپنے (یعنی مدینہ) کے درمیان (کہیں) انیس دن قیام کرتے ہیں تو دو دو رکعتیں نماز پڑھتے ہیں اور جب اس سے زیادہ ٹھہرتے ہیں تو چار رکعت نماز پڑھتے ہیں۔" (بخاری)

توضیح: یہ حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی دلیل ہے لیکن علماء فرماتے ہیں کہ اس روایت میں کسی اقامت اور اس کی نیت کا ذکر نہیں ہے بلکہ "علی عزم الترحیل" بلا قصد و ارادہ اتنے دن گذر گئے اس طرح اگر ایک سال بھی گذر جائے تو بھی آدمی مقیم نہیں بنتا۔[2]

مسافر حالت سفر میں سنت پڑھے یا نہ پڑھے؟

﴿۶﴾ وعن حَفْصِ بْنِ عَاصِمٍ قَالَ صَحِبْتُ ابْنَ عُمَرَ فِي طَرِيقِ مَكَّةَ فَصَلَّى لَنَا الظُّهْرَ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ جَاءَ رَحْلَهُ وَجَلَسَ فَرَأَى نَاسًا قِيَامًا فَقَالَ مَا يَصْنَعُ هٰؤُلَاءِ قُلْتُ يُسَبِّحُونَ قَالَ لَوْ كُنْتُ مُسَبِّحًا أَتْمَمْتُ صَلَاتِي صَحِبْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ لَا يَزِيدُ فِي السَّفَرِ عَلَى رَكْعَتَيْنِ وَ أَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ كَذٰلِكَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[3]

ترجمہ: اور حضرت حفص ابن عاصم فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ مکہ اور مدینہ) کے (درمیان) راستہ میں مجھے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی رفاقت کا شرف حاصل ہوا (جب وقت ہو گیا تو) انہوں نے ہمیں ظہر کی نماز دو رکعت پڑھائیں اور (اس کے بعد) جب وہ اپنے خیمہ میں واپس آئے تو دیکھا کہ لوگ کھڑے ہوئے ہیں انہوں نے پوچھا کہ "لوگ یہ کیا کر رہے ہیں۔"؟ میں نے عرض کیا کہ "نفلیں پڑھ رہے ہیں۔" انہوں نے فرمایا کہ "اگر مجھے نفل نماز پڑھنی ہوتی تو میں اپنی فرض نماز پوری نہ پڑھتا (یعنی اگر یہ موقع نفل نماز پڑھنے کا ہوتا تو فرض نمازیں پوری پڑھنی زیادہ اہم ہوتیں مگر جب آسانی کے پیش نظر فرض نماز کو قصر پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے تو نفل نماز کو ترک کرنا ہی اولیٰ ہوگا کیونکہ فرض کو ادا کرنا نفل پڑھنے سے اولیٰ ہے مجھے سرتاج دو عالم ﷺ کی رفاقت کا شرف حاصل ہے آپ سفر کی حالت میں دو رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے، نیز مجھے حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کی رفاقت کا شرف بھی حاصل ہے ان حضرات کا بھی یہی معمول تھا۔ (کہ سفر میں دو رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے)۔

توضیح: اگر سفر میں شدید مشقت ہے یا تنگی وقت ہے اور ایک شخص سنت و نوافل کی شدت سے پابندی کرتا ہے تو یہ جائز نہیں ہے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے فرائض میں نرمی فرمائی تو سنن و نوافل میں تو بطریق اولیٰ نرمی آگئی اسی لئے کہا گیا ہے

[1] اخرجه البخاری: ۵/۱۹۱ [2] المرقات: ۳/۲۲۷ [3] اخرجه البخاری: ۲/۵۷ و مسلم: ۲/۱۴۴

"من السنة ترك السنة فی السفر"۔
لیکن اگر ایک آدمی سفر میں سہولت کے ساتھ ہے اور سفر بھی جاری نہیں بلکہ کچھ وقفہ ہے تو اس وقفہ میں ایک شخص اٹھ کر سنت پڑھتا ہے تو یہ منع نہیں بلکہ اس پر زیادہ اجر وثواب ملے گا۔
"مسبحا" یہ تسبیح سے ہے نفل نماز پڑھنے کے معنی میں ہے یعنی اگر مجھے نفل پڑھنے ہوتے تو میں اس کے بجائے فرض کو مکمل کرتا اور اس کو پڑھ لیتا فرض میں قصر نہ کرتا سفر میں سنتیں پڑھنے نہ پڑھنے میں فقہاء کے اقوال مختلف ہیں۔[1]

فقہاء کا اختلاف:

بعض فقہاء نے سفر میں سنتیں پڑھنے کو مطلقاً ممنوع قرار دیا ہے بعض نے مطلقاً جائز قرار دیا ہے اور بعض نے سنن مؤکدہ راتبہ اور نوافل میں فرق کیا ہے ائمہ اربعہ میں سے امام مالک وشافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک سفر میں بھی سنن قبلیہ وبعدیہ پڑھ لینی چاہئیں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے اس بارے میں کوئی صریح قول منقول نہیں البتہ علماء احناف کے اقوال مختلف ہیں لیکن بہتر قول وہی ہے کہ اگر حالت قرار وسکون واطمینان ہے تو پڑھ لینی چاہئیں ورنہ نہیں البتہ یہ بات طے ہے کہ فجر کی سنتوں کے علاوہ تمام سنتوں کا تاکد سفر میں ختم ہو جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایات بھی اس بارے میں مختلف ہیں آپ سے یہ بھی منقول ہے کہ آپ نے خود سنتیں نہیں پڑھیں اور فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی نہیں پڑھتے تھے جیسے زیر بحث حدیث نمبر ۶ میں مذکور ہے۔
لیکن اس کے بعد حدیث نمبر ۱۱ میں مذکور ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سنتیں پڑھتے تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سفر میں پڑھی ہیں۔

تطبیق:

ان روایات میں تطبیق یہ ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے سنن کے پڑھنے کی جو نفی فرمائی اس سے عام سنن کی نفی مراد نہیں بلکہ اس سے سنن کے تاکد کی نفی مراد ہے۔
یا یہ مطلب ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غالب حالات میں نہیں پڑھتے تھے کبھی کبھی پڑھتے تھے یا یہ مطلب ہے جیسا کہ پہلے لکھا گیا ہے کہ اگر حالت قرار وسکون واطمینان ہو تو پڑھنے میں ثواب ہے لیکن نفل کا ثواب ہے سنن مؤکدہ کا نہیں اور اگر حالت قرار وسکون نہیں عجلت سفر ہے یا تنگی وقت اور تھکاوٹ وتکلیف اور زحمت ہے تو پھر نہ پڑھنے کا حکم ہے۔

جمع بین الصلوتین کا حکم

﴿۷﴾ وعن ابنِ عبّاسٍ قال كانَ رسولُ اللهِ صلّى اللهُ عليهِ وسلّمَ يجمعُ بينَ صلاةِ الظّهرِ والعصرِ إذا كانَ على ظهرِ سيرٍ ويجمعُ بينَ المغربِ والعشاءِ۔ (رواهُ البخاري)[2]

---

[1] المرقات: ۳/۲۲۸ [2] اخرجه البخاری: ۱/۱۴۳، ۱/۱۴۷، ۱/۷۲، ۲/۷۲

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ جب سفر میں ہوتے تو ظہر اور عصر کی نماز ایک ساتھ پڑھتے تھے اور (اسی طرح) مغرب وعشاء کی نماز (بھی) ایک ساتھ پڑھتے تھے۔" (بخاری)

توضیح: "یجمع بین صلوٰۃ الظھر" جمع بین الصلوتین کی دو قسمیں ہیں ایک جمع بین الصلوتین حقیقی ہے اور دوسرا جمع بین الصلوتین صوری اور فعلی ہے۔

جمع حقیقی اور جمع صوری پھر دو قسم پر ہے ایک جمع تقدیم اور دوسرا جمع تاخیر ہے جمع حقیقی اس طرح ہے کہ مثلاً ظہر اور عصر دونوں کو ظہر کے وقت پڑھا جائے اور مغرب وعشاء دونوں کو مغرب کے وقت پڑھا جائے یہ جمع حقیقی ہے اور اس کو جمع تقدیم بھی کہتے ہیں کیونکہ اس میں آخری نماز کو مقدم کر کے پہلی والی نماز کے ساتھ پڑھ لیا گیا امام بخاری نے جمع تقدیم کا انکار کیا ہے اور امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ بھی فرماتے ہیں کہ یہ ثابت نہیں ہے یا ظہر اور عصر دونوں کو عصر کے وقت میں پڑھ لیا جائے اور مغرب وعشاء دونوں کو عشاء کے وقت میں ادا کیا جائے یہ جمع حقیقی ہے اور اس کو جمع تاخیر بھی کہتے ہیں کہ پہلی والی نماز کو آخری نماز کے ساتھ ملا کر پڑھ لیا گیا۔[1]

جمع صوری اور فعلی کی صورت یہ ہے کہ مثلاً ظہر اور عصر کو اپنے وقت میں پڑھا جائے لیکن ظہر کو اپنے وقت کے بالکل آخر میں پڑھ لیا جائے اور عصر کو اپنے وقت کے بالکل اول وقت میں پڑھ لیا جائے اسی طرح مغرب کو اس کے اپنے وقت کے آخر میں پڑھ لیا جائے اور عشاء کو اس کے اپنے وقت کے بالکل ابتداء میں پڑھ لیا جائے اس طرح ظاہری صورت اور عمل میں ایسا لگتا ہے کہ دونوں نمازیں ایک وقت میں پڑھی گئیں ہیں مگر فی الواقع ہر نماز اس کے اپنے وقت میں ادا کی گئی ہے اور وقت بھی بچ گیا۔[2]

جمع حقیقی کو جمع وقتی بھی کہتے ہیں اور جمع صوری کو جمع فعلی وعملی بھی کہتے ہیں جمع صوری میں تو کسی کا اختلاف نہیں ہے البتہ جمع حقیقی وقتی کے جواز وعدم جواز میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف:

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ظہر وعصر کے درمیان اور مغرب وعشاء کے درمیان عذر کی بناء پر جمع حقیقی جائز ہے اجمالی طور پر ان کے درمیان اتفاق ہے لیکن تفصیلات میں ان کے درمیان کچھ فرق ہے۔

چنانچہ سفر کو سب نے عذر قرار دیا ہے بعض نے سفر ومطر کو عذر قرار دیا ہے بعض نے سفر کے ساتھ جدۃ ایسر یعنی تیز ایمرجنسی کے سفر کی قید لگائی ہے بعض نے حضر میں مرض کو عذر مانا ہے بعض نے نہیں مانا ہے یہ معمولی اختلافات ہیں مگر اجمالی طور پر جمہور کے ہاں جمع بین الصلوتین حقیقی وتقدیمی وتاخیری سب جائز ہیں البتہ فجر اور ظہر اور عشاء اور فجر میں جمع کرنا بوجہ فاصلہ جائز نہیں۔

ائمہ احناف کثر اللہ سوادھم کے نزدیک جمع حقیقی کی کوئی صورت بھی جائز نہیں ہے نہ تقدیم جائز ہے نہ تاخیر جائز ہے

[1] المرقات: ۳/۴۲۹ [2] المرقات: ۳/۴۲۹

نہ سفر میں جائز ہے نہ حضر میں جائز ہے۔
ہاں یوم عرفہ میں عرفات کے میدان میں ظہر وعصر میں جمع حقیقی جائز ہے اور مزدلفہ کی رات میں مغرب وعشاء میں جمع حقیقی جائز ہے اول الذکر میں جمع تقدیم ہے اور مؤخر الذکر میں جمع تاخیر ہے۔

دلائل:

ائمہ ثلاثہ نے زیر بحث حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں واضح طور پر استمرار کے ساتھ جمع بین الصلوتین کا ذکر ہے۔
جمہور کی دوسری دلیل مشکوٰۃ ص ۱۱۸ پر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث نمبر ۱۲ ہے جس کے چند الفاظ یہ ہیں۔

عن معاذ بن جبل قال کان النبی ﷺ فی غزوۃ تبوك اذا زاغت الشمس قبل ان یرتحل جمع بین الظهر والعصر الخ۔ [1]

جمہور کی تیسری دلیل مسلم شریف کی روایت ہے۔

کان اذا جدبه السیر جمع بین المغرب والعشاء بعد ان تغیب الشفق۔

ظاہر ہے کہ جب غیبوبت شفق کے بعد مغرب کی نماز پڑھی گئی ہے تو عشاء کے وقت جمع حقیقی ہو ہی گیا۔
ائمہ احناف کا استدلال قرآن وحدیث اور تعامل امت سے ہے۔
چنانچہ ان کی پہلی دلیل قرآن کی آیت ہے کہ ﴿**ان الصلوٰة كانت على المؤمنين كتابا موقوتا**﴾ [2]
یعنی ہر نماز کا اپنا مقرر و متعین وقت ہے اس سے پہلے اور اس کے بعد جائز نہیں ہے۔
دوسری آیت ﴿**حافظوا على الصلوات والصلوٰة الوسطى**﴾ ہے [3]
اس میں بھی نماز کی محافظت کا حکم ہے اور یہ حفاظت وقت کو بھی شامل ہے کہ اپنے اپنے وقت کے اندر نماز کی حفاظت کرو لہٰذا نہ جمع تقدیم جائز ہے نہ جمع تاخیر جائز ہے۔
ائمہ احناف نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بھی استدلال کیا ہے جس کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا ہے الفاظ یہ ہیں۔

ما رأیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی صلوٰة بغیر میقاتها الا الصلوتین الخ

یعنی عرفات اور مزدلفہ کے علاوہ میں نے کبھی بھی حضور اکرم ﷺ کو ایسا نہیں دیکھا کہ آپ نے کوئی نماز اس کے وقت کے علاوہ کسی اور وقت میں پڑھی ہو۔
ائمہ احناف کی مضبوط دلیل وہ تمام احادیث ہیں جن میں حضور اکرم ﷺ نے ہر نماز کے لئے ایک متعین وقت مقرر فرمایا ہے اور اس کی پابندی کا سختی سے حکم دیا ہے۔

---

[1] المرقات: ۳/۲۳۳ [2] نساء: الآیہ: ۱۰۳ [3] بقرہ: الآیہ: ۲۳۸

جواب: جمہور نے جتنی احادیث سے استدلال کیا ہے احناف اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ ان احادیث کا ایسا محمل تلاش کرنا چاہئے کہ ان کا آیت سے تعارض نہ آئے اس لئے کہ قرآن کریم کی آیت کا معارضہ احادیث اور خاص کر اخبار احاد سے نہیں ہوسکتا ہے اس لئے احناف نے ان تمام احادیث کا محمل یہ بیان کیا ہے کہ اس جمع بین صلوتین سے جمع حقیقی نہیں بلکہ جمع صوری مراد ہے لہٰذا یہ احادیث جمہور کی نہیں بلکہ احناف کے دلائل ہیں اور اس پر قرائن بھی ہیں۔

قرائن:

جمع صوری مراد لینے پر کئی قرائن ہیں۔

❶ بخاری شریف میں حدیث ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما مغرب کی نماز پڑھ کر کچھ انتظار فرماتے اور پھر عشاء کی نماز پڑھتے اسی طرح حدیث ابوداؤد شریف میں بھی ہے چند الفاظ یہ ہیں۔

ان مؤذن ابن عمر قال الصلوٰة قال سر سر حتى اذا كان قبل غيوب الشفق فصلى المغرب ثم انتظر حتى اذا غاب الشفق فصلى العشاء۔ (ابوداؤد)

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ جمع صوری کی صورت ہے جمع حقیقی نہیں ہے۔

❷ اسی طرح جمع بین الصلوتین کی احادیث میں جگہ جگہ **اخر الظهر و عجل العصر و اخر المغرب و عجل العشاء** کے الفاظ آئے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تاخیر و تعجیل جمع صوری کی صورت میں ہوتی ہے جمع حقیقی کے لئے یہ الفاظ نہیں آتے چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے شاگرد ابوشعثاء انھیں الفاظ کے پیش نظر ان احادیث سے جمع صوری مراد لیتے ہیں۔

❶ جمع صوری پر ایک زبردست قرینہ ترمذی شریف کی ایک حدیث ہے الفاظ یہ ہیں۔

جمع رسول الله صلى الله عليه وسلم بين الظهر والعصر وبين المغرب والعشاء من غير خوف ولا مطر۔

اس حدیث میں جمع بین الصلوتین کا ذکر ہے لیکن نہ سفر ہے نہ مطر ہے نہ مرض ہے نہ خوف ہے مدینہ منورہ میں اس طرح جمع بین الصلوتین بغیر کسی عذر کے کسی کے نزدیک جائز نہیں ہے جمہور کو بھی مجبوراً اس حدیث کو جمع صوری پر حمل کرنا پڑتا ہے لہٰذا دیگر احادیث کو بھی اسی طرح جمع صوری پر حمل کرنا چاہئے ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں اعتراف کیا ہے کہ یہاں جمع صوری مراد لینا پڑیگا۔

سؤال: ہاں احناف کے لئے ایک حدیث میں مشکلات درپیش ہیں وہ مسلم شریف کی ایک روایت ہے۔

جمع بین المغرب والعشاء بعد ان یغیب الشفق ظاہر ہے کہ غیبوبت شفق کے بعد عشاء کا وقت ہوتا ہے لہٰذا یہ جمع حقیقی ہے صوری نہیں۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں غیبوبت شفق سے مراد قریب ہونا ہے غائب ہونا نہیں اور اس پر دار قطنی کی حدیث دلالت کرتی ہے وہاں قریب کا لفظ موجود ہے الفاظ یہ ہیں "**حتی اذا کاد یغیب الشفق**"۔

بہرحال دلائل کی دنیا یہی ہے لیکن جمہور کو صفحۂ ہستی سے مٹایا نہیں جاسکتا ہے اور بعض مواقع میں جمع حقیقی کی شدید ضرورت پیش آتی ہے اگر امت کی سہولت کے لئے بعض دفعہ ان احادیث پر عمل ہوجائے تو مجبوری بہرحال مجبوری ہے ادھر بار بار یہ سوال وجواب بھی آیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا جمع بین الصلوتین سے مقصد کیا تھا تو جواب یہی آیا کہ جمع بین الصلاتین سے مقصود یہ ہے کہ آپ کی امت حرج میں نہ پڑے اس سے جمع حقیقی کی سہولت کی طرف واضح اشارہ ملتا ہے۔ (کیونکہ الحرج مدفوع فی الشرع)۔

سوار ہو کر نماز پڑھنے کا مسئلہ

﴿۸﴾ وعن ابنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ فِي السَّفَرِ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ حَيْثُ تَوَجَّهَتْ بِهٖ يُوْمِئُ اِيْمَاءً صَلَاةَ اللَّيْلِ اِلَّا الْفَرَائِضَ وَيُوْتِرُ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ جب سفر میں ہوتے تو رات کی نماز علاوہ فرض نماز کے اپنی سواری پر اشارہ سے پڑھتے اور سواری کا منہ جس سمت ہوتا اسی سمت آپ کا بھی منہ ہوتا نیز نماز وتر بھی آپ سواری پر پڑھ لیتے تھے۔" (بخاری ومسلم)

توضیح: "**علی راحلته**" یعنی سواری کا رخ جدھر کو ہوتا آنحضرت ﷺ کا چہرہ انور بھی اسی طرف ہوتا امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تکبیر تحریمہ کے وقت قبلہ کی طرف منہ کرنا بہرصورت ضروری اور واجب ہے جیسا کہ آئندہ حدیث نمبر ۱۳ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ابتداء میں استقبال قبلہ کا بیان آرہا ہے لیکن ائمہ جمہور فرماتے ہیں کہ ابتداء میں قبلہ رخ ہو کر تکبیر تحریمہ پڑھنا مستحب ہے واجب یا فرض نہیں ہے کیونکہ نماز کا حکم ایک جیسا ہوتا ہے خواہ ابتدا میں ہو یا انتہاء میں ہو۔

"**یؤمی ایماء**" یعنی سواری پر بیٹھ کر رکوع اور سجدہ کے لئے آنحضرت ﷺ اشارہ فرماتے تھے مگر سجدہ کا اشارہ رکوع کے اشارہ سے زیادہ پست ہوتا تھا۔[3]

"**فی صلوٰۃ اللیل**" یہ قید اتفاقی ہے احترازی نہیں ہے کیونکہ سواری پر جس طرح رات کے نوافل کا پڑھنا جائز ہے دن کے نوافل کا بھی یہی حکم ہے کیونکہ دیگر روایات میں عام نوافل کا ذکر ہے رات کی قید نہیں ہے لہٰذا یہ حکم سنن مؤکدہ اور اس کے

[1] اخرجه البخاری: ۲/۵۷ ومسلم: ۲/۱۵۰ [2] المرقات: ۳/۲۲۹، ۳/۲۳۳ [3] المرقات: ۳/۲۲۹

علاوہ دیگر سنن ونوافل کو بھی شامل ہے اگرچہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول یہ ہے کہ فجر کی سنتوں کے لئے اگر گنجائش ہوتو سواری سے اتر کر پڑھنا مستحب ہے بلکہ ایک روایت میں واجب کا قول بھی ہے کیونکہ فجر کی سنتوں میں بہت تأکد اور مضبوطی ہے۔[1]

"الا الفرائض" اس حدیث سے دو مسئلے مستنبط ہوتے ہیں ایک مسئلہ یہ کہ نوافل وسنن کا سواری پر پڑھنا جائز ہے اور فرائض کا سواری پر پڑھنا جائز نہیں ہے یہاں نوافل سے فرائض کا استثناء اسی مقصد کے لئے ہے کہ فرائض سواری پر پڑھنا بالکل جائز نہیں ہے۔[2]

علماء نے لکھا ہے کہ شدید ضرورت اور شدید مجبوری اور مندرجہ ذیل اعذار اگر موجود ہوں تو پھر فرائض بھی سواری پر پڑھے جاسکتے ہیں اعذار یہ ہیں۔

❶ کوئی شخص جنگل میں ہو اور اتر کر صحراء میں نماز پڑھنے میں ہر قسم کے خطرات ہوں یا آج کل کی سواریاں ریل گاڑی وغیرہ ہوں جن سے اترنا ممکن نہیں تو ایسی صورتوں میں سواری پر فرائض پڑھنا جائز ہے۔

❷ سواری سے اترنے کے بعد سواری پر چڑھنا ممکن نہ ہو۔

❸ ایسا بوڑھا ہو کہ نہ اتر سکتا ہو اور نہ چڑھ سکتا ہو۔

❹ زمین پر کیچڑ وغیرہ اتنا ہو کہ وہاں نماز پڑھنا ممکن نہ ہو۔

❺ یا برف وبارش کا عذر ہو۔

بہرحال ان صورتوں میں فرض نماز سواری پر پڑھنا مجبوری کی وجہ سے جائز ہے اور سواری بھی عام ہے خواہ گھوڑا اونٹ ہو یا ریل گاڑی ہو یا کشتی ہو سب میں نماز پڑھ سکتے ہیں البتہ ہوائی جہاز میں علماء کا اختلاف ہے بعض علماء فرماتے ہیں کہ جائز نہیں ہے کیونکہ سجدہ کے لئے زمین چاہئے ہوائی جہاز فضا میں معلق ہوتا ہے تو سجدہ صحیح نہیں مگر بعض علماء فرماتے ہیں کہ ہوائی جہاز میں نماز جائز ہے اور ہوائی جہاز کا زمین سے بذریعہ کشش رابطہ اور تعلق ہے گویا زمین پر ہے حکومت سعودیہ کے جہازوں میں نماز کے لئے جگہ بنی ہوئی ہوتی ہے اور لوگ نماز پڑھتے ہیں پی آئی اے والے زمین پر نماز نہیں پڑھتے ہیں تو فضا میں اس کا انتظام کیوں کریں؟۔

اس حدیث سے دوسرا مسئلہ یہ مستنبط ہوتا ہے کہ سواری پر نماز پڑھنا سفر کے ساتھ مشروط ہے اگر آدمی مسافر ہے تو سواری پر چلتے چلتے نماز پڑھ سکتا ہے ورنہ نہیں پڑھ سکتا اور اگر مسافر نہیں تو سواری پر نماز پڑھنا جائز نہیں یہی مسلک جمہور فقہاء کا ہے۔

لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سواری پر نماز پڑھنے کے جواز کے لئے شہر سے باہر ہونا شرط ہے خواہ آدمی مسافر ہو یا نہ ہو صاحبین کا مسلک قریب قریب جمہور کی طرح ہے کہ یہ جواز سفر کے ساتھ مشروط ہے شہر کے ساتھ مشروط نہیں ہے۔

---

[1] المرقات: ۳/۴۲۹ [2] المرقات: ۳/۴۲۹

"ویوتر علی راحلته" اس حدیث میں تیسرا مسئلہ وتر کا بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ وتر بھی سواری پر پڑھتے تھے جمہور فقہاء کا مسلک یہی ہے کہ وتر سواری پر پڑھے جاسکتے ہیں۔[1]

لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس طرح فرائض بغیر شدید عذر کے سواری پر نہیں پڑھے جاسکتے اسی طرح وتر بھی سواری پر پڑھنا جائز نہیں ہیں۔

ائمہ ثلاثہ نے زیر بحث حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں وتر کا سواری پر پڑھنا صراحت کے ساتھ مذکور ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے استدلال کیا ہے جس کو امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔

عن ابن عمر رضی اللہ عنہما انه كان يصلي على راحلته ويوتر على الارض وزعم ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يفعل ذلك۔ (طحاوی)

نیز امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے مؤطا محمد میں صحابہ وتابعین کے بہت سارے آثار نقل فرمائے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ حضرات وتر پڑھنے کے لئے سواریوں سے اترتے تھے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے زیر بحث حدیث کا ایک جواب یہ ہے کہ ممکن ہے یہ اس زمانے کی بات ہو جبکہ وتر میں تاکید نہیں آیا ہو لیکن جب وتر میں تاکید آگئی تو پھر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما والی بات آگئی کہ وتر زمین پر اتر کر پڑھ لیا کرتے تھے۔

دوسرا جواب: شاہ انور شاہ کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے دیا ہے کہ زیر بحث حدیث میں وتر کا اطلاق معروف وتر پر نہیں ہوا ہے بلکہ یہاں وتر کا اطلاق رات کی نماز پر ہوا ہے اور ایسا ہوتا رہتا ہے۔

تیسرا جواب: یہ ہے کہ شاید حضور اکرم ﷺ نے کسی عذر کی وجہ سے سواری پر وتر پڑھے ہوں اور عذر کی وجہ سے تو فرائض بھی سواری پر پڑھے جاسکتے ہیں۔

الفصل الثانی

﴿۹﴾ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُلُّ ذٰلِكَ قَدْ فَعَلَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَصَرَ الصَّلَاةَ وَأَتَمَّ۔

(رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ)

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے سب کچھ کیا ہے آپ نے (سفر کی حالت میں) کم رکعتیں بھی پڑھی ہیں اور پوری بھی پڑھی ہیں۔" (شرح السنۃ)

توضیح: "قصر واتم" یعنی آنحضرت ﷺ نے شرعی سفر میں کبھی قصر کیا ہے کبھی نہیں کیا بلکہ اتمام کیا۔ یا مطلب یہ کہ آپ نے سفر میں قصر کیا ہے اور حضر میں قصر نہیں کیا ہے بلکہ اتمام کیا ہے۔[2]

[1] المرقات: ۳/۴۲۹ [2] المرقات: ۳/۴۳۰

یا مطلب یہ کہ ابتداء میں دونوں امور میں اختیار تھا تو آنحضرت ﷺ نے کبھی قصر کیا اور کبھی اِتمام کیا بعد میں ایسا نہیں ہوتا تھا بلکہ قصر ہی متعین ہو گیا۔ ابتدائی مباحث میں اس حدیث سے متعلق تفصیل گذر چکی ہے۔

جب تک اقامت کی نیت نہ ہو قصر کرنا ہوگا

﴿۱۰﴾ وعن عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ غَزَوْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَشَهِدْتُ مَعَهُ الْفَتْحَ فَأَقَامَ بِمَكَّةَ ثَمَانِيَ عَشْرَةَ لَيْلَةً لَا يُصَلِّي إِلَّا رَكْعَتَيْنِ يَقُولُ يَا أَهْلَ الْبَلَدِ صَلُّوْا أَرْبَعًا فَإِنَّا سَفْرٌ۔
(رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُد)[1]

ترجمہ: اور حضرت عمران ابن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں سرتاج دو عالم ﷺ کے ہمراہ غزوات میں شامل ہوا ہوں چنانچہ فتح مکہ میں (بھی) میں آپ کے ہمراہ موجود تھا۔ آپ (اس موقع پر) مکہ میں اٹھارہ راتیں مقیم رہے اور (چار رکعت والی نماز) دو رکعت پڑھتے رہے اور یہ فرمایا کرتے تھے کہ "اے اہل شہر تم لوگ چار رکعت نماز پڑھو میں مسافر ہوں۔" (بخاری)

توضیح: یعنی آنحضرت ﷺ نے اٹھارہ دن گذارے مگر اقامت کی نیت نہیں کی بلکہ آج کل کرتے کرتے اتنے دن گذر گئے تو یہ اقامت کی نہیں بلکہ سفر کی حالت تھی لہٰذا قصر کرتے تھے احناف فرماتے ہیں کہ جب ایک آدمی نے ۱۵ دن کی اقامت کی نیت کرلی پھر قصر جائز نہیں اور اگر نیت نہیں کی تو سال تک بھی آدمی مقیم نہیں بنتا بلکہ مسافر رہتا ہے تو قصر کرنا ہوگا یہاں بھی حضور اکرم ﷺ کے ساتھ فتح مکہ کے موقع پر ایسا ہی ہوا آنحضرت ﷺ نہیں چاہتے تھے کہ جس شہر سے اللہ کی رضا کے لئے ایک بار ہجرت فرمائی اب دوبارہ وہاں اقامت اختیار کریں۔[2]

"سفرٌ" سافر کی جمع ہے جیسے رکب راکب کی اور صحب صاحب کی جمع ہے سافر بمعنی مسافر ہے۔[3]

قصر صرف چار رکعت والی نماز میں ہے

﴿۱۱﴾ وعن ابْنِ عُمَرَ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ فِي السَّفَرِ رَكْعَتَيْنِ وَ بَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ فَصَلَّيْتُ مَعَهُ فِي الْحَضَرِ الظُّهْرَ أَرْبَعًا وَبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ وَصَلَّيْتُ مَعَهُ فِي السَّفَرِ الظُّهْرَ رَكْعَتَيْنِ وَ بَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ وَالْعَصْرَ رَكْعَتَيْنِ وَلَمْ يُصَلِّ بَعْدَهَا شَيْئًا وَالْمَغْرِبَ فِي الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ سَوَاءً ثَلَاثَ رَكَعَاتٍ وَلَا يَنْقُصُ فِيْ حَضَرٍ وَلَا سَفَرٍ وَهِيَ وِتْرُ النَّهَارِ وَبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[4]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے سفر کی حالت میں سرتاج دو عالم ﷺ کے ہمراہ ظہر کی دو رکعتیں اور اس کے بعد (یعنی سنت کی) دو رکعتیں پڑھی ہیں۔" ایک اور روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ "حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا" میں

[1] اخرجه وابوداؤد: ۱۲۲۹ [2] المرقات: ۳/۲۳۱ [3] المرقات: ۳/۲۳۱ [4] اخرجه الترمذی: ۵۵۲

نے سرتاج دو عالم ﷺ کے ہمراہ سفر میں بھی نماز پڑھی ہے اور شہر (یعنی حضر) میں بھی، چنانچہ میں نے حضر میں تو آپ کے ہمراہ ظہر کی چار رکعتیں اور اس کے بعد (سنت کی) دو رکعتیں پڑھی ہیں اور میں نے آپ کے ساتھ سفر میں ظہر کی دو رکعتیں پڑھیں اور اس کے بعد سنت کی دو رکعتیں پڑھی ہیں اور عصر کی دو رکعتیں پڑھی ہیں عصر کے بعد آنحضرت ﷺ نے کوئی نماز نہیں پڑھی اور میں نے آپ کے ساتھ حضر اور سفر میں مغرب کی نماز یکساں طور پر تین رکعات پڑھیں ہیں آپ اس نماز میں سفر و حضر میں کوئی (زیادتی) نہیں کرتے تھے۔ اور مغرب ہی کی نماز دن کے وتر (کہلاتے) ہیں۔ اور اس کے بعد (سنت کی) دو رکعتیں پڑھتے تھے۔"

(ترمذی)

توضیح: اس حدیث کی تفصیل سے معلوم ہوا کہ قصر صرف چار رکعت والی نمازوں میں ہے جو ظہر عصر اور عشاء میں ہے مغرب اور فجر میں قصر نہیں کیونکہ ایک رکعت نماز نہیں ہوتی ہے اور نہ ڈیڑھ رکعت ہوتی ہے۔[1]

"وھی وتر النھار" مغرب کی نماز کو وتر النہار یعنی دن کی وتر کے نام سے یاد کیا گیا اس سے واضح طور پر ثابت ہو گیا کہ وتر ایک سلام کے ساتھ تین رکعات ہیں کیونکہ مغرب کی تین رکعات ہیں اور ایک سلام کے ساتھ ہیں اس کو وتر کا مماثل قرار دیا گیا ہے۔[2]

جمع بین الصلوتین کی تفصیل

﴿۱۲﴾ وعن مُعَاذِبْنِ جَبَلٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَزْوَةِ تَبُوْكَ إِذَا زَاغَتِ الشَّمْسُ قَبْلَ أَنْ يَرْتَحِلَ جَمَعَ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَإِنِ ارْتَحَلَ قَبْلَ أَنْ تَزِيْغَ الشَّمْسُ أَخَّرَ الظُّهْرَ حَتّٰى يَنْزِلَ لِلْعَصْرِ وَفِي الْمَغْرِبِ مِثْلَ ذٰلِكَ إِذَا غَابَتِ الشَّمْسُ قَبْلَ أَنْ يَرْتَحِلَ جَمَعَ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ وَإِنِ ارْتَحَلَ قَبْلَ أَنْ تَغِيْبَ الشَّمْسُ أَخَّرَ الْمَغْرِبَ حَتّٰى يَنْزِلَ لِلْعِشَاءِ ثُمَّ يَجْمَعُ بَيْنَهُمَا۔

(رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ)[3]

ترجمہ: اور حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ غزوۂ تبوک میں (اس طرح عمل فرماتے تھے کہ) جب کوچ کرنے سے پہلے دوپہر ڈھل جاتی تو آپ ظہر و عصر کی نماز ایک ساتھ پڑھ لیتے تھے اور جب آپ دوپہر ڈھلنے سے پہلے ہی کوچ فرماتے تو ظہر کی نماز میں تاخیر فرماتے اور عصر کے لئے اترتے (یعنی ظہر و عصر دونوں نمازیں ایک ساتھ پڑھتے) مغرب کی نماز میں بھی آپ اسی طرح کرتے تھے کہ اگر آفتاب آپ کے کوچ کرنے سے پہلے غروب ہو جاتا تو مغرب و عشاء دونوں نمازیں ایک ساتھ پڑھتے اور اگر آفتاب غروب ہونے سے پہلے ہی کوچ فرماتے تو نماز مغرب میں تاخیر فرماتے یہاں تک کہ عشاء کی نماز کے لئے اترتے اور (اس وقت) دونوں نمازوں کو ایک ساتھ پڑھتے۔" (ابوداؤد، ترمذی)

توضیح: اس حدیث کی تشریح و توضیح اس سے پہلے ہو چکی ہے جمہور اس سے استدلال نہیں کر سکتے ہیں نہایت ضعیف

[1] المرقات: ۳/۴۳۲ [2] المرقات: ۳/۴۳۲ [3] اخرجه ابوداؤد: ۱۲۲۰ الترمذی: ۵۵۳، ۵۵۴

ہونے کے ساتھ ساتھ اس حدیث میں کئی احتمالات ہیں لہٰذا احتمال کے ساتھ استدلال صحیح نہیں ہے۔

﴿۱۳﴾ وعن أَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَافَرَ وَأَرَادَ أَنْ يَتَطَوَّعَ اِسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ بِنَاقَتِهِ فَكَبَّرَ ثُمَّ صَلَّى حَيْثُ وَجَّهَهُ رِكَابُهُ۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)[1]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ جب سفر کرتے (یعنی شہر سے باہر نکلتے خواہ مسافر ہوتے یا مقیم اور نماز نفل پڑھنے کا ارادہ فرماتے تو اپنی اونٹنی کا منہ قبلہ کی طرف کرتے اور تکبیر تحریمہ کہتے پھر جس طرف سواری منہ کرتی آپ اسی طرف نماز پڑھتے رہتے۔" (ابوداؤد)

﴿۱۴﴾ وعن جَابِرٍ قَالَ بَعَثَنِيْ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَاجَةٍ فَجِئْتُ وَهُوَ يُصَلِّيْ عَلٰى رَاحِلَتِهِ نَحْوَ الْمَشْرِقِ وَيَجْعَلُ السُّجُوْدَ أَخْفَضَ مِنَ الرُّكُوْعِ۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)[2]

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے مجھے کسی کام سے (کہیں) بھیجا جب میں واپس آیا تو دیکھا کہ آنحضرت ﷺ اپنی سواری پر مشرق کی طرف منہ کئے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے اور سجدہ رکوع سے پست تر کرتے تھے۔" (ابوداؤد)

الفصل الثالث

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا منیٰ میں قصر نہ کرنے کی وجہ

﴿۱۵﴾ عن ابْنِ عُمَرَ قَالَ صَلّٰى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِنًى رَكْعَتَيْنِ وَأَبُوْ بَكْرٍ بَعْدَهُ وَعُمَرُ بَعْدَ أَبِيْ بَكْرٍ وَعُثْمَانُ صَدْرًا مِنْ خِلَافَتِهِ ثُمَّ إِنَّ عُثْمَانَ صَلّٰى بَعْدُ أَرْبَعًا فَكَانَ ابْنُ عُمَرَ إِذَا صَلّٰى مَعَ الْإِمَامِ صَلّٰى أَرْبَعًا وَإِذَا صَلَّاهَا وَحْدَهُ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[3]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے منیٰ میں (چار رکعت والی نماز کی) دو رکعت پڑھی ہے آپ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی دو رکعت نماز پڑھی ہے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے بھی ابتدائے خلافت میں تو دو ہی رکعت پڑھی ہے لیکن بعد میں چار رکعت پڑھنے لگے تھے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں منقول ہے کہ وہ جب امام (یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ) پڑھتے تھے تو چار رکعت پڑھتے تھے اور جب اکیلے (یعنی سفر میں) نماز پڑھتے تو دو رکعت ہی پڑھتے تھے۔" (بخاری و مسلم)

ملاحظہ: اس حدیث کی تشریح و توضیح اور توجیہ اس سے پہلے ہو چکی ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔

[1] اخرجه ابوداؤد: ۱۲۲۵ [2] اخرجه ابوداؤد: ۹۲۶ [3] اخرجه البخاری: ۲/۵۳ ومسلم: ۲/۱۴۶

قصر رخصت نہیں عزیمت ہے

﴿۱۶﴾ وعن عَائِشَةَ قَالَتْ فُرِضَتِ الصَّلَاةُ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ هَاجَرَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَفُرِضَتْ أَرْبَعًا وَتُرِكَتْ صَلَاةُ السَّفَرِ عَلَى الْفَرِيْضَةِ الْأُوْلٰى قَالَ الزُّهْرِيُّ قُلْتُ لِعُرْوَةَ مَا بَالُ عَائِشَةَ تُتِمُّ قَالَ تَأَوَّلَتْ كَمَا تَأَوَّلَ عُثْمَانُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا (ابتداسفر وحضر میں) نماز کی دو (ہی) رکعتیں فرض ہوئی تھیں پھر سرتاج دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی تو (مقیم کے لئے) چار رکعتیں فرض قرار دیدی گئیں اور حالت سفر میں پہلی ہی دو رکعتیں فرض رہیں۔'' زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے عروہ رحمہ اللہ سے عرض کیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو کیا ہوا کہ وہ سفر میں پوری (چار رکعت) نماز پڑھتی ہیں' انہوں نے فرمایا ''وہ بھی ایسی تاویل کرتی ہیں جیسا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تاویل کی ہے۔'' (بخاری ومسلم)

ملاحظہ: اس حدیث کی بھی تشریح وتوضیح وتوجیہ اس سے پہلے ہوچکی ہے۔

قصر خدا کا حکم اور عزیمت ہے

﴿۱۷﴾ وعن ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ فَرَضَ اللهُ الصَّلَاةَ عَلٰى لِسَانِ نَبِيِّكُمْ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْحَضَرِ أَرْبَعاً وَفِي السَّفَرِ رَكْعَتَيْنِ وَفِي الْخَوْفِ رَكْعَةً۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ جل شانہ نے تمہارے نبی سرتاج دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی حضر میں چار رکعت فرض کی ہیں۔ اور سفر میں دو رکعت اور خوف کی حالت میں ایک رکعت فرض کی ہے۔'' (مسلم)

توضیح: ''وفی الخوف رکعة'' یعنی دشمن کے خوف کے وقت صلوٰۃ الخوف میں ایک رکعت امام کے ساتھ فرض ہے اور ایک رکعت الگ فرض ہے جبکہ آدمی سفر میں ہو اس حدیث میں سفر کی حالت میں صلوٰۃ الخوف کا نقشہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا ہے اس حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ صلوٰۃ الخوف صرف ایک رکعت ہے امت کے تمام فقہاء صلوٰۃ الخوف کی دو رکعتوں کے قائل ہیں ایک رکعت کی بات حسن بصری کے علاوہ کسی نے نہیں کی ہے صلوٰۃ الخوف میں تفصیل ان شاء اللہ آئے گی۔[3]

قصر سنت نبوی سے ثابت ہے

﴿۱۸﴾ وعنه وعن ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَنَّ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ السَّفَرِ رَكْعَتَيْنِ

[1] اخرجه البخاری: ۱/۹۸، ۲/۵۴، ۵/۸۷ ومسلم: ۲/۱۴۲، ۱۴۳ [2] اخرجه ومسلم: ۲/۱۴۳ [3] المرقات: ۳/۴۳۶

وَهُمَا تَمَامٌ غَيْرُ قَصْرٍ وَالْوِتْرُ فِي السَّفَرِ سُنَّةٌ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما و حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے سفر کی نماز کے لئے دو رکعتیں مقرر کی ہیں اور وہ ناقص نہیں ہیں پوری ہیں اور سفر میں وتر سنت ہے۔" (ابن ماجہ)

توضیح: "تمام غیر قصر" مطلب یہ ہے کہ سفر کے لئے دو رکعتیں ہی مشروع ہیں اس طرح نہیں کہ پہلے چار رکعتیں مشروع تھیں اور بعد میں دو رکعتیں کردی گئیں دو رہ گئیں اور دو کو ساقط کردیا گیا ایسا نہیں بلکہ سفر کی دو رکعتیں ابتداء ہی سے تمام اور کامل چلی آئی ہیں اور وتر سفر میں سنت ہے یہ مسئلہ واضح ہوجاتا ہے کہ اگر سفر نہ ہوتو وتر واجب ہیں۔[2]

قصر کی مسافت کی حد

﴿۱۹﴾ وعن مَالِكٍ بَلَغَهُ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ كَانَ يَقْصُرُ الصَّلَاةَ فِي مِثْلِ مَا يَكُونُ بَيْنَ مَكَّةَ وَالطَّائِفِ وَفِي مِثْلِ مَا بَيْنَ مَكَّةَ وَعُسْفَانَ وَفِي مِثْلِ مَا بَيْنَ مَكَّةَ وَجُدَّةَ قَالَ مَالِكٌ وَذٰلِكَ أَرْبَعَةُ بُرُدٍ۔

(رَوَاهُ فِي الْمُوَطَّأ)[3]

ترجمہ: اور حضرت امام مالک راوی ہیں کہ ان کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بارے میں خبر پہنچی ہے کہ وہ (یعنی حضرت ابن عباس) اس مسافت کے دوران جو مکہ اور طائف مکہ اور عسفان، مکہ اور جدہ کے درمیان ہے قصر نماز پڑھتے تھے۔" امام مالک فرماتے ہیں کہ "یہ مسافت چار برید ہے۔" (موطا)

ملاحظہ: اس حدیث سے متعلق تشریح و توضیح اور تفصیل و تکمیل پہلے تفصیل سے بیان ہوچکی ہے۔

سفر میں آنحضرت ﷺ کا ایک معمول

﴿۲۰﴾ وعن الْبَرَاءِ قَالَ صَحِبْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَمَانِيَةَ عَشَرَ سَفَراً فَمَا رَأَيْتُهُ تَرَكَ رَكْعَتَيْنِ إِذَا زَاغَتِ الشَّمْسُ قَبْلَ الظُّهْرِ۔ (رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ)[4]

ترجمہ: اور حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے سرتاج دو عالم ﷺ کے ہمراہ اٹھارہ دفعہ سفر کا شرف حاصل رہا ہے میں نے (اس دوران میں) یہ کبھی نہیں دیکھا کہ آپ نے زوال (آفتاب کے بعد نماز ظہر سے پہلے دو رکعتیں چھوڑی ہوں۔" (ابوداؤد، ترمذی) امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے۔

[1] اخرجه وابن ماجه: ۱۱۹۴ [2] المرقات: ۳/۳۳۶ [3] اخرجه مالك: ۱۴۸ ح (۱۵) [4] اخرجه وابوداؤد: ۱۲۲۱ والترمذی: ۲۰۱

فرصت ہو تو سفر میں نفل پڑھ سکتے ہیں

﴿۲۱﴾ وعن نَافِعٍ قَالَ اِنَّ عَبْدَاللّٰهِ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يَرٰى ابْنَهٗ عُبَيْدَاللّٰهِ يَتَنَفَّلُ فِي السَّفَرِ فَلَا يُنْكِرُ عَلَيْهِ۔ (رَوَاهُ مَالِكٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت نافع فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنے صاحبزادے حضرت عبید اللہ کو سفر کی حالت میں نفل نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے تھے اور منع نہیں کرتے تھے۔" (مالک)

توضیح:

سوال: اس سے پہلے حدیث نمبر ۶ میں واضح طور پر مذکور ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے سفر کی حالت میں لوگوں کے نفل پڑھنے پر تعجب بھی کیا اور خود نہ پڑھنے کی وجہ بھی بیان فرمائی لیکن یہاں زیر بحث حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنے بیٹے کو سفر میں نفل پڑھتے ہوئے مشاہدہ فرمار ہے ہیں اور ان پر کوئی نکیر نہیں فرمائی اس کی وجہ کیا ہے؟

جواب: اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا صاحبزادہ سنت مؤکدہ کی نماز پڑھتا تھا اس لئے نہ روکا اور نہ ٹوکا۔

دوسرا جواب: یہ ہے کہ بہت ممکن ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا صاحبزادہ عبید اللہ رحمۃ اللہ علیہ ایسے وقت میں پڑھ رہا تھا جس میں کافی وسعت تھی اور اس طرح فارغ وقت میں جب آدمی کچھ اور کام میں اپنے آپ کو نہیں لگاتا بلکہ نماز پڑھنے میں مشغول ہوجاتا ہے تو ان کو روکنے والا کون ہوگا؟

یا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ذہن میں یہ آیت ہوگی ﴿ارأیت الذی ینھی عبدا اذا صلی﴾[2] جس میں مطلق نماز سے روکنے پر شدید وعید کا ذکر ہے اس لئے آپ نے نماز سے روکنے کی جرأت نہیں فرمائی اور عبید اللہ رحمۃ اللہ علیہ نوافل میں مشغول رہے۔

[1] اخرجه ومالك: ۱۵۰ ح (۲۳) [2] علق الایہ: ۱۰

مورخہ ۲۰ جمادی الاول ۱۴۱۰ھ

باب الجمعة

جمعہ کا بیان

قال الله تعالیٰ ﴿یا ایها الذین امنوا اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر الله وذروع البیع﴾ (جمعہ)[1]

وقال الله تعالیٰ ﴿والیوم الموعود وشاهد ومشهود﴾ (بروج)[2]

لفظ جمعہ میں کئی لغات ہیں سب سے افصح لغت جیم اور میم کا ضمہ "جُمُعہ" ہے اس کے بعد عمدہ لغت جیم پر ضمہ میم کا سکون ہے اور پھر جیم کا ضمہ اور میم کا فتحہ ھُمَزَہ کی طرح ہے جمعہ کے لفظ میں تا تانیث کے لئے نہیں ہے بلکہ مبالغہ کے لئے ہے۔

جمعہ کا نام اس کا اسلامی نام ہے جاہلیت میں اس کا نام "یوم العروبة" تھا عروبہ رحمت کے معنی میں ہے اب یہ بات کہ جمعہ کو جمعہ نام رکھنے کی کوئی وجہ ہے یا نہیں تو علماء نے چند وجوہات بیان فرمائی ہیں۔

❶ اس دن چونکہ لوگوں کا بڑا اجتماع ہوتا ہے لوگ جمع ہو جاتے ہیں تو اس کو جمعہ کہہ دیا گیا یعنی **یوم الفوج المجموع**۔

❷ اس دن میں حضرت آدم علیہ السلام کے جسد مبارک کا خمیرہ جمع کیا گیا تھا۔

❸ اس دن میں زمین پر حضرت حوا علیہا السلام اور حضرت آدم علیہ السلام کا جنت سے خروج کے بعد پہلی ملاقات اور اجتماع ہوا تھا۔

❹ بعض حضرات کہتے ہیں کہ کعب بن لوئی اس دن میں لوگوں کو جمع کر کے وعظ کہتا تھا اس جمع ہونے کی وجہ سے اس کا نام جمعہ پڑ گیا بہر حال مسلمانوں کے لئے جمعہ کا دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑی نعمت اور بڑی رحمت ہے یہود و نصاریٰ کو اللہ تعالیٰ نے اس دن سے محروم رکھا اور مسلمانوں کو اس دولت عظیمہ سے مالا مال فرمایا جس کی روحانی برکات کے علاوہ بیشمار مادی فوائد بھی ہیں پیسہ خرچ کئے بغیر تقریبا پچاس کروڑ سے زیادہ مسلمان دنیا بھر میں جمعات کے اجتماعات میں ہفتہ وار اکٹھے ہوتے ہیں مساجد کا رخ کرتے ہیں اور خطباء حضرات سے وعظ سنتے ہیں اور قرآن وحدیث اور دین اسلام سے جڑے رہتے ہیں پچاس کروڑ انسانوں کو ہفتہ وار دنیا کا کونسا مذہب اکٹھا کر سکتا ہے؟ اور اگر اکٹھا بھی کرے تو اس پر کتنا خرچہ آئے گا واقعی اللہ تعالیٰ کا دین رحمت ہے۔

---

[1] جمعہ الآیہ: ۹ [2] بروج الآیہ: ۳

الفصل الاول

جمعہ کی فضیلت سے یہود ونصاریٰ کی محرومی

﴿۱﴾ عن أبي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْنُ الْآخِرُوْنَ السَّابِقُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بَيْدَ أَنَّهُمْ أُوْتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِنَا وَأُوْتِيْنَاهُ مِنْ بَعْدِهِمْ ثُمَّ هٰذَا يَوْمُهُمُ الَّذِيْ فُرِضَ عَلَيْهِمْ يَعْنِيْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَاخْتَلَفُوْا فِيْهِ فَهَدَانَا اللّٰهُ لَهُ وَالنَّاسُ لَنَا فِيْهِ تَبَعٌ اَلْيَهُوْدُ غَدًا وَالنَّصَارٰى بَعْدَ غَدٍ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ قَالَ نَحْنُ الْآخِرُوْنَ الْأَوَّلُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَنَحْنُ أَوَّلُ مَنْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ بَيْدَ أَنَّهُمْ وَذَكَرَ نَحْوَهُ إِلٰى آخِرِهِ وَفِيْ أُخْرٰى لَهُ عَنْهُ وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ آخِرِ الْحَدِيْثِ نَحْنُ الْآخِرُوْنَ مِنْ أَهْلِ الدُّنْيَا وَالْأَوَّلُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الْمَقْضِيُّ لَهُمْ قَبْلَ الْخَلَائِقِ)[1]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرتاج دوعالم ﷺ نے فرمایا ”ہم (دنیا میں) بعد میں آئے ہیں اور قیامت کے دن (شرف ومرتبہ میں) سب سے آگے ہوں گے علاوہ ازیں اہل کتاب (یعنی یہود ونصاری) کو (اللہ کی طرف سے) ہم سے پہلے کتاب دی گئی ہے اور ہمیں بعد میں کتاب ملی ہے پھر یہ دن یعنی جمعہ کا دن ان (اہل کتاب) پر فرض کیا گیا تھا لیکن انہوں نے اس میں اختلاف کیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس دن (یعنی جمعہ) کے بارے میں ہماری ہدایت فرمائی (بایں طور کہ ہم نے خدا کے حکم کی فرمانبرداری کرتے ہوئے اس دن کو خدا کی عبادت کے لئے اختیار کیا) اور لوگ (یعنی یہود ونصاری نہ صرف شرف وفضیلت بلکہ دن کے اعتبار سے بھی) ہمارے تابع ہیں، یہود نے کل (یعنی جمعہ کے بعد کے دن سنیچر) کو اختیار کیا اور نصاری نے پرسوں (یعنی سنیچر کے بعد کا دن اتوار) اختیار کیا۔ (بخاری ومسلم) اور مسلم ہی کی ایک روایت میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ وحضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے یوں منقول ہے کہ دونوں نے کہا کہ ”آنحضرت ﷺ نے حدیث کے آخر میں فرمایا“ (دنیا میں آنے کے اعتبار سے) ہم سب سے پیچھے ہیں اور قیامت کے دن سب سے آگے ہوں گے کہ ساری مخلوقات سے پہلے ہمارے لئے (حساب کا اور جنت میں داخل ہونے کا) حکم کیا جائے گا۔“

توضیح: ”نحن الآخرون“ یعنی ہم دنیا میں سب سے آخر میں ظہور پذیر ہوئے ہیں لیکن شرف ومنزلت اور رتبہ ومقام کے اعتبار سے قیامت کے روز ہم سب سے آگے ہونگے تمام مخلوق سے پہلے ہمارا فیصلہ ہوگا اور ہم سب سے پہلے جنت میں داخل ہونگے۔[2]

[1] اخرجه البخاری: ۲/۶، ۲/۲۱۵ ومسلم: ۳/۶، ۳/۷/۳
[2] المرقات: ۳/۴۳۹، ۴۴۰

علماء نے احادیث کی روشنی میں اس بات کو وضاحت کے ساتھ لکھا ہے کہ حضور اکرم ﷺ ظہور اور بعثت کے اعتبار سے اگرچہ سب سے آخر میں آئے تھے لیکن سرفرازی نبوت اور نبوت کی برکات کے ظہور کے اعتبار سے آپ سب سے پہلے اور مقدم تھے چنانچہ "**کنت نبیا وادم بین الماء والطین**" حدیث کا یہی مطلب ہے۔ [۱]

"**فرض علیھم**" یعنی اللہ تعالیٰ نے جس طرح مسلمانوں پر جمعہ کے دن کی عبادت فرض فرمائی ہے اسی طرح اس دن کی عبادت اہل کتاب یہود ونصاری پر بھی فرض قرار دیا تھا اور ان کو حکم دیا گیا تھا کہ اس دن جمع ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہو جایا کرو اور دنیوی کاموں کو چھوڑ دیا کرو لیکن ان لوگوں نے اپنی کج فہمی اور باغیانہ ذہنیت کی بنیاد پر اس سے اعراض کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ دن مسلمانوں کو عطا فرمایا۔

یا اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کے مطابق جمعہ کا دن یہود ونصاریٰ پر عبادت کے لئے پیش فرمایا اور حکم دیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے لئے ایک دن تمہارے لئے منتخب کیا ہے لہٰذا تم اپنی فکری قوت اور اجتہادی سوچ سے کام لو اور اس دن کو چن لو، گویا اس صورت میں یہود ونصاری کا امتحان تھا کہ وہ اپنے اجتہاد سے صحیح بات تک پہنچنے کی صلاحیت رکھتے ہیں یا نہیں اور اس امتحان میں وہ پاس ہو سکتے ہیں یا نہیں۔ [۲]

چنانچہ ان دونوں فرقوں کی سوچ غلط سمت پر چلی گئی اور صحیح چیز کو نہ پا سکے بلکہ صحیح چیز میں اختلاف کرنے لگے اور فیل ہو گئے۔

"**فاختلفوا**" یعنی اہل کتاب نے اس دن کے انتخاب میں اختلاف کیا اور اپنی عقل کے سرکش گھوڑے غلط سمت میں دوڑا دیئے چنانچہ یہود نے ہفتہ یعنی سنیچر کے دن کو اختیار کیا اور یہ اجتہاد کیا کہ اس دن اللہ تعالیٰ کائنات کی تخلیق سے فارغ ہوئے تھے تو ہم بھی اس دن تمام مشاغل سے فارغ ہو کر عبادت میں مشغول رہیں گے چنانچہ یہود کو شنبہ سنیچر کا دن دیا گیا اور وہ آج تک یوم السبت کو مقدس دن کے طور پر مناتے ہیں۔ [۳]

اہل کتاب میں سے دوسرے بڑے فرقہ نصاری نے یہ اجتہاد کیا کہ اتوار کے دن چونکہ اللہ تعالیٰ نے تخلیق کائنات کی ابتدا فرمائی ہے اور چونکہ یہی دن مبدأ کمالات وانعامات ہے جس میں اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر فیض رسانی کے لئے متوجہ ہوئے اور ان کو وجود بخشا لہٰذا عبادت الٰہی کے لئے یہی دن سب سے افضل واہم ہے چنانچہ نصاری نے اتوار کے دن کو بطور مقدس دن منانا شروع کر دیا اور آج تک منا رہے ہیں یہود ونصاری اپنی کج فہمی اور متمرد وسرکش عادت کی وجہ سے جمعہ کی حقیقت کو نہ پا سکے اور وہ اس کی دولت سے محروم ہوئے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے جمعہ کا دن مسلمانوں کو عطا فرمایا مسلمان امت بھی خیر الامم ہے اور یہ جمعہ کا دن بھی سید الایام ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کو اس سے نوازا اب ہوا یہ کہ جمعہ کے دن سے پورے ہفتے کے دنوں کی ابتدا ہوتی ہے تو مسلمان پہلے نمبر جمعہ پر آ گئے دوسرے نمبر سنیچر پر یہود رہ گئے اور نصاری تیسرے نمبر اتوار پر آ گئے۔ "**وذلك فضل الله يؤتيه من يشاء**"۔ [۴]

"تبع" یعنی عبادت میں لوگ ہمارے تابع ہیں اس لئے کہ جمعہ کا دن مبدأ تخلیق آدم اور مبدأ تخلیق انسانی ہے انسان کا وجود

---

[۱] المرقات: ۳/۴۴۰ [۲] المرقات: ۳/۴۴۰ [۳] المرقات: ۳/۴۴۰ [۴] المرقات: ۳/۴۴۰، ۴۴۱

اسی دن آیا اور انسان کا وجود عبادت کے لئے ہے لہٰذا عبادت میں جمعہ کا دن متبوع اور سب سے پہلا دن ہے اور ہفتہ واتوار اس کے تابع ہیں۔

تبع کا مطلب یہی ہے اور اوپر جو مطلب لکھا گیا ہے کہ جمعہ ہفتہ کے سات دنوں کے لئے پہلا دن ہے اسی سے ہفتہ شروع ہوتا ہے وہ مطلب لینا بھی صحیح ہے۔[1]

"بيد" یہ غیر کے معنی میں ہے۔[2]

جمعہ کے دن کی فضیلت

﴿۲﴾ وعن أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُ يَوْمٍ طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ يَوْمُ الْجُمُعَةِ فِيْهِ خُلِقَ آدَمُ وَفِيْهِ أُدْخِلَ الْجَنَّةَ وَفِيْهِ أُخْرِجَ مِنْهَا وَلَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ إِلَّا فِيْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرتاج دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ان دنوں میں جن میں آفتاب طلوع ہوتا ہے سب سے بہتر دن جمعہ ہے اسی دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے۔ (یعنی ان کی تخلیق مکمل ہوئی) اسی دن وہ بہشت میں داخل ہوئے اور اسی دن انہیں بہشت سے نکالا گیا (اور زمین پر اتارا گیا) اور قیامت بھی جمعہ ہی کے روز قائم ہوگی۔" (مسلم)

توضیح: آنے والی احادیث میں اسی قسم کی کئی چیزوں کا تذکرہ جمعہ کی فضیلت میں کیا گیا ہے کہ جمعہ اس لئے تمام ایام سے افضل ہے کہ اس میں بڑے بڑے واقعات ہوئے ہیں یا ہونگے۔

سوال: اب سوال یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا بہشت سے اخراج بظاہر کوئی فضیلت کی بات نہیں اس کا جمعہ کی فضیلت سے کیا واسطہ؟ نیز قیامت کا قائم ہونا ایک آفت و مصیبت ہے اس کا جمعہ کی فضیلت سے کیا کام ہے؟۔

جواب: اس سوال کے دو جواب ہیں اول جواب یہ کہ حضرت آدم علیہ السلام کا جنت سے اخراج ایک عظیم منصوبہ کی تکمیل کے لئے تھا کہ انسان اس دنیا میں آکر آباد ہوجائے اللہ کی کائنات سے فائدہ اٹھائے اور عبادت کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کر کے جنت میں چلا جائے اسی طرح قیامت کے قیام سے بھی انسان کی رسائی اللہ تعالیٰ تک ہوتی۔ ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا ور حمت سے جنت مل جاتی ہے لہٰذا یہ چیزیں جمعہ کی فضیلت کا ذریعہ ہیں۔

اس سوال کا واضح اور صحیح جواب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کی فضیلت اس انداز سے بیان فرمائی ہے کہ جمعہ میں بڑے بڑے واقعات وانقلابات رونما ہوئے ہیں اور آئندہ بھی اس عظیم دن میں عظیم واقعات ظاہر ہونگے اور جس دن میں اتنے بڑے یادگار تاریخی واقعات ظاہر ہوئے ہیں وہ دن خود کتنا بڑا ہوگا۔

اسی سلسلہ میں حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کا عظیم الشان واقعہ پھر جنت سے ان کے اخراج کا بہت بڑا واقعہ اور پھر قیامت

[1] المرقات: ۳/۴۴۲ [2] المرقات: ۳/۴۴۳ [3] اخرجه ومسلم: ۳/۶

میں کائنات کی ٹوٹ پھوٹ جیسے بڑے واقعات کو حضور اکرم ﷺ نے جمعہ کے دن کے ساتھ وابستہ کر کے جمعہ کی انقلابی شان کو بیان فرمایا ہے یہ بہت اچھا جواب ہے اور ان تمام احادیث میں جاری ہوسکتا ہے جن احادیث میں اس طرح کے واقعات کا ذکر آیا ہے۔[1]

اب اس میں بحث ہے کہ عرفہ کا دن افضل ہے یا جمعہ کا دن افضل ہے علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ عرفہ افضل ہے اور بعض کہتے ہیں کہ جمعہ افضل ہے۔

بہر حال اس میں تطبیق اس طرح ہوسکتی ہے کہ سال میں سب سے افضل دن عرفہ کا ہے اور ہفتہ کے دنوں میں سب سے افضل جمعہ کا دن ہے تو کوئی تضاد نہیں ہے۔[2]

جمعہ کے دن میں ایک گھڑی قبولیت کی ہے

﴿۳﴾ وعنه قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ فِي الْجُمُعَةِ لَسَاعَةً لَا يُوَافِقُهَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ يَسْأَلُ اللّٰهَ فِيْهَا خَيْرًا اِلَّا أَعْطَاهُ اِيَّاهُ.

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَزَادَ مُسْلِمٌ قَالَ وَهِيَ سَاعَةٌ خَفِيْفَةٌ. وَفِيْ رِوَايَةٍ لَهُمَا قَالَ اِنَّ فِي الْجُمُعَةِ لَسَاعَةً لَا يُوَافِقُهَا مُسْلِمٌ قَائِمٌ يُصَلِّيْ يَسْأَلُ اللّٰهَ خَيْرًا اِلَّا أَعْطَاهُ اِيَّاهُ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرتاج دوعالم ﷺ نے فرمایا "جمعہ کے دن ایک ایسی ساعت آتی ہے کہ جسے اگر کوئی بندۂ مومن پالے اور اس میں اللہ تعالیٰ سے بھلائی کا سوال کرے تو خدا اس کو وہ بھلائی عطا کر دیتا ہے (یعنی اس ساعت میں مانگی جانے والی دعا ضرور مقبول ہوتی ہے)" (بخاری ومسلم) ایک روایت میں مسلم نے یہ الفاظ مزید نقل کئے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا وہ ساعت بہت تھوڑی ہوتی ہے۔ اور بخاری ومسلم کی ایک اور روایت میں یہ الفاظ منقول ہیں کہ آپ نے فرمایا "بلاشک وشبہ جمعہ کے روز ایک ایسی ساعت آتی ہے کہ جسے اگر کوئی بندۂ مومن جو نماز کے لئے کھڑا ہو پالے اور خدا سے بھلائی کے لئے دعا کرے تو اس کو خدا وہ بھلائی ضرور عطا فرما دیتا ہے۔"

توضیح: اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ جمعہ کے دن ایک گھڑی ایسی ہے کہ جو بندہ اس میں اللہ تعالیٰ سے کوئی سوال کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے قبول فرماتا ہے۔

مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے تحت اس گھڑی اور ساعت کو پوشیدہ رکھا ہے تاکہ ہر آدمی جمعہ کے پورے دن میں عبادت اور دعاؤں کی خوب محنت ومشقت کرے اور کسی خاص مختصر وقت کا انتظار نہ کرے۔[4]

"الا اعطاه اياه" قبولیت دعا کی ایک صورت تو یہ ہوتی ہے کہ جو دعا مانگی اللہ تعالیٰ نے دنیا میں پوری فرما دی اور آدمی کو اس کے نتیجے کا علم ہوگیا دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ دنیا میں اس دعا کی قبولیت کا اثر ظاہر نہیں ہوتا مگر قیامت کے روز اللہ تعالیٰ

[1] المرقات: ۳/۴۴۴، ۴۴۵ [2] المرقات: ۳/۴۴۵ [3] اخرجه البخاري: ۲/۱۶ ومسلم: ۳/۵ [4] المرقات: ۳/۴۴۵

اس دعا کے بدلے میں اس شخص کو ثواب عطا کر دیتا ہے یہ بھی الاعطاء کی ایک صورت ہے۔
کبھی قبولیت دعا کی صورت یہ بھی ہوتی ہے کہ دعا مانگنے والے پر ایک غیبی آفت آنے والی ہوتی ہے مگر دعا کی برکت سے یہ مصیبت کافت ٹل جاتی ہے یہ بھی "الاعطاء" کی ایک صورت ہے بہر حال مسلمان کی دعا ضائع نہیں جاتی ہے۔
"قائم یصلی" اس جملہ کا ایک مطلب یہ ہے کہ واقعی وہ آدمی نماز میں کھڑا ہوا اور سوال کر رہا ہو اور یہ گھڑی آ پہنچی ہو، اس کا دوسرا مطلب یہ بھی ہے کہ وہ آدمی نماز کے انتظار میں بیٹھا ہوا ہو کیونکہ یہ بھی حکماً نماز میں شمار ہوتا ہے۔
ایک مطلب یہ بھی ہے کہ وہ آدمی بس نماز ہی پڑھتا ہو یعنی نماز کی بہت پابندی کر رہا ہو۔[1]
یہ مطالب اس لئے بیان کر دیئے ہیں تاکہ اس بارے میں تمام احادیث میں تطبیق آجائے۔

جمعہ کے دن قبولیت کی گھڑی کس وقت ہوتی ہے

﴿۴﴾ وعن أَبِي بُرْدَةَ بْنِ أَبِي مُوسَى قَالَ سَمِعْتُ أَبِي يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ فِي شَأْنِ سَاعَةِ الْجُمُعَةِ هِيَ مَا بَيْنَ أَنْ يَجْلِسَ الْإِمَامُ إِلَى أَنْ تُقْضَى الصَّلَاةُ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابی بردہ ابن ابی موسیٰ راوی ہیں کہ میں نے اپنے والد مکرم (حضرت ابوموسیٰ) سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں نے سرتاج دو عالم ﷺ کو جمعہ (کے دن) کی ساعت قبولیت کے بارے میں فرماتے ہوئے سنا ہے کہ وہ ساعت (خطبہ کے لئے) امام کے منبر پر بیٹھنے اور نماز پڑھی جانے تک کا درمیانی عرصہ ہے۔ (مسلم)

توضیح: جمعہ کے دن قبولیت دعا کی یہ ساعت اور یہ گھڑی تو یقینی ہے اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں اور نہ اس میں شک ہے لیکن اس میں علماء کے درمیان اختلاف ہے کہ وہ گھڑی کس موقع پر آتی ہے بعض علماء کا کہنا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اسم اعظم کو پوشیدہ رکھا ہے اور شب قدر کو پوشیدہ رکھا ہے اسی طرح جمعہ کی اس گھڑی کو بھی پوشیدہ رکھا ہے۔
بعض علماء کی رائے ہے کہ وہ گھڑی ہر جمعہ میں بدلتی رہتی ہے کسی جمعہ میں صبح کے وقت آتی ہے کسی میں ظہر یا زوال کے وقت آتی ہے اور کسی جمعہ میں عصر کے بعد آتی ہے۔
اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ وہ گھڑی جمعہ کے ایک متعین وقت میں آتی ہے، اب وہ متعین وقت کونسا ہے، مظاہر حق میں لکھا ہے کہ اس میں ۳۵ اقوال ہیں۔ زیر بحث حدیث میں بتایا گیا ہے کہ امام کے خطبہ کے وقت سے لیکر نماز کے اختتام تک جو وقت ہے اس میں یہ گھڑی موجود ہے حدیث نمبر ۵ میں حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ تصریح فرماتے ہیں کہ یہ گھڑی عصر کی نماز کے بعد ہوتی ہے مظاہر حق میں ۳۵ اقوال کی روشنی میں تمام اوقات کا ذکر کیا گیا ہے وہاں دیکھ لیا جائے لیکن زیر بحث حدیث میں جب ایک وقت کے متعلق تصریح آگئی ہے بس یہ کافی ہے۔

[1] المرقات: ۳/۴۴۵ [2] اخرجه ومسلم: ۳/۶

الفصل الثانی

جمعہ کی فضیلت اور ساعت قبولیت

﴿۵﴾ عن أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ خَرَجْتُ إِلَى الطُّوْرِ فَلَقِيْتُ كَعْبَ الْأَحْبَارِ فَجَلَسْتُ مَعَهُ فَحَدَّثَنِي عَنِ التَّوْرَاةِ وَحَدَّثْتُهُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ فِيْمَا حَدَّثْتُهُ أَنْ قُلْتُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُ يَوْمٍ طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ يَوْمُ الْجُمُعَةِ فِيْهِ خُلِقَ آدَمُ وَفِيْهِ أُهْبِطَ وَفِيْهِ تِيْبَ عَلَيْهِ وَفِيْهِ مَاتَ وَفِيْهِ تَقُوْمُ السَّاعَةُ وَمَا مِنْ دَابَّةٍ إِلَّا وَهِيَ مُصِيْخَةٌ يَوْمَ الْجُمُعَةِ مِنْ حِيْنَ تُصْبِحُ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ شَفَقاً مِنَ السَّاعَةِ إِلَّا الْجِنَّ وَالْإِنْسَ وَفِيْهِ سَاعَةٌ لَا يُصَادِفُهَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ وَهُوَ يُصَلِّيْ يَسْأَلُ اللّٰهَ شَيْئًا إِلَّا أَعْطَاهُ إِيَّاهُ قَالَ كَعْبٌ ذٰلِكَ فِيْ كُلِّ سَنَةٍ يَوْمٌ فَقُلْتُ بَلْ فِيْ كُلِّ جُمُعَةٍ فَقَرَأَ كَعْبٌ التَّوْرَاةَ فَقَالَ صَدَقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَبُوْ هُرَيْرَةَ لَقِيْتُ عَبْدَاللّٰهِ بْنَ سَلَامٍ فَحَدَّثْتُهُ بِمَجْلِسِيْ مَعَ كَعْبِ الْأَحْبَارِ وَمَا حَدَّثْتُهُ فِيْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَقُلْتُ لَهُ قَالَ كَعْبٌ ذٰلِكَ فِيْ كُلِّ سَنَةٍ يَوْمٌ قَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ كَذَبَ كَعْبٌ فَقُلْتُ لَهُ ثُمَّ قَرَأَ كَعْبٌ التَّوْرَاةَ فَقَالَ بَلْ هِيَ فِيْ كُلِّ جُمُعَةٍ فَقَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ سَلَامٍ صَدَقَ كَعْبٌ ثُمَّ قَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ سَلَامٍ قَدْ عَلِمْتُ أَيَّةَ سَاعَةٍ هِيَ قَالَ أَبُوْ هُرَيْرَةَ فَقُلْتُ أَخْبِرْنِيْ بِهَا وَلَا تَضِنَّ عَلَيَّ فَقَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ سَلَامٍ هِيَ آخِرُ سَاعَةٍ فِيْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ قَالَ أَبُوْ هُرَيْرَةَ فَقُلْتُ وَكَيْفَ تَكُوْنُ آخِرَ سَاعَةٍ فِيْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَقَدْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُصَادِفُهَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ وَهُوَ يُصَلِّيْ فِيْهَا فَقَالَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ سَلَامٍ أَلَمْ يَقُلْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ جَلَسَ مَجْلِسًا يَنْتَظِرُ الصَّلَاةَ فَهُوَ فِيْ صَلَاةٍ حَتّٰى يُصَلِّيَ قَالَ أَبُوْ هُرَيْرَةَ فَقُلْتُ بَلٰى قَالَ فَهُوَ ذٰلِكَ۔

(رَوَاهُ مَالِكٌ وَأَبُوْ دَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَرَوٰى أَحْمَدُ إِلٰى قَوْلِهِ صَدَقَ كَعْبٌ)[1]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک روز) میں کوہ طور کی طرف گیا، اور وہاں کعب احبار سے ملاقات کی میں ان کے پاس بیٹھ گیا انہوں نے میرے سامنے تورات کی کچھ باتیں بیان کیں اور میں نے ان کے سامنے سرتاج دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں بیان کیں میں نے ان کے سامنے جو احادیث بیان کیں ان میں سے ایک حدیث یہ بھی تھی کہ ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

[1] اخرجه مالك: ۸۸ وابوداؤد: ۱۰۴۶ والترمذی: ۴۹۱ والنسائی: ۳/۱۱۳ واحمد: ۲/۴۸۶، ۵/۴۵۱، ۴۵۳

فرمایا ہے کہ "ان دنوں میں جن میں آفتاب طلوع ہوتا ہے سب سے بہتر دن جمعہ کا ہے، جمعہ کے دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے، اسی روز وہ جنت سے (زمین پر) اتارے گئے، اسی دن (یعنی جس جمعہ کو جنت سے اتارے گئے اسی جمعہ کی آخری گھڑی میں یا یہ کہ دوسرے جمعہ کے دن) ان کی توبہ قبول کی گئی، اسی دن ان کی وفات ہوئی اور جمعہ ہی کے دن قیامت قائم ہوگی اور ایسا کوئی چوپایہ نہیں ہے جو جمعہ کے دن طلوع آفتاب سے غروب آفتاب تک قیامت قائم ہونے کا منتظر نہ رہتا ہو (یعنی چوپاؤں کو بھی یہ معلوم ہے کہ قیامت جمعہ کے روز آئے گی اس لئے وہ ہر جمعہ کو دن بھر اس خوف میں مبتلا رہتے ہیں کہ کہیں آج ہی قیامت قائم نہ ہو جائے) علاوہ جنات اور انسانوں کے (یعنی جن وانس کو اس انتظار سے غافل رکھا گیا ہے تاکہ اس ہولناکی سے انسانی زندگی کا شیرازہ منتشر نہ ہو جائے) اور جمعہ کے دن ایک ایسی ساعت آتی ہے کہ جسے اگر کوئی بندہ مسلمان کہ وہ (**حکمًا یا حقیقتًا**) نماز پڑھتا ہو۔ (یعنی نماز کا انتظار کرتا ہو یا دعا مانگتا ہو) اسے پالے اور اللہ تعالیٰ سے کسی چیز کا سوال کرے تو اسے وہ چیز ضرور دی جاتی ہے (یعنی وہ اس وقت جو دعا مانگتا ہے قبول ہوتی ہے) کعب احبار نے (یہ سن کر) کہا کہ "یہ دن (جو ساعت قبولیت کو اپنے دامن میں چھپائے ہوئے ہوتا ہے) سال میں ایک مرتبہ آتا ہے۔" میں نے کہا کہ "نہیں! یہ دن تو ہر ہفتہ میں ایک مرتبہ آتا ہے۔" کعب نے (اس بات کی تصدیق کیلئے) تورات پڑھی اور (اس کے بعد) کہا کہ "رسول اللہ ﷺ نے سچ فرمایا ہے" حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (اس کے بعد پھر) میں حضرت عبداللہ ابن سلام رضی اللہ عنہ سے ملا اور ان سے کعب سے اپنی ملاقات کا تذکرہ کیا اور جمعہ کے بارے میں کعب سے میں نے جو حدیث بیان کی تھی وہ بھی بتائی پھر میں نے عبداللہ ابن سلام سے یہ بھی کہا کہ کعب کہتے تھے کہ "یہ دن سال میں ایک مرتبہ آتا ہے" حضرت عبداللہ ابن سلام رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "کعب نے غلط کہا۔" پھر میں نے کہا "لیکن کعب نے بعد میں تورات پڑھی اور کہا کہ (رسول اللہ کا کہنا ٹھیک ہی ہے کہ) یہ ساعت ہر جمعہ کے روز آتی ہے۔" عبداللہ ابن سلام نے فرمایا کہ "کعب نے یہ سچ کہا" اور پھر کہنے لگے کہ میں جانتا ہوں کہ وہ کونسی ساعت ہے؟ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ "پھر مجھ کو بتلایئے اور بخل سے کام نہ لیجئے۔ حضرت عبداللہ ابن سلام رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ جمعہ کے دن کی آخری گھڑی ہے۔" میں نے کہا کہ "وہ ساعت جمعہ کے دن کی آخری گھڑی کیونکر ہو سکتی ہے جبکہ آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ "جو بندۂ مومن اس ساعت کو پائے اور وہ اس میں نماز پڑھتا ہو (اور آپ کہہ رہے ہیں کہ وہ ساعت جمعہ کے دن کی آخری گھڑی ہے اس وقت تو نماز نہیں پڑھی جاتی کیونکہ مکروہ ہے؟) حضرت عبداللہ ابن سلام رضی اللہ عنہ نے فرمایا (یہ توصحیح ہے لیکن) کیا یہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد نہیں ہے؟ کہ جو شخص نماز کے انتظار میں اپنی جگہ بیٹھا رہے تو وہ نمازی کے حکم میں ہے یہاں تک کہ وہ (حقیقتًا) نماز پڑھے۔" حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا "بس نماز سے مراد نماز کا انتظار کرنا ہے۔" (اور دن کے آخری حصہ میں نماز کے انتظار میں بیٹھنا ممنوع نہیں ہے اس وقت اگر کوئی دعا مانگے تو وہ قبول ہوگی) مالک، ابوداؤد، نسائی اور امام احمد نے بھی یہ روایت صرف کعب تک نقل کی ہے۔

توضیح: "**مصیخة**" اصاخ باب افعال سے ہے کان لگا کر کسی آواز وغیرہ کے سننے اور انتظار کرنے کو کہتے ہیں یہاں **مصیخة** انتظار کرنے کے معنی میں ہے۔[1]

---

[1] المرقات: ۳/۴۲۹

"ولا تضن علی" ضن یضن بخل اور کنجوسی کو کہتے ہیں جیسے [1] ﴿وما ھو علی الغیب بضنین﴾ [2] یعنی آپ مجھے صاف صاف بتادیں اور اس میں بخل سے کام نہ لیں۔

اس حدیث میں حضرت عبداللہ بن سلام اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کا جمعہ کے دن فضیلت والی گھڑی کے وقت کے تعین کے متعلق ایک مکالمہ بلکہ مناظرہ ذکر کیا گیا ہے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ گھڑی عصر کے بعد ہوتی ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما نے ان پر اشکال کیا کہ عصر کے بعد تو نماز پڑھنا منع ہے حالانکہ اس گھڑی کے پانے کے سلسلے میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص نماز پڑھ رہا ہو تو دعا قبول ہوتی ہے حالانکہ نماز وہ پڑھ نہیں سکتا حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا کہ جو شخص نماز کے انتظار میں بیٹھا ہوا ہو کیا وہ نماز میں نہیں؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ہاں نماز میں ہے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ کا یہی مقصد ہے کہ وہ شخص عصر کے بعد نماز کے انتظار میں جب ہوتا ہے تو وہ نماز میں ہوتا ہے۔

علماء نے لکھا ہے کہ عام علماء کا رجحان اسی طرف ہے کہ قبولیت کی یہ ساعت عصر کے بعد ہوتی ہے۔ [3]

کعب احبار اہل کتاب کے بڑے عالم تھے حضور ﷺ کے زمانے میں اسلام قبول نہیں کیا بعد میں مسلمان ہو گئے لہٰذا تابعی ہیں صحابی نہیں۔

قبولیت کی ساعت عصر کے بعد تلاش کرو

﴿۶﴾ وعن أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلْتَمِسُوا السَّاعَةَ الَّتِيْ تُرْجٰى فِيْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ بَعْدَ الْعَصْرِ اِلٰى غَيْبُوْبَةِ الشَّمْسِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ) [4]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے فرمایا "جمعہ کے دن کی اس ساعت کو کہ جس میں قبولیت دعا کی امید ہے عصر کے بعد سے غروب آفتاب تک تلاش کرو۔" (ترمذی)

فضیلت جمعہ

﴿۷﴾ وعن أَوْسِ بْنِ أَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ أَفْضَلِ أَيَّامِكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فِيْهِ خُلِقَ آدَمُ وَفِيْهِ قُبِضَ وَفِيْهِ النَّفْخَةُ وَفِيْهِ الصَّعْقَةُ فَأَكْثِرُوْا عَلَيَّ مِنَ الصَّلَاةِ فِيْهِ فَاِنَّ صَلَاتَكُمْ مَعْرُوْضَةٌ عَلَيَّ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللهِ وَكَيْفَ تُعْرَضُ صَلَاتُنَا عَلَيْكَ وَقَدْ أَرِمْتَ قَالَ يَقُوْلُوْنَ بَلِيْتَ قَالَ اِنَّ اللهَ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ۔

(رَوَاهُ أَبُوْ دَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَه وَالدَّارِمِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعْوَاتِ الْكَبِيْرِ) [5]

---

[1] المرقات: ۳/۳۵۱ [2] تکویر آیة: ۲۸ [3] المرقات: ۳/۳۵۱ [4] اخرجه الترمذی: ۴۸۹

[5] اخرجه وابوداؤد: ۱۰۴۷ والنسائی: ۳/۹۱ وابن ماجه: ۱۰۸۵، ۱۶۳۶ والدارمی: ۱۵۸۰

ترجمہ: حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے فرمایا "جمعہ کا دن تمہارے بہترین دنوں میں سے ہے (کیونکہ) اس دن آدم علیہ السلام کی تخلیق کی گئی اسی دن ان کی روح قبض کی گئی، اسی دن (دوسرا) صور پھونکا جائے گا (جس کی آواز سے مردے زندہ ہو کر میدان حشر میں جمع ہوں گے۔) اسی دن (پہلا صور پھونکا جائے گا (جس کی آواز سے قیامت قائم ہوگی اور تمام مخلوق فنا کے گھاٹ اتر جائے گی) لہٰذا اسی دن تم لوگ مجھ پر زیادہ درود (بھیجو) کیونکہ تمہارے درود میرے سامنے پیش کئے جائیں گے۔" صحابہ نے عرض کیا کہ "یارسول اللہ! ہمارے درود آپ کے سامنے کس طرح پیش کئے جائیں گے۔ جبکہ (ہمارے درود بھیجنے کے وقت) آپ کی ہڈیاں بوسیدہ ہو چکی ہوں گی؟ راوی کہتے ہیں کہ لفظ ارمت سے صحابہ کی مراد لفظ بلیت تھی یعنی آپ کا جسد مبارک بوسیدہ ہو چکا ہوگا۔" آنحضرت ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے زمین کے لئے انبیاء کے جسم حرام کر دیئے ہیں۔" (یعنی انبیاء کے جسم زمین فنا نہیں کرتی)۔ (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی، بیہقی)

توضیح: "**فاکثروا علی من الصلوٰۃ**" یعنی جمعہ کا دن بہت فضیلتوں برکتوں اور بڑے بڑے انقلابات کا دن ہے اس میں مجھ پر زیادہ سے زیادہ درود بھیجا کرو کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے جمعہ کے دن کثرت درود کی وجہ یہ ہے کہ درود بہت عمدہ عبادات سے ہے اور جمعہ کا دن دنوں کا سردار ہے اس میں ایک نیکی ستر درجہ تک پہنچ جاتی ہے تو درود پڑھنے سے بہت ہی فائدہ ہوگا جمعہ بھی عظیم نعمت ہے درود بھی عظیم نعمت ہے جمعہ کے دن زیارت قبور کی فضیلت ہے تو درود کے ذریعہ سے محمد عربی ﷺ کی زیارت ہو جائے گی آنکھوں سے نہ سہی قلب و دماغ اور جان و زبان سے زیارت ہو جائے گی۔[1]

"**وقد ارمت**" اس لفظ کے اصل مادہ میں اور پھر صیغہ میں بہت اختلاف ہے زیادہ واضح اور صحیح یہ ہے کہ ارمت ضرب یضرب سے بوسیدہ ہونے کو کہتے ہیں جیسے **من یحی العظام وھی رمیم** شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ نے لمعات میں لکھا ہے کہ ارمت اصل میں ارممت تھا ایک میم کو حذف کر دیا گیا ارمت رہ گیا بہر حال اس مادہ کو جس باب پر لے جایا جائے اس کے مفہوم میں بوسیدہ ہونا پڑا ہے۔[2]

صحابی کے سوال کا مقصد یہ ہے کہ یارسول اللہ! ہمارا درود آپ پر کیسے پیش ہوگا حالانکہ آپ قبر میں زندہ نہیں ہوں گے بلکہ ریزہ ریزہ ہو چکے ہونگے اس کے جواب میں حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ انبیاء کرام کے اجسام کو اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام قرار دیا ہے کہ وہ اسے کھائے یہ جواب سائل کے سوال کے مطابق ہے، سائل نے کہا آپ مرنے کے بعد زندہ نہیں ہوں گے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ انبیاء زندہ ہوتے ہیں اور میں بھی زندہ ہوں گا حفاظت جسد کا جواب سائل کے سوال کا جواب ہے اس نے موت کی بات کی تو حضور اکرم ﷺ نے حیات کی بات کی اس مسئلہ کی تحقیق باب التشہد میں ہو چکی ہے۔

"**یقولون بلیت**" یہ راوی کی طرف سے ارمت کی تفسیر و ترجمہ ہے کہ صحابہ کا ارمت کہنے سے مراد یہ ہے کہ آپ بوسیدہ ہو چکے ہونگے۔[3]

---

[1] المرقات: ۳/۴۵۳ [2] المرقات: ۳/۴۵۳ اشعۃ اللمعات [3] المرقات: ۳/۴۵۳

جمعہ کی مقبول گھڑی میں دعا مقبول ہوتی ہے

﴿۸﴾ وعن أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْيَوْمُ الْمَوْعُوْدُ يَوْمُ الْقِيَامَةِ وَالْيَوْمُ الْمَشْهُوْدِ يَوْمُ عَرَفَةَ وَالشَّاهِدُ يَوْمُ الْجُمُعَةِ وَمَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ وَلاَ غَرَبَتْ عَلَى يَوْمٍ أَفْضَلَ مِنْهُ فِيْهِ سَاعَةٌ لَا يُوَافِقُهَا عَبْدٌ مُؤْمِنٌ يَدْعُو اللهَ بِخَيْرٍ إِلاَّ إِسْتَجَابَ اللهُ لَهُ وَلاَ يَسْتَعِيْذُ مِنْ شَيْءٍ إِلاَّ أَعَاذَهُ مِنْهُ۔

(رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ لَا يُعْرَفُ إِلاَّ مِنْ حَدِيْثِ مُوْسٰى بْنِ عُبَيْدَةَ وَهُوَ يُضَعَّفُ) [1]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یوم موعود قیامت کا دن ہے یوم مشہود عرفہ کا دن ہے اور شاہد جمعہ کا دن ہے۔ آفتاب کسی ایسے دن طلوع و غروب نہیں ہوتا جو جمعہ کے دن سے افضل ہو (یعنی جمعہ کا دن سب سے افضل ہے) اسی دن ایک ایسی ساعت آتی ہے جسے اگر کوئی بندۂ مومن پالے اور اس میں اللہ تعالیٰ سے بھلائی مانگے تو اللہ تعالیٰ اسے ضرور بھلائی دیتا ہے یا جس چیز سے پناہ مانگے تو اللہ تعالیٰ اسے ضرور پناہ دیتا ہے۔'' (احمد، وترمذی) امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے کیونکہ ایک شخص موسیٰ بن عبیدہ کے اور کسی سے (اس کا نقل ہونا) معلوم نہیں ہوتا اور یہ موسیٰ محدثین کے یہاں روایت حدیث میں ضعیف شمار کئے جاتے ہیں۔

الفصل الثالث

جمعہ کی فضیلت

﴿۹﴾ عن أَبِي لُبَابَةَ بْنِ عَبْدِالْمُنْذِرِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ سَيِّدُ الْأَيَّامِ وَأَعْظَمُهَا عِنْدَ اللهِ وَهُوَ أَعْظَمُ عِنْدَ اللهِ مِنْ يَوْمِ الْأَضْحٰى وَيَوْمِ الْفِطْرِ، فِيْهِ خَمْسُ خِلَالٍ خَلَقَ اللهُ فِيْهِ آدَمَ وَأَهْبَطَ اللهُ فِيْهِ آدَمَ إِلَى الْأَرْضِ وَفِيْهِ تَوَفَّى اللهُ آدَمَ وَفِيْهِ سَاعَةٌ لاَ يَسْأَلُ الْعَبْدُ فِيْهَا شَيْئًا إِلاَّ أَعْطَاهُ مَالَمْ يَسْأَلْ حَرَاماً وَفِيْهِ تَقُوْمُ السَّاعَةُ مَا مِنْ مَلَكٍ مُقَرَّبٍ وَلاَ سَمَاءٍ وَلاَ أَرْضٍ وَلاَ رِيَاحٍ وَلاَ جِبَالٍ وَلاَ بَحْرٍ إِلاَّ هُوَ مُشْفِقٌ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه وَرَوٰى أَحْمَدُ عَنْ سَعْدِبْنِ مُعَاذٍ أَنَّ رَجُلاً مِنَ الْأَنْصَارِ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَخْبِرْنَا عَنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ مَاذَا فِيْهِ مِنَ الْخَيْرِ قَالَ فِيْهِ خَمْسُ خِلَالٍ وَسَاقَ إِلٰى آخِرِ الْحَدِيْثِ) [2]

---

[1] اخرجه الترمذی: ۳۳۳۹ [2] اخرجه وابن ماجه: ۱۰۸۴ واحمد: ۳/۴۳۰

ترجمہ: حضرت ابولبابہ ابن عبد المنذر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے فرمایا "جمعہ کا دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام دنوں کا سردار ہے اور تمام دنوں میں سب سے زیادہ باعظمت ہے اور خدا کے نزدیک جمعہ کے دن کی عظمت عید اور بقرعید کے دن سے بھی زیادہ ہے اور اس دن کی پانچ باتیں ہیں (جو اس کی عظمت وفضیلت کی دلیل ہیں) ① اس دن اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق فرمائی ② اسی دن اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے زمین پر اتارا ③ اسی دن اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو وفات دی ④ اسی دن ایک ساعت آتی ہے کہ اس میں بندہ اللہ تعالیٰ سے حرام چیز کے سوا جو کچھ بھی مانگتا ہے اللہ تعالیٰ ضرور عنایت فرماتا ہے یعنی حرام چیز مانگنا مقبول نہیں ہے۔ ⑤ اور اسی دن قیامت قائم ہوگی۔ تمام مقرب فرشتے آسمان، زمین، ہوا، پہاڑ اور دریا سب جمعہ کے دن سے ڈرتے رہتے ہیں۔ (اس وجہ سے کہ قیامت جمعہ کے دن آنی ہے نہ معلوم کس وقت آجائے) (ابن ماجہ) اور امام احمد نے حضرت سعد ابن معاذ سے اس طرح نقل کیا ہے کہ "ایک انصاری صحابی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے عرض کیا کہ "مجھے جمعہ کے بارے میں بتائیے کہ اس دن کی کیا خوبیاں ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ "اس دن کی پانچ باتیں ہیں" باقی حدیث آخر تک اسی طرح نقل کی ہے۔ جو اوپر ذکر کی گئی ہے۔

جمعہ کی وجہ تسمیہ

﴿۱۰﴾ وعن أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قِيلَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَيِّ شَيْءٍ سُمِّيَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ قَالَ لِأَنَّ فِيهَا طُبِعَتْ طِينَةُ أَبِيكَ آدَمَ وَفِيهَا الصَّعْقَةُ وَالْبَعْثَةُ وَفِيهَا الْبَطْشَةُ وَفِي آخِرِ ثَلَاثِ سَاعَاتٍ مِنْهَا سَاعَةٌ مَنْ دَعَا اللهَ فِيهَا اسْتُجِيبَ لَهُ. (رَوَاهُ أَحْمَدُ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ سے پوچھا گیا۔ کہ جمعہ کا نام جمعہ کس سبب سے رکھا گیا ہے؟ آپ نے فرمایا "اس وجہ سے کہ اس دن تمہارے باپ آدم علیہ السلام کی مٹی جمع کی گئی اور اس کا خمیر بنایا گیا۔ اس دن (پہلا) صور پھونکا جائے گا (کہ اسکی آواز سے تمام دنیا والے مرجائیں گے) اور (دوسرا) صور پھونکا جائے گا (کہ اسکی آواز سے تمام مردے دوبارہ زندہ ہوجائیں گے) اور اس دن (قیامت کی) سخت دار وگیر ہوگی نیز اس دن کے آخری تین ساعتوں میں ایک ایسی ساعت ہے (یعنی جمعہ کی آخری ساعت) کہ اس وقت جو کوئی اللہ تعالیٰ سے دعا مانگے اس کی دعا قبول ہوگی" (احمد)

جمعہ کے دن کثرت سے درود پڑھنا چاہئے

﴿۱۱﴾ وعن أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكْثِرُوا الصَّلَاةَ عَلَيَّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَإِنَّهُ مَشْهُودٌ يَشْهَدُهُ الْمَلَائِكَةُ وَإِنَّ أَحَدًا لَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ إِلَّا عُرِضَتْ عَلَيَّ صَلَاتُهُ حَتَّى يَفْرُغَ

[1] اخرجه احمد: ۲/۳۱۱

مِنْهَا قَالَ قُلْتُ وَبَعْدَ الْمَوْتِ قَالَ إِنَّ اللهَ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَنْ تَأْكُلَ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ فَنَبِيُّ اللهِ حَيٌّ يُرْزَقُ. (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے فرمایا "جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود بھیجو کیونکہ جمعہ کا دن مشہود (یعنی حاضر کیا گیا) ہے اس دن ملائکہ حاضر ہوتے ہیں اور جو شخص بھی مجھ پر درود بھیجتا ہے اس کا درود میرے سامنے (بذریعہ مُکاشفہ یا بذریعہ ملائکہ) پیش کیا جاتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اس سے فارغ ہوتا ہے۔ ابودرداء کہتے ہیں کہ میں نے (یہ سن کر) عرض کیا کہ "مرنے کے بعد بھی درود آپ کے سامنے پیش کئے جائیں گے؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کے جسم کا کھانا حرام کیا ہے چنانچہ خدا کے نبی (اپنی اپنی قبروں میں بالکل دنیا کی حقیقی زندگی کی طرح) زندہ ہیں اور رزق دیئے جاتے ہیں۔" (ابن ماجہ)

توضیح: "مشھود" یہ حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر کی تائید کرتی ہے انہوں نے سورۃ بروج کی آیت ﴿وشاهدٍ ومشهودٍ﴾[2] میں مشہود سے جمعہ کا دن مراد لیا ہے لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے "شاہد" کے لفظ سے جمعہ کا دن مراد لیا ہے اور یہی راجح اور صحیح ہے یہاں بھی احتمال ہے کہ مشہود سے جمعہ کا دن مراد ہے۔[3]

"عرضت" یعنی یوں تو ہر روز بھیجا جانے والا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے لیکن جمعہ کے دن کا درود خصوصی طور سے مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔[4]

صحابی نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! وفات کے بعد بھی درود پیش ہوگا حالانکہ آپ مردہ ہونگے؟ آنحضرت ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ انبیا حیات ہوتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے اجساد کو زمین پر حرام قرار دیا ہے، حیات انبیاء سے متعلق تمام بحث باب التشھد میں ہو چکی ہے زیر بحث حدیث میں حی یرزق کے الفاظ سے واضح طور پر حیات انبیاء ثابت ہوتی ہے اس میں کٹ حجتی کی ضرورت نہیں امت کا حیات انبیاء پر اتفاق ہے اس میں اختلاف نہیں کرنا چاہئے۔[5]

جمعہ کے دن مرنے والے مؤمن کیلئے بشارت

﴿۱۲﴾ وعن عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَمُوْتُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ أَوْلَيْلَةَ الْجُمُعَةِ إِلَّا وَقَاهُ اللهُ فِتْنَةَ الْقَبْرِ.

(رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَلَيْسَ اِسْنَادُهُ بِمُتَّصِلٍ)[6]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے فرمایا۔ "ایسا کوئی مسلمان نہیں ہے جو جمعہ

---

[1] اخرجه وابن ماجه: ۱۶۳۷ [2] بروج: ۳ [3] المرقات: ۳/۴۵۹

[4] المرقات: ۳/۴۵۹ [5] المرقات: ۳/۴۵۹ [6] اخرجه احمد: ۲/۱۶۹ والترمذی: ۱۰۷۴

کے دن یا جمعہ کی رات میں انتقال کرے اور اللہ تعالیٰ اسے فتنہ (یعنی قبر کے سوال اور قبر کے عذاب) سے نہ بچائے۔" (احمد، ترمذی) امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے اس کی اسناد متصل نہیں ہے۔

توضیح: **"مسلم"** جمعہ کے دن بہت سارے کافر بھی مرتے ہونگے مگر حدیث کی یہ بشارت کفار کو شامل نہیں بلکہ یہ بشارت مسلمانوں کے ساتھ خاص ہے یعنی کوئی خوش قسمت مسلمان جمعہ کے دن جب انتقال کرتا ہے تو وہ جمعہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی بے پناہ رحمتوں اور نعمتوں میں ہوتا ہے اور قبر کے عذاب سے محفوظ رہتا ہے۔[1]

ایک اور حدیث میں ہے کہ جمعہ کے دن مرنے والے مسلمان کو عذاب قبر سے نجات ملتی ہے اور وہ میدان محشر میں اس حال میں آئے گا کہ اس پر شہیدوں کی مہر ہوگی۔[2]

ایک اور روایت میں ہے کہ جمعہ کے دن جو شخص مرتا ہے اس کے لئے شہید کا اجر و ثواب لکھا جاتا ہے اور قبر کے عذاب سے اس کو بچایا جاتا ہے۔[3]

ایک اور روایت میں ہے کہ جس مرد یا عورت کا انتقال جمعہ کے دن ہوجاتا ہے یا جمعہ کی رات میں ہوجاتا ہے تو اس مرد و عورت کو عذاب قبر سے بچایا جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے اس کی ملاقات اس حال میں ہوگی کہ ان سے کوئی محاسبہ نہیں ہوگا کیونکہ ان کے ساتھ گواہ ہونگے یا ان پر شہدا کی مہر لگی ہوگی اس حدیث کی بشارت کا تعلق ایک مسلمان سے ہے کہ مسلمان کو جمعہ کے دن مرنے سے یہ فائدہ ہوتا ہے کسی کافر یا زندیق و منافق کو اس سے فائدہ نہیں "او" شک کے لئے نہیں بلکہ تنویع کے لئے ہے۔[4]

جمعہ مسلمانوں کے لئے عید کا دن ہے

﴿۱۳﴾ وعن ابنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ قَرَأَ اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ الآيَةَ وَعِنْدَهُ يَهُوْدِيٌّ فَقَالَ لَوْ نَزَلَتْ هٰذِهِ الآيَةُ عَلَيْنَا لَاتَّخَذْنَاهَا عِيْدًا فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَإِنَّهَا نَزَلَتْ فِيْ يَوْمِ عِيْدَيْنِ فِيْ يَوْمِ جُمُعَةٍ وَيَوْمِ عَرَفَةَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ)[5]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے ایک دن یہ آیت پڑھی **الیوم اکملت لکم دینکم الایۃ** جس کا مضمون یہ ہے کہ آج کے دن ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کردیا تمہارے اوپر اپنی تمام نعمتیں پوری کردیں اور ہم نے تمہارے لئے از روئے دین اسلام کو پسند کیا ان کے پاس (اس وقت) ایک یہودی (بیٹھا ہوا) تھا اس نے (ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ آیت سن کر) کہا کہ اگر یہ آیت ہم پر نازل ہوتی تو ہم اس کو (یعنی اس دن کو جس میں یہ آیت نازل ہوئی تھی) عید قرار دیتے" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا "یہ آیت دو عیدوں کے دن یعنی (حجۃ الوداع کے موقع پر) جمعہ اور عرفہ کے دن نازل ہوئی ہے امام ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

---

[1] المرقات: ۳/۳۶۱ [2] المرقات: ۳/۳۶۱ [3] المرقات: ۳/۳۶۱ [4] المرقات: ۳/۳۶۱ [5] اخرجه الترمذی: ۳۰۴۴

توضیح: "لا تخذناه عیدا" یعنی ﴿الیوم اکملت لکم دینکم﴾[۱] کی جو آیت تم پر اتری ہے یہ اتنی بڑی شان والی آیت ہے کہ اگر ہم یہود پر اتر آتی تو ہم اس دن کو بطور یادگار اور بطور تاریخی دن مناتے مگر تم مسلمان کچھ بھی نہیں کرتے ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ تم ایک عید کی بات کرتے ہو حالانکہ جب یہ آیت اتری اس وقت ہم مسلمان دو عیدیں منا رہے تھے ایک تو اس لئے کہ جمعہ کا دن تھا اور جمعہ مسلمانوں کی عید کا دن ہوتا ہے۔[۲]

اور دوسری عید اس طرح کہ اس وقت عرفہ کا دن تھا اور عرفہ مسلمانوں کے لئے عید کا دن ہے ایک روایت میں ہے کہ کسی یہودی کے ساتھ یہ مکالمہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہوا تھا آپ نے فرمایا چھوڑ دو جاؤ ہم اپنی اعیاد کو خود جانتے ہیں تیری ضرورت نہیں ہم کو یہ بھی معلوم ہے کہ وقت کونسا تھا دن کونسا تھا یاد رکھو یہ عرفہ کا دن تھا اور جمعہ کے دن عصر کا وقت تھا۔

جمعہ کی رات روشن اور اس کا دن چمکدار ہے

﴿۱۴﴾ وعن أَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ رَجَبٌ قَالَ أَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي رَجَبَ وَشَعْبَانَ وَبَلِّغْنَا رَمَضَانَ قَالَ وَكَانَ يَقُولُ لَيْلَةُ الْجُمُعَةِ لَيْلَةٌ أَغَرُّ وَيَوْمُ الْجُمُعَةِ يَوْمٌ أَزْهَرُ۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعَوَاتِ الْكَبِيرِ)[۳]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رجب کا مہینہ آتا تو سرتاج دو عالم ﷺ یہ دعا مانگا کرتے تھے کہ "اے اللہ! رجب اور شعبان کے مہینہ (کی ہماری اطاعت و عبادات) میں ہمیں برکت دے اور ہمیں رمضان تک پہنچا" نیز حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ "جمعہ کی رات روشن رات ہے اور جمعہ کا دن چمکتا دن ہے۔ (بیہقی)

توضیح: "اغر" یہ روشن اور چمکدار کے معنی میں ہے غرہ گھوڑے کی پیشانی پر سفید داغ کو کہتے ہیں پھر ہر روشن اور مبارک چہرے کو اغر کہہ دیا گیا **ازھر** روشن چہرہ کو کہتے ہیں۔[۴]

"وبلغنا رمضان" یہ امر کا صیغہ ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ ایک انسان کہتا ہے کہ اے پروردگار!! ہمیں یہ سعادت نصیب فرما کہ ہم رمضان تک پہنچ جائیں اور پورے رمضان میں عبادت کریں تراویح پڑھیں تلاوت کریں اعتکاف میں بیٹھ جائیں۔[۵]

"لیلۃ اغر" اغر کے بجائے غراء کہنا تھا مگر اغر کا موصوف زمان محذوف ہے لیلۃ موصوف نہیں۔[۶]

[۱] مائدہ: ۳ [۲] المرقات: ۳/۴۶۲ [۳] اخرجہ البیہقی فی الشعب: ۳/۳۷۵ ح (۳۸۱۵)
[۴] المرقات: ۳/۴۳ [۵] المرقات: ۳/۴۳۲ [۶] المرقات: ۳/۴۳۲

باب وجوبها

جمعہ کی فرضیت کا بیان

قال الله تعالیٰ ﴿اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر الله وذروا البیع﴾[1]

جمعہ کی نماز ہر عاقل بالغ آزاد اور مقیم مسلمان پر فرض ہے

علامہ یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جمعہ کی نماز محکم فریضہ ہے جو قرآن کریم، احادیث کثیرہ اور اجماع امت سے ثابت ہے۔ ﴿فاسعوا الی ذکر الله وذروا البیع﴾[2] کی آیت جمعہ کی فرضیت کی دلیل ہے۔ اور احادیث بھی آرہی ہیں کہ جس سے جمعہ کا فرض ہونا واضح طور پر ثابت ہوتا ہے لہٰذا جمعہ کی فرضیت کا انکار کرنے والا کافر ہے اور چھوڑنے والا فاسق ہے جن علماء نے جمعہ کو فرض کفایہ کہا ہے انہوں نے بڑی غلطی کی ہے جمعہ فرض عین ہے ہاں کچھ لوگ جمعہ سے مستثنیٰ ہیں۔

مدینہ منورہ میں سب سے پہلے اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے گھر پر جمعہ کی نماز قائم ہوئی بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے جمعہ قائم کیا تھا مگر ابھی تک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ ہی میں تھے ہجرت نہیں فرمائی تھی لیکن بعض روایات میں ہے کہ اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے اپنے اجتہاد اور اپنی فراست ایمان اور کشف صادق سے جمعہ شروع کیا تھا۔

الفصل الاول

نماز جمعہ ترک کرنے کی وعید شدید

﴿۱﴾ عن ابْنِ عُمَرَ وَأَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّهُمَا قَالَا سَمِعْنَا رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى أَعْوَادِ مِنْبَرِهِ لَيَنْتَهِيَنَّ أَقْوَامٌ عَنْ وَدْعِهِمُ الْجُمُعَاتِ أَوْ لَيَخْتِمَنَّ اللهُ عَلَى قُلُوْبِهِمْ ثُمَّ لَيَكُوْنُنَّ مِنَ الْغَافِلِيْنَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[3]

ترجمہ: حضرت ابن عمر اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما دونوں راوی ہیں کہ ہم نے سرتاج دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے منبر کی لکڑی (یعنی اس کی سیڑھیوں پر یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "لوگ نماز جمعہ کو چھوڑنے سے باز رہیں ورنہ تو اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر مہر لگا دیگا اور وہ غافلوں میں شمار ہونے لگیں گے۔ (مسلم)

[1] جمعہ: ۹ [2] جمعہ: ۹ [3] اخرجہ ومسلم: ۳/۱۰

توضیح: "اعوادمنبرہ" اعواد عود کی جمع ہے لکڑی کو کہتے ہیں چونکہ ۲ھ میں حضور اکرم ﷺ کی اجازت سے عائشہ انصاریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حکم پر ان کے غلام باقوم رومی نے جو منبر تیار کیا تھا وہ غابہ جنگل کے جھاؤ درخت کی لکڑی سے بنا تھا اسی وجہ سے صحابی نے لکڑی کا ذکر کیا اور اس طرف اشارہ کیا کہ میں اس حدیث کو خوب سمجھ کے ساتھ اور ہوش وحواس کے ساتھ بیان کر رہا ہوں کہ وہ منبر لکڑی کا بنا تھا کسی لوہے یا پتھر کا نہیں تھا۔

"ودعهم" فتح یفتح سے ودع چھوڑنے اور ترک کرنے کے معنی میں ہے یعنی لوگ جمعہ چھوڑنے سے لازمی طور پر باز آجائیں ورنہ ان کے دلوں پر اللہ تعالیٰ مہر جباریت لگا دیگا پھر یہ لوگ غفلت ہی میں پڑے رہیں گے اور پھر عذاب میں مبتلا رہیں گے جمعہ کی فرضیت کا اگر کوئی آدمی انکار کرے تو وہ کافر ہے اور سستی سے اس کو چھوڑ دے تو وہ فاسق ہے آئندہ اس سے بھی زیادہ سخت وعیدات آنے والی ہیں۔[1]

الفصل الثانی

تین جمعہ چھوڑنے سے دل پر مہر لگ جاتی ہے

﴿۲﴾ عن أَبِي الْجَعْدِ الضَّمْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَكَ ثَلَاثَ جُمَعٍ تَهَاوُناً بِهَا طَبَعَ اللهُ عَلَى قَلْبِهِ.

(رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجه وَالدَّارِمِيُّ وَرَوَاهُ مَالِكٌ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَيْمٍ وَأَحْمَدُ عَنْ أَبِي قَتَادَةَ)[2]

ترجمہ: حضرت ابی الجعد ضمیری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے فرمایا "جو شخص محض سستی و کاہلی کی بناء پر تین جمعے چھوڑے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگا دیگا۔" (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، دارمی) اور امام مالک رحمہ اللہ نے اس روایت کو صفوان ابن سلیم رضی اللہ عنہ سے اور امام احمد رحمہ اللہ نے ابی قتادہ رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے۔

توضیح: "تھاونا" یعنی سستی کی بنیاد پر تین جمعہ کو ترک کر دیا تو اس شخص کے دل پر نفاق کی مہر لگ جائے گی اور اگر انکار کی صورت میں ترک کر دیا تو اس سے وہ شخص کافر ہو جائے گا۔[3]

بغیر عذر نماز جمعہ چھوڑنے کی وجہ سے صدقہ کرنا چاہئے

﴿۳﴾ وعن سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَكَ الْجُمُعَةَ مِنْ غَيْرِ عُذْرٍ فَلْيَتَصَدَّقْ بِدِيْنَارٍ فَإِنْ لَمْ يَجِدْ فَبِنِصْفِ دِيْنَارٍ. (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ وَابْنُ مَاجه)[4]

---

[1] المرقات: ۳/۳۶۴ [2] اخرجه ابوداؤد: ۱۰۵۲ الترمذی: ۵۰۰ والنسائی: ۳/۸۸ وابن ماجه: ۱۱۲۵ واحمد: ۵/۳۳۰ الدارمی: ۱۵۶۹ ومالك: ۱۱۱ ح ۲۰ [3] المرقات: ۳/۳۶۶ [4] اخرجه وابن ماجه: ۱۱۲۸

ترجمہ: اور حضرت سمرۃ ابن جندب رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے فرمایا "جو شخص بغیر کسی عذر کے جمعہ چھوڑ دے تو چاہئے کہ ایک دینار صدقہ دے اور اگر ایک دینار میسر نہ ہو تو آدھا دینار دے۔" (احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ)

توضیح: یعنی اگر کسی نے سستی کی وجہ سے جمعہ کی نماز ترک کی تو اس کو بطور کفارہ ایک دینار خیرات کرنا چاہئے لیکن اگر آدمی غریب ہے تو نصف دینار ادا کر دے آج کل کویت کا دینار ۱۹۰ روپے پاکستانی کے قریب ہے۔

اس صدقہ سے جمعہ ترک کرنے کا گناہ تو ختم نہیں ہوسکتا البتہ اس میں تخفیف آجائے گی اور اس چھوڑنے والے کو اچھی خاصی تنبیہ ہو جائے گی کہ اس نے گناہ کا ارتکاب کیا ہے اب جرمانہ بھر رہا ہے۔[1]

جمعہ کی اذان سننے والوں پر جمعہ کی نماز میں شرکت واجب ہے؟

﴿۴﴾ وعن عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْجُمُعَةُ عَلَى مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ۔
(رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ)[2]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے فرمایا "جو شخص (جمعہ کی) اذان سنے اس پر جمعہ کی نماز واجب ہو جاتی ہے۔" (ابوداؤد)

توضیح: "من سمع النداء" نداء سے مراد یہاں اذان ہے مطلب یہ کہ جو لوگ جمعہ کے دن مؤذن کی اذان کی آواز سنتے ہیں تو ان پر جمعہ میں شرکت واجب ہو جاتی ہے اب وہ جمعہ سے باہر نہیں رہ سکتے۔[3]

شیخ عبدالحق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ جمعہ کے دن اذان سنے تو ان پر جمعہ کی تیاری اور جمعہ میں حاضری لازم ہے۔[4]

ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو اس کے ظاہر معنی پر حمل کرنے سے بہت سارے اشکالات پیدا ہو جائیں گے اس لئے اس کا یہ مطلب لیا جائے گا کہ جمعہ اس شخص پر واجب ہے جو کسی ایسے مقام پر ہو جہاں اس کے اور شہر کے درمیان اتنا فاصلہ ہو کہ اگر شہر میں کوئی آدمی زور سے آواز لگائے تو اس جگہ تک آواز پہنچ جائے۔[5]

منیۃ المصلی کی شرح میں لکھا ہے کہ جمعہ اس شخص پر لازم ہے جو شہر کے اطراف میں کسی ایسی جگہ میں مقیم ہو کہ شہر اور اس کے درمیان متصل آبادی ہو اور مکانات کا تسلسل ہو خواہ وہ اذان سنے یا نہ سنے اور اگر اس کے اور شہر کے درمیان کھیت اور چراگاہ وغیرہ حائل ہوں تو اس پر جمعہ کی نماز واجب نہیں اگرچہ وہ اذان سنتا ہو۔[6]

یہ توجیہ اور تعبیر بہت اچھی ہے لیکن اس کا آخری جملہ اذان سنے یا نہ سنے یہ ظاہر حدیث سے بالکل معارض ہے جس کو قبول نہیں کیا جاسکتا الا یہ کہ حائل ایسا ہو کہ اس کا پار کرنا دشوار و مشکل ہو مثلاً بڑی نہر و دریا وغیرہ ہو بہرحال جو شخص اذان سنتا ہو اس پر جمعہ کی حاضری لازم ہے اسی لئے امام محمد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جو شخص اذان سنتا ہے تو اس پر واجب ہے کہ جمعہ میں شرکت کرے اور فتویٰ اسی امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر ہے آنے والی حدیث میں بھی یہی مسئلہ آرہا ہے۔[7]

---

[1] المرقات: ۳/۲۶۷ [2] اخرجه ابوداؤد: ۱۰۵۶ [3] المرقات: ۳/۲۶۷
[4] اشعۃ اللمعات: ۱/۶۱۸ [5] المرقات: ۳/۲۶۷ [6] المرقات: ۳/۲۶۷ [7] المرقات: ۳/۲۶۷

کن لوگوں پر جمعہ کی نماز میں شرکت واجب ہے؟

﴿۵﴾ وعن أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْجُمُعَةُ عَلَى مَنْ آوَاهُ اللَّيْلُ إِلَى أَهْلِهِ.
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيثٌ إِسْنَادُهُ ضَعِيفٌ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جمعہ کی نماز اس پر فرض ہے جو رات اپنے گھر بسر کر سکے۔" (امام ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس حدیث کی اسناد ضعیف ہے)۔

توضیح: "اواہ" یعنی ایک آدمی جب شہر میں جمعہ پڑھ کر گھر کو روانہ ہو جائے اور رات کو اپنے گھر پہنچ جائے تو ایسے مقام پر رہنے والے مسلمان پر جمعہ میں شرکت ضروری اور واجب ہے ان کی نماز اپنے مقام میں جمعہ کے علاوہ ظہر کے وقت جائز نہیں ہے۔[۲]

یہاں دو الگ الگ مسئلے ہیں جس میں اختلاط سے بچنا ضروری ہے اور ہر ایک کو الگ الگ سمجھنا ضروری ہے ایک مسئلہ تو یہ ہے کہ آیا وہ کونسے مقامات ہیں جہاں جمعہ پڑھنا صحیح اور اس کا ادا کرنا جائز ہوتا ہے آیا جمعہ کی صحت کے لئے مصر کا ہونا شرط ہے یا قصبہ کبیرہ ضروری ہے یا ہر آبادی میں جمعہ صحیح ہوتا ہے خواہ وہ مصر ہو یا قریہ کبیرہ ہو یا صغیرہ ہو۔

اس مسئلہ کو صاحب مشکوٰۃ نے نہیں چھیڑا ہے حالانکہ اس کے لئے بخاری میں حدیث "قریة جوائی" موجود ہے جس سے یہ بحث نکل آتی ہے مگر تعجب ہے کہ صاحب مشکوٰۃ نے اس کی طرف توجہ نہیں دی میں اس مسئلہ کو مختصر طور پر ذکر کروں گا تا کہ طلبہ کا کچھ فائدہ ہو جائے۔

یہاں دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ جن مواضع میں جمعہ ہوتا ہے مثلاً شہر ہے یا قصبہ کبیرہ ہے تو اس کے اندر کی آبادی کے لوگوں پر تو شرکت واجب ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے لیکن جو لوگ شہر کے قریب رہتے ہوں یا قصبہ کبیرہ کے قریب رہتے ہوں ان کے لئے کتنے فاصلے سے جمعہ کے لئے حاضر ہونا ضروری اور واجب ہے اس میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف:

امام شافعی رحمہ اللہ اور ایک قول میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو شخص جمعہ کی اذان سنے اس پر جمعہ کی حاضری واجب ہے۔ ورنہ نہیں مگر اذان کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ اونچی جگہ پر ہو اور لوگوں تک پہنچنے میں کوئی مانع نہ ہو مثلاً ہوا کا شدید دباؤ دوسری طرف نہ ہو کہ لوگوں تک آواز نہ پہنچ سکے۔[۳]

امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص جمعہ پڑھنے کے بعد اگر رات کو اپنے گھر تک پہنچ سکتا ہے تو اس پر جمعہ میں شرکت فرض ہے۔[۴]

---

[۱] اخرجہ الترمذی: ۵۰۲، ۵/۴۲۱ [۲] المرقات: ۳/۳۶۷، ۳۶۸ [۳] المرقات: ۳/۳۶۷ [۴] المرقات: ۳/۳۶۷

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو شخص شہر کے اطراف واکناف اور مضافات میں رہتا ہو اس پر جمعہ فرض ہے مثلاً جن اطراف میں حکومت کے کارندوں کے دفاتر ہوں، تھانہ وتحصیل ہو، حکومتی چوکیاں ہوں ایسے مقامات ملحقات شہر میں سے ہیں ان جیسے مقامات میں جو لوگ رہتے ہوں ان پر جمعہ فرض ہے۔[1]

دلائل:

امام شافعی واحمد رحمہما اللہ تعالیٰ نے اس حدیث سے پہلے حدیث نمبر ۳ سے استدلال کیا ہے جس میں واضح طور پر اذان کے سننے کو جمعہ میں حاضری کے لئے شرط قرار دیا ہے۔

امام ابویوسف رحمہ اللہ نے زیر بحث حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں واضح طور پر رات تک گھر پہنچنے کا ذکر ہے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان دونوں حدیثوں سے شہر کے اطراف واکناف اور عوالی وتوابع مصر مراد ہیں اسی مقصد کو واضح کرنے کے لئے یہ حدیث ہے کہ کوئی اذان سنے اور اسی مقصد کو بیان کرنے کے لئے یہ تعبیر ہے کہ جمعہ پڑھنے کے بعد گھر تک پہنچ سکے اس سے پہلے حدیث کی جو توضیح کی گئی ہے اس میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مسلک کو ہی بیان کیا گیا ہے کیونکہ اگر ان حدیثوں سے عوالی ومضافات شہر مراد نہ لیا جائے تو بہت ممکن ہے کہ شہر کے بالکل بیچ میں ایک شخص اذان کی آواز نہ سن سکے تو کیا ان پر جمعہ نہیں ہوگا؟ رات تک گھر پہنچنے کا فاصلہ بھی اتنا ہی ہوتا ہے جہاں شہر کے ملحقات ومضافات واقع ہوں معلوم ہوا ان دونوں حدیثوں میں جو تحدید وتعین ہے یہ درحقیقت شہر کے مضافات وملحقات کے ذکر کرنے کی ایک تعبیر ہے۔

جمعہ فی القریٰ یعنی گاؤں میں جمعہ کا حکم

صاحب مشکوٰۃ نے اگرچہ اس مسئلہ کی طرف اشارہ نہیں کیا لیکن تکمیل فائدہ کی غرض سے میں کچھ تفصیل لکھ دیتا ہوں سب سے پہلے یہ بات جاننا چاہئے کہ تمام فقہاء متبوعین کے نزدیک جمعہ کی ادائیگی کے لئے کچھ شرائط ہیں شرائط کے بغیر سوائے غیر مقلدین کے کسی نے جمعہ کی فرضیت کی بات نہیں کی ہے اب صحتِ اداء جمعہ کے لئے وہ شرائط کیا ہیں اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف:

امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہر اس گاؤں میں جمعہ جائز ہے جہاں **صیفاً وشتاءً** چالیس گھر آباد ہوں اور چالیس عاقل بالغ جمعہ کی نماز میں شریک ہوں اگر ۳۹ آدمی شریک ہوئے تو جمعہ صحیح نہیں ہوگا۔

امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک جس گاؤں میں **صیفاً وشتاءً** ۵۰ گھر آباد ہوں اس میں جمعہ جائز ہے ورنہ نہیں اور آبادی بھی متصل ہو، غیر مقلدین کہتے ہیں کہ جمعہ ہر جگہ فرض ہے کسی شہر قصبہ وغیرہ کی کوئی شرط نہیں ہے ہمارے ہاں بدعتی بھی اسی طرح کہتے ہیں۔

---

[1] المرقات: ۳/۴۶۷

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جمعہ کی صحت ادائیگی کے لئے مصر کا ہونا شرط ہے اور اگر مصر نہ ہو تو کم از کم قصبہ کبیرہ کا ہونا شرط ہے اس کے بغیر چھوٹے گاؤں اور بستیوں میں جمعہ جائز نہیں ہے۔

ائمہ احناف کا شہر کی تعریف میں مختلف اقوال ہیں اور شہر کی تمام تعریفات درحقیقت رسومات ہیں یعنی سمجھنے کیلئے عرف عام کے تحت مختلف تعبیرات ہیں یہی تعبیرات ملاحظہ ہوں۔

❶ احناف کے ہاں شہر کی ایک تعریف یہ ہے کہ شہر وہ ہوتا ہے جہاں مفتی ہو یا قاضی ہو جو دین کے احکام اور حدود کی تنفیذ پر قدرت رکھتے ہوں اور وہاں اتنی آبادی ہو جتنی آبادی منیٰ میں ہوتی ہے خلاصۃ الفتاویٰ میں اسی تعریف کو قابل اعتماد بتایا ہے البتہ تنفیذ احکام سے مراد یہ ہے کہ اس پر قدرت ہو بالفعل نافذ کرنا شرط نہیں ہے۔

❷ مصر کی دوسری تعریف یہ ہے کہ مصر کا اطلاق اس بڑے شہر پر ہوتا ہے جہاں بازار ہوں اور وہاں ایسا حاکم رہتا ہو جو بزور بازو ظالم سے مظلوم کا حق دلا سکتا ہے اور لوگ اپنے مسائل میں ان کی طرف رجوع کرتے ہوں، صاحب بدائع نے اس تعریف کو سب سے عمدہ اور صحیح قرار دیا ہے۔

❸ مصر کی تیسری تعریف یہ ہے کہ مصر وہ جگہ ہے کہ وہاں اتنے لوگ رہتے ہوں کہ اگر سب لوگ علاقے کی تمام مسجدوں سے ایک بڑی مسجد میں اکٹھے ہو جائیں تو اس بڑی مسجد میں نہ سما سکیں صاحب شرح وقایہ نے اس تعریف کو راجح قرار دیا ہے۔

❹ چوتھی تعریف یہ ہے کہ مصر وہ ہے جہاں بازار ہوں گلیاں ہوں اور اتنی گنجان آبادی ہو کہ وہاں آدمی کے گم ہو جانے کا خطرہ ہو اور ضرورت کی تمام اشیاء مہیا ہوں۔

❺ بعض نے یہ تعریف کی ہے کہ مصر وہ ہے جہاں دس ہزار کی آبادی ہو۔

❻ بعض نے یہ تعریف کی ہے کہ مصر وہ ہے کہ جہاں ہر روز ایک انسان پیدا ہوتا ہو اور ایک مرتا ہو۔

❼ بعض نے یہ تعریف کی ہے کہ مصر وہ ہے کہ اگر طاقتور دشمن نے اچانک حملہ کر دیا تو اس شہر کے لوگ تنہا دفاع کر سکتے ہوں۔

❽ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے یہ تعریف کی ہے کہ مصر وہ ہوتا ہے جہاں مردم شماری کے اعتبار سے کم وبیش تین ہزار آدمی رہتے ہوں۔ (بہشتی زیور)

❾ مفتی الہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تین ہزار کے بجائے اگر ڈیڑھ ہزار آدمی بھی ہوں مگر ٹیلیفون موجود ہو ڈاک خانہ موجود ہو بچوں کا سکول موجود ہو آٹا پیسنے کی مشین ہو ضروری اشیاء خریدنے کے لئے دکانیں ہوں موچی، کمہار، بڑھئی، لوہار اور دھوبی موجود ہوں تو ایسے مقام پر جمعہ درست ہے۔

فقہاء نے لکھا ہے کہ آبادی سے مراد متصل آبادی ہے بیچ میں نہر یا کھیت وغیرہ حائل نہ ہوں۔

دلائل:

ائمہ جمہور نے قرآن عظیم کی اس آیت سے استدلال کیا ہے۔

﴿یاایہا الذین اٰمنوا اذانودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ وذروا البیع﴾ (جمعہ)[1]

طرز استدلال اس طرح ہے کہ فاسعوا امر کا صیغہ ہے اس میں مصر یا قریہ کبیرہ کی کوئی قید نہیں ہے لہٰذا جمعہ کچھ شرائط کے ساتھ ہر جگہ جائز ہے قریب قریب اسی طرح استدلال غیر مقلدین نے بھی کیا ہے اور صوبہ سرحد کے دیہاتوں میں جمعہ پڑھنے والے اہل بدعت بھی اسی طرح استدلال کرتے ہیں۔

❷ ائمہ ثلاثہ کی دوسری دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی وہ حدیث ہے جس کی تخریج امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے اگرچہ صاحب مشکوٰۃ نے اس کو ذکر نہیں کیا ہے اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

قال ان اول جمعۃ جمعت فی الاسلام بعد جمعۃ جمعت فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالمدینۃ لجمعۃ جمعت بجواثی قریۃ من قری البحرین۔ (رواہ ابوداؤد ص ۲۸۰)

اس حدیث کو الفاظ کی کمی بیشی کے ساتھ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے اس حدیث میں "قریۃ" کا لفظ آیا ہے جو گاؤں کے معنی میں ہے لہٰذا شہر کی ضرورت نہیں ہے۔

❸ ائمہ ثلاثہ کی تیسری دلیل حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ایک فرمان ہے آپ کو صحابہ نے خط لکھا الفاظ یہ ہیں۔

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ انہم کتبوا الی عمر یسئلون فی الجمعۃ فکتب عمر رضی اللہ عنہ ان جمعوا حیث ما کنتم۔ (بیہقی ومصنف ابن ابی شیبۃ)

❹ ائمہ ثلاثہ کی چوتھی دلیل ابوداؤد شریف کی ایک روایت ہے کہ حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے **نقیع الخضمات** میں جمعہ قائم کیا "**وھی قریۃ علی میل من المدینۃ**" معلوم ہوا کہ قریہ اور بستی میں جمعہ جائز ہے۔

ائمہ احناف نے گاؤں میں جمعہ صحیح نہ ہونے پر بہت ساری دلیلیں جمع فرمائی ہیں چند کا ذکر کرنا کافی ہوگا۔

❶ احناف کی پہلی دلیل قرآن کریم کی آیت ہے۔

﴿یاآیہا الذین اٰمنوا اذانودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الی ذکر اللہ وذروا البیع﴾

طرز استدلال اس طرح ہے کہ اس آیت میں کئی اشارات ہیں جس سے اشارہ ملتا ہے کہ صحت جمعہ کے لئے یہ آیت مطلق نہیں بلکہ مقید ہے اور کئی قیودات وشرائط کے بعد جمعہ کا قائم کرنا صحیح ہوجاتا ہے مثلاً "**الذین**" میں کم ازکم تین آدمی آگئے "**اذانودی**" میں ایک اذان دینے والا آگیا "**یوم الجمعۃ**" میں ایک معتدبہ اور قابل ذکر اجتماع کی طرف اشارہ ہے "**فاسعوا**" میں کم ازکم تین آدمی آگئے "**الی ذکر اللہ**" سے اشارہ ملتا ہے کہ وہاں مسجد میں پہلے سے کوئی نہ کوئی

[1] جمعہ: الایۃ

ذکر کرنے والا موجود ہے "وذروا" بھی جمع کا صیغہ ہے جس سے کم از کم تین افراد مراد ہو سکتے ہیں "البیع" یہ لفظ ایسے بازار کی طرف اشارہ کرتا ہے جہاں چہل پہل ہو ٹھیک ٹھاک بازار ہو اور تاجروں کو حکم دیا جا رہا ہو کہ بازار بند کرلو۔

اتنے اشارات کے بعد نہیں کہا جا سکتا ہے کہ جمعہ کے لئے کسی شرط کی ضرورت نہیں ہے یہی وجہ اور یہی مجبوری تھی کہ ائمہ ثلاثہ نے بھی جمعہ کے قیام کے لئے محض صحرا اور جنگل کو کافی نہیں مانا ہے بلکہ وہ بھی چالیس یا پچاس گھروں اور افراد کو جماعت میں شمولیت کے لئے شرط قرار دیتے ہیں یہاں تعجب صرف غیر مقلدین اور اہل بدعت حضرات پر ہے جن کو اتنے زیادہ خدائی اشارات نظر نہیں آتے ہیں اور وہ کسی بھی قید کے بغیر پہاڑ کی چوٹی پر جمعہ جیسے مسلمانوں کے عظیم اجتماع اور شوکت اسلام کو بے دردی سے ذبح کرتے رہتے ہیں۔

❷ ائمہ احناف کی دوسری دلیل بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ کی حدیث ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔

كان الناس ينتابون الجمعة من منازلهم والعوالى۔ (بخاری باب الجمعة)

یہ صریح حدیث ہے کہ اہل قری اور گاؤں دیہات کے لوگوں پر جمعہ نہیں ورنہ عوالی مدینہ کے لوگ کبھی بھی باری باری نہ آتے بلکہ فرض ہونے کی صورت میں سب حاضر ہو جاتے اور حضور اکرم ﷺ کے پیچھے جمعہ پڑھتے اور پھر واپس دیہاتوں میں چلے جاتے جبکہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ لوگ مدینہ کے اطراف اور دیہاتوں سے باری باری آتے تھے۔

❸ **عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال ان اول جمعة جمعت بعد الجمعة فى مسجد رسول الله صلى الله عليه وسلم فى مسجد عبد القيس بجواثى من البحرين۔** (بخاری ص ۱۲۲)[۴]

یہ حدیث اس بات پر واضح دلیل ہے کہ مسجد نبوی کے بعد پہلا جمعہ بحرین کے شہر جواثی میں قائم کیا گیا تھا اگر جمعہ گاؤں اور دیہات میں ہوتا تو مدینہ اور بحرین کے درمیان سینکڑوں گاؤں آباد تھے ان میں کیوں نہیں ہوا اور صرف بحرین میں اس وقت جمعہ قائم ہوا جب ۸ھ میں یہ شہر اسلام کے جھنڈے کے نیچے آ گیا سوچنے کا مقام ہے اتنے لمبے عرصے میں اتنے زیادہ گاؤں میں اس فریضے کو صحابہ کے دور میں بلکہ عہد نبوی میں کیوں نظر انداز کیا گیا؟۔

❹ ائمہ احناف کی چوتھی دلیل حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔

عن حذيفة قال ليس على اهل القرى جمعة فانما الجمعة على اهل الامصار۔

(رواه ابن ابی شيبة مرسل)[۵]

یہ واضح دلیل ہے اور جمہور کے نزدیک حدیث مرسل حجت ہے۔

۵ عن علی قال لا جمعة ولا تشریق ولا فطر ولا اضحٰی الا فی مصر جامع او مدینة عظیمة۔

(رواہ عبد الرزاق فی مصنفه وابن ابی شیبة)

اس روایت کو اگرچہ امام نووی رحمہ اللہ وغیرہ نے ضعیف کہا ہے کہ اس کے مرفوع طرق نہیں ملے ہیں لیکن علامہ عینی رحمہ اللہ نے جواب میں فرمایا کہ حدیث کے صحیح مرفوع طرق موجود ہیں اور اثبات رفع انکار رفع پر مقدم ہوتا ہے نیز اگر یہ حدیث موقوف بھی ہو تو غیر مدرک بالقیاس حکم سے متعلق روایت مرفوع حدیث کے حکم میں ہوتی ہے لہٰذا حضرت کی یہ روایت مرفوع حدیث کے حکم میں ہے۔

۶ ائمہ احناف کی ایک مضبوط دلیل یہ بھی ہے کہ صحابہ کرام نے ہزاروں شہر فتح کئے لیکن جمعہ بعض بعض مقامات میں قائم کیا چنانچہ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے چھتیس ہزار شہر فتح کیے لیکن جمعہ صرف نو سو جامع مسجدوں میں قائم کیا نیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تو بنی عمرو بن عوف کے محلہ میں آپ نے گیارہ یا اس سے بھی زیادہ دن گذارے اور آپ نے بوجہ قریہ ہونے کے وہاں مسجد قبا میں جمعہ نہیں پڑھایا۔

نیز عرفات کے میدان میں جمعہ کا دن تھا چالیس ہزار نفوس قدسیہ یا اس سے زیادہ آپ کے ساتھ تھے اور آپ نے وہاں جمعہ نہیں پڑھایا اس کی صرف یہی وجہ ہوسکتی ہے کہ عرفات دیہات ہے مزدلفہ دیہات ہے منی دیہات ہے آج بھی وہاں جمعہ نہیں ہوتا ہے۔

جوابات: جمہور کی پہلی دلیل قرآنی آیت کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت مطلق نہیں بلکہ مشروط ومقید ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے تعامل نے اس کو شہر یا قصبہ کبیرہ کے ساتھ مقید کر دیا ہے ویسے بھی اس آیت میں کئی ایسے اشارات موجود ہیں جس کی موجودگی میں آیت مطلق نہیں ہوسکتی ہے جیسا کہ ائمہ احناف کی دلیل نمبر ۱ کے تحت تفصیل سے لکھا جا چکا ہے۔

جمہور کی دوسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ بحرین میں واقع جواثی کوئی گاؤں نہیں تھا بلکہ وہ بہت بڑا شہر تھا اور وہاں پر بڑی تجارتی منڈی قائم تھی وہ ایک بندرگاہ تھا دیہات کہاں تھا؟

اور اگر وہ حضرات یہ کہدیں کہ اس پر قریہ کا اطلاق ہوا ہے تو اہل لغت نے قریہ گاؤں کے ساتھ خاص نہیں مانا ہے بلکہ قریہ کا اطلاق شہر پر بھی ہوتا ہے جیسے قرآن میں ﴿علی رجل من القریتین عظیم﴾[1] میں طائف اور مکہ کو قریہ کے نام سے یاد کیا ہے حالانکہ یہ بڑے شہر تھے۔

"واسئل القریة التی کنا فیها"[2] میں قریہ کا اطلاق ملک مصر پر ہوا ہے اور مصر قریہ نہیں بلکہ مصر تھا انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ جواثی والی حدیث تو احناف کی دلیل ہے کیونکہ تمام دیہات کو چھوڑ کر جواثی میں جمعہ قائم کرنا اس کے شہر ہونے کی دلیل ہے۔

---

[1] زخرف: ۳۱ [2] یوسف: ۸۲

جمہور کی تیسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ "حیث کنتم" کے عموم کو دیگر نصوص کی وجہ سے خاص کرنا پڑیگا مطلب یہ کہ حضرت عمر فرماتے ہیں کہ تم جہاں کہیں شہر میں ہوں تو جمعہ قائم کرو۔

دوسرا جواب: یہ کہ اس وقت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اس مقام کے گورنر تھے جہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان گیا تھا اور گورنر شہر میں ہوتا ہے بستیوں اور جھونپڑیوں میں نہیں ہوتا ہے لہٰذا حیث ما کنتم سے مراد شہر ہے۔

جمہور کی چوتھی دلیل کا جواب یہ ہے کہ حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ کے عوالی میں جو جمعہ قائم کیا تھا یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے نہیں تھا بلکہ اب تک جمعہ فرض بھی نہیں ہوا تھا آپ نے اپنے اجتہاد اور صائب رائے اور روحانی انکشاف سے اس کا ادراک کیا اور قائم کیا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری میں لکھتے ہیں:

جمع اهل المدينة قبل ان يقدمها رسول الله صلى الله عليه وسلم وقبل ان نزل الجمعة

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد تو درکنار ابھی تک جمعہ فرض بھی نہیں ہوا تھا۔

بہرحال دیہاتوں میں جمعہ قائم کرنا شوکت جمعہ کی توہین ہے اور سلف صالحین کے عملی نمونے کی خلاف ورزی ہے۔

البتہ جن علاقوں میں سڑکیں موجود ہوں بجلی ہو ٹیلیفون اور پبلک سکول وغیرہ ضروریات موجود ہوں تو وہاں جمعہ میں سختی نہیں کرنی چاہئے۔ اقامت جمعہ سے امت کو بڑا فائدہ ہوتا ہے عوام تک حق کی آواز پہنچ جاتی ہے اور اسلام کی عظمت کا جھنڈا بلند ہو جاتا ہے۔

وہ لوگ جن پر جمعہ فرض نہیں

﴿٦﴾ وعن طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْجُمُعَةُ حَقٌّ وَاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ فِيْ جَمَاعَةٍ إِلَّا عَلٰى أَرْبَعَةٍ عَبْدٍ مَمْلُوْكٍ أَوِ امْرَأَةٍ أَوْ صَبِيٍّ أَوْ مَرِيْضٍ.

(رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَفِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ بِلَفْظِ الْمَصَابِيْحِ عَنْ رَجُلٍ مِنْ بَنِيْ وَائِلٍ) [1]

ترجمہ: اور حضرت طارق ابن شہاب راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جمعہ حق ہے اور جماعت کے ساتھ ہر مسلمان پر واجب ہے علاوہ چار آدمیوں کے، غلام جو کسی کے ملک میں ہو، عورت، بچہ اور مریض (کہ ان پر جمعہ واجب نہیں ہے)۔

(ابوداؤد)

توضیح: "حق واجب" ان دونوں الفاظ سے فرض کا ارادہ کیا گیا ہے کیونکہ جمعہ کی نماز کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی واضح نصوص سے فرض ہے یعنی مذکورہ اشخاص کے علاوہ تمام انسانوں پر جمعہ فرض ہے۔ [2]

[1] اخرجہ ابوداؤد: ۲۷۹ ح (۱۰۶۷) شرح السنہ: ۹۶۸ [2] المرقات: ۳/۴۶۸

"فی جماعة" یعنی جماعت کے ساتھ فرض ہے کیونکہ جمعہ انفرادی طور پر قائم نہیں کیا جاسکتا۔ [۱]

"عبد" چونکہ غلام دوسرے کے حق میں ہوتا ہے اور دوسرے کی ملکیت وتصرف میں رہتا ہے اس لئے اس پر جمعہ فرض نہیں آزادلوگوں پر فرض ہے۔ [۲]

"امرأة" عورت پر ایک تو اس وجہ سے جمعہ فرض نہیں کہ وہ اپنے خاوند کی خدمت میں رہتی ہے گھریلو نظام اس کے ذمہ ہے نماز جمعہ میں شرکت سے یہ حقوق ضائع ہوسکتے ہیں اس لئے ان پر جمعہ فرض نہیں اس سے معلوم ہوا کہ عورتوں پر شوہروں کی خدمت کوئی رضا کارانہ معاملہ نہیں بلکہ ان پر فرض ہے اور ان کی ذمہ داری ہے جمعہ کے لئے نہیں جائے گی مگر خدمت کریگی عورت پر جمعہ میں شرکت اس وجہ سے بھی فرض نہیں کہ جامع مسجدوں میں اور راستوں میں عورتوں کا مردوں کے ساتھ اختلاط کا خطرہ ہے جمعہ کے دن مردوں کا ہجوم رہتا ہے اس لئے عورتوں کی شمولیت فتنہ وفساد کا ذریعہ بن سکتی ہے اس لئے ان پر ضروری نہیں ہے۔ [۳]

"صبی" بچہ چونکہ غیر مکلف ہوتا ہے اس لئے اس پر جمعہ فرض نہیں ہے۔ [۴]

مریض" مریض سے مراد وہ بیمار آدمی ہے جو اس طرح بیماری میں مبتلا ہو جس کی وجہ سے وہ جمعہ میں شریک نہیں ہوسکتا ہے یا شریک ہونا اس کے لئے دشوار ہے۔ بچہ کے حکم میں دیوانہ اور بے عقل آدمی بھی ہے اس پر بھی بچہ کی طرح جمعہ فرض نہیں۔ اسی طرح لنگڑے لولے پر بھی جمعہ کی نماز فرض نہیں ہے۔ [۵]

اسی طرح ایسے تیاردار پر بھی جمعہ کی نماز فرض نہیں جو ایسے مریض کی خدمت میں مصروف ہو کہ اگر یہ چلا جائے تو مریض کو نقصان پہنچ سکتا ہے اسی طرح مسافر پر جمعہ نہیں ہے ہاں اگر یہ لوگ جمعہ میں حاضر ہو گئے تو جمعہ پڑھنا جائز ہے۔

الفصل الثالث

تارک جمعہ کے لئے وعید شدید

﴿۷﴾ عن ابْنِ مَسْعُوْدٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِقَوْمٍ يَتَخَلَّفُوْنَ عَنِ الْجُمُعَةِ لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ آمُرَ رَجُلاً يُصَلِّيْ بِالنَّاسِ ثُمَّ أُحَرِّقَ عَلٰى رِجَالٍ يَتَخَلَّفُوْنَ عَنِ الْجُمُعَةِ بُيُوْتَهُمْ.

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ) [۶]

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرتاج دوعالم ﷺ نے ان لوگوں کے بارے میں جو نماز جمعہ سے پیچھے رہ جاتے ہیں (یعنی نماز جمعہ نہیں پڑھتے) فرمایا کہ "میں سوچتا ہوں کہ میں کسی شخص سے کہوں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے اور پھر میں (جاکر) ان لوگوں کے گھر بار جلادوں جو (بغیر عذر کے) جمعہ چھوڑ دیتے ہیں۔" (مسلم)

[۱] المرقات: ۳/۳۶۸ [۲] المرقات: ۳/۳۶۸ [۳] المرقات: ۳/۳۶۸

[۴] المرقات: ۳/۳۶۸ [۵] المرقات: ۳/۳۶۸ [۶] اخرجه ومسلم: ۲/۱۲۳

توضیح: اس حدیث کی مانند باب الجماعت میں حدیثیں گذر چکی ہیں یہاں یہ حدیث تارک جمعہ کے بارے میں ہے لیکن شارحین حدیث فرماتے ہیں کہ یہ حکم جمعہ کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ اس سے پہلے عمومی احادیث میں یہ وعید ان لوگوں کو بھی سنائی گئی ہے جو کسی بھی نماز کو بغیر عذر چھوڑتا ہے گویا یہ حکم جس طرح تارک جمعہ کے لئے ہے اسی طرح عام نمازوں کی جماعت ترک کرنے والوں کے لئے بھی ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے تمنا ظاہر فرمائی اور اس پر عمل نہیں کیا اسکی کئی وجوہات تھیں میں نے وہاں تفصیل سے توضیحات میں لکھا ہے باب الجماعۃ میں دیکھ لیا جائے۔

اس حدیث میں ان لوگوں کے لئے وعید شدید ہے جو جمعہ کی نماز میں جماعت کے ساتھ شرکت کرنے سے پیچھے رہ جاتے ہیں۔

بغیر شرعی عذر کے تین جمعات کا چھوڑنے والا منافق ہے

﴿۸﴾ وعن ابنِ عبّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ تَرَكَ الْجُمُعَةَ مِنْ غَيْرِ ضَرُورَةٍ كُتِبَ مُنَافِقًا فِي كِتَابٍ لَا يُمْحَىٰ وَلَا يُبَدَّلُ، وَفِي بَعْضِ الرِّوَايَاتِ ثَلَاثًا۔ (رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے فرمایا "جو شخص بغیر کسی عذر کے نماز جمعہ چھوڑ دیتا ہے وہ ایسی کتاب میں منافق لکھا جاتا ہے جو نہ کبھی مٹائی جاتی ہے اور نہ تبدیل کی جاتی ہے" اور بعض روایات میں یہ ہے کہ "جو شخص تین جمعہ چھوڑ دے۔" (یہ وعید اس کے لئے ہے۔) (شافعی)

توضیح: "من غیر ضرورة" یعنی شرعی عذر کے بغیر کسی نے مسلسل تین جمعات کو اگر ترک کر دیا تو وہ شخص ایسے رجسٹر میں منافق لکھا جاتا ہے جس سے اس میں لکھی ہوئی چیز مٹائی نہیں جاسکتی یہ شخص عملی منافق بنے گا کیونکہ اعتقادی منافق اس وقت ہوتے تھے جب حضور ﷺ حیات تھے اور وحی کا نزول تھا آنحضرت ﷺ کی وفات اور دنیا سے چلے جانے کے بعد عملی منافق رہ گئے جن کا تذکرہ اکثر قرآن میں ہوتا ہے۔[2]

"فی کتاب" اس سے مراد نامہ اعمال ہے "ثلاثا" یعنی زیر بحث حدیث میں ایک جمعہ ناغہ کرنے کا ذکر ہے لیکن بعض دیگر روایات میں تین جمعہ چھوڑنے کی وعید کی بات کی گئی ہے سوچنے والوں کو سوچنا چاہئے کہ کتنی شدید وعید ہے جمعہ چھوڑنے پر اور ان کی طرف سے جمعہ پڑھنے میں کس قدر سستی ہوتی ہے؟[3]

تجارت یا غفلت کی وجہ سے جمعہ چھوڑنے والے کا نقصان

﴿۹﴾ وعن جابرٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ

[1] اخرجہ [2] المرقات: ۳/۴۷۰ [3] المرقات: ۳/۴۷۰

فَعَلَيْهِ الْجُمُعَةُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ إِلَّا مَرِيْضٌ أَوْ مُسَافِرٌ أَوِ امْرَأَةٌ أَوْ صَبِيٌّ أَوْ مَجْنُوْنٌ أَوْ مَمْلُوْكٌ فَمَنِ اسْتَغْنٰى بِلَهْوٍ أَوْ تِجَارَةٍ اسْتَغْنَى اللّٰهُ عَنْهُ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ۔ (رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے فرمایا ''جو شخص اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات پر اور یوم آخرت پر ایمان اور اعتقاد رکھتا ہے اس پر جمعہ کے دن نماز جمعہ فرض ہے علاوہ مریض مسافر، عورت، بچہ اور غلام کے (کہ ان پر نماز جمعہ فرض نہیں ہے) لہٰذا جو شخص کھیل کود اور تجارت وغیرہ میں مشغول ہو کر نماز جمعہ سے بے پرواہی اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے بے پرواہ ہے اور اللہ بے پرواہ تعریف کیا گیا ہے۔'' (دارقطنی)

توضیح: "بلھو" یعنی اگر کوئی شخص کھیل کود، یا تجارت و دیگر مشغولیتوں کی وجہ سے جمعہ کی نماز میں لاپرواہی کرتا ہے اور جمعہ چھوٹ جانے کا اس کو کوئی احساس نہیں ہوتا تو یہ شخص اپنا ہی نقصان کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس سے بے نیاز ہو جاتا ہے اور اس کو اپنی رحمت سے نکال کر چھوڑ دیتا ہے۔[2]

تو ایسے شخص کی تباہی و بربادی میں کیا شبہ ہو سکتا ہے اس کی دنیا بھی تباہ ہوگئی اور آخرت بھی برباد ہوگئی۔

[1] اخرجہ دارقطنی: ۲/۳ [2] المرقات: ۳/۴۷

باب التنظیف والتبکیر

پاک ہوکر جمعہ کے لئے سویرے جانے کا بیان

"تنظیف" نظافة سے ہے پاکی حاصل کرنے کو کہتے ہیں اس سے جمعہ کے دن غسل کرنا اور غسل کے ذریعہ سے بدن کو پاک کرنا، مسواک استعمال کرنا، مونچھوں کو صاف کرنا، ناخن کٹوانا، زیر ناف بال ہٹانا، بغل کے بال صاف کرنا اور کپڑوں کو صاف کر کے پہننا اور خوشبو استعمال کرنا مراد ہے، یہ تمام چیزیں جمعہ کے دن مسنون ہیں۔ [1]

"التبکیر" یہ بکورۃ سے ہے صبح سویرے نکلنے کو کہتے ہیں یہاں جمعہ کی نماز کے لئے مسجد کی طرف سویرے نکلنا مراد ہے یعنی نماز جمعہ کے لئے نماز کے اول وقت میں جانا مراد ہے بعض لوگ حرمین شریفین میں صبح سویرے آکر جائے نماز بچھا کر جگہ روک لیتے ہیں اور پھر باہر چلے جاتے ہیں اور خطبہ کے وقت آتے ہیں یہ طریقہ کسی بھی جگہ مناسب نہیں ہے اور نہ مطلوب شرعی ہے بلکہ بسا اوقات اس سے لوگوں کو ایذا پہنچتی ہے اگر سویرے جانے کی فضیلت حاصل کرنے کا کسی کو شوق ہے تو مسجد میں خود بیٹھ جائے اور ذکر و فکر کریں نہ یہ کہ جائے نماز کو بچھایا جائے اور خود باہر گھومنے پھرنے کے لئے چلا جائے۔ [2]

الفصل الاول

نماز جمعہ کے آداب

﴿۱﴾ عن سَلْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَغْتَسِلُ رَجُلٌ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَيَتَطَهَّرُ مَا اسْتَطَاعَ مِنْ طُهْرٍ وَيَدَّهِنُ مِنْ دُهْنِهِ أَوْ يَمَسُّ مِنْ طِيْبِ بَيْتِهِ ثُمَّ يَخْرُجُ فَلَا يُفَرِّقُ بَيْنَ اثْنَيْنِ ثُمَّ يُصَلِّيْ مَا كُتِبَ لَهُ ثُمَّ يُنْصِتُ إِذَا تَكَلَّمَ الْإِمَامُ إِلَّا غُفِرَ لَهُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ الْأُخْرٰى. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ) [3]

ترجمہ: حضرت سلمان رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص جمعہ کے دن نہائے اور جس قدر ہو سکے پاکی حاصل کرے اور اپنے پاس سے (یعنی گھر میں جو بلا تکلف میسر ہو سکے) تیل ڈالے اور اپنے گھر کا عطر لگائے اور پھر مسجد کے لئے نکلے اور (مسجد پہنچ کر) دو آدمیوں کے درمیان فرق نہ کرے اور پھر جتنی بھی اس کے مقدر میں ہو (یعنی جمعہ کی سنت، نوافل یا قضا، نماز پڑھے اور امام کے خطبہ پڑھتے وقت خاموش رہے تو اس جمعہ اور گذشتہ جمعہ کے درمیان کے اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔" (بخاری)

توضیح: "یتطهر" یہ وہی طہارت اور پاکی ہے جس کی تفصیل اوپر لکھی گئی ہے۔ [4]

---

[1] المرقات: ۳/۴۷۱ [2] المرقات: ۳/۴۷۱ [3] اخرجه البخاری: ۲/۴، ۲/۹۹ [4] المرقات: ۳/۴۷۲

"**دهنه**" یعنی گھریلو ساخت کا تیل استعمال کرے یا اس طرح تیل اور خوشبو ہو جو مسلمانوں نے بنائی ہو اور اس میں کسی حرام اشیاء کی ملاوٹ نہ ہو شاید مسلمان اور نمازی کی طرف اس تیل کی اضافت کا مقصد یہی ہو حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں تو اس اضافت کا فائدہ زیادہ معلوم نہیں ہوتا ہوگا لیکن آج تو اس قید کی اشد ضرورت محسوس ہوتی ہے کیونکہ عطریات میں حرام اجزاء ملائے جاتے ہیں غیر مسلموں کی کمپنیاں عطر سازی کا کام کرتی ہیں اور دانستہ طور پر مسلمانوں کو ناپاک بنانے کی کوشش کرتی ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ **من دهنه** یا **من دهن بيته** کی اضافت قید اتفاقی اور قید واقعی کے طور پر ہو کہ اس زمانہ میں تیل اور عطر گھریلو ساخت ہی کا ہوتا تھا۔ واللہ اعلم [1]

"**بين اثنين**" اس جملہ کا ایک مطلب یہ ہے کہ مثلاً دو آدمی ساتھ ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں وہ دوست اور اہل محبت ہیں یا باپ بیٹا ہے یا ایک دوسرے سے الگ ہونے اور گم ہونے کا خطرہ ہے اور کوئی تیسرا آدمی آکر ان کے درمیان باوجودیکہ جگہ نہیں ہے دھکا دیکر بیٹھ جائے یہ جائز نہیں حرمین میں یہ حدیث خوب سمجھ میں آتی ہے۔ [2]

حدیث کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ ایک آدمی دیر سے آتا ہے اور لوگوں کو پھلانگتا ہوا آگے بڑھتا ہے وہ لامحالہ دو آدمیوں کے درمیان تفرقہ کر کے اپنا راستہ بناتا ہے اور آگے جاتا ہے اور لوگوں کو ایذا پہنچاتا ہے اس کا مشاہدہ بھی حرمین شریفین میں خوب ہوتا ہے ہاں اگر اگلی صفوں میں خالی جگہ نظر آرہی ہو تو پھر اس شخص کا آگے جانا جائز ہے کیونکہ قصور ان لوگوں کا ہے جو پیچھے بیٹھ گئے ہیں اور آگے جگہ خالی چھوڑ دی ہے۔

تیسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دو آدمیوں کے درمیان تفرقہ و نفرت پیدا نہیں کیا۔

"**ثم ينصت**" چونکہ جمعہ وعیدین میں اژدحام ہوتا ہے وہاں خاموشی سب سے زیادہ اہم چیز ہوتی ہے تاکہ نظم وضبط برقرار رہے اس لئے جمعہ کے اس اضافی ثواب کے حصول کے لئے یہ بنیادی شرط لگائی گئی ہے کہ آدمی زبان سے کچھ بھی نہ کہے بلکہ خاموش رہے حتیٰ کہ کوئی نیک بات بھی بول کر نہ کرے مثلاً کسی کو یہ کہنا کہ خاموش ہو جاؤ یہ امر بالمعروف ہے مگر یہ بھی جائز نہیں ہے۔ [3]

"**غفر له**" یعنی اس جمعہ سے لیکر اگلے جمعہ تک اس شخص کے تمام گناہ معاف کئے جاتے ہیں اس سے صغائر گناہ مراد ہیں اور اگر سچی توبہ کی تو کبائر بھی معاف ہو جائیں گے ورنہ کمزور تو ہو ہی جائیں گے۔ [4]

"**الجمعة الاخرى**" شیخ عبدالحق رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں کہ دوسرے جمعہ تک سے وہ جمعہ مراد ہے جو اس جمعہ سے پہلے گذر چکا ہے گویا اخری کا مطلب ومعنی یہ ہے کہ ایک اور جمعہ اب یہ ضروری نہیں کہ وہ اور جمعہ وہی ہو جو آئندہ آرہا ہے بلکہ گذشتہ جمعہ بھی ہوسکتا ہے۔ یہ توجیہ شارحین اس لئے کرتے ہیں کہ آئندہ کچھ احادیث کا سمجھنا اس پر موقوف ہے۔ [5]

"**ثلاثة ايام**" اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک سات دن بنتے ہیں اور اس امت کی ایک نیکی دس گنا بڑھتی ہے لہٰذا جمعہ کا ایک دن دس دن کے برابر ہونا چاہئے اسی لئے سات ایام پر تین دن کا اضافہ فرما کر [6] **من جاء**

---

[1] المرقات: ۳/۴۷۳ [2] المرقات: ۳/۴۷۳ [3] المرقات: ۳/۴۷۳ [4] المرقات: ۳/۴۷۳ [5] اشعة المعات: ۳/۴۷۴ [6] المرقات: ۳/۴۷۵

بالحسنة فله عشر امثالها کو اس سے پورا کیا گیا۔

﴿۲﴾ وعن أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ اغْتَسَلَ ثُمَّ أَتَى الْجُمُعَةَ فَصَلّٰى مَاقُدِّرَ لَهُ ثُمَّ أَنْصَتَ حَتّٰى يَفْرُغَ مِنْ خُطْبَتِهِ ثُمَّ يُصَلِّيْ مَعَهُ غُفِرَلَهُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ الْأُخْرٰى وَفَضْلُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے فرمایا ''جس شخص نے غسل کیا پھر جمعہ میں آیا اور جس قدر کہ اس کے نصیب میں تھی نماز پڑھی پھر امام کے خطبہ سے فارغ ہونے تک خاموش رہا اور اس کے ساتھ نماز پڑھی تو اس جمعہ سے گذشتہ جمعہ تک بلکہ اس سے تین دن زیادہ کے اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔'' (مسلم)

نماز جمعہ میں معمولی کام بھی ناجائز ہے

﴿۳﴾ وعنه قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوْءَ ثُمَّ أَتَى الْجُمُعَةَ فَاسْتَمَعَ وَأَنْصَتَ غُفِرَلَهُ مَابَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ وَزِيَادَةُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ وَمَنْ مَسَّ الْحَصٰى فَقَدْ لَغَا۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے فرمایا ''جس شخص نے وضو کیا اور اچھا وضو کیا (یعنی آداب وضو کی رعایت کے ساتھ) پھر جمعہ میں آیا اور (اگر نزدیک تھا تو) خطبہ سنا اور (اگر دور تھا اور خطبہ نہ سن سکتا تھا تو) خاموش رہا تو اس (جمعہ) کے اور گذشتہ جمعہ کے درمیان بلکہ اس سے بھی تین دن زیادہ کے اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے اور جس نے کنکریوں کو چھوا اس نے لغو کیا۔'' (مسلم)

توضیح: ''مس الحصی'' کنکریوں کو چھونا اس سے مراد یہ ہے کہ جس نے نماز میں یہ شغل کیا کہ کنکریوں سے کھیلنا شروع کیا یعنی سجدہ کی جگہ سے ایک دفعہ کے بجائے بار بار کنکریوں کو ہٹانا شروع کر دیا تو اس نے لغو کام کیا اور جس نے لغو کام کیا اس کے جمعہ کا اضافی ثواب ضائع ہو گیا اس سے عرب وعجم کے ان سلفی بھائیوں کو تنبیہ ہوتی ہے جو نماز میں بہت کچھ کرتے ہیں دوسروں کے جیب سے ٹشو پیپر نکال کر ناک صاف کرتے ہیں اور موبائل فون بھی سنتے ہیں۔ اور نماز کے دوران ادھر ادھر جانا اور کسی کو کھینچ کر اپنی طرف لانا تو ان کے ہاں معمول کی بات ہے۔[3]

بعض شارحین نے اس حدیث کا مطلب یہ لیا ہے کہ خطبہ کے دوران ایک آدمی خطبہ سننے کے بجائے کنکریوں سے کھیلتا ہے اس کا ثواب ضائع ہو جاتا ہے یہ مطلب زیادہ واضح ہے۔

[1] اخرجه ومسلم: ۳/۸ [2] اخرجه ومسلم: ۳/۸ [3] المرقات: ۳/۴۷۵

جمعہ کے دن اول وقت میں آنے کی فضیلت

﴿۴﴾ وعنه قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ وَقَفَتِ الْمَلَائِكَةُ عَلٰى بَابِ الْمَسْجِدِ يَكْتُبُوْنَ الْأَوَّلَ فَالْأَوَّلَ وَمَثَلُ الْمُهَجِّرِ كَمَثَلِ الَّذِيْ يُهْدِيْ بَدَنَةً ثُمَّ كَالَّذِيْ يُهْدِيْ بَقَرَةً ثُمَّ كَبْشًا ثُمَّ دَجَاجَةً ثُمَّ بَيْضَةً فَإِذَا خَرَجَ الْإِمَامُ طَوَوْا صُحُفَهُمْ وَيَسْتَمِعُوْنَ الذِّكْرَ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرتاج دوعالم ﷺ نے فرمایا ''جب جمعہ کا دن آتا ہے تو فرشتے مسجد کے دروازے پر آ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ جو شخص مسجد میں اول وقت آتا ہے پہلے وہ اس کا نام لکھتے ہیں پھر اس کے بعد پہلے آنے والوں کا نام لکھتے ہیں اور جو شخص مسجد میں اول (وقت) جمعہ میں آتا ہے اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسا کوئی شخص مکہ میں قربانی کے لئے اونٹ بھیجتا ہے (جس کا بہت زیادہ ثواب ہوتا ہے) پھر اس کے بعد جو شخص جمعہ میں آتا ہے اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسا کہ کوئی شخص مکہ میں قربانی کے لئے گائے بھیجتا ہے پھر اس کے بعد جو شخص آتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ کوئی شخص صدقہ میں دنبہ دیتا ہے پھر اس کے بعد جو شخص آتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ کوئی شخص صدقہ میں مرغی دیتا ہے پھر اس کے بعد جو شخص آتا ہے وہ صدقہ میں انڈا دینے والے کی مانند ہوتا ہے اور جب امام (خطبہ کے لئے منبر پر) آتا ہے۔ تو وہ اپنے صحیفے لپیٹ لیتے ہیں اور خطبہ سننے لگتے ہیں۔'' (بخاری ومسلم)

توضیح: ''**اذا کان**'' یہ کان تامہ ہے لہٰذا اس کے لئے خبر کی ضرورت نہیں ہے۔

''**فالاول**'' یہ منصوب ہے جو ''**یکتبون**'' کے لئے مفعول بہ ہے اور ''فا'' ترتیب کے لئے ہے۔

''**المهجر**'' یہ باب تفعیل سے ہے تہجیر ھاجرہ سے ہے دوپہر کے زوال شمس کے وقت کو ہاجرہ کہتے ہیں یہاں جلدی اور اول وقت میں آنے کو کہا گیا۔[2]

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً زوال شمس کے بعد جمعہ کا وقت ہو جاتا ہے اب اس وقت سے لیکر امام کے منبر پر بیٹھنے تک جو وقت ہے اس وقت کو فرشتوں نے پانچ حصوں پر تقسیم کیا ہے اسی پانچ حصوں کا بیان اس حدیث میں کیا گیا ہے یعنی جو شخص اس وقت کے پہلے حصہ میں جمعہ کے لئے آگیا گویا اس نے بیت اللہ کی قربانی کے لئے بطور ہدیہ وصدقہ وخیرات اونٹ بھیجا اور جو شخص دوسرے حصہ میں آیا گویا اس نے بیت اللہ کی قربانی کے لئے گائے کا صدقہ کیا اور جو تیسرے حصہ میں آیا گویا اس نے دنبے کا صدقہ بھیجا اور جو چوتھے حصہ میں آیا گویا اس نے مرغ کا صدقہ کیا اور جو پانچویں حصہ میں آیا گویا اس نے انڈے کا صدقہ کیا اس کے بعد صدقات کا دروازہ بند ہو جاتا ہے کیونکہ امام نکل آتا ہے خطبہ شروع ہو جاتا ہے اب انسانوں کی طرح فرشتے بھی خطبہ سننے کے پابند ہو جاتے ہیں لہٰذا رجسٹر بند کر کے خطبہ سننے کے لئے بیٹھ جاتے ہیں۔[3]

---

[1] اخرجه البخاری: ۲/۱۳ ومسلم: ۲/۷ [2] المرقات: ۳/۴۷۶ [3] المرقات: ۳/۴۷۶

خطبہ کے دوران امر معروف ونہی منکر بھی منع ہے

﴿۵﴾ وعنه قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قُلْتَ لِصَاحِبِكَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ أَنْصِتْ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ فَقَدْ لَغَوْتَ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جمعہ کے دن جب امام خطبہ پڑھ رہا ہو اگر تم نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے شخص سے یہ بھی کہا کہ "چپ رہو" تو تم نے بھی لغو کام کیا۔" (بخاری ومسلم)

توضیح: "**فقد لغوت**" ظاہر ہے جب ایک آدمی دوسرے سے زور سے کہتا ہے کہ خاموش ہو جاؤ تو اس نے خود بھی توشور کیا لہٰذا یہ بھی لغو کے زمرے میں آتا ہے جس سے جمعہ کا اضافی ثواب باطل ہو جاتا ہے اگر چہ یہ نیک کام ہے لیکن اس وقت اشارہ سے سمجھانا چاہئے زبان سے کچھ نہ کہنا چاہئے سوچنے کا مقام ہے جو آوارہ قسم کے لوگ اس دوران شور کریں یا امام وغیرہ پر اعتراض کریں ان کا کیا حال ہوگا۔[2]

خطبہ کے دوران خاموش رہنے کی شرعی حیثیت

جب امام خطبہ دے رہا ہو تو اکثر علماء کے نزدیک بالکل خاموش رہنا واجب ہے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مسلک ہے وہ فرماتے ہیں کہ امام کے خطبہ کے دوران نہ نماز جائز ہے نہ کوئی دیگر کلام جائز ہے کیونکہ "**اذا خرج الامام فلا صلاة ولا كلام**"۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ زبان سے بلند آواز سے اس دوران درود پڑھنا بھی جائز نہیں بلکہ دل میں پڑھے اور جو لوگ خطبہ کی آواز نہیں سنتے بلکہ دور بیٹھے ہیں اور لاؤڈ اسپیکر نہیں ہے تو ان کو بھی خاموش رہنا چاہئے فقہ کی عبارت "**والنائی کالقریب**" کا یہی مطلب ہے۔[3]

علماء نے خطبہ کے آداب میں لکھا ہے کہ اس وقت لکھنا پڑھنا بھی منع ہے بلکہ چھینک کا جواب دینا بھی مکروہ ہے درمختار میں یہ قاعدہ لکھا ہے "**وكل شيء حرم في الصلوٰة حرم في الخطبة**"۔ بہر حال اس حدیث میں جمعہ کے لئے آداب کا خیال رکھتے ہوئے سویرے جانا بڑی فضیلت کی چیز ہے مسلمانوں کو اس پر عمل کرنا چاہئے "**ومن بطاء به عمله لم يسرع به نسبه**"۔ جس شخص کو اس کے عمل نے پیچھے کر دیا اس کو اس کا نسب آگے نہیں بڑھا سکتا۔

مسجد میں کسی کو اسکی جگہ سے ہٹانا منع ہے

﴿۶﴾ وعن جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُقِيْمَنَّ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ ثُمَّ يُخَالِفُ إِلَى مَقْعَدِهِ فَيَقْعُدُ فِيْهِ وَلٰكِنْ يَقُوْلُ افْسَحُوْا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[4]

---

[1] اخرجه البخاري: ۲/۱۶ ومسلم: ۳/۴۰۵ [2] المرقات: ۳/۴۷۸

[3] المرقات: ۳/۵۰۵ [4] اخرجه ومسلم: ۷/۱۰

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرتاج دوعالم ﷺ نے فرمایا "تم میں سے کوئی شخص جمعہ کے دن (جامع مسجد میں پہنچ کر) اپنے مسلمان بھائی کو اس کی جگہ سے نہ اٹھائے اور وہاں خود بیٹھنے کا خود ارادہ نہ کرے۔ ہاں (لوگوں سے) یہ کہہ دے کہ (بھائیو!) جگہ کشادہ کرو۔" (مسلم)

توضیح: مطلب یہ ہے کہ جمعہ کے دن اژدحام کی وجہ سے جگہ کا مسئلہ پیدا ہوجاتا ہے اور خاص کر حرمین شریفین میں یہ مسئلہ سنگین صورت اختیار کرتا ہے یہ حکم تمام نمازوں کے لئے ہے لیکن اس کی صورت جمعہ میں یا عیدین میں زیادہ پیش آتی ہے اس لئے اس کو جمعہ میں ذکر فرمایا ہے صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک شخص آکر دوسرے شخص کو اس کی جگہ سے بزورِ قوت اٹھا کر خود اس جگہ میں بیٹھتا ہے یہ تو خالص حرام ہے اور اگر وہ شخص رضا کارانہ طور پر جگہ چھوڑتا ہے تو ظاہر و باطن دونوں کی رضا ضروری ہے نہ یہ کہ خوف وحیا، یا امید و لالچ کی وجہ سے وہ اجازت دیتا ہے اور اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو پہلے مسجد کی طرف بھیجتا ہے اور وہ جا کر اس شخص کے لئے جگہ گھیر لیتا ہے اور خود اس میں بیٹھتا ہے پھر وہ شخص آتا ہے اور اس جگہ میں بیٹھ جاتا ہے اور خود یہ جگہ پکڑنے والا اٹھ کر چلا جاتا ہے یہ صورت اس وقت جائز ہے جبکہ آنے والا شخص عالم فاضل ہو اور مخدوم و بزرگ ہو تو اس کمتر خادم کے لئے یہ ایثار کرنا جائز ہے لیکن اگر وہ شخص عالم فاضل نہیں نہ درجہ میں اس سے بڑا ہے تو اس کا بیٹھنا اور اس کا اٹھ کر چلا جانا یہ مکروہ ہے اور یہ صورت اس وقت قبیح تر بن جاتی ہے جبکہ جگہ پکڑنے والا شخص اس لئے جگہ گھیرتا ہے کہ وہ اس کو کچھ پیسہ دیدیگا جیسا کہ آج کل رمضان میں حرم شریف میں عرب شیوخ کا تکرونی غریب کالے مسلمانوں کے ساتھ یہی معاملہ ہوتا ہے اور شاید زمانہ قدیم میں بھی یہی سلسلہ کسی دوسری صورت میں ہوتا ہوگا تب حضور اکرم ﷺ نے منع فرمادیا آج کل تو یہ صورت حال ظلم کی حد تک پہنچ چکی ہے اسی لئے ایک اللہ والے نے کہا کہ جن لوگوں کی عبادت میں یہ ظلم ہوتا ہے عبادت کے علاوہ ان کے ظلم و گناہ کا کیا عالم ہوگا؟[1]

مسجدوں کی زمین وقف ہے جو شخص پہلے آگیا اسی کا حق ہے کہ وہاں بیٹھ جائے اب مسئلہ **ایثار بالتبرع** کا ہے یعنی ایک طالب علم اپنے استاذ کو اگلی صف میں اپنی جگہ کھڑا کرتا ہے اور خود ایثار و قربانی کر کے ثواب سے دستبردار ہوکر پیچھے صف میں چلا جاتا ہے اس کے متعلق بعض علماء فرماتے ہیں کہ جائز ہے بعض کہتے ہیں **ایثار بالتبرع** مکروہ ہے۔

"**افسحوا**" یہ حدیث ہمیں یہ تعلیم دے رہی ہے کہ ایک دوسرے سے جگہ پکڑنے کے بجائے بہتر یہ ہے کہ تم آپس میں کشادگی اور وسعت پیدا کرنے کی کوشش کرو نہ کسی کو بھگاؤ اور نہ کسی کو اٹھاؤ۔[2]

جمعہ کے دن عمدہ لباس پہنا کرو

﴿۷﴾ عن أَبِي سَعِيدٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ قَالَا قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اغْتَسَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَلَبِسَ مِنْ أَحْسَنِ ثِيَابِهِ وَمَسَّ مِنْ طِيبٍ إِنْ كَانَ عِنْدَهُ ثُمَّ أَتَى الْجُمُعَةَ فَلَمْ يَتَخَطَّ أَعْنَاقَ

[1] المرقات: ۳/۴۸۰، ۳/۴۸۱ [2] المرقات: ۳/۴۸۱

النَّاسِ ثُمَّ صَلّٰى مَا كَتَبَ اللهُ لَهٗ ثُمَّ أَنْصَتَ إِذَا خَرَجَ إِمَامُهٗ حَتّٰى يَفْرُغَ مِنْ صَلَاتِهٖ كَانَتْ كَفَّارَةً لِمَا بَيْنَهَا وَبَيْنَ جُمُعَةِ الَّتِيْ قَبْلَهَا۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُد)[1]

ترجمہ: حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے فرمایا ''جو شخص جمعہ کے دن غسل کرے عمدہ لباس پہنے اور اگر میسر ہو تو خوشبو لگائے پھر جمعہ میں آئے اور وہاں لوگوں کی گردنوں پر نہ پھلانگے پھر جتنی اللہ نے اس کے مقدر میں لکھ رکھی ہو نماز پڑھے اور جب امام (خطبہ کے لئے) چلے تو خاموشی اختیار کرے یہاں تک کہ نماز سے فراغت حاصل کرے تو یہ اس کے اس جمعہ اور اس سے پہلے جمعہ کے درمیان کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا۔'' (ابوداؤد)

توضیح: ''احسن ثیابه'' اس سے وہ سفید کپڑے مراد ہیں جو پاک وصاف بھی ہوں۔[2]

''ان کان عنده'' اس جملہ میں جو فوائد واشارے ہیں وہ پہلے لکھے جا چکے ہیں ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اپنے عطر وخوشبو سے حضور ﷺ نے اشارہ فرمادیا کہ اگر اپنا نہ ہو تو کسی سے سوال کر کے نہ مانگو ثواب اسی میں ہے کہ اپنا عطر یا تیل لگایا جائے اور کسی سے مانگ کر نہ لگایا جائے۔[3]

''قبلها'' اس حدیث میں تصریح ہے کہ گذشتہ جمعہ اور اس کے درمیان گناہ معاف کیے جائیں گے پہلے جو لکھا ہے کہ اخریٰ سے مراد آئندہ جمعہ نہیں وہ اس حدیث کے پیش نظر لکھا گیا ہے کیونکہ یہ حدیث بتاتی ہے کہ گذشتہ جمعہ اور اس جمعہ کے درمیان والے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔[4]

الفصل الثانی

جامع مسجد تک پیدل جانا افضل ہے

﴿۸﴾ وعن أَوْسِ بْنِ أَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ غَسَّلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَاغْتَسَلَ وَبَكَّرَ وَابْتَكَرَ وَمَشٰى وَلَمْ يَرْكَبْ وَدَنَا مِنَ الْإِمَامِ وَاسْتَمَعَ وَلَمْ يَلْغُ كَانَ لَهٗ بِكُلِّ خُطْوَةٍ عَمَلُ سَنَةٍ أَجْرُ صِيَامِهَا وَقِيَامِهَا۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْ دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَه)[5]

ترجمہ: اور حضرت اوس ابن اوس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے فرمایا ''جو شخص جمعہ کے دن نہلائے اور خود نہائے، سویرے سے (جامع مسجد) جائے (تاکہ) شروع سے خطبہ پالے اور پیدل جائے، سوار نہ ہو اور امام کے قریب بیٹھے اور خطبہ سنے نیز یہ کہ کوئی بیہودہ بات زبان سے نہ نکالے تو اس کے ہر قدم کے بدلے ایک سال کے روزوں اور رات میں عبادت کرنے کا ثواب لکھا جائے گا۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

---

[1] اخرجه وابوداؤد: ۳۴۳ [2] المرقات: ۳/۴۸۱ [3] المرقات: ۳/۴۸۱

[4] المرقات: ۳/۴۸۱ [5] اخرجه الترمذی: ۴۹۶ وابوداؤد: ۳۴۵ والنسائی: ۳/۹۷ وابن ماجه: ۱۰۸۷

توضیح: "غسل" باب تفعیل سے نہلانے کے معنی میں ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ خود بھی غسل کرے اور اپنی بیوی کو بھی نہلائے بیوی کو نہلانا یہ کہ جماع کرے تا کہ وہ بھی جنابت کی وجہ غسل کرے تو گویا اس نے بیوی کو نہلا دیا اس میں اس بات کی طرف رہنمائی ہے کہ جمعہ کی شب یا دن کو ہمبستری کرنا مستحب ہے تا کہ وساوس شیطانی اور خطرات زنا سے مرد و عورت دونوں محفوظ ہوں کیونکہ جمعہ کے اژدحام میں اختلاط کے خطرات زیادہ ہیں۔[1]

"**بکر وابتکر**" یہ دونوں لفظ ایک دوسرے کے لئے تاکید ہے مطلب یہ کہ وہ شخص سویرے سویرے مسجد چلا گیا یا "**بکّر**" کا مطلب یہ ہے کہ خود سویرے گیا "**وابتکر**" اور خطبہ کو ابتداء سے پایا، یا "**بکّر**" کا مطلب سویرے جانا نہیں بلکہ صدقہ کرنا ہے کہ جمعہ کے دن صدقہ کیا اور پھر سویرے جا کر خطبہ سنا۔[2]

"**مشی ولم یرکب**" اس میں بھی دوسرا لفظ پہلے لفظ مشی کے لئے تاکید ہے یعنی پیدل چلا اور بالکل سوار نہیں ہوا بہر حال اگر جامع مسجد زیادہ دور نہیں تو پیدل چلنے میں ثواب زیادہ ہے کہ قدموں کو لکھا جاتا ہے غبار لگنے کا ثواب الگ ہے اور اگر مسجد دور ہے تو پھر سوار ہو کر جانا کوئی منع نہیں ہے۔[3]

جمعہ وعیدین کے لئے خاص عمدہ کپڑے رکھنا چاہئے

﴿۹﴾ وعن عَبْدِ اللهِ بْنِ سَلَامٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا عَلٰى أَحَدِكُمْ إِنْ وَجَدَ أَنْ يَتَّخِذَ ثَوْبَيْنِ لِيَوْمِ الْجُمُعَةِ سِوٰى ثَوْبَيْ مِهْنَتِهٖ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه وَرَوَاهُ مَالِكٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ)[4]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن سلام رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم میں سے جسے مقدور ہو اگر وہ نماز جمعہ کے لئے علاوہ کاروبار کے کپڑوں کے دو کپڑے بنالے تو کوئی مضائقہ نہیں۔" (ابن ماجہ) اور امام مالک نے یہ روایت یحییٰ ابن سعید سے نقل کی ہے۔

توضیح: "**سِوٰ ثوبی مهنته**" یعنی عام خدمت اور کاروبار کے لباس کے علاوہ خاص جمعہ وعیدین کے لئے اگر کوئی شخص لباس تیار کر کے رکھتا ہے تو منع نہیں ہے بلکہ محمود ہے بشرطیکہ اللہ تعالیٰ نے وسعت سے اس شخص کو نوازا ہو یہ اسراف میں داخل نہیں اور نہ زہد وتقویٰ کے منافی ہے اس میں شعائر اسلام جمعہ وعیدین کا اعزاز بھی ہے اور شوکت بھی ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مبارک فرمان کے ذریعہ بھی اور اپنے مبارک فعل کے ذریعہ سے بھی اس کی تعلیم دی ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ وعیدین کے لئے خاص لباس اور جبہ رکھتے تھے اور پھر استعمال فرماتے تھے۔ آج کل دنیا والوں کے ہاں یونیفارم کا رواج ہے کمرہ عدالت میں ایک انگریز یا انگریز نما جج جب اندر آتا ہے تو لازمی طور پر وہ جبہ وقبہ استعمال کرتا ہے وکلاء اور سکول وکالج کا یونیفارم ہوتا ہے جمعہ وعیدین کے لئے جبہ استعمال کرنا اور پگڑی باندھنا اسلامی یونیفارم ہے ہر خطیب پر لازم ہے کہ وہ اسلام کے اس امتیازی اعزاز لباس کو استعمال کرے اور عار نہ کرے، عوام الناس میں اس

---

[1] المرقات: ۳/۴۸۲، ۴۸۳ [2] المرقات: ۳/۴۸۳ [3] المرقات: ۳/۴۸۳ [4] اخرجه وابن ماجه: ۱۰۹۵ ومالك: ۱۱۰ ح (۱۷)

سے دین کی عظمت بڑھ جاتی ہے اور وعظ ونصیحت پر اعتماد وبھروسہ بڑھتا ہے بہت افسوس کا مقام ہے کہ برصغیر کے عام خطباء نے اس سنت کو ترک کر دیا ہے اگر چہ سنن زوائد میں سے کیوں نہ ہو۔[1]

خطبہ کہ دوران امام کے قریب بیٹھا کرو

﴿۱۰﴾ عن سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُحْضُرُوا الذِّكْرَ وَأُدْنُوْا مِنَ الْإِمَامِ فَإِنَّ الرَّجُلَ لَا يَزَالُ يَتَبَاعَدُ حَتّٰى يُؤَخَّرَ فِي الْجَنَّةِ وَإِنْ دَخَلَهَا۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُد)[2]

ترجمہ: اور حضرت سمرة بن جندب رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرتاج دوعالم ﷺ نے فرمایا "خطبہ کے وقت جلد حاضر ہوا کرو اور امام کے قریب بیٹھا کرو، کیونکہ آدمی (بھلائیوں کی جگہ سے بلا عذر) جتنا دور ہوتا جاتا ہے جنت کے داخل ہونے میں پیچھے رہے گا۔ اگر چہ جنت میں داخل ہو بھی جائے۔" (ابوداود)

توضیح: یہ حدیث مسلمانوں کو یہ تعلیم دے رہی ہے کہ وہ ہمیشہ اعلی اور بلند حوصلوں کو اپنائیں اور ہر نیکی میں پستی کے بجائے بلندی کی طرف بڑھیں اور اپنی عظمتوں کی پرواز نیچے نہیں بلکہ اونچی رکھیں:[3]

نگاہ بلند سخن دلنواز و دل پُر سوز — یہی ہے رخت سفر میر کارواں کے لئے

ہمت بلند دار کہ نزدِ خدا و خلق — باشد بقدرِ ہمتِ تُو اعتبارِ تُو

گردنوں کو پھلانگنے کی شدید وعید

﴿۱۱﴾ وعن مُعَاذِ بْنِ أَنَسٍ الْجُهَنِيِّ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَخَطّٰى رِقَابَ النَّاسِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ اُتُّخِذَ جِسْرًا إِلٰى جَهَنَّمَ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)[4]

ترجمہ: اور حضرت معاذ بن انس جہنی رضی اللہ عنہ اپنے والد مکرم سے نقل کرتے ہیں کہ سرتاج دوعالم ﷺ نے فرمایا "جو شخص جمعہ کے دن (جامع مسجد میں جگہ حاصل کرنے کے لئے) لوگوں کی گردنیں پھلانگے گا وہ جہنم کی طرف پل بنایا جائے گا۔" (ترمذی نے روایت نقل کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے)۔

توضیح: شیخ سید نے فرمایا ہے کہ اس حدیث کی سند میں معاذ بن انس عن ابیہ کہنا سہو ہے کیونکہ معاذ کے والد انس نہ صحابی ہیں نہ وہ کسی حدیث کے راوی ہیں اس لئے صحیح اسناد اس طرح ہے "عن سھل بن معاذ رضی اللہ تعالی عنہ عن ابیہ"۔ حدیث کے الفاظ "اتخذ جسرا" یعنی اس شخص کو دوزخ کے اوپر پل بنایا جائے گا۔[5]

---

[1] المرقات: ۳/۴۸۵ [2] اخرجه وابوداؤد: ۱۱۰۸ [3] المرقات: ۳/۴۸۵

[4] اخرجه الترمذی: ۵۱۳ [5] المرقات: ۳/۴۸۶

اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح اس شخص نے مسلمانوں کو تنگ کیا اور لوگوں کی گردنوں کو پھلانگ کران کو ایذا پہنچائی اب قیامت کے روز اس شخص کو جہنم کے اوپر بطور پل رکھا جائے گا اور لوگوں کو کہا جائے گا کہ اس شخص کے اوپر گذرا کرو تو لوگ گذریں گے اور اس کو روندیں گے۔

خطبہ کے دوران بیٹھنے کی ایک ممنوع صورت

﴿۱۲﴾ وعنه أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ الْحَبْوَةِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ)[1]

ترجمہ: اور حضرت معاذ ابن انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے جمعہ کے دن جبکہ امام خطبہ پڑھ رہا ہو ''گوٹ مارنے'' سے منع فرمایا ہے (ترمذی، ابوداؤد)

توضیح: ''الحبوة'' یہ ایک طرح کا بیٹھنا ہے جس کو گوٹ مار کر بیٹھنا کہتے ہیں اس کو حضور اکرم ﷺ نے اس لئے منع فرمایا ہے کہ اس طرح بیٹھنے سے نیند غالب آتی ہے جس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ یا آدمی ایک پہلو پر اچانک گر جاتا ہے یا بیٹھے بیٹھے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور اس کو احساس بھی نہیں ہوتا۔[2]

اونگھ آنے کی صورت میں جگہ بدل دینا چاہئے

﴿۱۳﴾ وعن ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا نَعَسَ أَحَدُكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَلْيَتَحَوَّلْ مِنْ مَجْلِسِهٖ ذٰلِكَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے فرمایا۔ ''جب تم میں سے کوئی شخص جمعہ کے دن (مسجد میں بیٹھے ہوئے) اونگھنے لگے تو اسے چاہئے کہ وہ اپنی جگہ بدل دے (یعنی جس جگہ بیٹھا ہے وہاں سے اٹھ جائے اور دوسری جگہ جا کر بیٹھ جائے اس طرح نیند کا غلبہ کم ہو جائے گا) (ترمذی)

الفصل الثالث

کسی کو اسکی جگہ سے نہ اٹھاؤ

﴿۱۴﴾ عن نَافِعٍ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ يَقُوْلُ نَهٰى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُقِيْمَ الرَّجُلُ الرَّجُلَ مِنْ مَقْعَدِهٖ وَيَجْلِسَ فِيْهِ قِيْلَ لِنَافِعٍ فِي الْجُمُعَةِ قَالَ فِي الْجُمُعَةِ وَغَيْرِهَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[4]

[1] اخرجه وابوداؤد: ۱۱۱۰ والترمذی: ۵۱۳ [2] المرقات: ۴۸۶/۳، ۴۸۷

[3] اخرجه الترمذی: ۵۲۶ [4] اخرجه البخاری: ۲/۱۰، ۸/۷۵ ومسلم: ۱۰/۷/۹

ترجمہ: حضرت نافع عطاء اللہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ''سرتاج دو عالم ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص کسی کو اس کی جگہ سے اٹھا کر خود وہاں بیٹھ جائے۔'' نافع سے پوچھا گیا کہ کیا یہ ممانعت جمعہ کے لئے ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ ''جمعہ کے لئے بھی ہے اور جمعہ کے علاوہ بھی۔'' (بخاری ومسلم)

جمعہ میں حاضری دینے والے تین قسم کے لوگ

﴿۱۵﴾ وعن عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْضُرُ الْجُمُعَةَ ثَلَاثَةُ نَفَرٍ فَرَجُلٌ حَضَرَهَا بِلَغْوٍ فَذٰلِكَ حَظُّهُ مِنْهَا وَرَجُلٌ حَضَرَهَا بِدُعَاءٍ فَهُوَ رَجُلٌ دَعَا اللّٰهَ إِنْ شَاءَ أَعْطَاهُ وَإِنْ شَاءَ مَنَعَهُ وَرَجُلٌ حَضَرَهَا بِإِنْصَاتٍ وَسُكُوْتٍ وَلَمْ يَتَخَطَّ رَقَبَةَ مُسْلِمٍ وَلَمْ يُؤْذِ أَحَدًا فَهِيَ كَفَّارَةٌ إِلَى الْجُمُعَةِ الَّتِيْ تَلِيْهَا وَزِيَادَةُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ وَذٰلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا۔

(رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)[1]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے فرمایا ''جمعہ (کی نماز) میں تین طرح کے لوگ آتے ہیں ایک وہ شخص جو لغو کلام اور بیکار کام کے ساتھ آتا ہے (یعنی وہ خطبہ کے وقت لغو و بیہودہ کلام اور بیکار کام میں مشغول ہوتا ہے) چنانچہ جمعہ کی حاضری میں اس کا یہی حصہ ہے (یعنی وہ جمعہ کے ثواب سے محروم رہتا ہے اور لغو کلام و فعل کا وبال اس کے حصہ میں آتا ہے) دوسرا وہ شخص ہے جو جمعہ میں دعا کے لئے آتا ہے (چنانچہ وہ خطبہ کے وقت دعا میں مشغول رہتا ہے یہاں تک کہ اس کی دعا اسے خطبہ سننے یا خطبہ کے کمال ثواب سے باز رکھتی ہے) پس وہ دعا مانگتا ہے خواہ اللہ تعالیٰ (اپنے فضل و کرم کے صدقہ میں) اس کی دعا کو قبول فرمائے یا نہ قبول فرمائے تیسرا وہ شخص جمعہ میں آتا ہے جو (اگر خطبہ کے وقت امام کے قریب ہوتا ہے تو خطبہ سننے کیلئے) خاموش رہتا ہے اور (اگر امام سے دور ہوتا ہے اور خطبہ کی آواز اس تک) نہیں پہنچتی تب بھی خطبہ کے احترام میں وہ سکوت اختیار کرتا ہے نیز نہ تو وہ لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہے اور نہ کسی کو ایذاء پہنچاتا ہے لہٰذا اس کے واسطے یہ جمعہ اس (یعنی پہلے) جمعہ تک جو اس سے ملا ہوا ہے بلکہ اور تین دن زیادہ تک کا کفارہ ہو جائے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **﴿من جآء بالحسنة فله عشر امثالها﴾** یعنی جو کوئی ایک نیکی کرے گا۔ اس کو اس نیکی کا دس گنا ثواب دیا جائے گا۔'' (ابوداؤد)

توضیح: ''**ثلاثة نفر**'' یعنی جمعہ میں حاضر ہونے والے لوگ تین قسم کے ہوتے ہیں ایک تو اس قسم کے لوگ ہوتے ہیں جو جمعہ پڑھنے کے لئے نہیں بلکہ سیاسی مقاصد اور دنیوی اغراض اور شرارت و فساد اور شور و شغب کے لئے آتے ہیں ان لوگوں کا وہی حصہ ہے جس کے لئے آئے ہیں ثواب وغیرہ کچھ نہیں بلکہ لغویات کی غرض سے آئے اور اسی کو ساتھ لیکر واپس چلے گئے کیونکہ خطبہ کے دوران گفتگو منع ہے اگر چہ اچھی گفتگو ہو۔

دوسرے وہ لوگ ہیں جو دعا کی غرض سے جمعہ میں حاضر ہوتے ہیں اور خطبہ کے دوران دعا مانگنے میں مشغول ہو جاتے ہیں

[1] اخرجه وابوداؤد: ۱۱۱۳

اب اگر یہ لوگ زبان سے بلند آواز سے دعا مانگتے ہیں تو یہ یقیناً ناجائز ہے اور اگر دل میں خاموشی سے دعا مانگتے ہیں تو بھی یہ لوگ اپنے کام میں مشغول اور آداب خطبہ کی خلاف ورزی کر رہے ہیں تو اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو محض اپنے فضل وکرم سے ان کی دعا قبول فرمادیگا ورنہ از روئے عدل وانصاف اور قاعدہ وقانون اس برے فعل کی وجہ سے ان کی دعا کو رد فرمادیگا ائمہ احناف کے نزدیک خطبہ کے دوران دعا کرنا مکروہ ہے جبکہ دیگر ائمہ کے نزدیک حرام ہے۔[1]

"تلیھا" تلی قریب کے معنی میں ہے اور قریب کا مطلب یہ ہے کہ اس سے پہلے جو قریب جمعہ گذرا ہے اس تک تمام گناہ کے لئے کفارہ ہے اس توجیہ سے تمام احادیث میں تطبیق آجائے گی کیونکہ احادیث میں آنے والا جمعہ مراد نہیں بلکہ گذرا ہوا جمعہ مراد ہے مگر ظاہری الفاظ سے آنے والا جمعہ بھی مراد ہوسکتا ہے۔ اس لئے جب قریب کا معنی لیا گیا تو سابق اور لاحق دونوں جمعوں کو حدیث شامل ہوجائے گی اور تمام احادیث میں تطبیق آجائے گی کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ آنے والے جمعہ تک گناہ تو اب تک ہوئے بھی نہیں اس کی مغفرت کا مطلب واضح نہیں ہے لہٰذا گزشتہ جمعہ مراد ہے۔[2]

خطبہ کے دوران باتیں کرنے والا گدھے کی طرح ہے

﴿۱۶﴾ وعن ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَكَلَّمَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ فَهُوَ كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَاراً وَالَّذِيْ يَقُوْلُ لَهُ أَنْصِتْ لَيْسَ لَهُ جُمُعَةٌ۔

(رواہ احمد)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے فرمایا "جو شخص جمعہ کے دن اس حالت میں جبکہ امام خطبہ پڑھ رہا ہو بات چیت میں مشغول ہو تو وہ گدھے کی مانند ہے کہ جس پر کتابیں لاد دی گئی ہوں اور جو شخص اس (بات چیت میں مشغول رہنے والے) سے کہے کہ "چپ رہو" تو اس کے لئے جمعہ کا ثواب نہیں ہے۔ (احمد)

توضیح: "کمثل الحمار" یعنی خطبہ کے دوران گفتگو میں مشغول شخص کی مثال حضور اکرم ﷺ نے اس گدھے کی طرح بیان فرمائی ہے جس پر کتابوں کا بوجھ لادا گیا ہو اور اس کو خود معلوم نہ ہو کہ مجھ پر کیا لادا گیا ہے عالم بے عمل کی یہی مثال ہے۔[4]

"یقول له" یعنی اس جٹ جاہل کو اگر کوئی آدمی از راہ شفقت امر بالمعروف اور نہی المنکر کے تحت کہدے کہ خاموش ہوجاؤ تو اس کے جمعہ کا ثواب بھی ضائع ہوگیا کیونکہ خطبہ کے دروان ہر قسم کی بات ممنوع ہے۔ باقی خطبہ کے دروان حضور اکرم ﷺ سے اگر کہیں کچھ گفتگو ثابت ہے تو وہ آنحضرت ﷺ کی خصوصیت تھی یا آپ نے خطبہ سے پہلے کلام کیا بعد میں خطبہ شروع کیا یا خطبہ کے اختتام پر وہ کلام ہوا ہوگا لہٰذا خطبہ کے دوران گفتگو مطلقاً ممنوع ہے۔[5]

[1] المرقات: ۳/۴۸۸، ۳/۴۸۹ [2] المرقات: ۳/۴۸۹ [3] اخرجہ احمد: ۱/۲۳۰ [4] المرقات: ۳/۴۹۰ [5] المرقات: ۳/۴۹۰

مسلمانوں کے لئے جمعہ ایک قسم کی عید ہے

﴿۱۷﴾ وعن عُبَيْدِ بْنِ السَّبَّاقِ مُرْسَلًا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ جُمُعَةٍ مِنَ الْجُمَعِ يَامَعْشَرَ الْمُسْلِمِيْنَ إِنَّ هٰذَا يَوْمٌ جَعَلَهُ اللهُ عِيْدًا فَاغْتَسِلُوْا وَمَنْ كَانَ عِنْدَهُ طِيْبٌ فَلَا يَضُرُّهُ أَنْ يَمَسَّ مِنْهُ وَعَلَيْكُمْ بِالسِّوَاكِ۔ (رَوَاهُ مَالِكٌ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَه عَنْهُ وَهُوَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ مُتَّصِلًا)[۱]

ترجمہ: اور حضرت عبید اللہ ابن سباق بطریق ارسال روایت کرتے ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے فرمایا ''اے مسلمانوں کی جماعت! یہ (جمعہ کا) وہ دن ہے جسے اللہ تعالیٰ نے (مسلمانوں کی) عید قرار دیا ہے۔ لہٰذا (اس دن) غسل کرو اور جس شخص کو خوشبو میسر ہو اگر وہ اسے استعمال کرے تو کوئی حرج نہیں نیز تم مسواک ضرور کیا کرو۔'' (مالک) ابن ماجہ نے بھی یہ حدیث عبید اللہ ابن سباق سے انہوں نے ابن عباس سے متصل نقل کی ہے۔

توضیح: ''عیدا'' جمعہ کے دن کو حدیث میں عید قرار دیا گیا ہے یہ کس اعتبار سے عید ہے؟ اس بارے میں علماء لکھتے ہیں کہ فقیروں مسکینوں بے کسوں اور بے بسوں اور اولیاء اللہ اور صلحاوصالحین کے لئے خوشی ومسرت اور زیب وزینت اختیار کرنے کا دن ہے اس دن کی خوشیوں میں غریب تر آدمی بھی شرکت کرسکتا ہے اور اس سے لطف اندوز ہوسکتا ہے وہ اس دن نہاتے ہیں غسل کرتے ہیں کپڑے پہن کر جامع مسجد جاتے ہیں عطر استعمال کرتے ہیں لہٰذا مسلمانوں کی کم خرچ بالانشین عید اگر ہے تو وہ جمعہ ہے اس لئے اس کو مسلمانوں کی عید کے نام سے یاد کیا۔[۲]

''فلا یضرہ ان یمسہ'' اس جملہ پر یہ سوال اٹھتا ہے کہ اس قسم کے جملوں کے استعمال کے مواقع وہ ہوتے ہیں جہاں گناہ کا احتمال ہو یہاں اس قسم کا جملہ کیوں استعمال کیا گیا؟ جس کا مطلب یہ ہے کہ جمعہ کے دن اگر کسی نے اپنے گھر کا عطر استعمال کیا تو اس میں کوئی گناہ نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جمعہ کے دن عطر لگانے کا جب حکم ہوا تو مردوں نے عطر استعمال کرنے میں حرج محسوس کیا کہ عطر استعمال کرنا عورتوں کا کام ہے مردوں کے لئے شاید اس میں گناہ ہوگا اس کا جواب یہ دیا گیا کہ عطر استعمال کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔[۳]

مسلمانوں پر ہفتہ وار غسل واجب ہے

﴿۱۸﴾ وعن الْبَرَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَقًّا عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ أَنْ يَغْتَسِلُوْا يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَلْيَمَسَّ أَحَدُهُمْ مِنْ طِيْبِ أَهْلِهِ فَإِنْ لَمْ يَجِدْ فَالْمَاءُ لَهُ طِيْبٌ۔

(رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ)[۴]

[۱] اخرجہ [۲] المرقات: ۳/۳۹۱ [۳] المرقات: ۳/۳۹۱ [۴] اخرجہ احمد: ۴/۲۸۲، ۴/۲۸۳ والترمذی: ۵۲۸، ۵۲۹

ترجمہ: اور حضرت براء رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے فرمایا مسلمانوں پر جمعہ کے دن نہانا واجب ہے نیز مسلمانوں کو چاہئے کہ ان میں کا ہر شخص اپنے گھر میں سے خوشبو لیکر استعمال کرے اور اگر کسی کو خوشبو میسر نہ ہو تو اس کے لئے پانی ہی خوشبو ہے۔" (یہ روایت احمد، ترمذی نے نقل کی ہے اور کہا ہے کہ حدیث حسن ہے)۔

توضیح: "حقا" یہ بنا بر مصدریت منصوب ہے اصل عبارت اس طرح ہے "ای حق حقا" یعنی مسلمانوں پر حق اور واجب ہے کہ وہ ہفتہ میں ایک دن غسل کریں صفائی حاصل کریں اور خوشبو استعمال کریں اگر گھریلو ساخت کی خوشبو نہ ہو تو پھر صاف وشفاف اور خالص پانی خوشبو کا قائم مقام ہو جائے گا جس سے صفائی ستھرائی آئے گی۔[1]

[1] المرقات: ۳/۴۹۲

باب الخطبة والصلوٰة

خطبہ اور نماز جمعہ کا بیان

لغوی اعتبار سے خطبہ وخطاب مطلق تقریر اور گفتگو وکلام کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ سے لوگوں کو مخاطب کیا جاتا ہو لیکن اصطلاح شرع میں خطبہ اس مجموعہ کلام کا نام ہے جو وعظ ونصیحت اور ذکر اللہ وشہادت توحید ورسالت پر مشتمل ہو جمعہ کی نماز کی صحت کے لئے خطبہ فرض اور شرط ہے۔ پھر اس میں بحث ہے کہ فرض خطبہ کی مقدار کیا ہے تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فرض خطبہ کی کم از کم مقدار ایک بار سبحان اللہ یا الحمد للہ یا لا الہ الا اللہ کہہ دینا کافی ہے اس سے زائد سنت ہے صحت جمعہ کے لئے یہ شرط نہیں کہ طویل خطبہ کے بغیر نماز جمعہ درست نہ ہوتی ہو۔

لیکن امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ فرض خطبہ کی مقدار اتنی ہونی چاہئے جس میں طویل ذکر ہو اور وہ پند ونصیحت پر مشتمل ہو جس کو عرف عام میں خطبہ کہا جاتا ہو۔ صرف سبحان اللہ کو خطبہ نہیں کہا جا سکتا۔ احناف کا عمل صاحبین کے قول پر ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک دو طویل خطبے فرض ہیں اگر دو خطبے نہ ہوئے تو جمعہ کی نماز جائز نہیں بہر حال ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شریعت نے دو خطبوں کو ظہر کی چار رکعت نماز کی دو رکعتوں کے بدلے میں رکھا ہے اس لئے یہ ضروری ہیں۔ عرب میں یہی دو خطبے ان کی تقریر ہے لیکن عجم عربی کو نہیں سمجھتے ہیں اس لئے پہلے عام زبان میں تقریر ہوتی ہے اور پھر عربی میں خطبہ ہوتا ہے یہ طریقہ اچھا ہے۔ لیکن حدیث پر عمل کے دعویدار غیر مقلدین حضرات کے ہاں اردو میں خطبہ ہوتا ہے وہی خطبہ ہے اور وہی تقریر ہے وہ کھڑے ہو کر اردو میں تقریر کرتے ہیں اور اس کو خطبہ کہتے ہیں یہ بھی عجیب ہے کہ ان کے محراب ومنبر میں بدعت داخل ہوگئی صحابہ کرام نے دنیا کو فتح کیا مگر کسی مفتوحہ علاقہ میں عربی کے سوا خطبہ جاری نہیں کیا۔

الفصل الاول

نماز جمعہ کا وقت

﴿۱﴾ عن أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي الْجُمُعَةَ حِيْنَ تَمِيْلُ الشَّمْسُ.

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[1]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ جمعہ کی نماز اس وقت پڑھتے تھے جبکہ آفتاب ڈھل جاتا۔"

(بخاری)

[1] اخرجه البخاري: ۲/۸

توضیح: "تمیل الشمس" یعنی عین زوال کے وقت آنحضرت ﷺ خطبہ پڑھ کر جمعہ کی نماز پڑھاتے تھے آج کل سعودی عرب میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے اور ایسا کرنا بہت اچھا ہے کاش ہمارے عجم کے ہاں بھی ایسا ہوتا۔[1]
بہر حال عین زوال کے وقت جو نماز پڑھائی گئی ہے یہ سردیوں میں ہوتا تھا جو سردیوں کا نقشہ ہے گرمیوں میں آنحضرت ﷺ ٹھنڈے وقت کا انتظار فرماتے تھے جیسا کہ آئندہ حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی کی حدیث نمبر ۳ میں اس کا بیان آگیا ہے۔

﴿۲﴾ وعن سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ مَا كُنَّا نَقِيلُ وَلَا نَتَغَدّٰى إِلَّا بَعْدَ الْجُمُعَةِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت سہل ابن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ جمعہ کی نماز سے فارغ ہو کر قیلولہ کرتے تھے اور کھانا کھاتے تھے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "نقیل" یہ قیلولہ سے ہے اور قیلولہ دوپہر کے وقت آرام کرنے اور کچھ دیر تک سو جانے کو کہا جاتا ہے یعنی صحابہ جمعہ کے روز جمعہ کی نماز سے پہلے قیلولہ اور کھانے میں مشغول نہیں ہوتے تھے یہ دونوں چیزیں جمعہ کی نماز کے بعد ہوتی تھیں اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ کی نماز سویرے اور جلدی ہوتی تھی لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ وقت آنے سے پہلے جمعہ جائز ہے جمعہ کے لئے ضروری ہے کہ اس کا وقت آجائے اور وہ زوال شمس ہے جیسا کہ آئندہ آرہا ہے لہٰذا جمہور کا مسلک یہ ہے کہ زوال سے پہلے جمعہ ناجائز ہے امام احمد بن حنبل اور اسحاق ابن راھویہ رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک جمعہ زوال سے پہلے بھی جائز ہے اگرچہ معمول بہ نہیں ہے۔[3]

﴿۳﴾ وعن أَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اشْتَدَّ الْبَرْدُ بَكَّرَ بِالصَّلَاةِ وَإِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ أَبْرَدَ بِالصَّلَاةِ يَعْنِي الْجُمُعَةَ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[4]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ سخت سردی کے موسم میں جمعہ کی نماز سویرے سے پڑھ لیتے تھے اور جب شدید گرمی کے دن ہوتے تو دیر سے پڑھتے تھے۔" (بخاری)

توضیح: "بکر" جلدی کرنے کو بکر تبکیر کہتے ہیں اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور اکرم ﷺ شدید گرمیوں میں جمعہ کی نماز میں بھی اور دیگر نمازوں میں بھی تاخیر فرماتے تھے آج کل سعودی عرب میں اس پر عمل نہیں ہو رہا ہے بلکہ ہر موسم میں "بکر" پر عمل ہوتا ہے اور "ابرد" کو نظر انداز کیا ہوا ہے۔[5]

حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں جمعہ کی ایک اذان تھی

﴿۴﴾ وعن السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ كَانَ النِّدَاءُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ أَوَّلُهُ إِذَا جَلَسَ الْإِمَامُ عَلَى الْمِنْبَرِ عَلٰى

---

[1] المرقات: ۳/۴۹۳ [2] اخرجه البخاري: ۲/۱۷ ومسلم: ۳/۹ [3] المرقات: ۳/۴۹۵
[4] اخرجه البخاري: ۲/۸ وفي الادب المفرد: ۱۱۶۲ [5] المرقات: ۳/۴۹۵

عَهْدِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ فَلَمَّا كَانَ عُثْمَانُ وَ كَثُرَ النَّاسُ زَادَ النِّدَاءَ الثَّالِثَ عَلَى الزَّوْرَاءِ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت سائب ابن یزید فرماتے ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ اور حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں جمعہ کی پہلی اذان وہ ہوتی تھی جو امام کے منبر پر بیٹھنے کے بعد دی جاتی ہے مگر جب عثمان غنی رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے اور لوگوں کی کثرت ہوگئی تو تیسری اذان کا اضافہ کیا گیا جو زوراء میں دی جاتی تھی۔" (بخاری)

توضیح: "النداالثالث" آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں جمعہ کے لئے ایک ہی اذان اس وقت ہوتی تھی جب حضور اکرم ﷺ منبر پر بیٹھ جاتے تھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی یہی طریقہ تھا پھر جب حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا دور آ گیا اور لوگ زیادہ ہوگئے مشاغل بھی بڑھ گئے اور لوگوں کے مکانات بھی مسجد نبوی سے کافی دور تک چلے گئے اب لوگوں کے لئے جمعہ کی نماز میں شامل ہونا مشکل ہوگیا کیونکہ منبر پر بیٹھنے کے وقت اذان کے بعد اس قلیل وقت میں لوگ خطبہ سننے سے بھی محروم ہوجاتے اور جماعت میں شریک ہونا بھی مشکل ہورہا تھا اس لئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے صحابہ کے مشورہ سے مدینہ سے باہر ایک بلند مقام زوراء پر وقت شروع ہونے پر اذان دینے کا حکم دیا اور حضور اکرم ﷺ کے زمانہ والی اذان اول کو بھی اسی وقت میں برقرار رکھا اس سے لوگوں کو یہ آسانی حاصل ہوئی کہ وقت کے شروع ہونے پر مسجد میں اکٹھے ہوجاتے اور پھر خطبہ کی اذان کے وقت مسجد ہی میں حاضر رہتے اور خطبہ وجمعہ میں شریک ہوتے۔[2]

آج تک مسلمانوں میں یہی طریقہ رائج ہے اس مبارک دور میں بھی کسی نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر اعتراض نہیں کیا صحابہ نے دیکھا اور سنا اور خاموش رہے اس طرح اس پر صحابہ کا اجماع بھی ہوگیا لہٰذا اس اذان کو بدعت نہیں کہا جاسکتا ہے۔

جس طرح غیر مقلد حضرات کہتے ہیں اور اپنی مساجد میں اس پر عمل بھی نہیں کرتے ہیں میں نے خود ایک غیر مقلد سے سنا کہ یہ اذان حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے گھڑلی ہے تعجب اس پر ہے کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ خلفائے راشدین میں سے ہیں ان کی خود ایک شرعی حیثیت اور اتھارٹی ہے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا "**علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین**" کہ میری سنت اور طریقہ کو اپناؤ اور خلفاء راشدین کی سنت اور طریقہ کو مضبوطی سے اپناؤ۔

پھر صحابہ کا اجماع بھی ہوگیا اور تمام مسلمانوں نے اس کو قبول بھی کرلیا حرمین شریفین میں اس پر عمل ہورہا ہے پھر اس کو گھڑی ہوئی اذان کہنا اور اس پر عمل نہ کرنا بہت بڑی گستاخی و بے ادبی ہے۔

مگر حقیقت یہ ہے کہ غیر مقلدین نے ہر اس مسئلہ کا انکار کیا ہے جو صحابہ کی جماعت سے ثابت ہو یا خلفاء راشدین کے قول وفعل سے رائج ہوا ہو مثلاً بیس رکعات تراویح اور طلقات ثلاثہ کا واقع ہونا جمعہ کی تیسری اذان اور دیگر کئی مسائل کا وہ اس

[1] اخرجه البخاري: ۲/۱۰ [2] المرقات: ۳/۴۹۶، ۴۹۷

لئے انکار کرتے ہیں کہ یہ صحابہ کے زمانے سے رائج ہوئے ہیں۔

سوال: یہاں اس حدیث میں اس اذان کو "الندا الثالث" کے نام سے یاد کیا ہے حالانکہ جمعہ کے دن ظہر کے وقت دو اذانیں ہوتی ہیں تین کہاں ہیں؟

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ ضرورت کے تحت جب یہ تیسری اذان اذان جمعہ کے دن وقت ظہر کی آمد پر کہی جانے لگی تو یہ سب سے اول اذان بن گئی اس کے بعد منبر کے سامنے خطیب کی آمد پر بوقت خطبہ جو اذان تھی وہ ترتیب کے اعتبار سے دوسری اذان بن گئی اور اس کے بعد نماز کے لئے اقامت تیسری اذان بن گئی کیونکہ اقامت بھی اذان الحاضرین ہے آج کل لوگ اسی ترتیب کو سمجھتے ہیں اور شمار کرنے میں بھی اسی طرح شمار کرتے ہیں۔

لیکن حقیقت کے اعتبار سے پہلی اذان وہی تھی جو حضور اکرم ﷺ کے سامنے بوقت خطبہ ہوتی تھی اس کے بعد اقامت کو اذان ثانی سے یاد کیا گیا اور جب یہ اذان حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں شروع ہوئی تو یہ اصل ترتیب کے لحاظ سے تیسری اذان تھی اسی لئے زیر بحث روایت میں اس کو اذان ثالث کہہ دیا گیا ہے خلاصہ یہ کہ اقامت کو اذان کہنے کی وجہ سے اذانیں تین ہوگئیں اور اصل ترتیب کے اعتبار سے یہ زائد اذان تیسرے نمبر پر تیسری اذان سے موسوم ہوگئی تو آج کل جس اذان کو ہم پہلی اذان کہتے ہیں یہ تیسری اذان ہے اور جس کو ہم دوسری اذان کہتے ہیں وہ پہلی ہے۔[1]

"**فلما کان**" یہ کان تامہ ہے یا خبر محذوف ہے "**ای فلما کان عثمان خلیفة**"۔

خرید وفروخت کس اذان سے بند ہوگی؟

اب سوال یہ ہے خرید وفروخت کی ممانعت کس اذان سے وابستہ ہوگی اسی طرح **سعی الی الجمعة** کس اذان کے بعد واجب ہوگی؟ یہ ایک اہم سوال ہے۔

شیخ عبدالحق رحمہ اللہ نے لمعات ج ۴ ص ۱۸۴ پر لکھا ہے کہ بعض علماء کے نزدیک اس ممانعت کا تعلق اسی اذان سے ہے جو خطیب کے سامنے بوقت خطبہ ہوتی ہے لیکن عام علماء وفقہاء فرماتے ہیں۔

کہ صحیح بات یہ ہے کہ وجوب سعی اور حرمت بیع وشراء میں اسی نئی اذان کا اعتبار ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں شروع ہوگئی تھی کیونکہ اصل مدار اس پر ہے کہ لوگوں کو وقت کے اندر جمعہ کی اذان جب سنائی دیگی تو ان پر لازم ہوجاتا ہے کہ سعی شروع کریں اور خرید وفروخت ترک کریں اعلان اسی جدید اذان سے ہوتا ہے اور لوگ اسی اذان کو سنتے ہیں لہٰذا اسی کا اعتبار ہوگا ہدایہ میں بھی اسی طرح لکھا ہے۔[2]

جمعہ کے دن حضور اکرم ﷺ عربی میں دو خطبے دیتے تھے

﴿۵﴾ وعن جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَتْ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُطْبَتَانِ يَجْلِسُ بَيْنَهُمَا يَقْرَأُ

[1] المرقات: ۳/۴۹۷ [2] المرقات: ۳/۴۹۸، اشعة اللمعات

الْقُرْآنَ وَيُذَكِّرُ النَّاسَ فَكَانَتْ صَلَاتُهُ قَصْدًا وَخُطْبَتُهُ قَصْدًا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت جابر ابن سمرہ فرماتے ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ دو خطبے پڑھا کرتے تھے اور دونوں (خطبوں) کے درمیان بیٹھتے تھے، ان خطبوں میں آپ قرآن کریم پڑھتے تھے اور لوگوں کو پند و نصیحت فرمایا کرتے تھے۔ نیز آپ کی نماز بھی اوسط درجہ کی ہوتی تھی اور آپ کا خطبہ بھی اوسط درجہ کا ہوتا تھا (نہ بہت زیادہ طویل ہوتا تھا اور نہ بالکل ہی مختصر)۔ (مسلم)

توضیح: "یقراء القرآن" یعنی حضور اکرم ﷺ جمعہ کی نماز سے پہلے دو خطبے ارشاد فرماتے تھے اور دونوں کے درمیان کچھ دیر کے لئے بیٹھ جاتے تھے اور دونوں خطبے مختصر ہوتے تھے اور نماز جمعہ بھی مختصر ہوتی تھی۔[2]

اس حدیث سے چند فوائد اور چند مسائل ثابت ہوتے ہیں۔

ایک مسئلہ یہ ثابت ہوا کہ آنحضرت ﷺ عربی میں خطبہ دیا کرتے تھے آپ کا وعظ آپ کا خطبہ ہوتا تھا اور آپ کی زبان عربی تھی آپ کے بعد صحابہ کرام نے مشرق و مغرب میں مختلف ممالک کو فتح کیا اور وہاں جمعات قائم کئے عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے چھتیس ہزار شہروں کو فتح کیا چار ہزار عام مساجد قائم کیں اور نو سو جامع مسجدیں بنوائیں اور ان میں جمعات شروع ہو گئے لیکن تاریخ میں کہیں بھی ثابت نہیں کہ حضور اکرم یا صحابہ کرام یا تابعین یا تبع تابعین کے خیر القرون میں کہیں جمعہ کے خطبوں میں عربی کے بجائے عجمی زبان استعمال کی گئی ہو تمام مقامات میں باوجودیکہ لوگ عربی زبان سے واقف نہیں ہوتے تھے عربی میں خطبہ جاری ہوتا تھا اور چونکہ منبر و محراب مرکز اسلام ہے اور اسلام کی زبان عربی ہے تو یہ نہایت نامناسب ہے کہ اسلام کے مرکز میں اس کی اپنی زبان کے بجائے کوئی اور زبان جاری ہو جائے علماء نے لکھا ہے کہ عربی کے بجائے عجمی زبان میں جمعہ کا خطبہ دینا بدعت ہے غیر مقلدین کو چاہئے کہ وہ اس بدعت سے اپنے آپ کو بچائیں اور اپنی مساجد میں عین جمعہ کے مبارک وقت میں منبر و محراب کے اندر بدعت کا ارتکاب نہ کریں۔ محققین علماء کے نزدیک عربی کے علاوہ کسی زبان میں خطبہ دینا مکروہ تحریمی ہے۔

خطبہ جمعہ کی حیثیت:

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک دو خطبے فرض ہیں اور درمیان میں تھوڑی دیر کے لئے بیٹھنا بھی فرض ہے، خطبہ کھڑے بھی فرض ہے اور خطبہ کے اندر کچھ قرآن کا پڑھنا بھی فرض ہے۔[3]

احناف کے ہاں مطلق خطبہ نماز جمعہ کی صحت کے لئے شرط ہے پھر امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ بالکل مختصر خطبہ کو بھی جائز مانتے ہیں لیکن صاحبین فرماتے ہیں کہ خطبہ اتنا لمبا ہونا چاہئے کہ جس کو عرف عام میں خطبہ کہتے ہیں اور جس میں طویل ذکر ہو اور قرآن کی آیات ہوں۔[4]

---

[1] اخرجه ومسلم: ۳/۹،۱۱ [2] المرقات: ۳/۴۹۸ [3] المرقات: ۳/۴۹۸ [4] المرقات: ۳/۴۹۸

کیا زوال شمس سے پہلے خطبہ و جمعہ جائز ہے

یہ مسئلہ اس باب کی پہلی حدیث کے ضمن میں بیان کرنا چاہئے تھا لیکن وہاں سے رہ گیا لہذا یہاں بیان کیا جارہا ہے کہ آیا زوال شمس اور ظہر کے وقت آنے سے پہلے جمعہ کی نماز اور اس کا خطبہ جائز ہے یا نہیں اس میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف:

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جمعہ کی نماز زوال شمس سے پہلے جائز ہے ان کے ہاں جمعہ کے دن مکروہ وقت بھی نہیں ہے لہذا وقت کی آمد سے پہلے جمعہ پڑھنا جائز ہے امام ابوحنیفہ اور امام مالک وشافعی رحمہم اللہ تعالیٰ جمہور فقہاء کے نزدیک وقت کے آنے سے پہلے جمعہ کی نماز ادا نہیں ہوسکتی ہے اور نہ جائز ہے۔ [1]

دلائل:

امام احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے اس باب کی فصل اول کی حدیث نمبر ۲ سے استدلال کیا ہے جس میں حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم دوپہر کا کھانا اور قیلولہ جمعہ کی نماز کے بعد کیا کرتے تھے۔ [2]

جمہور فقہاء نے اس سے پہلے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث نمبر ۱ سے استدلال کیا ہے جس میں واضح الفاظ کے ساتھ مذکور ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم زوال شمس کے بعد جمعہ کی نماز پڑھتے تھے۔ [3]

جواب: امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے جس حدیث سے استدلال کیا ہے وہ استدلال واضح نہیں ہے اس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ بھی نہیں ہے کہ وقت سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ پڑھایا ہے بلکہ وہاں یہ بیان ہے کہ جمعہ کے دن ہم قیلولہ بعد میں کرتے تھے اور کھانا بعد میں کھاتے تھے تو اس سے کہاں لازم آتا ہے کہ وقت سے پہلے جمعہ ہوا تھا ویسے اللہ تعالیٰ نے تمام نمازوں کو ان کے اوقات کے ساتھ جوڑا ہے اس سے آگے پیچھے نماز جائز نہیں ہے ﴿ان الصلوٰۃ کانت علی المؤمنین کتابا موقوتا﴾ [4]

نماز جمعہ طویل اور خطبہ قصیر دانائی کی علامت ہے

﴿۶﴾ وعن عَمَّارٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ طُوْلَ صَلَاةِ الرَّجُلِ وَقِصَرَ خُطْبَتِهٖ مَئِنَّةٌ مِنْ فِقْهِهٖ فَأَطِيْلُوْا الصَّلَاةَ وَاقْصُرُوا الْخُطْبَةَ وَاِنَّ مِنَ الْبَيَانِ سِحْرًا۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ) [5]

ترجمہ: اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے سرتاج دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "لمبی نماز پڑھنا اور مختصر خطبہ پڑھنا آدمی کی دانائی کی علامت ہے۔ لہذا تم نماز کو طویل اور خطبہ کو مختصر کرو کیونکہ بعض بیان سحر (کی سی تاثیر لئے ہوئے

[1] المرقات: ۳/۴۹۴ [2] المرقات: ۳/۴۹۵ [3] المرقات: ۳/۴۹۴ [4] ان الصلوٰۃ کانت علی المومنین الخ۔ [5] اخرجه ومسلم: ۳/۱۲

ہوتا) ہے۔" (مسلم)

توضیح: "مئنة" میم پر فتحہ ہے ہمزہ پر کسرہ ہے نون پر تشدید ہے[1] "مَئِنَّة" علامت اور دلیل کے معنی میں ہے یعنی جو شخص خطبہ مختصر پڑھتا ہو اور جمعہ کی نماز کو طویل پڑھتا ہو۔ یہ اس شخص کی فقاہت اور دانائی وحکمت کی علامت اور دلیل ہے بشرطیکہ نماز سنت کے مطابق ہو نہ زیادہ لمبی ہو نہ زیادہ مختصر ہو اور خطبہ اسی کے مناسب مختصر ہو اس کی وجہ یہ ہے کہ نماز جمعہ اصل ہے اور خطبہ اس کے لئے فرع ہے اور اصل کا اہتمام فرع سے زیادہ ہونا چاہئے ویسے بھی خطیب جب تک خطبہ دیتا ہے تو خود بھی عجب کا شکار ہو سکتا ہے اور لوگوں کی توجہ بھی بجائے خالق کے مخلوق پر پڑسکتی ہے اور نماز میں خطیب بھی عُجب سے عجز کی طرف آتا ہے اور عوام کی توجہ بھی مخلوق سے خالق کی طرف لوٹ جاتی ہے اس لئے خطبہ میں کم سے کم وقت بدرجہ ضرورت لگانا چاہئے اور باقی وقت نماز میں صرف کرنا چاہئے بعض خطباء ڈیڑھ گھنٹہ تقریر پر صَرف کرتے ہیں اور پھر سورۃ کوثر اور سورۃ اخلاص کے ساتھ تین منٹ میں جمعہ کی نماز پڑھاتے ہیں یہ بہت بڑا ظلم اور نادانی ہے۔[2]

"لسحرا" اس کلام کے دو پہلو ہیں ایک میں مدح کی صورت ہے دوسرے میں مذمت کی صورت ہے اگر خطبہ سے لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف مائل کرنا مقصود ہے تو یہ شعبدہ باز جادوگر خطیب ہے یہ مذمت کی صورت ہے اور اگر لوگوں کے دلوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کرانا مقصود ہے تو یہ شریں کلام جادو اثر رکھنے والا بیان ہے یہ مدح کی صورت ہے۔ بہر حال خطیب میں جب اخلاص ہوگا اللہ تعالیٰ سے گہرا تعلق ہوگا تو اس کا بیان عوام کے دلوں کو متاثر کرتا ہے اور لفاظی اور خوش الحانی وقتی تاثیر رکھتی ہے مگر پائیدار نہیں ہے۔[3]

خطبہ کے دوران آنحضرت ﷺ کی کیفیت

﴿۷﴾ وعن جَابِرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَطَبَ اِحْمَرَّتْ عَيْنَاهُ وَعَلَا صَوْتُهُ وَاشْتَدَّ غَضَبُهُ حَتّٰى كَأَنَّهُ مُنْذِرُ جَيْشٍ يَقُوْلُ صَبَّحَكُمْ وَمَسَّاكُمْ وَيَقُوْلُ بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ وَيُقْرِنُ بَيْنَ اِصْبَعَيْهِ السَّبَّابَةِ وَالْوُسْطٰى۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[4]

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ جب (جمعہ کا یا کوئی اور) خطبہ ارشاد فرماتے تو آپ کی آنکھیں سرخ ہو جاتیں اور آواز بلند ہو جاتی اور غصہ تیز ہو جاتا تھا یہاں تک کہ (ایسا محسوس ہوتا) گویا آپ لوگوں کو (دشمن کے لشکر سے) ڈرا رہے ہوں اور فرما رہے ہوں کہ صبح وشام میں تم پر دشمن کا لشکر ڈاکہ ڈالنے والا ہے۔ اور آنحضرت ﷺ خطبہ میں یہ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ "مجھے اور قیامت کو اس طرح ساتھ ساتھ بھیجا گیا ہے۔" یہ کہہ کر آپ دو انگلیوں یعنی شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی کو ملاتے۔" (مسلم)

توضیح: "احمرت عیناه" یعنی امت کے غم اور معاصی کی کثرت اور کفر وشرک کی تاریکیوں اور اس میں امت کی

[1] المرقات: ۳/۴۹۹ [2] المرقات: ۳/۴۹۹ [3] المرقات: ۳/۵۰۰ [4] اخرجہ ومسلم: ۳/۱۱

گرفتاری کے مشاہدہ کرنے کی وجہ سے خطبہ کے دوران آپ کی آنکھیں سرخ ہو جاتی تھیں۔ اسی طرح اپنی امت کی ہدایت کی فکر میں اور حاضرین کے کانوں تک آواز پہنچانے کی وجہ سے آپ کی آواز اونچی ہو جاتی تھی، گویا آپ ایمرجنسی میں کسی دشمن کے حملہ آور ہونے سے قوم کو ڈرانے والے ہوتے تھے جس سے آواز بلند ہو جاتی تھی۔[1]

"**یقول**" یعنی اس لشکر سے اپنی قوم کو ڈرانے والا گویا کہتا ہو کہ "**صبحکم**" یعنی تم پر صبح کے وقت دشمن حملہ کرنے والا ہے "**مسأکم**" یعنی تم پر شام کے وقت دشمن دھاوا بولنے والا ہے۔[2]

یہاں یہ احتمال بھی ہے کہ یقول کی ضمیر حضور اکرم ﷺ کی طرف لوٹتی ہو مطلب یہ کہ حضور اکرم ﷺ خود اعلان فرماتے تھے کہ "**صبحکم**" تم پر صبح کے وقت دشمن حملہ کرنے والا ہے یا شام کو تم پر دشمن حملہ آور ہونے والا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور اکرم ﷺ اونچی آواز سے اور زوردار انداز سے خطبہ ارشاد فرماتے تھے۔ اور یہ جائز ہے اور خوب محنت سے سامعین کو سمجھاتے تھے کیونکہ بیدار خطیب قوم کو بیدار رکھنے کے لئے بیدار خطبہ دیتا ہے۔[3]

"**ویقرن**" یعنی وسطی اور سبابہ کو ملا کر اشارہ فرماتے کہ میں اور قیامت اس طرح ساتھ ساتھ ہیں جس طرح سبابہ کے ساتھ وسطی ہے یعنی جس طرح یہ دونوں انگلیاں ملی ہوئی ہیں اور وسطی کچھ آگے ہے اسی طرح قیامت میرے ساتھ ملی ہوئی ہے صرف میں کچھ آگے ہوں اس حدیث میں آپ نے قرب قیامت کو بتایا ہے۔[4]

خطبہ میں آنحضرت ﷺ نے نہایت دردناک آیت پڑھی

﴿۸﴾ وعن يَعْلَى بْنِ أُمَيَّةَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ عَلَى الْمِنْبَرِ وَنَادَوْا يَامَالِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[5]

ترجمہ: اور حضرت یعلی ابن امیہ کہتے ہیں کہ میں نے سرتاج دو عالم ﷺ کو منبر پر یہ (آیت) پڑھتے ہوئے سنا ہے کہ یا مالك ليقض علينا ربك اے سردار تو اپنے پروردگار سے کہہ کہ وہ ہمارا کام تمام کر دے۔" (بخاری)

آنحضرت ﷺ جمعہ کی نماز میں سورۃ 'ق' پڑھتے تھے

﴿۹﴾ وعن أُمِّ هِشَامٍ بِنْتِ حَارِثَةَ بْنِ النُّعْمَانِ قَالَتْ مَا أَخَذْتُ قٓ وَالْقُرْآنِ الْمَجِيْدِ إِلَّا عَنْ لِسَانِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُهَا كُلَّ جُمُعَةٍ عَلَى الْمِنْبَرِ إِذَا خَطَبَ النَّاسَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[6]

ترجمہ: حارثہ ابن نعمان کی بیٹی حضرت ام ہشام رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے سورہ "ق و القرآن المجید"

---

[1] المرقات: ۳/۵۰۰ [2] المرقات: ۳/۵۰۱ [3] المرقات: ۳/۵۰۱

[4] المرقات: ۳/۵۰۱ [5] اخرجه البخاری: ۴/۱۳۹، ۱۴۷ ومسلم: ۳/۱۳ [6] اخرجه

سرتاج دوعالم ﷺ کی زبان مبارک سے صرف اس طرح سیکھی ہے کہ آپ ہر جمعہ میں منبر پر جب لوگوں کے سامنے خطبہ ارشاد فرماتے تو یہ سورۃ پڑھا کرتے تھے (اور میں سن سن کر یاد کر لیتی تھی) (مسلم)

توضیح: یہ مطلب نہیں کہ ہمیشہ ہمیشہ آنحضرت ﷺ جمعہ کی نماز میں سورۃ ''ق'' پڑھتے تھے بلکہ یہ مراد ہے کہ آپ ﷺ کثرت سے سورۃ 'ق' جمعہ کے روز پڑھتے تھے اس کے علاوہ سورتوں کا نماز میں پڑھنا بھی ثابت ہے کوئی منع نہیں۔[1]

حضور اکرم ﷺ نے سیاہ عمامہ باندھ کر جمعہ پڑھایا

﴿۱۰﴾ وعن عَمْرِو بْنِ حُرَيْثٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَ وَعَلَيْهِ عِمَامَةٌ سَوْدَاءُ قَدْ أَرْخَى طَرَفَيْهَا بَيْنَ كَتِفَيْهِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت عمرو ابن حریث کہتے ہیں کہ سرتاج دوعالم ﷺ نے جمعہ کے روز اس حال میں خطبہ ارشاد فرمایا ہے کہ آپ کے سر مبارک پر سیاہ عمامہ تھا جس کے دونوں کنارے آپ نے اپنے دونوں مونڈھوں کے درمیان چھوڑ رکھے تھے۔'' (مسلم)

توضیح: امت کے تمام فقہاء اور علماء کو چاہئے کہ وہ اس حدیث سے تعلیم حاصل کریں اور جمعہ کے دن اسلامی یونیفارم کو اپنائیں جس میں جبہ وعبا اور عمامہ وغیرہ شامل ہیں آنحضرت ﷺ نے سفید عمامہ بھی جمعہ کے دن استعمال فرمایا ہے اور سیاہ بھی استعمال کیا ہے سبز عمامہ استعمال کرنا آپ ﷺ سے ثابت نہیں ہے اہل بدعت سبز عمامہ کافی دیر کے بعد اب استعمال کرنے لگے ہیں لیکن وہ روضۂ رسول ﷺ کی نقل اتارتے ہیں حضور ﷺ کی سنت سے کوئی سروکار نہیں ہے۔

خطبہ کے دروان تحیۃ المسجد پڑھنے کا مسئلہ

﴿۱۱﴾ وعن جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَخْطُبُ إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ وَلْيَتَجَوَّزْ فِيهِمَا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[3]

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرتاج دوعالم ﷺ نے خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے یہ فرمایا کہ ''جب تم میں سے کوئی شخص جمعہ کے روز (مسجد میں آئے) اور امام خطبہ پڑھ رہا ہو تو دو رکعتیں پڑھ لے مگر دونوں رکعتیں ہلکی (یعنی مختصر) پڑھے۔'' (مسلم)

توضیح: ''فلیرکع رکعتین'' مشکوٰۃ شریف میں یہ حدیث مختصر ہے مسلم شریف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث نقل کی گئی ہے جو لمبی حدیث ہے اور اس میں اس طرح قصہ ہے کہ ایک دفعہ حضور اکرم ﷺ جمعہ کا خطبہ

[1] المرقات: ۳/۵۰۲ [2] اخرجہ ومسلم: ۲/۱۱۲ [3] اخرجہ ومسلم: ۳/۱۴

ارشاد فرما رہے تھے کہ اتنے میں سلیک غطفانی رضی اللہ عنہ مسجد میں داخل ہو گئے اور بیٹھ گئے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا اے سلیک کھڑے ہو جاؤ اور مختصر سی دو رکعت نماز پڑھو پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص جمعہ کے دن آجائے اور امام خطبہ دے رہا ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ مختصر دو رکعت نماز پڑھے۔[1]

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ خطبہ کے دوران تحیۃ المسجد کی دو رکعتیں پڑھنی چاہئے اس میں فقہاء کا شدید اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خطبہ کے دوران بھی دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھنا چاہئے اس کے بعد بیٹھ کر خطبہ سننا چاہئے یہ مستحب ہے غیر مقلدین حضرات کے ہاں تحیۃ المسجد کی دو رکعتیں عند الخطبہ واجب ہیں۔

امام ابوحنیفہ اور امام مالک اور امام محمد و امام ابو یوسف و اوزاعی شام اور سفیان ثوری رحمہم اللہ تعالیٰ سب فرماتے ہیں کہ خطبہ کے دوران کسی اور کام میں مشغول ہونا مکروہ تحریمی ہے اگرچہ نماز کیوں نہ ہو لہٰذا دو رکعت تحیۃ المسجد بھی جائز نہیں ہے حضرت عمر وعثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما جیسے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم سے اسی طرح منقول ہے۔ (معارف السنن)[2]

دلائل:

امام شافعی واحمد رحمہما اللہ تعالیٰ نے زیر نظر حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال کیا ہے جو قولی حدیث ہے اور جس میں بطور قاعدہ وضابطہ بیان کیا گیا ہے کہ دو رکعت مختصر طور پر پڑھنا چاہئے۔

اس حدیث کے دیگر اکثر طرق میں قاعدہ وضابطہ کے طور پر حکم نہیں بلکہ ایک جزئی واقعہ کے طور پر بیان کیا گیا ہے کہ ایک شخص آیا اور حضور اکرم ﷺ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے وہ بیٹھ گیا حضور اکرم ﷺ نے فرمایا اٹھو اور مختصر طور پر دو رکعت تحیہ پڑھو اب اگر یہ ایک ہی واقعہ ہے تو شوافع کی ایک دلیل ہے اور اگر دو الگ الگ واقعے ہیں تو شوافع و حنابلہ کی دو دلیلیں بن جائیں گی۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے تو اس حدیث کو اس طرح مضبوط دلیل اور قاعدہ کلیہ کے طور پر مانا ہے کہ خود فرماتے ہیں۔

"لا اظن عالما يبلغه هذا الحديث صحيحا بهذا اللفظ ثم يخالفه"

گویا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تک یہ حدیث نہیں پہنچی تھی اگر پہنچ جاتی تو وہ کبھی بھی اس کی مخالفت نہ کرتے۔ (ائمہ احناف و مالکیہ کے پاس اس مسئلہ میں بہت دلائل ہیں چند ملاحظہ ہوں)۔

❶ ان حضرات کی پہلی دلیل قرآن عظیم کی آیت ہے ﴿واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا الخ﴾[3] یہ آیت جس طرح قرأت خلف الامام کے بارے میں ہے اسی طرح خطبہ جمعہ کے بارے میں بھی ہے کیونکہ خطبہ میں بھی قرآن کریم کی آیتیں ہوتی ہیں نتیجہ یہ نکلا کہ خطبۂ جمعہ کا سننا بموجب قرآن فرض ہوا اور تحیۃ المسجد مستحب ہے تو ایک مستحب

[1] المرقات: ۲/۵۰۵ [2] المرقات: ۲/۵۰۵ [3] واذا قرئ القران فاستمعواله

پر عمل کے لئے فرض کو چھوڑنا مناسب نہیں ہے۔

❷ احناف و مالکیہ کی دوسری دلیل اس باب کی وہ تمام احادیث ہیں جن میں خطبۂ جمعہ کے دوران انصات اور خاموشی کا حکم ہے مثلاً ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث نمبر ۵ میں ہے "**اذا قلت لصاحبك يوم الجمعة انصت والامام يخطب فقد لغوت**" (بخاری ومسلم)[1]

یہاں کسی کو خاموش کرنے کے لئے خاموش ہو جاؤ کا لفظ نہی عن المنکر ہے جو واجب ہوتا ہے مگر خطبہ کے دوران اس واجب پر عمل کرنے سے سارا ثواب باطل ہو جاتا ہے تو تحیۃ المسجد جو ایک مستحب عمل ہے اس کی اجازت خطبہ کے دوران کیسے ہو سکتی ہے؟

❸ احناف و مالکیہ کی تیسری دلیل معجم طبرانی میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث ہے۔

قال سمعت النبی ﷺ يقول اذا دخل احدكم المسجد والامام على المنبر فلا صلوٰة ولا كلام حتى يفرغ الامام۔ (طبرانی)

مؤطا مالک میں امام مالک نے یہ روایت نقل کی ہے "**اذا خرج الامام فلا صلوٰة ولا كلام**"۔ (مؤطا مالک)[2]

اسی طرح امام طحاوی نے طحاوی میں یہ روایت نقل فرمائی ہے۔ "**خروج الامام يمنع الصلوٰة وكلامه الكلام**" (طحاوی)

اسی طرح جمعہ کے دن نمازیوں کے درجات لکھنے والے فرشتے اپنے رجسٹر اس وقت بند کر کے خطبہ سننے لگتے ہیں جب امام خطبہ کے لئے نکل آتا ہے اسی طرح عہد نبوی میں بہت سارے واقعات ایسے موجود ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کے خطبہ کے دوران لوگ آئے ہیں حضور اکرم ﷺ نے دیکھا ہے اور کسی کو نفل یا تحیۃ المسجد پڑھنے کا کبھی حکم نہیں دیا ہے خود ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا واقعہ مشہور ہے کہ حضور ﷺ نے عام حکم دیا کہ بیٹھو تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ دروازہ میں بیٹھ گئے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا میں تجھے نہیں کہہ رہا ہوں تم آگے آجاؤ اس موقع پر حضور اکرم نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو تحیۃ المسجد کا حکم نہیں دیا اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خطبہ کے دوران حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو غسل نہ کرنے پر ڈانٹ پلائی ہے مگر دو رکعت پڑھنے کا حکم نہیں دیا۔

❺ احناف و مالکیہ نے مصنف ابن ابی شیبہ کی روایت سے بھی استدلال کیا ہے جو حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بطور اثر منقول ہے الفاظ یہ ہیں۔

انهما كانا يكرهان الصلوٰة والكلام يوم الجمعة بعد خروج الامام (ج ۲ ص ۱۲۴)

اسی طرح مصنف ابن ابی شیبہ ہی میں حضرت ثعلبہ بن مالک قرظی کی روایت موجود ہے انہوں نے حضرت عمر و حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے عہد مبارک کا معمول نقل کیا ہے فرمایا۔

---

[1] المرقات: ۳/۴۷۸ [2] المرقات: ۳/۵۰۵

ادرکت عمر وعثمان فکان الامام اذا خرج یوم الجمعة ترکنا الصلوٰة فاذا تکلم ترکنا الکلام۔

(مصنف ابن ابی شیبہ حوالہ بالا)

ان تمام روایات ومعمولات سے واضح ہوجاتا ہے کہ خطبہ کے دوران کلام وسلام اور نفل وتحیۃ المسجد جائز نہیں ہے۔

جواب: حضرت سلیک غطفانی رضی اللہ عنہ کی فعلی روایت اور ان کے فعل سے جو شوافع وحنابلہ نے استدلال کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ امام نسائی نے اپنی کتاب نسائی میں ذکر کیا ہے کہ سلیک غطفانی رضی اللہ عنہ ایک نووارد غریب وفقیر آدمی تھے ان کے کپڑے پھٹے پرانے بلکہ نہ ہونے کے برابر تھے ان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عین خطبہ کے وقت عام مجمع میں نماز کے لئے کھڑا کیا تا کہ لوگ اسے دیکھ کر ان کی مدد کریں یہ ان کی مدد کا ایک بہانہ تھا تحیہ عند الخطبہ کا قاعدہ وضابطہ نہیں تھا گویا یہ ایک جزئی واقعہ ہے جو ایک خاص مقصد کے لئے ہوا ہے قاعدہ وضابطہ نہیں ہے یہاں کئی اور احتمالات بھی ہیں۔

ایک احتمال یہ ہے کہ خطبہ شروع ہی نہیں ہوا ہو۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ کو شروع کرنے کے بعد روک لیا ہو، اس کو تو دارقطنی نے واضح طور پر ذکر بھی کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ روکا تھا۔

تیسرا احتمال یہ بھی ہے کہ یہ جمعہ کا خطبہ نہ ہو کوئی دوسرا خطبہ ہو یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ خصوصیت پیغمبری ہو اگر یہ احتمالات شوافع نہیں مانتے تو ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ یہاں تحیۃ المسجد کہاں ہوئی ہے؟ حدیث میں واضح طور پر مذکور ہے کہ سلیک غطفانی رضی اللہ عنہ آکر پہلے مسجد میں بیٹھ گئے تھے پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اٹھایا حالانکہ بیٹھنے کے بعد تو تمہارے نزدیک تحیۃ المسجد ہوتی ہی نہیں پھر اس سے کیسے استدلال کرو گے؟ لامحالہ ماننا پڑیگا کہ یہاں معاملہ ہی کچھ اور تھا۔ ایک جزئی واقعہ ہے کسی خاص مقصد کے لئے ہے، اس کو ضابطہ کے طور پر نہیں اپنایا جاسکتا ہے کیونکہ اس سے بہت ساری احادیث اور تعامل امت سے تعارض آئے گا۔ باقی سلیک غطفانی رضی اللہ عنہ سے متعلق قولی حدیث کا جواب یہ ہے کہ دارقطنی نے امام بخاری رحمہ اللہ کی ایک سو روایات پر تنقید کی ہے اس میں ایک یہی مذکورہ روایت ہے جس کو مسلم نے تو کتاب میں ذکر کیا ہے لیکن امام بخاری رحمہ اللہ نے شاید اسی وجہ سے اس کو ترجمۃ الباب میں تو نقل کیا ہے لیکن اصل کتاب میں درج نہیں فرمایا ہے۔

خلاصہ یہ کہ خطبہ جمعہ کے دوران سلام کلام منع ہے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرنا منع ہے ذکر وتلاوت منع ہے تو تحیۃ المسجد ایک مستحب حکم کی اجازت کیسے ہوسکتی ہے جبکہ یہ اباحت وحرمت کا مسئلہ بھی ہے جس میں ترجیح حرمت کو دیجاتی ہے۔

جمعہ کی ایک رکعت پانے والے کو جمعہ مل جاتا ہے

﴿۱۲﴾ وعن أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الصَّلَاةِ مَعَ الْإِمَامِ فَقَدْ أَدْرَكَ الصَّلَاةَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

[1] اخرجه البخاري: ۱/۱۵۱ ومسلم: ۲/۱۰۲

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا "جس شخص نے نماز کی ایک رکعت امام کے ساتھ پائی اس نے نماز پالی۔" (بخاری ومسلم)

توضیح: "من ادرك ركعة" اس حدیث کے مضمون والی حدیث باب ماعلی المأموم میں گذر چکی ہے وہاں اس پر بحث بھی ہو چکی ہے یہاں صاحب مشکوۃ نے اس حدیث کو جمعہ کے باب میں درج کیا حالانکہ یہ حدیث مطلق نمازوں کے بیان کے لئے ہے جمعہ سے متعلق نہیں ہے لیکن چونکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے زیر بحث حدیث کو جمعہ کے ساتھ مقید کیا ہے اس لئے صاحب مشکوۃ نے اس کو یہاں درج فرمادیا حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے نماز کی ایک رکعت پالی اس نے پوری نماز پالی۔ اب یہاں فقہاء کرام کے درمیان جمعہ کی نماز میں تھوڑا سا اختلاف ہے کہ مثلاً ایک شخص کو دوسری رکعت کا کچھ حصہ نہ ملا بلکہ قاعدہ یا سجدہ میں شریک ہوا اب وہ جمعہ کی دو رکعتیں پوری کرے یا ظہر کی نماز پڑھے؟ [۱]

فقہاء کا اختلاف:

بعض سلف کا مسلک یہ ہے کہ اگر کسی شخص سے جمعہ کا خطبہ بھی فوت ہو گیا تو وہ اب ظہر کی نماز پڑھے جمعہ نہیں مگر جمہور اس طرح نہیں کہتے پھر جمہور کا آپس میں اختلاف ہے۔

امام مالک و شافعی واحمد بن حنبل اور امام محمد رحمہم اللہ تعالیٰ یعنی جمہور فرماتے ہیں کہ جمعہ کی نماز میں جب تک آدمی ایک رکعت کو مکمل نہیں پاتا اس کو جمعہ نہیں ملتا یعنی کسی شخص کو آخری رکعت مکمل نہیں ملی بلکہ سجدہ یا قعدہ میں شریک ہوا تو اس کی جمعہ کی نماز فوت ہو گئی اب وہ ظہر کی نماز اٹھ کر پڑھے۔

امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک اگر کسی شخص کو جمعہ کی نماز میں آخری قعدہ بھی مل جاتا ہے تو وہ جمعہ کی بنا کرے ظہر کی نماز نہ پڑھے کیونکہ اس نے جمعہ پالیا۔

دلائل:

جمہور نے زیر بحث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے لیکن مفہوم مخالف کے طور پر کیا ہے یعنی جس نے ایک رکعت پالی اس نے نماز پالی اور جس نے ایک رکعت بھی نہ پائی تو اس نے نماز ہی نہ پائی اگرچہ زیر بحث حدیث میں جمعہ کا ذکر نہیں مگر اسی باب میں آئندہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث نمبر ۱۹ آرہی ہے اس میں جمعہ کا ذکر موجود ہے لہٰذا جمہور بطور مفہوم مخالف اس روایت سے استدلال کرتے ہیں۔

امام ابوحنیفہ اور قاضی ابو یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔

اذا سمعتم الاقامة فامشوا الى الصلوٰة وعليكم السكينة والوقار ولا تسرعوا فما ادركتم فصلوا وما فاتكم فاتموا۔ (بخاری)

---

[۱] المرقات: ۳/۵۰۶

اس حدیث میں "فما ادرکتم" میں کلمہ 'ما' عام ہے کہ جتنا بھی پالیا خواہ تشہد میں شامل ہوا اس نے نماز پالی یہاں اگر چہ جمعہ کا ذکر نہیں ہے لیکن یہ حکم تمام نمازوں کے لئے ارشاد فرمایا ہے لہٰذا یہ جمعہ کو بھی شامل ہے۔

ائمہ احناف کی دوسری دلیل حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا اثر ہے جو مصنف ابن ابی شیبہ میں مذکور ہے الفاظ یہ ہیں "من ادرك التشهد فقد ادرك الصلوٰة"۔

اسی مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی یہ روایت بھی ہے جو ان کا اثر ہے فرمایا۔

اذا دخل فی صلوٰة الجمعة قبل التسلیم وهو جالس فقد ادرك الجمعة وعن الضحاك رضی اللہ عنہ اذا ادرك الناس یوم الجمعة جلوسا صلی رکعتین۔

جواب: جمہور نے زیر بحث حدیث سے جو استدلال کیا ہے ہم بھی اس کو مانتے ہیں اس میں یہ مذکور ہے کہ جس نے ایک رکعت پالی اس نے نماز پالی ہم بھی یہی کہتے ہیں اس حدیث میں تو اس سے زیادہ کچھ بھی نہیں ہے۔

اگر یہ حضرات مفہوم مخالف سے استدلال کی کوشش کریں گے تو ادب کے ساتھ عرض ہے کہ ہم مفہوم مخالف کے قاعدہ کو نہیں مانتے ہیں لہٰذا مفہوم مخالف ہم پر حجت نہیں خاص کر جب منطوق کے خلاف بھی ہو۔

الفصل الثانی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ کا طریقہ

﴿۱۳﴾ عن ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ خُطْبَتَيْنِ كَانَ يَجْلِسُ إِذَا صَعِدَ الْمِنْبَرَ حَتّٰى يَفْرُغَ أُرَاهُ الْمُؤَذِّنُ ثُمَّ يَقُوْمُ فَيَخْطُبُ ثُمَّ يَجْلِسُ وَلَا يَتَكَلَّمُ ثُمَّ يَقُوْمُ فَيَخْطُبُ۔

(رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)[1]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سرتاج دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم دو خطبے اس طرح پڑھا کرتے تھے (کہ) جب آپ منبر پر چڑھتے تو (پہلے) بیٹھتے یہاں تک کہ فارغ ہوتا، راوی کہتے ہیں کہ میرا گمان یہ ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ کہا تھا کہ "یہاں تک کہ مؤذن فارغ ہوتا۔" پھر آپ اٹھتے اور (پہلا) خطبہ ارشاد فرماتے، پھر (تھوڑی سی دیر) بیٹھتے (لیکن اس بیٹھنے کے درمیان) کوئی کلام نہ کرتے، پھر کھڑے، ہوتے اور (دوسرا) خطبہ ارشاد فرماتے۔" (ابوداؤد)

توضیح: "ولا یتکلم" یعنی دو خطبوں کے درمیان بیٹھنے کے دوران آپ کلام نہیں فرماتے دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنے کی مقدار کے متعلق ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سورت اخلاص پڑھنے کے بقدر بیٹھنا چاہیے۔[2]

[1] اخرجه ابوداؤد: ۱۰۹۲ [2] المرقات: ۳/۵۰۶

خطبہ میں بادشاہ کی بے جا تعریف ناجائز ہے

مسئلہ یہ ہے کہ دوسرے خطبہ میں نبی اکرم ﷺ کے آل واصحاب اور ازواج مطہرات اور خلفاء راشدین حمزہ وعباس رضی اللہ عنہما کے لئے دعا کرنا مستحب ہے گویا یہ شاہی خاندان کے لوگ ہیں ان پر دوسروں کو قیاس نہیں کیا جاسکتا ہے وقت کے خلیفہ کے لئے بھی خطبہ میں دعا کرنا جائز ہے لیکن شرح منیہ میں لکھا ہے کہ بادشاہوں کی ایسی تعریف کرنا جو خلاف واقعہ اور غلط ہو یا ان کے ایسے اوصاف بیان کرنا جس سے وہ متصف نہ ہوں یہ مکروہ تحریمی ہے کیونکہ عبادت میں جھوٹ ملایا گیا اس مسئلہ میں زمانہ کے گذرنے کے ساتھ اور شدت آگئی لہٰذا ہمارے بعض ائمہ حضرات نے فرمایا ہے کہ ہمارے زمانے کے بادشاہوں کو عادل کہنا حدود کفر کے قریب ہوجانے کے مترادف ہے۔ (کذافی مظاہر حق)

خطبہ کے دوران نمازی خطیب کی طرف متوجہ ہوں

﴿۱۴﴾ وعن عَبْدِاللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اسْتَوٰى عَلَى الْمِنْبَرِ اسْتَقْبَلْنَاهُ بِوُجُوْهِنَا۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ مُحَمَّدِ بْنِ الْفَضْلِ وَهُوَ ضَعِيْفٌ ذَاهِبُ الْحَدِيْثِ) [1]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ جب (خطبہ کے وقت) منبر پر تشریف فرما ہوتے تو ہم اپنے منہ آپ کی طرف متوجہ کر لیتے۔'' امام ترمذی نے یہ روایت نقل کی ہے اور کہا ہے کہ اس حدیث کو ہم بجز محمد ابن فضل کی سند کے اور کسی سند سے نہیں جانتے اور وہ ضعیف ہیں انہیں حدیث یاد نہیں رہتی تھی۔''

الفصل الثالث

آنحضرت ﷺ کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرماتے

﴿۱۵﴾ عن جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ قَائِمًا ثُمَّ يَجْلِسُ ثُمَّ يَقُوْمُ فَيَخْطُبُ قَائِمًا فَمَنْ نَبَّأَكَ أَنَّهُ كَانَ يَخْطُبُ جَالِسًا فَقَدْ كَذَبَ فَقَدْ وَاللهِ صَلَّيْتُ مَعَهُ أَكْثَرَ مِنْ أَلْفَيْ صَلَاةٍ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) [2]

ترجمہ: حضرت جابر ابن سمرہ کہتے ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ کھڑے ہو کر (پہلا) خطبہ ارشاد فرماتے پھر بیٹھتے، پھر (دوسرا) خطبہ (بھی) کھڑے ہو کر ارشاد فرماتے لہٰذا تم سے اگر کوئی شخص یہ کہے کہ آنحضرت ﷺ بیٹھ کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے تو

[1] اخرجہ الترمذی: ۵۰۹ [2] اخرجہ: ۱/۳۳۳ مسلم

بلا شبہ وہ شخص جھوٹا ہے خدا کی قسم! میں نے آنحضرت ﷺ کے ہمراہ دو ہزار سے زیادہ نمازیں پڑھی ہیں۔" (مسلم)

توضیح: "قائما" قرآن کریم میں ﴿وترکوک قائما﴾[1] کے الفاظ سے یقینی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا خطبہ کھڑے ہو کر ہوتا تھا اسلام ایک زندہ و تابندہ مذہب ہے کیونکہ اس کے اصول و فروع سے معمولی سی بات بھی غائب نہیں ہے یہاں دیکھ لیجئے کہ خطبہ کے دوران حضور اکرم ﷺ کا منبر پر قیام کا ذکر بھی موجود ہے۔

"الفی صلوٰۃ" دو ہزار نمازوں سے عام نمازیں اور جمعات مراد ہیں صرف جمعہ کی نمازیں مراد نہیں ہیں کیونکہ جمعہ کی نماز مدینہ میں شروع ہوئی تھی اور وہاں آنحضرت ﷺ کی مدت حیات دس سال تھی اور دس سال میں پانچ سو سے زیادہ جمعات نہیں ہو سکتے ہیں لہٰذا حضرت جابر رضی اللہ عنہ عام نمازیں مراد لے رہے ہیں اور اس کلام سے آپ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ حضور اکرم ﷺ سے ان کی طویل رفاقت رہی ہے۔[2]

خطیب کے لئے مستحب ہے کہ ان کے ہاتھ میں نیزہ یا تلوار ہو جس سے اشارہ ہوتا ہو کہ اس دین کے احکام محفوظ ہیں کیونکہ جہاد کا عمل جاری ہے۔

شرح منیہ میں لکھا کہ جو شہر بزور شمشیر فتح ہوا ہو جیسا مکہ ہے تو وہاں جمعہ کے روز خطیب اپنے ہاتھ میں تلوار لیکر خطبہ پڑھے اور جو شہر صلح سے فتح ہوا ہو وہاں بغیر تلوار خطبہ پڑھے ینابیع میں لکھا ہے کہ دوسرا خطبہ کچھ پست آواز سے دینا چاہئے۔[3]

بیٹھ کر خطبہ پڑھنا جائز نہیں ہے

﴿۱۶﴾ وعن كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ أَنَّهُ دَخَلَ الْمَسْجِدَ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ أُمِّ الْحَكَمِ يَخْطُبُ قَاعِدًا فَقَالَ أُنْظُرُوْا إِلٰى هٰذَا الْخَبِيْثِ يَخْطُبُ قَاعِدًا وَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انْفَضُّوْا إِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَائِمًا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[4]

ترجمہ: اور حضرت کعب ابن عجرہ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ (ایک مرتبہ جمعہ کے روز) مسجد میں (اس وقت) داخل ہوئے۔ جبکہ عبدالرحمن ابن ام الحکم (جو بنی امیہ میں سے تھا) بیٹھ کر خطبہ پڑھ رہا تھا، کعب ابن عجرہ نے کہا کہ (ذرا) اس خبیث کی طرف دیکھو بیٹھ کر خطبہ پڑھ رہا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **و اذا رأو تجارۃ او لھوان انفضوا الیھا و ترکوک قائما** یعنی جب لوگ سوداگر یا کھیل دیکھتے ہیں تو اس کی طرف بھاگ جاتے ہیں اور آپ کو کھڑا چھوڑ دیتے ہیں۔" (مسلم)

توضیح: "وعبدالرحمن" یہ شخص بنو امیہ میں سے تھے وقت کے حاکم کی طرف سے گورنر ہونگے یہ بیٹھ کر خطبہ دے رہے تھے جس پر شان والے صحابی نے سخت الفاظ میں تنقید فرمائی اور منکر پر رد کرنا صحابہ کرام کا طرۂ امتیاز تھا۔[5]

"تجارۃ" مدینہ منورہ میں ایک بار سخت قحط آپڑا اسی قحط سالی کے وقت شام سے کوئی قافلہ غلہ لیکر مدینہ آگیا جمعہ کا دن تھا مسجد

[1] وترکوک قائما [2] المرقات: ۳/۵۰۸، ۵۰۹

[3] المرقات: ۳/۵۰۸ [4] اخرجه ومسلم: ۱/۳۴۳ [5] المرقات: ۳/۵۰۹

والوں کو جب معلوم ہوا تو بوجہ مجبوری قافلہ کی طرف دوڑ پڑے حضور اکرم ﷺ منبر پر کھڑے تھے چند صحابہ بھی تھے مگر اکثر باہر چلے گئے اسی سے متعلق یہ آیتیں نازل ہوئیں جس میں حضور اکرم ﷺ کے منبر پر کھڑے ہونے کا بیان ہے الحمد للہ دین اسلام کا ایک ایک شعبہ اور اس کا پورا خد وخال محفوظ و مامون ہیں کیا دنیا کے کسی بھی مذہب والے اپنے نبی یا دینی پیشوا کے حالات کا اس طرح ٹھوس نقشہ پیش کر سکتے ہیں نہیں نہیں ہر گز نہیں یہ نعمت صرف اسلام اور اہل اسلام کو حاصل ہے۔[۱]

خطبہ کے دوران اچھلنا ہاتھوں کو ہلانا مناسب نہیں

﴿۱۷﴾ وعن عُمَارَةَ بْنِ رُوَيْبَةَ أَنَّهُ رَأَى بِشْرَ بْنَ مَرْوَانَ عَلَى الْمِنْبَرِ رَافِعاً يَدَيْهِ فَقَالَ قَبَّحَ اللّٰهُ هَاتَيْنِ الْيَدَيْنِ لَقَدْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يَزِيْدُ عَلَى أَنْ يَقُوْلَ بِيَدِهٖ هٰكَذَا وَأَشَارَ بِإِصْبَعِهِ الْمُسَبِّحَةِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[۲]

ترجمہ: اور حضرت عمارہ ابن رویبہ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے (ایک مرتبہ) بشر ابن مروان کو منبر پر (خطبہ کے وقت) اپنے ہاتھوں کو بلند کرتے ہوئے دیکھا (جیسا کہ آج کل مقررین وواعظین دوران تقریر جوش خطابت میں اپنے ہاتھوں کو بلند کرتے ہیں) تو فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ ان دونوں ہاتھوں کا ستیاناس کرے، میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے کہ آپ اپنے ہاتھ سے اس سے زیادہ اشارہ نہیں کرتے تھے۔ یہ کہہ کر انہوں نے اپنی شہادت کی انگلی سے اشارہ کیا۔" (مسلم)

توضیح: "قبح الله" اس حدیث میں اس صحابی نے وقت کے حکمران کو ایک منکر پر سخت الفاظ میں تنقید فرمائی ہے وہ شخص خطبہ کے دوران ہاتھوں کو ضرورت سے زیادہ ہلا رہے تھے۔[۳]

علماء نے لکھا ہے کہ خطبہ کے دوران ہاتھ ہلانا یا اٹھانا نہ اٹھانا یہ ایک طبعی اور عادی معاملہ ہے حضور اکرم ﷺ اپنی عادت کے مطابق صرف انگلی سے اشارہ فرماتے تھے زیادہ ہاتھ نہ ہلاتے اس طرح عادات کے اپنانے کا کسی کو سختی سے پابند نہیں کیا جاسکتا ہے لیکن صحابہ کرام چونکہ رسول اللہ ﷺ کے عاشق تھے وہ آنحضرت ﷺ کی ادا میں ذرا تغیر کو بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے اس لئے ایک امر عادی میں خلاف ورزی پر اس شخص کو ڈانٹا اور سخت جملے ارشاد فرمائے۔ **فجزاہ اللہ خیرا۔**[۴]

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی اطاعت کا نمونہ

﴿۱۸﴾ وعن جَابِرٍ قَالَ لَمَّا اسْتَوٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ عَلَى الْمِنْبَرِ قَالَ اجْلِسُوْا فَسَمِعَ ذٰلِكَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ فَجَلَسَ عَلَى بَابِ الْمَسْجِدِ فَرَآهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ تَعَالَ يَا عَبْدَ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)[۵]

---

[۱] المرقات: ۳/۵۰۹ [۲] اخرجه ومسلم: ۳/۱۳ [۳] المرقات: ۳/۵۱۰ [۴] المرقات: ۳/۵۱۰ [۵] اخرجه وابو داؤد: ۱۰۹۱

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ (ایک مرتبہ) جمعہ کے روز (جمعہ کے لئے) منبر پر کھڑے ہوئے اور صحابہ سے فرمایا کہ (خطبہ سننے کے لئے) بیٹھ جاؤ۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے جب یہ ارشاد سنا تو وہ مسجد کے دروازہ ہی پر بیٹھ گئے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو دیکھا تو فرمایا کہ عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ یہاں آجاؤ۔" (ابوداؤد)

توضیح: "باب المسجد" صحابہ کرام کی اطاعت کو دیکھئے کہ کانوں میں "اجلس" کی آواز آتی ہے پھر یہ نہیں دیکھتے کہ کس کو کہا جا رہا ہے یا جگہ بھی بیٹھنے کی ہے یا نہیں کسی چیز کو نہیں دیکھتے بلکہ صرف حکم کو دیکھتے ہیں کہ بیٹھنے کا حکم ہوا ہے اب بس بیٹھنا ہے۔[1]

یہاں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا اور دروازہ میں بیٹھ گئے تب حضور اکرم ﷺ نے شاندار الفاظ سے پکارا "تعال یا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ"

علماء نے لکھا ہے کہ یہ گفتگو خطبہ شروع ہونے سے پہلے ہوگی کیونکہ بعد میں خطبہ کے دوران خطیب بھی بات نہیں کرسکتا ہے۔

اس حدیث سے واضح طور پر یہ بات ثابت ہوگئی کہ خطبہ کے دوران تحیۃ المسجد جائز نہیں ورنہ حضور اکرم ﷺ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو حکم فرما دیتے کہ دوگانہ نماز پڑھو۔[2]

جمعہ کی نماز نہ ملنے کی صورت میں ظہر کی نماز پڑھنا چاہئے

﴿۱۹﴾ وعن أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَدْرَكَ مِنَ الْجُمُعَةِ رَكْعَةً فَلْيُصَلِّ إِلَيْهَا أُخْرَى وَمَنْ فَاتَتْهُ الرَّكْعَتَانِ فَلْيُصَلِّ أَرْبَعًا أَوْ قَالَ الظُّهْرَ۔ (رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے فرمایا "جس شخص کو جمعہ کی ایک رکعت (امام کے ساتھ) مل جائے تو وہ اس کے ساتھ دوسری رکعت ملا دے (یعنی دوسری رکعت تنہا کھڑا ہو کر پوری کرے) اور جس شخص کو دونوں رکعتیں نہ ملیں تو اسے چاہئے کہ وہ چار رکعت پڑھے۔ یا فرمایا کہ ظہر پڑھے۔" (دارقطنی)

توضیح: "الرکعتان" یعنی جمعہ کی دونوں رکعتوں میں سے کچھ نہیں ملا نہ تشہد ملا نہ سجدہ ملا تو اب اس شخص کو جمعہ کی نماز کے بجائے ظہر کی چار رکعت نماز پڑھ لینی چاہئے اس حدیث کے ظاہر الفاظ سے بھی جمہور نے استدلال کیا ہے کہ ایک رکعت کا ملنا جمعہ کے پالینے کے لئے ضروری ہے۔ اس مسئلہ کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔[4]

---

[1] المرقات: ۳/۵۱۱ [2] المرقات: ۳/۵۱۱ [3] اخرجہ [4] المرقات: ۳/۵۱۲

مورخہ ۲۳ جمادی الاول ۱۴۱۰ھ

باب صلوٰۃ الخوف

نماز خوف کا بیان

قال الله تعالیٰ ﴿واذا کنت فیهم فاقمت لهم الصلوٰة فلتقم طائفة منهم معك ولیأخذوا اسلحتهم فاذا سجدوا فلیکونوا من ورائکم ولتأت طائفة اخری لم یصلوا فلیصلوا معك ولیأخذوا حذرهم واسلحتهم ودالذین کفروا لوتغفلون عن اسلحتکم وامتعتکم فیمیلون علیکم میلة واحدة﴾ (سور نساء)[1]

صلوٰۃ خوف کی مشروعیت کب ہوئی اس میں کئی اقوال ہیں۔

بعض علماء کا قول ہے کہ صلوٰۃ خوف کی مشروعیت چار ہجری میں ہوئی تھی بعض نے پانچ بعض نے چھ اور بعض نے سات ہجری کا قول کیا ہے مگر جمہور چار ہجری کے قول کو ترجیح دیتے ہیں سب سے پہلے یہ نماز مکہ اور جدہ کے درمیان ایک مقام میں ہوئی جس کا نام عسفان ہے حدیث میں اس طرح تصریح ہے کہ ضجنان پہاڑ اور عسفان کے درمیان پہلی نماز خوف ادا کی گئی۔

کفار کے خوف اور دشمن کے ہلہ بولنے اور حملہ آور ہونے کے وقت جو نماز پڑھی جاتی ہے اس کو نماز خوف کہتے ہیں خوف کی یہ نماز کتاب اللہ سے ثابت ہے اور ایک حد تک کتاب اللہ میں اس کے ادا کرنے کا طریقہ بھی بیان کیا گیا ہے یہ نماز سنت رسول اللہ سے بھی ثابت ہے البتہ حالات و مقامات کے پیش نظر اس کے مختلف طریقے وارد ہیں امام ابوداود رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں اس نماز کے آٹھ طریقے بیان کیے ہیں۔[2]

ابن حبان نے نو طریقے ذکر کیے ہیں ابن حزم رحمہ اللہ نے اس کے متعلق مستقل جزء لکھا ہے اس میں آپ نے چودہ طریقے بیان کیے ہیں بعض نے سولہ سترہ تک طریقے بیان کیے ہیں۔

اس پر امت کا اتفاق و اجماع ہے کہ نماز خوف ایک مشروع اور جائز نماز ہے اور حضور اکرم ﷺ کے عمل سے بارہا ثابت ہو چکا ہے۔

حضور اکرم ﷺ کے انتقال کے بعد بھی خلفاء راشدین اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور میں اس کی مشروعیت باقی رہی ہے اس پر بھی جمہور کا اتفاق ہے البتہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے ایک روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ صلوٰۃ خوف حضور اکرم ﷺ کے ساتھ خاص تھی جب آنحضرت ﷺ کا انتقال ہو گیا اب یہ نماز مشروع نہیں ہے۔[3]

---

[1] اذ کنتم فیهم فاقمت لهم الصلوٰة فلتقم الخ۔ [2] المرقات: ۳/۵۱۴ [3] المرقات: ۳/۵۱۴

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل:

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ قرآن کریم کی آیت ﴿واذا کنت فیھم فاقمت لھم الصلوٰۃ﴾ [1] سے استدلال کرتے ہیں کہ اس میں خاص طور پر حضور اکرم ﷺ سے خطاب ہے اور آپ کی موجودگی کی طرف واضح اشارہ ہے گویا صلوٰۃ خوف کے لئے حضور اکرم ﷺ کی موجودگی قید اور شرط ہے جب حضور دنیا میں نہ رہے تو آپ کے ساتھ مخصوص یہ نماز نہ رہی دوسری دلیل یہ کہ حضور اکرم ﷺ کی موجودگی میں لوگ آپ کے سوا کسی اور کے پیچھے نماز پڑھنے کو برداشت نہیں کرتے تھے لہٰذا الگ الگ جماعتوں کی گنجائش نہیں تھی آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد صورت اس طرح نہ رہی لہٰذا ایک جماعت کے بجائے کئی جماعتیں الگ الگ کروائی جائیں تو صلوٰۃ خوف کی ضرورت نہیں ہے۔

لیکن اس مسئلہ میں امت میں سے کسی نے بھی امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا ساتھ نہیں دیا اس لئے اس رائے کو ان کے تفردات اور شواذ میں شمار کیا گیا ہے پھر جمہور فقہاء کے نزدیک نماز خوف پڑھنے کے طریقوں میں کچھ اختلاف ہے۔ [2]

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صلوٰۃ خوف کا طریقہ

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ احادیث میں جتنے طریقے وارد ہیں موقع ومقام اور حالت وزمان کے پیش نظر تمام طریقے جائز ہیں علماء کہتے ہیں کہ دو ایک طریقوں کے علاوہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تمام طریقے جائز ہیں۔

امام شافعی ومالک رحمہما اللہ تعالیٰ کے ہاں نماز خوف کا طریقہ

امام مالک وامام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی نماز خوف کے سارے طریقے جائز ہیں البتہ ان کے نزدیک ایک طریقہ راجح اور پسندیدہ ہے وہ طریقہ اس طرح کہ پیش امام لوگوں کو دو جماعتوں میں تقسیم کر کے ایک طائفہ کو دشمن کے مقابلہ میں کھڑا کردے اور ایک طبقہ کے ساتھ ایک رکعت پڑھے یہ طائفہ اپنی دوسری رکعت پڑھ کر چلا جائے اور مورچہ زن طائفہ کو نماز کے لئے بھیجدے اور امام ان کے انتظار میں کھڑا رہے جب وہ طائفہ آجائے تو امام کے ساتھ ایک رکعت پڑھ لے اب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام قعدہ کے بعد سلام پھیردے اور فارغ ہوجائے مگر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام سلام نہ پھیرے بلکہ مقتدیوں کا انتظار کرے جب یہ طائفہ ثانیہ اپنی نماز کو مکمل کرلے تو امام ان کے ساتھ مل کر سلام پھیردے اور نماز سے فارغ ہوجائے۔ امام مالک وشافعی رحمہما اللہ تعالیٰ کے درمیان یہی تھوڑا سا فرق ہے اس طریقہ میں یہ خوبی تو ہے کہ اس میں نماز کے دوران مقتدیوں کا آنا جانا نہیں ہے لیکن اس میں یہ نقصان ہے کہ قلب موضوع لازم آتا ہے وہ اس طرح کہ امام مقتدیوں کا انتظار کرتا ہے تو پیش امام ''شا'' امام بن جائے گا۔

دوسرا نقصان یہ کہ طائفہ اولیٰ کے مقتدی اپنے امام سے پہلے نماز سے فارغ ہوجائیں گے یہ بھی قلب موضوع ہے کہ امام اب تک نماز میں ہے اور مقتدی فارغ ہوکر مورچہ اور سنگر پر پہنچ گئے۔

---

[1] وان کنت فیھم فاقمت الخ۔ [2] المرقات: ۳/۵۱۲

احناف کے ہاں نماز خوف کا مختار طریقہ:

احناف کے ہاں نماز خوف کا ایک طریقہ متون میں مذکور ہے اور ایک طریقہ شروحات میں مذکور ہے دونوں طریقے پسندیدہ ہیں احناف کی کتابوں میں متون میں جو طریقہ مذکور ہے وہ اس طرح ہے کہ امام تمام نمازیوں کو دو طائفوں میں تقسیم کرے اول طائفہ نماز کی طرف آئے دوسرا طائفہ دشمن کے سامنے کھڑا ہو جائے۔ اول طائفہ ایک رکعت نماز امام کے ساتھ پڑھ کر دشمن کے مقابلہ کے لئے نماز کی حالت میں مورچہ کی طرف چلا جائے وہاں سے دوسرا طائفہ آکر امام کے ساتھ ایک رکعت پڑھ لے امام قعدہ کے بعد سلام پھیر کر فارغ ہو جائے کیونکہ یہ سفر کی حالت کی نماز ہے جو دو رکعت ہے بہر حال یہ طائفہ نماز کی حالت میں مورچہ و سنگر پر جائے اور وہاں سے پہلا طائفہ آکر اپنی دوسری رکعت مکمل کر کے جائے اور وہ دوسرا طائفہ آکر اپنی نماز مکمل کر لے۔

اس طریقہ میں آنا جانا بہت زیادہ ہے اور یہ طریقہ اقرب الی حکم القرآن ہے کیونکہ قرآن کی آیت میں بھی زیادہ آنا جانا مذکور ہے احناف نے اسی ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے یہ طریقہ لیا ہے۔

چونکہ نماز کے بارے میں یہ طے ہے کہ جہاں پر شروع کیا ہے وہیں پر ختم کرنا ہے اس لئے آنا جانا زیادہ ہوا تاہم یہاں یہ خیال رکھنا ہوگا کہ اول طائفہ جب اپنی دوسری رکعت پڑھے گا تو وہ قرأت نہیں کریگا بلکہ خاموش کھڑا رہیگا کیونکہ وہ لاحقین ہیں اور لاحق اپنی نماز میں قرأت نہیں کر سکتا ہے۔

احناف کی شروحات کی کتابوں میں جو مختار طریقہ لکھا ہے وہ یہ ہے کہ دوسرا طائفہ جب ایک رکعت پڑھ لے تو مورچہ کی طرف بغیر نماز کے نہ جائے بلکہ اپنی دوسری رکعت مکمل کر کے چلا جائے۔

اب دونوں طریقوں کو مختار عندالاحناف اس لئے کہا گیا ہے۔ کہ اول طریقہ میں نقل وحرکت آنا جانا زیادہ ہے اور دوسرے طریقہ میں اگرچہ نقل وحرکت کم ہے لیکن اس میں یہ نقصان ہے کہ لاحقین سے مسبوقین پہلے فارغ ہو گئے حالانکہ لاحقین کو اصول کے مطابق مسبوقین سے پہلے فارغ ہو جانا چاہئے غرضیکہ دونوں طریقوں میں کچھ خوبیاں اور کچھ نقصان ہے لہٰذا دونوں مختار ہونے میں مساوی ہیں۔

دلائل:

مالکیہ اور شوافع نے اس باب کی حدیث نمبر ۲ سے استدلال کیا ہے جو حضرت یزید بن رومان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور بخاری نے اس کو سہل بن ابی حثمہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے ائمہ احناف نے اس باب کی پہلی حدیث سے استدلال کیا ہے جو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے ابن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ روایت قرآن کریم کے سیاق وسباق سے زیادہ قریب ہے لہٰذا احناف کا مختار طریقہ اقرب الی القرآن ہے۔

جواب: مالکیہ اور شوافع نے اپنے مختار طریقہ کو افضل قرار دیا ہے کیونکہ اس میں نماز کے اندر آنا جانا نہیں ہے ہم اس کا جواب دیتے ہیں کہ نماز کے اندر نقل وحرکت اور آنا جانا شریعت کے قواعد کی روشنی میں مجبوری کے وقت درست اور معہود ومعروف ہے جیسے بچھو وسانپ کے مارنے کے لئے یا بے وضو کو وضو کے لئے آنا جانا ثابت ہے لیکن شوافع ومالکیہ نے جو طریقہ اپنایا ہے وہ تو اصول امامت کے خلاف ہے اور اس میں قلب موضوع ہے کہ امام تابع ہوجاتا ہے اور مقتدی متبوع ہوجاتے ہیں لہٰذا وہ طریقہ افضل نہیں بلکہ جو طریقہ ہم نے اختیار کیا ہے وہ افضل ہے بہر حال یہ اولیٰ غیر اولیٰ کا اختلاف ہے جواز وعدم جواز کا اختلاف نہیں ہے۔[1]

دو طریقے معمول بہ نہیں:

ہاں ان تمام طریقوں میں دو طریقے ایسے ہیں جن پر عمل ممکن نہیں ہے۔

اول طریقہ یہ ہے کہ ہر طائفہ ایک ایک رکعت پڑھ کر جائے امام کی دو رکعتیں ہونگی اور قوم کی ایک ایک رکعت ہوجائے گی یہ طریقہ جمہور کے نزدیک جائز نہیں اگرچہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اس کو بھی جائز قرار دیتے ہیں اس طریقہ میں مشکل یہ ہے کہ ایک رکعت نماز شریعت میں معہود ومعروف نہیں ہے۔

دوسرا غیر معمول بہ طریقہ وہ ہے کہ ہر طائفہ دو دو رکعت ادا کرے امام کی چار رکعتیں ہوگئیں اور مقتدیوں کی دو دو رکعتیں ہوگئیں اس میں مشکل یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعتوں پر سلام پھیرا ہے اگر یہ نماز مسافر کی تھی تو چار رکعتیں کیوں پڑھی گئیں اور اگر یہ نماز مقیم کی تھی تو بیچ میں سلام کیوں پھیرا گیا ہے؟ بہر حال اس میں یہ تاویل کرنی ہوگی کہ یہ اس وقت کی بات ہے جب فرض نماز دو مرتبہ ادا کی جاسکتی تھی۔

اس طریقہ کو صاحب مشکوٰۃ نے فصل ثانی کی پہلی حدیث نمبر ۵ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کے حوالہ سے ذکر کیا ہے۔ وہاں پر اس کی مزید تشریح وتوضیح وتوجیہ مذکور ہے۔[2]

الفصل الاول

عہد نبوی میں صلوٰۃ خوف کا ایک طریقہ

﴿۱﴾ عن سَالِمِ بْنِ عَبْدِاللهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ غَزَوْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِبَلَ نَجْدٍ فَوَازَيْنَا الْعَدُوَّ فَصَافَفْنَا لَهُمْ فَقَامَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ لَنَا فَقَامَتْ طَائِفَةٌ مَعَهُ وَأَقْبَلَتْ طَائِفَةٌ عَلَى الْعَدُوِّ وَرَكَعَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَنْ مَعَهُ وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ انْصَرَفُوْا مَكَانَ الطَّائِفَةِ الَّتِيْ لَمْ تُصَلِّ فَجَاؤُوْا فَرَكَعَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

[1] المرقات: ۳/۵۱۸ [2] المرقات: ۳/۵۱۸

بِهِمْ رَكْعَةً وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ فَقَامَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ فَرَكَعَ لِنَفْسِهِ رَكْعَةً وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ وَرَوَى نَافِعٌ نَحْوَهُ وَزَادَ فَإِنْ كَانَ خَوْفٌ هُوَ أَشَدُّ مِنْ ذٰلِكَ صَلُّوا رِجَالاً قِيَاماً عَلَى أَقْدَامِهِمْ أَوْرُكْبَاناً مُسْتَقْبِلِي الْقِبْلَةِ أَوْغَيْرَ مُسْتَقْبِلِيهَا قَالَ نَافِعٌ لاَ أُرَى ابْنَ عُمَرَ ذَكَرَ ذٰلِكَ إِلاَّ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[۱]

ترجمہ: حضرت سالم ابن عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنے والد (حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما) سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ ہم (ایک مرتبہ) سرتاج دوعالم ﷺ کے ہمراہ نجد کی طرف جہاد کے لئے گئے (جب) ہم دشمنوں کے سامنے ہوئے تو ہم نے ان (سے مقابل) ہونے کے لئے صفیں باندھ لیں، آنحضرت ﷺ ہمیں نماز پڑھانے کے لئے کھڑے ہوئے تو ایک جماعت آپ کے ساتھ (نماز کے لئے) کھڑی ہوئی اور دوسری جماعت دشمن کے مدمقابل کھڑی رہی، آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں کے ساتھ جو آپ کے ہمراہ (نماز کی جماعت میں) شریک تھے ایک رکوع کیا اور دو سجدے کئے پھر وہ لوگ (جو آپ کے ہمراہ نماز میں تھے) ان لوگوں کی جگہ چلے گئے جنہوں نے نماز نہیں پڑھی تھی (اور دشمن کے مدمقابل کھڑے تھے) جن لوگوں نے نماز نہیں پڑھی تھی وہ آئے (اور آنحضرت کے ہمراہ نماز میں شریک ہوگئے) چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں کے ہمراہ ایک رکوع اور دو سجدے کئے پھر سلام پھیرا۔ اور پھر یہ لوگ کھڑے ہوئے اور ہر ایک نے اپنا اپنا ایک رکوع اور دو دو سجدے کر لئے۔'' نافع نے بھی اسی طرح روایت بیان کی ہے۔ مگر انہوں نے اتنا اور زیادہ بیان کیا ہے کہ ''اگر (عین جنگ کی حالت ہو اور) خوف اس سے بھی زیادہ ہو (کہ مذکورہ بالا طریقہ سے نماز پڑھنا ممکن نہ ہو) تو لوگ پیادہ کھڑے کھڑے یا (پیادہ نہ ہوسکیں تو) سواری پر (اگر ممکن ہو تو) قبلہ کی طرف (اور اگر ممکن نہ ہو تو) کسی بھی طرف رخ کر کے نماز پڑھ لیں۔'' حضرت نافع کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ الفاظ آنحضرت ﷺ سے ہی نقل کئے ہوں گے۔ (بخاری)

توضیح: "**فوازینا**" یہ صیغہ موازات سے متکلم مع الغیر کا صیغہ ہے مدمقابل ہونے کے معنی میں ہے۔[۲]

"**صاففنالهم**" یعنی دشمن کے مقابل لڑنے کے لئے ہم نے ان سے مقابلے کے لئے صفیں باندھ لیں۔[۳]

"**قبل نجد**" نجد بلند زمین کو کہتے ہیں نجد سے مراد یہاں نجد حجاز ہے نجد یمن نہیں ہے۔[۴]

آج کل سعودیہ پر نجد کے باشندوں کی حکومت ہے ریاض کے اطراف نجد ہے۔

"**فرکع لنفسه**" حدیث میں نماز خوف کا جو طریقہ مذکور ہے یہ احناف کے ہاں مختار ہے اور یہ اقرب الی القرآن ہے اس حدیث میں اگرچہ وہ پورا طریقہ موجود نہیں ہے جس کو احناف نے لیا ہے لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما پر موقوف ایک حدیث میں وہ طریقہ مکمل طور پر مذکور ہے جس کو امام محمد رحمہ اللہ نے اپنی کتاب الآثار میں ذکر کیا ہے۔[۵]

ائمہ احناف فرماتے ہیں کہ اگر مغرب کی نماز ہو تو اول طائفہ دو رکعت پڑھ کر جائے گا اور دوسرا طائفہ ایک رکعت پڑھے گا۔

[۱] اخرجه البخاری: ۵/۱۳۶، ۲/۱۷ [۲] المرقات: ۳/۵۱۵ [۳] المرقات: ۳/۵۱۵ [۴] المرقات: ۳/۵۱۴، ۵۱۵ [۵] المرقات: ۳/۵۱۵

"رجالا قیاما علی اقدامھم" یعنی خوف زیادہ شدید ہوجائے تو پھر پیدل چلتے چلتے نماز پڑھ سکتے ہیں اس میں رکوع اور سجدہ کے لئے اشارہ کیا جائے گا اور اگر سوار ہو تو وہ سواری پر اشارہ سے فرض نماز پڑھے گا خواہ قبلہ رخ ہو یا نہ ہو۔[1]
ائمہ احناف فرماتے ہیں کہ اس طرح کی صورت میں نماز وہ آدمی پڑھ سکتا ہے جو مطلوب ہو یعنی دشمن اس کا پیچھا کررہا ہو اور تعاقب میں ان کے پیچھے دوڑ رہا ہو احناف فرماتے ہیں کہ طالب کیلئے اس طرح نماز پڑھنا جائز نہیں، یعنی جو شخص دشمن کا پیچھا کررہا ہو اور دشمن آگے بھاگ رہا ہو اس حدیث سے معلوم ہو گیا کہ فرض نماز کتنی اہم چیز ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا کتنا اہم حکم ہے کہ اس حالت میں بھی نہیں چھوڑا جا سکتا ہے۔[2]
نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جہاد کتنا اہم حکم ہے کیونکہ عبادات کے سارے نقشے ٹوٹ جاتے ہیں لیکن جہاد کو موقوف یا موخر نہیں کیا جا سکتا۔
اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ فرض نماز ایک وقت میں مکرر نہیں پڑھی جا سکتی ورنہ امام الگ الگ دو دفعہ پڑھاتے۔
علماء لکھتے ہیں کہ صلوٰۃ خوف کی یہ صورت اس وقت ہے جبکہ کسی ایک امام کے پیچھے لوگ نماز پڑھنے پر اصرار کرتے ہوں اور دوسرے امام کے پیچھے نہیں پڑھتے ہوں جیسا حضور ﷺ کے زمانے میں تھا لیکن اگر الگ الگ اماموں کے پیچھے لوگ نماز پڑھتے ہوں تو پھر نماز خوف کی اس صورت کی ضرورت نہیں پڑے گی بہر حال یہ حدیث جزوی طور پر احناف کی دلیل ہے۔

نماز خوف کا ایک اور طریقہ

﴿۲﴾ وعن یَزِیْدِ بْنِ رُوْمَانَ عَنْ صَالِحِ بْنِ خَوَّاتٍ عَمَّنْ صَلّٰی مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ ذَاتِ الرِّقَاعِ صَلَاةَ الْخَوْفِ أَنَّ طَائِفَةً صَفَّتْ مَعَهُ وَطَائِفَةٌ وِجَاهَ الْعَدُوِّ فَصَلّٰى بِالَّتِيْ مَعَهُ رَكْعَةً ثُمَّ ثَبَتَ قَائِمًا وَأَتَمُّوْا لِأَنْفُسِهِمْ ثُمَّ انْصَرَفُوْا فَصَفُّوْا وِجَاهَ الْعَدُوِّ وَجَاءَتِ الطَّائِفَةُ الْأُخْرٰى فَصَلّٰى بِهِمُ الرَّكْعَةَ الَّتِيْ بَقِيَتْ مِنْ صَلَاتِهِ ثُمَّ ثَبَتَ جَالِسًا وَأَتَمُّوْا لِأَنْفُسِهِمْ ثُمَّ سَلَّمَ بِهِمْ.
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَأَخْرَجَ الْبُخَارِيُّ بِطَرِيْقٍ آخَرَ عَنِ الْقَاسِمِ عَنْ صَالِحِ بْنِ خَوَّاتٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ أَبِيْ حَثْمَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)[3]

ترجمہ: اور حضرت یزید ابن رومان حضرت صالح ابن خوات سے اور وہ اس شخص سے جس نے سرتاج دو عالم ﷺ کے ہمراہ ذات الرقاع کے دن نماز خوف پڑھی تھی (نماز خوف کا یہ طریقہ) نقل کرتے ہیں کہ (اس دن) ایک جماعت نے آنحضرت ﷺ کے ہمراہ (نماز کے لئے) صف بندی کی اور دوسری جماعت دشمن کے مقابل صف آراء ہوگئی۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اس جماعت کے ہمراہ جس نے آپ کے ساتھ ایک رکعت نماز پڑھی (ایک رکعت پوری کرکے) کھڑے رہے اور اس جماعت نے خود اپنی نماز پوری کی (یعنی دوسری رکعت اس جماعت نے خود تنہا پڑھی، پھر اس کے بعد یہ جماعت (نماز

[1] المرقات: ۳/۵۱۵ [2] المرقات: ۳/۵۱۵ [3] اخرجه البخاری: ۵/۱۳۵ و مسلم: ۲/۲۱۳

سے فارغ ہوکر) واپس ہوئی اور دشمن کے مقابل صف آراء ہوگئی اور وہ جماعت جو دشمن کے مقابل صف آراء تھی (نماز کے لئے) آئی چنانچہ آنحضرت ﷺ نے وہ دوسری رکعت جو باقی رہ گئی تھی اس جماعت کے ساتھ پڑھی اور (التحیات میں) بیٹھے رہے اور اس جماعت نے اپنی وہ پہلی رکعت جو باقی تھی اسے تنہا ادا کیا اور التحیات میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ شریک ہوگئی پھر آنحضرت ﷺ نے ان کے ساتھ سلام پھیرا۔" (بخاری ومسلم)

توضیح: "ذات الرقاع" یہ ایک غزوہ کا نام ہے جو ۵ھ میں واقع ہوا تھا۔[1]

"رقاع" کپڑے کے ٹکڑوں اور چھیتھڑوں کو کہتے ہیں چونکہ اس غزوہ میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس جوتے یا تھے نہیں یا پھٹ گئے تھے اور وہ ننگے پاؤں سفر کررہے تھے جس سے ان کے پاؤں زخمی ہوگئے اور ان میں سوراخ ہوگئے تب انہوں نے پاؤں پر کپڑوں کے چھیتھڑے باندھ لئے اس لئے اس غزوہ کا نام ذات الرقاع پڑ گیا۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ جس زمین پر مجاہدین سفر کررہے تھے اس زمین کے مختلف رنگ اور ٹکڑے تھے اس لئے اس غزوہ کو ذات الرقاع کہا گیا۔[2]

اس حدیث میں نماز خوف کا جو طریقہ مذکور ہے یہ امام مالک اور امام شافعی کے مسلک کے موافق ہے یہ حدیث ان کی دلیل ہے جیسا کہ اس سے پہلی حدیث احناف کی دلیل ہے اور حنابلہ کے ہاں سب طریقے جائز ہیں وہ فرماتے ہیں۔

لطف سجن دم بدم قہر سجن گاہ گاہ　　یہ بھی سجن واہ واہ وہ بھی سجن واہ واہ

نماز خوف کا ایک اور طریقہ اور آنحضرت ﷺ کی شجاعت

﴿۳﴾ وعن جابرٍ قَالَ أَقْبَلْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى إِذَا كُنَّا بِذَاتِ الرِّقَاعِ قَالَ كُنَّا إِذَا أَتَيْنَا عَلٰى شَجَرَةٍ ظَلِيْلَةٍ تَرَكْنَاهَا لِرَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَجَاءَ رَجُلٌ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَسَيْفُ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُعَلَّقٌ بِشَجَرَةٍ فَأَخَذَ سَيْفَ نَبِيِّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاخْتَرَطَهُ فَقَالَ لِرَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَخَافُنِيْ قَالَ لَا قَالَ فَمَنْ يَمْنَعُكَ مِنِّيْ قَالَ أَللهُ يَمْنَعُنِيْ مِنْكَ قَالَ فَتَهَدَّدَهُ أَصْحَابُ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَغَمَدَ السَّيْفَ وَعَلَّقَهُ قَالَ فَنُوْدِيَ بِالصَّلَاةِ فَصَلّٰى بِطَائِفَةٍ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ تَأَخَّرُوْا وَصَلّٰى بِالطَّائِفَةِ الْأُخْرٰى رَكْعَتَيْنِ قَالَ فَكَانَتْ لِرَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْبَعُ رَكَعَاتٍ وَلِلْقَوْمِ رَكْعَتَانِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[3]

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم سرتاج دوعالم ﷺ کے ہمراہ (جہاد کے لئے) روانہ ہوئے یہاں تک کہ ہم ذات الرقاع پہنچے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ہمارا قاعدہ یہ تھا کہ) جب ہمیں کوئی سایہ دار درخت ملتا تو ہم اسے

---

[1] المرقات: ۳/۵۱۸　[2] المرقات: ۳/۵۱۸　[3] اخرجه (مسلم وبخاری)

آنحضرت ﷺ کے واسطے چھوڑ دیتے تھے (تاکہ آپ اس کے سایہ میں استراحت فرمائیں چنانچہ ذات الرقاع میں ایسا ہی ہوا کہ آنحضرت ﷺ ایک سایہ دار درخت کے نیچے آرام فرمارہے تھے کہ ایک مشرک آیا اور اس نے آنحضرت ﷺ کی تلوار جو درخت سے لٹکی ہوئی تھی اتار کر نیام سے کھینچ لی (آنحضرت ﷺ کو اس کی خبر نہیں ہوئی کیونکہ یا تو آپ سو رہے تھے یا اس کی طرف سے مشغول تھے) اس نے آنحضرت ﷺ سے کہا کہ "کیا تم مجھ سے ڈرتے ہو؟" آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "نہیں" (میں تجھ سے کیوں ڈرنے لگوں کیونکہ میرے رب کے سوا دوسرا کوئی نہ مجھے نفع پہنچا سکتا ہے اور نہ نقصان) اس نے کہا کہ "پھر تمہیں مجھ سے کون بچائے گا؟" آپ نے فرمایا کہ "مجھے تجھ سے اللہ بچائے گا" جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ صحابہ نے (جب یہ دیکھا تو) اسے دھمکایا، اس نے تلوار نیام میں رکھ کر اس درخت سے لٹکا دی۔" حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ "پھر (ظہر یا عصر کی) نماز کے لئے اذان (اور تکبیر) کہی گئی چنانچہ آنحضرت ﷺ نے (پہلے) ایک جماعت کے ساتھ دو رکعتیں پڑھیں اور وہ جماعت (دو رکعت نماز پڑھ کر دشمن کے مقابلہ کے ارادہ سے) پیچھے ہٹ گئی، پھر آپ نے دوسری جماعت کے ساتھ دو رکعتیں پڑھیں۔" جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (اس طرح) آنحضرت ﷺ کی چار رکعتیں ہوئیں اور لوگوں کی دو دو رکعتیں ہوئیں۔" (بخاری و مسلم)

توضیح: "فاخترطه" اختراط تلوار کو نیام سے کھینچ کر نکالنے اور سونتنے کے معنی میں ہے۔ [1]

"قال لا" اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ اشجع العرب اور سب سے زیادہ بہادر تھے یہی وجہ ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ جیسے عرب کے بڑے بڑے بہادر حضور اکرم ﷺ پر ایمان لائے اور آپ کے تابع ہو گئے ورنہ طبیعت انسانی اس طرح واقع ہوئی ہے کہ بہادر آدمی کبھی بزدل آدمی کی تابعداری نہیں کرتا۔ [2]

علامہ واقدی رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ یہ مشرک جب عاجز آ گیا تو پھر مسلمان ہو گیا اور اس کی وجہ سے بہت سارے لوگ مسلمان ہو گئے لیکن ابوعوانہ وغیرہ جیسے محدثین فرماتے ہیں کہ یہ شخص مسلمان نہیں ہوا ہاں اس نے عہد کیا تھا کہ آئندہ مقابلہ نہیں کروں گا حضور اکرم ﷺ نے ان کو معاف کیا اور کوئی سزا نہیں دی۔

سوال: شیخ مظہر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نماز خوف کا یہ واقعہ بھی ذات الرقاع میں پیش آیا جس میں آنحضرت ﷺ نے چار رکعات نماز پڑھائی اور اس سے پہلے حدیث نمبر ۲ کا واقعہ بھی ذات الرقاع کا ہے حالانکہ وہاں دو رکعت صلوٰۃ خوف کا ذکر ہے یہ دونوں روایتوں میں تضاد ہے حالانکہ واقعہ ایک ہے۔ [3]

جواب: اس کا ایک جواب یہ ہے کہ شاید غزوۂ ذات الرقاع میں صلوٰۃ خوف کا واقعہ دو دفعہ پیش آیا تھا تو سہل بن حثمہ نے جس طریقہ کو بیان کیا ہے وہ فجر کی نماز پر محمول ہے اور زیر بحث حدیث میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے جس طریقہ کا ذکر فرمایا ہے شاید یہ ظہر یا عصر کی نماز پر محمول ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ دونوں روایتوں کا تعلق ایک جگہ یا ایک واقعہ سے نہیں ہے بلکہ الگ الگ غزوات پر محمول ہیں۔ [4]

یہاں دوسرا سوال یہ ہے کہ زیر بحث حدیث میں حضور اکرم ﷺ نے چار رکعتیں کیوں پڑھی؟ حالانکہ سفر میں دو رکعتیں

---

[1] المرقات: ۳/۵۲۰ [2] المرقات: ۳/۵۲۰ [3] المرقات: ۳/۵۲۱ [4] المرقات: ۳/۵۲۱

قصر کے ساتھ ہوتی ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ جہاں حضرت پاک ﷺ نے چار رکعتیں پڑھی ہیں وہ مقام قصر کا نہیں تھا۔ دوسرا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ اس وقت قصر کا حکم نازل نہ ہوا ہوگا۔

نمازخوف کا ایک اور طریقہ

﴿٤﴾ وعنه قَالَ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ الْخَوْفِ فَصَفَفْنَا خَلْفَهُ صَفَّيْنِ وَالْعَدُوُّ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ فَكَبَّرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَبَّرْنَا جَمِيْعًا ثُمَّ رَكَعَ وَرَكَعْنَا جَمِيْعًا ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوْعِ وَرَفَعْنَا جَمِيْعًا ثُمَّ انْحَدَرَ بِالسُّجُوْدِ وَالصَّفُّ الَّذِيْ يَلِيْهِ وَقَامَ الصَّفُّ الْمُؤَخَّرُ فِيْ نَحْرِ الْعَدُوِّ فَلَمَّا قَضَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السُّجُوْدَ وَقَامَ الصَّفُّ الَّذِيْ يَلِيْهِ انْحَدَرَ الصَّفُّ الْمُؤَخَّرُ بِالسُّجُوْدِ ثُمَّ قَامُوْا ثُمَّ تَقَدَّمَ الصَّفُّ الْمُؤَخَّرُ وَتَأَخَّرَ الْمُقَدَّمُ ثُمَّ رَكَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَكَعْنَا جَمِيْعًا ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوْعِ وَرَفَعْنَا جَمِيْعًا ثُمَّ انْحَدَرَ بِالسُّجُوْدِ وَالصَّفُّ الَّذِيْ يَلِيْهِ الَّذِيْ كَانَ مُؤَخَّرًا فِي الرَّكْعَةِ الْأُوْلٰى وَقَامَ الصَّفُّ الْمُؤَخَّرُ فِيْ نَحْرِ الْعَدُوِّ فَلَمَّا قَضَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السُّجُوْدَ وَالصَّفُّ الَّذِيْ يَلِيْهِ انْحَدَرَ الصَّفُّ الْمُؤَخَّرُ بِالسُّجُوْدِ فَسَجَدُوْا ثُمَّ سَلَّمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَسَلَّمْنَا جَمِيْعًا۔ (رواہ مسلم)[1]

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے ہمیں (ایک مرتبہ) نماز خوف پڑھائی، چنانچہ ہم نے آپ کے پیچھے دو صفیں باندھ لیں اور دشمن ہمارے اور ہمارے قبلہ کے درمیان تھا آپ نے تکبیر کہی ہم سب نے بھی (یعنی دونوں صفوں نے) تکبیر کہی، جب آپ نے (قرأت کے بعد) رکوع کیا تو ہم سب نے بھی رکوع کیا۔ پھر آپ نے رکوع سے سر اٹھایا تو ہم سب نے (دونوں صفوں نے) بھی (اپنے سر رکوع سے) اٹھائے، پھر آپ سجدہ کے لئے اس صف کے ساتھ جھکے جو آپ کے قریب تھی (یعنی پہلی صف) اور دوسری صف دشمن کے مقابلہ میں (قومہ ہی میں) کھڑی رہی پھر جب آپ سجدہ کر چکے اور آپ کے ساتھ وہ صف کھڑی ہوگئی (جو آپ کے قریب تھی یعنی پہلی صف) تو پچھلی صف والے سجدہ میں چلے گئے پھر یہ کھڑے ہوگئے۔ اس کے بعد اگلی صف پیچھے ہٹ آئی اور (پچھلی صف آگے بڑھ گئی پھر آنحضرت ﷺ نے قیام میں قرأت کی اور) رکوع کیا تو ہم سب نے بھی رکوع کیا۔ پھر آپ نے رکوع سے سر اٹھایا تو ہم سب نے بھی رکوع سے سر اٹھایا۔ پھر آنحضرت ﷺ سجدہ میں گئے اور وہ صف جو آپ کے قریب تھی اور پہلی رکعت میں پیچھے تھی آپ کے ساتھ سجدہ میں چلی گئی اور پچھلی صف (جو پہلی رکعت میں آگے تھی) دشمن کے مقابلہ میں کھڑی رہی، پھر جب آپ اور آپ کے قریب کی صف کے سب لوگ سجدہ سے فارغ ہو گئے تو پچھلی صف نے سجدہ کیا۔ پھر اس کے بعد آپ نے اور ہم سب نے (یعنی دونوں صفوں نے التحیات پڑھ کر) سلام پھیرا۔" (مسلم)

[1] اخرجه ومسلم: ۲/۲۱۳

توضیح: "والصف الذی یلیه" صلوٰۃ خوف کا یہ ایک اور طریقہ ہے اس میں صورت یہ تھی کہ دشمن قبلہ کی طرف تھا اب لشکر اسلام کے کسی حصہ کو کسی اور طرف متوجہ کرنے کی ضرورت نہیں تھی اس لئے تمام صحابہ کرام حضور اکرم ﷺ کے پیچھے نماز خوف میں قبلہ رخ کھڑے ہوگئے اسلحہ ساتھ تھا دشمن سمجھ رہا تھا کہ یہ لوگ سارے ہمارے مقابلے میں کھڑے ہیں رکوع تک تو تمام صحابہ ایک جیسے کھڑے تھے لیکن جب آنحضرت ﷺ رکوع میں چلے گئے تو اب صحابہ کی دو جماعتیں بن گئیں جو لوگ حضور ﷺ کے ساتھ والی صفوں میں تھے وہ تو حضور اکرم ﷺ کے ساتھ رکوع میں چلے گئے۔ مگر پچھلی صفوں والے صحابہ رضی اللہ عنہم کھڑے ہی رہے اور دشمن کو آنکھیں دکھا رہے تھے جب ایک رکعت مکمل ہوگئی تو جن لوگوں نے ایک رکعت پڑھی وہ پچھلی صفوں میں چلے گئے اور جو پیچھے تھے وہ آگے چلے گئے اور ایک رکعت حضور اکرم ﷺ کے ساتھ پڑھی اور پیچھے صفوں والے دشمن کے مقابلے میں کھڑے رہے جب حضور اکرم ﷺ کی نماز مکمل ہوگئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی بقیہ رکعت کو مکمل کرلیا۔[1]

اس طرح نماز خوف حضور اکرم ﷺ نے عسفان میں پڑھی ہے۔

الفصل الثانی

صلوٰۃ خوف کا ایک مخصوص طریقہ

﴿۵﴾ عَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّيْ بِالنَّاسِ صَلَاةَ الظُّهْرِ فِي الْخَوْفِ بِبَطْنِ نَخْلٍ فَصَلّٰى بِطَائِفَةٍ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ ثُمَّ جَاءَ بِطَائِفَةٍ اُخْرٰى فَصَلّٰى بِهِمْ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ.

(رواہ فی شرح السنة)[2]

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے مقام "بطن نخل" میں خوف کے وقت ظہر کی نماز پڑھی، چنانچہ آپ نے لوگوں کو (اس طرح) نماز پڑھائی کہ ایک جماعت کو دو رکعت پڑھا کر سلام پھیر دیا۔ پھر جب دوسری جماعت آئی تو اسے بھی دو رکعت نماز پڑھا کر سلام پھیر دیا۔" (شرح السنة)

توضیح: "بطن نخل" مکہ اور طائف کے درمیان ایک جگہ کا نام بطن نخل ہے۔

اس حدیث میں صلوٰۃ خوف کا جو طریقہ ہے یہ عجیب پیچیدہ طریقہ ہے حنفیہ کے لئے پیچیدگی یہ ہے کہ اس میں چار رکعات نماز خوف ہوئی ہے اگر یہ سفر کی نماز تھی تو چار رکعات کیوں ہوئی اور اگر حضر کی نماز تھی تو دو رکعتوں کے بعد سلام کیوں پھیرا گیا؟۔

شوافع حضرات کے لئے تو کوئی پریشانی نہیں کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے دو رکعتیں قصر کی پڑھیں لوگوں کے ایک طائفہ نے آپ کی اقتدا کی پھر آپ نے دو رکعت نفل پڑھی ایک طائفہ نے آپ کے پیچھے دو رکعت فرض پڑھیں

[1] المرقات: ۳/۵۲۸ [2] اخرجه

اور متنفل کے پیچھے مفترض کی نماز درست ہے لہٰذا کوئی پریشانی نہیں ہے۔
ائمہ احناف فرماتے ہیں کہ یہ نماز نہ سفر کی نماز تھی اور نہ مفترض کی نماز متنفل کے پیچھے تھی بلکہ یہ حضر کی نماز تھی پھر اس میں دو رکعتوں پر جو سلام پھیرا گیا ہے احناف فرماتے ہیں کہ یہ حضور اکرم ﷺ کی خصوصیت تھی دوسروں کے لئے جائز نہیں ہے۔
دوسرا جواب یہ کہ صلوٰۃ خوف کے سولہ یا چوبیس طریقوں میں ایک طریقہ یہ بھی ہے جو معمول بہ نہیں ہے جیسا کہ ابتداء میں لکھا جا چکا ہے۔
امام طحاوی رحمہ اللہ نے اس حدیث کی بہت اچھی توجیہ فرمائی ہے وہ فرماتے ہیں کہ یہ اس وقت کی بات ہے جبکہ ایک فرض کی نماز دو مرتبہ پڑھی جا سکتی تھی لہٰذا اب اشکال نہیں رہا۔

الفصل الثالث

نماز خوف کا ایک اور طریقہ

﴿٦﴾ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَزَلَ بَيْنَ ضَجْنَانَ وَعُسْفَانَ فَقَالَ الْمُشْرِكُوْنَ لِهٰؤُلَاءِ صَلَاةٌ هِيَ أَحَبُّ اِلَيْهِمْ مِنْ آبَائِهِمْ وَأَبْنَائِهِمْ وَهِيَ الْعَصْرُ فَأَجْمِعُوْا أَمْرَكُمْ فَتَمِيْلُوْا عَلَيْهِمْ مَيْلَةً وَاحِدَةً وَاِنَّ جِبْرِيْلَ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَمَرَهُ أَنْ يُقَسِّمَ أَصْحَابَهُ شَطْرَيْنِ فَيُصَلِّيَ بِهِمْ وَتَقُوْمُ طَائِفَةٌ أُخْرٰى وَرَاءَهُمْ وَلْيَأْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ فَتَكُوْنُ لَهُمْ رَكْعَةٌ وَلِرَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَانِ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ)[1]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ (جہاد کے لئے) ضجنان اور عُسفان کے درمیان اترے تو مشرک (آپس میں) کہنے لگے کہ مسلمانوں کی ایک نماز ہے جو ان کے نزدیک ان کے باپ اور بیٹے سے بھی زیادہ محبوب ہے اور وہ نماز عصر ہے چنانچہ تم اپنے مقصد (یعنی جنگ) کے لئے تیار ہو جاؤ اور (جب مسلمان اس نماز میں مصروف ہوں تو) ان پر یکبارگی حملہ کر دو۔ جب ہی آپ کے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور فرمایا کہ "آپ اپنے اصحاب کو دو حصوں میں تقسیم کر دیں۔ ایک حصہ کو تو نماز پڑھائیں اور دوسرا حصہ ان کے پیچھے (دشمن کے خطرناک ارادوں کا جواب دینے کے لئے) کھڑا رہے (اسی طرح دوسرے حصہ کو نماز پڑھائیں تو پہلا حصہ دشمن کے مدمقابل رہے۔ نیز تمام نمازیوں کو) چاہئے کہ اپنے دفاع کا سامان یعنی سپر اور ہتھیار وغیرہ اپنے پاس رکھیں۔ اس طرح لوگوں کی تو (امام کے ساتھ) ایک ایک رکعت ہو جائے گی اور آنحضرت ﷺ کی دو رکعتیں۔" (ترمذی ونسائی)

[1] اخرجه الترمذی: ۳۰۳۵ والنسائی: ۳/۱۷۴

توضیح: "فقال المشرکون" اس حدیث میں نمازخوف کی ابتداء اور اس کی مشروعیت اور اس کی ضرورت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ کس مجبوری سے کس وقت کہاں پر یہ نماز مشروع اور پھر شروع ہوئی تھی۔[1]

"ضجنان" مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک پہاڑ کا نام ہے اور عسفان مکہ اور جدہ کے درمیان ایک علاقہ کا نام ہے عین پر ضمہ ہے سین ساکن ہے۔[2]

بہرحال صلوٰۃ خوف کے اس پورے منظر اور پوری بحث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جہاد اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فریضہ ہے اور اس کے قیام سے باقی فرائض کی حفاظت ہوتی ہے لہٰذا اس کو ہر حالت میں قائم رکھا جائے گا خواہ اس کی وجہ سے دیگر عبادات کے نقشے بدل کیوں نہ جائیں۔ چنانچہ نماز کے پڑھنے کے نقشے بدل گئے نماز کے اوقات کے نقشے بدل گئے جیسا خندق میں ہوا صوم کے نقشے بدل گئے مگر جہاد کو باقی رکھا گیا آج مسلمان سب کچھ کے لئے تیار ہیں مگر جہاد کے لئے نہیں اور کفار تمام عبادات کی مراعات و اجازت دینے کے لئے تیار بلکہ کوشاں ہیں لیکن جہاد کی قطعاً کوئی گنجائش اور اجازت دینے کے لئے تیار نہیں۔

[1] المرقات: ۳/۵۲۷ [2] المرقات: ۳/۵۲۷

مورخہ ۲۴ جمادی الاول ۱۴۱۰ھ

باب صلوٰۃ العیدین

عیدین کی نماز کا بیان

قال اللہ تعالیٰ ﴿اللّٰھم انزل علینا مائدۃ من السمآء تکون لنا عیدا لاولنا واٰخرنا﴾ (مائدہ)[1]

وقال اللہ تعالیٰ ﴿فصل لربك وانحر﴾[2]

وقال اللہ تعالیٰ ﴿ولتکبروا اللہ علی ماھدٰکم﴾[3]

رسول اللہ ﷺ نے جب مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی تو آپ نے وہاں دیکھا کہ لوگ ایک دن خوشی منا رہے تھے حضور اکرم ﷺ نے پوچھا یہ کیا دن ہے جس میں تم کھیلتے ہو اور خوشی مناتے ہو؟ انہوں نے جواب میں بتایا کہ اسلام سے پہلے ہم ان دو دنوں یعنی نیروز اور مہرجان میں جاہلیت کے زمانے میں کھیلتے اور خوشی منایا کرتے تھے اس پر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اب اللہ تعالیٰ نے تمہارے ان دو دنوں کے بدلے میں تم کو بہتر دو دن عطا کیے ان میں سے ایک عید الفطر کا دن ہے اور ایک عید الاضحیٰ کا دن ہے۔

یہ تفصیل فصل الثانی کی پہلی حدیث نمبر ۱۴ میں موجود ہے۔

اسلام چونکہ کامل و مکمل بلکہ اکمل مذہب ہے اس لئے اس میں خوشی اور غم کے تمام قواعد اور احکام موجود ہیں چنانچہ دنیا کے لوگ کوئی دیوالی کے موقع پر خوشی مناتے ہیں کوئی کرسمس کے دن کوئی دیگر ناموں سے دیگر ایام میں خوشیوں کا اہتمام کرتے ہیں اسلام میں بھی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو سال بھر میں دو دن خوشی کے عطا فرمائے۔

لیکن اسلام نے مسلمانوں کو جو عیدیں عطا فرمائی ہیں وہ دیگر اقوام کی عیدوں کی طرح نہیں ہیں جس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں ہوتی ہیں عیاشیاں اور بدمعاشیاں ہوتی ہیں اور غفلت کا پورا انتظام ہوتا ہے مسلمانوں کی عید کی ابتداء اطاعت خداوندی سے ہوتی ہے جس میں صبح صبح سارے مسلمان ایک جان ایک زبان ہو کر اللہ تعالیٰ کے گھروں مساجد کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور اپنے مذہبی پیشواؤں سے خوشی منانے اور خوشی اپنانے کی ہدایت ورہنمائی کی باتیں سنتے ہیں پھر نماز عید پڑھتے ہیں اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں ایک دوسرے کی تقصیرات کو معاف کرتے ہیں۔ محبت کا اظہار کرتے ہیں بڑوں کا احترام کرتے ہیں قبرستانوں میں اپنے مرحومین کے ایصال ثواب کے لئے جا کر دعا کرتے ہیں پھر شرعی حدود میں رہ کر دن بھر اپنی خوشی مناتے ہیں کیونکہ یہ دونوں تاریخی دن ہیں۔

---

[1] اللھم انزلنا علینا مائدہ　[2] فصل لربك وانحر　[3] والتکبیر واللہ علی

عیدالفطر کے دن مسلمان اس لئے خوشی مناتے ہیں کہ اس سے پہلے پورے رمضان میں مسلمانوں نے روزے رکھے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ایک مشکل عبادت کو پورا کیا۔

اب ان کو خوشی کی اجازت دی گئی کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کا حکم پورا کیا اب اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں۔

عیدالاضحیٰ میں مسلمانوں کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بڑی قربانی کو بطور یادگار اپنانے کا حکم دیا گیا تا کہ مسلمان اپنے بزرگوں اور مذہبی پیشواؤں سے وابستہ رہیں اور جس طرح ان کے مذہبی پیشوا ایک بڑے امتحان میں کامیاب ہو گئے اور انہوں نے اللہ کا شکر ادا کیا اور خوشی کا اظہار کیا اسی طرح ان کے پیروکار بھی اللہ کو راضی کرنے کے لئے اور قربانی دینے کی عادت ڈالنے کے لئے قربانی کریں اور اس میں کامیاب ہونے پر اس دن میں شرعی حدود میں رہ کر خوشی منائیں۔

خلاصہ یہ کہ مسلمانوں کی عید دنگل وفساد اور بدتمیزی کا نام نہیں جیسا دوسری قوموں میں ہوتا ہے بلکہ یہ سنجیدگی عظمت ووقار و ہمدردی وخیر خواہی اور اطاعت شعاری وخدمت گذاری کا نام ہے اور اپنے شعائر اسلام کے ساتھ وابستگی کا ایک بھرپور مظاہرہ ہے مسلمان اس موقع پر یہ نعرہ لگا سکتے ہیں۔

من معشر سنت لهم آباء هم ولكل قوم سنة وامامها

ہم وہ لوگ ہیں کہ ہمارے بزرگوں نے ہمارے لئے اچھے طریقے بنا کر دیے ہیں اور ہر قوم کے کچھ اچھے طریقے اور اس کے بزرگ ہوتے ہیں۔

"العیدین" چونکہ سال میں دو عیدیں ہوتی ہیں اس لئے تثنیہ کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔ عید عود سے ہے لغوی طور پر عود لوٹنے کے معنی میں ہے اب عید کو عید اس لئے کہتے ہیں کہ یہ ہر سال لوٹ کر آتی ہے جس طرح ایک شاعر نے کہا:

عيد وعيد وعيد اجتمعا وجه الحبيب ويوم العيد والجمعا

مگر یہ معنی عید کی تخصیص پر دلالت کرتا ہے کیونکہ سال میں لوٹ کر آنے والی چیزیں تو اور بھی بہت ہیں اس لئے عید کے مفہوم میں خوشی اور سرور کو داخل مانا گیا ہے یعنی عید عود سے ہے کیونکہ یہ ہر سال نئی خوشیاں لیکر آتی ہے۔

شاعر ساحر کہتا ہے ؎

عيد بأية حال عدت ياعيد بما مضى ام بأمر فيك تجديد

یعنی کوئی نئی خوشی لیکر عید بن کر آ رہی ہو یا وہی پرانی چیزیں دہرا کر آ رہی ہو۔

نماز عید کی شرعی حیثیت

امام مالک امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک عیدین کی نماز سنت مؤکدہ ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ کا ایک قول فرض کفایہ کا بھی ہے؟ صاحبین بھی سنت مؤکدہ کے قائل ہیں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک عیدین کی نماز واجب ہے۔[1]

[1] المرقات: ۳/۵۲۹

دلائل:

جمہور کی دلیل ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جس میں یہ الفاظ ہیں "الا ان تطوع" یعنی پانچ نمازوں کے علاوہ سب تطوع اور سنت ہیں۔

جمہور کی دوسری دلیل یہ ہے کہ عید کی نماز کے لئے اذان نہیں اقامت نہیں یہ سنت ہونے کی دلیل ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی پہلی دلیل ﴿ولتکبروا اللہ علی ما ھداکم﴾[1] قرآن کی آیت ہے اس آیت کا مصداق تکبیرات صلوٰۃ عید ہیں جب تکبیرات کو امر کے صیغہ سے واجب قرار دیا گیا تو تکبیرات پر مشتمل نماز عید بھی واجب ہوگئی۔

اسی طرح ﴿فصل لربك وانحر﴾[2] میں بھی صلوٰۃ العید مراد ہے اور امر وجوب کے لئے ہے لہٰذا یہ نماز واجب ہے یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری دلیل ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تیسری دلیل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مواظبت ہے کہ آپ نے مدۃ العمر عیدین کی نماز پڑھی ہے اور کبھی ترک نہیں کیا مواظبت من غیر ترک بھی وجوب کی دلیل ہے نیز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اس کے بعد پوری امت نے عیدین کی نمازوں پر مواظبت فرمائی ہے یہ وجوب کی دلیل ہے۔

جواب: ائمہ ثلاثہ نے جس حدیث سے استدلال کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ وہ ابتداء زمانہ کی بات ہے اس وقت تک عید کا وجوب نہیں ہوا تھا یا یہ کہ اس حدیث میں فرائض قطعیہ کی بات ہے عیدین کو ہم فرض قطعی نہیں کہتے بلکہ واجب کہتے ہیں باقی اذان فرض اعتقادی کے لئے ہوتی ہے عید کی نماز فرض اعتقادی نہیں بلکہ فرض عملی یعنی واجب ہے۔

یا یہ جواب ہے کہ داعیہ کے موجود ہونے کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان و اقامت نہیں دلوائی آپ کا عدم عمل عدم جواز کی دلیل ہے عید کے وجوب سے اذان کا کوئی تعلق نہیں ہے نہ کسی حدیث میں اذان کی ممانعت ہے۔

الفصل الاول

عیدین کی نماز عیدگاہ میں ہو

﴿۱﴾ عن أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ يَوْمَ الْفِطْرِ وَالْأَضْحَى إِلَى الْمُصَلَّى فَأَوَّلُ شَيْءٍ يَبْدَأُ بِهِ الصَّلَاةُ ثُمَّ يَنْصَرِفُ فَيَقُومُ مُقَابِلَ النَّاسِ وَالنَّاسُ جُلُوسٌ عَلَى صُفُوفِهِمْ فَيَعِظُهُمْ وَيُوصِيهِمْ وَيَأْمُرُهُمْ وَإِنْ كَانَ يُرِيدُ أَنْ يَقْطَعَ بَعْثًا قَطَعَهُ أَوْ يَأْمُرَ بِشَيْءٍ أَمَرَ بِهِ ثُمَّ يَنْصَرِفُ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[3]

---

[1] ولتکبروا اللہ علی ما ھداکم [2] کوثر فصل لربك وانحر [3] اخرجه البخاری: ۲/۲۲ ومسلم: ۳/۲۰

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ (جب) عید الفطر اور عید الاضحیٰ (کی نماز) کے لئے تشریف لاتے تو (وہاں) سب سے پہلا یہ کام کرتے کہ (خطبہ سے پہلے) نماز ادا فرماتے، پھر نماز سے فارغ ہوتے اور لوگوں کے سامنے کھڑے ہوتے اور لوگ اپنی صفوں پر بیٹھے رہتے چنانچہ آپ ان کو وعظ و نصیحت فرماتے وصیت کرتے اور احکام صادر فرماتے، اگر (جہاد کے لئے) کہیں کوئی لشکر بھیجنا ہوتا تو اس کی روانگی کا حکم فرماتے اس طرح اگر لوگوں کے معاملات و مقدمات کے بارے میں کوئی حکم دینا ہوتا تو حکم صادر فرماتے پھر (گھر) واپس تشریف لے آتے۔" (بخاری ومسلم)

توضیح: "الی المصلی" عید کی نماز کی افضلیت عیدگاہ میں ہے بوجہ مجبوری مسجد میں جائز ہے آج کل دو مجبوریاں درپیش ہیں ایک یہ کہ لوگ اتنے زیادہ ہوگئے ہیں کہ مسجدوں کے علاوہ سب کے لئے اجتماعی جگہ مہیا نہیں اور اگر جگہ مہیا ہو بھی جائے تو آج کل [1] مسلمان اتنے فتنوں کے شکار ہو چکے ہیں کہ ان کے آپس میں ایک دوسرے سے بعد بھی پیدا ہو گیا ہے اور عقائد بھی بگڑ گئے ہیں بدعتیوں بریلیوں اور دیوبندیوں اور غیر مقلدین کے الگ الگ عقائد ہیں اس لئے بعد کے ساتھ ساتھ بغض بھی پیدا ہو گیا ہے۔

اب کسی بریلوی امام کے پیچھے ہم دیوبندی نہیں پڑھ سکتے تو وہ ہمارے پیچھے بھی نہیں پڑھتے لہٰذا اپنے اپنے مسلک کی مسجدوں میں جا کر پڑھتے ہیں۔

"**ثم ینصرف**" جمعہ کا خطبہ فرض ہے عیدین کے خطبے سنت ہیں دوسرا فرق یہ کہ جمعہ کا خطبہ نماز سے پہلے ہے عیدین کا خطبہ بعد میں ہے۔ [2]

"**بعثا قطع**" لشکر بھیجنے کو بعث کہتے ہیں جمعہ وعیدین کے اہم مقاصد میں سے ایک مقصد یہ بھی ہے کہ چونکہ مسلمانوں پر جہاد ہر وقت فرض ہے اور جمعہ وعیدین میں مختلف لوگ حاضر ہو کر اجتماع بن جاتا ہے تو آنحضرت ﷺ اس اجتماع کے موقع پر اگر ضرورت محسوس فرماتے تو جہاد کے لئے دستے روانہ کرتے، آج کل مسلمانوں کے اجتماعات سے سہ روزہ چلہ اور سال کی جماعتوں کو نکالا جاتا ہے اور اس پر فخر کرتے ہیں اور جہاد کے نام سے کانپ جاتے ہیں اس کے قریب نہیں جاتے بلکہ کبھی انکار کر جاتے ہیں۔ **فیا اسفی علی ما فرطنا فی جنب الله۔** [3]

عیدین کی نماز میں اذان نہیں ہوتی

﴿۲﴾ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِيْدَيْنِ غَيْرَ مَرَّةٍ وَلَا مَرَّتَيْنِ بِغَيْرِ أَذَانٍ وَلَا إِقَامَةٍ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) [4]

ترجمہ: اور حضرت جابر ابن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سرتاج دو عالم ﷺ کے ہمراہ عید الفطر و بقر عید کی نماز بغیر اذان و تکبیر کے ایک دو مرتبہ نہیں (بلکہ بہت مرتبہ) پڑھی ہے۔" (مسلم)

[1] المرقات: ۳/۵۲۹ [2] المرقات: ۳/۵۲۹، ۵۳۰ [3] المرقات: ۳/۵۳۰ [4] اخرجه مسلم: ۳/۱۹

توضیح: چونکہ لوگوں کے بلانے کے لئے داعیہ موجود تھا اور داعیہ کی ضرورت کے باوجود حضور اکرم ﷺ نے اذان نہیں دلوائی تو آپ کا عدم فعل عدم جواز کی دلیل ہے ورنہ کسی قولی حدیث میں نہیں کہ اذان منع ہے۔ [۱]

اسی طرح عیدگاہ میں صبح کے وقت چاشت یا اشراق کی نماز بھی جائز نہیں نہ نماز عید سے پہلے جائز ہے اور نہ بعد میں جائز ہے ہاں عید کے بعد گھر میں پڑھنا جائز ہے۔

عیدین کا خطبہ نماز عید کے بعد ہے

﴿۳﴾ وعن ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبُوْ بَكْرٍ وَعُمَرُ يُصَلُّوْنَ الْعِيْدَيْنِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) [۲]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما عیدین کی نماز خطبہ سے پہلے پڑھتے تھے۔ (بخاری ومسلم)

اسلام کی آبیاری میں عورتوں کے زیورات بھی لگے ہیں

﴿۴﴾ وَسُئِلَ ابْنُ عَبَّاسٍ أَشَهِدْتَّ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِيْدَ قَالَ نَعَمْ خَرَجَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰى ثُمَّ خَطَبَ وَلَمْ يَذْكُرْ أَذَانًا وَلَا إِقَامَةً ثُمَّ أَتَى النِّسَاءَ فَوَعَظَهُنَّ وَذَكَّرَهُنَّ وَأَمَرَهُنَّ بِالصَّدَقَةِ فَرَأَيْتُهُنَّ يُهْوِيْنَ إِلٰى أَذَانِهِنَّ وَحُلُوْقِهِنَّ يَدْفَعْنَ إِلٰى بِلَالٍ ثُمَّ ارْتَفَعَ هُوَ وَبِلَالٌ إِلٰى بَيْتِهِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) [۳]

ترجمہ: (مروی ہے کہ ایک مرتبہ) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ کیا آپ سرتاج دو عالم ﷺ کے ہمراہ عید میں شریک ہوئے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ "ہاں" (پھر انہوں نے یہ تفصیل بیان کی کہ) آنحضرت ﷺ (عیدگاہ) تشریف لے گئے چنانچہ آپ نے وہاں عید کی نماز پڑھی پھر خطبہ ارشاد فرمایا۔" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے (آنحضرت ﷺ کی نماز تفصیل سے بیان کرنے کے دوران) تکبیر واذان کا ذکر نہیں کیا۔" (پھر انہوں نے فرمایا کہ) اس کے بعد آپ ﷺ عورتوں کی جماعت کی طرف آئے، ساتھ میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ بھی تھے آپ نے عورتوں کو نصیحت فرمائی، دین کے احکام یاد کرائے، ثواب وعذاب کے بارے میں بتایا اور ان کو صدقہ (یعنی صدقہ فطر وزکوٰۃ یا محض اللہ کے نام پر) دینے کا حکم فرمایا، چنانچہ میں نے عورتوں کو دیکھا کہ وہ اپنے ہاتھ اپنے کانوں اور گلوں کی طرف (زیور اتارنے کے لئے) بڑھاتی تھیں اور کانوں اور گلوں کے زیور (اتار اتار کر) حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے حوالہ کر رہی تھیں (تاکہ وہ ان کی طرف سے فقراء ومساکین کو تقسیم کردیں) پھر اس کے بعد آنحضرت ﷺ

[۱] المرقات: ۳/۵۳۱ [۲] اخرجه البخاري: ۲/۲۲، ۲/۲۳ ومسلم: ۳/۲۰ [۳] اخرجه البخاري: ۱/۳۵، ۲/۱۴۴ ومسلم: ۳/۱۸

اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ گھر تشریف لے آئے۔ (بخاری)

توضیح: "یھوین" یہ صیغہ ضرب یضرب سے جمع مؤنث کا صیغہ ہے جھکنے اور ٹیڑھا ہونے کے معنی میں ہے مراد کانوں کی بالیوں کی طرف ہاتھ بڑھانا ہے۔علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس صیغہ کو باب افعال سے جمع مؤنث کا صیغہ قرار دیا ہے مگر شیخ عبدالحق نے دونوں ابواب سے قرار دیا ہے لیکن ضرب سے یھوین کے یاء پر فتحہ ہوگا۔[1]

"حلوقھن" حلق کی جمع ہے اس سے گلے مراد ہیں۔[2]

علماء نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ عورتوں کے لئے کانوں کا چھیدنا جائز ہے کیونکہ اگر کان چھیدنا جائز نہ تھا تو صحابیات نے چھید کر کانوں میں زیورات کیسے استعمال کئے؟ اسی طرح ایک روایت میں ناک چھیدنے کا ذکر بھی ملتا ہے لہٰذا وہ بھی جائز ہے۔[3]

نماز عید سے پہلے یا بعد میں نفل پڑھنا منع ہے

﴿۵﴾ وعن ابنِ عبَّاسٍ أنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى يَوْمَ الْفِطْرِ رَكْعَتَيْنِ لَمْ يُصَلِّ قَبْلَهُمَا وَلَا بَعْدَهُمَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[4]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عید الفطر کے دن (نماز عید کی) دو رکعتیں پڑھیں نہ تو آپ نے ان سے پہلے (نفل) نماز پڑھی اور نہ بعد میں۔" (بخاری ومسلم)

توضیح: "قبلھما" یعنی عیدگاہ جانے سے پہلے تو نفل نہ مسجد میں جائز ہے نہ گھر میں جائز ہے نہ عیدگاہ میں جائز ہے اور نماز عید کے بعد عیدگاہ میں پڑھنا مکروہ ہے مگر گھر میں آکر پڑھ سکتے ہیں دلیل یہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں پڑھے۔[5]

عید کی نماز میں عورتوں کی شرکت کا مسئلہ

﴿۶﴾ وعن أُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ أُمِرْنَا أَنْ نُخْرِجَ الْحُيَّضَ يَوْمَ الْعِيدَيْنِ وَذَوَاتِ الْخُدُورِ فَيَشْهَدْنَ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِينَ وَدَعْوَتَهُمْ وَتَعْتَزِلُ الْحُيَّضُ عَنْ مُصَلَّاهُنَّ قَالَتِ امْرَأَةٌ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِحْدَانَا لَيْسَ لَهَا جِلْبَابٌ قَالَ لِتُلْبِسْهَا صَاحِبَتُهَا مِنْ جِلْبَابِهَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[6]

ترجمہ: اور حضرت ام عطیہ فرماتی ہیں کہ ہمیں حکم دیا گیا تھا کہ ہم عید و بقرعید کے دن ان عورتوں کو (بھی) جو ایام والی ہوں (یعنی جو ایام سے ہوں یا یہ کہ جو بالغ ہوں) اور ان عورتوں کو (بھی) جو پردہ نشین ہوں عیدگاہ لے چلیں اور یہ سب مسلمانوں کی

[1] اشعۃ اللمعات [2] المرقات: ۳/۵۳۳ [3] المرقات: ۳/۵۳۳ [4] اخرجه البخاری: ۲/۲۳، ۲/۳۰، ۲/۱۴۰، ۲/۲۰۳، ۷/۲۰۴، ۷/۲۰۴، ومسلم: ۳/۲۱

[5] المرقات: ۳/۵۳۳ [6] اخرجه البخاری: ۱/۹۹، ۲/۲۶، ۲/۲۷ ومسلم: ۳/۲۰

جماعت اور دعا میں شریک ہوں۔ نیز جب عورتیں ایام سے ہوں وہ نماز پڑھنے کی جگہ سے الگ رہیں۔ ایک عورت نے عرض کیا کہ "یارسول اللہ! ہم میں سے جس کے پاس چادر نہیں (وہ کیا کرے)" آپ نے فرمایا کہ اسے ساتھ والی اپنی چادر اوڑھا دے۔"

(بخاری ومسلم)

توضیح: "الحیض" حا پر ضمہ ہے اور یا مشدد پر فتحہ ہے یہ حائض کی جمع ہے ماہواری میں مبتلا عورت کو کہا جاتا ہے اور بالغہ عورت پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔[1]

"ذوات الخدور" گھر کے اندر پردہ والے کمرہ کو خدر بکسر الخاء کہتے ہیں مراد پردہ نشین عورتیں ہیں۔[2]

"ودعوتھم" معلوم ہوا مسلمانوں کے اجتماع میں عام مسلمانوں، مردوں عورتوں اور سرحدات پر برسر پیکار مجاہدین کو دعاؤں میں یاد کیا جاتا ہے۔[3]

"جلباب" یہ بڑی چادر کو کہتے ہیں معزز خواتین اس کو پہنتی ہیں یہ سر سے پاؤں تک ہوتی ہے بھاری کپڑے سے بنائی جاتی ہے سیاہ رنگ کا کپڑا ہوتا ہے اس کے کناروں میں سرخ پٹی ہوتی ہے اور عورت اس میں پوری لپٹی ہوتی ہے۔[4]

سوال: اس حدیث سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ خواتین اسلام عیدین کی نمازوں میں عیدگاہ میں نماز کے لئے جایا کرتی تھیں اب علماء کیوں اجازت نہیں دیتے ہیں؟۔

جواب: حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں احکام اسلام کا نزول ہوتا تھا مردوں کی طرح عورتوں کو احکام سیکھنے کی ضرورت تھی لوگوں کا ہجوم کم ہوتا تھا وحی کے نزول کی برکات عام تھیں جبرئیل امین کا مدینہ منورہ کی مقدس سرزمین میں آنا جانا ہوتا تھا حضور اکرم ﷺ کا وجود مبارک موجود تھا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مقدس جماعت تھی اور تمام احتیاطی تدابیر کے بعد عورتوں کو عام نمازوں اور عیدین کی نمازوں میں شرکت کی اجازت تھی پھر صحابہ ہی کے دور میں اس پر پابندی عائد ہوگئی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ممانعت کی حمایت فرمائی اس لئے علماء نے مساجد و عیدگاہ میں عورتوں کے جانے کو بوجہ فساد زمانہ غیر مستحب قرار دیا اس کے باوجود اگر اب بھی کسی مقام میں پردے کا مکمل انتظام ہو تو اس کو بالکل ممنوع نہیں کہا جاسکتا ہے طالبان افغانستان کے مبارک دور میں قندھار کی عیدگاہ میں لاکھوں انسانوں کے اجتماع میں ہزاروں عورتیں بھی حاضر ہوتی تھیں۔ عیدگاہ کا ایک حصہ مصلی النساء کے نام سے مشہور تھا مکمل پردے کا انتظام تھا محسوس بھی نہیں ہوتا تھا کہ مستورات بھی شامل ہو رہی ہیں اب معلوم نہیں کہ کیا حال ہے کیونکہ دنیا کے کفار اکٹھے ہوگئے اور انہوں نے اپنے ساتھ مسلمان منافق حکمرانوں کو شامل کیا اور اس مبارک نظام کو ختم کر دیا جن لوگوں نے طالبان گرانے میں کفار کا ساتھ دیا ہے اللہ تعالیٰ ان پر کروڑ ہا لعنتیں نازل فرمائے۔ اور ان کو دنیا و آخرت میں ذلیل و خوار فرما دے۔[5]

بہر حال عورتوں کا مسجدوں میں نماز کے لئے جانے یا نہ جانے کا مسئلہ اس سے پہلے باب الجماعۃ میں تفصیل سے لکھا جاچکا ہے۔

---

[1] المرقات: ۳/۵۳۴، ۵۳۵ [2] المرقات: ۳/۵۳۵ [3] المرقات: ۳/۵۳۵ [4] المرقات: ۳/۵۳۶ [5] ....

عیدین کے موقع پر نغمہ وسرود کا حکم

﴿۷﴾ وعن عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ أَبَابَكْرٍ دَخَلَ عَلَيْهَا وَعِنْدَهَا جَارِيَتَانِ فِيْ أَيَّامِ مِنًا تُدَفِّفَانِ وَتَضْرِبَانِ وَفِيْ رِوَايَةٍ تُغَنِّيَانِ بِمَا تَقَاوَلَتِ الْأَنْصَارُ يَوْمَ بُعَاثٍ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَغَشٍّ بِثَوْبِهِ فَانْتَهَرَهُمَا أَبُوْ بَكْرٍ فَكَشَفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ وَجْهِهِ فَقَالَ دَعْهُمَا يَا أَبَابَكْرٍ فَإِنَّهَا أَيَّامُ عِيْدٍ، وَفِيْ رِوَايَةٍ يَا أَبَابَكْرٍ اِنَّ لِكُلِّ قَوْمٍ عِيْدًا وَهٰذَا عِيْدُنَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ "ایام منیٰ میں (یعنی جن دنوں حجاج منیٰ میں قیام کرتے ہیں اور جو ایام تشریق کہلاتے ہیں انہیں میں سے بقرعید کے دن یا اس کے بعد کے دنوں میں) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میرے پاس تشریف لائے جبکہ اس وقت میرے پاس (انصار کی لڑکیوں میں سے) دو چھوکریاں بیٹھی ہوئی دف بجا رہی تھیں۔" ایک دوسری روایت میں (ان الفاظ کے بجائے) یہ الفاظ ہیں کہ "چھوکریاں (اشعار) گا رہی تھیں جو انصار نے بعاث (کی جنگ کے متعلق) کہے تھے اور آنحضرت ﷺ (اس وقت) منہ پر کپڑا ڈالے ہوئے (لیٹے) تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان چھوکریوں کو دھمکانے لگے (یعنی انہیں گانے بجانے سے منع فرمایا) آنحضرت ﷺ نے اپنا منہ کھولا اور فرمایا کہ "ابوبکر انہیں چھوڑ دو (کچھ نہ کہو) کیونکہ یہ عید (یعنی خوشی) کے دن ہیں۔" ایک اور روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا "ابوبکر! ہر قوم کی عید ہوتی ہے یہ ہماری عید ہے۔" (بخاری ومسلم)

توضیح: "ایام منی" یہ ایام تشریق اور منٰی میں جمرات کے مارنے کے ایام کا ذکر ہے کہ ان دنوں میں دو بچیاں دف بجا رہی تھیں اور حضور ﷺ خاموش تھے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آئے اور ان کو ڈانٹا حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ چھوڑ دو یہ عید کے ایام ہیں۔[2]

اب مسئلہ اس طرح ہے کہ ایک صرف زبان سے اشعار کا پڑھنا ہے وہ ایسا معاملہ ہے کہ اگر اشعار اچھے ہیں تو پڑھنا اچھا ہے اگر اشعار قبیح ہیں تو پڑھنا قبیح ہے گویا اشعار باتوں کی طرح چیز ہے "**فحسنه حسن وقبيحه قبيح**" دوسرا اشعار کے ساتھ اگر باجے گاجے ہوں سارنگیاں ہوں بانسریاں ستار اور رباب ہو ہارمونیم اور میوزک ہوں تو اس کے حرام ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے "**الغناء حرام في الاديان كلها**" ایک اور حدیث ہے "**الغناء ينبت النفاق في القلب كما ينبت الماء البقل**"۔

فتاوی قاضی خان میں لکھا ہے کہ۔

استماع صوت الملاهي حرام ومعصية لقوله عليه السلام استماع الملاهي معصية

---

[1] اخرجه البخاري: ۲/۲۹، ۲/۲۲۵ ومسلم: ۳/۲۱ [2] المرقات: ۳/۵۳۶

والجلوس علیها فسق والتلذذ بها من الکفر۔[1]

اس سلسلہ میں کتاب کف الرعاع عن محرمات اللھو والسماع لابن حجر الھیتمی بہت عمدہ کتاب ہے اور بڑے پیمانے پر میوزک سے متعلق احادیث اس میں جمع ہیں۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عشاللہ نے بھی احکام القرآن جزء خامس میں سورۂ لقمان کی ابتداء میں اس مسئلہ پر بہت تفصیل سے کلام کیا ہے میں نے توضیحات جلد چہارم میں کتاب النکاح میں کچھ لکھا ہے اور کچھ ان شاء اللہ باب الشعر میں لکھا جائے گا۔ مظاہر حق میں اس حدیث کے تحت بہت تفصیل سے لکھا ہے میں تفصیل یہاں نہیں کر سکتا مذکورہ بالا دو صورتوں کے علاوہ تیسری صورت اس دف بجانے کی ہے جس کے ساتھ اشعار ہوں لیکن اس دف میں کوئی جھنکار اور بجنے والی چیز نہ ہو اور نہ آلات لہو وطرب ساتھ ہوں تو یہ دف عیدین کے مواقع میں اور ختنوں اور شادیوں اور ایام سرور میں جائز ہے اگرچہ بچنا اس سے بھی بہتر ہے تاہم مباح ہے جیسا کہ یہاں ان بچیوں نے بجایا اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے سمجھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم متوجہ نہیں ہیں اس لئے ان کو ڈانٹا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کا تذکرہ فرمایا اور اجازت دیدی چونکہ یہاں سادہ دف تھا جس کی آواز بھی دف دف ہوتی ہے پھر چھوٹی بچیاں تھیں اور اشعار بھی جرأت و بہادری کا درس دینے والے تھے اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع نہیں فرمایا اس پر بڑی عورتوں کا رقص وسرود اور باجے گاجے اور ڈانس کرنا قیاس نہیں کیا جا سکتا ہے جس طرح اہل باطل قیاس کر کے ڈانس کے لئے جواز پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

باقی سماع کا ایک الگ مسئلہ ہے جس کی تفصیل باب الشعر میں ان شاء اللہ آئے گی۔

"یوم بعاث" جاہلیت کی جنگوں میں سے ایک جنگ کی طرف اشارہ ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے پہلے مدینے کے انصار کے دو قبیلوں اوس اور خزرج کے درمیان مقام بعاث میں ہوئی تھی جو ایک سو بیس سال تک لمبی ہو کر چلی تھی جس میں بہت بڑی خونریزی ہوئی تھی اور جب اسلام آیا تو اس کی رحمت عام ہوگئی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے سے عرب میں اس طویل جنگ کے بعد صلح ہوگئی جس کی طرف قرآن اس طرح اشارہ کرتا ہے۔[2] ﴿فاصبحتم بنعمته اخوانا﴾[3] مقام بعاث کے بارے میں شیخ عبد الحق عشاللہ نے لمعات میں لکھا ہے کہ یہ مقام مدینہ منورہ سے دو دن کے فاصلے پر واقع ہے یا یہ قبیلہ اوس کے ایک قلعے کا نام ہے اور یا بنو قریظہ کے علاقوں میں کسی جگہ کا نام ہے۔[4]

عید الفطر کی نماز سے پہلے کھجور سے افطار کرنا چاہئے

﴿۸﴾ وعن أنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَغْدُوْ يَوْمَ الْفِطْرِ حَتّٰى يَأْكُلَ تَمَرَاتٍ وَيَأْكُلُهُنَّ وِتْرًا۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[5]

[1] المرقات: ۳/۵۳۸ [2] المرقات: ۳/۵۳۷ [3] فاصبحتم بنعمته اخوانا [4] اشعة اللمعات: ۱/۶۴۰ [5] اخرجه البخاری: ۲/۲۱

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ کھجوریں نوش فرمائے بغیر عیدگاہ تشریف نہیں لے جاتے تھے اور کھجوریں طاق کھاتے تھے۔" (بخاری)

آنحضرت ﷺ عید کے دن راستہ تبدیل فرماتے تھے

﴿۹﴾ وعن جابرٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ يَوْمُ عِيدٍ خَالَفَ الطَّرِيقَ۔
(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب عید کا روز ہوتا تو سرتاج دو عالم ﷺ راستوں میں فرق کرتے تھے۔" (بخاری)

توضیح: "خالف الطریق" یعنی عیدگاہ جانے کے وقت ایک راستہ سے تشریف لے جاتے لیکن دوسرے راستہ سے واپس آتے اس میں حکمت یہ تھی کہ مختلف راستے عبادت پر گواہ بن جائیں اور ان راستوں میں فرشتے وجنات اور ملنے والے انسان گواہ بن جائیں بعض علماء نے کچھ اور وجوہات لکھی ہیں لیکن یہ سب اندازے ہیں حقیقت یہ ہے کہ اس کی حقیقت سوائے شارع علیہ السلام کے کسی اور کے پاس نہیں ہے۔[2]

بقرعید میں قربانی کا وقت

﴿۱۰﴾ وعن الْبَرَاءِ قَالَ خَطَبَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ النَّحْرِ فَقَالَ إِنَّ أَوَّلَ مَا نَبْدَأُ بِهِ فِي يَوْمِنَا هٰذَا أَنْ نُصَلِّيَ ثُمَّ نَرْجِعَ فَنَنْحَرَ فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ فَقَدْ أَصَابَ سُنَّتَنَا وَمَنْ ذَبَحَ قَبْلَ أَنْ نُصَلِّيَ فَإِنَّمَا هُوَ شَاةُ لَحْمٍ عَجَّلَهُ لِأَهْلِهِ لَيْسَ مِنَ النُّسُكِ فِي شَيْءٍ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[3]

ترجمہ: اور حضرت براء رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم ﷺ نے یوم النحر میں (یعنی بقرعید کے دن) ہمارے سامنے خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ "اس دن سب سے پہلا کام جو ہمیں کرنا چاہئے وہ یہ ہے کہ ہم (عید الاضحیٰ کی) نماز پڑھیں پھر گھر واپس جائیں اور قربانی کریں، لہٰذا جس شخص نے اس طرح عمل کیا (کہ قربانی سے پہلے نماز وخطبہ سے فراغت حاصل کر لی) اس نے ہماری سنت کو اختیار کیا اور جس شخص نے نماز سے پہلے قربانی کر لی وہ قربانی نہیں ہے بلکہ وہ گوشت والی بکری ہے جسے اس نے اپنے گھر والوں کے لئے جلدی ذبح کر لیا ہے۔" (بخاری ومسلم)

توضیح: "فننحر" یعنی ہم قربانی کریں "اصاب سنتنا"۔[4]

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ ہر صاحب نصاب پر قربانی واجب ہے لیکن امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قربانی کرنا واجب نہیں بلکہ سنت ہے۔

احناف کے نزدیک معمولی مال رکھنے والے پر بھی قربانی واجب ہے اس کے لئے کسی بڑے مال کی فکر میں نہیں پڑنا

[1] اخرجہ البخاری: ۲/۲۹ [2] المرقات: ۳/۵۳۸ [3] اخرجہ البخاری: ۲/۲۱،۲۸ ومسلم: ۶/۷۵،۷۲ [4] المرقات: ۳/۵۴۰

چاہئے۔ بقر عید کی شرعی ترتیب اس طرح ہے کہ قربانی کے دن پہلے نماز پڑھی جائے پھر خطبہ سنا جائے پھر جا کر قربانی کی جائے قربانی نماز کے بعد ہے اگر کسی نے پہلے کی تو وہ قربانی نہیں بلکہ کھانے کا گوشت ہے شہر میں جب ایک جگہ نماز عید ہو جائے تو تمام شہریوں کے لئے اب قربانی کرنا جائز ہوگئی جو لوگ دیہاتوں میں رہتے ہیں اور وہاں عید کی نماز نہیں ہوتی ہے تو وہ لوگ صبح کی نماز کے بعد قربانی کر سکتے ہیں۔

احناف کے ہاں قربانی کے کل ایام دس ذوالحجہ اور گیارہ بارہ تین دن ہیں لیکن شوافع اور غیر مقلدین دس سے تیرہ تک قربانی کرنے کو جائز کہتے ہیں آخری دن میں اونٹ ذبح کرتے ہیں اور تماشہ دکھاتے ہیں۔[۱]

قربانی کے واجب ہونے کی دلیل

﴿۱۱﴾ وعن جُنْدُبِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْبَجَلِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلَاةِ فَلْيَذْبَحْ مَكَانَهَا أُخْرٰى وَمَنْ لَمْ يَذْبَحْ حَتّٰى صَلَّيْنَا فَلْيَذْبَحْ عَلَى اسْمِ اللّٰهِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۲]

ترجمہ: اور حضرت جندب ابن عبداللہ بجلی راوی ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا "جو شخص (قربانی کا جانور) عید قربان کی نماز سے پہلے ذبح کر دے تو اسے چاہئے کہ وہ اس کے بدلے (قربانی کے لئے) دوسرا جانور ذبح کرے اور جو شخص نماز پڑھنے تک ذبح نہ کرے تو اسے چاہئے کہ وہ نماز کے بعد اللہ تعالیٰ کے نام پر (قربانی کا جانور) ذبح کر دے۔" (یہ قربانی درست ہوگی جس کا ثواب اسے ملے گا)۔ (بخاری ومسلم)

﴿۱۲﴾ وعن الْبَرَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلَاةِ فَإِنَّمَا يَذْبَحُ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ ذَبَحَ بَعْدَ الصَّلَاةِ فَقَدْ تَمَّ نُسُكُهٗ وَأَصَابَ سُنَّةَ الْمُسْلِمِيْنَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۳]

ترجمہ: اور حضرت براء رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جس شخص نے (قربانی کا جانور) نماز سے پہلے ذبح کیا تو گویا اس نے اپنے (محض کھانے کے) واسطے ذبح کیا (اس لئے اسے قربانی کا ثواب حاصل نہیں ہوا) اور جس شخص نے نماز کے بعد ذبح کیا تو بلاشبہ اس کی قربانی ادا ہوگئی اور (اس طرح) اس نے مسلمانوں کے طریقہ کو اپنایا۔" (بخاری ومسلم)

آنحضرت ﷺ عیدگاہ میں قربانی کرتے تھے

﴿۱۳﴾ وعن ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْبَحُ وَيَنْحَرُ بِالْمُصَلّٰى۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[۴]

[۱] المرقات: ۳/۵۲۱ [۲] اخرجه البخاری: ۲/۲۹، ۷/۱۳۲، ۷/۱۲۱، ۸/۱۳۶، ۹/۱۳۶ ومسلم: ۶/۷۴
[۳] اخرجه البخاری: ۲/۲۱، ۲/۲۸ ومسلم: ۶/۷۴، ۷۵ [۴] اخرجه البخاری: ۲/۲۸، ۷/۱۳۰

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ عید گاہ میں ذبح اور نحر کرتے تھے۔" (بخاری)

توضیح: "ینحر" قربانی کے لئے شریعت میں دنبہ بکری بھیڑ گائے بھینس اور اونٹ متعین ہیں خواہ نر ہوں یا مادہ ہوں کوئی فرق نہیں ان جانوروں کے علاوہ کسی بھی جانور کی قربانی نہیں ہوسکتی۔[1]

اونٹ کے علاوہ دیگر جانوروں کے لئے ذبح مقرر ہے کہ لٹا کر اس کے گلے پر چھری پھیر دی جائے البتہ اونٹ کے لئے نحر ہے اور نحر کا طریقہ یہ ہے کہ اونٹ کے اگلے پاؤں میں سے ایک کو ٹیڑھا کر کے گھٹنے کے ساتھ باندھ لیا جائے اب اونٹ بھاگ نہیں سکتا کھڑا رہتا ہے تب آدمی نیزہ یا برچھی یا تلوار کی نوک سے اونٹ کے حلقوم کو مارتا ہے اور اس کے گلے سے خون بہتا رہتا ہے زیادہ خون بہہ جانے سے پھر اونٹ خود گر جاتا ہے اور مر جاتا ہے یہ طریقہ نحر کا ہے۔[2]

الفصل الثانی

مسلمانوں کے لئے سال میں دو عیدیں ہیں

﴿۱۴﴾ عن أَنَسٍ قَالَ قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ وَلَهُمْ يَوْمَانِ يَلْعَبُوْنَ فِيْهِمَا فَقَالَ مَا هٰذَانِ الْيَوْمَانِ قَالُوْا كُنَّا نَلْعَبُ فِيْهِمَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ أَبْدَلَكُمُ اللهُ بِهِمَا خَيْرًا مِنْهُمَا يَوْمَ الْأَضْحٰى وَيَوْمَ الْفِطْرِ. (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)[3]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو اہل مدینہ نے دو دن مقرر کر رکھے تھے جن میں وہ لہو ولعب کرتے (اور خوشیاں مناتے) تھے، آپ نے (یہ دیکھ کر) پوچھا کہ "یہ دو دن کیسے ہیں؟ صحابہ نے عرض کیا کہ "ان دونوں دنوں میں ہم زمانہ جاہلیت میں کھیلا کودا کرتے تھے۔" آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ان دونوں دنوں کے بدلے ان سے بہتر دو دن مقرر کر دیئے ہیں اور وہ عید الاضحیٰ اور عید الفطر کے دن ہیں۔" (ابوداؤد)

توضیح: "فی الجاھلیة" اسلام سے پہلے اہل مدینہ سال میں خوشی کے دو دن منایا کرتے تھے ایک دن کا نام نوروز تھا دوسرے کا مہرجان تھا یہ فارس والوں کے ہاں عید اور خوشی منانے کے ایام تھے جس میں ہوا معتدل اور موسم خوشگوار ہوتا تھا فارسیوں کے یہ ایام عرب میں بھی آگئے اور انہوں نے بھی اس کا بطور عید منانا شروع کر دیا جیسے آج کل ایران عراق اور شام وغیرہ بعض ممالک میں اس کا رواج موجود ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے اہل مدینہ سے اس کی حقیقت کو جاننا چاہا تو انہوں نے صاف بتلا دیا اس پر حضور اکرم ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ اب اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلے میں تم کو دو الگ دن خوشی منانے کے لئے دیدیئے ہیں ایک عید الفطر کا دن ہے دوسرا عید الاضحیٰ ہے۔[4]

[1] المرقات: ۳/۵۴۲ [2] المرقات: ۳/۵۴۲ [3] اخرجہ ابوداؤد: ۱۱۳۴ [4] المرقات: ۳/۵۴۳

اب کسی مسلمان کو جائز نہیں کہ وہ غیر مسلموں کی عیدوں میں شرکت کرے یا ان کو تحفہ دے یا ان کو مبارکباد پیش کرے کیوں کہ اس سے غیر مسلموں کے تہوار کی تعظیم ہو جائے گی جو حرام ہے بلکہ کفر کا خطرہ ہے کیونکہ اگر کوئی مسلمان کافروں کے تہوار میں بطور تعظیم شریک ہوا تو وہ کافر ہو جائے گا اور اگر صرف کھیل کود کے طور پر شریک ہوتا ہے تو پھر بھی مکروہ تحریمی ہے کیونکہ اس سے کافروں سے مشابہت آتی ہے۔[1]

فتاویٰ ذخیرہ میں لکھا ہے کہ جو شخص ہولی اور دیوالی دیکھنے کے لئے بطور خاص نکلتا ہے وہ حدود کفر کے قریب ہو جاتا ہے نوادر الفتاویٰ میں لکھا ہے کہ جو شخص غیر مسلموں کی رسومات کو اچھا سمجھتا ہے وہ کافر ہو جاتا ہے۔

بہر حال مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ غیر مسلموں کی محبت میں بڑھ کر ان کی رسومات میں شرکت نہ کریں یہ بہت ہی خطرناک ہے اور نہ ان کے تہواروں کو کوئی اہمیت دیں یہ اس سے زیادہ خطرناک ہے روافض اور اہل بدعت و اہل باطل کی محافل ومجالس وجلوس میں شرکت کرنا بھی سخت منع ہے جو باز نہیں آتا ہے وہ نہ آئے ان کا اپنا نقصان ہوگا ہدایت کے دروازے کھلے ہیں کوئی آئے یا نہ آئے۔

در فیضِ محمد وا ہے آئے جس کا جی چاہے نہ آئے آتشِ دوزخ میں جائے جس کا جی چاہے
مریضانِ گناہ کو دو خبر فیضِ محمد کی بلا قیمت دوا ملتی ہے آئے جس کا جی چاہے

کھانا عید الفطر میں نماز سے پہلے اور بقرعید میں بعد میں کھانا چاہیے

﴿۱۵﴾ وعن بُرَيْدَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَخْرُجُ يَوْمَ الْفِطْرِ حَتَّى يَطْعَمَ وَلَا يَطْعَمُ يَوْمَ الْأَضْحٰى حَتّٰى يُصَلِّيَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَه وَالدَّارِمِيُّ)[2]

ترجمہ: اور حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عید کے دن بغیر کچھ کھائے پیئے عید گاہ تشریف نہیں لے جاتے تھے۔ اور بقرعید کے دن بغیر نماز پڑھے کچھ نہیں کھاتے پیتے تھے۔" (ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)

توضیح: پورے رمضان کے روزے رکھے جانے کے بعد آدمی عید الفطر کے دن نماز عید سے پہلے کھانے کو نہایت شوق سے دیکھتا ہے اس لئے شریعت نے اجازت دیدی کہ یہ شخص کھانا کھا سکتا ہے چونکہ نماز عید کے بعد کوئی دیگر شغل نہیں لہٰذا نماز عید سے پہلے آدمی کھانا کھالے اور افطار کے مزے لیکر نماز میں جائے لیکن بقرعید میں نماز کے بعد قربانی کرنے کا بڑا کام ہے لہٰذا بہتر یہی ہے کہ نماز جلدی بھی ہو اور اس سے پہلے کھانا بھی نہ ہو بعد میں اپنی قربانی کے گوشت سے کچھ پکا کر خود بھی کھائے اور مہمانوں کو بھی کھلائے۔

---

[1] المرقات: ۳/۵۴۳، ۵۴۴ [2] اخرجه الترمذی: ۵۴۳ وابن ماجه: ۱۷۵۶ والدارمی: ۱۶۰۸

تکبیرات عیدین کی تعداد

﴿۱۶﴾ وعن كَثِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَبَّرَ فِي الْعِيْدَيْنِ فِي الْأُوْلٰى سَبْعًا قَبْلَ الْقِرَاءَةِ وَفِي الْآخِرَةِ خَمْسًا قَبْلَ الْقِرَاءَةِ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَه وَالدَّارِمِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت کثیر ابن عبداللہ نے اپنے والد سے اور وہ کثیر کے دادا سے (یعنی اپنے والد مکرم) سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے عیدین کی نماز میں پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے سات تکبیریں اور دوسری رکعت میں قرأت سے پہلے پانچ تکبیریں کہیں۔" (ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)

توضیح: "سبعا" اس پر سب کا اتفاق ہے کہ عیدین کی نماز میں کچھ زائد تکبیرات ہیں مگر اس میں اختلاف ہوا ہے کہ ہر رکعت میں ان تکبیرات کی تعداد کیا ہے۔[2]

فقہاء کا اختلاف:

امام مالک امام احمد بن حنبل اور امام شافعی رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک عیدین کی نماز میں پہلی رکعت میں قرأت فاتحہ سے پہلے تکبیرات تحریمہ سمیت سات تکبیرات ہیں اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیرات ہیں۔

جمہور کا آپس میں اتنا فرق ضرور ہے کہ امام مالک واحمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک سات اور پانچ تکبیرات کے ساتھ اصل تکبیر بھی شامل ہے یعنی تکبیر تحریمہ اور تکبیر رکوع لیکن امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک سات اور پانچ تکبیرات زائد ہیں تکبیر تحریمہ ورکوع اس میں شمار نہیں ہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک پہلی رکعت میں قرأت فاتحہ سے پہلے تین تکبیرات ہیں اور تینوں زائد ہیں اور دوسری رکعت میں قرأت سے فارغ ہونے کے بعد رکوع میں جانے سے پہلے کھڑے کھڑے زائد تکبیریں تین ہیں یعنی کل چھ تکبیریں زائد ہیں۔[3]

دلائل:

جمہور نے زیر بحث کثیر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال کیا ہے جو اپنے مدعا پر واضح دلیل ہے ائمہ احناف نے اسی مقام میں ایک حدیث کے بعد حدیث نمبر ۱۸ سے استدلال کیا ہے جو حضرت سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کی روایت ہے اور جس میں سوال وجواب اور پوری بحث وتحقیق کے بعد شان والے صحابی حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ نے نہایت وضاحت کے ساتھ بتادیا کہ آنحضرت ﷺ جنازہ کی نماز کی طرح عیدین میں چار تکبیریں پڑھتے تھے یعنی ایک اصل تکبیر اور تین زائد تکبیریں ہوتی تھیں۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "صدق" یعنی ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے سچ فرمایا ایسا ہی معاملہ تھا۔[4]

---

[1] اخرجه الترمذی: ۵۳۶ وابن ماجه: ۱۲۷۹ [2] المرقات: ۳/۵۳۵ [3] المرقات: ۳/۵۳۵ [4] المرقات: ۳/۵۳۶، ۵۳۷

احناف نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک روایت سے بھی استدلال کیا ہے اور اسی طرح مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی استدلال کیا ہے جس میں تین زائد تکبیرات کا ذکر ہے نصب الرایہ میں ان روایات کو بیان کیا گیا ہے۔

اسی طرح امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے قاسم بن عبدالرحمان رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل فرمائی ہے جس میں انہوں نے انگلیوں پر گن کر بتادیا کہ عیدین میں چار چار تکبیرات ہیں ایک اصلی اور تین زائد ہیں۔

اسی طرح امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے صحابہ کو جمع فرمایا اور عیدین کی تکبیرات کی تعداد پر گفتگو ہوئی اتفاق چار تکبیرات پر ہوا گویا چار تکبیرات پر اجماع منعقد ہوگیا ہے احناف ایک عقلی دلیل بھی پیش کرتے ہیں کہ زائد تکبیرات عام نمازوں کے برعکس ہیں اور جو چیز عام معمول کے برعکس ہو اس میں قلیل پر اکتفا کرنا زیادہ بہتر ہوتا ہے لہٰذا سات کے بجائے چار پر اکتفا زیادہ بہتر ہے ایک تکبیر اصلی اور تین زائد ہیں۔

جواب: کثیر بن عبداللہ کی روایت میں زائد تکبیرات شاید بیان جواز کے لئے ہوئی ہونگی یا حضرت پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ابتدائی معمول ہوگا ویسے یہ عجیب ہے کہ کثیر بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کو شوافع خود ضعیف قرار دیتے ہیں بعض نے ان پر کذاب کا الزام لگایا ہے اور پھر بھی ان کی روایت سے استدلال کرتے ہیں۔ یہ امر بھی تعجب سے خالی نہیں ہے کہ اس متفق علیہ ضعیف راوی کی اس روایت کو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حسن کہا ہے جو ترمذی کے لئے باعث تعجب ہے۔[1]

عیدین کی نماز میں جہری قرأت ہے

﴿۱۷﴾ وعن جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ مُرْسَلاً أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبَابَكْرٍ وَعُمَرَ كَبَّرُوْا فِي الْعِيدَيْنِ وَالْاِسْتِسْقَاءِ سَبْعاً وَخَمْساً وَصَلَّوْا قَبْلَ الْخُطْبَةِ وَجَهَرُوْا بِالْقِرَاءَةِ۔ (رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ)[2]

ترجمہ: اور حضرت جعفر ابن محمد مرسلاً روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ عیدین اور استسقاء کی نماز میں سات اور پانچ تکبیریں کہا کرتے تھے اور (عیدین و استسقاء کی) نماز خطبہ سے پہلے پڑھا کرتے تھے، نیز قرأت بآواز بلند پڑھتے تھے۔" (شافعی)

عیدین کی نماز میں زائد تکبیرات تین تین ہیں

﴿۱۸﴾ وعن سَعِيْدِ بْنِ الْعَاصِ قَالَ سَأَلْتُ أَبَا مُوْسٰى وَحُذَيْفَةَ كَيْفَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكَبِّرُ فِي الْأَضْحٰى وَالْفِطْرِ فَقَالَ أَبُوْ مُوْسٰى كَانَ يُكَبِّرُ أَرْبَعًا تَكْبِيْرَهٗ عَلَى الْجَنَائِزِ فَقَالَ حُذَيْفَةُ صَدَقَ۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُد)[3]

---

[1] المرقات: ۳/۵۳۶ [2] اخرجه امام الشافعي رحمۃ اللہ علیہ: ۱/۲۸۵ كتاب الاستسقاء [3] اخرجه ابوداؤد: ۱۱۵۳

ترجمہ: اور حضرت سعید ابن عاص فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوموسیٰ وحضرت حذیفہ رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کہ رسول کریم ﷺ عید و بقر عید کی نماز میں کتنی تکبیریں کہتے تھے؟ تو حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ جس طرح آپ نماز جنازہ میں چار تکبیریں کہتے تھے اسی طرح عیدین کی نماز میں بھی چار تکبیریں کہا کرتے تھے۔" حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے (یہ سن کر) فرمایا کہ ("ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے) سچ کہا۔" (ابوداؤد)

توضیح: اصلی تکبیرات کو چھوڑ کر احناف کے نزدیک عیدین کی مجموعی زائد تکبیرات چھ ہیں امام مالک اور امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک زائد تکبیرات کا مجموعہ دس ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک زائد کا مجموعہ بارہ ہے۔

خطبہ کے دوران خطیب کو نیزہ کمان یا تلوار سے سہارا لینا چاہئے

﴿۱۹﴾ وعن البَرَاءِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نُوِلَ يَوْمَ الْعِيْدِ قَوْسًا فَخَطَبَ عَلَيْهِ.

(رواه أبو داود)[1]

ترجمہ: اور حضرت براء رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ عید کے دن نبی کریم ﷺ کی خدمت میں کمان پیش کی گئی چنانچہ آپ ﷺ نے اس کا سہارا لے کر خطبہ ارشاد فرمایا۔" (ابوداؤد)

توضیح: "قوسا" آنحضرت ﷺ نے کمان یا نیزہ ہاتھ میں صرف اس لئے نہیں لیا کہ آپ خطبہ کے لئے سہارا لینے کے بغیر کھڑے نہیں ہوسکتے تھے بلکہ آپ نے ان چیزوں سے اشارہ فرمایا کہ اسلامی احکامات کی حفاظت کے لئے جہاد ضروری ہے اور جہاد کے لئے تلوار اور نیزہ و کمان کی ضرورت ہے یہی وجہ ہے کہ آپ نے ہتھیار اور اوزار کو استعمال میں لایا ہے ورنہ سہارے کے لئے تو لاٹھی ہوتی ہے جس کا ملنا کوئی مشکل بھی نہیں ہوتا علماء نے لکھا ہے کہ مسلمانوں نے جن علاقوں کو جہاد کے ذریعہ سے فتح کیا ہے وہاں نیزہ وقوس ہاتھ میں رکھنا چاہئے اور دیگر علاقوں میں لاٹھی سے کام لے۔

بہرحال آج کل حرمین شریفین کے ائمہ ہاتھ میں لاٹھی لیتے ہیں یہ سہارا کے لئے نہیں بلکہ صرف اس سنت کو پورا کرنے کے لئے ہے۔

علامہ اقبال نے اسی ترقی اور پستی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن ملا کی اذاں اور ہے مجاہد کی اذاں اور

علامہ روح المعانی رحمۃ اللہ علیہ قرآن کریم کے کسی حرف کو جب زائد کہتے ہیں تو بطور ادب اس کی تشبیہ خطیب کی تلوار سے دیتے ہیں کہ **هذا الحرف سيف خطيب** یعنی صرف دکھانے کی تلوار ہے کام کی نہیں ہے آنے والی روایت میں عنزہ کا نام آیا ہے یعنی نیزہ یہ نیزہ بھی تاریخی نیزہ تھا جو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا تھا بدر میں آپ نے ایک مشہور کافر کی آنکھ میں مار دیا تھا یہ اس

[1] اخرجه وابوداؤد: ۱۱۴۵

میں پھنس گیا نکالنے میں اس پر زور آیا تو ٹیڑھا ہو گیا جو مزید تاریخی بن گیا آنحضرت ﷺ نے سُترہ وغیرہ کے لئے اس کو بہت زیادہ استعمال فرمایا پھر خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم نے استعمال کیا۔

﴿۲۰﴾ وعن عَطاءٍ مُرْسَلاً أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا خَطَبَ يَعْتَمِدُ عَلَى عَنَزَتِهِ إِعْتِمَادًا۔ (رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت عطاء بطریق ارشاد روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب خطبہ ارشاد فرماتے تو اپنے نیزے پر ٹیک لگا کر کھڑے ہوتے۔" (شافعی)

﴿۲۱﴾ وعن جَابِرٍ قَالَ شَهِدْتُ الصَّلَاةَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي يَوْمِ عِيْدٍ فَبَدَأَ بِالصَّلَاةِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ بِغَيْرِ أَذَانٍ وَلَا إِقَامَةٍ فَلَمَّا قَضَى الصَّلَاةَ قَامَ مُتَّكِئًا عَلَى بِلَالٍ فَحَمِدَ اللهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ وَوَعَظَ النَّاسَ وَذَكَّرَهُمْ وَحَثَّهُمْ عَلَى طَاعَتِهِ وَمَضَى إِلَى النِّسَاءِ وَمَعَهُ بِلَالٌ فَأَمَرَهُنَّ بِتَقْوَى اللهِ وَوَعَظَهُنَّ وَذَكَّرَهُنَّ۔ (رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)[2]

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ میں عید کے دن نبی کریم ﷺ کے ہمراہ نماز میں شریک ہوا، چنانچہ آپ ﷺ نے اذان وتکبیر کے بغیر خطبہ سے پہلے نماز شروع فرمائی، جب نماز سے فارغ ہوئے تو (خطبہ کے لئے) حضرت بلال کا سہارا لے کر کھڑے ہوئے، آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کی تعریف بیان فرمائی۔ لوگوں کو نصیحت کی اور انہیں عذاب وثواب (کے احکام) یاد دلائے۔ اور اللہ تعالیٰ کی بندگی کرنے کی ترغیب دلائی۔ پھر آپ ﷺ عورتوں کی جماعت کی طرف متوجہ ہوئے حضرت بلال رضی اللہ عنہ بھی آپ کے ساتھ تھے (وہاں بھی) آپ نے عورتوں کو اللہ سے ڈرنے کا حکم دیا، ان کو نصیحت کی اور انہیں عذاب وثواب (کے احکام) یاد دلائے۔ (نسائی)

عیدگاہ جانے کا طریقہ

﴿۲۲﴾ وعن أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَرَجَ يَوْمَ الْعِيْدِ فِي طَرِيْقٍ رَجَعَ فِي غَيْرِهِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب عید کے دن (عیدگاہ) ایک راستہ سے تشریف لے جاتے تو واپس دوسرے راستہ سے ہوتے تھے۔" (ترمذی، دارمی)

[1] اخرجه الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ: ۱/۲۷۲ [2] اخرجه النسائی: ۳/۱۸۲، ۱۸۶ [3] اخرجه الترمذی: ۵۴۱ والدارمی: ۱۶۲۱

توضیح: عیدگاہ جانے کے لئے ایک راستہ اور واپس آنے کا دوسرا راستہ اختیار کرنا چاہئے اس کی حکمت اور وجہ پہلے حدیث نمبر ۹ میں بیان کی جا چکی ہے۔[1]

فقہاء نے لکھا ہے کہ عیدگاہ تک پیدل جانا مستحب ہے سوار ہونا بغیر ضرورت کے غیر اولیٰ ہے عید کی نماز کے لئے جانے آنے میں بلند آواز سے تکبیرات تشریق پڑھنا بہتر ہے۔ بقرعید میں تو سب کا اتفاق ہے البتہ عیدالفطر میں صاحبین اس کے قائل ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ قائل نہیں ہیں وہ فرماتے ہیں کہ آہستہ آہستہ پڑھنا چاہئے۔

عذر اور مجبوری کی وجہ سے عید کی نماز مسجد میں پڑھی جا سکتی ہے

﴿۲۳﴾ وعنه أَنَّهُ أَصَابَهُمْ مَطَرٌ فِي يَوْمِ عِيدٍ فَصَلَّى بِهِمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ الْعِيدِ فِي الْمَسْجِدِ. (رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَه)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ (ایک مرتبہ) عید کے دن بارش ہونے لگی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو مسجد میں نماز پڑھائی۔" (ابوداؤد، ابن ماجہ)

عیدالفطر کی نماز تاخیر سے اور بقرعید کی جلدی ہونی چاہئے

﴿۲۴﴾ وعن أَبِي الْحُوَيْرِثِ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَبَ إِلَى عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ وَهُوَ بِنَجْرَانَ عَجِّلِ الْأَضْحَى وَأَخِّرِ الْفِطْرَ وَذَكِّرِ النَّاسَ. (رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابی الحویرث رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو ابن حزم کو جو نجران میں تھے یہ (حکم) لکھ کر بھیجا کہ بقرعید کی نماز جلدی اور عیدالفطر کی نماز تاخیر سے ادا کرو اور (خطبہ میں) لوگوں کو پند و نصیحت کرو۔" (شافعی)

توضیح: نجران ایک شہر کا نام ہے اس وقت سعودی عرب کی حکومت میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو وہاں کا گورنر مقرر فرمایا تھا ان کی عمر اس وقت سترہ سال تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ عیدالفطر کی نماز تاخیر سے ادا کرو مقصد یہ تھا کہ لوگ صدقۃ الفطر نماز سے پہلے ادا کریں افطار بھی کریں اور بقرعید کی نماز جلدی ادا کرو مقصد یہ تھا کہ لوگ بعد میں قربانی کے لئے فارغ ہو جائیں گے۔[4]

اگر زوال کے بعد چاند کی شہادت آجائے تو عید کی نماز دوسرے دن پڑھی جائے گی

﴿۲۵﴾ وعن أَبِي عُمَيْرِ بْنِ أَنَسٍ عَنْ عُمُومَةٍ لَهُ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ رَكْبًا

---

[1] المرقات: ۳/۵۳۸ [2] اخرجه ابوداؤد: ۱۱۶۰ وابن ماجه: ۱۳۱۳ [3] اخرجه رواه الشافعي رحمه الله تعالى: ۱/۲۳۲ [4] المرقات: ۳/۵۵۲

جَاؤُوْا إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَشْهَدُوْنَ أَنَّهُمْ رَأَوُا الْهِلَالَ بِالْأَمْسِ فَأَمَرَهُمْ أَنْ يُفْطِرُوْا وَإِذَا أَصْبَحُوْا أَنْ يَغْدُوْا إِلَى مُصَلَّاهُمْ۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت عمیر ابن انس اپنے چچاؤں سے جو نبی کریم ﷺ کے صحابہ میں سے تھے، نقل کرتے ہیں کہ "ایک قافلہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ شہادت دی کہ انہوں نے کل عید کا چاند دیکھا ہے۔ آپ نے صحابہ کو افطار کا حکم دیا اور فرمایا کہ صبح عید گاہ جائیں۔" (ابوداود، نسائی)

توضیح: رمضان کی تیس تاریخ کی شب کو مدینہ منورہ میں حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں چاند نظر نہیں آیا اس لئے اہل مدینہ نے تیس رمضان کو روزہ رکھا اتفاق سے اسی روز باہر سے ایک قافلہ مدینہ منورہ آیا اور اس نے آنحضرت ﷺ کے سامنے شہادت دی کہ ہم نے کل چاند دیکھا ہے۔

آنحضرت ﷺ نے اس قافلہ کی شہادت قبول فرمادی اور صحابہ کرام کو حکم دیا کہ روزہ افطار کرو لیکن چونکہ یہ خبر زوال کے بعد آئی تھی اس لئے آپ نے عید کی نماز کے بارے میں فرمایا کہ نماز کل ادا کی جائے گی چونکہ عید کی نماز کا وقت نہیں رہا تھا اس لئے آپ نے اس دن عید کی نماز نہیں پڑھائی اسی پر امام ابوحنیفہ کا مسلک قائم ہے کہ زوال شمس کے بعد اگر گذشتہ رات چاند دیکھنے کی خبر آجائے تو عید کی نماز دوسرے دن پڑھی جائے گی کیونکہ عید کا وقت آفتاب بلند ہونے سے لیکر زوال تک ہے اسی طرح اگر کوئی عذر پیش آجائے تو عید کی نماز دوسرے دن پڑھی جاسکتی ہے تیسرے دن جائز نہیں ہاں عید الاضحیٰ کی نماز دوسرے تیسرے دن تک ادا کی جاسکتی ہے اگرچہ کراہت ہے مگر جائز ہے۔[2]

الفصل الثالث

عیدین کی نماز میں اذان واقامت نہیں ہے

﴿۲۶﴾ عن ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ أَخْبَرَنِيْ عَطَاءٌ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَجَابِرِ ابْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَا لَمْ يَكُنْ يُؤَذَّنُ يَوْمَ الْفِطْرِ وَلَا يَوْمَ الْأَضْحٰى ثُمَّ سَأَلْتُهُ يَعْنِيْ عَطَاءً بَعْدَ حِيْنٍ عَنْ ذٰلِكَ فَأَخْبَرَنِيْ قَالَ أَخْبَرَنِيْ جَابِرُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ أَنْ لَا أَذَانَ لِلصَّلَاةِ يَوْمَ الْفِطْرِ حِيْنَ يَخْرُجُ الْإِمَامُ وَلَا بَعْدَمَا يَخْرُجُ وَلَا إِقَامَةَ وَلَا نِدَاءَ وَلَا شَيْءَ لَا نِدَاءَ يَوْمَئِذٍ وَلَا إِقَامَةَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[3]

ترجمہ: ابن جریج رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ عطاء رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت جابر ابن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ "نہ تو عید کے دن (نماز عید کے لئے) اذان دی جاتی تھی اور نہ بقر عید کے دن۔" ابن جریج کہتے ہیں

[1] اخرجه وابوداؤد: ۱۱۵۷ والنسائی: ۳/۱۸۰ [2] المرقات: ۳/۵۵۳

کہ "کچھ مدت کے بعد پھر میں نے دوبارہ عطاء سے یہی مسئلہ پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ "مجھے حضرت جابر ابن عبداللہ نے بتایا ہے کہ عید کے دن نماز عید کے لئے اذان نہیں ہے نہ تو امام کے باہر آنے کے وقت اور نہ امام کے باہر آجانے پر اور نہ تکبیر ہے اور نہ نداء ہے اور نہ کچھ اور چیز، اس دن نہ نداء ہے نہ تکبیر۔" (مسلم)

توضیح: **"یعنی عطاءً"** اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ ابن جریج رحمہ اللہ نے اپنے استاد شیخ عطاء رحمہ اللہ سے یہی مسئلہ پہلے پوچھا تھا اور عطاء رحمہ اللہ نے جواب دیا تھا کہ حضرت ابن عباس اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما دونوں نے فرمایا کہ اذان نہ تو عید الفطر میں دی جاتی تھی اور نہ بقر عید میں ہوتی ہے ابن جریج رحمہ اللہ نے شاید تفصیل معلوم کرنے کی غرض سے دوبارہ وہی مسئلہ پھر عطاء سے پوچھا اب شیخ عطاء رحمہ اللہ نے صرف جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے حدیث بیان کی اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کا نام نہیں لیا۔

اسی طرح جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس دفعہ صرف عید الفطر کا ذکر کیا اور عید الاضحیٰ کا ذکر نہیں کیا کیونکہ دونوں کا مسئلہ اور حکم ایک جیسے تھا۔[1]

لیکن یہاں اس حدیث میں بار بار تاکیدات آئی ہیں اس کی وجہ کیا ہے؟ چنانچہ ایک تاکید تو **ولا نداء ولا شیء** میں ہے جو **"ان لا اذان ولا اقامة"** کی تاکید ہے اور خود **لا شیء** بھی **لا نداء** کی تاکید کر رہا ہے اس کے بعد ایک اور تاکید ہے جو **"لا نداء یومئذ ولا اقامة"** میں ہے یہ جملہ **لا نداء ولا شیء** کی تاکید میں آیا ہے اب سوال یہ ہے کہ ان تاکیدات کی وجہ کیا ہے آخر ان تاکیدات کا مقصد کیا ہے؟۔[2]

اس سوال کے سمجھنے کے لئے بلکہ اس حدیث کے سمجھنے کے لئے شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ اور ملا علی قاری رحمہ اللہ کی تحقیق کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے دونوں کی الگ الگ تحقیق ہے۔

چنانچہ شیخ عبدالحق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں **"نداء"** سے **"الصلوٰة الصلوٰة"** یا اسی طرح کے دوسرے الفاظ مراد ہیں جو نماز کی اطلاع دینے کے لئے پکارے جاتے ہیں اس کے بعد لفظ **لا شیء** **لا نداء** کی تاکید کے لئے لایا گیا ہے پھر اسی کی تاکید کے لئے حدیث کے آخری الفاظ **لا نداء یومئذ ولا اقامة** لایا گیا ہے۔

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ عیدین کی نماز کے لئے نہ اذان ہے نہ اقامت ہے اور نہ اس کے علاوہ الصلوٰۃ الصلوٰۃ وغیرہ کے اعلانات ہیں یہ سب ناجائز ہیں۔ شیخ عبدالحق رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں میں جو رواج ہے کہ اذان تو نہیں دیتے لیکن عید کی نماز کے لئے دوسرے اعلانات کرتے ہیں اس حدیث سے سب ممنوع قرار پاتے ہیں۔

شیخ عبدالحق رحمہ اللہ کی یہ تحقیق بہت ہی عمدہ ہے اور حدیث کے سمجھنے کے لئے بالکل بے غبار کلام ہے۔[3]

اس کے مقابلہ میں حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ کی تحقیق جو اس کے برعکس ہے وہ فرماتے ہیں کہ **"ولا نداء"** سے لیکر آخر تک جملہ پہلے کلام کے لئے تاکید ہے اور یہ زیادہ مناسب ہوگا کہ **"نداء"** سے اذان مراد لیا جائے اور اذان ہی کی نفی کی

---

[1] المرقات: ۳/۵۵۴ [2] المرقات: ۳/۵۵۴ [3] اشعۃ اللمعات: ۱/۹۳۶

بار بار تاکید مقصود ہو کیونکہ اذان کے علاوہ الصلوٰۃ جامعۃ وغیرہ کے الفاظ سے لوگوں کو عید کی نماز کے لئے بلانا مستحب ہے لہٰذا اس کی نفی نہیں ہونی چاہئے تو ندا سے اذان مراد لینا زیادہ بہتر ہے۔ (انتہی کلامہ)

ملا علی قاری رحمہ اللہ کی تشریح کا مقصد یہ ہے کہ بار بار جو نفی کی گئی ہے۔ یہ صرف اذان و اقامت کی نفی ہے اس کے علاوہ اعلانات کی نفی نہیں ہے۔ اب یہ دونوں اقوال آپس میں متضاد ہیں اس کی تطبیق کے لئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ شیخ عبدالحق رحمہ اللہ نے جو نفی کا حکم دیا ہے وہ اس ندا کی نفی ہے جو التزام کے ساتھ عیدگاہ کے اندر ہو ظاہر ہے عیدگاہ کے اندر مسلسل اس طرح نعرے لگانا جائز نہیں ہے۔

اور ملا علی قاری رحمہ اللہ کا مطلب یہ ہوگا کہ عیدگاہ سے باہر کبھی کبھی اگر اس طرح الصلوٰۃ جامعۃ کی آواز لگا کر لوگوں کو بلایا جائے تو زیادہ حرج نہیں ہوگا۔[1]

بہر حال ملا علی قاری رحمہ اللہ کی تحقیق ظاہر حدیث کے موافق نہیں ہے شیخ عبدالحق رحمہ اللہ کی تحقیق واضح اور بہتر ہے آج کل یہ بدعت پاکستان میں موجود نہیں شاید دوسرے ملکوں میں ہو۔

عیدین میں خطبہ نماز کے بعد ہوتا ہے

﴿۲۷﴾ وعن أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَخْرُجُ يَوْمَ الْأَضْحٰى وَيَوْمَ الْفِطْرِ فَيَبْدَأُ بِالصَّلَاةِ فَإِذَا صَلّٰى صَلَاتَهُ قَامَ فَأَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ وَهُمْ جُلُوسٌ فِي مُصَلَّاهُمْ فَإِنْ كَانَتْ لَهُ حَاجَةٌ بِبَعْثٍ ذَكَرَهُ لِلنَّاسِ أَوْ كَانَتْ لَهُ حَاجَةٌ بِغَيْرِ ذٰلِكَ أَمَرَهُمْ بِهَا وَكَانَ يَقُولُ تَصَدَّقُوا تَصَدَّقُوا تَصَدَّقُوا وَكَانَ أَكْثَرُ مَنْ يَتَصَدَّقُ النِّسَاءُ ثُمَّ يَنْصَرِفُ فَلَمْ يَزَلْ كَذٰلِكَ حَتّٰى كَانَ مَرْوَانُ بْنُ الْحَكَمِ فَخَرَجْتُ مُخَاصِرًا مَرْوَانَ حَتّٰى أَتَيْنَا الْمُصَلّٰى فَإِذَا كَثِيرُ بْنُ الصَّلْتِ قَدْ بَنٰى مِنْبَرًا مِنْ طِينٍ وَلَبِنٍ فَإِذَا مَرْوَانُ يُنَازِعُنِي يَدَهُ كَأَنَّهُ يَجُرُّنِي نَحْوَ الْمِنْبَرِ وَأَنَا أَجُرُّهُ نَحْوَ الصَّلَاةِ فَلَمَّا رَأَيْتُ ذٰلِكَ مِنْهُ قُلْتُ أَيْنَ الْاِبْتِدَاءُ بِالصَّلَاةِ فَقَالَ لَا يَا أَبَا سَعِيدٍ قَدْ تُرِكَ مَا تَعْلَمُ قُلْتُ كَلَّا وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهٖ لَا تَأْتُونَ بِخَيْرٍ مِمَّا أَعْلَمُ ثَلَاثَ مِرَارٍ ثُمَّ انْصَرَفَ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم عید اور بقر عید کے دن (عیدگاہ) جاتے تو (پہلے) نماز شروع کرتے جب نماز سے فارغ ہو جاتے تو (خطبہ کے لئے) کھڑے ہو کر لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے، لوگ اپنی نماز کی جگہ بیٹھے رہتے چنانچہ اگر آپ کو کہیں لشکر بھیجنا ہوتا تو (اس وقت) لوگوں کے سامنے اس کا ذکر فرماتے (اور لشکر بھیجتے) یا لوگوں کی کوئی اور حاجت ہوتی (یعنی مسلمانوں کے فائدہ کی کوئی بات ہوتی) تو اس کے بارے میں حکم فرماتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (اپنے خطبہ کے

[1] المرقات: ۳/۵۵۴ [2] اخرجه ومسلم: ۳/۲۰

دوران) یہ فرمایا کرتے تھے صدقہ دو، صدقہ دو، صدقہ دو، چنانچہ عورتیں زیادہ صدقہ وخیرات دیا کرتی تھیں۔اس کے بعد آپ اپنے مکان واپس تشریف لاتے (آپ کے مبارک زمانہ اور آپ کے بعد چاروں خلفاء کے دور خلافت میں نیز اس کے بعد تک بھی) یہی معمول جاری رہا (کہ خطبہ نماز کے بعد ہوتا اور خطبہ منبر پر نہیں بلکہ زمین ہی پر کھڑے ہو کر پڑھا جاتا رہا) یہاں تک کہ (امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب سے مدینہ کا حاکم) مروان ابن حکم مقرر ہوا (ایک مرتبہ عید کے دن) میں مروان ابن حکم کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑے عیدگاہ آیا (جب ہم عیدگاہ پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ) وہاں کثیر ابن صلت نے مٹی اور کچی اینٹ کا منبر بنا رکھا تھا۔ اچانک مروان مجھے اپنے ہاتھ کے ساتھ کھینچنے لگا گویا وہ مجھے منبر کی طرف کھینچ رہا تھا (تاکہ نماز سے پہلے خطبہ پڑھے) اور میں اس کو نماز کی طرف کھینچ رہا تھا (تاکہ وہ پہلے نماز پھر خطبہ پڑھے) جب میں نے یہ دیکھا (کہ وہ پہلے خطبہ پڑھنے پر مصر ہے) تو میں نے کہا کہ عید کی نماز پہلے پڑھنے کا وہ فعل کہاں ہے؟ (جس پر آنحضرت ﷺ اور خلفاء راشدین کے زمانہ سے عمل ہوتا چلا آیا ہے) مروان نے کہا کہ ''اے ابوسعید! جھگڑا نہ کرو، جس بات کو تم جانتے ہو اب وہ متروک ہے (یعنی میں نے مصلحت کے پیش نظر خطبہ سے پہلے نماز پڑھنا چھوڑ دیا ہے اور مصلحت یہ ہے کہ اگر خطبہ نماز کے بعد پڑھا جائے گا تو لوگ اٹھ اٹھ کر جانے لگیں گے) میں نے کہا کہ ہرگز نہیں! قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے جو چیز میں جانتا ہوں تم اس سے بہتر چیز لا ہی نہیں سکتے۔'' میں نے یہ بات تین مرتبہ اس سے کہی۔ پھر (مروان کے اس فعل کی وجہ سے) ابوسعید رضی اللہ عنہ (عیدگاہ سے) چلے گئے (اور جماعت میں شریک نہیں ہوئے)۔ (مسلم)

توضیح: "تصدقوا" تکرار تاکید کے لئے ہے یا مختلف احوال کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی ① صدقہ دو اپنی زندگی کے لئے ② صدقہ دو اپنی موت کے لئے ③ اور صدقہ دو اپنی آخرت کے لئے۔[1]

"محاصر" بانہوں میں بانہیں ڈال کر ہاتھ سے ہاتھ پکڑ کر دو آدمیوں کے چلنے کو محاصرہ کہتے ہیں جبکہ ہاتھ کوکھ کے قریب ہو۔[2]

"مروان ابن الحکم" یہ شخص مدینہ منورہ کا گورنر تھا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ تھا مروان نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بہت نقصانات کیے ہیں جنگ جمل میں بہت نقصان کیا یہ زیادہ ہوشیار آدمی نہیں تھا پہلے گورنر تھا پھر بادشاہ بن گیا حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ایک نڈر حق گو انسان تھے اور صحابی کی یہی شان ہوتی ہے۔

مروان کا خطبہ چند شکایتوں غیبتوں کا مجموعہ ہوتا تھا الا ماشاء اللہ لوگ نماز کے بعد اس کے سننے کے لئے نہیں بیٹھتے تھے اب خطبہ وتقریر کو جبری سنانے کے لئے مروان نے یہ کوشش کی کہ خطبہ عید کی نماز سے پہلے ہو جائے چنانچہ صحابی کو کھینچ کر منبر کی طرف لے جا رہا تھا تاکہ پہلے تقریر ہو جائے پھر نماز ہو جائے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا کہ وہ نماز کی ابتداء کا کیا ہوا؟ تو اس نے کہا کہ پہلے اسی طرح تھا کہ نماز پہلے اور خطبہ بعد میں ہوتا تھا لیکن اب اس طرز کو چھوڑ دیا گیا ہے۔ اس پر حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا کہ خدا کی قسم تم سنت کے مقابلے میں کبھی کوئی خیر و بھلائی

[1] المرقات: ۳/۵۵۵ [2] المرقات: ۳/۵۵۶

نہیں لا سکتے ہو اس صحابی کی جرأت اور حق گوئی کو بھرپور سلام کرنا چاہئے یہی وہ لوگ تھے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿ولا یخافون لومۃ لائم﴾[1] مروان دو ہجری میں پیدا ہوا تھا یہ صحابی نہیں ہے۔[2]

نماز عید پڑھنے کا مکمل طریقہ

عید کی نماز دو رکعت ہے اور اس کے پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے نماز پڑھنے والا دو رکعت واجب کی اس طرح نیت کرے کہ عید کی دو رکعت واجب نماز کی نیت کرتا ہوں تمام زائد تکبیرات کے ساتھ امام کے پیچھے اللہ اکبر یہ کہہ کر ہاتھ باندھ لے پھر نمازی ثنا پڑھے اور قرأت شروع کرنے سے پہلے تین زائد تکبیرات اس طرح پڑھے کہ ہر تکبیر میں ہاتھ کانوں تک اٹھائے اور اللہ اکبر کہے اور ہاتھ لٹکائے رکھے تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ نہ لٹکائے بلکہ باندھ کر خاموش کھڑا رہے اور امام کی قرأت سنے امام اس رکعت کو پڑھ کر دوسری رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے اور قرأت سے فارغ ہو کر رکوع میں جانے سے پہلے حالت قیام میں پھر زائد تین تکبیرات پڑھے لیکن ان تکبیرات میں یہ خیال رہے کہ تیسری تکبیر کے بعد چوتھی تکبیر کے ساتھ امام اور مقتدی ناف پر ہاتھ باندھے بغیر رکوع میں چلے جائیں اور دوسری رکعت کو مکمل کر کے قعدہ سے فارغ ہو کر سلام پھیر دیں اس کے بعد امام کو چاہئے کہ دو خطبے منبر پر کھڑے ہو کر پڑھے عید الفطر کے موقع پر لوگوں کو صدقہ فطر دینے کے مسائل بیان کرے اور عید الاضحیٰ کے موقع پر قربانی کے مسائل بتا دیا کرے اور تکبیرات تشریق کو بیان کرے تکبیرات تشریق بقرعید میں ہوتی ہیں اور یہ واجب ہیں اس کا طریقہ یہ ہے کہ ہر فرض نماز کے بعد ایک مرتبہ بلند آواز سے "**اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد**" پڑھا جائے یہ تکبیرات تشریق ہیں تکبیرات تشریق یوم عرفہ یعنی ۹ ذی الحجہ کی فجر کے نماز سے لیکر تیرھویں تاریخ کی عصر کی نماز تک ہیں یہ تکبیرات عورتوں پر نہیں ہیں اسی طرح مسافر پر واجب نہیں ہیں اہل حق علماء دیوبند کو چاہئے کہ ان تکبیرات کو ذرا اونچی آواز سے پڑھا کریں اہل حق کی مساجد میں اس کی بہت کمی محسوس ہوتی ہے کہ وہ تکبیرات زور سے نہیں پڑھتے ہیں عورتوں پر اگرچہ تکبیرات واجب نہ ہوں پھر بھی ثواب کے لئے ان کو پڑھنا چاہئے ثواب تو ملے گا منفرد نمازی کو بھی پڑھنا چاہئے۔

---

[1] ولا یخافون لومۃ لائم
[2] المرقات: ۳/۵۵۷

باب فی الاضحیة

قربانی کا بیان

قال اللہ تعالیٰ ﴿قل ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین لا شریک لہ﴾[1]

وقال اللہ تعالیٰ ﴿فتقربا قربانا فتقبل من احدھما ولم یتقبل من الآخر﴾[2]

وقال اللہ تعالیٰ ﴿فصل لربک والنحر﴾[3]

شیخ اصمعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لفظ اضحیہ میں کئی لغات ہیں۔

① اضحیہ ہمزہ کے ضمہ کے ساتھ ② اضحیہ کسرہ کے ساتھ ان دونوں لغتوں کی جمع اضاحی آتی ہے۔ ③ ضحیۃ بضم الضاد اس کی جمع ضحایا آتی ہے ④ اضحاۃ بفتح الھمزۃ۔[4]

صاحب مشکوۃ نے جب عیدین کے باب میں اس کے اعمال وافعال کا تذکرہ مکمل کرلیا اور چونکہ عیدین میں عیدالاضحیٰ کے اعمال میں سب سے اہم عمل قربانی کا عمل تھا اس لئے اب اس کا بیان شروع کردیا۔

قربانی کی شرعی حیثیت

اس بات پر سب کا اتفاق اور اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یوم الاضحیٰ میں قربانی انتہائی محبوب ومقبول عمل ہے مگر فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا قربانی کرنا واجب ہے یا سنت ہے۔

فقہاء کا اختلاف:

علامہ ابن رشد رحمۃ اللہ علیہ کی تصریح کے مطابق ائمہ ثلاثہ کے نزدیک قربانی کا عمل سنت مؤکدہ ہے ائمہ احناف کے نزدیک مالدار اور مقیم پر قربانی واجب ہے البتہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ قربانی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک واجب ہے اور صاحبین کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے۔

دلائل:

جمہور نے اس باب کی فصل اول میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث نمبر ۷ سے استدلال کیا ہے جس میں یہ الفاظ آئے ہیں "اذا دخل العشر وارادبعضکم ان یضحی الخ" اس حدیث میں اراد کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ

---

[1] قل ان صلوتی ونسکی ومحیای [2] فتقربا قربانا فتقبل من احدھما
[3] فصل لربک والنحر [4] المرقات: ۳/۵۵۸

اگر کوئی قربانی کا ارادہ نہ کرے تو ضروری نہیں ہے یہ سنت ہونے کی دلیل ہے۔
جمہور کی دوسری دلیل اس باب کی وہ احادیث ہیں جن میں قربانی پر سنت کے لفظ کا اطلاق ہوا ہے مثلاً حدیث نمبر ۲۳ میں "**سنة ابیکم ابراهیم**" میں سنت کا اطلاق ہوا ہے۔
اور حضرت براء ابن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت نمبر ۱۲ میں "**اصاب سنة المسلمین**" کے الفاظ آئے ہیں۔ یہ سب قربانی کے سنت ہونے کی دلیل ہے۔
ائمہ احناف کی پہلی دلیل قرآن کریم کی آیت ہے "**فصل لربك وانحر**" یہاں یہ صیغہ امر کا ہے اور قربانی کا حکم ہے اور امر وجوب کے لئے آتا ہے لہٰذا قربانی واجب ہے۔ احناف کی دوسری دلیل اس باب کی فصل ثالث کی حدیث نمبر ۲۰ ہے جس میں یہ الفاظ آئے ہیں "**من کان ذبح قبل ان نصلی فلیذبح مکانها اخری**" یہاں امر بھی ہے جو وجوب کی دلیل ہے نیز ایک قربانی کے خراب ہونے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی جگہ دوسری قربانی کرنے کا حکم دیا یہ قضا کرنا بھی وجوب کی دلیل ہے۔ احناف کی تیسری دلیل حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔

من کان له سعة ولم یضح فلا یقربن مصلانا۔ (ابن ماجه)

قربانی نہ کرنے پر اس طرح شدید وعید سے اندازہ ہوتا ہے کہ قربانی کرنا واجب ہے سنت نہیں ہے۔
احناف کی چوتھی دلیل بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے الفاظ یہ ہیں "**من ذبح قبل الصلوٰة فلیعد**"۔ (بخاری کتاب العیدین ص ۱۸۹)
قربانی کے اعادہ کا یہ حکم قربانی کے وجوب کی دلیل ہے۔
مشکوٰۃ کی فصل ثالث کی حدیث نمبر ۲۳ بھی احناف کی دلیل ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں دس سال تک مسلسل قربانی کی ہے اور اس کو کبھی نہیں چھوڑا یہ بھی وجوب کی دلیل ہے۔
جواب: جمہور نے ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت سے جو استدلال کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ''اراد'' کے لفظ سے وجوب کی نفی مراد لینا مناسب نہیں ہے ایک حدیث میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "**من اراد الحج فلیعجل**" یہاں اراد سے نفی وجوب کیسے لیا جاسکتا ہے ایک حدیث میں آیا ہے کہ "**ومن اراد الجمعة فیلغتسل**" یہاں جمعہ کے بارے میں اراد لفظ آیا ہے تو کیا جمعہ فرض نہیں ہے۔
اور جن جن احادیث میں سنت کے لفظ کا اطلاق ہوا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ سنت سے اصطلاحی سنت مراد نہیں ہے بلکہ سنت طریقہ کے معنی میں لیا گیا ہے یہ وجوب کے منافی نہیں ہے۔

الفصل الاول

قربانی کا جانور اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا چاہئے

﴿۱﴾ عن أنسٍ قالَ ضَحّٰى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِكَبْشَيْنِ أَمْلَحَيْنِ أَقْرَنَيْنِ ذَبَحَهُمَا بِيَدِهٖ وَسَمّٰى وَكَبَّرَ قَالَ رَأَيْتُهٗ وَاضِعًا قَدَمَهٗ عَلٰى صِفَاحِهِمَا وَيَقُوْلُ بِسْمِ اللهِ وَاللهُ أَكْبَرُ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۱]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے دو دنبوں کی جو سینگوں والے (یعنی جن کے سینگ لمبے تھے یا یہ کہ سینگ ٹوٹے ہوئے نہ تھے) اور املح (یعنی سیاہ و سفید رنگ کے) تھے قربانی کی۔ آپ ﷺ نے بسم اللہ واللہ اکبر کہہ کر (خود) اپنے ہاتھ سے انہیں ذبح کیا۔" حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ ان کے پہلو (یا کلے) پر پاؤں رکھے ہوئے تھے اور بسم اللہ واللہ اکبر کہتے تھے۔" (بخاری و مسلم)

توضیح: "املحین" سیاہ و سفید رنگ کے چتکبرے کو املح کہتے ہیں یعنی دو چتکبرے دنبے۔[۲]

"اقرنین" جن کے بڑے بڑے سینگ ہوں۔[۳]

"وسمی و کبر" قربانی کرنے والے کے لئے مستحب ہے کہ اگر وہ قربانی ذبح کرنے کے آداب جانتا ہے تو وہ اپنے ہاتھ سے خود ذبح کرے ورنہ بصورت دیگر کسی اور شخص سے ذبح کرائے اور خود وہاں پر موجود ہو یا اس کی طرف سے اجازت ہو۔[۴]

باقی ذبح کرنے کے وقت بسم اللہ کہنا حنفیہ کے نزدیک شرط ہے اور اللہ اکبر اللہ اکبر کہنا تمام علماء کرام کے نزدیک مستحب امر ہے۔ "بسم الله والله اکبر" واؤ کے ساتھ ادا کرنا زیادہ بہتر ہے۔ ذبح کے وقت درود پڑھنا جمہور فقہاء کے نزدیک مکروہ ہے۔[۵]

"علی صفاحهما" صفاح پہلو کو بھی کہتے ہیں اور اسی طرح صفاح چہرہ اور رخسار کو بھی کہتے ہیں۔[۶]

قربانی کا دنبہ کیسا ہو؟

﴿۲﴾ وعن عَائِشَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ بِكَبْشٍ أَقْرَنَ يَطَأُ فِيْ سَوَادٍ وَيَبْرُكُ فِيْ سَوَادٍ وَيَنْظُرُ فِيْ سَوَادٍ فَأُتِيَ بِهٖ لِيُضَحِّيَ بِهٖ قَالَ يَا عَائِشَةُ هَلُمِّي الْمُدْيَةَ ثُمَّ قَالَ اشْحَذِيْهَا بِحَجَرٍ

---

[۱] اخرجه البخاری: ۷/۱۳۱، ومسلم: ۶/۷۷، ۷۸ [۲] المرقات: ۳/۵۵۸ [۳] المرقات: ۳/۵۵۹
[۴] المرقات: ۳/۵۵۹ [۵] المرقات: ۳/۵۵۹ [۶] المرقات: ۳/۵۶۰

فَفَعَلَتْ ثُمَّ أَخَذَهَا وَأَخَذَ الْكَبْشَ فَأَضْجَعَهُ ثُمَّ ذَبَحَهُ ثُمَّ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ وَمِنْ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ ثُمَّ ضَحّٰى بِهٖ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے (قربانی کے لئے) ایک ایسے سینگ دار دنبہ کے لانے کا حکم دیا جو سیاہی میں چلتا ہو (یعنی اس کے پاؤں سیاہ ہوں) سیاہی میں بیٹھتا ہو (یعنی اس کا پیٹ اور سینہ سیاہ ہو) اور سیاہی میں دیکھتا ہو (یعنی اس کی آنکھوں کے گرد سیاہی ہو) چنانچہ (جب) آپ کے لئے قربانی کے واسطے ایسا دنبہ لایا گیا (تو) فرمایا کہ "عائشہ! چھری لاؤ (جب چھری آئی تو) پھر فرمایا کہ اسے پتھر پر (رگڑ کر) تیز کرو، میں نے چھری تیز کی، آپ نے چھری لی اور دنبے کو پکڑ کر اسے لٹایا پھر جب اسے ذبح کرنے کا ارادہ کیا تو یہ فرمایا **اللّٰھم تقبل من محمد و اٰل محمد ومن امة محمد** (یعنی اے اللہ! اسے محمد، آل محمد اور امت محمد کی طرف سے قبول فرما پھر اسے ذبح کر دیا۔

توضیح: "یطاء" روندنے کے معنی میں ہے مراد چلنا ہے۔[2]

"یَبْرُكُ" بیٹھنے کے معنی میں ہے[3] "فی سواد" یعنی وہ دنبہ چتکبری تھا پاؤں کے کنارے کالے تھے باقی سفید تھا منہ اور آنکھوں کے دائرے کالے تھے اور باقی سفید تھا سینہ وغیرہ نچلا حصہ سیاہ تھا باقی سفید تھا اس رنگ کا جانور سب سے زیادہ خوبصورت ہوتا ہے۔[4]

"المدیة" چھری کو کہتے ہیں[5] "اشحذیها" چھری تیز کرنے کو تشحیذ کہتے ہیں۔[6]

فقہاء نے لکھا ہے کہ ایک جانور کے بالکل سامنے دوسرے جانور کو ذبح کرنا مکروہ ہے اسی طرح چھری تیز کر کے ذبح کرنا مستحب ہے۔

"امة محمد" امت کو ثواب میں شرکت کی دعا مانگی ہے ورنہ ایک دنبہ کی قربانی میں پوری امت کیسے شریک ہوسکتی ہے؟[7]

کس عمر کے جانور کی قربانی کرنی چاہئے؟

﴿۳﴾ وعن جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَذْبَحُوْا إِلَّا مُسِنَّةً إِلَّا أَنْ يَعْسُرَ عَلَيْكُمْ فَتَذْبَحُوْا جَذَعَةً مِنَ الضَّأْنِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[8]

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ "تم (قربانی میں صرف) مسنہ جانور ذبح کرو، ہاں اگر مسنہ نہ پاؤ تو پھر دنبہ یا بھیڑ کا جذعہ ذبح کر لو۔" (مسلم)

توضیح: "مُسِنَّة" جذعة اور مسنة کسی خاص جانور کا نام نہیں ہے بلکہ اصطلاحی الفاظ ہیں جو قربانی کے جانور کی

[1] اخرجه ومسلم: ۶/۷۸ [2] المرقات: ۳/۵۶۰ [3] المرقات: ۳/۵۶۰ [4] المرقات: ۳/۵۶۰
[5] المرقات: ۳/۵۶۰ [6] المرقات: ۳/۵۶۰ [7] المرقات: ۳/۵۶۰ [8] اخرجه ومسلم: ۶/۷۷

عمر کے لئے استعمال کیے جاتے ہیں۔
چنانچہ حنفی مسلک کے مطابق ان الفاظ کی تشریح اس طرح ہے کہ اونٹوں میں **مسنۃ** وہ اونٹ ہوتا ہے جس کی عمر کے پانچ سال پورے ہو چکے ہوں اور وہ چھٹے سال میں داخل ہو چکا ہو۔ گائے، بیل اور بھینس میں مسنہ وہ ہوتا ہے جس نے دو سال مکمل کر لئے ہوں اور تیسرے میں داخل ہو چکا ہو۔
بکری بھیڑ اور دنبہ میں مسنہ وہ ہوتا ہے جس نے اپنی عمر کا ایک سال مکمل کر لیا ہو اور دوسرے سال میں داخل ہو چکا ہو ہاں دنبہ اور بھیڑ کا اگر جذعہ بھی ہو تو اس کی قربانی بھی جائز ہے جذعہ بھیڑ اور دنبہ کا وہ بچہ ہوتا ہے جس کی عمر ایک سال سے کم ہو مگر چھ ماہ یا اس سے زیادہ ہو۔ یہ تفصیل مسلک احناف کے مطابق ہے۔
بعض علماء فرماتے ہیں کہ جذعہ یعنی بھیڑ کے چھ ماہ کا جو بچہ ہے اس کی قربانی اس صورت میں جائز ہوتی ہے جب وہ اتنا فربہ موٹا ہو کہ اگر ایک سال والا بچہ اس کے ساتھ کھڑا کیا جائے تو بالکل اس کے برابر معلوم ہو رہا ہو۔[1]

بکری کے بچہ کی قربانی

﴿۴﴾ وعن عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْطَاهُ غَنَمًا يَقْسِمُهَا عَلَى صَحَابَتِهِ ضَحَايَا فَبَقِيَ عَتُودٌ فَذَكَرَهُ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ ضَحِّ بِهِ أَنْتَ، وَفِي رِوَايَةٍ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ أَصَابَنِي جَذَعٌ قَالَ ضَحِّ بِهِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت عقبہ ابن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بکریوں کا ایک ریوڑ دیا تا کہ وہ اسے صحابہ میں بطریق قربانی کے تقسیم کر دیں چنانچہ (انہوں نے تقسیم کر دیا) تقسیم کے بعد بکری کا ایک بچہ باقی رہ گیا، انہوں نے اس کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اس کی قربانی کر لو۔" ایک اور روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ "میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے دنبہ کا ایک بچہ ملا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ "اس کی قربانی کر لو۔" (بخاری ومسلم)

توضیح: "عتود" بکری کے اس بچہ کو عتود کہتے ہیں جو موٹا تازہ ہو اور ایک سال کا ہو، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بکری کے ایک سال کے بچہ کی قربانی جائز ہے اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے جبکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ دو سال کا کہتے ہیں۔
بعض علماء فرماتے ہیں کہ عتود بکری کے اس بچہ کو کہتے ہیں جو چھ ماہ سے زیادہ کا ہو اور سال سے کم کا ہو اس صورت میں عتود کو قربانی کے لئے قبول کرنا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت بھی تھی اور اس شخص کی خصوصیت بھی تھی عام مسلمانوں کے لئے بکری کے اس طرح بچہ کی قربانی جائز نہیں ہے جیسا کہ دیگر روایات سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس شخص کے لئے خصوصی حکم تھا۔[3]

---

[1] المرقات: ۳/۵۶۱ [2] اخرجہ البخاری: ۷/۱۲۹ ومسلم: ۶/۷۷ [3] المرقات: ۳/۵۶۲

عیدگاہ میں قربانی افضل ہے

﴿۵﴾ وعن ابن عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْبَحُ وَيَنْحَرُ بِالْمُصَلَّى. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ عیدگاہ میں قربانی کے جانور کو ذبح اور نحر کیا کرتے تھے۔" (بخاری)

اس حدیث کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

ایک اونٹ میں سات آدمی قربانی کر سکتے ہیں

﴿۶﴾ وعن جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْبَقَرَةُ عَنْ سَبْعَةٍ وَالْجَزُورُ عَنْ سَبْعَةٍ.

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَأَبُو دَاوُدَ وَاللَّفْظُ لَهُ)[2]

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا" (قربانی کے لئے) ایک گائے اور ایک اونٹ سات آدمیوں کی طرف سے کافی ہے۔" (مسلم، ابوداؤد)

توضیح: بھیڑ بکری میں صرف ایک آدمی قربانی کر سکتا ہے گائے بیل اور بھینس میں سات آدمی شریک ہو کر قربانی کر سکتے ہیں اب مسئلہ اونٹ کا رہ گیا اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔[3]

فقہاء کا اختلاف:

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور غیر مقلدین کے نزدیک ایک اونٹ میں گھرانے کے دس آدمی شریک ہو کر قربانی کر سکتے ہیں۔

جمہور کے ہاں یہ صحیح نہیں ہے بلکہ اونٹ گائے بیل اور بھینس میں صرف سات آدمی قربانی کر سکتے ہیں۔[4]

دلائل:

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے استدلال کیا ہے جو مشکوٰۃ ص ۱۲۸ پر ہے اور حدیث ۱۷ ہے اس میں اونٹ میں دس آدمیوں کی شرکت اور قربانی کرنے کا واضح ثبوت موجود ہے۔[5]

جمہور کی دلیل زیر بحث حدیث نمبر ۶ ہے جو اپنے مطلب پر واضح ہے۔

جواب: جمہور نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے یہ جواب دیا ہے کہ یہ ثواب والی قربانی ہے واجب قربانی نہیں ہے مثلاً حصول ثواب کے لئے کچھ لوگ جمع ہو جائیں اور قربانی کریں اس طرح قربانی میں دس بارہ آدمی شریک ہو سکتے ہیں۔

---

[1] اخرجه البخاري: ۲/۲۸، ۷/۱۳۰ [2] اخرجه ومسلم: ۲/۸۷ وابوداؤد: ۲۸۰۹ [3] المرقات: ۳/۵۶۳

[4] المرقات: ۳/۵۶۳ [5] المرقات: ۳/۵۶۴، ۳/۵۶۳

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کا دوسرا جواب یہ ہے کہ اونٹ کی قربانی کے بارے میں مختلف متعارض روایات ہیں بعض میں سات آدمیوں کا ذکر ہے بعض میں دس کا ذکر ہے تو احتیاط اس میں ہے کہ سات لیا جائے اور دس کی صورت اختلافی ہے وہ نہ لیا جائے نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت زیر بحث روایت کا مقابلہ نہیں کر سکتی ہے بلکہ اس سے وہ منسوخ ہوگئی ہے لہٰذا اس کو چھوڑ دیا جائے گا اور زیر بحث حدیث کو قبول کیا جائے گا بہرحال دس آدمیوں کی شرکت اس قربانی میں جائز ہے جو قربانی بطور ثواب ہو وجوب کے طور پر نہ ہو اور ثواب کے طور پر اگر ایک اونٹ میں دس آدمی شرکت کریں تو ٹھیک ہے مقصود صرف ثواب ہے قربانی واجب نہیں ہے۔

قربانی کرنے والے کے لئے چند ہدایات

﴿۷﴾ وعن أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ وَأَرَادَ بَعْضُكُمْ أَنْ يُضَحِّيَ فَلَا يَمَسَّ مِنْ شَعَرِهٖ وَبَشَرِهٖ شَيْئًا وَفِيْ رِوَايَةٍ فَلَا يَأْخُذَنَّ شَعَرًا وَلَا يَقْلِمَنَّ ظُفُرًا. وَفِيْ رِوَايَةٍ مَنْ رَأَى هِلَالَ ذِي الْحِجَّةِ وَأَرَادَ أَنْ يُضَحِّيَ فَلَا يَأْخُذْ مِنْ شَعَرِهٖ وَلَا مِنْ أَظْفَارِهٖ. (رواه مسلم)[1]

ترجمہ: اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ ”جب ذی الحجہ کا پہلا عشرہ شروع ہو جائے تو تم میں سے جو شخص قربانی کرنے کا ارادہ کرے وہ اپنے بال اور ناخن بالکل نہ کترواۓ۔“ ایک روایت میں یوں ہے کہ ”نہ بال کٹوائے اور نہ ناخن کتروائے۔“ ایک اور روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ ”جو شخص بقر عید کا چاند دیکھے اور وہ قربانی کرنے کا ارادہ رکھتا ہو تو وہ (قربانی کر لینے تک) اپنے بال اور ناخن نہ کٹوائے۔“ (مسلم)

عشرۂ ذوالحجہ کے اعمال کی شان

﴿۸﴾ وعن ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ أَيَّامٍ الْعَمَلُ الصَّالِحُ فِيْهِنَّ أَحَبُّ إِلَى اللهِ مِنْ هٰذِهِ الْأَيَّامِ الْعَشْرِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللهِ وَلَا الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ قَالَ وَلَا الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ إِلَّا رَجُلٌ خَرَجَ بِنَفْسِهٖ وَمَالِهٖ فَلَمْ يَرْجِعْ مِنْ ذٰلِكَ بِشَيْءٍ. (رواه البخاري)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔ ”ایسا کوئی دن نہیں ہے جس میں نیک عمل کرنا خدا کے نزدیک ان دس دنوں (ذی الحجہ کے پہلے عشرہ) سے زیادہ محبوب ہو۔“ صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا (ان ایام کے علاوہ دوسرے دنوں میں) خدا کی راہ میں جہاد کرنا بھی (ان دنوں کے نیک اعمال کے برابر) نہیں ہے فرمایا جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں۔ ہاں اس شخص کا جہاد جو اپنی جان و مال کے ساتھ (خدا کی راہ میں لڑنے) نکلا اور پھر واپس نہ ہوا (وہ ان دنوں کے نیک اعمال سے زیادہ افضل ہے)۔ (بخاری)

[1] اخرجه ومسلم: ۶/۸۳ [2] اخرجه البخاري: ۲/۲۴

توضیح: "ولا الجهاد" صحابہ کرام کے دل ودماغ میں جہاد کا نقشہ بہت ہی بلند تھا چونکہ اس کے فضائل بہت زیادہ ہیں اس لئے شبہ ہوا کہ کیا جہاد سے بھی اس عشرہ کے اعمال اونچے ہیں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہاں جہاد سے بھی افضل ہیں اِلَّا یہ کہ مجاہد جہاد پر جائے اور خود شہید ہو جائے گھوڑا بھی مارا جائے پورے سرمایہ کی قربانی لگائے جس کے بارے میں یہ کہا جائے۔ [1]

جو پاس تھا وہ سب لٹا ہی دیا حق تو یہ ہے کہ حق ادا ہی کیا

بعض دفعہ اللہ تعالیٰ قلیل عمل پر کثیر ثواب عطا کرتا ہے یہ جزئی فضیلت ہوتی ہے جہاد کی فضیلت کلی اور عمومی ہے۔

کیا عشرہ ذوالحجہ افضل ہے یا آخر عشرہ رمضان؟

اب یہاں یہ بحث ہے کہ رمضان کا آخری عشرہ زیادہ فضیلت والا ہے یا ذوالحجہ کا اول عشرہ زیادہ فضیلت والا ہے زیر بحث حدیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ ذوالحجہ کا عشرہ رمضان کے عشرہ سے افضل ہے مگر علماء نے تطبیق کے طور پر ایسا لکھا ہے کہ ممکن ہے کہ ذوالحجہ کے عشرہ کی یہ فضیلت رمضان کے عشرہ کے علاوہ ایام پر ہو عشرہ رمضان سے تقابل نہ ہو دوسری توجیہ یہ ہے کہ دونوں عشروں کو الگ الگ حیثیت سے ایک دوسرے پر برتری حاصل ہے مثلاً عشرہ ذوالحجہ اس اعتبار سے افضل و برتر ہے کہ اس میں عرفہ کا دن ہے اور رمضان کا آخری عشرہ اس اعتبار سے افضل ہے کہ اس میں شب قدر ہے اگر عشرہ ذوالحجہ میں سے عرفہ کا دن ہٹایا جائے تو عشرہ رمضان افضل ہے اور اگر عشرہ رمضان سے شب قدر ہٹائی جائے تو عشرہ ذوالحجہ افضل ہے۔ [2]

الفصل الثانی

قربانی کے وقت کی دعا

﴿۹﴾ عن جَابِرٍ قَالَ ذَبَحَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الذَّبْحِ كَبْشَيْنِ أَقْرَنَيْنِ أَمْلَحَيْنِ مَوْجُوْئَيْنِ فَلَمَّا وَجَّهَهُمَا قَالَ إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ عَلَى مِلَّةِ إِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ إِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ أَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ عَنْ مُحَمَّدٍ وَأُمَّتِهٖ بِسْمِ اللهِ وَاللهُ أَكْبَرُ ثُمَّ ذَبَحَ. (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْ دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَهْ وَالدَّارِمِيُّ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِأَحْمَدَ وَأَبِيْ دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيِّ ذَبَحَ بِيَدِهٖ وَقَالَ بِسْمِ اللهِ وَاللهُ أَكْبَرُ أَللّٰهُمَّ هٰذَا عَنِّيْ وَعَمَّنْ لَمْ يُضَحِّ مِنْ أُمَّتِيْ) [3]

---

[1] المرقات: ۳/۵۶۶ [2] المرقات: ۳/۵۶۶ [3] اخرجه احمد: ۳/۳۷۵

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ذبح کے دن (یعنی عید قرباں کے دن) دو دنبے جو سینگ دار، ابلق اور خصی تھے ذبح کرنے چاہے تو ان کو قبلہ رخ کیا اور یہ پڑھا۔ یعنی میں اپنا منہ اس ذات کی طرف متوجہ کرتا ہوں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، اس حال میں کہ میں دین ابراہیم پر ہوں جو توحید کو ماننے والے تھے اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں، بلاشبہ میری نماز، میری تمام عبادتیں، میری زندگی اور میری موت (سب کچھ) اللہ ہی کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور مجھے اس کا حکم دیا گیا ہے اور میں مسلمانوں میں سے ہوں۔ اے اللہ! یہ قربانی تیری عطاء سے ہے اور خالص تیری ہی رضا کے لئے ہے تو اس کو محمد اور اس کی امت کی جانب سے قبول فرما ساتھ نام اللہ کے اور اللہ بہت بڑا ہے۔ اس کے بعد آپ نے ذبح کیا۔ (احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی) اور ایک روایت میں احمد، ابوداؤد، ترمذی کے نزدیک ہے کہ اپنے ہاتھ سے ذبح کیا اور فرمایا اللہ کے نام سے اور اللہ بڑا ہے۔ اے اللہ یہ میری طرف سے اور اسکی طرف جو میری امت میں سے قربانی کی استطاعت نہیں رکھتا۔

توضیح: "املحین" پہلے بھی لکھا جا چکا ہے کہ املح چتکبرے دنبے کو کہتے ہیں جس میں سواد و بیاض ہو جسے ابلق بھی کہتے ہیں "موجوئین" وجأ یوجأ وجاءً فھو موجوء کوٹنے اور ٹکڑے کرنے کے معنی میں ہے خصیتین کو جب دو پتھروں کے درمیان خوب کوٹ لیا جائے اس کو وجاء کہتے ہیں یہاں یہی مراد ہے موجوء اسم مفعول کا صیغہ ہے اور موجوئین اس کا تثنیہ ہے۔

مطلب یہ کہ وہ دونوں دنبے خصی تھے کسی جانور کے دونوں خصیتین کو جب نکالا جائے اس کو عربی میں خصی کہتے ہیں مگر خصیتین کو جب پتھروں سے کوٹ لیا جائے اس کو وجاء کہتے ہیں بہرحال اس عمل سے قربانی کے جانور میں گوشت گھٹتا نہیں بلکہ لذیذ ہو کر بڑھتا ہے اس لئے یہ جائز بلکہ احسن ہے۔

"لم یضح من امتی" اس کا مطلب یہ ہے کہ میری امت کے افراد میں سے جو لوگ غریب اور بے بس ہیں اور قربانی کی قدرت نہیں رکھتے ان کی طرف سے یہ قربانی ہے کہ میرے ساتھ ان کو بھی ثواب دیا جائے اس جملے کا یہ مطلب نہیں کہ یہ قربانی ان کی طرف سے بھی قربانی ہے کیونکہ پوری امت کو ایک قربانی میں شریک نہیں کیا جا سکتا البتہ ثواب میں شرکت ہو سکتی ہے۔ اور اگر تمام فقراء و غرباء کی طرف سے حقیقی قربانی مراد لی جائے تو پھر یہ آنحضرت ﷺ کی خصوصیات میں سے شمار کیا جائے گا اوروں کے لئے قاعدہ نہیں بنے گا۔[1]

مرحومین کی طرف سے قربانی جائز ہے

﴿۱۰﴾ وعن حَنَشٍ قَالَ رَأَيْتُ عَلِيًّا يُضَحِّيْ بِكَبْشَيْنِ فَقُلْتُ لَهُ مَا هٰذَا فَقَالَ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْصَانِيْ أَنْ أُضَحِّيَ عَنْهُ فَأَنَا أُضَحِّيْ عَنْهُ. (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ نَحْوَهُ)[2]

[1] المرقات: ۳/۵۵۸ [2] اخرجه وابوداؤد: ۲۷۹۰ والترمذی: ۱۴۹۵

ترجمہ: اور حضرت حنش فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو دو دنبے قربانی کرتے ہوئے دیکھا تو میں نے کہا کہ یہ کیا؟ (یعنی جب ایک دنبہ کی قربانی کافی ہے تو دو دنبوں کی قربانی کیوں کرتے ہیں؟) انہوں نے فرمایا کہ رسول کریم ﷺ نے مجھے یہ وصیت فرمائی تھی کہ (ان کے وصال کے بعد) ان کی طرف سے قربانی کروں لہٰذا میں ان کی طرف سے قربانی کرتا ہوں۔"
(ابوداؤد، ترمذی)

عیب دار جانور کی قربانی جائز نہیں ہے

﴿۱۱﴾ وعن عَلِيٍّ قَالَ أَمَرَنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نَسْتَشْرِفَ الْعَيْنَ وَالْأُذُنَ وَأَنْ لَا نُضَحِّيَ بِمُقَابِلَةٍ وَلَا مُدَابَرَةٍ وَلَا شَرْقَاءَ وَلَا خَرْقَاءَ.
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَابْنُ مَاجه وَانْتَهَتْ رِوَايَتُهُ إِلٰى قَوْلِهِ وَالْأُذُنَ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم (قربانی کے جانور کے) آنکھ اور کان کو خوب اچھی طرح دیکھ لیں (کہ کوئی ایسا عیب اور نقصان نہ ہو جس کی وجہ سے قربانی درست نہ ہو اور یہ حکم بھی دیا ہے کہ) ہم اس جانور کی قربانی نہ کریں جس کا کان اگلی طرف سے یا پچھلی طرف سے کٹا ہوا ہو اور نہ اس جانور کی جس کے کان لمبائی میں چرے ہوئے اور گولائی میں پھٹے ہوئے ہوں۔" یہ روایت ترمذی، ابوداؤد، نسائی، دارمی اور ابن ماجہ نے نقل کی ہے لیکن ابن ماجہ کی روایت لفظ "والاذن" پر ختم ہوگئی ہے۔

توضیح: "ان نستشرف" استشراف جھانک کر دیکھنے اور ٹٹولنے کے معنی میں ہے یعنی جانور کی آنکھوں اور کانوں میں خوب غور کر کے دیکھیں کہ اس میں کوئی نقص اور عیب تو نہیں ہے۔[۲]

"مقابلة" هي التي قطع من قبل اذنها شيء ثم يترك معلقا (طیبی)[۳]

یعنی مقابلہ وہ جانور ہے جس کے کان کی اگلی طرف سے کچھ حصہ کاٹ دیا گیا ہو اور پھر لٹکتا ہوا چھوڑ دیا گیا ہو۔

"ولا مدابرة" مدابرہ وہ جانور ہے جس کے کان کے پچھلے حصہ سے وہی معاملہ کیا گیا ہو جو اوپر بیان ہوا ہے یعنی پچھلی طرف سے کان کٹا ہوا ہو۔[۴]

"ولا شرقاء" ای المشقوقة الاذن باثنتين (طیبی)[۵]

یعنی جانور کے کان لمبائی میں چرے ہوئے ہوں۔

"ولا خرقاء" المثقوبة الاذن ثقبا مستديرا (طیبی)[۶]

---

[۱] اخرجه وابوداؤد: ۲۸۰۴ والنسائی: ۲۱۶/۷، ۲۱۷ وابن ماجه: ۳۱۴۲ [۲] المرقات: ۳/۵۷۰
[۳] الکاشف: ۳/۲۶۲ [۴] المرقات: ۳/۵۷۰ [۵] الکاشف: ۳/۲۶۲ [۶] الکاشف: ۳/۲۶۲

یعنی جس کے کان گولائی میں پھٹے ہوئے ہوں اور اس میں گول سوراخ کیا گیا ہو۔
شوافع حضرات فرماتے ہیں کہ جس جانور کا کان تھوڑا سا بھی کٹا ہوا ہو اس کی قربانی جائز نہیں۔
لیکن احناف فرماتے ہیں کہ اگر نصف اور نصف سے زیادہ کان کٹا ہوا ہو تو قربانی جائز نہیں اور اگر اس سے کم کٹا ہو تو اس کی قربانی جائز ہے البتہ سینگ اگر ٹوٹا ہو تو سب کے نزدیک قربانی جائز ہے۔[1]

قربانی کے جانور کے چند عیب

احناف کا جو مسلک ہے اس مین یہ ہے کہ ایسے جانور کی قربانی جائز نہیں جس کا کان ایک تہائی یا اس سے زیادہ کٹا ہوا ہو اور جس کے کان پیدائشی نہ ہوں اس کی بھی جائز نہیں۔ اسی طرح دم یا ناک اگر تہائی یا اس سے زیادہ کٹی ہوئی ہو اس کی قربانی بھی جائز نہیں ہے اندھے کانے جانور کی قربانی درست نہیں ہے اسی طرح ایک تہائی یا اس سے زیادہ روشنی چلی گئی ہو اس کی بھی جائز نہیں ہے۔
جس جانور کے تھن خشک ہو گئے ہوں اس کی قربانی جائز نہیں ہے ایسے جانور کی بھی جائز نہیں جس کی ہڈیوں میں گودا اور مغز نہ رہا ہو ایسے لنگڑے جانور کی قربانی بھی جائز نہیں جو قربان گاہ تک نہیں جا سکتا ہو اور نہ ایسے بیمار کی جائز ہے جو گھاس نہیں کھا سکتا ہو نجاست خور جانور کی قربانی بھی جائز نہیں۔
اگر کان کٹا ہوا ہو لیکن لٹک رہا ہو اس کی قربانی جائز ہے احناف کی کتابوں میں ایسا ہی لکھا ہے لیکن زیر بحث حدیث میں اس کی ممانعت معلوم ہو رہی ہے احناف فرماتے ہیں کہ ایسی صورت میں اس حدیث کی ممانعت کراہت تنزیہی پر محمول ہے۔[2]

سینگ ٹوٹے ہوئے جانور کی قربانی

﴿۱۲﴾ وعنه قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نُضَحِّيَ بِأَعْضَبِ الْقَرْنِ وَالْأُذُنِ۔
(رَوَاهُ ابْنُ مَاجه)[3]

ترجمہ: اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ راوی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے منع فرمایا ہے کہ ہم ایسے جانور کی قربانی کریں جس کے سینگ ٹوٹے ہوئے اور کان کٹے ہوئے ہوں۔'' (ابن ماجہ)

توضیح: ''اعضب'' ضرب یضرب سے اعضب اس جانور کو کہتے ہیں جس کے سینگ ٹوٹے ہوں یا کان کٹے ہوں احناف کے مسلک کے مطابق اس جانور کی قربانی جائز ہے جسکے سینگ پیدائشی طور پر نہ ہوں یا ٹوٹے ہوئے ہوں یا سینگ کا خول اوپر سے اتر گیا ہو ہاں اگر سینگ اتنے جڑوں سے اکھڑ گیا ہو جس سے جانور کا گوشت متاثر ہوا ہو تو اس کی قربانی جائز نہیں۔ مذکورہ حدیث کی ممانعت سے شاید ایسا ہی جانور مراد ہو جس کے سینگ جڑوں سے ٹوٹ گئے ہوں تو مسلک احناف حدیث کے موافق ہو جائے گا یا یہ ممانعت کراہت تنزیہی یعنی خلاف اولیٰ پر محمول ہے۔[4]

---

[1] المرقات: ۳/۵۷۰ [2] المرقات: ۳/۵۷۱ [3] اخرجه وابن ماجه: ۳۱۴۵ [4] المرقات: ۳/۵۷۱

چار قسم کے جانوروں کی قربانی درست نہیں

﴿۱۳﴾ وعن الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ مَاذَا يُتَّقٰى مِنَ الضَّحَايَا فَأَشَارَ بِيَدِهٖ فَقَالَ أَرْبَعاً اَلْعَرْجَاءُ الْبَيِّنُ ظَلْعُهَا وَالْعَوْرَاءُ الْبَيِّنُ عَوَرُهَا وَالْمَرِيْضَةُ الْبَيِّنُ مَرَضُهَا وَالْعَجْفَاءُ الَّتِيْ لَا تُنْقِيْ۔ (رَوَاهُ مَالِكٌ وَأَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْ دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَه وَالدَّارِمِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کیسے جانور کی قربانی سے بچا جائے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ کی انگلیوں سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ چار طرح کے جانور قربانی کے قابل نہیں۔ ① لنگڑا جس کا لنگڑا پن ظاہر ہو یعنی جو چل نہ سکے۔ ② کانا۔ جس کا کانا پن ظاہر ہو یعنی ایک آنکھ سے بالکل دکھائی نہ دیتا ہو یا تہائی یا تہائی سے زیادہ روشنی جاتی رہی ہو۔ ③ بیمار جس کی بیماری ظاہر ہو یعنی جو بیماری کی وجہ سے گھاس نہ کھا سکے۔ ④ ایسا دبلا کہ جس کی ہڈیوں میں گودا نہ ہو۔ (مالک، احمد، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی)

توضیح: "العرجاء" لنگڑے جانور کو عرجاء کہتے ہیں۔[2] "ظلعها" لنگڑے جانور کے لنگڑے پن کو ظلع کہتے ہیں چنانچہ فصحاء عرب کہتے ہیں "وان لم يدرك الظالع شأو الضليع"۔[3]

"العوراء" یہ اعور سے ہے اس جانور کو کہا گیا ہے جو کانا ہو۔[4]

"العجفاء" بیماری کی وجہ سے جب جانور سوکھ کر دبلا ہو جاتا ہے اسکو "عجفاء" کہتے ہیں۔[5]

"لا تنقی" یہ باب افعال سے ہے تا پر ضمہ ہے اور نون ساکن ہے۔[6]

"نِقْیٌ" ہڈی کے اندر گودے اور مغز کو کہتے ہیں لا تنقی کا معنی یہ ہوا کہ جس کی ہڈیوں میں گودا اور مغز ختم ہو چکا ہو اس طرح لاغر اور دبلے جانور کی قربانی جائز نہیں ہے۔[7]

فربہ جانور کی قربانی افضل ہے

﴿۱۴﴾ وعن أَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُضَحِّيْ بِكَبْشٍ أَقْرَنَ فَحِيْلٍ يَنْظُرُ فِيْ سَوَادٍ وَيَأْكُلُ فِيْ سَوَادٍ وَيَمْشِيْ فِيْ سَوَادٍ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْ دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَه)[8]

ترجمہ: اور حضرت ابوسعید فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایسے سینگ دار اور فربہ دنبہ کی قربانی کرتے تھے جو سیاہی میں

[1] اخرجه مالك: ۲۹۸ الترمذی: ۱۴۹۷، ۲۱۳/۷ وابوداؤد: ۲۸۰۲ والنسائی: ۲۱۵/۷ وابن ماجه: ۳۱۴۴ [2] المرقات: ۵۷۹/۳

[3] المرقات: ۵۷۹/۳ [4] المرقات: ۵۷۹/۳ [5] المرقات: ۵۷۹/۳ [6] المرقات: ۵۷۹/۳ [7] المرقات: ۵۷۹/۳

[8] اخرجه الترمذی: ۱۴۹۶ وابوداؤد: ۲۷۹۶ والنسائی: ۲۲۰/۷ وابن ماجه: ۳۱۲۸

دیکھتا تھا یعنی اس کی آنکھوں کے گرد سیاہی تھی، سیاہی میں کھاتا تھا یعنی اس کا منہ بھی سیاہ تھا اور سیاہی میں چلتا تھا یعنی اس کے پاؤں بھی سیاہ تھے۔" (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

توضیح:

"فحیل" ککریم وزنا ومعنا هو القوی خلقة والکثیر لحمًا۔

یعنی موٹا فربہ عمدہ خوب صورت طاقتور نر دنبے کی قربانی آنحضرت ﷺ کرتے تھے۔[1]

فقہاء لکھتے ہیں کہ موٹے تازے خوبصورت جانور کی قربانی مستحب ہے۔ چنانچہ اگر موٹی تازی ایک بکری ہو اور دبلی پتلی لاغر بکریاں دو ہوں تو ایک کی قربانی اس قسم کے دو لاغر سے افضل ہے لیکن اگر غلاموں کی آزادی کی بات ہو تو وہاں دو کمزور غلاموں کا آزاد کرنا ایک موٹے تازے غلام کے آزاد کرنے سے بہتر ہے۔[2]

اس کی وجہ یہ ہے جانور کی قربانی درحقیقت حضرت اسماعیلؑ کی جان کی قربانی کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں پر مہربانی کر کے قبول فرمایا ہے لہٰذا جانور کے جسم اور خوبصورتی میں ان صفات کا خیال رکھنا ضروری ہے جو جسمانی اور خوبصورتی کی صفات حضرت اسماعیلؑ میں قربانی کے وقت تھیں۔

چھ ماہ کے دنبہ کی قربانی جائز ہے

﴿۱۵﴾ وعن مُجَاشِعٍ مِنْ بَنِي سُلَيْمٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ إِنَّ الْجَذَعَ يُوَفِّيْ مِمَّا يُوَفِّيْ مِنْهُ الثَّنِيُّ۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَه)[3]

ترجمہ: قبیلہ بنی سلیم کے (ایک فرد) حضرت مجاشع راوی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ جذع (یعنی وہ دنبہ یا بھیڑ جس کی عمر چھ مہینے سے زیادہ ہو) کافی ہے اس چیز سے کہ کفایت کرے اس کو "ثنی"۔ (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

توضیح: "الجذع" چھ ماہ کی بھیڑ کو جذع کہتے ہیں اس عمر کی بھیڑ کی قربانی جائز ہے بکری کی جائز نہیں ہے لیکن اگر بکری ایک سال کی ہو تو اس کی قربانی جائز ہے۔ خلاصہ یہ کہ جس طرح سال کی بکری کی قربانی جائز ہے اسی طرح چھ ماہ کی بھیڑ کی جائز ہے اس حدیث میں اسی مسئلہ کو بیان کیا گیا ہے اور "یوفی" کا ترجمہ و مطلب بھی یہی ہے کہ چھ ماہ کی بھیڑ سال کی بکری کی طرح کافی ہے۔[4]

"الثنی" یہ بھی ایک اصطلاحی لفظ ہے بکریوں میں ثنی اس کو کہتے ہیں جس نے ایک سال پورا کیا اور دوسرے میں قدم رکھا ہو۔ گائے اور بیل میں ثنی وہ ہوتا ہے جس کے دو سال پورے ہو چکے ہوں اور تیسرے سال میں قدم رکھا ہو اور اونٹ میں ثنی وہ ہے جو پانچ سال پورے کرنے کے بعد چھٹے سال میں داخل ہو چکا ہو۔[5]

---

[1] المرقات: ۳/۵۷۳ [2] المرقات: ۳/۵۷۳ [3] اخرجه ابوداؤد: ۲۷۹۹ وابن ماجه: ۳۱۴۰ [4] المرقات: ۳/۵۷۳ [5] المرقات: ۳/۵۷۳

﴿۱۶﴾ وعن أبي هريرة قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول نعمت الأضحية الجذع من الضأن. (رواه الترمذي)[۱]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ دنبہ کے جذع (یعنی چھ ماہ کے بچہ) کی قربانی بہتر ہے۔" (ترمذی)

اونٹ میں دس اشخاص کی شرکت کا مسئلہ

﴿۱۷﴾ وعن ابن عباس قال كنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم في سفر فحضر الأضحى فاشتركنا في البقرة سبعة وفي البعير عشرة.

(رواه الترمذي والنسائي وابن ماجه وقال الترمذي هذا حديث حسن غريب)[۲]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم (ایک) سفر میں رسول اکرم ﷺ کے ساتھ تھے کہ عید قربان آ گئی، چنانچہ گائے (کی قربانی میں ہم سات آدمی اور اونٹ (کی قربانی) میں دس آدمی شریک ہوئے۔" (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ) امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

توضیح: "عشرة" بھیڑ بکری میں ایک آدمی قربانی کر سکتا ہے گائے بیل میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں اب اونٹ کا مسئلہ کیسا ہے اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف:

اسحاق بن راھویہ اہل ظواہر اور امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک اونٹ کی قربانی میں ایک گھرانے کے دس آدمی شرکت کر سکتے ہیں اور دس آدمیوں کی طرف سے ایک اونٹ کی قربانی جائز ہے ائمہ ثلاثہ اور جمہور فقہاء کے نزدیک گائے بیل کی طرح اونٹ میں بھی سات اشخاص سے زیادہ کی شرکت جائز نہیں ہے۔[۳]

دلائل:

امام مالک رحمہ اللہ اور اہل حدیث نے زیر بحث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے استدلال کیا ہے امام مالک رحمہ اللہ کی ایک عقلی دلیل بھی ہے وہ یہ کہ قربانی کرنے سے مقصود تقرب الٰہی حاصل کرنا ہے اور تقرب ایک غیر منقسم چیز ہے اس میں افراد کی وحدت کا اعتبار کرنا ہوگا تو ایک گھرانے کے افراد تو شرکت کر سکتے ہیں الگ الگ گھرانوں کے نہیں کر سکتے ہیں تاکہ تقرب میں تقسیم نہ آئے۔

[۱] اخرجه الترمذي: ۱۴۹۹ [۲] اخرجه الترمذي: ۹۰۵، ۱۵۰۱ والنسائي: ۷/۲۲۲ وابن ماجه: ۳۱۳۱
[۳] المرقات: ۳/۵۷۳ [۴] المرقات: ۳/۵۷۳

جمہور نے فصل اول کی حدیث نمبر ۶ سے استدلال کیا ہے جو مسلم شریف کی روایت ہے وہاں پر ایک اونٹ میں سات آدمیوں کی شرکت کا حکم ہے۔[۴]

جواب: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کا مطلب ثواب والی قربانی ہے واجب قربانی مراد نہیں ہے اور ثواب کے لئے اگر کوئی اونٹ ذبح کرنا چاہتا ہے تو اس میں پندرہ آدمی بھی شرکت کر سکتے ہیں یا یہ روایت موقوف ومنسوخ ہے یا اس صحیح روایت کے مقابلہ میں متروک ہے۔

باقی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی عقلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ نص صریح کے مقابلہ میں قیاس کا اعتبار نہیں ہے یہ مسئلہ پہلے صفحہ نمبر ۹۱۸ پر لکھا جا چکا ہے۔

قربانی کرنے کی عظیم فضیلت

﴿۱۸﴾ وعن عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا عَمِلَ ابْنُ آدَمَ مِنْ عَمَلٍ يَوْمَ النَّحْرِ أَحَبَّ إِلَى اللّٰهِ مِنْ إِهْرَاقِ الدَّمِ وَإِنَّهُ لَيَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِقُرُوْنِهَا وَأَشْعَارِهَا وَأَظْلَافِهَا وَإِنَّ الدَّمَ لَيَقَعُ مِنَ اللّٰهِ بِمَكَانٍ قَبْلَ أَنْ يَقَعَ بِالْأَرْضِ فَطِيْبُوْا بِهَا نَفْسًا۔ (رواه الترمذي وابن ماجه)[۱]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ابن آدم کا نحر (یعنی قربانی کے دن) ایسا کوئی عمل نہیں جو خدا کے نزدیک خون بہانے (یعنی قربانی کرنے) سے زیادہ محبوب ہو، اور (قربانی کا) وہ ذبح کیا ہوا جانور قیامت کے دن اپنے سینگوں بالوں اور کھروں کے ساتھ آئے گا اور قربانی کا خون قبل اس کے کہ زمین پر گرے (یعنی ذبح کرنے کے ارادہ کے وقت ہی) بارگاہ خداوندی میں قبول ہو جاتا ہے۔ لہٰذا تم اس کی وجہ سے (یعنی قربانی کرکے) اپنے نفس کو خوش کرو۔"

(ترمذی، ابن ماجہ)

عشرۂ ذوالحجہ کی عبادت کی عظیم فضیلت

﴿۱۹﴾ وعن أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ أَيَّامٍ أَحَبَّ إِلَى اللّٰهِ أَنْ يُتَعَبَّدَ لَهُ فِيْهَا مِنْ عَشْرِ ذِي الْحِجَّةِ يَعْدِلُ صِيَامُ كُلِّ يَوْمٍ مِنْهَا بِصِيَامِ سَنَةٍ وَقِيَامُ كُلِّ لَيْلَةٍ مِنْهَا بِقِيَامِ لَيْلَةِ الْقَدْرِ۔ (رواه الترمذي وابن ماجه وقال الترمذي إسناده ضعيف)[۲]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ایسا کوئی دن نہیں ہے کہ جس میں عبادت کرنا عشرۂ ذی الحجہ سے زیادہ افضل ہو، اس میں سے ہر دن کے روزے ایک سال کے روزوں کے برابر قرار دیئے جاتے ہیں اور اس

[۱] اخرجہ الترمذی: ۱۴۹۳ وابن ماجہ: ۳۱۲۶ [۲] اخرجہ الترمذی: ۷۵۸، وابن ماجہ: ۱۷۲۸

میں سے ہر رات کی عبادت شب قدر کی عبادت کے برابر قرار دی جاتی ہے۔'' (ترمذی، ابن ماجہ، امام ترمذی، فرماتے ہیں اس کی اسناد ضعیف ہیں۔

الفصل الثالث

بقرعید کی نماز سے پہلے قربانی درست نہیں

﴿۲۰﴾ عن جُنْدُبِ بْنِ عَبْدِاللّٰہِ قَالَ شَھِدْتُ الْأَضْحٰی یَوْمَ النَّحْرِ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَلَمْ یَعْدُ أَنْ صَلّٰی وَفَرَغَ مِنْ صَلَاتِہٖ وَسَلَّمَ فَإِذَا ھُوَ یَرٰی لَحْمَ أَضَاحِیَّ قَدْ ذُبِحَتْ قَبْلَ أَنْ یَفْرُغَ مِنْ صَلَاتِہٖ فَقَالَ مَنْ کَانَ ذَبَحَ قَبْلَ أَنْ یُصَلِّیَ أَوْ نُصَلِّیَ فَلْیَذْبَحْ مَکَانَھَا أُخْرٰی. وَفِیْ رِوَایَةٍ قَالَ صَلَّی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَوْمَ النَّحْرِ ثُمَّ خَطَبَ ثُمَّ ذَبَحَ وَقَالَ مَنْ کَانَ ذَبَحَ قَبْلَ أَنْ یُصَلِّیَ أَوْ نُصَلِّیَ فَلْیَذْبَحْ أُخْرٰی مَکَانَھَا وَمَنْ لَّمْ یَذْبَحْ فَلْیَذْبَحْ بِاسْمِ اللّٰہِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)[1]

ترجمہ: حضرت جندب ابن عبداللہ فرماتے ہیں کہ میں (ایک مرتبہ) عید قرباں میں جو نحر یعنی قربانی کا دن ہے رسول کریم ﷺ کے ہمراہ (عید گاہ) حاضر ہوا، ابھی آپ نماز اور خطبہ سے پوری طرح فارغ بھی نہیں ہوئے تھے (یعنی ابھی خطبہ شروع نہیں فرمایا تھا) کہ کیا دیکھتے ہیں کہ قربانی کا گوشت رکھا ہے اور نماز پڑھنے سے پہلے ہی قربانی ہوگئی ہے، آپ نے فرمایا کہ جس نے قبل اس کے کہ نماز پڑھے، یا یہ فرمایا کہ قبل اس کے کہ ہم نماز پڑھیں (قربانی کا جانور) ذبح کر دیا ہے اسے چاہئے کہ وہ اس کے بدلہ میں دوسرا جانور ذبح کرے۔'' ایک اور روایت میں ہے کہ ''حضرت جندب رضی اللہ عنہ نے فرمایا'' آنحضرت ﷺ نے بقرعید کے روز نماز اور خطبہ ارشاد فرمایا پھر (قربانی کا جانور) ذبح کیا اور فرمایا کہ جو شخص قبل اس کے کہ نماز پڑھے، یا فرمایا کہ قبل اس کے کہ ہم نماز پڑھیں، ذبح کرے تو اسے چاہئے کہ وہ اس کے بدلہ میں دوسرا جانور ذبح کرے اور جس شخص نے (نماز سے پہلے) ذبح نہیں کیا تو اسے چاہئے کہ (نماز کے بعد قربانی کا جانور) اللہ کے نام کے ساتھ ذبح کر دے۔'' (بخاری و مسلم)

توضیح: ''قبل ان یصلی'' یعنی جب تک بقرعید کی نماز نہیں ہو جاتی اس سے پہلے قربانی جائز نہیں اگر کسی نے پہلے قربانی کر لی تو وہ قربانی نہیں بلکہ گوشت کے لئے جانور کا ذبح کرنا شمار ہوگا۔

علماء نے لکھا ہے کہ پورے شہر میں صحیح وقت کے مطابق ایک جگہ بھی نماز عید پڑھی جائے تو شہر کی ہر جگہ میں قربانی کی اجازت ہو جائے گی اور جن علاقوں میں عید کی نماز نہیں ہوتی وہاں قربانی فجر کی نماز کے بعد جائز ہو جاتی ہے۔[2]

[1] اخرجه البخاری: ۷/۱۱۸ ومسلم: ۶/۷۴ [2] المرقات: ۳/۵۷۶

عیدالاضحیٰ کے بعد صرف دو دن تک قربانی جائز ہے

﴿۲۱﴾ وعن نَافِعٍ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ قَالَ الْأَضْحٰی يَوْمَانِ بَعْدَ يَوْمِ الْأَضْحٰی۔

(رَوَاهُ مَالِكٌ وَقَالَ بَلَغَنِي عَنْ عَلِيِّ ابْنِ أَبِي طَالِبٍ مِثْلُهُ) [۱]

ترجمہ: اور حضرت نافع رحمہ اللہ راوی ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا "بقر عید کے دن کے بعد قربانی کے دو دن ہیں۔" امام مالک رحمہ اللہ نے یہ روایت نقل کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ "مجھے حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ سے بھی اس قسم کی روایت پہنچی ہے۔"

توضیح: "یومان" عیدالاضحیٰ کے بعد قربانی کرنا دو دن تک جائز ہے یا تین دن تک جائز ہے اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف:

علامہ ابن سیرین رحمہ اللہ اور کچھ دیگر علماء کے نزدیک بقر عید کی قربانی کا صرف ایک دن ہے اور وہ یہی عید کا دن ہے ان حضرات کے پاس کوئی صریح حدیث نہیں ہے صرف رائے اور اجتہاد ہے لہٰذا ان کا قول نہ قابل التفات ہے نہ قابل جواب ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ حسن بصری رحمہ اللہ اور اہل ظواہر کے ہاں عیدالاضحیٰ کے بعد تین دن تک قربانی جائز ہے یعنی گیارہ بارہ اور تیرہ ذوالحجہ تک جائز ہے۔ جمہور کے نزدیک عید کے دن کے بعد صرف دو دن گیارہ اور بارہ ذوالحجہ تک قربانی جائز ہے۔

دلائل:

امام شافعی اور حسن بصری رحمہما اللہ تعالیٰ اور غیر مقلدین کی دلیل حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جو ابن حبان نے اپنی صحیح میں نقل کی ہے الفاظ یہ ہیں "قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم وفی کل ایام التشریق ذبح" (رواہ ابن حبان) [۲]

ایام تشریق عید کے بعد گیارہ بارہ اور تیرہ تین دن ہیں اور ایک دن عید کا ہے تو کل چار دن ہوئے۔ شوافع کی دوسری دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے "قال الاضحی ثلاثة ایام بعد ایام النحر"۔ (رواہ البیہقی)

ان حضرات کی تیسری دلیل یہ روایت ہے "عن ابی سعید الخدری انه علیه الصلوٰة والسلام قال ایام التشریق کلها ذبح"۔ (رواہ ابن عدی فی الکامل)

ائمہ ثلاثہ کی پہلی دلیل زیر بحث حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے جو اپنے مطلب پر واضح تر ہے۔ جمہور کی دوسری دلیل حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے قال ایام النحر ثلثة اولهن افضلهن۔ (مختصر کرخی) [۳]

---

[۱] اخرجه مالك: ۴۸۷ ح (۱۲) [۲] المرقات: ۳/۵۷۷ [۳] المرقات: ۳/۵۷۷

جمہور کی تیسری دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے الفاظ یہ ہیں۔

وعن ابن عباس قال الاضحی ثلاثه ایام یومان بعد یوم النحر۔ (رواہ الطحاوی بسند جید)

جمہور کی چوتھی دلیل حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے "وعن انس قال الذبح بعد یوم النحر یومان"۔ (رواہ البیہقی)

جمہور کی پانچویں دلیل حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مشترکہ روایت ہے۔ "قال النحر ثلاثة ایام اولها افضلها"۔

جواب: شوافع کی پہلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ جبیر بن مطعم کی روایت منقطع ہے۔ (کما قال البزار)

باقی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے مقابلہ میں خود حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے سند جید کے ساتھ یہ روایت نقل کی ہے جس کے الفاظ اوپر مذکور ہیں اس لئے شوافع حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے استدلال نہیں کر سکتے ہیں۔ شوافع کی تیسری دلیل جو کامل بن عدی کی روایت ہے اس کو یحیی بن معین، نسائی اور علی بن مدینی نے ضعیف قرار دیا ہے بلکہ ابن ابی حاتم نے اپنے والد کے حوالہ سے کہا ہے کہ یہ حدیث اس سند کے ساتھ موضوع ہے۔

بہر حال زیر بحث حدیث جو مرفوع حدیث کے حکم میں ہے یہ شوافع پر حجت ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ قربانی کرتے تھے

﴿۲۲﴾ وعن ابْنِ عُمَرَ قَالَ أَقَامَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِينَةِ عَشْرَ سِنِينَ يُضَحِّي۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں دس سال قیام فرما رہے اور (ہر سال قربانی) کرتے تھے۔" (ترمذی)

توضیح: "یضحی" اس حدیث سے واضح طور پر یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ قربانی واجب ہے سنت نہیں کیونکہ جس اہتمام اور جس استمرار اور دوام کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں دس سال تک اس پر عمل کیا ہے یہ وجوب کی دلیل ہے۔ اس حدیث سے دوسری بات یہ ثابت ہوگئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں دوام کے ساتھ قربانی کی ہے اس سے ان لوگوں پر رد ہو جاتا ہے جن کا خیال فاسد ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدنی دور میں قربانی کے عمل کو چھوڑ دیا تھا۔[2]

اس حدیث سے ان روشن خیال مسلم نما ملحدین پر بھی رد ہو جاتا ہے جو کہتے ہیں کہ مسلمانوں کا اتنے جانوروں کو ایک دن میں ذبح کرنا بے فائدہ اور ظلم ہے اس سے بہتر یہ ہوگا کہ اس کی قیمت حکومت کے خزانے میں جمع کی جائے۔

[1] اخرجه الترمذی: ۱۵۰۷ [2] المرقات: ۳/۴۷۷

ہم ان کو یہ جواب دیتے ہیں کہ ہم نے پہلے ایک شریعت کو تسلیم کیا ہے جب تک وہ شریعت باقی ہے ہم اسی کے مطابق عمل کریں گے تم نے جونئی شریعت گھڑ رکھی ہے ہم ابھی اس کے لئے فارغ نہیں ہیں باقی حکومت کے خزانے بھرنے کے لئے سینما خانوں شراب خانوں اور قحبہ خانوں کے ٹیکس کافی ہیں اللہ تعالیٰ کے حکم اور حضور اکرم ﷺ کی سنت اور جد انبیاء حضرت ابراہیمؑ کی یادگار اور مسلمانوں کے اسلامی شعار قربانی کو حکومت کے خزانوں کی بھینٹ نہ چڑھاؤ۔

قربانی سنت ابراہیمی ہے

﴿۲۳﴾ وعن زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ قَالَ قَالَ أَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا هٰذِهِ الْأَضَاحِيُّ قَالَ سُنَّةُ أَبِيْكُمْ اِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالُوْا فَمَا لَنَا فِيْهَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ بِكُلِّ شَعْرَةٍ حَسَنَةٌ قَالُوْا فَالصُّوْفُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ بِكُلِّ شَعْرَةٍ مِنَ الصُّوْفِ حَسَنَةٌ۔

(رَوَاهُ أَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَه)[1]

ترجمہ: اور حضرت زید ابن ارقم راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ کے اصحاب نے دریافت کیا کہ ''یارسول اللہ! یہ قربانی کیا ہے؟'' آپ نے فرمایا کہ ''تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ (یعنی ان کی سنت) ہے۔'' صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! پھر اس میں ہمارے لئے کیا ثواب ہے؟'' فرمایا (گائے اور بکری کی قربانی کرنے میں کہ جن کے بال ہوتے ہیں) ہر بال کے بدلہ نیکی ہے۔'' انہوں نے عرض کیا کہ ''صوف'' (یعنی دنبہ، بھیڑ اور اونٹ کے اون اور اس کے بدلہ کیا ثواب ملتا ہے؟)'' فرمایا ''اون کے ہر بال کے بدلہ میں بھی ایک نیکی۔'' (احمد، ابن ماجہ)

توضیح: قربانی ایک عظیم یادگار ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عظیم امتحان میں بڑی کامیابی کی یاد کے لئے بطور عبادت مسلمان کرتے ہیں اصل بنیاد قربانی کی یہی ہے اور اسی کی طرف اس حدیث میں اشارہ بھی ہے لیکن مسلمان جو بقرعید کے دن اس پر عمل کرتے ہیں وہ نبی اکرم ﷺ کی سنت اور آپ کی اطاعت اور آپ کے فرمان کے نتیجہ میں کرتے ہیں جو درحقیقت شریعت محمدیہ کا ایک حصہ ہے۔[2]

[1] اخرجہ احمد: ۴/۳۶۸ وابن ماجہ: ۳۱۲۷ [2] المرقات: ۳/۵۷۷، ۵۷۸

باب العتيرة

عتیرہ کا بیان

قال الله تعالیٰ ﴿فذرهم وما يفترون﴾[1]

الفصل الاول

فرع اور عتیرہ کی ممانعت

﴿۱﴾ عن أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا فَرَعَ وَلَا عَتِيْرَةَ قَالَ وَالْفَرَعُ أَوَّلُ نِتَاجٍ كَانَ يُنْتَجُ لَهُمْ كَانُوا يَذْبَحُونَهُ لِطَوَاغِيتِهِمْ وَالْعَتِيْرَةُ فِي رَجَبٍ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''فرع اور عتیرہ (کی) اسلام میں (کوئی حقیقت) نہیں۔'' ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''فرع جانور کا وہ پہلا بچہ ہے جو کافروں کے یہاں پیدا ہوتا ہے تو وہ اسے اپنے بتوں کے نام پر ذبح کرتے تھے۔ اور عتیرہ رجب میں ہوتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: ''لا فرع'' ایام جاہلیت میں یہ طریقہ رائج تھا کہ کسی کے ہاں جب جانور کا پہلا بچہ پیدا ہوتا تھا تو وہ بتوں کے نام ذبح کیا جاتا تھا۔

ابتداء اسلام میں فرع کا رواج جاری رہا مگر مسلمان اس فرع کو اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کیا کرتے تھے لیکن چونکہ اس عمل میں جاہلیت اور اہل جاہلیت کے ساتھ مشابہت آتی تھی اس لئے اسلام میں فرع کا رواج ممنوع قرار دیا گیا گویا اسکا حکم منسوخ ہو گیا۔[3]

طواغیت طاغوت کی جمع ہے بت مراد ہیں۔

عتیرہ کسے کہا جاتا ہے:

ایام جاہلیت میں ایک رسم یہ تھی کہ عام لوگ رجب کے ابتدائی عشرہ میں اپنے معبودان باطلہ کی خوشنودی کے لئے ایک بکری ذبح کیا کرتے تھے اسی کو ''عتیرہ'' کے نام سے یاد کرتے تھے وہ لوگ اس سے بتوں کا تقرب حاصل کرنا چاہتے تھے ابتداء اسلام میں مسلمان بھی عتیرہ کو ماہ رجب کے پہلے عشرہ میں ذبح کیا کرتے تھے لیکن کافر جہاں اس کو اپنے بتوں کے نام پر ذبح کرتے تھے مسلمان اس کو تقرب الی اللہ کا ذریعہ سمجھ کر خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ذبح کرتے تھے کچھ عرصہ یہ سلسلہ چلتا رہا پھر عتیرہ بھی فرع کی طرح منسوخ ہو گیا۔[4]

---

[1] انعام: الایۃ: ۱۳۷ [2] اخرجہ البخاری: ۷/۱۱۰ ومسلم: ۶/۸۲، ۸۳ [3] المرقات: ۳/۵۷۹ [4] المرقات: ۳/۵۷۹

الفصل الثانی

﴿۲﴾ عن مِخْنَفِ بْنِ سُلَيْمٍ قَالَ كُنَّا وُقُوفًا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَرَفَةَ فَسَمِعْتُهُ يَقُولُ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ عَلَى كُلِّ أَهْلِ بَيْتٍ فِي كُلِّ عَامٍ أُضْحِيَّةً وَعَتِيرَةً هَلْ تَدْرُونَ مَا الْعَتِيرَةُ هِيَ الَّتِي تُسَمُّونَهَا الرَّجَبِيَّةَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَه وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ ضَعِيفُ الْإِسْنَادِ وَقَالَ أَبُو دَاوُدَ وَالْعَتِيرَةُ مَنْسُوخَةٌ)[1]

ترجمہ: حضرت مخنف ابن سلیم فرماتے ہیں کہ ہم رسول اکرم ﷺ کے ہمراہ (ایک حج کے موقعہ پر) عرفات میں کھڑے ہوئے تھے کہ میں نے سنا آپ فرما رہے تھے۔ "لوگو! ہر گھر والے پر ہر سال قربانی کرنا اور عتیرہ کرنا واجب ہے اور تم جانتے ہو عتیرہ کیا ہے؟ عتیرہ وہ ہے جسے تم رجبیہ کہتے ہو۔" (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ) امام ترمذی نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث غریب اور ضعیف الاسناد ہے۔ نیز حضرت ابوداؤد فرماتے ہیں کہ عتیرہ منسوخ قرار دیا جا چکا ہے۔ (یہ اب جائز نہیں ہے)

الفصل الثالث

تنگ دست پر قربانی واجب نہیں ہے

﴿۳﴾ عن عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُمِرْتُ بِيَوْمِ الْأَضْحَى عِيدًا جَعَلَهُ اللهُ لِهٰذِهِ الْأُمَّةِ قَالَ لَهُ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللهِ أَرَأَيْتَ إِنْ لَمْ أَجِدْ إِلَّا مَنِيحَةً أُنْثٰى أَفَأُضَحِّي بِهَا قَالَ لَا وَلٰكِنْ خُذْ مِنْ شَعْرِكَ وَأَظْفَارِكَ وَتَقُصُّ شَارِبَكَ وَتَحْلِقُ عَانَتَكَ فَذٰلِكَ تَمَامُ أُضْحِيَّتِكَ عِنْدَ اللهِ۔ (رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ)[2]

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں بقر عید کے دن کو عید قرار دوں اور اللہ تعالیٰ نے اس دن کو اس امت کے لئے عید مقرر فرمایا ہے۔" ایک شخص نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! مجھے یہ بتائیے کہ اگر مجھے مادہ منیحہ کے علاوہ اور (جانور) میسر نہ ہو تو کیا میں اسی کو قربانی کرلوں؟" آپ نے فرمایا "نہیں! ہاں تم اپنے بال بنوالو اپنے ناخن ترشوالو، لبوں کے بال کتروالو اور زیر ناف بال صاف کرلو، خدا کے نزدیک تمہاری یہی قربانی ہوجائے گی یعنی تمہیں قربانی کے مانند ثواب مل جائے گا۔ (ابوداؤد، نسائی)

[1] اخرجه الترمذی: ۱۵۱۸ وابوداؤد: ۲۷۸۸ والنسائی: ۷/۱۶۷ وابن ماجه: ۳۱۲۵
[2] اخرجه وابوداؤد: ۱۳۹۹ والنسائی: ۷/۲۱۲، ۲۱۶

توضیح: "منیحة" یہ لفظ منح سے مشتق ہے جس کے معنی عطیہ اور بخشش کے ہیں عرب کی یہ عادت تھی کہ وہ بطور ہمدردی اپنی دودھ والی بکری یا اونٹنی وغیرہ کو محتاجوں اور غریبوں کے حوالہ کردیا کرتے تھے وہ آدمی اس کا دودھ پیتا تھا اور اس کے اون سے استفادہ کیا کرتا تھا اس سے بچوں کو پالتا تھا اور اس سے فائدہ اٹھاتا تھا اور پھر اس کو واپس کرتا تھا چونکہ "منیحة" کا لفظ مؤنث اور مذکر دونوں پر بولا جاتا ہے اس لئے اس شخص نے اس کو مقید کرکے سوال کیا کہ میرے پاس ایک مؤنث **منیحة** ہے کیا اس سے قربانی کرسکتا ہوں، آنحضرت نے اس شخص کو منع فرمادیا کیونکہ **منیحہ** قاعدہ کے مطابق اس شخص کا ذاتی مال نہیں تھا بلکہ کچھ مدت تک اس سے فائدہ اٹھا کر واپس کرنا تھا اس لئے اس کی قربانی کی اجازت نہیں دی گئی کیونکہ یہ دوسرے کا مال ہوتا ہے۔ دوسری وجہ یہ کہ جو شخص خود **منیحہ** لینے کا محتاج ہو تو وہ قربانی کیسے اور کیوں کرے؟ معلوم ہوا کہ غریب آدمی پر قربانی نہیں ہے۔

بہرحال جمہور علماء کا یہ مسلک ہے کہ غریب اور تنگدست آدمی پر قربانی واجب نہیں ہے البتہ احناف کے ہاں قربانی کے لئے اتنے زیادہ مال کی ضرورت نہیں ہے معمولی سا مالدار ہونا کافی ہے مگر فقیر تو نہ ہو۔ [1]

---

[1] اخرجہ: ۳/۵۸۲

مورخہ ۲۵ جمادی الاولی ۱۴۱۰ھ

باب صلوٰۃ الخسوف

نماز خسوف کا بیان

قال اللہ تعالیٰ ﴿وما نرسل بالآیات الا تخویفا﴾ [1]

خسوف اور کسوف دو لفظ ہیں ائمہ لغت نے ان دونوں لفظوں میں فرق بیان کیا ہے۔
امام لغت شیخ ثعلب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کسوف کا اطلاق زیادہ تر سورج کے گرہن پر ہوتا ہے اور خسوف کا زیادہ تر اطلاق چاند گرہن پر ہوتا ہے علامہ جوہری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو افصح قرار دیا ہے۔ [2]
فقہاء کرام نے فقہ کی کتابوں میں یہی طریقہ اختیار کیا ہے کہ سورج گرہن کے لئے کسوف اور چاند گرہن کے لئے خسوف کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔
ویسے بھی خسف زمین میں دھنسنے کو کہتے ہیں اس کا چاند کے ساتھ کچھ نہ کچھ علاقہ بھی ہے کیونکہ فلاسفہ کہتے ہیں کہ جب زمین چاند اور سورج کے درمیان حائل ہوجاتی ہے تو چاند کا نور ختم ہوجاتا ہے قرآن میں آیت ہے **﴿فاذا برق البصر وخسف القمر﴾** [3]
بعض اہل لغت نے ان دونوں الفاظ میں ترادف کا قول کیا ہے کیونکہ ان کا ایک دوسرے پر اطلاق ہوتا رہتا ہے یہاں زیر بحث باب کی بعض احادیث میں خسوف کا لفظ استعمال کیا گیا ہے بعض میں کسوف کا لفظ بولا گیا ہے۔ [4]
حالانکہ تمام احادیث میں سورج کے گرہن ہونے کا واقعہ بیان کیا گیا ہے چاند گرہن کا ذکر صراحت سے کسی حدیث میں نہیں ہے ہاں حدیث نمبر ۲ میں صرف احتمال ہے لہٰذا صاحب مشکوٰۃ کو چاہئے تھا کہ وہ صلوۃ الخسوف کے بجائے صلوٰۃ الکسوف کا عنوان رکھتے لیکن شاید ان کے ذہن میں ترادف کا تصور تھا اور یہ اشارہ کرنا تھا کہ احادیث میں خسوف کا لفظ درحقیقت کسوف کے معنی میں آیا ہے لہٰذا عنوان میں بھی خسوف کا لفظ کسوف کے معنی میں ہے محدثین عام طور پر ان دونوں لفظوں میں فرق نہیں کرتے ہیں۔ [5]
مشہور ماہر فلکیات علامہ محمود پاشا مصری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب **"نتائج الافہام فی تقویم العرب قبل الاسلام"** میں تصریح کی ہے کہ قواعد ریاضیہ کی روشنی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں کسوف شمس صرف ایک مرتبہ بنتا ہے اس سے زیادہ ممکن نہیں۔
اکثر علماء کا بھی یہی قول ہے البتہ چاند گرہن کا واقعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کئی مرتبہ ہوا ہے۔

[1] بنی اسرائیل: ۵۹ [2] المرقات: ۳/۵۸۲ [3] قیامہ الایہ: ۷ [4] المرقات: ۳/۵۸۲ [5] المرقات: ۳/۵۸۲

کسوف الشمس کے موقع پر آنحضرت ﷺ پر گھبراہٹ کی کیفیت آئی اس کی وجہ کیا ہے؟ پھر سورج گرہن اور چاند گرہن کے موقع پر آنحضرت ﷺ نے کس طرح نماز ادا فرمائی؟ جاہلیت میں سورج گرہن کے موقع پر عرب کیا تصور قائم کرتے تھے؟ یہ تمام مباحث آئندہ احادیث کے ضمن میں آنے والی ہیں کچھ انتظار فرمایئے۔

الفصل الاول

سورج گرہن میں نماز کا طریقہ

﴿۱﴾ عن عَائِشَةَ قَالَتْ إِنَّ الشَّمْسَ خَسَفَتْ عَلَى عَهْدِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَعَثَ مُنَادِيًا الصَّلَاةُ جَامِعَةٌ فَتَقَدَّمَ فَصَلَّى أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ فِيْ رَكْعَتَيْنِ وَأَرْبَعَ سَجَدَاتٍ قَالَتْ عَائِشَةُ مَا رَكَعْتُ رُكُوْعًا قَطُّ وَلَا سَجَدْتُ سُجُوْدًا قَطُّ كَانَ أَطْوَلَ مِنْهُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۱]

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کے زمانۂ مبارک میں (ہجرت کے بعد ایک مرتبہ) سورج گرہن ہوا چنانچہ آپ نے ایک منادی والے کو (لوگوں کے درمیان) بھیجا کہ وہ منادی کردے کہ الصلوٰۃ جامعۃ یعنی نماز جمع کرنے والی ہے۔ چنانچہ (جب لوگ جمع ہو گئے تو) آپ آگے بڑھے اور دو رکعت نماز پڑھائی جس میں چار رکوع کئے اور چار سجدے کئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ "(جتنے طویل رکوع اور سجدے میں نے اس نماز خسوف میں کئے) اس سے زیادہ طویل میں نے نہ کبھی رکوع کیا اور نہ کبھی سجدہ کیا۔" (بخاری ومسلم)

توضیح: "فبعث منادیا" صلوٰۃ کسوف کے لئے اذان واقامت نہیں ہے ہاں لوگوں کو اکٹھا کرنے کے لئے بلند جگہ سے زور سے اس طرح پکارنا چاہئے "الصلوٰۃ جامعۃ" چنانچہ آج کل حرمین شریفین میں اس قسم کی پکار لاؤڈ سپیکر پر دی جاتی ہے حدیث میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔[۲]

"علی عهد رسول الله" حضور اکرم ﷺ کے عہد مبارک میں ایک ہی مرتبہ سورج گرہن ہوا تھا اور اتفاق سے اس دن حضور اکرم ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تھا یہ ۱۰ھ کا موقع تھا عرب جاہلیت کا یہ عقیدہ تھا کہ چاند اور سورج میں گرہن کا تغیر کسی بڑے آدمی کی موت کی وجہ سے آتا ہے ابراہیم علیہ السلام کی وفات سے یہ غلط عقیدہ اور پختہ ہو سکتا تھا چنانچہ بعض نو مسلم یا کمزور عقیدہ کے مسلمانوں نے کہنا بھی شروع کر دیا اس پر آنحضرت ﷺ نے دو رکعت نماز کے بعد ایک طویل خطبہ دیا اور جاہلیت کے اس عقیدہ کی سختی سے تردید فرمائی۔[۳]

"فصلی اربع رکعات" صلوٰۃ کسوف کی مشروعیت اور جواز میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں کیونکہ صحیح احادیث اور اجماع

---

[۱] اخرجه البخاری: ۲/۴۲، ۲/۴۵، ۷/۱۶۰، ۸/۱۶۰ ومسلم: ۳/۲۷، ۲۸ [۲] المرقات: ۳/۵۸۳ [۳] المرقات: ۳/۵۸۶

امت سے یہ نماز ثابت ہے بلکہ بعض فقہاء اس کے وجوب کے قائل بھی ہو گئے ہیں۔[۱]
لیکن جمہور فقہاء فرماتے ہیں کہ صلوٰۃ کسوف سنت ہے البتہ جمہور کا آپس میں اس نماز کے پڑھنے کے طریقہ میں اختلاف ہے اور اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ مختلف احادیث میں مختلف طریقوں کا ذکر ہے ایک سے لیکر پانچ رکوعات تک کا ثبوت ملتا ہے۔

فقہاء کا اختلاف:

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ احادیث میں جتنے طریقوں کا ذکر آیا ہے سب جائز ہیں موقع ومحل کے اعتبار سے جو طریقہ میسر آیا اسے اپنایا جاسکتا ہے جب تک انجلاء شمس نہیں ہوتا ان طریقوں کو استعمال کرنا چاہئے اور رکوعات میں لگا رہنا چاہئے۔
امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک رکعت میں صرف دو رکوعات کو کرنا چاہئے اس سے زیادہ نہیں۔[۲]
ائمہ احناف فرماتے ہیں کہ صلوہ کسوف کا طریقہ عام نمازوں کی طرح ہے ایک رکعت میں ایک ہی رکوع ہے۔[۳]

دلائل:

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جن احادیث میں جتنے رکوعات کا ذکر آیا ہے سب طریقے جائز ہیں جب تک سورج میں انجلا نہیں آتا اس وقت تک رکوعات میں مشغول رہنا چاہئے۔
امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اس باب کی پہلی حدیث سے استدلال کیا ہے جو اپنے مدعا پر واضح ہے۔
ائمہ احناف نے حضرت قبیصہ ہلالی رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال کیا ہے جس کو امام ابوداؤد اور امام نسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اپنی اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے الفاظ یہ ہیں۔

اذا رئیتموها فصلوا کاحدث صلوٰۃ صلیتموها من المکتوبۃ۔ (ابوداؤد)

ائمہ احناف کی دوسری دلیل حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے فرمایا۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی فی کسوف الشمس کما تصلون رکعۃ وسجدتین۔

(ابوداؤد ونسائی وطحاوی)

بہت ساری روایات ہیں جن میں ایک رکوع کا ذکر ہے امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کا ذکر کیا ہے اور زجاجۃ المصابیح نے بھی دس سے زیادہ روایات کا ذکر کیا ہے سب میں قریب قریب یہی الفاظ ہیں "**فصلی کما تصلون یا مثل صلوتکم یا نحوا من صلوتکم**"

---

[۱] المرقات: ۳/۵۸۴ [۲] المرقات: ۳/۵۸۴ [۳] المرقات: ۳/۵۸۴

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم صلى فى كسوف الشمس نحوامن صلوتكم يركع ويسجد

رواه احمد ونسائی۔ (زجاجة المصابيح ج۱ ص۴۱۵)

جواب: ائمہ احناف فرماتے ہیں کہ صلوٰۃ کسوف کا واقعہ حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں ایک مرتبہ پیش آیا ہے اور اس میں فعلی احادیث آپس میں متعارض ہیں اب یہ تو ممکن نہیں کہ یہ متعارض فعلی روایات ایک واقعہ پر منطبق کیا جائے لہٰذا ممکن حل صرف یہ ہے کہ ان فعلی روایات کو بوجہ تعارض وتضاد چھوڑ دیا جائے اور حضور اکرم ﷺ کی قولی روایت پر عمل کیا جائے اور قولی روایت میں تصریح ہے کہ تم نے جو ابھی ابھی نماز پڑھی اسی طرح کسوف کی نماز پڑھو اور وہ فجر کی نماز تھی۔

احناف فرماتے ہیں کہ ہم واضح الفاظ میں کہنا چاہتے ہیں کہ صلوٰۃ کسوف میں ایک سے زائد رکوعات ہوئے ہیں ایک سے لیکر دو تین چار پانچ تک کا ذکر ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اس طرح عمل کیا ہے ہمیں اس سے قطعاً انکار نہیں اور نہ ہمیں اس میں کوئی تردد ہے لیکن حضور اکرم ﷺ نے ہمیں جو حکم دیا ہے ہم اسی پر چلیں گے اور جو حضور اکرم ﷺ نے خود عمل فرمایا ہے اس کو حضور اکرم ﷺ پر چھوڑیں گے۔

دوسرا جواب: یہ کہ نماز کسوف میں ایک مقام پر نہیں کئی مقامات پر ایسے افعال کا ظہور ہوا ہے کہ ہم اس کو سوائے خصوصیت پیغمبری کے اور کچھ نہیں کہہ سکتے ہیں ہم پوچھتے ہیں کہ اس نماز میں حضور اکرم ﷺ آگے گئے ہیں پیچھے آئے ہیں دونوں ہاتھوں سے کسی چیز کو پکڑنے کی کوشش فرمائی ہے یہ افعال اگر کسی اور سے ظاہر ہو جائے تو حضور اکرم ﷺ ہی کے حکم سے اس شخص کی نماز ہی فاسد ہو جائے گی معلوم ہوا یہاں خصوصیت پیغمبری کا معاملہ تھا تو کثرت رکوعات کو بھی اسی تناظر میں دیکھنا چاہئے کہ صلوٰۃ کسوف میں آنحضرت ﷺ نے جو کچھ عمل فرمایا وہ بیشک وبے تردد ہے لیکن ہمیں جو حکم دیا گیا ہے ہم اس پر عمل کرنے کے پابند ہیں قول وفعل کے تضاد کے وقت ترجیح قول کو دی جاتی ہے۔

نیز یہاں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ آپ ﷺ نے خصوصی طور پر جو کثرت سے رکوعات کیے ہیں یہ رکوعات صلوٰۃ نہیں تھے بلکہ رکوعات آیات تھے کہ اللہ تعالیٰ کی عظیم آیات کو صلوٰۃ کسوف میں دیکھنے پر بار بار رکوع فرمایا ہے جو خالص خصوصیت ہے۔

خلاصہ یہ کہ رکوع صلوٰۃ آنحضرت ﷺ نے صرف ایک کیا ہے اس سے زائد جتنے رکوعات تھے وہ رکوعات صلوٰۃ نہیں بلکہ رکوعات آیات تھے۔ واللہ اعلم

نماز کسوف میں قرأت کا حکم

﴿۲﴾ وعنها قَالَتْ جَهَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي صَلَاةِ الْخُسُوفِ بِقِرَاءَتِهِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

---

[1] اخرجه البخاری: ۲/۴۲، ۲/۴۵، ۷/۱۶۰، ۸/۱۶۰ ومسلم: ۲۸، ۳/۲۷

ترجمہ: اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز خسوف یعنی چاند گرہن کی نماز میں قرأت باآواز بلند پڑھی تھی۔'' (بخاری ومسلم)

توضیح: ''جهر النبی'' نماز کسوف میں ایک اہم مسئلہ یہ بھی ہے کہ آیا اس میں بلند آواز سے قرأت کرنا چاہئے یا آہستہ آواز سے کرنا چاہئے اس بارے میں روایات میں کچھ اختلاف کی وجہ سے فقہاء میں بھی تھوڑا سا اختلاف آیا ہے۔[1]

فقہاء کا اختلاف:

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور اسحاق بن راہویہ اور صاحبین کے نزدیک صلوٰۃ کسوف میں جہری قرأت کے ساتھ نماز ہونی چاہئے۔
جمہور فقہاء فرماتے ہیں کہ نماز کسوف میں آہستہ قرأت ہونی چاہئے۔

دلائل:

امام احمد اور صاحبین رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ کی دلیل زیر بحث بخاری ومسلم کی حدیث نمبر ۲ ہے جو اپنے مدعا پر واضح تر دلیل ہے۔
جمہور کی دلیل فصل ثانی میں حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث نمبر ۱۰ ہے جس میں یہ الفاظ ہیں۔

صلی بنا رسول الله صلى الله عليه وسلم في كسوف لا نسمع له صوتا. (ترمذی ابوداؤد)

فقہاء احناف کی کتابوں میں لکھا ہے کہ دونوں طرح کا عمل جائز ہے تاہم امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور صاحبین کی دلیل بخاری ومسلم کی حدیث ہے جو اپنے مدعا پر واضح تر ہے اور روایات میں قوی تر ہے۔ جمہور کے پاس مضبوط دلیل نہیں ہے کیونکہ **لا نسمع له صوتا** سے یہ تو ثابت ہوتا ہے کہ ہم نہیں سنتے تھے لیکن نہ سننا جہر نہ کرنے کی قطعی دلیل تو نہیں ہے بہت ممکن ہے کہ قرأت جاری ہو اور بُعد کی وجہ سے آدمی نہ سنتا ہو۔ بہرحال کسوف کی نماز جمعہ پڑھانے والے خطیبوں کے ذمہ پر ہے امام کے ذمہ نہیں ہے جن خطباء کو لمبی لمبی سورتیں خوب یاد ہوں وہ جہر کریں اور جن کو لمبی سورتیں یاد نہ ہوں وہ سری نماز پڑھائیں گے چونکہ دونوں طریقے جائز ہیں لہٰذا جواب دینے کی ضرورت نہیں ہے۔

سورج گرہن کا حقیقی سبب

﴿۳﴾ وعن عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ انْخَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلَى عَهْدِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلَّى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسُ مَعَهُ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيْلًا نَحْوًا مِنْ قِرَاءَةِ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ ثُمَّ رَكَعَ رُكُوْعًا طَوِيْلًا ثُمَّ رَفَعَ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيْلًا وَهُوَ دُوْنَ الْقِيَامِ الْأَوَّلِ ثُمَّ رَكَعَ رُكُوْعًا طَوِيْلًا وَهُوَ دُوْنَ الرُّكُوْعِ الْأَوَّلِ ثُمَّ رَفَعَ ثُمَّ سَجَدَ ثُمَّ قَامَ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيْلًا وَهُوَ دُوْنَ الْقِيَامِ الْأَوَّلِ ثُمَّ رَكَعَ رُكُوْعًا طَوِيْلًا وَهُوَ دُوْنَ الرُّكُوْعِ الْأَوَّلِ ثُمَّ رَفَعَ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيْلًا وَهُوَ

[1] المرقات: ۳/۵۸۵

دُوْنَ الْقِيَامِ الْأَوَّلِ ثُمَّ رَكَعَ رُكُوْعًا طَوِيْلاً وَهُوَدُوْنَ الرُّكُوْعِ الْأَوَّلِ ثُمَّ رَفَعَ ثُمَّ سَجَدَ ثُمَّ انْصَرَفَ وَقَدْ تَجَلَّتِ الشَّمْسُ فَقَالَ إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ اٰيَتَانِ مِنْ اٰيَاتِ اللّٰهِ لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهٖ فَإِذَا رَأَيْتُمْ ذٰلِكَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ رَأَيْنَاكَ تَنَاوَلْتَ شَيْئًا فِيْ مَقَامِكَ هٰذَا ثُمَّ رَأَيْنَاكَ تَكَعْكَعْتَ فَقَالَ إِنِّيْ رَأَيْتُ الْجَنَّةَ فَتَنَاوَلْتُ مِنْهَا عُنْقُوْداً وَلَوْ أَخَذْتُهٗ لَأَكَلْتُمْ مِنْهُ مَا بَقِيَتِ الدُّنْيَا وَرَأَيْتُ النَّارَ فَلَمْ أَرَ كَالْيَوْمِ مَنْظَرًا قَطُّ أَفْظَعَ وَرَأَيْتُ أَكْثَرَ أَهْلِهَا النِّسَاءَ فَقَالُوْا بِمَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ بِكُفْرِهِنَّ قِيْلَ يَكْفُرْنَ بِاللّٰهِ قَالَ يَكْفُرْنَ الْعَشِيْرَ وَيَكْفُرْنَ الْإِحْسَانَ لَوْ أَحْسَنْتَ إِلٰى إِحْدَاهُنَّ الدَّهْرَ ثُمَّ رَأَتْ مِنْكَ شَيْئًا قَالَتْ مَا رَأَيْتُ مِنْكَ خَيْرًا قَطُّ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں سورج گرہن ہوا، آپ نے لوگوں کے ساتھ (اس طرح) نماز پڑھی کہ سورۂ بقرہ کی قرأت کی بقدر طویل قیام فرمایا (یعنی اتنی دیر تک قیام میں کھڑے رہے جتنی دیر تک سورہ بقرہ پڑھی جاسکتی ہے) پھر آپ نے رکوع کیا، رکوع بھی طویل تھا، رکوع سے سر اٹھایا اور بڑی دیر تک کھڑے رہے لیکن یہ قیام پہلے قیام سے کم تھا، پھر (دوبارہ) رکوع کیا، یہ رکوع بھی طویل تھا مگر پہلے رکوع سے کم، پھر کھڑے ہوئے اور سجدہ کیا، پھر (دوسری رکعت کے لئے) کھڑے ہوگئے اور بہت طویل قیام کیا مگر یہ قیام پہلی رکعت کے قیام سے کم تھا، پھر رکوع میں گئے، یہ رکوع بھی طویل تھا مگر پہلے رکوع سے کم، پھر کھڑے ہوئے اور دیر تک کھڑے رہے مگر یہ قیام پہلے قیام سے کم تھا۔ پھر (دوبارہ) رکوع کیا۔ یہ رکوع بھی طویل تھا مگر پہلے رکوع سے کم پھر کھڑے ہوئے اور سجدہ کیا۔ اس کے بعد (یعنی التحیات اور سلام کے بعد) نماز سے فارغ ہوئے تو سورج روشن ہو چکا تھا، آپ نے فرمایا سورج اور چاند خدا کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں! یہ نہ کسی کے مرنے کی وجہ سے گرہن ہوتے ہیں اور نہ کسی کے پیدا ہونے کی وجہ سے۔ جب تم یہ دیکھو کہ (یہ گرہن میں آگئے ہیں) تو خدا کی یاد میں مشغول ہو جاؤ۔" صحابہ رضوان اللہ اجمعین نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! (نماز کے دوران) ہم نے دیکھا کہ آپ نے اپنی جگہ سے کسی چیز کے لینے کا ارادہ کیا پھر ہم نے آپ کو پیچھے ہٹتے ہوئے دیکھا؟ آپ نے فرمایا (جب تم نے مجھے کسی چیز کے لینے کے لئے آگے بڑھتے ہوئے دیکھا تھا اس وقت) میں نے جنت دیکھی تھی اور اس میں سے خوشۂ انگور لینے کا ارادہ کیا تھا، اگر میں خوشۂ انگور لے لیتا تو بلا شبہ تم اسے رہتی دنیا تک کھاتے، اور جب تم نے مجھے پیچھے ہٹتے ہوئے دیکھا تھا (اس وقت) میں نے دوزخ دیکھی تھی (اس کی گرمی کے پہنچنے کے ڈر سے پیچھے ہٹ گیا تھا) چنانچہ آج کے دن کی طرح کسی دن میں نے ایسی ہولناک جگہ کبھی نہیں دیکھی اور دوزخ میں میں نے زیادہ عورتیں ہی دیکھی ہیں۔" صحابہ رضوان اللہ اجمعین نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! کس وجہ سے"؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ان کے کفر کی وجہ سے۔" صحابہ نے عرض کیا کہ "کیا عورتیں اللہ کے کفر میں مبتلا

[1] اخرجه البخاري: ۱۱۸۱۳، ۱/۴۵، ۲/۱۹۰، ۱/۱۳۲، ۴/۱۳۲ ومسلم: ۳/۳۴

ہیں۔''؟ فرمایا''نہیں!'' بلکہ وہ شوہروں کی نعمتوں اور احسان کا کفران کرتی ہیں (یعنی شوہروں کی ناشکری و نافرمانی کرتی ہیں اور کسی کا احسان نہیں مانتیں) چنانچہ تم ان میں سے کسی کے ساتھ مدتوں تک بھلائی کرتے رہو مگر جب کبھی وہ کسی چیز کو اپنی مرضی کے خلاف پائے گی تو یہی کہے گی کہ میں نے کبھی بھی تمہارے یہاں بھلائی نہیں دیکھی۔'' (بخاری ومسلم)

توضیح: "لموت احد" جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ جاہلیت کے زمانہ میں عرب کا یہ غلط عقیدہ تھا کہ سورج گرہن اس لئے ہوتا ہے کہ کوئی بڑا آدمی مرجاتا ہے اتفاق سے اس دن حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تھا جو ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطن سے تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی باندی تھی۔ اس انتقال سے جاہلیت کا عقیدہ اور پختہ ہو سکتا تھا کہ واقعی کسی بڑے آدمی کے مرجانے سے سورج گرہن ہوتا ہے۔ اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کی تردید کیلئے باقاعدہ خطبہ دیا اور اعلان فرمایا کہ چاند اور سورج میں تغیر لانا اللہ تعالیٰ کا کام ہے اللہ کی وحدانیت اور قدرت کاملہ کی نشانی ہے یہ تغیر کسی آدمی کے مرنے کی وجہ سے نہیں ہے بس تم پر لازم ہے کہ جب چاند یا سورج میں اس طرح تغیر دیکھو تو نمازیں پڑھا کرو اللہ کا ذکر کرو اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑگڑاؤ۔[1]

"تکعکعت" پیچھے ہٹنے کے معنی میں ہے چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز کسوف میں آگے پیچھے آئے گئے تھے لہٰذا یہی سوال صحابہ نے پوچھا ہے۔ بہرحال سورج چاند کے گرہن کا سبب یہ نہیں ہے کہ یہ کسی کی موت کا اثر ہے پھر نماز دونوں میں ہے لیکن چاند کا معاملہ رات کا ہوتا ہے اس لئے اس میں جماعت کے ساتھ نماز نہیں بلکہ گھروں میں انفرادی طور پر پڑھی جاتی ہے لہٰذا اس کے مسائل الگ اور کم ہیں اور سورج گرہن چونکہ دن کے وقت ہوتا ہے اور دن میں اس کے لئے جماعت ہوتی ہے لہٰذا اس کے مسائل زیادہ ہیں۔ باقی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک صلوٰۃ کسوف میں خطبہ نہیں ہے جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا ہے تو وہ اہل جاہلیت کی رسومات اور کسوف شمس کے بارے میں عرب کے عقیدہ باطلہ کی تردید مقصود تھی شوافع حضرات کے نزدیک کسوف کے خطبہ ہے۔[2] تاہم ظاہر احادیث میں خطبہ کا ذکر موجود ہے۔

﴿۴﴾ وعن عَائِشَةَ نَحْوَ حَدِيثِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَقَالَتْ ثُمَّ سَجَدَ فَأَطَالَ السُّجُودَ ثُمَّ انْصَرَفَ وَقَدِ انْجَلَتِ الشَّمْسُ فَخَطَبَ النَّاسَ فَحَمِدَ اللهَ وَأَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ اٰيَتَانِ مِنْ اٰيَاتِ اللهِ لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهٖ فَإِذَا رَأَيْتُمْ ذٰلِكَ فَادْعُوا اللهَ وَكَبِّرُوْا وَصَلُّوْا وَتَصَدَّقُوْا ثُمَّ قَالَ يَا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ وَاللهِ مَا مِنْ أَحَدٍ أَغْيَرُ مِنَ اللهِ أَنْ يَزْنِيَ عَبْدُهٗ أَوْ تَزْنِيَ أَمَتُهٗ يَا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ وَاللهِ لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا أَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيْلًا وَلَبَكَيْتُمْ كَثِيْرًا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْه)[3]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے (بھی) حضرت ابن عباس کی مذکورہ بالا روایت کی طرح روایت منقول ہے

---

[1] المرقات: ۳/۵۸۶ [2] المرقات: ۳/۵۸۷ [3] اخرجه ومسلم: ۳/۲۹

چنانچہ انہوں نے یہ (بھی) فرمایا ہے کہ ''پھر آنحضرت ﷺ سجدہ میں گئے تو بڑا طویل سجدہ کیا پھر نماز سے فارغ ہوئے تو (آفتاب) روشن ہو چکا تھا۔اس کے بعد آپ نے (لوگوں کے سامنے) خطبہ ارشاد فرمایا، چنانچہ (پہلے) آپ نے خدا کی حمد وثنا بیان فرمائی اور پھر فرمایا کہ ''سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، نہ تو کسی کی موت کی وجہ سے انہیں گرہن لگتا ہے۔ اور نہ کسی کی پیدائش کی وجہ سے چنانچہ جب تم گرہن دیکھو تو خدا سے دعا مانگو، تکبیر کہو اور نماز پڑھو۔ نیز اللہ کی راہ میں خیرات کرو۔'' پھر فرمایا کہ ''اے امت محمد! قسم ہے پروردگار کی اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی غیرت مند نہیں ہے۔ جبکہ اس کا کوئی بندہ زنا کرتا ہے یا اس کی کوئی بندی زنا میں مبتلا ہوتی ہے اور اے امت محمد اگر تم وہ جانتے جو میں جانتا ہوں تو بخدا کوئی شک نہیں کہ تمہارا ہنسنا کم اور تمہارا رونا زیادہ ہو جائے۔'' (بخاری ومسلم)

سورج گرہن کے وقت آنحضرت ﷺ کی گھبراہٹ کیوں؟؟

﴿۵﴾ وعن أَبِي مُوسٰى قَالَ خَسَفَتِ الشَّمْسُ فَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَزِعاً يَخْشٰى أَنْ تَكُونَ السَّاعَةُ فَأَتَى الْمَسْجِدَ فَصَلّٰى بِأَطْوَلِ قِيَامٍ وَرُكُوعٍ وَسُجُوْدٍ مَا رَأَيْتُهُ قَطُّ يَفْعَلُهُ وَقَالَ هٰذِهِ الْاٰيَاتُ الَّتِي يُرْسِلُ اللهُ لَا تَكُوْنُ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهٖ وَلٰكِنْ يُخَوِّفُ اللهُ بِهَا عِبَادَهُ فَإِذَا رَأَيْتُمْ شَيْئًا مِنْ ذٰلِكَ فَافْزَعُوْا إِلٰى ذِكْرِهٖ وَدُعَائِهٖ وَاسْتِغْفَارِهٖ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (جب) سورج گرہن ہوا تو نبی کریم ﷺ گھبرائے ہوئے کھڑے ہو گئے اور آپ پر ایسا خوف طاری ہوا جیسے قیامت ہو گئی ہو۔ چنانچہ آپ مسجد میں تشریف لائے اور طویل قیام و رکوع اور سجود کے ساتھ نماز پڑھی، میں نے اس طرح کبھی آپ کو (اتنا طویل قیام و رکوع اور سجود) کرتے ہوئے نہیں دیکھا پھر آپ نے فرمایا ''یہ نشانیاں جو اللہ تعالیٰ بھیجتا ہے نہ تو کسی کے مرنے کے سبب سے (ظاہر ہوتی) ہیں اور نہ کسی کی پیدائش کی وجہ سے، ہاں اس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے۔ لہٰذا جب تم ان نشانیوں میں سے کوئی نشانی دیکھو تو خدا سے ڈرتے ہوئے اس کا ذکر کرنے، اس سے دعا مانگنے اور استغفار میں مصروف ہو جاؤ۔'' (بخاری ومسلم)

توضیح: ''فزعا'' یعنی جب سورج گرہن شروع ہو گیا تو آنحضرت ﷺ گھبراتے ہوئے کھڑے ہو گئے اور آپ پر اس طرح خوف طاری ہو گیا گویا قیامت قائم ہو گئی۔[2]

سوال: یہاں یہ سوال ہے کہ سورج گرہن ایک امر عادی ہے کہ ''حیلولة الارض بین الشمس والقمر'' ہو جاتا ہے اس میں گھبرانے کی کونسی چیز تھی اور اتنی پریشانی کی کیا ضرورت تھی؟

جواب: کسوف الشمس قیامت کے نمونوں میں سے ایک نمونہ ہے جس میں یہ اشارہ ہے کہ یہ بڑے بڑے پہاڑ اور

[1] اخرجه البخاري: ۲/۴۸ ومسلم: ۳/۳۵ [2] المرقات: ۳/۵۹۰

یہ بڑے بڑے دریا اور یہ نظام علوی و سفلی اور یہ نظام سماوی سب آناً فاناً اڑ کر چکنا چور ہو جائیں گے یہ ستارے اور یہ سورج اور اس کا اس طرح بے نور ہو جانا یہ قیامت کی علامات کا ایک نمونہ ہے اور قیامت کی گھبراہٹ کا ایک عکس ہے اس لئے حضور اکرم ﷺ گھبرائے اور مسجد کی طرف آئے اور امت کو بھی حکم دیا کہ تم بھی گھبرا کر مسجد جاؤ اور نماز پڑھو ذکر کرو کہیں یہیں سے قیامت قائم ہونا شروع نہ ہو جائے۔

نماز کسوف میں رکوع وسجود کی تعداد

﴿۶﴾ وعن جَابِرٍ قَالَ اِنْكَسَفَتِ الشَّمْسُ فِيْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ مَاتَ اِبْرَاهِيْمُ بْنُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰى بِالنَّاسِ سِتَّ رَكَعَاتٍ بِأَرْبَعِ سَجَدَاتٍ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں جس دن آنحضرت ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کا انتقال ہوا تھا سورج گرہن ہوا، چنانچہ آپ نے لوگوں کو چھ رکوع اور چار سجدے کے ساتھ نماز پڑھائی۔" (مسلم)

توضیح: "ابراهيم" یہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطن سے تھے اٹھارہ ماہ کی عمر میں ان کا انتقال ہو گیا تھا ۸ ھ میں پیدا ہوئے تھے اور ۱۰ ھ میں شیر خوارگی کی عمر میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔ اس روایت میں ایک رکعت میں تین رکوع کرنے کا بیان ہے۔[۲]

﴿۷﴾ وعن ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ كَسَفَتِ الشَّمْسُ ثَمَانَ رَكَعَاتٍ فِيْ أَرْبَعِ سَجَدَاتٍ وَعَنْ عَلِيٍّ مِثْلُ ذٰلِكَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[۳]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے سورج گرہن کے وقت دو رکعت نماز آٹھ رکوع اور چار سجدوں کے ساتھ (اس طرح) پڑھائی (کہ ہر رکعت میں چار چار رکوع اور دو دو سجدے کئے) اور اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے۔" (مسلم)

ایک صحابی کا نماز کسوف کے لئے دوڑنا

﴿۸﴾ وعن عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كُنْتُ أَرْتَمِيْ بِأَسْهُمٍ لِيْ بِالْمَدِيْنَةِ فِيْ حَيَاةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ كَسَفَتِ الشَّمْسُ فَنَبَذْتُهَا فَقُلْتُ وَاللّٰهِ لَأَنْظُرَنَّ إِلٰى مَا حَدَثَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى

[۱] اخرجه ومسلم: ۲/۳۱ [۲] المرقات: ۳/۵۸۶، ۵۹۰ [۳] اخرجه ومسلم: ۳/۳۲، ۱/۳۶۳

اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ كُسُوْفِ الشَّمْسِ قَالَ فَأَتَيْتُهُ وَهُوَ قَائِمٌ فِي الصَّلَاةِ رَافِعٌ يَدَيْهِ فَجَعَلَ يُسَبِّحُ وَيُهَلِّلُ وَيُكَبِّرُ وَيَحْمَدُ وَيَدْعُوْ حَتّٰى حُسِرَ عَنْهَا فَلَمَّا حُسِرَ عَنْهَا قَرَأَ سُوْرَتَيْنِ وَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ فِيْ صَحِيْحِهِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ سَمُرَةَ وَكَذَا فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ عَنْهُ وَفِيْ نُسَخِ الْمَصَابِيْحِ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ۔[1]

ترجمہ: اور حضرت عبدالرحمن ابن سمرہ فرماتے ہیں کہ میں رسول کریم ﷺ کے زمانۂ حیات میں مدینہ میں اپنے تیروں سے تیراندازی کیا کرتا تھا (چنانچہ ایک دن میں تیراندازی میں مشغول تھا) کہ سورج گرہن ہوا، میں نے تیروں کو پھینک دیا اور (دل میں) کہا کہ خدا کی قسم میں یہ ضرور دیکھوں گا کہ سورج گرہن ہونے سے آنحضرت ﷺ کی کیا حالت ہوتی ہے (یعنی یہ دیکھوں گا کہ آپ اس وقت کیا کرتے ہیں؟) حضرت عبدالرحمن فرماتے ہیں کہ (یہ سوچ کر) میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا (تو دیکھا کہ) آپ دونوں ہاتھ اٹھائے نماز میں کھڑے ہوئے تھے، پھر (میں نے سنا کہ) آپ **سبحان اللہ لا الہ الا اللہ، اللہ اکبر** اور **الحمد للہ** پڑھنے اور دعا مانگنے لگے، یہاں تک کہ سورج گرہن سے نکل آیا۔ جب سورج سے ظلمت دور ہوئی تو آپ نے دو سورتیں پڑھیں اور دو رکعت نماز ادا فرمائی (یعنی آپ نے نماز کی دو رکعتیں پڑھیں جن میں دو سورتوں کی قرأت کی)۔'' یہ حدیث مسلم نے اپنی صحیح مسلم میں عبدالرحمن ابن سمرہ سے نقل کی ہے، نیز شرح السنۃ میں بھی (یہ روایت) اسی طرح (عبدالرحمن ابن سمرہ سے) منقول ہے اور مصابیح کے نسخوں میں یہ روایت جابر ابن سمرہ سے نقل کی گئی ہے۔

سورج گرہن میں غلام آزاد کرنا چاہیے

﴿۹﴾ وعن أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِيْ بَكْرٍ قَالَتْ لَقَدْ أَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْعِتَاقَةِ فِيْ كُسُوْفِ الشَّمْسِ۔ (أخرجه البخاري)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے سورج گرہن میں غلام آزاد کرنے کا حکم فرمایا ہے۔' (بخاری)

الفصل الثانی

نماز کسوف میں قرأت آہستہ ہو یا بلند؟

﴿۱۰﴾ عن سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ كُسُوْفٍ لَا نَسْمَعُ لَهُ صَوْتًا۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْ دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَه)[3]

[1] اخرجه [2] اخرجه البخاري: ۲/۴۷، ۳/۱۸۹ [3] اخرجه الترمذي: ۵۶۲ والنسائي: ۳/۱۴۸ وابن ماجه: ۱۲۶۴

ترجمہ: حضرت سمرہ ابن جندب فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ہمیں سورج گرہن کے وقت (اس طرح) نماز پڑھائی (کہ) ہم آپ کی آواز نہیں سنتے تھے۔" (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

ملاحظہ: اس حدیث سے متعلق مکمل بحث گزشتہ حدیث نمبر ا میں ہو چکی ہے۔

کسی حادثہ فاجعہ کے وقت سجدہ کرنا

﴿۱۱﴾ وعن عِكْرِمَةَ قَالَ قِيلَ لِابْنِ عَبَّاسٍ مَاتَتْ فُلَانَةُ بَعْضُ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَرَّ سَاجِداً فَقِيلَ لَهُ تَسْجُدُ فِي هٰذِهِ السَّاعَةِ؟ فَقَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا رَأَيْتُمْ آيَةً فَاسْجُدُوْا وَأَيُّ آيَةٍ أَعْظَمُ مِنْ ذَهَابِ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

(رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ (جب) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ کہا گیا کہ نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات میں سے فلاں زوجۂ مطہرہ (یعنی حضرت صفیہ) انتقال فرما گئیں (تو) وہ (اس عظیم حادثہ کی خبر سنتے ہی) سجدہ میں گر پڑے (یا یہ کہ انہوں نے نماز پڑھی) ان سے عرض کیا گیا کہ "آپ اس وقت سجدہ (کیوں) کرتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ رسول کریم ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ "جب تم کوئی نشانی (یعنی کرشمۂ خداوندی) دیکھو تو سجدہ کرو، اور آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات کی دائمی جدائی سے زیادہ بڑی نشانی اور کیا ہو سکتی ہے؟ (ترمذی، ابوداؤد)

توضیح: "ماتت فلانة" اس سے ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مراد ہیں ان کی موت جب واقع ہوگئی تو کسی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو اطلاع کردی آپ سجدہ میں گرے اس شخص نے پوچھا کہ یہ کونسا وقت ہے اور کیا سبب ہے کہ آپ نے سجدہ کیا؟ اس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے میں فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب تم کوئی آیت ونشانی دیکھو تو فوراً سجدہ کرو اور زوجہ رسول کے انتقال سے بڑھ کر کونسی نشانی ہو سکتی ہے۔[2]

علامہ طیبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ حدیث میں "آیة" کا لفظ مطلق مذکور ہے اب اگر اس کو چاند وسورج کے گرہن پر حمل کریں گے تو سجدہ سے نماز مراد ہوگی کہ نماز کسوف پڑھو اور اگر آیت سے دوسری نشانیاں مثلاً طوفان آندھی اور زلزلے مراد ہوں تو پھر سجدہ سے سجدہ ہی مراد لیا جائے گا نماز مراد نہیں ہوگی۔[3]

الفصل الثالث

نماز کسوف کے رکوع

﴿۱۲﴾ عن أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلَى عَهْدِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

[1] اخرجه وابوداؤد: ۱۱۹۷ والترمذی: ۳۸۹۱ [2] المرقات: ۳/۵۹۷ [3] المرقات: ۳/۵۹۷

فَصَلّٰی بِهِمْ فَقَرَأَ بِسُوْرَةٍ مِنَ الطُّوَلِ وَرَكَعَ خَمْسَ رَكَعَاتٍ وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ قَامَ إِلَى الثَّانِيَةِ فَقَرَأَ بِسُوْرَةٍ مِنَ الطُّوَلِ ثُمَّ رَكَعَ خَمْسَ رَكَعَاتٍ وَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ جَلَسَ كَمَا هُوَ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ يَدْعُوْ حَتّٰى انْجَلٰى كُسُوْفُهَا۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)[1]

ترجمہ: حضرت ابی ابن کعب فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کے زمانہ مبارک میں سورج گرہن ہوا تو آپ نے صحابہ کو نماز پڑھائی جس میں آپ نے (پہلی رکعت میں) طویل سورتوں میں سے ایک سورت کی قرأت فرمائی اور پانچ رکوع و دو سجدے کئے۔ پھر دوسری رکعت کے لئے کھڑے ہوئے تو اس میں بھی طویل سورتوں میں سے ایک سورۃ کی قرأت فرمائی اور پانچ رکوع و دو سجدے کئے پھر اسی طرح (یعنی بہیت نماز) قبلہ رخ بیٹھے دعا مانگتے رہے یہاں تک کہ آفتاب روشن ہوگیا۔ (ابوداؤد)

صلوٰۃ کسوف عام نماز وں کی طرح ہے

﴿۱۳﴾ وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ كَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَعَلَ يُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ وَيَسْأَلُ عَنْهَا حَتّٰى انْجَلَتِ الشَّمْسُ۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)

وَفِيْ رِوَايَةِ النَّسَائِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى حِيْنَ انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ مِثْلَ صَلَاتِنَا يَرْكَعُ وَيَسْجُدُ وَلَهٗ فِيْ أُخْرٰى أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ يَوْمًا مُسْتَعْجِلًا إِلَى الْمَسْجِدِ وَقَدِ انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ فَصَلّٰى حَتّٰى انْجَلَتْ ثُمَّ قَالَ إِنَّ أَهْلَ الْجَاهِلِيَّةِ كَانُوْا يَقُوْلُوْنَ إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَا يَنْخَسِفَانِ إِلَّا لِمَوْتِ عَظِيْمٍ مِنْ عُظَمَاءِ أَهْلِ الْأَرْضِ وَإِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَا يَنْخَسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهٖ وَلٰكِنَّهُمَا خَلِيْقَتَانِ مِنْ خَلْقِهٖ يُحْدِثُ اللّٰهُ فِيْ خَلْقِهٖ مَا شَاءَ فَأَيُّهُمَا انْخَسَفَ فَصَلُّوْا حَتّٰى يَنْجَلِيَ أَوْ يُحْدِثَ اللّٰهُ أَمْرًا۔[2]

ترجمہ: اور حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں سورج گرہن ہوا تو آپ نے دو دو رکعت نماز پڑھنی شروع کی (یعنی دو رکعت نماز پڑھ کر دیکھتے اگر گرہن ختم نہ ہوتا تو پھر دو رکعت نماز پڑھتے اسی طرح گرہن تک نماز پڑھتے رہے) اور (اللہ تعالیٰ سے یہ دعا) مانگی (کہ خدایا آفتاب روشن کردے یا یہ کہ ہر دو رکعت کے بعد لوگوں سے گرہن کے بارے میں پوچھتے کہ گرہن ختم ہوا یا نہیں؟ اگر لوگ کہتے کہ ابھی گرہن باقی ہے تو پھر نماز میں مشغول ہوجاتے) یہاں تک کہ آفتاب روشن ہوگیا۔" (ابوداؤد)

[1] اخرجہ وابوداؤد: ۱۱۸۲ [2] اخرجہ وابوداؤد: ۱۱۹۳ والنسائی: ۳/۱۴۱، ۱۴۵

اور نسائی کی روایت ہے کہ ''جب سورج گرہن ہوا تو آپ نے ہماری نماز کی طرح نماز پڑھی جس میں رکوع وسجدہ کرتے تھے'' نسائی کی ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ ''ایک روز جبکہ سورج کو گرہن لگا ہوا تھا آنحضرت ﷺ عجلت کے ساتھ مسجد میں تشریف لائے اور نماز پڑھی۔ یہاں تک کہ آفتاب روشن ہوگیا پھر آپ نے فرمایا کہ ''زمانہ جاہلیت کے لوگ کہا کرتے تھے کہ زمین پر رہنے والے بڑے آدمیوں میں سے کسی بڑے آدمی کے مرجانے کی وجہ سے سورج اور چاند کو گرہن لگتا ہے، حالانکہ (حقیقت یہ ہے کہ) سورج و چاند نہ تو کسی کے مرجانے کی وجہ سے گرہن میں آتے ہیں اور نہ کسی کی پیدائش کی وجہ سے۔ یہ دونوں محض اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں دو مخلوق ہیں، خدا جو چاہتا ہے اپنی مخلوق میں تغیر (مثلاً گرہن، روشنی اور اندھیرا) پیدا کرتا ہے۔ لہٰذا جب ان میں سے کوئی گرہن میں آجائے تو تم نماز پڑھنی شروع کردو یہاں تک کہ وہ روشن ہوجائے یا اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم ظاہر ہوجائے (یعنی عذاب آجائے یا قیامت شروع ہوجائے)۔'' (نسائی)

توضیح: **"مثل صلوتنا"** یہ حدیث واضح طور پر مسلک احناف کی تائید کرتی ہے جو کہتے ہیں کہ نماز کسوف عام نمازوں کی طرح ایک نماز ہے اس کا کوئی الگ طریقہ نہیں ہمیں قولی حدیث کو دیکھنا چاہئے اور عام ضابطہ یہ ہے کہ نماز کی ایک رکعت میں ایک ہی رکوع ہوتا ہے۔[1]

[1] المرقات: ۳/۵۹۹

مورخہ ۲۶ جمادی الاول ۱۴۱۰ھ

باب فی سجود الشکر

سجدہ شکر کا بیان

نماز کے اندر کے سجدوں کے علاوہ نماز سے باہر کئی قسم کے سجدے ہیں تفصیل ملاحظہ ہو۔

❶ ایک سجدہ سہو ہے یہ اصلاح صلوٰۃ کے لئے ہوتا ہے جو صلوٰۃ کے حکم میں ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

❷ دوسرا سجدہ تلاوت ہے یہ سجدہ قرآن کی تلاوت کے دوران واجب ہو جاتا ہے اس کے جواز میں بھی کوئی کلام نہیں۔

❸ تیسرا سجدۂ مناجات ہے جو نماز سے باہر ہوتا ہے اکثر علماء کے ظاہری اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مکروہ ہے۔ عوام الناس نماز کے بعد اس کو کرتے ہیں بعض لوگ دونوں ہاتھوں کو زمین پر الٹا رکھ کر دعا کی شکل بناتے ہیں یہ مکروہ ہے،

❹ چوتھا سجدۂ شکر ہے جو حصول نعمت یا زوال مصیبت کے وقت کیا جاتا ہے اس میں علماء کا اختلاف ہے۔

علماء کا اختلاف:

امام شافعی، امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ تعالیٰ اور احناف میں سے امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی خاص خوشی کا موقع آئے تو سجدۂ شکر کرنا سنت ہے۔[1]

امام مالک رحمہ اللہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے بعض اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ سجدۂ شکر مکروہ ہے۔[2]

دلائل:

امام شافعی واحمد ومحمد رحمہم اللہ تعالیٰ کی دلیل اس باب کی مذکورہ تینوں حدیثیں ہیں جن میں سجدۂ شکر کا واضح ثبوت موجود ہے۔

ان حضرات نے جنگ بدر کے اس واقعہ سے بھی استدلال کیا ہے کہ جب ابوجہل کا سر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شکر کا سجدۂ ادا کیا اور پھر فرمایا کہ اس امت کا فرعون مارا گیا "فخر ساجدا" کے الفاظ آئے ہیں اسی طرح صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو جب مسیلمہ کذاب کے قتل کی خبر پہنچی تو آپ نے سجدۂ شکر ادا کیا۔ اسی طرح کئی موقعوں پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے شکر کے سجدے ادا کئے ہیں جبکہ آپ کو مسلمانوں کی فتح کی خبر پہنچ جاتی تھی۔[3]

اسی طرح جب خوارج کا ایک سرغنہ مارا گیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شکر کا سجدہ ادا کیا یہ سب سجدۂ شکر کے مسنون ہونے کے دلائل ہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بیشمار ہیں اور ہر وقت ظہور پذیر ہیں اگر ہر نعمت پر مسلمانوں کو سجدۂ شکر بجالانے کا مکلف بنایا جائے تو یہ تکلیف مالا یطاق ہے۔

امام محمد رحمہ اللہ نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے متعلق اس سلسلہ میں ایک جملہ نقل کیا ہے "انه كان لا يراها شيأ" (كذا فى الذخيرة) یعنی امام صاحب سجدہ شکر کو کچھ نہیں سمجھتے تھے۔

---

[1] المرقات: ۳/۶۰۱ [2] المرقات: ۳/۶۰۱ [3] المرقات: ۳/۶۰۲

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اس کلام کا کیا مطلب ہے اس میں علماء احناف کی مختلف آرا ہیں بعض نے کہا ہے کہ اس سے سنت ہونے کی نفی ہے بعض نے کہا ہے کہ آپ سجدہ شکر کے وجوب کی نفی فرمار ہے ہیں۔ بعض نے کہا کہ اس سے آپ سجدہ شکر کے جواز کی نفی کرنا چاہتے ہیں بعض نے کہا کہ اس سے آپ شکر تام کی نفی کرنا چاہتے کہ صرف سجدہ کرنا کامل شکر نہیں ہے بلکہ کامل شکر یہ ہے کہ دو رکعت شکر کی نماز پڑھی جائے یہ تمام اقوال اپنی جگہ لیکن احناف کا فتویٰ اس پر ہے کہ سجدہ شکر کرنا مستحب ہے کیونکہ احادیث کثیرہ میں اس کا ثبوت موجود ہے اور امت نے اس کو قبول کیا ہے۔ اور ہر ہر نعمت پر اگر چہ سجدہ کرنا تکلیف مالا یطاق ہے لیکن بڑی بڑی نعمتوں پر کبھی کبھی سجدہ شکر ادا کرنا کوئی مشکل نہیں۔

الفصل الثانی

یہ عجیب باب ہے کہ اس میں فصل اول بھی نہیں اور فصل ثالث بھی نہیں صرف فصل ثانی ہے جس میں صرف تین احادیث ہیں جو حاضر خدمت ہیں۔

خوشی کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سجدۂ شکر

﴿۱﴾ عن أَبِي بَكْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا جَاءَهُ أَمْرٌ سُرُوراً أَوْ يُسَرُّ بِهِ خَرَّ سَاجِداً شَاكِراً لِلّٰهِ تَعَالَى۔ (وَرَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ)[1]

ترجمہ: حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی خوشی کا امر پیش آتا۔ یا راوی نے لفظ ''سرور'' کی بجائے یسر بہ کہا ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی ایسا امر پیش آتا جس سے آپ خوش ہوتے تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لئے سجدہ میں گر پڑتے۔'' (ابوداؤد، ترمذی) اور ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

توضیح: ''خر ساجدا'' جو حضرات سجدہ شکر کو سنت قرار دیتے ہیں وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ''خر ساجدا'' سے دو رکعت نماز مراد لیتے ہیں اور حدیث کے الفاظ میں اس مفہوم کی پوری پوری گنجائش ہے تاہم احناف[2] کے ہاں فتویٰ اس پر ہے کہ منفرد سجدۂ شکر ادا کرنا مستحب ہے۔

''سرورا'' یہ لفظ منصوب ہے اس کا فعل ''یوجب'' محذوف ہے۔ یا حال ہے یعنی ساراً۔[3]

کسی مبتلائے مصیبت کو دیکھ کر سجدہ شکر کرنا

﴿۲﴾ وعن أَبِي جَعْفَرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى رَجُلاً مِنَ النُّغَاشِيِّينَ فَخَرَّ سَاجِداً۔

(رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ مُرْسَلاً وَفِي شَرْحِ السُّنَّةِ لَفْظُ الْمَصَابِيحِ)[4]

---

[1] اخرجه وابوداؤد: ۲۷۷۳ والترمذی: ۱۵۷۸ [2] المرقات: ۳/۶۰۲

[3] المرقات: ۳/۶۰۲ [4] اخرجه الدارقطنی: ۱/۴۰۱

ترجمہ: اور حضرت ابوجعفر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ایک بونے (پست قد آدمی) کو دیکھا تو سجدہ میں گر پڑے۔' دارقطنی نے یہ روایت بطریق ارسال نقل کی ہے اور شرح السنہ میں مصابیح کے الفاظ میں (منقول ہے)

توضیح: "النغاشین" ایک روایت میں نغاشیین بھی ہے اور النغاشی بھی ہے اس صیغہ میں نون پر ضمہ ہے اور غین پر تشدید نہیں ہے بلکہ تخفیف ہے "النغاش" اس شخص کو کہتے ہیں جس کا قد حد سے زیادہ پست ہو اور وہ ناقص الخلقت اور ضعیف الحرکت ہو اسی قسم کے ایک شخص کو حضور اکرم ﷺ نے جب دیکھا تو بارگاہ الٰہی میں بطور شکر سجدہ ریز ہو گئے ظاہر ہے اعتدال کے ساتھ دراز قد آدمی جب راستہ پر چلتا ہے تو کتنا خوبصورت اور پر رونق لگتا ہے گویا سرو کا درخت یا صنوبر کی دراز شاخ زمین پر چل کر آگے بڑھ رہی ہو۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالانا تو نہایت برمحل ہے۔[1]

لیکن علماء نے لکھا ہے کہ ایسے شخص کے سامنے سجدہ شکر نہ کیا جائے تاکہ ان کو ایذا نہ پہنچے کیونکہ اس سجدہ شکر کا مطلب یہ نہیں کہ دوسروں پر فخر جتلایا جائے بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ خود اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر ادا کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کی عظمتوں کا اعتراف کیا جائے۔ علماء نے یہ بھی لکھا ہے کہ اسی طرح فاسق فاجر کے سامنے سجدہ کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس فسق سے محفوظ رکھا تاہم فاسق کے سامنے سجدہ کرنا زیادہ بہتر ہے تاکہ اسکو تنبیہ ہو جائے۔ شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں مشہور ہے کہ انہوں نے جب ایک فاسق فاجر کو لذتوں میں ڈوبا ہوا دیکھا تو اس کے سامنے فرمایا "الحمد لله الذی عافانی مما ابتلاك به" یعنی جس فسق و فجور میں اللہ تعالیٰ نے تجھے مبتلا کیا ہے اور مجھے محفوظ رکھا ہے اس پر اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔[2]

امت کے حق میں آنحضرت ﷺ کی دعا

﴿۳﴾ وعن سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ مَكَّةَ نُرِيْدُ الْمَدِيْنَةَ فَلَمَّا كُنَّا قَرِيْباً مِنْ عَزْوَزَاءَ نَزَلَ ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ فَدَعَا اللهَ سَاعَةً ثُمَّ خَرَّ سَاجِداً فَمَكَثَ طَوِيْلاً ثُمَّ قَامَ فَرَفَعَ يَدَيْهِ سَاعَةً ثُمَّ خَرَّ سَاجِداً فَمَكَثَ طَوِيْلاً ثُمَّ قَامَ فَرَفَعَ يَدَيْهِ سَاعَةً ثُمَّ خَرَّ سَاجِداً قَالَ إِنِّي سَأَلْتُ رَبِّي وَشَفَعْتُ لِأُمَّتِي فَأَعْطَانِي ثُلُثَ أُمَّتِي فَخَرَرْتُ سَاجِداً لِرَبِّي شُكْراً ثُمَّ رَفَعْتُ رَأْسِي فَسَأَلْتُ رَبِّي لِأُمَّتِي فَأَعْطَانِي ثُلُثَ أُمَّتِي فَخَرَرْتُ سَاجِداً لِرَبِّي شُكْراً ثُمَّ رَفَعْتُ رَأْسِي فَسَأَلْتُ رَبِّي لِأُمَّتِي فَأَعْطَانِي الثُّلُثَ الْآخَرَ فَخَرَرْتُ سَاجِداً لِرَبِّي شُكْراً۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ)[3]

ترجمہ: اور حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول کریم ﷺ کے ہمراہ مدینہ کے ارادہ سے مکہ سے روانہ ہوئے، جب ہم عزوزاء کے قریب (جو مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک مقام ہے) پہنچے تو آنحضرت ﷺ (اونٹنی سے) اترے اور دونوں ہاتھ اٹھا کر تھوڑی دیر تک اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے (دعا مانگتے) رہے، پھر سجدہ میں گر پڑے اور دیر تک سجدہ میں رہے

[1] المرقات: ۳/۶۰۳ [2] المرقات: ۳/۶۰۳ [3] اخرجه وابوداؤد: ۲۷۷۵

پھر کھڑے ہوئے اور تھوڑی دیر تک اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے (دعا مانگتے) رہے۔ پھر سجدہ میں گر پڑے۔ پھر اس کے بعد آپ نے فرمایا ''میں نے اپنے پروردگار سے دعا کی اور اپنی امت (کے گناہوں کی بخشش، عیوب کی پردہ پوشی اور بلندی درجات) کے لئے شفاعت کی، چنانچہ مجھے تہائی امت (کی مغفرت) عطا فرمادی گئی، میں اپنے رب کا شکر ادا کرنے کیلئے سجدہ میں گر پڑا، پھر میں نے اپنا سر اٹھایا اور اپنے پروردگار سے اپنی امت کے لئے (اس کی رضا و مغفرت کی) درخواست کی تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اور تہائی امت (کی مغفرت) عطا فرمادی میں اپنے رب کا شکر ادا کرنے کیلئے سجدہ میں گر پڑا، پھر میں نے اپنا سر اٹھایا اور اپنے پروردگار سے اپنی امت کے لئے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے مجھے باقی تہائی امت (کی بھی مغفرت) عطا فرمادی، چنانچہ میں اپنے پروردگار کا شکر ادا کرنے کیلئے سجدہ میں گر پڑا۔'' (احمد، ابوداؤد)

توضیح: "عزوزا" مکہ و مدینہ کے درمیان ایک جگہ کا نام عزوزا ہے جو جحفہ کے قریب ہے عین پر فتحہ ہے اور زا پر سکون ہے اور آخر میں ممدود زا ہے۔ [1]

"رفع یدیه" دعا کے اس موقع پر آنحضرت ﷺ نے بار بار دونوں ہاتھوں کو اٹھایا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دعا کے موقع پر ہاتھ اٹھانا دعا کے آداب میں سے ہے جیسا کہ فقہاء نے لکھا ہے اس سے عرب کے مسلمانوں کو ہوش میں آنا چاہئے جو ہاتھ اٹھانے کو گویا گناہ سمجھتے ہیں اور سلفیت کے فتنہ میں ایمان کی حلاوت سے محروم ہو گئے ہیں۔ [2]

"الثلث الآخر" یعنی تین بار اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی ہر بار اللہ تعالیٰ نے مجھے میری امت کا ایک تہائی عطا کیا کہ یہ لوگ عذاب سے محفوظ رہیں گے جب تین تہائی مکمل عطا فرمائے تو میں نے شکر کے طور پر سجدہ ادا کیا اللہ تعالیٰ نے اعلیٰ درجہ کے لوگوں کو پہلے سوال کے موقع پر معاف کیا متوسط درجہ کے لوگوں کو دوسرے سوال کے موقع پر معاف فرمایا اور ادنیٰ درجہ کے لوگوں کو تیسرے سوال کے موقع پر معاف کیا۔ [3]

سوال: قرآن و حدیث سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے روز بعض مسلمان گناہ گار دوزخ میں جائیں گے اور اپنے کیے کی سزا پائیں گے لیکن اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پوری امت معاف ہو گئی ہے۔

جواب: اس سوال کے جواب میں علماء نے ایک جواب یہ دیا ہے کہ اس شفاعت اور حضور اکرم ﷺ کی اس دعا کا تعلق دنیا کی سزاؤں اور اس کے عذاب سے ہے یعنی اس امت پر اس طرح زمین میں دھنسنے کا عذاب ہے یا شکلوں کے مسخ ہو جانے کا عذاب ہے یا دیگر عذاب ہیں اس سے یہ امت مجموعی طور پر محفوظ رہیگی اور جس طرح سابقہ امتوں کو اس قسم کے عذابوں نے کاٹ کر رکھ دیا تھا اس امت پر خسف و قذف اور مسخ و غرق کے اجتماعی عذاب بھی نہیں آئیں گے اس شفاعت و دعا کا مطلب یہ نہیں کہ روز قیامت میں اس امت کا کوئی گناہگار دوزخ میں نہیں جائے گا۔ [4]

اس سوال کا دوسرا جواب یہ ہے کہ اس شفاعت و دعا کا تعلق بیشک آخرت کے عذاب سے ہے لیکن حضور ﷺ کی شفاعت و دعا سے یہ گارنٹی مل گئی کہ کوئی مسلمان گناہ گار جو دوزخ میں چلا گیا ہے وہ ہمیشہ کے لئے دوزخ میں نہیں رہیگا بلکہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا کہ سزا بھگتنے کے بعد اسے دوزخ سے نکالا جائے گا۔

---

[1] المرقات: ۲/۶۰۲ [2] المرقات: ۲/۶۰۳ [3] المرقات: ۲/۶۰۴ [4] المرقات: ۲/۶۰۵

باب صلوٰۃ الاستسقاء

نماز استسقاء کا بیان

قال اللہ تعالیٰ {استغفروا ربکم انہ کان غفارا یرسل السماء علیکم مدرارا} (نوح)[1]

استسقاء باب استفعال کا مصدر ہے مجرد میں اس کا مصدر "السقی" ہے جو سیرابی کے معنی میں ہے استسقاء میں سین اورتا طلب کے لئے ہے مطلب یہ ہوا کہ "طلب السقی" یعنی سیرابی اور بارش مانگنا۔[2]

اصطلاح شرع میں استسقاء کی تعریف اس طرح ہے۔

طلب السقی بوجہ مخصوص بانزال المطر ودفع الجدب والقحط۔

اردو میں تعریف اس طرح ہے خشک سالی میں طلب بارش کے لئے بتائے گئے طریقہ کے مطابق نماز پڑھنا اور دعا کرنا۔

الفصل الاول

آنحضرت ﷺ کی نماز استسقاء کا طریقہ

﴿۱﴾ عن عَبْدِاللّٰہِ بْنِ زَیْدٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِالنَّاسِ إِلَی الْمُصَلّٰی یَسْتَسْقِیْ فَصَلّٰی بِہِمْ رَکْعَتَیْنِ جَہَرَ فِیْہِمَا بِالْقِرَاءَۃِ وَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَۃَ یَدْعُوْ وَرَفَعَ یَدَیْہِ وَحَوَّلَ رِدَائَہٗ حِیْنَ اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَۃَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)[3]

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ لوگوں کے ہمراہ طلب بارش کے لئے عیدگاہ تشریف لے گئے۔ چنانچہ آپ نے وہاں دو رکعت نماز پڑھائی جس میں بلند آواز سے قرأت فرمائی اور قبلہ رخ ہو کر دعا مانگی۔ نیز آپ نے (دعا کے لئے) اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے ہوئے تھے اور قبلہ رخ ہوتے وقت اپنی چادر پھیر دی۔" (بخاری ومسلم)

توضیح: "الی المصلی" قرآن وحدیث سے استسقاء کی تین صورتیں معلوم ہوتی ہیں۔

❶ نماز پڑھنے کے بغیر صرف استغفار کرنا اور دعا مانگنا۔

❷ خطبہ جمعہ کے دوران اور فرض نمازوں کے بعد بارش کے لئے دعا کرنا۔

❸ بارش کے لئے باقاعدہ طور پر صلوٰۃ استسقا کی نماز پڑھنا اور اس کے بعد دعا کرنا استسقاء میں اعلیٰ صورت یہی ہے کہ سب لوگ کھلے میدان میں نکل جائیں کافر اور ذمی کے علاوہ تمام مسلمان میدان میں آ کر نہایت شکستگی اور عاجزی کے ساتھ عیدگاہ

[1] استغفروا ربکم انہ کان (نوح) [2] المرقات: ۳/۶۰۶ [3] اخرجہ البخاری: ۲/۳۲،۳۴،۳۹ ومسلم: ۳/۲۳

میں نماز پڑھیں اور خوب توبہ واستغفار کریں اور پھر بارش کے لئے دعا مانگیں اور صدقہ وخیرات کریں۔[1]
استسقاء کی مندرجہ بالا تینوں صورتیں سب کے نزدیک ثابت بھی ہیں اور جائز بھی ہیں اختلاف اس میں ہے کہ اعلیٰ درجہ کونسا ہے اور کیا استسقاء کی سنت صرف نماز کے ساتھ مخصوص ہے یا نہیں اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف:

جمہور فقہاء اور صاحبین کے نزدیک استسقاء کی سنت کا پورا ہونا نماز میں منحصر ہے اگر نماز نہیں ہوئی تو استسقاء کی سنت رہ گئی اور نماز کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے امام دورکعت نماز پڑھائے اور پھر خوب گڑگڑا کر دعا مانگے اور تحویل ردا کرے۔
امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ استسقاء صرف نماز میں منحصر نہیں ہے۔[2]
یعنی استسقاء کی سنیت نماز میں بند نہیں بلکہ یہ سنت دعا سے بھی پوری ہوجاتی ہے اور مذکورہ بالا تینوں طریقوں سے بھی استسقاء کا عمل پورا ہوجاتا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ استسقاء کا قطعاً انکار نہیں کرتے بلکہ وہ نماز میں استسقاء کو منحصر اور بند کرنے کے قائل نہیں اس کے باوجود احناف کا فتویٰ صاحبین کے مسلک پر ہے امام صاحب کے قول پر نہیں ہے کیونکہ استسقاء میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز ثابت ہے۔

دلائل:

جمہور ان تمام احادیث سے استدلال کرتے ہیں جن میں نماز کا ذکر ہے جیسے زیر بحث حدیث ہے اس میں نماز کا ذکر موجود ہے۔ اسی طرح فصل ثالث کی حدیث نمبر ۱۲ میں **فصلی رکعتین** سے نماز کا ذکر کیا گیا ہے اس کے علاوہ چند احادیث اس طرح بھی ہیں کہ آنحضرت استسقاء کے لئے عیدگاہ تشریف لے گئے نماز پڑھنے کا ذکر اگرچہ نہیں ہے لیکن عیدگاہ جانے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ نماز مقصود تھی۔[3]
امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل قرآن کریم کی یہ آیت ہے۔

﴿استغفروا ربکم انه کان غفارا یرسل السماء علیکم مدرارا﴾[4]

اس آیت میں بارش مانگنے کے لئے صرف استغفار کا ذکر کیا گیا ہے اور بارش کو صرف استغفار کے ساتھ معلق کیا گیا ہے۔
نیز سعید بن منصور رحمۃ اللہ علیہ امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ۔

اخرج عمر یستسقی فلم یزد علی الاستغفار فقالوا ما رئیناك استسقیت فقال لقد طلبت الغیث بمجادیح السماء الذی یتنزل به المطر ثم قرأ ﴿استغفروا ربکم الخ﴾

اس روایت سے بھی معلوم ہوا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ استسقاء کے لئے صرف استغفار کو کافی سمجھتے تھے نماز کو لازم

---

[1] المرقات: ۳/۶۰۷ [2] المرقات: ۳/۶۰۷ [3] المرقات: ۳/۶۰۷ [4] واستغفروا ربکم انه کان غفارا

نہیں سمجھتے تھے یہ عمل سب صحابہ کے سامنے تھا گویا اس پر صحابہ کا اجماع ہوگیا اسی طرح بخاری کی اعرابی والی حدیث تو مشہور ہے کہ اس نے خشک سالی کی شکایت کی حضور اکرم ﷺ نے ہاتھ اٹھا کر خطبہ کے دوران دعا فرمائی اس میں بھی نماز کا ذکر نہیں ہے۔[1]

اس باب میں بھی صاحب مشکوٰۃ نے اکثر احادیث ایسی نقل فرمائی ہیں جن میں صرف دعا کا ذکر ہے اور نماز کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ معلوم ہوا استسقاء کے لئے صرف نماز متعین نہیں بلکہ اس کے علاوہ بھی کچھ ایسے طریقے ہیں جن سے استسقاء کی سنت پوری ہوجاتی ہے۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں ایک روایت اس طرح ہے۔

وعن عطاء بن ابی مروان الاسلمی عن ابیه قال خرجنا مع عمر بن الخطاب یستسقی فمازاد علی الاستغفار (ابن ابی شیبه، زجاجة المصابیح ج۱ص۴۲۲)

بہر حال استسقاء کے تین طریقے ہیں موقع ومحل کے اعتبار سے جو میسر آیا اس پر عمل کرنا جائز ہے البتہ بہتر طریقہ وہی ہے جس میں نماز کے ضمن میں استسقاء ہو اور اسی پر احناف کا فتویٰ ہے۔

"**جهر فیهما بالقراءة**" معلوم ہوا نماز استسقاء میں قرأت بلند آواز سے ہے۔[2]

"**ورفع یدیه**" یہاں دعا کے لئے آنحضرت ﷺ نے حد سے زیادہ ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی ہے معلوم ہوا ہاتھ اٹھانا دعا کے آداب میں سے ایک ادب ہے غیر مقلدیت کے جنون کی وجہ سے جزیرۂ عرب میں دعا کے اندر ہاتھ اٹھانا ختم کردیا گیا ہے چنانچہ ان کے دلوں سے حلاوت ایمانی رخصت ہوچکی ہے کیونکہ سلفیت نے ان کو خراب کردیا ہے نماز استسقاء میں افضل یہ ہے کہ پہلی رکعت میں سورۃ ق یا سورۃ اعلیٰ میں سے کوئی ایک سورۃ پڑھی جائے اور دوسری رکعت میں سورۃ غاشیہ پڑھی جائے۔

"**وحول ردائه**" چادر پھیرنا استسقاء کا کوئی لازمی حصہ نہیں ہے احناف کے نزدیک تحویل رداء بطور نماز نہیں بلکہ تفاول اور حالات بدلنے کی طرف اشارہ ہے چادر پھیرنے کا طریقہ معروف ہے مگر تھوڑا سا مشکل ہے۔

استسقاء کی دعا میں ہاتھ اٹھانا

﴿۲﴾ وعن أَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي شَيْءٍ مِنْ دُعَائِهِ إِلَّا فِي الْاِسْتِسْقَاءِ فَإِنَّهُ يَرْفَعُ حَتّٰى يُرٰى بَيَاضُ إِبْطَيْهِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[3]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ استسقاء کے علاوہ اور کسی موقع پر دعا کے لئے ہاتھ نہیں

---

[1] المرقات: ۳/۶۰۸ [2] المرقات: ۳/۶۰۸ [3] اخرجه البخاری: ۲/۳۹، ۲/۲۳۱، ۴/۲۳۱ و مسلم: ۳/۲۴

اٹھاتے تھے چنانچہ (استسقاء کے لئے دعا کے وقت) آپ اپنے دونوں ہاتھ اتنے (زیادہ) بلند کرتے تھے کہ آپ کے بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگتی تھی۔" (بخاری ومسلم)

توضیح: "لایرفع یدیه" سوال یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے استسقاء کے علاوہ کئی مواضع میں ہاتھ اٹھائے ہیں یہاں نفی کا کیا مطلب ہے۔

اس کا جواب علماء نے یہ دیا ہے کہ یہاں اس حدیث میں مطلق ہاتھ اٹھانے کی نفی مراد نہیں ہے بلکہ استسقاء میں جتنا ہاتھ اٹھاتے تھے اس طرح دوسرے مواضع میں نہیں اٹھاتے تھے یہی وجہ ہے کہ اس روایت میں **"بیاض ابطیه"** کا ذکر آیا ہے راوی یہ بیان کرنا چاہتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے صلوٰۃ استسقاء میں ہاتھ اتنے بلند کیئے کہ آپ کے بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگی یہ نہایت خوبصورتی کی وجہ سے ایک چمک تھی حالانکہ لوگوں کے بغل سفید نہیں ہوتے ہیں اس سے حضور اکرم ﷺ کی بڑی خوبصورتی ثابت کرنا بھی مقصود ہے اور استسقاء کی دعا میں غیر معمولی ہاتھ بلند کرنے کا بیان بھی مقصود ہے۔[1]

دعا کے وقت ہاتھوں کی کیفیت

﴿۳﴾ وعنه أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِسْتَسْقٰى فَأَشَارَ بِظَهْرِ كَفَّيْهِ إِلَى السَّمَاءِ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے طلب بارش کے لئے دعا مانگی تو اپنے دونوں ہاتھوں کی پشت آسمان کی طرف کرلی۔" (مسلم)

توضیح: "بظهر كفيه" استسقاء میں ہاتھوں کی پشت آسمان کی طرف کرنا بھی ایک تفاول ہے جو اس طرف اشارہ ہے کہ جس طرح ہاتھ الٹ گئے ہیں اور ہتھیلی زمین کی طرف آگئی ہے اسی طرح بادلوں کی حالت کو تبدیل فرما اور بارش برسا۔[3]

بارش کے وقت آنحضرت ﷺ کی ایک دعا

﴿۴﴾ وعن عَائِشَةَ قَالَتْ إِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا رَأَى الْمَطَرَ قَالَ أَللّٰهُمَّ صَيِّبًا نَافِعًا۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[4]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ جب بارش دیکھتے تو یہ دعا مانگتے اللھم صیبا نافعا یعنی اے اللہ! نفع دینے والی بارش خوب برسا۔" (بخاری)

[1] المرقات: ۳/۶۰۹ [2] اخرجه ومسلم: ۳/۲۴ [3] المرقات: ۳/۶۰۹ [4] اخرجه البخاری: ۲/۴۰

بارش کے وقت آنحضرت ﷺ کا عمل

﴿۵﴾ وعن أَنَسٍ قَالَ أَصَابَنَا وَنَحْنُ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَطَرٌ قَالَ فَحَسَرَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَوْبَهُ حَتّٰى أَصَابَهُ مِنَ الْمَطَرِ فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللهِ لِمَ صَنَعْتَ هٰذَا قَالَ لِأَنَّهُ حَدِيْثُ عَهْدٍ بِرَبِّهٖ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) ہم رسول کریم ﷺ کے ہمراہ تھے کہ بارش شروع ہوگئی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "آپ نے (اپنے سر سے یا پیٹھ سے) کپڑا اتار لیا یہاں تک کہ آپ کے (سر مبارک یا پیٹھ کے) اوپر بارش کا پانی گرنے لگا۔" ہم نے (یہ دیکھ کر) عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! آپ نے ایسا کیوں کیا؟" آپ نے فرمایا "اس لئے کہ یہ پانی اپنے پروردگار کے پاس سے ابھی ابھی آیا ہے۔" (مسلم)

توضیح: "حدیث عهد" بارش کے نیچے آنحضرت ﷺ کھڑے ہوگئے اور زائد کپڑے ہٹا دیئے مثلاً سر پر ٹوپی نہ رہی بازؤں سے کپڑا ہٹا دیا اور بارش آپ کے بدن پر براہ راست برسنے لگی، صحابہ نے اس عمل کی وجہ معلوم کرنا چاہی تو آنحضرت ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ یہ بارش ابھی ابھی اوپر اللہ تعالیٰ کی ذات کے پاس سے آئی ہے اس کا پانی مبارک ہے اسی وجہ سے اس کو حضور ﷺ نے اپنے جسم پر مل لیا نیز اس پانی سے ابھی تک کسی گناہ گار کا ہاتھ نہیں لگا ہے ایک حدیث میں ہے کہ جہاد کے میدان میں لڑائی کے دوران یا بارش کے نیچے دعا قبول ہوتی ہے۔[2]

الفصل الثانی

چادر پھیرنے کی کیفیت

﴿۶﴾ عن عَبْدِ اللهِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْمُصَلّٰى فَاسْتَسْقٰى وَحَوَّلَ رِدَائَهُ حِيْنَ اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ فَجَعَلَ عِطَافَهُ الْأَيْمَنَ عَلٰى عَاتِقِهِ الْأَيْسَرِ وَجَعَلَ عِطَافَهُ الْأَيْسَرَ عَلٰى عَاتِقِهِ الْأَيْمَنِ ثُمَّ دَعَا اللهَ۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)[3]

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ عیدگاہ تشریف لے گئے اور وہاں بارش مانگی۔ چنانچہ جب آپ قبلہ رخ ہوئے تو اپنی چادر کا دایاں کنارہ گھما کر اپنے بائیں مونڈھے پر لائے اور چادر کا بایاں کنارہ گھما کر اپنے دائیں مونڈھے پر لائے پھر اللہ تعالیٰ سے (بارش کے لئے) دعا مانگی۔" (ابوداؤد)

توضیح: "خميصة" یمن کی خوبصورت منقش چادر کو خمیصہ کہا جاتا ہے مقامات حریری میں خمیصہ کا ذکر اس

---

[1] اخرجه ومسلم: ۳/۲۶ [2] المرقات: ۳/۶۱۰ [3] اخرجه وابوداؤد: ۱۱۶۷

طرح آیا ہے: [1]

لبست الخمیصة وابغی الخبیصة وانشبت شصی فی کل شیصة

شعر میں خمیصہ سے چادر مراد ہے جو خوبصورت یمنی چادریں ہوا کرتی تھیں۔

"فلما ثقلت" چونکہ تقلیب ردا کا عمل مشکل ہو گیا تو آنحضرت ﷺ نے چادر کو کندھوں پر آسان طریقہ سے ڈالدیا اور معاملہ ختم ہو گیا "فلما ثقلت" کا یہ جملہ آنے والی حدیث نمبر ۷ میں ہے۔ [2]

﴿۷﴾ وعنه أَنَّهُ قَالَ اسْتَسْقٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهِ خَمِيْصَةٌ لَهٗ سَوْدَاءُ فَأَرَادَ أَنْ يَأْخُذَ أَسْفَلَهَا فَيَجْعَلَهٗ أَعْلَاهَا فَلَمَّا ثَقُلَتْ قَلَّبَهَا عَلٰى عَاتِقَيْهِ. (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْ دَاوُدَ) [3]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) رسول کریم ﷺ نے بارش طلب (کرنے کے لئے دعا) کی تو اس وقت آپ کے جسم مبارک پر سیاہ رنگ کی چادر تھی، آپ نے یہ ارادہ کیا کہ چادر کے نیچے کا کونا پلٹ کر اسے اوپر کی جانب لائیں (جیسا کہ چادر پھیرنے کا طریقہ ہے) مگر اس میں جب آپ کو دقت پیش آئی تو آپ نے اپنے ہی مونڈھے پر چادر پلٹ لی۔" (احمد وابوداؤد)

کبھی آنحضرت ﷺ استسقاء میں کم ہاتھ اٹھاتے تھے

﴿۸﴾ وعن عُمَيْرٍ مَوْلٰى آبِي اللَّحْمِ أَنَّهٗ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَسْقِيْ عِنْدَ أَحْجَارِ الزَّيْتِ قَرِيْباً مِنَ الزَّوْرَاءِ قَائِماً يَدْعُوْ يَسْتَسْقِيْ رَافِعاً يَدَيْهِ قِبَلَ وَجْهِهٖ لَا يُجَاوِزُ بِهِمَا رَأْسَهٗ.

(رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ نَحْوَهٗ) [4]

ترجمہ: اور حضرت عمیر رضی اللہ عنہ سے جو آبی اللحم کے آزاد کردہ غلام تھے، روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو "احجار الزیت" کے پاس جو "زوراء" کے قریب ہے، بارش مانگتے ہوئے دیکھا۔ آپ کھڑے ہوئے طلب بارش کے لئے دعا مانگ رہے تھے اور اپنے دونوں ہاتھ اپنے منہ کی طرف اٹھائے ہوئے تھے جو سر سے اونچے نہیں تھے۔" (ابوداؤد)

توضیح: "لا یجاوز بھما راسه" یعنی دونوں ہاتھ اتنے نہیں اٹھائے کہ سر سے ہاتھ تجاوز کر کے اوپر چلے جائیں۔ [5]

سوال: حدیث نمبر ۲ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ استسقا میں بہت زیادہ ہاتھ اٹھاتے تھے اور یہاں اس روایت میں ہے کہ ہاتھ اتنے بلند کر کے نہیں لے جاتے بلکہ سر سے نیچے نیچے ہوتے تھے ان

---

[1] المرقات: ۳/۶۱۲ [2] المرقات: ۳/۶۱۲ [3] اخرجه احمد: ۴/۴۱، ۴۲ وابوداؤد: ۱۱۶۴

[4] اخرجه وابوداؤد: ۱۱۶۸ [5] المرقات: ۳/۶۱۳

دونوں روایتوں میں تضاد و تعارض ہے دوسرا اس روایت میں یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ہاتھ چہرہ کی طرف تھے جبکہ انس رضی اللہ عنہ کی حدیث نمبر ۳ میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے ہاتھ زمین کی طرف اور پشت اوپر آسمان کی طرف ہوتی تھی۔

جواب: استسقاء میں جو طریقے آنحضرت ﷺ نے اختیار فرمائے ہیں سب جائز ہیں کبھی آپ نے ایک طریقہ اختیار کیا ہے کبھی دوسرا اختیار کیا ہے اس میں تضاد کی بات نہیں بلکہ وسعت و رحمت کی بات ہے۔[1]

استسقاء کے وقت آنحضرت ﷺ کی عاجزی

﴿۹﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْنِيْ فِي الْاِسْتِسْقَاءِ مُتَبَذِّلًا مُتَوَاضِعًا مُتَخَشِّعًا مُتَضَرِّعًا۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْ دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَه)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ استسقاء کے لئے باہر نکلے اور اس وقت آپ کی کیفیت یہ تھی کہ آپ زینت ترک کئے ہوئے اور متواضع تھے (باطن میں) عاجزی و بیچارگی اور ظاہر میں (ذکر اللہ میں زبان کی مشغولیت کے ساتھ) تضرع اختیار کئے ہوئے تھے۔" (نسائی، ابن ماجہ)۔

توضیح: "متبذلا" یعنی پرانے کپڑے پہنے ہوئے تھے زیب و زینت کا لباس نہ تھا بلکہ محنت کے دوران جو لباس ہوتا ہے وہ پہن[3] رکھا تھا "متواضعا" ظاہری اعضا سے عاجزی کرنے کو تواضع کہتے ہیں "متخشعا"[4] یعنی باطنی اعضا سے بھی مکمل عاجزی اختیار کئے ہوئے تھے۔ یعنی بارش کی دعا کے لئے جب آنحضرت ﷺ باہر نکلتے تو آپ کا ظاہر و باطن اور زبان و دل گویا پورا وجود بے چارگی اور عاجزی کا نمونہ بنا ہوا تھا تا کہ اللہ تعالیٰ دعا کو قبول فرمادے۔[5]

آپ جہاں ظاہری طور پر زیب و زینت ترک کر کے سراپا عجز کا نمونہ بنے ہوتے تھے تو باطنی طور پر بھی آپ کا قلب مبارک خوف خدا سے لرزاں رہتا تھا اور زبان مبارک تضرع و عاجزی و زاری میں مشغول ہوتی تھی۔

بارش کی دعا

﴿۱۰﴾ وعن عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اسْتَسْقٰى قَالَ اَللّٰهُمَّ اسْقِ عِبَادَكَ وَبَهِيْمَتَكَ وَانْشُرْ رَحْمَتَكَ وَأَحْيِ بَلَدَكَ الْمَيِّتَ۔

(رَوَاهُ مَالِكٌ وَأَبُوْ دَاوُدَ)[6]

ترجمہ: اور حضرت عمرو ابن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا (یعنی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ صحابی سے) روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا "نبی کریم ﷺ جب بارش مانگتے تو یہ دعا پڑھتے اللّٰھم اسق عبادك و بھیمتك و انشر

[1] المرقات: ۳/۶۱۳ [2] اخرجه الترمذی: ۵۵۹ والنسائی: ۳/۱۵۶ وابن ماجه: ۱۲۶۶ [3] المرقات: ۳/۶۱۳

[4] المرقات: ۳/۶۱۳ [5] المرقات: ۳/۶۱۳ [6] اخرجه مالك: ۱۹۰ ح (۲) وابوداؤد: ۱/۳۰۴ ح ۱۱۷۶

رحمتك و احی بلدك المیت یعنی اے اللہ اپنے بندوں اور اپنے جانوروں کو پانی سے سیراب فرمادے اپنی رحمت پھیلادے، اور اپنی مردہ (یعنی خشک) زمینوں کو زندگی (یعنی شادابی و سرسبزی) عطا فرما۔" (مالک، ابوداؤد)

بارش کی ایک اور عجیب دعا

﴿۱۱﴾ وعن جَابِرٍ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوَاكِئُ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اِسْقِنَا غَيْثًا مُغِيْثًا مَرِيْئًا مُرِيْعًا نَافِعًا غَيْرَ ضَارٍّ عَاجِلًا غَيْرَ آجِلٍ قَالَ فَأُطْبِقَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ۔ (رواہ ابوداؤد)[1]

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم (استسقاء کے لئے) ہاتھ اٹھائے ہوئے تھے اور یہ دعا فرما رہے تھے یعنی اے اللہ! تو ہمیں بارش سے سیراب فرما جو فریاد رسی کرے اور جس کا انجام بہتر ہو اور جوار زانی کرنے والی اور نفع پہنچانے والی ہو اور جلد آنے والی ہو دیر میں آنے والی نہ ہو۔" حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (اس دعا کے بعد) آسمان ابرآلود ہو گیا۔" (ابوداؤد)

توضیح: "یواکئی" واکأیواکئی مواکأۃ باب مفاعلہ سے ہے دعا کے لئے دونوں ہاتھوں کو اس طرح اٹھانا گویا اس پر تکیہ لگایا جارہا ہو۔[2]

"غیثامغیثا" ای مطرا مشبعا منقذا من الشدۃ یعنی اس طرح بھرپور بارش ہو جو خشک سالی کی تمام مصیبتوں کو دور کرنے والی ہو غیث اس بارش کو کہتے ہیں جو سخت گرمی اور خشک سالی کے بعد بڑی فریادوں اور دعاؤں کے نتیجہ میں آئی ہو اصل فریادرس اللہ تعالیٰ ہے غیث کو مجازاً مغیث فرمایا گیا ہے۔

"مریئا" من مراء الطعام و امراء اذا انحدر من امعدۃ سریعا ولم یثقل یعنی مطرا محمود العاقبہ غیر ضار۔

ایسی بارش ہو جس کا انجام اچھا ہو۔[3]

"مریعا" عرب کہتے ہیں امرعت الارض یعنی زمین خوب سرسبز و شاداب ہوگئی اور اس نے خوب سبزہ اگایا مریعا کا مطلب بھی اسی طرح ہے "ای آتیا بالریع والخصب" ایسی بارش جوار زانی اور خوب سبزہ لانے والی ہو۔[4]

"فاطبقت" یعنی آسمان پر بادل جم کر مل گئے گویا آسمان کے چاروں اطراف کو بادل نے اپنے گھیرے میں لے لیا مراد گھرے بادل کا آنا اور بارش ہو جانا ہے۔[5]

---

[1] اخرجه وابوداؤد: ۱/۳۰۲ [2] المرقات: ۳/۶۱۳ - [3] المرقات: ۳/۶۱۳ [4] المرقات: ۳/۶۱۳ [5] المرقات: ۳/۶۱۳

الفصل الثالث

دعا استسقاء کی تفصیل

﴿۱۲﴾ عن عَائِشَةَ قَالَتْ شَكَى النَّاسُ إِلَى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُحُوْطَ الْمَطَرِ فَأَمَرَ بِمِنْبَرٍ فَوُضِعَ لَهُ فِي الْمُصَلَّى وَوَعَدَ النَّاسَ يَوْمًا يَخْرُجُوْنَ فِيْهِ قَالَتْ عَائِشَةُ فَخَرَجَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ بَدَا حَاجِبُ الشَّمْسِ فَقَعَدَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَكَبَّرَ وَحَمِدَ اللهَ ثُمَّ قَالَ إِنَّكُمْ شَكَوْتُمْ جَدْبَ دِيَارِكُمْ وَاسْتِيْخَارَ الْمَطَرِ عَنْ إِبَّانِ زَمَانِهِ عَنْكُمْ وَقَدْ أَمَرَكُمُ اللهُ أَنْ تَدْعُوْهُ وَوَعَدَكُمْ أَنْ يَسْتَجِيْبَ لَكُمْ ثُمَّ قَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ اَللّٰهُمَّ أَنْتَ اللهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ الْغَنِيُّ وَنَحْنُ الْفُقَرَاءُ أَنْزِلْ عَلَيْنَا الْغَيْثَ وَاجْعَلْ مَا أَنْزَلْتَ لَنَا قُوَّةً وَبَلَاغًا إِلَى حِيْنٍ ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ فَلَمْ يَتْرُكِ الرَّفْعَ حَتّٰى بَدَا بَيَاضُ إِبْطَيْهِ ثُمَّ حَوَّلَ إِلَى النَّاسِ ظَهْرَهُ وَقَلَّبَ أَوْ حَوَّلَ رِدَائَهُ وَهُوَ رَافِعٌ يَدَيْهِ ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ وَنَزَلَ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ فَأَنْشَأَ اللهُ سَحَابَةً فَرَعَدَتْ وَبَرَقَتْ ثُمَّ أَمْطَرَتْ بِإِذْنِ اللهِ فَلَمْ يَأْتِ مَسْجِدَهُ حَتّٰى سَالَتِ السُّيُوْلُ فَلَمَّا رَأٰى سُرْعَتَهُمْ إِلَى الْكِنِّ ضَحِكَ حَتّٰى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ فَقَالَ أَشْهَدُ أَنَّ اللهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَأَنِّيْ عَبْدُ اللهِ وَرَسُوْلُهُ۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوٗدَ)[۱]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ لوگوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بارش نہ ہونے کی شکایت کی، آپ نے حکم دیا کہ عیدگاہ میں منبر رکھا جائے چنانچہ جب عیدگاہ میں منبر رکھ دیا گیا تو آپ نے لوگوں سے ایک دن کے بارے میں طے کیا کہ اس دن سب لوگ عیدگاہ چلیں گے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ (متعین دن کو) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سورج کا کنارہ ظاہر ہوتے ہی (عیدگاہ) تشریف لے گئے، اور منبر پر بیٹھ کر تکبیر کہی اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی اور فرمایا کہ "تم نے (اللہ اور اس کے رسول سے) اپنے شہروں کی قحط سالی اور بارش کے اپنے وقت پر نہ برسنے کی شکایت کی تھی، اب اللہ تعالیٰ تمہیں یہ حکم دیتا ہے کہ تم اس سے (بارش کے لئے دعا) مانگو اور اس نے وعدہ کیا ہے کہ تمہاری دعا قبول ہوگی۔ پھر آپ نے فرمایا "تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے مہربان اور بخشش کرنے والا ہے اور جو یوم جزاء کا مالک ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اے اللہ! تو معبود ہے۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو غنی (بے پرواہ) ہے اور ہم فقیر ومحتاج ہیں۔ ہم

[۱] اخرجہ وابوداؤد: ۱۱۷۳ [۲] المرقات: ۳/۶۱۶

پر بارش برسا اور جو چیز کہ تو نازل کرے (یعنی بارش) اسکو ایک مدت دراز تک ہماری قوت اور (اس کے ذریعہ اپنے مقاصد و منافع تک) پہنچنے کا سبب بنا'' اس کے بعد آپ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور اتنے بلند اٹھائے کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگی، پھر اپنی پشت مبارک لوگوں کی طرف پھیر کر اپنی چادر الٹی یا یہ کہ پھیری اور اپنے ہاتھ یوں ہی اٹھائے رہے پھر لوگوں کی طرف منہ کر کے (منبر سے) نیچے تشریف لائے اور دو رکعت نماز پڑھی۔'' جب ہی اللہ تعالیٰ نے بادل ظاہر فرمائے جو گرجنے لگے اور بجلی چمکنے لگی، چنانچہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے بارش شروع ہوگئی یہاں تک کہ آپ اپنی مسجد تک نہ آنے پائے تھے کہ نالے بہنے لگے، جب آپ نے لوگوں کو سایہ (یعنی بارش سے بچنے کے لئے محفوظ مقام) ڈھونڈنے میں جلدی کرتے دیکھا تو ہنس پڑے یہاں تک کہ آپ کی کچلیاں ظاہر ہوگئیں پھر فرمایا ''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور یہ کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔'' (ابوداؤد)

توضیح: ''استیخار المطر'' ای تأخیر المطر تاخیرا بعیدا[1] یعنی بہت عرصہ سے بارش نہیں ہوئی ''عن ابان'' ہمزہ پر زیر ہے اور ''با'' پر شد ہے نون اصلی کلمہ کا حصہ ہے قاموس میں لکھا ہے ''ابأن الشيء حینه'' یعنی ابان حین اور وقت کے معنی میں ہے ابان کی اضافت ''زمانہ'' کی طرف اضافت خاص الی العام ہے یعنی ایک عرصہ سے بارش کا اپنے وقت پر نہ برسنے کی تم نے شکایت کی ایک اور حدیث میں ''ابان'' کا لفظ وقت کے لئے اس طرح استعمال کیا گیا ہے ''هذا ابان نجومه ای وقت ظهوره'' یعنی یہ وقت محمد عربی ﷺ کے ظہور اور بعثت کا وقت ہے۔[1]

''الکن'' کاف پر زیر ہے اور نون پر شد ہے اس کی جمع اکنان ہے قرآن کریم میں اکنان کا لفظ آیا ہے پہاڑوں میں جو قدرتی غار بنے ہوئے ہوتے ہیں اصل میں کن کا اطلاق اسی پر ہوتا ہے پھر یہ ہر اس چیز پر بولا گیا ہے جس کی وجہ سے انسان اپنے آپ کو گرمی اور سردی اور برف و بارش سے بچاتا ہو خواہ وہ قدرتی پناہ گاہ ہو یا انسان کے تعمیر کردہ مقامات و مکانات ہوں۔[2]

مقامات حریری نے موسم سرما کے آنے پر چند ضروریات کا ذکر اشعار میں کیا ہے جس میں کن کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

جاء الشتاء وعندی من حوائجه سبع اذا القطر عن حاجاتنا حبسا
کن وکانون وکیس وکأس طلا بعد الکباب وکُسٌ ناعم وکساء

حضرت امام مالک و امام شافعی اور امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ ایک روایت فرماتے ہیں کہ نماز استسقاء کے بعد دو خطبے پڑھنا سنت ہے البتہ استسقاء کے خطبوں کی ابتداء میں استغفار پڑھنا چاہئے جس طرح عیدین کے خطبوں کی ابتداء میں تکبیرات عیدین کا پڑھنا مناسب ہے یعنی خطبہ کی ابتداء انہی مناسب اشیاء سے کرنا چاہئے۔[3]

---

[1] المرقات: ۳/۶۱۶ [2] المرقات: ۳/۶۱۸ [3] المرقات: ۳/۶۱۶

"ضحك" آپ ﷺ اس لئے ہنسے کہ انسان کتنا کمزور ہے ابھی تو فریاد کر رہا تھا کہ بارش نہیں ہے اور ابھی ابھی جب بارش ہوئی تو جس چیز کو بڑی سفارشوں سے مانگا تھا اب اسی سے بھاگ رہا ہے۔[1]

ایک روایت میں ہے کہ جب خوب بارش شروع ہوگئی تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اگر ابو طالب زندہ ہوتا تو بارش کا یہ منظر دیکھ کر خوش ہوجاتا وجہ یہ ہے کہ ابو طالب نے حضور اکرم ﷺ کی شان میں ایک شاندار قصیدہ پڑھا ہے جس کا ایک شعر یہ ہے:

وابيض يُستقى الغمام بوجهه ثمال اليتامى عصمة للارامل

ترجمہ: وہ ایسے خوبصورت ہیں کہ ان کے مبارک چہرہ کی طفیل بادل سے پانی مانگا جاتا ہے وہ یتیموں کے غمخوار اور بیواؤں کے محافظ ہیں۔

ائمہ احناف کے نزدیک استسقاء میں خطبہ نہیں ہے صرف دعا اور استغفار پر اکتفا کرنا چاہئے۔

وسیلہ سے بارش کے لئے دعا

﴿۱۳﴾ وعن أَنَسٍ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ كَانَ إِذَا قُحِطُوا اِسْتَسْقٰى بِالْعَبَّاسِ ابْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا فَتَسْقِيْنَا وَاِنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا قَالَ فَيُسْقَوْنَ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ (بارش نہ ہونے کی وجہ سے) قحط سالی ہوتی تو امیر المؤمنین حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ حضرت عباس ابن عبد المطلب کے وسیلہ سے بارش کے لئے دعا فرماتے تھے، چنانچہ وہ فرماتے اے اللہ! ہم تیرے نبی کے وسیلہ سے تجھ سے دعا کرتے تھے پس تو ہمیں سیراب کرتا تھا اب ہم تیرے نبی کے چچا کے وسیلہ سے دعا کرتے ہیں پس تو ہمیں سیراب کر۔" حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (اس دعا سے) بارش ہوجاتی تھی۔ (بخاری)

توضیح: "نتوسل" نیک اعمال سے وسیلہ کرنے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے اور حدیث الغار کا واقعہ اس پر واضح دلیل ہے تین آدمیوں میں سے ہر ایک نے اپنے نیک عمل کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی کہ یہ ناگہانی آفت ٹل جائے چنانچہ افت ٹل گئی تو نیک اعمال کو وسیلہ بنانے میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہاں ذوات فاضلہ کو وسیلہ بنانا کیسا ہے اس میں اختلاف ہے مگر میں خود اس مسئلہ کو کما حقہ نہیں سمجھتا اور نہ میں نے سمجھنے کی کوشش کی ہے۔

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اختلاف امت اور صراط مستقیم میں اس مسئلہ کو نہایت صاف انداز سے پیش کیا ہے میں نے اپنے استاد محقق زمان حضرت مولانا فضل محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے مشکوٰۃ کے درس کے دوران اتنا سنا اور لکھا جو اشاروں کی زبان تھی جو میں نے لکھا ہے اسی کو انہیں کے الفاظ میں نقل کرتا ہوں فرمایا وسیلہ کو مظہر رحمت الٰہی

[1] المرقات: ۳/۶۱۸

جان کر ماننا ٹھیک ہے لیکن وسیلہ کو اگر علت بنایا کہ یہ وسیلہ ہی مؤثر بالذات ہے تو یہ شرک ہے۔
جیسے پرنالہ میں پانی آکر نیچے گرتا ہے اگر پرنالہ کو پانی کا مظہر مانو گے تو یہ الگ معنی رکھتا ہے (کہ اسمیں کوئی مضائقہ نہیں) اور اگر پرنالہ ہی کو بارش کے پانی کے لئے علت مانو گے تو یہ الگ معنی رکھتا ہے (یعنی ناجائز گناہ وشرک ہے اسی طرح ذوات فاضلہ کو اگر کوئی شخص مستقل بالذات خیال کرتا ہے اور ان کو کام میں مؤثر بالذات سمجھتا ہے تو یہ شرک والی صورت ہے۔
منقول ہے کہ صحابہ کرام اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے بارش کی دعا اللہ تعالیٰ سے مانگ رہے تھے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ یوں دعا فرماتے، اے میرے پروردگار تیرے پیغمبر کی امت نے میرا وسیلہ اختیار کیا ہے مولائے کریم! تو میرے اس بڑھاپے کو رسوا نہ کرنا اور مجھے ان لوگوں کے سامنے شرمندہ ہونے سے بچانا بس یہ الفاظ ایک طرف حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی زبان سے نکلتے اور دوسری طرف بارش شروع ہو جاتی۔ (لمعات)[1]

استسقاء کے سلسلہ میں ایک نبی اور چیونٹی کا واقعہ

﴿۱۴﴾ وعن أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ خَرَجَ نَبِيٌّ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ بِالنَّاسِ يَسْتَسْقِي فَإِذَا هُوَ بِنَمْلَةٍ رَافِعَةٍ بَعْضَ قَوَائِمِهَا إِلَى السَّمَاءِ فَقَالَ ارْجِعُوا فَقَدِ اسْتُجِيبَ لَكُمْ مِنْ أَجْلِ هٰذِهِ النَّمْلَةِ. (رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "انبیاء میں سے ایک نبی لوگوں کے ہمراہ استسقاء کے لئے نکلے پس اس نبی نے اچانک ایک چیونٹی کو دیکھا جو اپنے کچھ پاؤں آسمان کی طرف اٹھائے ہوئے (کھڑی) تھی (یہ دیکھ کر) نبی نے فرمایا کہ "واپس چلو! اس چیونٹی کی وجہ سے تمہاری دعا قبول کر لی گئی۔" (دارقطنی)

توضیح: "نبی من الانبیاء" کہا جاتا ہے کہ یہ نبی حضرت سلیمان علیہ السلام تھے۔
اس واقعہ سے ایک بات یہ ثابت ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی شان ہے اور ان کی رحمت کائنات کے ذرہ ذرہ پر سایہ فگن ہے خواہ وہ انسان ہو یا حشرات الارض میں سے ایک ذرہ برابر چیونٹی ہو۔ اس حدیث سے دوسری یہ بات معلوم ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کا علم کائنات کے ذرہ ذرہ کو گھیرے میں لئے ہوئے ہے اور وہ کائنات کے تمام موجودات کے احوال وکوائف پر محیط ہے۔[3]
اس حدیث سے تیسری یہ بات معلوم ہوئی کہ مسبب الاسباب اور قاضی الحاجات صرف ایک اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اس واقعہ کے ضمن میں یہ بھی منقول ہے کہ اس چیونٹی کی دعا کے الفاظ یہ تھے۔

اللّٰھم انا خلق من خلقك لا غنیٰ بنا عن رزقك فلا تھلکنا بذنوب بنی آدم۔[4]

اے پروردگار!! تیری مخلوقات میں سے ہم بھی ایک مخلوق ہیں تیرے رزق سے ہم مستغنی اور بے نیاز نہیں ہیں لہٰذا اولاد آدم کی گناہوں کی وجہ سے ہمیں تباہ وبرباد نہ کرنا۔

[1] اشعة اللمعات: ۱/۶۶۹ [2] اخرجه الدارقطنی: ۲/۶۶ [3] المرقات: ۳/۶۲۰ [4] المرقات: ۳/۶۲۰

باب فی الریاح

ہواؤں کا بیان

قال اللہ تعالیٰ ﴿وارسلنا الریاح لواقع﴾ [1]

وقال اللہ تعالیٰ ﴿وان یرسل الریاح مبشرات﴾ [2]

وقال اللہ تعالیٰ ﴿وارسلنا علیھم الریح العقیم﴾ [3]

الفصل الاول

ہوا رحمت بھی ہے اور عذاب بھی ہے

﴿۱﴾ عن ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نُصِرْتُ بِالصَّبَا وَأُھْلِکَتْ عَادٌ بِالدَّبُوْرِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ) [4]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا پُروا ہوا کے ذریعے میری مدد کی گئی اور قوم عاد پچھوا ہوا کے ذریعہ ہلاک کی گئی۔" (بخاری ومسلم)

توضیح: مشکوٰۃ شریف کے اکثر نسخوں میں یہاں صرف لفظ "بابٌ" تنوین کے ساتھ لکھا ہوا ہے صاحب مشکوٰۃ کی عادت ہے کہ کبھی کبھی وہ صرف لفظ باب رکھ کر عنوان قائم کرتے ہیں یہ درحقیقت ماسبق باب کے مُتَتِمّات اور مکملات میں سے ہوتا ہے کوئی مستقل باب نہیں ہوتا یہاں بھی ممکن ہے کہ معاملہ ایسا ہی ہو۔ لیکن مشکوٰۃ کے ایک صحیح نسخہ میں یہاں باب فی الریاح عنوان موجود ہے اور شارحین میں سے تقریباً سب نے باب کے ساتھ ریاح ہی کا عنوان لگایا ہے لہٰذا اس باب میں مستقل طور پر ہواؤں کا بیان ہوگا بہرحال ہوا اللہ تعالیٰ کی تابعدار مخلوق ہے اللہ تعالیٰ کے حکم اور فرمان کے مطابق چلتی ہے اور اسی کے حکم سے رک جاتی ہے اسی کے حکم سے کسی کو راحت پہنچا دیتی ہے اور کسی کو شدید عذاب سے دوچار کر دیتی ہے غزوۂ خندق کے موقع پر جب کفار نے بڑی طاقت لاکر مدینہ منورہ کا اٹھائیس دن تک سخت محاصرہ جاری رکھا تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد کی اور بادصبا کے ذریعہ سے کفار کو ذلیل وخوار کیا پُروا ہوا اتنی شدت سے چلی کہ ۲۷ دن تک بے نیل ومرام تھکے ماندے پڑے کفار کے سردار ابوسفیان اور اس کے لشکر کے تابوت میں آخری کیل

---

[1] وارسلنا الریاح لواقع [2] ان یرسل الریاح مبشرات [3] وارسلنا علیھم ریح العقیم

[4] اخرجه البخاري: ۲/۴۰ ومسلم: ۳/۱۳۲، ۴/۹۱۶۶، ۵/۱۴۰

ٹھونک دی اور وہ سب بھاگ کھڑے ہوئے، حضور اکرم ﷺ نے پوری زندگی میں اللہ تعالیٰ کے اس انعام کا شکر ادا فرمایا اور اکثر مقامات میں اس کا بطور خاص ذکر فرمایا اسی طرح قوم عاد گذشتہ امتوں میں بڑی سرکش اور طاقتور قوم گذری ہے ان لوگوں کے بارہ بارہ گز کے لمبے لمبے قد تھے جب اس قوم نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور سرکشی پر اتر آئے اور اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دعوت دی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر پچھوا ہوا مسلط فرمائی جس نے ان قدآور اجسام کو فضاؤں میں تنکوں کی طرح اڑا کر زمین پر پٹخ دیا جس سے ان کے پیٹ پھٹ گئے اور ان کے سر چکنا چور ہو گئے۔[1]

"قبول" بادصبا کو اور پُروا ہوا کہتے ہیں "دبور" کو پچھوا ہوا کہتے ہیں ان ہواؤں کے تعیین کے بارے میں شیخ عبدالحق رحمہ اللہ لمعات میں لکھتے ہیں کہ جب آپ قبلہ کی طرف منہ کر کے کھڑے ہوں تو جو ہوا آپ کی پیٹھ کی طرف پیچھے سے آتی ہے وہ "الصبا" ہے اور جو ہوا آپ کے منہ کی طرف سامنے سے آتی ہے وہ الدبور ہے۔[2]

بادلوں اور ہواؤں کے وقت آنحضرت ﷺ پریشان ہو جاتے تھے

﴿۲﴾ وعن عَائِشَةَ قَالَتْ مَا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَاحِكًا حَتّٰى أَرٰى مِنْهُ لَهَوَاتِهٖ إِنَّمَا كَانَ يَتَبَسَّمُ فَكَانَ إِذَا رَأٰى غَيْمًا أَوْ رِيْحًا عُرِفَ فِيْ وَجْهِهٖ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[3]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کبھی بھی اس طرح ہنستے ہوئے نہیں دیکھا کہ مجھے آپ کا کوا نظر آیا ہو۔ آپ صرف تبسم فرماتے تھے اور جب ابر یا ہوا دیکھتے تو آپ کے چہرۂ مبارک کا تغیر (صاف) پہچانا جاتا۔" (بخاری ومسلم)

توضیح: "عرف فی وجهه" ہواؤں اور بادلوں کے وقت آپ کی پریشانی اس لئے ہوتی تھی کہ انہیں بادلوں اور ہواؤں سے گذشتہ امتوں پر طرح طرح کے عذاب نازل ہو چکے تھے اس لئے عام انسانوں کے کفر ومعاصی کی وجہ سے آپ ﷺ نزول عذاب کے خوف سے پریشان ہو جاتے تھے جب بارش شروع ہو جاتی تو آپ کی طبیعت میں فرحت آتی جس طرح کہ ساتھ والی حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔[4]

تیز ہوا کے وقت آنحضرت ﷺ کی دعا

﴿۳﴾ وعنها قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا عَصَفَتِ الرِّيْحُ قَالَ اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ خَيْرَهَا وَخَيْرَ مَا فِيْهَا وَخَيْرَ مَا أُرْسِلَتْ بِهٖ وَأَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا فِيْهَا وَشَرِّ مَا أُرْسِلَتْ بِهٖ وَإِذَا تَخَيَّلَتِ السَّمَاءُ تَغَيَّرَ لَوْنُهٗ وَخَرَجَ وَدَخَلَ وَأَقْبَلَ وَأَدْبَرَ فَإِذَا مَطَرَتْ سُرِّيَ عَنْهُ فَعَرَفْتُ ذٰلِكَ

[1] المرقات: ۳/۶۲۱ [2] المرقات: ۳/۶۲۱ [3] اخرجه ومسلم: ۳۵۶/۱، ۳۵۷ [4] المرقات: ۳/۶۲۲

عَائِشَةُ فَسَأَلْتُهُ فَقَالَ لَعَلَّهُ يَا عَائِشَةُ كَمَا قَالَ قَوْمُ عَادٍ فَلَمَّا رَأَوْهُ عَارِضًا مُسْتَقْبِلَ أَوْدِيَتِهِمْ قَالُوا هَذَا عَارِضٌ مُمْطِرُنَا وَفِي رِوَايَةٍ وَيَقُولُ إِذَا رَأَى الْمَطَرَ رَحْمَةً۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب شدت کی ہوا چلتی تو آنحضرت ﷺ یہ دعا فرماتے "اے اللہ! میں مانگتا ہوں تجھ سے بھلائی جو اس (ہوا) کی ذات میں ہے اور بھلائی اس چیز کی جو اس میں ہے (یعنی اس کے منافع) اور بھلائی اس چیز کی جس کے لئے یہ ہوا بھیجی گئی ہے (یعنی اس کی مدد) اور پناہ مانگتا ہوں تیرے ذریعہ اس کی برائی سے اور اس چیز کی برائی سے جو اس میں ہے (یعنی اس کے نقصان) اور اس چیز کی برائی سے جس کے لئے یہ ہوا بھیجی گئی ہے (یعنی یہ عذاب کا باعث نہ ہو)۔" اور جب آسمان ابر آلود ہوتا تو آنحضرت ﷺ (کے چہرۂ مبارک) کا رنگ بدل جاتا چنانچہ (اضطراب وگھبراہٹ کی وجہ سے ایک جگہ نہ رہتے بلکہ) کبھی گھر سے باہر نکلتے اور کبھی باہر سے اندر آتے اس طرح پھر آتے اور پھر جاتے۔ جب بارش شروع ہوجاتی تو آپ کا خوف واضطراب ختم ہوجاتا (ایک مرتبہ) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جب یہ (تغیر واضطراب) محسوس کیا تو آنحضرت ﷺ سے اس کا سبب پوچھا۔ آپ نے فرمایا کہ "عائشہ! کیا خبر یہ ابر ویسا ہی ہو جس کی نسبت قوم عاد نے کہا تھا کہ "یہ ابر ہے جو ہم پر برسے گا۔" چنانچہ اس آیت میں قوم عاد کا حال بیان کیا گیا ہے کہ جب انہوں نے ابر کو اپنے نالوں اور وادیوں پر آتے ہوئے دیکھا تو کہا کہ یہ ابر ہے جو ہم پر برسے گا۔" اور ایک روایت میں (بجائے فاذا مطرت سری عنہ) یہ الفاظ ہیں کہ "جب آپ بارش کو دیکھتے تو یہ فرماتے کہ "یہ بارش باعث رحمت ہو۔" (بخاری ومسلم)

توضیح:

"عصفت الریح" عصف یعصف عصفًا وعصوفًا فھی عاصفۃ۔

شدت کے ساتھ ہوا چلنے کو کہتے ہیں۔

"تخیلت السماء" خیلت وتخیلت بارش کے لئے تیار ہونے کو کہتے ہیں جس سے لوگوں کو خیال آجائے کہ ابھی ابھی بارش ہونے والی ہے۔[2]

"ھذا عارض ممطرنا" حضرت ہود علیہ السلام جس قوم کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے تھے اس قوم کا نام "عاد" تھا اس قوم کی سرکشی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان پر آسمان سے بارش بند فرمائی اور یہ قوم خشک سالی اور قحط میں مبتلاء ہوگئی حضرت ہود علیہ السلام نے ان کو عذاب نازل ہونے کی تخویف بھی سنادی لیکن انہوں نے ان کی بات پر کان نہیں دھرا ایک دفعہ اس قوم کا ایک معزز وفد مکہ مکرمہ کی طرف اس غرض سے گیا کہ وہاں اللہ تعالیٰ سے بیت اللہ کے پاس بارش کی دعا مانگ لیں گے جب یہ وفد مکہ مکرمہ پہنچ گیا تو وہاں کے بعض عقلاء وعرفاء نے ان سے کہہ دیا کہ تم واپس چلے جاؤ اور اپنے نبی سے بارش کی دعا کراؤ

[1] اخرجه ومسلم: ۳/۲۶ [2] المرقات: ۳/۶۲۳ الکاشف: ۳/۲۹۰

ان لوگوں نے کہا ان سے ہماری دشمنی ہے ہم ان کو مانتے نہیں تو دعا کیسے کرائیں اس کے بعد آسمان پر تین قسم کے بادل نمودار ہو گئے یعنی سفید سیاہ اور سرخ پھر ان سے کہا گیا کہ ان میں سے کوئی ایک بادل اختیار کرلو ان لوگوں نے سوچا کہ کالے بادلوں میں پانی کم ہوتا ہے اور سرخ میں عموماً عذاب ہوتا ہے لہٰذا سفید بادل کا انتخاب کیا آگے آگے یہ لوگ جارہے ہیں اور پیچھے بادل آرہے ہیں یہ لوگ وقت کے پیغمبر کی مزید توہین وتحقیر پر اتر آئے کہ دیکھو ان کے بغیر ہمارے ساتھ بادل کیسے آرہے ہیں۔

جب اپنے شہروں کے پاس پہنچ گئے تو انہی بادلوں سے عذاب نازل ہو گیا اور سب کو نیست ونابود کر کے رکھ دیا اسی واقعہ کی طرف قرآن عظیم میں بار بار اشارہ کیا گیا ہے جس کو حضور اکرم ﷺ نے پڑھ کر سنا دیا۔

ھذا عارض ممطرنا بل ھو ما استعجلتم بہ ریح فیھا عذاب الیم تدمر کل شیء بامر ربھا۔

خلاصہ یہ کہ ہم کو چاہئے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بے خوف وبے غور نہ ہوں۔

غیب کے پانچ خزانے

﴿۴﴾ وعن ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَفَاتِيْحُ الْغَيْبِ خَمْسٌ ثُمَّ قَرَأَ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ الْاٰيَةَ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''غیب کے خزانے پانچ ہیں۔'' پھر آپ نے یہ آیت پڑھی (جس کا ترجمہ یہ ہے) اللہ ہی کو قیامت کا علم ہے اور وہی بارش برساتا ہے۔ الخ (بخاری)

اصل قحط کیا ہے

﴿۵﴾ وعن أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَتِ السَّنَةُ بِأَنْ لَا تُمْطَرُوْا وَلٰكِنِ السَّنَةُ أَنْ تُمْطَرُوْا وَلَا تُنْبِتُ الْأَرْضُ شَيْئًا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''سخت قحط اس کا نام نہیں ہے کہ تم پر بارش نہ ہو بلکہ سخت قحط یہ ہے کہ تم پر بارش پہ بارش ہو مگر زمین کچھ نہ اگائے۔'' (مسلم)

[1] اخرجہ البخاری: ۲/۴۱ [2] اخرجہ مسلم

الفصل الثانی

ہوا کو گالی مت دیا کرو

﴿۶﴾ وعن أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الرِّيْحُ مِنْ رَوْحِ اللهِ تَأْتِيْ بِالرَّحْمَةِ وَبِالْعَذَابِ فَلَا تَسُبُّوْهَا وَاسْأَلُوا اللهَ مِنْ خَيْرِهَا وَعُوْذُوْا بِهِ مِنْ شَرِّهَا۔

(رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ وَأَبُوْ دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَه وَالْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعَوَاتِ الْكَبِيْرِ)[1]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "ہوا خدا کی رحمت ہے) وہ رحمت بھی لاتی ہے اور عذاب بھی۔ پس تم اسے برا نہ کہو اور تم خدا سے اس کی بھلائی طلب کرو اور اللہ سے اس کے نقصان سے پناہ مانگو۔" (شافعی، ابوداؤد، ابن ماجہ، بیہقی)

﴿۷﴾ وعن ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَجُلًا لَعَنَ الرِّيْحَ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَا تَلْعَنُوا الرِّيْحَ فَإِنَّهَا مَأْمُوْرَةٌ وَإِنَّهُ مَنْ لَعَنَ شَيْئًا لَيْسَ لَهُ بِأَهْلٍ رَجَعَتِ اللَّعْنَةُ عَلَيْهِ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) نبی کریم ﷺ کے سامنے ایک شخص ہوا پر لعنت کر رہا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ "ہوا پر لعنت نہ کرو کیونکہ وہ تو (رحمت یا عذاب کے لئے) خدا کی جانب سے مامور ہے اور جو شخص کسی ایسی چیز پر لعنت کرتا ہے جو لعنت کا مستحق نہیں ہوتی تو وہ لعنت اسی لعنت کرنے والے پر لوٹ آتی ہے۔" یہ روایت امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

﴿۸﴾ وعن أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَسُبُّوا الرِّيْحَ فَإِذَا رَأَيْتُمْ مَا تَكْرَهُوْنَ فَقُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ إِنَّا نَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِ هٰذِهِ الرِّيْحِ وَخَيْرِ مَا فِيْهَا وَخَيْرِ مَا أُمِرَتْ بِهِ وَنَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ هٰذِهِ الرِّيْحِ وَشَرِّ مَا فِيْهَا وَشَرِّ مَا أُمِرَتْ بِهِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "ہوا کو برا نہ کہو، ہاں جب تم یہ دیکھو کہ (اس کے جھلسا دینے والے جھونکوں یا اس کی ٹھنڈی لہروں کی وجہ سے) تمہیں وہ ناگوار محسوس ہو رہی ہے (یا اس کی تیزی و تندی کی وجہ سے تمہیں تکلیف یا نقصان ہو رہا ہے) تو یہ دعا کرو کہ "اے اللہ! ہم تجھ سے اس ہوا کی بھلائی اور جو کچھ اس کے اندر ہے اس کی بھلائی اور جس چیز کے لئے یہ مامور کی گئی ہے اس کی بھلائی مانگتے ہیں اور ہم تجھ سے اس ہوا کی برائی سے اور جو کچھ اس کے اندر ہے

[1] اخرجه وابوداؤد: ۵۰۹۷ وابن ماجه: ۳۷۲۸ [2] اخرجه الترمذی: ۱۹۷۸ [3] اخرجه الترمذی: ۲۲۵۲

اس کی برائی سے اور جس چیز کے لئے یہ مامور کی گئی ہے اس کی برائی سے پناہ چاہتے ہیں۔'' (ترمذی)

تیز ہوا کے وقت مسنون دعا

﴿۹﴾ وعن ابنِ عبّاسٍ قالَ ما هبّتْ رِيحٌ قَطُّ إلاّ جَثَا النّبيُّ صلَّى اللهُ عليهِ وسلَّمَ علی رُكْبتَيهِ وقالَ اللّٰهمَّ اجْعلْها رحْمةً ولا تجْعلْها عذابًا اللّٰهمَّ اجْعلْها رِياحًا ولا تجْعلْها رِيحًا قالَ ابنُ عبّاسٍ فِي كِتابِ اللهِ تعالٰی إنّا أرْسلْنا علَيهِمْ رِيحًا صرْصرًا، وأرْسلْنا علَيهِمُ الرِّيحَ العقِيمَ وأرْسلْنا الرِّياحَ لواقِحَ وأرْسلْنا الرِّياحَ مُبشِّراتٍ۔ (رواهُ الشّافعيُّ والبيهقيُّ في الدّعواتِ الكبيرِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب بھی (تیز) ہوا چلتی تو نبی کریم ﷺ (اللہ کے سامنے عجز و انکساری کے اظہار) امت کی طرف سے خوف اور تعلیم کے پیش نظر کہ دوسرے لوگ بھی ایسا ہی کریں) دوزانوں ہو کر بیٹھ جاتے تھے اور یہ دعا فرماتے۔''اے اللہ! اس ہوا کو رحمت بنا، عذاب نہ بنا، اے اللہ! اس ہوا کو ریاح (یعنی رحمت) بنا ریح (یعنی عذاب) نہ بنا۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کی یہ آیات کریمہ ہیں (جن کا ترجمہ یہ ہے) کہ ''اور بھیجی ہم نے ان پر تیز وتند ہوا۔'' اور بھیجی ہم نے ان پر بانجھ ہوا (یعنی ایسی ہوا جو درختوں کو بار آور نہیں ہونے دیتی تھی)'' اور بھیجی ہم نے میوہ لانے والی ہوائیں۔'' اور یہ کہ بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ (بارش کی) خوشخبری لانے والی ہوائیں۔'' (شافعی اور بیہقی دعوات کبیر میں)

توضیح: ''ریحا'' ریح ہوا کو کہتے ہیں اس کی جمع ریاح ہے جو کئی ہواؤں کے مجموعہ کے لئے استعمال ہوتا ہے اب یہاں یہ بحث وتحقیق ہے کہ ریح اور ریاح کے مواقع استعمال میں کوئی فرق ہے یا کوئی فرق نہیں؟ زیر بحث حدیث میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی تحقیق یہ ہے کہ ان دونوں الفاظ میں یہ فرق ہے کہ جہاں قرآن کریم میں ریاح کا لفظ جمع کے صیغہ کے ساتھ آیا ہے وہ رحمت اور بشارت کے لئے استعمال کیا گیا ہے اور جہاں ریح کا لفظ مفرد آیا ہے وہ عذاب کے لئے استعمال کیا گیا ہے چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے زیر بحث روایت میں بطور استشہاد قرآن کریم کی آیتوں کو پیش فرمایا ہے اور اس سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ ریح عذاب کے لئے اور ریاح رحمت وبشارت کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس تحقیق سے اختلاف کیا ہے اور یہ اشکال پیش کیا ہے کہ قرآن کریم میں ''ریح'' مفرد کے صیغہ کے ساتھ رحمت وبشارت کے لئے استعمال ہوا ہے جیسے ﴿وجرين بهم بريح طيبة﴾۔[2]

اسی طرح بعض احادیث میں **الريح من روح الله** کے الفاظ آئے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ریح کا لفظ رحمت وبھلائی کے لئے استعمال ہوتا ہے اس اختلاف کی تطبیق میں علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ زیر بحث حدیث میں یہ تاویل

---

[1] اخرجه الشافعي رحمۃ اللہ علیہ: ۱/۲۸۹ [2] وجرين بهم لريح طيبه

ممکن ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے جو ریح کی نفی اور ریاح کی دعا مانگی ہے اس کا مطلب یہ کہ ایک ریح میں کم بھلائی آتی ہے اور ریاح جب جمع ہو جائیں تو اس مجموعہ میں زیادہ بھلائی آتی ہے اس لئے حضور اکرم ﷺ نے ریح کی نفی فرمائی۔ یہ جواب سینہ زوری سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا اور اس میں بہت بعید تاویل کی گئی ہے لہٰذا یہ تطبیق مفید نہیں ہے علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی رائے کو راجح قرار دیا ہے اور امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے اشکال کا یہ جواب دیا ہے کہ قرآن عظیم کی عمومی اصطلاح اپنی جگہ پر صحیح ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے قرآن عظیم کی اصطلاح کو واضح کیا ہے اور قرآن عظیم کی اصطلاح یہ ہے کہ جب لفظ "ریح" مطلق ذکر ہو جائے اور اس کے ساتھ کوئی قید نہ ہو تو یہ عذاب کے لئے استعمال ہوتا ہے اور "ریاح" عام طور پر رحمت و بھلائی اور بشارت کے لئے استعمال ہوتا ہے۔[1]

"بریح طيبة" میں ریح مطلق مذکور نہیں بلکہ طیبہ سے مقید ہے اور احادیث میں بھی مطلق ریح رحمت کے لئے استعمال نہیں کیا گیا بلکہ "الريح من روح الله" مقید جملہ ہے یا یہ کہا جائے کہ حضرت ابن عباس نے قرآن کی اصطلاح بیان فرمائی ہے حدیث کی نہیں بہر حال حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی رائے بہتر ہے۔ واللہ اعلم[2]

ابر کے وقت کی دعا

﴿۱۰﴾ وعن عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَبْصَرَ نَاشِئًا مِنَ السَّمَاءِ تَعْنِي السَّحَابَ تَرَكَ عَمَلَهُ وَاسْتَقْبَلَهُ وَقَالَ اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا فِيهِ فَإِنْ كَشَفَهُ اللهُ حَمِدَ اللهَ وَإِنْ مَطَرَتْ قَالَ اللّٰهُمَّ سُقْيًا نَافِعًا۔ (رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَه وَالشَّافِعِيُّ وَاللَّفْظُ لَهُ)[3]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ جب آسمان سے گھٹا اٹھتی دیکھتے تو (مباح) کام کاج چھوڑ کر ادھر متوجہ ہو جاتے اور یہ دعا فرماتے "اے اللہ! جو کچھ اس میں برائی ہو میں اس سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔" اگر اللہ تعالیٰ (بغیر برسائے) آسمان کو صاف کر دیتا تو آپ اللہ کی حمد بیان فرماتے اور اگر بارش شروع ہو جاتی تو یہ دعا فرماتے کہ "اے اللہ! نفع دینے والا پانی برسا۔" (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، شافعی۔ الفاظ شافعی کے ہیں)

ملاحظہ: اس حدیث میں "ناشئا" کا لفظ آیا ہے یہ نشاء ینشاء سے پیدا ہونے کے معنی میں ہے کاتبوں نے اس کے لکھنے میں بہت گڑبڑ کی ہے اصل میں ابصر الگ صیغہ ہے اور ناشئا الگ اسم فاعل ہے جسکی تفسیر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے السحاب سے فرمائی ہے۔[4]

گرج کے وقت کی دعا

﴿۱۱﴾ وعن ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا سَمِعَ صَوْتَ الرَّعْدِ وَالصَّوَاعِقِ قَالَ

[1] المرقات: ۳/۶۲۷، ۶۲۸ [2] المرقات: ۳/۶۲۸ [3] اخرجه وابوداؤد: ۵۰۹۹ والنسائی: ۳/۱۶۴ وابن ماجه: ۳۸۸۹ [4] المرقات: ۳/۶۳۸

اَللّٰهُمَّ لَا تَقْتُلْنَا بِغَضَبِكَ وَلَا تُهْلِكْنَا بِعَذَابِكَ وَعَافِنَا قَبْلَ ذٰلِكَ۔

(رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب گرج کی آواز سنتے یا آپ کو بجلی کا گرنا معلوم ہوتا تو یہ دعا فرماتے۔ ''اے اللہ! ہمیں اپنے غضب سے نہ مار اور اپنے عذاب سے ہلاک نہ کر اور ہمیں عافیت میں رکھ (یعنی ہمیں عافیت کی موت دے) پہلے اس کے (کہ تیرا عذاب نازل ہو)'' (روایت کیا ہے احمد، ترمذی، اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے)۔

الفصل الثالث

رعد فرشتہ کی تسبیح

﴿۱۲﴾ عن عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ أَنَّهُ كَانَ إِذَا سَمِعَ الرَّعْدَ تَرَكَ الْحَدِيْثَ وَقَالَ سُبْحَانَ الَّذِيْ يُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلَائِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ۔ (رَوَاهُ مَالِكٌ)[2]

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے بارہ میں منقول ہے کہ وہ جب گرج کی آواز سنتے تو بات چیت چھوڑ دیتے تھے اور یہ پڑھنے لگتے۔ ''پاک ہے وہ ذات جس کی ''رعد'' فرشتہ تسبیح کرتا ہے اس کی تعریف کے ساتھ، اور فرشتے اس کے خوف سے۔'' (مالک)

توضیح: ''الرعد'' قرآن کریم کی تفسیر کرنے میں مفسرین کے دو طبقے ہیں طبقہ اولیٰ اَثَرِی ہے یعنی جو حدیث واثر سے قرآن کریم کی تفسیر کرتے ہیں اور وہ خالص نقل کے تابع چلتے ہیں جیسے ابن جریر ابن کثیر اور قرطبی وغیرہ مفسرین ہیں۔
دوسرا طبقہ فلسفی ہے یہ وہ مفسرین ہیں جو نقل کیساتھ فلسفیانہ عقل کو بھی دخل دیتے ہیں جیسے فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ ہیں۔
اب قرآن میں ﴿ویسبح الرعد﴾[3] میں رعد کا لفظ آیا ہے اس لفظ کے بارے میں **اَثَرِی مفسرین** فرماتے ہیں کہ جس طرح احادیث وآثار میں آیا ہے کہ یہ ایک فرشتے کا نام ہے جو بادلوں کے ہنکانے چلانے پر مقرر ہے اس کے ہاتھ میں ایک چمکدار کوڑا ہے اس کو ہلا کر بادلوں میں چمک اور بجلی کوندی جاتی ہے اور خود یہ فرشتہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھتا ہے جس سے گرج کی آواز پیدا ہوتی ہے زیر بحث حدیث انہیں مفسرین کی دلیل وتائید ہے۔
فلسفی مفسرین فرماتے ہیں کہ بادلوں کی آپس کی ایک کیفیت ہے جب گرم ونرم مزاج کے بادل آپس میں ٹکرا جاتے ہیں

[1] اخرجه احمد: ۲/۱۰۰ والترمذی: ۳۴۵۰

[2] اخرجه مالك رحمہ اللہ تعالیٰ فی الموطا فی کتاب الکلام: ۹۹۲ ح (۲۶) [3] ویسبح الرعد

تو اسی سے بجلی کے کرنٹ کی طرح چمک بھی پیدا ہو جاتی ہے اور اسی سے یہ شدید آواز نکل آتی ہے۔

بہر حال صحابہ کرام میں سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت منقول ہے کہ حالت سفر میں ایک دفعہ ہمیں گرج چمک اور سردی نے گھیر لیا تو حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو شخص گرج کی آواز سن کر تین مرتبہ یہ دعا پڑھے وہ آفات اور خطرات سے محفوظ و مامون رہتا ہے۔ چنانچہ ہم نے پڑھنا شروع کیا تو خوف جاتا رہا وہ کلمات یہ ہیں۔

سبحان الله من يسبح الرعد بحمده والملائكة من خيفته۔ (موطامالك)

اس سے معلوم ہوا کہ رعد فرشتے کا نام ہے اور گرج اس کی آواز ہے اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بادل کی چمک اور گرج اور بجلی کی کڑک وتڑپ اگر خوف واضطراب کی لہر کسی کے دل میں پیدا کر دے تو ان مبارک کلمات اور ان بابرکت معمولات سے بہت ہی فائدہ ہوگا۔

حرف آخر:

محترم قارئین! کتاب الصلوٰۃ کی تکمیل فرشتوں کی تسبیحات پر مشتمل اس مبارک روایت پر ہوتی ہے، میں اپنے پروردگار کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے محض اپنے فضل وکرم اور اپنی خاص نصرت ومدد سے کتاب الصلوٰۃ اور اس سے متعلقہ ابواب پر مشتمل توضیحات کے اس حصہ کی تکمیل کی بندۂ عاجز کو توفیق عطا فرمادی۔

اللّٰهم لك الحمد كما ينبغي لجلال وجهك وعظيم سلطانك

اللّٰهم صل على حبيبك ونبيك محمد صلى الله عليه وسلم

وعلى آله واصحابه اجمعين۔ آمين يارب العلمين

شوال المکرم ۱۴۲۴ھ

مورخہ ۲۸ جمادی الاول ۱۴۱۰ھ

کتاب الجنائز

جنازے کا بیان

قَالَ اللهُ تَعَالٰی﴿ کلا اذا بلغت التراقی وقیل من راق وظن انه الفراق والتفت الساق بالساق الی ربك یومئذن المساق﴾[1]

قال الله تعالیٰ﴿ولا تصل علی احد منهم مات ابدا ولا تقم علی قبره﴾[2]

نوٹ: یہ حصہ کتاب الزکوۃ تک جمعرات ۴ رمضان ۱۴۲۴ھ میں حرمین شریفین میں لکھا گیا "الحمدللہ"

جنائز جنازۃ کی جمع ہے اور جنازہ میں جیم پر کسرہ بھی ہے اور فتحہ بھی ہے مگر کسرہ کے ساتھ پڑھنا فصیح لغت ہے جائز دونوں ہیں۔ بعض اہل لغت نے لکھا ہے کہ جیم کے فتحہ کے ساتھ میت کی چارپائی پر بولا جاتا ہے۔ اور جیم کے کسرہ کے ساتھ میت کی لاش کو کہا جاتا ہے یہ بات یاد رہے کہ جنائز جمع کے لفظ میں جیم پر صرف فتحہ جائز ہے کسرہ نہیں ہے۔

جنازہ واجب علی الکفایہ ہے البتہ جب حاضر ہوجاتا ہے تو پھر حاضرین پر فرض عین ہوجاتا ہے۔[3]

باب عیادة المریض وثواب المرض

مریض کی عیادت کا بیان

قال الله تعالیٰ﴿الم تر الی الذین خرجوا من دیارهم وهم الوف حذر الموت﴾[4]

وقال الله تعالیٰ﴿قل لن ینفعکم الفرار ان فررتم من الموت او القتل﴾[5]

یہ باب احادیث کے اعتبار سے بہت طویل ہے ۴۷ حدیثوں پر مشتمل اس باب میں عیادت کی فضیلت اور امراض وآلام کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔

الفصل الاول

﴿۱﴾ عَنْ أَبِي مُوسٰى قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَطْعِمُوا الْجَائِعَ وَعُوْدُوا الْمَرِيْضَ وَفُكُّوا الْعَانِيَ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[6]

---

[1] قیامہ الایہ: ۲۷ [2] توبہ: ۸۴ [3] المرقات: ۴/۵ [4] بقرہ الایہ: ۲۴۳

[5] احزاب الایہ: ۱۶ [6] اخرجه البخاری: ۸۳/۴، ۳۱/۷، ۸۷، ۹/۸۸

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا "بھوکے (یعنی مضطر ومسکین اور فقیر) کو کھانا کھلاؤ، بیمار کی عیادت کرو، اور قیدی کو (دشمن کی قید سے) چھڑاؤ"۔ (بخاری)

توضیح: "الجائع" اس حدیث میں تین پریشان حال لوگوں کی مدد کو مسلمانوں پر لازم قرار دیا جا رہا ہے۔ اس میں اول شخص فقیر اور مجبور مسلمان ہے اس کو کھانا کھلانا سب مسلمانوں پر فرض کفایہ کے درجہ میں ہے بشرطیکہ وہ شخص حالت اضطرار اور مخمصہ میں ہو ورنہ سنت ہے اور اگر محلہ میں ایک آدمی مالدار ہو باقی مفلس ہوں اور بھوکا شخص ایسا مجبور ہو کہ اس کی موت کا خطرہ ہو تو اس مالدار شخص پر کھانا کھلانا فرض عین ہو جاتا ہے۔ یہ ان مقامات کی بات ہے جہاں پر ہوٹل کا انتظام نہ ہو یا ہوٹل تو ہو لیکن اس بھوکے کے پاس پیسہ نہ ہو۔[1]

"**عودوا**" یہ عیادت سے ہے مریض کی عیادت سنت اور ثواب کا کام ہے لیکن یہ اس صورت میں ہے جب کہ بیمار کا کوئی تیماردار موجود نہ ہو اور خدمت کے لئے کوئی موجود نہ ہو اور بیماری سخت ہو۔ اس وقت عام مسلمانوں پر تیمارداری واجب علی الکفایہ ہے۔[2]

"**وفکوا العانی**" فک یفک نصر سے امر کا صیغہ ہے قیدی چھڑانے کے معنی میں ہے۔ عانی معانات سے ہے یہ اس قیدی کو کہتے ہیں جو قید کی وجہ سے ذلیل وخوار ہو جائے۔[3]

ابن ملک فرماتے ہیں کہ اس سے مراد کفار کی قید میں گرفتار مسلمان ہیں اس حدیث میں جو اوامر ہیں یہ لازم علی الکفایہ کے درجے میں ہیں مطلب یہ کہ بعض مسلمانوں نے یہ کام کیا تو باقی سے ذمہ ساقط ہو جائے گا ورنہ سب گناہ گار ہوں گے۔

(کذا فی تعلیق الصبیح)

ایک حدیث میں ہے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا جس نے کسی قیدی کو کفار کے ہاتھوں سے چھڑایا تو میں خود وہی قیدی ہوں یعنی اس نے اتنا بڑا ثواب کمایا گویا مجھے قید سے چھڑایا۔

ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر حقوق

﴿۲﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ خَمْسٌ رَدُّ السَّلَامِ وَعِيَادَةُ الْمَرِيْضِ وَاتِّبَاعُ الْجَنَائِزِ وَإِجَابَةُ الدَّعْوَةِ وَتَشْمِيْتُ الْعَاطِسِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[4]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "(ایک) مسلمان کے (دوسرے) مسلمان پر پانچ حق ہیں۔ ① سلام کا جواب دینا ② بیمار کی عیادت کرنا ③ جنازہ کے ساتھ جانا ④ دعوت قبول کرنا ⑤ چھینکنے والے کا جواب دینا"۔ (بخاری ومسلم)

---

[1] المرقات: ۴/۵ الکاشف: ۳/۲۹۷ [2] المرقات: ۴/۵

[3] المرقات: ۴/۵ الکاشف: ۳/۲۹۷ [4] اخرجه البخاری: ۲/۹۰ مسلم ۷/۳

توضیح: "حق المسلم" اسلام محبت وآشتی کا مذہب ہے اس میں اتحاد واتفاق اور محبت وارتباط کے تمام اصولوں کو متعین کیا گیا ہے یہ صرف ایک ذمہ داری نہیں بلکہ اس پر بڑا ثواب بھی ملتا ہے ان جیسے امور کا مسلمانوں کے درمیان عام کرنے کی دعوت اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام ایک کامل اور مکمل بلکہ اکمل مذہب ہے جس میں تمام انسانی طبقات کے تمام احوال اور حقوق کا حل موجود ہے۔[1]

یہاں اس حدیث میں پانچ حقوق کا ذکر کیا گیا ہے جو باہم مسلمانوں پر لازم کئے گئے ہیں آئندہ روایات میں کچھ دیگر حقوق کا ذکر بھی ہے۔ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان کو سلام کرنا سنت اور ثواب کا کام ہے لیکن اس سلام کا جواب دینا واجب ہے آئندہ باب السلام میں ان شاء اللہ تفصیل آنے والی ہے یہاں پر یہ حقوق جنازہ کے ضمن میں بالتبع مذکور ہیں۔

سلام کرنے میں یہ خیال رکھنا چاہئے کہ سامنے شخص فاسق مجاہر نہ ہو رافضی وبدعتی نہ ہو اگر ایسا ہے تو پھر سلام میں پہل نہیں کرنا چاہئے نیز ایسے حالات میں بھی سلام نہیں کرنا چاہئے جس میں جواب دینا مشکل ہو رہا ہو۔[2]

"عیادة المریض" اس سے بھی ایسا مریض مراد ہے جو مسلمان ہو رافضی آغاخانی یا بدعتی وقادیانی وغیرہ نہ ہو ورنہ ایسوں کا جنازہ اور عیادت لازم نہیں ہے۔[3]

"اجابة الدعوة" کھانے کی دعوت قبول کرنا واجب ہے لیکن یہ شرط ہے کہ دعوت اختیاری طور پر ہو اور دعوت میں غیر شرعی امور نہ ہوں اور جس کو دعوت دی جارہی ہو وہ خود شرعی طور پر معذور ومجبور نہ ہو۔ اصل وجہ یہ ہے کہ ان چیزوں کے قائم کرنے سے مسلمانوں میں محبت بڑھتی ہے اور ان چیزوں کے ٹھکرانے سے نفرت پیدا ہوتی ہے اس لئے اسلام نے صحیح رہنمائی فرمائی ہے۔ اور عیادت وسلام کرنے اور دعوت قبول کرنے کی ترغیب دی ہے۔[4]

"وتشمیت" عاطس چھینک مارنے والے کو کہتے ہیں اور اس پر یرحمك الله کے ساتھ جواب دینے کو تشمیت کہتے ہیں یہ جواب دینا بھی واجب ہے لیکن شرط یہ ہے کہ چھینکنے والے شخص نے چھینک پر الحمد لله پڑھا ہو ورنہ کوئی لازم نہیں ہے یہ بات بھی یاد رکھیں کہ چھینک کا جواب ایک دفعہ واجب ہے دوبارہ سہ بارہ لازم نہیں ہے۔[5]

مسلمان کے مسلمان پر چھ حقوق

﴿۳﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ سِتٌّ قِيْلَ مَاهُنَّ يَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ إِذَا لَقِيْتَهُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ وَإِذَا دَعَاكَ فَأَجِبْهُ وَإِذَا اسْتَنْصَحَكَ فَانْصَحْ لَهُ وَإِذَا عَطَسَ فَحَمِدَ اللهَ فَشَمِّتْهُ وَإِذَا مَرِضَ فَعُدْهُ وَإِذَا مَاتَ فَاتَّبِعْهُ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[6]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "(ایک) مسلمان کے (دوسرے) مسلمان

[1] الکاشف: ۳/۲۹۸ [2] المرقات: ۴/۶ [3] المرقات: ۴/۶ [4] المرقات: ۴/۶ الکاشف: ۳/۲۹۸
[5] المرقات: ۴/۶ الکاشف: ۳/۲۹۸ [6] اخرجه مسلم

پر چھ حق ہیں''۔عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ: وہ کیا ہیں؟ فرمایا ① جب تم کسی مسلمان سے ملاقات کرو تو اسے سلام کرو ② جب تمہیں کوئی (اپنی مدد کے لئے یا ضیافت کی خاطر) بلائے تو اسے قبول کرو ③ جب تم سے کوئی خیر خواہی چاہے تو اس کے حق میں خیر خواہی کرو ④ جب کوئی چھینکے اور الحمد للہ کہے تو (یرحمک اللہ کہہ کر) اس کا جواب دو ⑤ جب کوئی بیمار ہو تو اس کی عیادت کرو ⑥ جب کوئی مرجائے تو (نماز جنازہ اور دفن کرنے کے لئے) اس کے ساتھ جاؤ''۔ (مسلم)

توضیح: "واذا استضحك" استنصاح باب استفعال سے نصیحت طلب کرنے کے معنی میں ہے امام راغب عظیلہ فرماتے ہیں کہ ''نصح'' قول وفعل سے کسی کی بھلائی اور خیر خواہی کرنے کا نام ہے۔اس لفظ میں تمام اچھے مشورے اور تمام بھلائیوں کی رہنمائی شامل ہے۔[1]

سوال: زیر بحث حدیث میں چھ حقوق کا ذکر ہے جبکہ اس سے پہلے حدیث میں پانچ کا ذکر تھا یہ تعارض ہے اس کا کیا جواب ہے۔

پہلا جواب: یہ تعارض نہیں ہے کیونکہ ایک عدد دوسرے عدد کے منافی نہیں ہوتا۔

دوسرا جواب: یہ کہ ان احادیث میں حصر بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ مختلف مواقع میں مختلف بھلائیوں اور حقوق کا ذکر ہے۔

تیسرا جواب: یہ کہ آنحضرت ﷺ کو جس طرح وحی کے ذریعہ سے حقوق کا بتایا گیا آنحضرت ﷺ نے امت کو بتادیا تو پہلے اللہ تعالیٰ کے ہاں سے حقوق کی تعداد کم بتائی گئی بعد میں اضافہ ہوا۔[2]

سات چیزوں کا حکم کرنا اور سات سے منع کرنا

﴿٤﴾ وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ أَمَرَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِسَبْعٍ وَنَهَانَا عَنْ سَبْعٍ أَمَرَنَا بِعِيَادَةِ الْمَرِيْضِ وَاتِّبَاعِ الْجَنَائِزِ وَتَشْمِيْتِ الْعَاطِسِ وَرَدِّ السَّلَامِ وَإِجَابَةِ الدَّاعِيْ وَإِبْرَارِ الْمُقْسِمِ وَنَصْرِ الْمَظْلُوْمِ وَنَهَانَا عَنْ خَاتَمِ الذَّهَبِ وَعَنِ الْحَرِيْرِ وَالْإِسْتَبْرَقِ وَالدِّيْبَاجِ وَالْمِيْثَرَةِ الْحَمْرَاءِ وَالْقَسِّيِّ وَآنِيَةِ الْفِضَّةِ، وَفِيْ رِوَايَةٍ وَعَنِ الشُّرْبِ فِي الْفِضَّةِ فَإِنَّهُ مَنْ شَرِبَ فِيْهَا فِي الدُّنْيَا لَمْ يَشْرَبْ فِيْهَا فِي الْآخِرَةِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[3]

ترجمہ: اور حضرت براء ابن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ہمیں سات چیزوں کا حکم دیا ہے اور سات چیزوں سے منع فرمایا ہے جن چیزوں کا حکم دیا ہے وہ یہ ہیں ① بیمار کی عیادت کرنا ② جنازہ کے ہمراہ جانا ③ چھینکنے والے کو جواب دینا ④ سلام کا جواب دینا ⑤ بلانے والے کی دعوت قبول کرنا ⑥ قسم کھانے والے کی قسم پورا کرنا ⑦ اور مظلوم کی مدد کرنا''۔ اور جن

[1] المرقات: ۴/۶ [2] المرقات: ۴/۷ [3] اخرجه البخاري: ۲/۹۰، ۳/۱۸۱۸، ۷/۳۱، مسلم ۶/۱۳۰

چیزوں سے منع فرمایا ہے وہ یہ ہیں ① سونے کی انگوٹھی پہننے سے ② ریشم کے کپڑے پہننے سے ③ اطلس کے کپڑے استعمال کرنے سے ④ لاہی (دیباج) کے کپڑے پہننے سے ⑤ سرخ زین پوش استعمال کرنے سے ⑥ قسی کے کپڑے پہننے سے ⑦ اور چاندی کے برتن استعمال کرنے سے"۔ ایک اور روایت کے یہ الفاظ بھی ہیں کہ "چاندی کے برتن میں پینے سے (بھی منع فرمایا ہے) کیونکہ جو شخص چاندی کے برتن میں دنیا میں پئے گا آخرت میں اسے چاندی کے برتن میں پینا نصیب نہ ہوگا۔ (بخاری ومسلم)

توضیح "**وابرار المقسم**" اس حدیث میں ابرار المقسم کا اضافہ ہے یعنی قسم کھانے والے کی قسم کو پورا اور سچا کرنا مثلاً کسی شخص نے کسی دوسرے شخص سے کہا کہ جب تک تم میری بات نہیں مانو گے خدا کی قسم کھانا نہیں کھاؤں گا اب اس شخص کو اس کی بات ماننی چاہئے تا کہ ان کی قسم پوری ہو جائے اور وہ حانث نہ ہو اس میں شرط یہ ہے کہ وہ کام اس شخص کے بس میں ہو اگر وہ اس پر قادر نہیں تو اس کو مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ [1]

بعض علماء نے اس کا یہ مطلب بھی بیان کیا ہے کہ ایک شخص دوسرے کو قسم کھلائے کہ تم رات یہاں ہمارے ہاں گذار دو یا تم کو میں قسم کھلاتا ہوں کہ ہمارے ہاں کھانا کھاؤ تو اس شخص کے لئے مستحب ہے کہ رک جائے اور کھانا کھائے الفاظ حدیث سے دونوں مطلب لئے جا سکتے ہیں۔

"**ونصر المظلوم**" مظلوم سے مراد مسلمان اور غیر مسلم ذمی دونوں ہو سکتے ہیں اور یہ مدد کرنا استطاعت کے مطابق واجب ہے پھر یہ مدد بھی عام ہے کہ قول کے ساتھ ہو یا فعل کے ساتھ ہو یا دوسری کوئی صورت ہو "**الا تفعلوه تكن فتنة في الارض وفساد عريض**" [2] یعنی اگر تم نے مظلوم مسلمان کی مدد نہ کی تو زمین میں فتنہ برپا ہو جائے گا اور طویل فساد پھیل جائے گا۔

"**خاتم الذهب**" سونے کی انگوٹھی پہننا عورتوں کے لئے جائز ہے مگر مردوں کے لئے حرام ہے مردوں کے لئے لوہے کی انگوٹھی بھی ناجائز ہے شوافع جائز مانتے ہیں۔ علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان چیزوں کی حرمت وحلت کے درجات مختلف ہیں چنانچہ مردوں کے لئے چاندی کی انگوٹھی جائز ہے اور سونے و چاندی کے برتن مردوں اور عورتوں سب کے لئے حرام ہے۔ [3]

"**والاستبرق**" اعلی ریشم کو استبرق کہتے ہیں اس کے بعد دوسرے نمبر پر دیباج ہے اور تیسرے درجہ میں القسی ہے یہ سب حریر کے اقسام ہیں جو عورتوں کے لئے جائز مردوں کے لئے حرام ہیں۔ [4]

"**الميثرة الحمراء**" میثرہ اس زین پوش کا نام ہے جس میں روئی بھری ہوئی ہوتی ہے اور چھوٹا سا ہوتا ہے جس کو گھوڑے وغیرہ کے زین پر ڈال دیتے ہیں اور اس پر بیٹھتے ہیں اس کو نمدہ بھی کہتے ہیں، دنیا داروں کی عادت ہے کہ وہ از راہ تکبر اور از راہ فخر و مباہات ریشم سے میثرہ بنا کر اس پر بیٹھتے ہیں اب مسئلہ یہ ہے کہ اگر یہ زین پوش ریشم کا ہو تو اس کا استعمال حرام ہے خواہ اس کا رنگ سرخ ہو یا سفید ہو یا کالا ہو لیکن اگر ریشم نہ ہو تو پھر سرخ کے استعمال سے ممانعت آئی ہے کیونکہ سرخ

[1] المرقات: ۴/۷ [2] المرقات: ۸/۴ الکاشف: ۳/۲۹۹ [3] المرقات: ۹/۴ الکاشف: ۳/۲۹۹ [4] المرقات: ۸/۴

کپڑے پر بیٹھنا مکروہ ہے حرام نہیں۔ چنانچہ ارجوان کی قید اسی کے لئے ہے جس میں ریشم نہ ہو۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث میں ارجوان کا لفظ غالب استعمال کے طور پر آیا ہے کیونکہ عجم سرخ ہی کو استعمال کرتے تھے جو ریشم کا ہوتا تھا۔[۱]

''القسی'' ریشم اور کتان یعنی تسر سے مخلوط کر کے ایک کپڑا بنایا جاتا تھا یہ قس کی طرف منسوب ہے جو مصر میں ساحل سمندر پر ایک جگہ کا نام ہے ریشمی کپڑوں میں یہ بیکار کپڑا ہوتا تھا۔ ''لم یشرب فی الآخرة''[۲]

سوال اس حدیث کے ظاہری الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آدمی جنت میں نہیں جائے گا کیونکہ یہ نعمتیں جنت کی ہیں جن سے یہ شخص محروم ہو گیا حالانکہ ارتکاب کبیرہ سے آدمی کافر نہیں ہوتا؟

جواب علامہ مظہر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے اس کے استعمال کو حلال سمجھا وہ کافر ہو گیا اور اگر کسی شخص نے حلال نہیں سمجھا تو پھر یہ حدیث زجر و توبیخ اور تشدید و تغلیظ پر محمول ہے۔

بعض علماء یہ بھی لکھتے ہیں کہ یہ شخص جنت میں داخل ہوتے ہوئے اس نعمت سے محروم رہیگا اور وہ اس طرح کہ ان کے دل و دماغ سے ان چیزوں کا خیال و تصور نکل جائے گا تو نہ خواہش ہوگی نہ چیز ملیگی۔

تیسرا احتمال یہ ہے کہ دخول جنت کے بعد کچھ عرصہ یہ شخص ان نعمتوں سے محروم رہیگا ہمیشہ کے لئے نہیں۔[۳]

عیادت کی فضیلت

﴿۵﴾ وَعَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْمُسْلِمَ إِذَا عَادَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ لَمْ يَزَلْ فِيْ خُرْفَةِ الْجَنَّةِ حَتّٰى يَرْجِعَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[۴]

ترجمہ: اور حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''مسلمان جب اپنے کسی (بیمار) مسلمان بھائی کی عیادت کرتا ہے تو (گویا) وہ بہشت کی میوہ خوری میں (مصروف) رہتا ہے یہاں تک کہ وہ (عیادت سے) واپس نہ آجائے''۔
(مسلم)

توضیح: ''خرفة الجنة'' خرفہ ''خ'' پر ضمہ ہے اور ''ر'' پر سکون ہے دراصل باغ میں دیوار پر بیٹھ کر پھل توڑنے اور چننے کے معنی میں آتا ہے اور کبھی مجازی طور پر باغ کو بھی کہتے ہیں یہاں باغ کا معنی لینا زیادہ واضح ہے۔ یعنی کسی مسلمان کی عیادت کے لئے جا کر عیادت کرنا اور وہاں بیٹھنا ایسا ہی ہے کہ گویا یہ شخص جنت کے باغ میں بیٹھ کر پھل توڑ کر کھا رہا ہے اور جب تک عیادت میں رہیگا بہشت کی اسی میوہ خوری میں ہوگا۔[۵]

---

۱ المرقات: ۴/۸ الکاشف ۳ ۲ الکاشف: ۳/۳۰۰ ۳ المرقات: ۴/۹ الکاشف: ۳/۳۰۰

۴ اخرجه مسلم: ۸/۱۲، ۱۳ ۵ المرقات: ۴/۹ الکاشف: ۳/۳۰۰

عیادت کی عظیم اہمیت

﴿٦﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللهَ تَعَالَى يَقُولُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَا ابْنَ آدَمَ مَرِضْتُ فَلَمْ تَعُدْنِي قَالَ يَا رَبِّ كَيْفَ أَعُودُكَ وَأَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِينَ قَالَ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ عَبْدِي فُلَانًا مَرِضَ فَلَمْ تَعُدْهُ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّكَ لَوْ عُدْتَهُ لَوَجَدْتَنِي عِنْدَهُ يَا ابْنَ آدَمَ اسْتَطْعَمْتُكَ فَلَمْ تُطْعِمْنِي قَالَ يَا رَبِّ كَيْفَ أُطْعِمُكَ وَأَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِينَ قَالَ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّهُ اسْتَطْعَمَكَ عَبْدِي فُلَانٌ فَلَمْ تُطْعِمْهُ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّكَ لَوْ أَطْعَمْتَهُ لَوَجَدْتَ ذٰلِكَ عِنْدِي يَا ابْنَ آدَمَ اسْتَسْقَيْتُكَ فَلَمْ تَسْقِنِي قَالَ يَا رَبِّ كَيْفَ أَسْقِيكَ وَأَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِينَ قَالَ اسْتَسْقَاكَ عَبْدِي فُلَانٌ فَلَمْ تَسْقِهِ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّكَ لَوْ سَقَيْتَهُ وَجَدْتَ ذٰلِكَ عِنْدِي. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ قیامت کے روز (بندے سے) فرمائے گا کہ اے ابن آدم: میں بیمار ہوا اور تو نے میری عیادت نہیں کی؟ بندہ عرض کرے گا کہ ''اے میرے رب: میں تیری عیادت کس طرح کرتا کہ تو تو دونوں جہانوں کا پروردگار ہے (اور بیماری سے پاک ہے) اللہ تعالیٰ فرمائے گا'' کیا تجھے معلوم نہیں ہوا تھا کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہے؟ اور تو نے اس کی عیادت نہیں کی تھی، کیا تجھے معلوم نہیں تھا کہ اگر تو اس بیمار بندہ کی عیادت کرتا تو مجھے (یعنی میری رضا) اس کے پاس پاتا۔ (پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ اے ابن آدم: میں نے تجھ سے کھانا مانگا اور تو نے مجھے کھانا نہیں کھلایا؟ بندہ عرض کرے گا کہ اے میرے رب: میں تجھے کھانا کس طرح کھلاتا تو تو دونوں جہانوں کا پروردگار ہے (اور کسی چیز کا محتاج نہیں ہے) اللہ تعالیٰ فرمائے گا'' کیا تجھے یاد نہیں کہ تجھ سے میرے فلاں بندہ نے کھانا مانگا تھا اور تو نے اسے کھانا نہیں کھلایا تھا۔ کیا تجھے معلوم نہیں تھا کہ اگر تو اسے کھانا کھلاتا تو اسے (یعنی اس کے ثواب کو) میرے پاس پاتا۔ (پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا) اے ابن آدم: میں نے تجھ سے پانی مانگا اور تو نے مجھے پانی نہیں پلایا؟ بندہ عرض کرے گا'' کہ اے میرے پروردگار: میں تجھے پانی کس طرح پلاتا؟ تو تو دونوں جہانوں کا پروردگار ہے (تجھے نہ پانی کی ضرورت ہے اور نہ کسی دوسری چیز کی حاجت) اللہ تعالیٰ فرمائے گا ''تجھ سے میرے فلاں بندہ نے پانی مانگا اور تو نے اسے پانی نہیں پلایا کیا تجھے معلوم نہیں تھا کہ اگر تو اسے پانی پلاتا تو اسے (یعنی اس کے ثواب کو) میرے پاس پاتا''۔ (مسلم)

توضیح: ''لوجدتنی عندہ'' یعنی اگر اس مجبور کی عیادت کرتا تو اس کے غمگین اور ٹوٹے ہوئے دل کے پاس مجھے پاتا ایک حدیث میں ہے ''انا عند المنکسرۃ قلوبھم لاجلی''۔

اس حدیث میں تین باتوں کا بیان ہے ① مریض کی عیادت ② بھوکے کو کھانا کھلانا ③ اور پیاسے کو پانی پلانا لیکن

[1] اخرجه مسلم ۸/۱۳

ثواب بیان کرنے میں فرق ہے کیونکہ کھلانے پلانے والے کو کہا کہ ''لوجدت ذلک عندی'' یعنی میرے پاس اس کا ثواب تجھے مل جاتا لیکن عیادت والے سے فرمایا کہ تم وہاں مجھے پالیتا بہرحال اس حدیث میں کئی مقامات پر ایسے الفاظ آئے ہیں جو صفات باری تعالیٰ کے منافی ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سب کچھ ''مایلیق بشانہ'' کے تحت ہوگا۔ یعنی جو اللہ تعالیٰ کے شایان شان ہوگا وہی مراد ہے۔ [1]

اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہئے

﴿۷﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلٰى أَعْرَابِيٍّ يَعُوْدُهٗ وَكَانَ إِذَا دَخَلَ عَلٰى مَرِيْضٍ يَعُوْدُهٗ قَالَ لَا بَأْسَ طُهُوْرٌ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ فَقَالَ لَهٗ لَا بَأْسَ طُهُوْرٌ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ قَالَ كَلَّا بَلْ حُمّٰى تَفُوْرُ عَلٰى شَيْخٍ كَبِيْرٍ تُزِيْرُهُ الْقُبُوْرَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَعَمْ إِذًا۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ) [2]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (ایک مرتبہ) ایک اعرابی (گنوار) کے پاس اس کی بیماری کا حال پوچھنے کے لئے تشریف لے گئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (کا طریقہ یہ تھا کہ) جب آپ کسی بیمار کے پاس عیادت کے لئے تشریف لے جاتے تو اس سے فرماتے کہ ''کوئی ڈر نہیں (یعنی اس بیماری سے غم نہ کھاؤ اس لئے کہ) یہ بیماری (گناہوں سے) پاک کرنے والی ہے اگر اللہ چاہے''۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس وقت) اس دہقانی سے بھی یہی فرمایا کہ ''کوئی ڈر نہیں، یہ بیماری (گناہوں سے پاک کرنے والی ہے اگر اللہ چاہے''۔ دہقانی نے کہا کہ ''ہرگز نہیں، بلکہ یہ بخار ہے جو بڑے بوڑھے پر چڑھ آیا ہے اور اسے قبر کی زیارت کرادے گا (یعنی موت کی آغوش میں پھینک دے گا) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ سن کر) فرمایا کہ ''اچھا (اگر تم یہی سمجھتے ہو تو) یوں ہی سہی''۔ (بخاری)

توضیح: ''اعرابی'' دیہاتی کے معنی میں ہے اس سے امت کو یہ تعلیم دیدی گئی کہ اعلیٰ وارفع انسان کو چاہئے کہ کبھی کبھی ادنی حقیر اور کمزور وفقیر کی عیادت بھی کیا کرے جس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گمنام دیہاتی کی عیادت فرمائی۔ [3]

''**لا بأس طهور ان شاء الله**'' یعنی کوئی پرواہ نہیں ان شاء اللہ ٹھیک ٹھاک ہو اس بخار کی وجہ سے گناہوں سے پاک ہوجاؤ گے بس تم ذرا صبر کرو بخار کے فوائد سے مالا مال ہوجاؤ گے۔ [4]

''**قال کلا**'' یہ گنوار جٹ دیہاتی تھا جو آداب عیادت اور آداب معاشرت سے زیادہ واقف نہیں تھا اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت کو قبول نہ کیا بلکہ بے صبری کا مظاہرہ کرتے ہوئے کاہنوں کی طرح مسجع کلام استعمال کیا اور اس نعمت کو مسترد کیا کہ آپ نے جو کچھ فرمایا کہ میں ٹھیک ہوں اور گناہ دھل جائیں گے ایسا نہیں بلکہ بڑے بڈھے پر بخار جوش مار رہا ہے ابھی ابھی قبریں ان کی زیارت کردیں گی یعنی عنقریب ان کو قبروں کی زیارت ہوجائے گی یعنی مرجائے گا۔ [5]

---

[1] المرقات: ۴/۱۰ [2] الکاشف: ۳/۳۰۱ [3] اخرجه البخاری: ۴/۲۲۶، ۷/۱۵۲ [3] المرقات: ۴/۱۱ [4] المرقات: ۴/۱۱ [5] المرقات: ۴/۱۱

"فنعم اذا" یہاں اس شخص کے جواب کا پورا مضمون مقدر ہے یعنی میں نے تمہیں صبر کرنے کا کہا اور بخار کو اجر وثواب کا ذریعہ بتایا مگر تم نے اس کو مسترد کیا تو ٹھیک ہے بخار تیرے گناہوں کا کفارہ نہیں بنے گا اور تم مرجاؤ گے۔ حضور اکرم ﷺ کو اس دیہاتی نے غصہ میں ڈالا تو آپ نے یہ کلام ارشاد فرمادیا۔[1]

"فنعم اذا" کا ترجمہ یہ ہے "یعنی اچھا اگر تم یہی سمجھتے ہو تو یوں ہی سہی" "اذاً" ایک نسخہ میں "اذن" نون کے ساتھ ہے۔

بیمار کو دم کرنے کی نبوی دعا شفاء

﴿۸﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اشْتَكَى مِنَّا إِنْسَانٌ مَسَحَهُ بِيَمِيْنِهِ ثُمَّ قَالَ أَذْهِبِ الْبَأْسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ أَنْتَ الشَّافِيْ لَا شِفَاءَ إِلَّا شِفَاؤُكَ شِفَاءً لَا يُغَادِرُ سَقَماً. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ (کا طریقہ یہ تھا کہ) جب ہم میں سے کوئی بیمار ہوتا آپ ﷺ اس پر داہنا ہاتھ پھیرتے اور یہ (دعاء) فرماتے: اے لوگوں کے پروردگار: بیماری دور کردے اور شفاء دے تو ہی شفاء دینے والا ہے۔ تیرے سوا کسی کی شفاء ایسی نہیں جو بیماری کو دور کردے۔ (بخاری ومسلم)

پھوڑوں اور زخموں کا علاج بذریعہ دم

﴿۹﴾ وعنها قَالَتْ كَانَ إِذَا اشْتَكَى الْإِنْسَانُ الشَّيْءَ مِنْهُ أَوْ كَانَتْ بِهِ قُرْحَةٌ أَوْ جُرْحٌ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِإِصْبَعِهِ بِسْمِ اللهِ تُرْبَةُ أَرْضِنَا بِرِيْقَةِ بَعْضِنَا لِيُشْفٰى سَقِيْمُنَا بِإِذْنِ رَبِّنَا. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[3]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب کوئی شخص اپنے بدن کے کسی حصہ (کے درد) کی شکایت کرتا، یا (اس کے جسم کے کسی عضو پر) پھوڑا یا زخم ہوتا تو نبی کریم ﷺ اپنی انگلی سے اشارہ کرکے یہ دعاء فرماتے: خدا کے نام سے میں برکت حاصل کرتا ہوں، یہ مٹی ہمارے بعض آدمیوں کے لعاب دہن سے آلودہ ہے (یہ ہم اس لئے کہتے ہیں تاکہ) پروردگار کے حکم سے ہمارا بیمار تندرست ہوجائے"۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "باصبعه" یعنی انگلی سے اشارہ کرتے اور بطور تبرک بسم اللہ فرماتے۔[4]

"تربة ارضنا" ممکن ہے یہ خاص مدینہ کی زمین مراد ہو اور ہوسکتا ہے عام زمین مراد ہو۔[5]

[1] المرقات: ۴/۱۲ [2] اخرجه البخاری: ۷/۱۵۷، ۷/۱۷۱ ومسلم ۷/۱۶، ۱۷
[3] اخرجه البخاری: ۷/۱۷۲، ومسلم ۷/۱۷ [4] المرقات: ۴/۱۳ [5] المرقات: ۴/۱۳

"بریقة بعضنا" ای ممزوجة بریقة بعضنا" ریق تھوک کو کہتے ہیں یعنی آنحضرت ﷺ دم کرتے وقت مریض پر لعاب دھن اور تھوک کی چھینٹیں دیتے تھے۔ ؎۱

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ہر قسم درد کے لئے دم پڑھنا اور جھاڑ پھونکنا جائز ہے اور یہ بات صحابہ کے ہاں عام تھی اور سب کو اس کا علم تھا۔ ؎۲

علامہ اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے جھاڑ پھونک ثابت ہوتا ہے بشرطیکہ اس میں کوئی جادو یا دیگر کلمات کا استعمال نہ ہو۔

علماء نے لکھا ہے کہ جن کلمات کا معنی واضح نہ ہو یا شرک پر مبنی ہو ایسے کلمات سے بھی دم کرنا جائز نہیں ہے ہاں اگر حضور ﷺ نے کسی دم کی اجازت دیدی ہو اور اس میں کوئی شرک کا کلمہ بھی نہ ہو مگر معنی معلوم نہ ہو وہ جائز ہے جیسے حضور ﷺ نے بچھو کے منتر کی اجازت دی ہے جیسے "شجة قرنية ملحة بحر"

حضور ﷺ کا دم کرنے کا طریقہ اس طرح ہوتا تھا کہ آپ پہلے انگلی پر لعاب دہن لگاتے تھے پھر اس کو مٹی پر رکھتے تھے جب اس کے ساتھ مٹی چپک جاتی تو اس کو بیمار کے درد کے مقام پر رکھتے اور حدیث میں مذکورہ دعاء پڑھتے تھے۔ بہر حال مندرجہ بالا عمل یقین کے ساتھ کر لینا چاہئے فائدہ ضرور ہوگا۔

لطیفہ میں نے اپنے بڑے اساتذہ سے سنا ہے کہ ایک دفعہ ایک اللہ والا پرانے زمانے میں کسی بیمار کو دم کر رہے تھے کہ اتنے میں ایک مشہور فلسفی آ گیا اور فوراً بطور استہزاء کہدیا "اذا ترفض فتلاشی" یعنی یہ پھونک مارتے رہتے ہو یہ تو پھونک اور ہوا ہے جب منہ سے نکل جائے گی تو ختم ہو جائے گی اس کا کیا اثر ہوتا ہے۔

اس اللہ والے نے اس فلسفی کو ماں باپ کی غلیظ گالیاں سنا دیں وہ بہت غصہ ہو گیا اور چہرہ لال ہو کر گردن کی رگیں پھول گئیں اللہ والے نے ان سے کہا کہ آپ کو کیا ہو گیا اتنا غصہ کیوں ہوئے؟ آنکھیں لال کیوں ہو گئیں؟ اس نے کہا پوچھتے بھی ہو تم نے کتنی سخت گالیاں سنائیں اللہ والے نے کہا کہ "اذا ترفض فتلاشی" یعنی یہ گالیاں بھی تو ہوا ہے منہ سے نکل کر ختم ہو جاتی ہیں۔ فلسفی نے کہا نہیں جی میرے جسم پر تو بہت زیادہ اثر ہوا تب اللہ والے نے کہا کہ جب میرے کلام کا تجھ پر یہ اثر ہوا تو اللہ کے کلام میں کتنا بڑا اثر ہوگا؟

قرآنی آیات سے دم کرنا جائز ہے

﴿۱۰﴾ وعَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اشْتَكَى نَفَثَ عَلَى نَفْسِهِ بِالْمُعَوِّذَاتِ وَمَسَحَ عَنْهُ بِيَدِهِ فَلَمَّا اشْتَكَى وَجَعَهُ الَّذِيْ تُوُفِّيَ فِيْهِ كُنْتُ أَنْفُثُ عَلَيْهِ بِالْمُعَوِّذَاتِ الَّتِيْ كَانَ

؎۱ المرقات: ۴/۱۳ ؎۲ المرقات: ۴/۱۳

يَنْفُثُ وَأَمْسَحُ بِيَدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ قَالَتْ كَانَ إِذَا مَرِضَ أَحَدٌ مِنْ أَهْلِ بَيْتِهِ نَفَثَ عَلَيْهِ بِالْمُعَوِّذَاتِ۔[1]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب بیمار ہوتے تو معوذات پڑھ کر اپنے اوپر دم کرتے اور اپنا داہنا ہاتھ بدن پر (جہاں تک پہنچتا) پھیرتے، چنانچہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس بیماری میں مبتلا تھے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو میں معوذات پڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر دم کرتی تھی جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود معوذات پڑھ کر اپنے اوپر دم فرمایا کرتے تھے، نیز میں آپ کا ہاتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن پر پھیرا کرتی تھی، اس طرح کہ میں معوذات پڑھ پڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں پر دم کرتی تھی اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں ہاتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن مبارک پر پھیرتی۔ (بخاری ومسلم) مسلم کی ایک دوسری روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے یہ منقول ہے کہ ''جب گھر والوں میں سے کوئی بیمار ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معوذات پڑھ کر اس پر دم فرمایا کرتے تھے''۔

توضیح: ''المعوذات'' اس سے سورۃ فلق اور سورۃ الناس مراد ہے یہ دو سورتیں ہیں حدیث میں ان کو جمع کے صیغہ کے ساتھ یاد کیا گیا ہے یہ ان سورتوں کی آیتوں کی وجہ سے ہے جو گیارہ ہیں بعض نے معوذات میں قل ھو اللہ احد بھی شامل کیا ہے لہٰذا جمع کا صیغہ صحیح ہے بعض نے سورۃ کافرون کو بھی شامل مانا ہے۔[2]

''نفث'' دم کے ساتھ لعاب ملانے اور تھوک کی چھینٹیں دینے کو نفث کہتے ہیں۔[3]

''بید النبی'' یہ کمال ادب اور کمال برکت کی طرف اشارہ ہے کہ عائشہ دم خود پڑھتی تھیں لیکن جو برکت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں میں تھی وہ اور جگہ نہیں تھی لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ہاتھوں پر دم پھونکتی تھیں اور آپ کا مبارک ہاتھ آپ کے جسم پر ملتی تھیں اس حدیث سے دم کرنا ثابت ہوتا ہے۔ انکار کرنے والے بیکار لوگ ہیں۔[4]

ہر قسم درد کے خاتمے کے لئے نبوی دعا

﴿۱۱﴾ وَعَنْ عُثْمَانَ ابْنِ أَبِي الْعَاصِ أَنَّهُ شَكَى إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَعاً يَجِدُهُ فِي جَسَدِهِ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَعْ يَدَكَ عَلَى الَّذِي يَأْلَمُ مِنْ جَسَدِكَ وَقُلْ بِسْمِ اللهِ ثَلَاثاً وَقُلْ سَبْعَ مَرَّاتٍ أَعُوذُ بِعِزَّةِ اللهِ وَقُدْرَتِهِ مِنْ شَرِّ مَا أَجِدُ وَأُحَاذِرُ قَالَ فَفَعَلْتُ فَأَذْهَبَ اللهُ مَا كَانَ بِي۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[5]

ترجمہ: اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ابن ابی العاص کے بارہ میں مروی ہے کہ انہوں نے (ایک مرتبہ) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے

[1] اخرجه البخاری: ۶/۱۳، ۶/۲۳۳، ۶/۱۶۰، ۷/۱۶۰ ومسلم: ۷/۱۶/۱۷ [2] الکاشف: ۳/۳۰۴ المرقات: ۴/۱۵ [3] المرقات: ۴/۱۵
[4] المرقات: ۴/۱۵ الکاشف ۳/۳۰۵ [5] اخرجه مسلم: ۷/۲۰

درد کی شکایت کی جسے وہ اپنے بدن (کے کسی حصہ) میں محسوس کرتے تھے، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا کہ تیرے جسم میں جہاں پر درد ہے وہاں اپنا ہاتھ رکھ کر (پہلے) تین مرتبہ بسم اللہ پڑھو اور (پھر) سات مرتبہ یہ پڑھو: میں اللہ سے اس کی عزت اور اس کی قدرت کے ذریعہ اس برائی (یعنی درد) سے پناہ مانگتا ہوں جسے میں (اس وقت) محسوس کر رہا ہوں اور (آئندہ اس کی زیادتی سے) ڈرتا ہوں''۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (آنحضرت ﷺ کے ارشاد کے مطابق) میں نے ایسا ہی کیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے میری تکلیف دور کر دی۔ (مسلم)

حضرت جبرئیل علیہ السلام کی دعا

﴿۱۲﴾ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ جِبْرِيلَ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ اِشْتَكَيْتَ فَقَالَ نَعَمْ قَالَ بِسْمِ اللهِ أَرْقِيْكَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ يُؤْذِيْكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ نَفْسٍ أَوْ عَيْنٍ حَاسِدٍ اَللهُ يَشْفِيْكَ بِسْمِ اللهِ أَرْقِيْكَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ (ایک مرتبہ) حضرت جبرئیل علیہ السلام نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور (مزاج پرسی کے طور پر) کہا کہ ''اے محمد (ﷺ) کیا آپ علیل ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں حضرت جبرئیل نے کہا خدا کے نام سے آپ پر دم (جھاڑ پھونک) کرتا ہوں چیز سے جو آپ کو اذیت پہنچائے اور ہر شخص کے نفس کی برائی یا ہر حاسد آنکھ سے اللہ آپ کو شفاء دے خدا کے نام سے آپ پر دم (جھاڑ پھونک) کرتا ہوں۔

توضیح: اوپر والی حدیث میں حضور اکرم ﷺ کی عجیب دعا مذکور ہے جو ہر قسم دردوں کے لئے اکسیر ہے زیر بحث حدیث میں حضرت جبرئیل کی وہ دعا مذکور ہے جو آپ نے حضور اکرم ﷺ کی علالت کے دوران بطور علاج پڑھ کر آنحضرت ﷺ کو دم کیا یہ بھی اکسیر حیات ہے مگر ان دعاؤں کے لئے ایک تو یقین کامل کی ضرورت ہے کیونکہ تردد اور شبہ کے وقت کوئی دعا اثر نہیں کرتی ہے دوسری بات یہ ضروری ہے کہ آدمی ان دعاؤں کو تسلسل کے ساتھ پڑھے یہ نہیں کہ ایک دو دفعہ پڑھ کر اثر کا انتظار شروع کیا کیونکہ دنیوی دواؤں میں تجربہ یہ ہے کہ اس کو تسلسل کے ساتھ استعمال کرنا پڑتا ہے تو روحانی دعاؤں کے لئے بھی ضروری ہے کہ کم از کم آدمی سات دن تک اور زیادہ سے زیادہ چالیس دن تک اس کا استعمال کرے اور پھر اثر کا انتظار کرے یہ دعائیں کبھی بے اثر نہیں جاتیں۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ کی دعا اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی مگر اس کا اثر چالیس سال کے بعد ظاہر ہوا۔

''**ارقیك**'' یہ رقیہ سے ہے دم کرنے کے معنی میں ہے۔[2]

''**من شر کل نفس او عین**'' یہ جملہ ماقبل جملہ سے بدل واقع ہے نفس سے خبیث نفس مراد ہے اس جملہ میں یہ احتمال ہے کہ ''او'' کا حرف شک کے لئے ہو کہ راوی کو نقل کرنے میں شک ہو گیا کہ حضور اکرم ﷺ نے کس لفظ کو ادا فرمایا تھا

---

[1] اخرجه مسلم: ۷/۱۳ [2] المرقات: ۴/۱۶

مگر تعلیق الصبیح میں لکھا ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ "او" کا حرف تنویع کے لئے ہے ادھر نفس سے انسان کا نفس بھی مراد لیا جاسکتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ نفس سے آنکھ مراد ہو کیونکہ آنکھ پر نفس کا اطلاق ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے "رجل منفوس" یعنی کسی کی نظر بد لگ گئی، اس صورت میں "اوعین" تاکید کے لئے ہو جائے گا۔[1]

"بسم الله" اس جملہ کو مبالغہ کے طور پر مکرر دہرایا گیا ہے۔

نظر بد سے بچاؤ کے لئے مجرب استعاذہ

﴿۱۳﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَوِّذُ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ أُعِيْذُكُمَا بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَّةٍ وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَّةٍ وَيَقُوْلُ اِنَّ أَبَاكُمَا يُعَوِّذُ بِهَا اِسْمَاعِيْلَ وَاِسْحَاقَ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَفِيْ أَكْثَرِ نُسَخِ الْمَصَابِيْحِ بِهِمَا عَلٰى لَفْظِ التَّثْنِيَةِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ حضرت حسن وحضرت حسین رضی اللہ عنہما کو ان الفاظ کے ذریعہ (خدا کی) پناہ میں دیتے تھے۔ میں تمہیں کلمات اللہ تعالیٰ کے ذریعہ جو کامل ہیں، ہر شیطان کی برائی، ہر ہلاک کر دینے والے زہریلے اور ہر نظر لگانے والی آنکھ سے (خدا کی) پناہ میں دیتا ہوں اور آپ ﷺ یہ (بھی) فرماتے تھے کہ تمہارے باپ (حضرت ابراہیم علیہ السلام) ان کلمات کے ذریعہ اپنے صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام کو خدا کی پناہ میں دیتے تھے"۔ (بخاری) مصابیح کے اکثر نسخوں میں (لفظ "بہا" کی بجائے) "بہما" تثنیہ کی ضمیر کے ساتھ ہے۔

توضیح: "**یعوذ الحسن**" حضور اکرم ﷺ نے بطور تعوذ و پناہ یہ دعا پڑھ کر حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کو دم کیا ہے آئندہ ایک روایت آرہی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ اس کی تعویذ بنا کر چھوٹے بچوں کے گلے میں ڈال دیا کرتے تھے اس سے جائز تعویذات کا ثبوت ملتا ہے۔ "**بکلمات الله**"[3] کلمات سے یہاں اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ مراد ہیں ویسے کلمات اللہ دلائل توحید اور اللہ تعالیٰ کی خصوصی صفات پر بولا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی معلومات پر بھی بولا جاتا ہے۔ "**التامة**" اللہ تعالیٰ کے کلمات کو "تامہ" اس لئے فرمایا کہ انسان کے کلمات میں کسی نہ کسی پہلو میں نقص ہو سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے کلمات ہر نقص سے پاک ہیں اس لئے کامل و مکمل ہیں۔[4] "**شیطان**" اس سے مراد انسانی اور جنی دونوں قسم کے شیطان مراد ہیں۔[5] "**وھامّة**" میم پر شد ہے یہ ہر اس حیوان کو کہتے ہیں جس میں شر اور بدترین زہر ہوتا ہے اس کی جمع "**ھوام**"[6] ہے حشرات الارض میں جن چیزوں میں زہر قاتل ہوتا ہے اس پر ہامہ بولا جاتا ہے کبھی مطلق حشرات الارض پر ھوام کا اطلاق ہوتا ہے "**وھامه**" مطلب یہ ہے "**ای من شرھما**" یعنی شیطان اور انسان دونوں کے شر سے پناہ مانگتا ہوں یہاں ایک بزرگ کا ایک جملہ بہت ہی مفید اور کارآمد ہے فرمایا کہ جب کہیں جاؤ گے تو یہ دعا پڑھا کرو "اے اللہ: تیری ہر مخلوقات کی ہر مکروہ سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔" "**لامه**" **ای جامعة للشر علی المعیون**"

---

[1] المرقات: ۴/۱۶ [2] اخرجه البخاری: ۱۹۲، ۴/۱۶۸ [3] المرقات: ۴/۱۷ [4] المرقات: ۴/۱۷ [5] المرقات: ۴/۱۷ [6] المرقات: ۴/۱۷

لَمَّ وَالَمَّ میم کے شد کے ساتھ جمع کرنے کے معنی میں آتا ہے لامہ اصل میں باب افعال سے ملمہ اسم فاعل تھا لیکن ھامہ کی مناسبت اور سجع کی وجہ سے لامہ کہد یا گیا۔[۱] "**نسخ المصابیح**" اس کلام سے اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ مصابیح کے اکثر نسخوں میں "بہا" مفرد کی ضمیر کے بجائے بھما تثنیہ ہے۔ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تثنیہ کی ضمیر بے جا تکلف ہے کسی کاتب سے سہو ہو گیا ہے یہاں "بہا" مفرد کی ضمیر ہے جو اس دعا میں کلمات کی طرف لوٹتی ہے۔[۲]

مصیبت زدہ آدمی اللہ تعالیٰ کا محبوب ہوتا ہے

﴿۱۴﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يُرِدِ اللهُ بِهِ خَيْراً يُصِبْ مِنْهُ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[۳]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ جس شخص کو بھلائی پہنچانے کا ارادہ کرتا ہے، وہ (اس بھلائی کے حصول کے لئے) مصیبت میں مبتلا ہو جاتا ہے"۔ (بخاری)

توضیح: "**یصب منه**" یہ صیغہ باب افعال سے ہے مصیبت میں مبتلا کرنے کے معنی میں ہے۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صاد پر فتحہ زیادہ بہتر ہے، اس صورت میں یہ مجہول کا صیغہ ہے۔

علامہ میرک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ صیغہ مجزوم ہے شرط کے جواب میں ہے۔[۴]

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے بھلائی کا ارادہ چاہتا ہے تو اس کو مصیبت میں مبتلا کر دیتا ہے تاکہ اس سے اس کے گناہ دھل جائیں اور درجات بلند ہو جائیں۔[۵]

بہر حال مصیبت عام ہے خواہ بیماری کی صورت میں ہو یا کوئی حادثہ ہو یا کوئی صدمہ ہو اور یہ تمام صورتیں انسان کو صرف اس وجہ سے پیش نہیں آتیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی عذاب کی شکل ہوتی ہے بلکہ بسا اوقات اللہ تعالیٰ کسی شخص کے درجات کی بلندی کے لئے اس پر مصائب لاتا ہے تاکہ وہ صبر کرے اور درجات پائیں۔ تو جو شخص مصیبت آنے پر صبر کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے شکوہ شکایت نہیں کرتا ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ یہ مصیبت اس کے لئے باعث رحمت ہے اور اگر وہ شکوہ شکایت کرتا ہے چیختا چلاتا ہے جزع وفزع کرتا ہے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ یہ مصیبت رحمت نہیں بلکہ اس کے لئے زحمت وعذاب ہے۔ (بحوالہ مظاہر حق، اشعۃ اللمعات)[۶]

بہر حال نہ ہر مصیبت زدہ محبوب ہوتا ہے اور نہ ہر مصیبت زدہ معتوب ہوتا ہے۔

مؤمن پر آنے والی ہر مصیبت باعث اجر وثواب ہے

﴿۱۵﴾ وعنه وَعَنْ أَبِي سَعِيْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا يُصِيبُ الْمُسْلِمَ مِنْ نَصَبٍ

[۱] المرقات: ۴/۱۷ [۲] المرقات: ۴/۱۷ الكاشف: ۳۰۶ [۳] اخرجه البخاري: ۷/۱۴۹

[۴] المرقات: ۴/۱۸ الكاشف: ۳/۳۰۷ [۵] المرقات: ۴/۱۸ [۶] اشعة المعات:

وَلاَ وَصَبٍ وَلاَ هَمٍّ وَلاَ حُزْنٍ وَلاَ أَذًى وَلاَ غَمٍّ حَتّٰى الشَّوْكَةُ يُشَاكُهَا إِلاَّ كَفَّرَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ خَطَايَاهُ.

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''مسلمانوں کو جب کوئی رنج، دکھ، فکر، حزن، ایذاء اور غم پہنچتا ہے یہاں تک کہ کانٹا چبھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ اس کے گناہ دور کر دیتا ہے''۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: ''**نصب**'' علامہ مظہر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نصب اس تکلیف کا نام ہے جو انسان کے اعضاء پر آتی ہے جیسے زخم وغیرہ ہوتے ہیں اور ''**وصب**'' طویل اور مزمن بیماری کو کہتے ہیں۔[2]

اور ''**غم**'' اس تکلیف کو کہتے ہیں جو انسان کے دل پر آتی ہے مثلاً مال واولاد کے ضائع ہونے سے جو غم آتا ہے اس کو غم گویا غم آدمی کو ''**مغمی علیه**'' یعنی بے ہوش بناتا ہے۔[3]

''**هم**'' یہ اس غم کو کہتے ہیں جو آدمی کو پگھلا کر رکھ دیتا ہے۔[4]

''**حزن**'' یہ قلبی پریشانی کا نام ہے جو ''**هم**'' سے ذرا ہلکا ہے ان الفاظ کے درمیان یہ معمولی سا فرق ہے جو **تعلیق الصبیح** میں بیان کیا گیا ہے۔[5]

بعض علماء کہتے ہیں کہ غم وہ ہوتا ہے جس کا سبب معلوم ہو اور ھم وہ ہوتا ہے جس کا سبب معلوم نہ ہو صرف پریشانی ہو یا مفسرین لکھتے ہیں کہ خوف اور حزن میں یہ فرق ہے کہ حزن مافات پر ہوتا ہے اور خوف ما یاتی پر ہوتا ہے یعنی مثلاً بھائی بیمار ہے اس کی موت کی جو فکر ہے یہ خوف ہے اور جب مر جائے اور بعد میں جو صدمہ ہو جاتا ہے یہ حزن ہے۔[6]

''**حتی الشوکة**'' شوکۃ کانٹے کو کہتے ہیں یہ لفظ مرفوع بھی ہو سکتا ہے تو اس وقت مبتدا ہوگا اور مجرور بھی ہو سکتا ہے تو حتی کا کلمہ ''**الی ان**'' کے معنی میں ہو جائے گا۔[7]

''**یشاکها**'' یہ ضمیر مفعول ثانی کی ہے اور مفعول اول مضمر ہے جو فاعل کے قائم مقام ہے عبارت اس طرح ہے ''**حتی الشوکة یشاك المسلم تلك الشوکة**'' یعنی مسلمان کے کسی عضو میں وہ کانٹا چبھ جائے اس کا بھی ثواب ملتا ہے۔[8]

آنحضرت کا بخار دوگنا ہوتا تھا

﴿۱۶﴾ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يُوْعَكُ فَمَسِسْتُهُ بِيَدِيْ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّكَ لَتُوْعَكُ وَعْكًا شَدِيْدًا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

[1] اخرجه البخاری: ۷/۱۳۸، ومسلم: ۸/۱۶ [2] المرقات: ۴/۱۸ الکاشف: ۳/۳۰۸ [3] الکاشف: ۳/۳۰۸ [4] المرقات: ۴/۱۹ الکاشف: ۳/۳۰۸ [5] الکاشف: ۳/۳۰۸ المرقات: ۴/۱۹ [6] المرقات: ۴/۱۹ الکاشف ۳/۳۰۸ [7] المرقات: ۴/۱۹ الکاشف: ۳/۳۰۸ [8] المرقات: ۴/۱۹ الکاشف: ۳/۳۰۸

أَجَلْ إِنِّيْ أُوْعَكُ كَمَا يُوْعَكُ رَجُلَانِ مِنْكُمْ قَالَ فَقُلْتُ ذٰلِكَ لِأَنَّ لَكَ أَجْرَيْنِ فَقَالَ أَجَلْ ثُمَّ قَالَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يُصِيْبُهُ أَذًى مِنْ مَرَضٍ فَمَا سِوَاهُ إِلَّا حَطَّ اللّٰهُ بِهِ سَيِّئَاتِهِ كَمَا تَحُطُّ الشَّجَرَةُ وَرَقَهَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) میں نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اس وقت آپ کو بخار تھا میں نے آپ پر اپنا ہاتھ پھیر کر عرض کیا کہ یارسول اللہ: آپ کو بہت سخت بخار ہوتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "ہاں: مجھے تمہارے دو آدمیوں کے برابر بخار چڑھتا ہے، حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "میں نے عرض کیا" یہ اس وجہ سے ہوگا کہ آپ کو دوگنا ثواب ملے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "ہاں اور پھر فرمایا جس مسلمان کو بیماری کی وجہ سے یا اس کے علاوہ کسی اور وجہ سے تکلیف پہنچتی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ اس کے گناہ (اسی طرح) دور کر دیتا ہے جیسے درخت اپنے پتے جھاڑتا ہے"۔ (بخاری ومسلم)

موت کی سختی درجات کی بلندی کا ذریعہ ہے

﴿۱۷﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا رَأَيْتُ أَحَدًا اَلْوَجَعُ عَلَيْهِ أَشَدُّ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے ایسا کوئی شخص نہیں دیکھا جس کی بیماری آنحضرت ﷺ کی بیماری سے زیادہ سخت وشدید ہو"۔ (بخاری ومسلم)

﴿۱۸﴾ وعنها قَالَتْ مَاتَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ حَاقِنَتِيْ وَذَاقِنَتِيْ فَلَا أَكْرَهُ شِدَّةَ الْمَوْتِ لِأَحَدٍ أَبَدًا بَعْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[3]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے میرے سینہ اور گردن کے درمیان وفات پائی، میں نبی کریم ﷺ کے بعد کسی شخص کی موت کی سختی کو کبھی برا نہیں سمجھتی"۔ (بخاری)

توضیح: "حاقنتی وذاقنتی" حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا انتقال ان کی گود میں ہوا وہ اس طرح کہ حضور اکرم ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کا سہارا لئے ہوئے تھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی گردن اور سینہ کے درمیان آنحضرت ﷺ نے سر مبارک رکھا ہوا تھا، جس طرح کہ عام عادت ہے کہ مریض بستر پر لیٹا ہوتا ہے اور تیماردار خدمت گذار اس کا سر اپنی گود میں لیتا ہے، انسان کی ٹھوڑی سینہ کے جس حصہ تک پہنچتی ہے اس حصہ کو "ذاقنہ"[4] کہتے ہیں جو گردن اور حلقوم کا حصہ ہے اور ذاقنہ سے نیچے سینہ کا جو حصہ آتا ہے وہ حاقنہ ہے۔[5]

[1] اخرجه البخاری: ۷/۱۴۹، ومسلم: ۸/۱۴ [2] اخرجه البخاری: ۷/۱۴۹، ومسلم: ۸/۱۳ [3] اخرجه البخاری: ۶/۱۲، ۶/۱۳
[4] المرقات: ۴/۲۱ الکاشف: ۳/۳۰۹ [5] المرقات: ۴/۲۱ الکاشف: ۳/۳۰۹

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یہ بتانا چاہتی ہیں کہ وصال کے وقت حضور اکرم ﷺ پر حالت نزع کی پوری کیفیت کا مجھے خوب اندازہ ہے کہ آنحضرت ﷺ پر کتنی تکلیف تھی۔

''فلا اکرہ'' یہاں سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یہ بتانا چاہتی ہیں کہ میں اس سے پہلے یہ سمجھتی تھی کہ موت کی آسانی گناہوں کے نہ ہونے کی نشانی ہے اور موت کی سختی گناہوں کی علامت ہے لیکن حضور اکرم ﷺ جو معصوم تھے ان کی حالت نزع کی تکلیف جب میں نے دیکھ لی تو مجھے اندازہ ہوا کہ نزع کی تکلیف درجات کی بلندی کے لئے بھی ہوتی ہے ورنہ حضور ﷺ کو کبھی تکلیف نہ ہوتی۔ اس سے قبل حدیث ۱۶ اور حدیث ۱۷ میں بھی یہی بیان کیا گیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی بیماری کی شان بھی الگ تھی کہ بخار دو گنا ہوتا تھا یہ آپ کی رفعت شان کی علامت تھی اور درجات کی بلندی کا ذریعہ تھا۔[1] شاعر نے کہا ۔

اذا داء هفا بقراط عنها فلم يعرف لصاحبها ضريب

یعنی جس بیماری کے علاج و پہچان سے حکیم بقراط عاجز آجائے تو یہ اس کی دلیل ہے کہ خود بیمار بے مثل و بے نظیر ہے حضور اکرم ﷺ چونکہ کامل و مکمل قوت وصحت کی حالت میں دنیا سے تشریف لے گئے تھے اگرچہ آپ کی عمر ۶۳ سال تھی لیکن آپ بالکل جوانی کی حالت میں تھے کیونکہ آپ کی داڑھی اور سر کے بالوں میں ۱۹ یا بیس بالوں سے زیادہ سفید نہیں ہوئے تھے جو جوانی کی علامت ہے اور ظاہر ہے کہ جوان کے قوی جسم سے جب روح نکلتی ہے تو اس کی شدت و سختی تو ایک عادی اور طبعی معاملہ ہے۔

دنیوی مصائب کے اعتبار سے مؤمن اور منافق کی مثال

﴿۱۹﴾ وَعَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الْمُؤْمِنِ كَمَثَلِ الْخَامَةِ مِنَ الزَّرْعِ تُفَيِّئُهَا الرِّيَاحُ تَصْرَعُهَا مَرَّةً وَتَعْدِلُهَا أُخْرٰى حَتّٰى يَأْتِيَهُ أَجَلُهُ وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ كَمَثَلِ الْأَرْزَةِ الْمُجْذِيَةِ الَّتِيْ لَا يُصِيْبُهَا شَيْئٌ حَتّٰى يَكُوْنَ انْجِعَافُهَا مَرَّةً وَاحِدَةً۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت کعب ابن مالک رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''مؤمن کی مثال کھیت کی تر و تازہ اور نرم شاخ کی سی ہے کہ جسے ہوائیں جھکا دیتی ہیں، کبھی اسے گرا دیتی ہیں اور کبھی سیدھا کر دیتی ہیں یہاں تک کہ اس کا وقت پورا ہو جاتا ہے اور منافق کی مثال صنوبر کے درخت کی سی ہے جو جما کھڑا رہتا ہے اسے کوئی جھٹکا نہیں لگتا (یعنی نہ تو وہ ہوا کے دباؤ سے گرتا ہے اور نہ جھکتا ہے) یہاں تک کہ وہ دفعۃً زمین پر آگرتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: ''الخامة'' کسی بھی درخت کی تر شاخ اور نرم گھاس اور گلدستہ کو خامہ کہتے ہیں یہاں ہری بھری تر و تازہ کھیت مراد ہے۔[3]

---

[1] المرقات: ۴/۲۱ [2] اخرجه مسلم: ۲/۲۸۳ والبخاری [3] المرقات: ۴/۲۲ الکاشف: ۳/۳۱۰

''**تفیئها**'' باب تفعیل وتفعل سے دائیں بائیں الٹانے پلٹانے اور جھکا دینے کے معنی میں ہے جب ہوا جنوب سے آتی ہے تو پودوں کو شمال کی طرف جھکا دیتی ہے اور جب شمال سے چلتی ہے تو پودوں کو جنوب کی طرف جھکا دیتی ہے۔ [۱]

''**تصرعها**'' یہ جملہ ماقبل جملہ کے اثر اور کیفیت کو بیان کررہا ہے۔ صرع وتصریع پچھاڑنے کے معنی میں ہے دائیں بائیں موڑنا اور جھکانا مراد ہے۔ [۲]

''**تعدلها**'' یہ صیغہ باب افعال سے بھی پڑھا جاسکتا ہے اور باب تفعیل سے بھی پڑھا جاسکتا ہے سیدھا اور برابر کرنے کے معنی میں ہے۔ [۳] ''**الارزة**'' ''ہمزہ'' مفتوح ہے ''را'' پر سکون ہے اس کے بعد ''زا'' ہے جنگل کے ایک مضبوط درخت کو کہتے ہیں جو اپنی مضبوطی میں اخروٹ اور جھاؤ کے درخت کی طرح مضبوط ہوتا ہے عام مشہور یہ ہے کہ اس کا نام ''صنوبر'' ہے لیکن یہ صنوبر کی مشابہ ہے صنوبر نہیں ہے۔ [۴] ''**المجذية**'' یہ الارزة کی صفت ہے جذا یجذو سے ہے مضبوط زمین میں استقامت کے ساتھ قائم ایسے درخت کو کہتے ہیں جو زمین میں جم کر کھڑا ہو۔ [۵]

''**انجعافها**'' انقطاع اور انقلاع اور اکھڑنے کے معنی میں ہے۔ [۶]

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مؤمن مسلمان کی زندگی کی مثال اس طرح ہے کہ کبھی خوش وخرم رہتا ہے اور کبھی مصائب وآلام میں گھرا ہوا رہتا ہے جیسے ہواؤں کے جھونکوں میں تر شاخ کبھی گرتی ہے کبھی اٹھتی ہے۔

لیکن منافق کی زندگی میں ان پر ظاہری طور پر مصائب وآلام نہیں آتے ہیں وہ ہر وقت خوش رہتا ہے اور مضبوط صحت مند رہتا ہے کوئی مصیبت ان کو ہلاتی نہیں ہے جس طرح صنوبر واخروٹ اور جھاؤ کے مضبوط درخت کو ہوائیں نہیں ہلاسکتی ہیں گویا یہ قربانی کا بھینسا اور مینڈھا ہے جس کو تر وتازہ رکھا جاتا ہے لیکن جب ان کی موت آتی ہے تو صحیح سالم ان کو جڑ سے اکھیڑ کر پھینکا جاتا ہے اور تمام گناہ اپنے ساتھ لیجاتا ہے تو مسلمان مصائب وامراض کی وجہ سے گناہوں سے پاک ہوجاتا ہے اور منافق گناہ سمیت اٹھ کر جاتا ہے لہٰذا کثرت امراض اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی علامت نہیں ہے اور نہ ہمیشہ صحت مند رہنا مقبولیت کی نشانی ہے۔ [۷]

ایک صحابیہ خاتون نے اپنے شوہر سے طلاق کا مطالبہ کیا لیکن اچانک شوہر پر کوئی مصیبت آئی تو بیوی نے اپنا مطالبہ ترک کردیا اور بتادیا کہ میں نے جب دیکھا کہ آپ پر کوئی بیماری نہیں آتی تو مجھے شبہ ہوا کہ کہیں منافق نہ ہو لیکن اب معلوم ہوا کہ آپ مومن ہیں کیونکہ یہ مصیبت ایمان کی نشانی ہے۔ ساتھ والی حدیث کا بھی یہی مطلب ہے۔ [۸]

﴿۲۰﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الْمُؤْمِنِ كَمَثَلِ الزَّرْعِ لَا تَزَالُ الرِّيحُ تُمِيلُهُ وَلَا يَزَالُ الْمُؤْمِنُ يُصِيبُهُ الْبَلَاءُ وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ كَمَثَلِ شَجَرَةِ الْأَرْزَةِ لَا تَهْتَزُّ حَتّٰى تُسْتَحْصَدَ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) [۹]

---

[۱] المرقات: ۴/۲۲ الکاشف: ۳/۳۱۰ [۲] المرقات: ۴/۲۲ الکاشف: ۳/۳۱۰ [۳] المرقات: ۴/۲۲

[۴] المرقات: ۴/۲۳ الکاشف: ۳/۳۱۰ [۵] لکاشف: ۳/۳۱۰ [۶] لکاشف: ۳/۳۱۰ [۷] المرقات: ۴/۲۳ الکاشف: ۳/۳۱۱

[۸] المرقات: ۴/۲۳ الکاشف: ۳/۳۱۱ [۹] اخرجه مسلم: ۸/۱۳۶ والبخاری:

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "مؤمن کی مثال کھیتی کی سی ہے کہ (جس طرح) ہوائیں اسے ہمیشہ جھکائے رہتی ہے (اسی طرح) مؤمن کو ہمیشہ بلائیں اپنی لپیٹ میں لئے رہتی ہیں اور منافق کی مثال صنوبر کے درخت کی سی ہے۔ کہ اگرچہ وہ ہواؤں کے دباؤ سے ہلتا بھی نہیں مگر (آخر کار جڑ ہی سے) اکھڑ جاتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

بیماری کو گالی مت دیا کرو

﴿۲۱﴾ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ دَخَلَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى أُمِّ السَّائِبِ فَقَالَ مَالَكِ تُزَفْزِفِيْنَ قَالَتِ الْحُمّٰى لَا بَارَكَ اللهُ فِيْهَا فَقَالَ لَا تَسُبِّي الْحُمّٰى فَإِنَّهَا تُذْهِبُ خَطَايَا بَنِيْ آدَمَ كَمَا يُذْهِبُ الْكِيْرُ خَبَثَ الْحَدِيْدِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ (ایک مرتبہ) رسول کریم ﷺ حضرت ام سائب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس (جو تپ ولرزہ میں مبتلا تھیں) تشریف لائے اور (ان کی حالت دیکھ کر) فرمایا کہ "یہ تمہیں کیا ہوا جو تم کانپ رہی ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ "بخار ہے اللہ اس میں برکت نہ دے" آپ ﷺ نے فرمایا کہ "بخار کو برا مت کہو کیونکہ بخار بنی آدم کے گناہوں کو اسی طرح دور کرتا ہے جیسے بھٹی لوہے کے میل کو صاف کر دیتی ہے"۔ (مسلم)

توضیح: "تزفزفین" باب فعللہ دحرج کی طرح واحد مؤنث کا صیغہ ہے کانپنے اور کپکپی طاری ہونے کے معنی میں ہے۔[2]

"الکیر" ہوا دینے کے مشکیزے کو "کیر" کہتے ہیں یہ ایک آلہ ہے جو دو مشکیزوں کو ایک نلکی کے ساتھ جوڑ کر کوئلہ کے ڈھیر کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے اور اس سے ہوا دیا جاتا ہے تاکہ کوئلہ کے اندر لوہا گرم ہو جائے اور اس سے زیور وا وزار بن جائیں اس عمل سے لوہے کا میل کچیل جل کر لوہا صاف رہ جاتا ہے۔[3]

بہر حال حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کسی بیماری کو گالی مت دیا کرو بلکہ صبر کرو یہ انسان کے گناہوں کے لئے کفارہ بن جاتی ہے۔

سابق عمل کا ثواب بیمار کو ملتا رہتا ہے

﴿۲۲﴾ وَعَنْ أَبِيْ مُوْسٰى قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا مَرِضَ الْعَبْدُ أَوْ سَافَرَ كُتِبَ لَهُ بِمِثْلِ مَا كَانَ يَعْمَلُ مُقِيْمًا صَحِيْحًا۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[4]

ترجمہ: اور حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جب کوئی بندہ بیمار ہوتا ہے یا سفر میں جاتا ہے (اور اس کی بیماری یا سفر کی وجہ سے اس کے اوراد ونوافل فوت ہو جاتے ہیں) تو اس کے نامۂ اعمال میں اتنے عمل لکھ دیئے جاتے ہیں جو وہ حالت قیام اور زمانۂ تندرستی میں کیا کرتا تھا۔ (بخاری)

[1] اخرجه مسلم: ۸/۱۶ [2] المرقات: ۴/۲۳، ۲۴ [3] الکاشف: ۳/۳۱۱ [4] اخرجه البخاری: ۴/۷۱

توضیح: "کتب لہ" حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص صحت وتندرستی کے وقت فرائض کے علاوہ سنن ونوافل عبادات اور اپنے وظائف وتہجد میں خوب محنت کرتا ہے لیکن جب مریض ہوجاتا ہے یا سفر کی حالت میں ہوتا ہے تو ان کے معمولات متاثر ہوجاتے ہیں وہ اپنے معمولات کو پورا نہیں کرسکتا تو اس حدیث میں بتادیا گیا کہ اس شخص کو مرض وسفر میں ان اعمال کا پورا ثواب ملتا ہے جو وہ صحت میں کرتا تھا معمولات کے چھوٹ جانے سے ثواب منقطع نہیں ہوتا بلکہ جاری رہتا ہے۔

طاعون میں مرنے والے کی فضیلت

﴿۲۳﴾ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الطَّاعُوْنُ شَهَادَةٌ لِّكُلِّ مُسْلِمٍ.
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا طاعون (میں مرنا) ہر مسلمان کے لئے شہادت ہے۔
(بخاری ومسلم)

توضیح: "الطاعون" طاعون ایک وبائی مرض کا نام ہے یہ وبائی بیماری جن علاقوں میں پھیل جاتی ہے تو وہاں کی تمام چیزیں متاثر کرتی ہے انسانی جسم کے علاوہ پانی اور ہوا کو بھی خراب کرتی ہے۔ غرض ہر چیز میں اس کے جراثیم داخل ہوجاتے ہیں طاعون کی علامت بعض شارحین نے یہ لکھی ہے کہ اس بیماری کی وجہ سے جسم کے نرم حصوں مثلاً بغل، ران، اور پیٹ وغیرہ میں زخم ہوجاتے ہیں اور ان زخموں کے اردگرد سیاہ یا سرخ وسبز دائرے بن جاتے ہیں۔[2]
طاعون سے مرنے والے کو شہید کا درجہ اس لئے ملتا ہے کہ یہ واقعی شہید ہے اس لئے کہ درحقیقت کچھ جنات یا شیاطین کے نیزہ مارنے سے یہ زخم لگ جاتا ہے تو ظاہر ہے کہ اس کو قتل کردیا گیا ہے لہٰذا شہید ہے۔ تفصیل آئندہ آرہی ہے۔[3]

حقیقی اور حکمی شہداء کا بیان

﴿۲۴﴾ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الشُّهَدَاءُ خَمْسَةٌ الْمَطْعُوْنُ وَالْمَبْطُوْنُ وَالْغَرِيْقُ وَصَاحِبُ الْهَدْمِ وَالشَّهِيْدُ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[4]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "شہداء پانچ ہیں ① طاعون زدہ ② پیٹ کی بیماری (یعنی دست اور استسقاء) میں مرنے والا ③ پانی میں بے اختیار ڈوب کر مرجانے والا ④ دیوار یا چھت کے نیچے دب کر مرجانے والا ⑤ خدا کی راہ میں شہید ہونے والا۔ (بخاری ومسلم)

[1] اخرجه البخاری: ۴/۲۹ ومسلم: ۶/۵۲ [2] المرقات: ۴/۲۵
[3] المرقات: ۴/۲۵ [4] اخرجه البخاری: ۱/۱۶۷، ۱/۱۸۳ ومسلم: ۶/۵۲

توضیح: "الشهداء خمسة" ایک حقیقی ہے اور ایک شہید حکمی ہے۔ حقیقی شہید وہی ہے جو کفار کے ساتھ لڑنے میں مارا گیا ہو یا ظلماً کسی ظالم کے ہاتھ سے تیز دھار آلہ سے مارا گیا ہو اور دنیوی فائدہ اٹھائے بغیر دنیا سے اٹھ گیا ہو حقیقی شہید کو بغیر غسل اور بغیر کفن ان کے اپنے پہنے ہوئے کپڑوں کے ساتھ دفنایا جائے گا یہ دنیا و آخرت دونوں کا شہید ہے۔

شہید حکمی وہ ہوتا ہے جو اس کے علاوہ چند مخصوص احوال و افعال کی وجہ سے مرجائے۔ اس حدیث میں چار قسم کے حکمی شہدا کا ذکر کیا گیا ہے لیکن دیگر احادیث میں اس کے علاوہ بہت سارے لوگوں کو حکمی شہداء قرار دیا گیا ہے۔ [1]

مثلاً **ذات الجنب نمونیہ** میں مرنے والا آگ میں جلنے والا ولادت اور زچگی کی حالت میں مرنے والی عورت حالت سفر میں مرنے والا، جہاد میں طبعی موت سے مرنے والا شہادت کی سچی تمنا کرنے والا ٹائیفائڈ بخار سے مرنے والا درندہ کی چیر پھاڑ سے مرنے والا کسی ظالم کے تشدد کے نتیجہ میں زخموں کی تاب نہ لا کر مرنے والا ظالم کی جیل میں بے گناہ مرنے والا علمی مشغلہ میں مرنے والا۔ [2]

اور احادیث میں مذکور چند اچھے اعمال کے کرنے کے بعد مرنے والا یہ سب لوگ حکمی شہداء ہیں۔

ان کا حکم یہ ہے کہ یہ آخرت کے شہداء شمار ہونگے اور دنیا کے شہدا نہیں لہٰذا ان کی نماز جنازہ ہوگی ان کو غسل دیا جائے گا اور کفنا کر دفن کیا جائے گا گویا حقیقی شہدا کے ثواب کی مانند ایک درجہ کا ثواب ان کو دیا جائے گا۔ حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ سب لوگ حقیقی شہداء ہیں ان لوگوں کو شہید کا ثواب اس لئے دیا گیا کہ شہید بڑی مشقتیں اٹھا کر مرجاتا ہے ان لوگوں کی موت بھی چونکہ سخت شدت اور سخت مصیبت کے ساتھ آتی ہے لہٰذا یہ بھی شہداء کے ساتھ ملحق قرار دیئے گئے۔ مطعون کی تفصیل گذر گئی ہے "**مبطون**" بطن کے مرض سے مرنے والے کو کہتے ہیں جیسے ہیضہ وغیرہ وبائی مرض ہوتے ہے۔ [3]

"**الغريق**" دریا نہر یا سمندر میں ڈوب کر مرنے والا۔ [4]

"**صاحب الهدم**" اس سے مراد وہ شخص ہے جو پہاڑ سے گر کر مرجائے یا چھت سے گر جائے یا چھت و دیوار ان پر گر جائے اور یہ اس کے نیچے دب کر مرجائے۔ [5]

صابر مسلمان کے لئے طاعون رحمت ہے

﴿۲۵﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الطَّاعُونِ فَأَخْبَرَنِي أَنَّهُ عَذَابٌ يَبْعَثُهُ اللهُ عَلَى مَنْ يَشَاءُ وَأَنَّ اللهَ جَعَلَهُ رَحْمَةً لِلْمُؤْمِنِينَ لَيْسَ مِنْ أَحَدٍ يَقَعُ الطَّاعُونُ فَيَمْكُثُ فِي بَلَدِهِ صَابِرًا مُحْتَسِبًا يَعْلَمُ أَنَّهُ لَا يُصِيبُهُ إِلَّا مَا كَتَبَ اللهُ لَهُ إِلَّا كَانَ لَهُ مِثْلُ أَجْرِ شَهِيدٍ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ) [6]

---

[1] المرقات: ۴/۲۶ [2] المرقات: ۴/۲۶ [3] المرقات: ۴/۲۶ [4] المرقات: ۴/۲۶

[5] المرقات: ۴/۲۵ [6] اخرجه البخاری: ۴/۲۱۳، ۷/۱۶۹، ۸/۱۵۸

ترجمہ: اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ سے طاعون کی حقیقت دریافت کی تو آپ ﷺ نے مجھے بتایا کہ (ویسے تو) یہ عذاب ہے جسے اللہ تعالیٰ جس پر چاہے بھیجتا ہے (لیکن) اللہ تعالیٰ نے اسے (ان) مؤمنین کے لئے (باعث) رحمت قرار دیا ہے (جو اس میں ابتلاء کے وقت صبر کرتے ہیں) اور جس شہر یا جس جگہ طاعون ہو اور (کوئی مؤمن) اپنے اس شہر میں ٹھہرا رہے اور صبر کرنے والا اور خدا سے ثواب کا طالب رہے (یعنی اس طاعون زدہ علاقہ میں کسی اور غرض ومصلحت سے نہیں بلکہ محض ثواب کی خاطر ٹھہرا رہے) نیز یہ جانتا ہو کہ اسے کوئی چیز (یعنی کوئی اذیت ومصیبت) نہیں پہنچے گی مگر صرف وہی جو خدا نے (اس کے مقدر میں) لکھ دی اور جس سے کہیں مفر نہیں تو اس مؤمن کو شہید کے مانند ثواب ملے گا۔ (بخاری)

طاعون زدہ علاقہ میں نہ جاؤ اور نہ وہاں سے بھاگو

﴿۲۶﴾ وَعَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الطَّاعُوْنُ رِجْزٌ أُرْسِلَ عَلٰى طَائِفَةٍ مِنْ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ أَوْ عَلٰى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فَإِذَا سَمِعْتُمْ بِهِ بِأَرْضٍ فَلَا تَقْدِمُوْا عَلَيْهِ وَإِذَا وَقَعَ بِأَرْضٍ وَأَنْتُمْ بِهَا فَلَا تَخْرُجُوْا فِرَارًا مِنْهُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت اسامہ ابن زید رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''طاعون عذاب ہے جو بنی اسرائیل کی ایک جماعت پر بھیجا گیا تھا یا فرمایا کہ ان لوگوں پر جو تم سے پہلے تھے (یعنی راوی کو شک ہو گیا ہے کہ آپ ﷺ نے پہلا جملہ ارشاد فرمایا تھا یا دوسرا) لہٰذا جب تم کسی علاقہ کے بارہ میں سنو کہ وہاں طاعون پھیلا ہوا ہے تو وہاں مت جاؤ اور جس طاعون زدہ علاقہ میں تم (پہلے سے) موجود ہو تو وہاں سے نکل کر مت بھاگو۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: ''رجزا'' یعنی طاعون ایک آسمانی عذاب ہے اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر یہ عذاب اس وقت مسلط کیا تھا جب انہوں نے نافرمانی کی اور بیت المقدس میں جہاد کرنے سے انکار کیا۔ قرآن میں یہ آیت اسی بارے میں ہے[2] ﴿فأرسلنا عليهم رجزا من السماء﴾[3] یعنی ان پر طاعون بھیجا اس حدیث میں امت کو دو حکم دیئے گئے ہیں ایک حکم یہ ہے کہ طاعون زدہ علاقہ سے بھاگنے کی کوشش نہ کرو موت مقررہ وقت پر تقدیر کے مطابق آتی ہے تو جو آدمی طاعون سے بھاگتا ہے وہ گویا تقدیر کے بارے میں تذبذب کا شکار ہے اور تقدیر کے فیصلے سے فرار اختیار کرتا ہے۔ دوسرا حکم اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جہاں طاعون اور کوئی وبائی مرض پھیلا ہو تو خواہ مخواہ وہاں جانے کی کوشش نہ کرو یہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف ہے جو منع ہے نیز اس سے عقیدہ کی خرابی کا خطرہ بھی ہے لوگ یہ کہیں گے کہ اگر ادھر نہ جاتا تو موت نہ آتی یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ وبائی مرض کے علاوہ دیگر خطرناک مواقع سے بھاگنا جائز ہے مثلاً کہیں آگ لگی ہے یا سیلاب آ رہا ہے یا زلزلہ ہے دیوار یا چھت گر رہی ہے وہاں سے بھاگنا منع نہیں ہے۔[4]

---

[1] اخرجه البخاری: ۴/۲۱۲ ومسلم: ۷/۲۶ [2] المرقات: ۴/۲۷ [3] اعراف الآیہ ۱۶۲ [4] المرقات: ۴/۲۸

صابر نابینا کی فضیلت

﴿۲۷﴾ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ قَالَ اللهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى إِذَا ابْتَلَيْتُ عَبْدِيْ بِحَبِيْبَتَيْهِ ثُمَّ صَبَرَ عَوَّضْتُهُ مِنْهُمَا الْجَنَّةَ يُرِيْدُ عَيْنَيْهِ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ''اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب میں اپنے کسی بندہ کو اس کی دونوں پیاری چیزوں میں مبتلا کر دیتا ہوں اور وہ اس پر صبر کرتا ہے تو میں ان دونوں کے بدلہ میں اسے جنت دیتا ہوں (راوی کہتے ہیں کہ اس کی دونوں پیاری چیزوں سے) آنحضرت ﷺ کی مراد ''اس کی دونوں آنکھیں ہیں''۔ (بخاری)

توضیح: ''حبیبتیه'' اس سے مراد دو محبوب آنکھیں ہیں اس کو ''کریمتیه'' کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے آنکھیں چھین کر اس کو نابینا کر دیتا ہے اور وہ اس پر صبر کرتا ہے، نہ اللہ سے کوئی شکایت کرتا ہے نہ کسی کو ملامت کرتا ہے بلکہ یہ خیال کرتا ہے کہ یہ مصیبت اللہ تعالیٰ نے میرے گناہوں کے ازالہ کے لئے اور درجات کی بلندی کے لئے مجھ پر ڈالی ہے ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ ان کی آنکھوں کے عوض جنت عطا فرماتا ہے۔[2]

الفصل الثانی

عیادت پر ستر ہزار فرشتے رحمت کی دعا کرتے ہیں

﴿۲۸﴾ عن عَلِيٍّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَعُوْدُ مُسْلِماً غُدْوَةً إِلاَّ صَلَّى عَلَيْهِ سَبْعُوْنَ أَلْفَ مَلَكٍ حَتّٰى يُمْسِيَ وَإِنْ عَادَهُ عَشِيَّةً إِلاَّ صَلّٰى عَلَيْهِ سَبْعُوْنَ أَلْفَ مَلَكٍ حَتّٰى يُصْبِحَ وَكَانَ لَهُ خَرِيْفٌ فِي الْجَنَّةِ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْ دَاوُدَ)[3]

ترجمہ: حضرت علی کرم اللہ وجہہ راوی ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ''جو مسلمان (دوسرے بیمار) مسلمان کو دن کے پہلے حصہ میں یعنی دوسرے پہر سے پہلے عیادت کرتا ہے تو ستر ہزار فرشتے اس کے لئے شام ہونے تک رحمت ومغفرت کی دعاء کرتے ہیں اور جو مسلمان دن کے آخری حصہ یعنی زوال کے بعد عیادت کرتا ہے تو ستر ہزار فرشتے اس کے لئے صبح ہونے تک رحمت ومغفرت کی دعا کرتے ہیں اور بہشت میں اس کے لئے ایک باغ مقرر کر دیا جاتا ہے''۔ (ترمذی، ابوداؤد)

[1] اخرجه البخاری: ۱۰۵ [2] المرقات: ۴/۲۸ الکاشف: ۳/۳۱۴ [3] اخرجه الترمذی: ۹۳۹ وابوداؤد:

﴿۲۹﴾ وَعَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ قَالَ عَادَنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ وَجَعٍ كَانَ بِعَيْنَيَّ.
(رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ)[1]

ترجمہ: اور حضرت زید ابن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے میری عیادت فرمائی جبکہ میری آنکھوں میں درد تھا''۔ (احمد، ابوداؤد)

توضیح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور اکرم ﷺ نے زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی عیادت ایک معمولی بیماری میں بھی کی تھی یعنی جب ان کی آنکھ دکھ رہی تھی اس وقت حضور ﷺ نے عیادت کی اس سے امت کو یہ تعلیم ملی کہ بیماری خواہ خفیف کیوں نہ ہو عیادت سنت ہے ثواب ملتا ہے۔

سوال جامع صغیر میں ایک روایت آئی ہے کہ جس میں تین بیماریوں کی وجہ سے بیمار کی عیادت نہ کرنے کا کہا گیا ہے یعنی جب کسی کی آنکھ دکھ رہی ہو یا ڈاڑھ میں درد ہو یا کوئی پھوڑا پھنسی ہو حالانکہ یہاں حضور ﷺ نے آنکھ دکھنے کی وجہ سے عیادت فرمائی ہے۔

جواب جس روایت میں ان تین بیماریوں کی وجہ سے عیادت سے ممانعت آئی ہے وہ عام نہیں ہے بلکہ خاص ان لوگوں کو عیادت کے لئے جانے سے روکا گیا ہے جن کی وجہ سے بیمار کو مزید تکلیف کا خطرہ ہو مثلاً کوئی ایسا بزرگ عیادت کے لئے جائے جن کے لئے مریض آنکھیں کھولنے پر مجبور ہو جاتا ہے یا بات کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے اور یا سنبھل کر بیٹھنے پر مجبور ہوتا ہے ان تینوں صورتوں میں مریض کی آنکھوں دانتوں اور زخموں میں تکلیف بڑھ سکتی ہے اس لئے منع کیا گیا، لہٰذا دونوں حدیثوں کا محمل الگ الگ ہے تو تعارض نہیں ہے۔[2]

باوضو عیادت کرنے کی فضیلت

﴿۳۰﴾ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوْءَ وَعَادَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ مُحْتَسِباً بُوْعِدَ مِنْ جَهَنَّمَ مَسِيْرَةَ سِتِّيْنَ خَرِيْفاً. (رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ)[3]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''جس شخص نے وضو کیا اور اچھا (یعنی پورا) وضو کیا اور پھر (حصول) ثواب کے ارادے سے اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کی تو اس کو دوزخ سے ساٹھ برس (کی مسافت) کی بقدر دور رکھا جاتا ہے''۔ (ابوداود)

توضیح: وضو اچھی چیز ہے ہر مسلمان کو ہر ممکن وقت میں باوضو رہنا چاہئے اسی طرح اگر کسی کی عیادت کے لئے جانا ہو تو وضو کر کے جانا مستحب ہے کیونکہ وہاں دعا کرنے کی نوبت آسکتی ہے جس کے لئے وضو بہت اچھا ہے نیز نماز پڑھنے کی صورت بن سکتی ہے تو تیار ہو کر جانا چاہئے، خریف موسم خزاں کو کہتے ہیں اور یہ موسم سال میں ایک بار آتا ہے لہٰذا ایک

[1] اخرجه احمد: ۴/۳۷۵ وابوداؤد: ۲/۳۱ [2] المرقات: ۴/۳۰ [3] اخرجه ابو داؤد: ۳۰۹۷

خریف ایک سال کے برابر ہے تو ساٹھ سال ہو گئے خرفۃ باغ کو بھی کہتے ہیں جیسے اس سے پہلے ...ث میں مذکور ہے یہاں سال مراد ہے۔[1]

ہر بیماری کے لئے ایک عظیم دعا

﴿۳۱﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَعُوْدُ مُسْلِماً فَيَقُوْلُ سَبْعَ مَرَّاتٍ أَسْأَلُ اللهَ الْعَظِيْمَ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ أَنْ يَشْفِيَكَ إِلاَّ شُفِيَ إِلاَّ أَنْ يَكُوْنَ قَدْ حَضَرَ أَجَلُهُ۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جب کوئی مسلمان کسی بیمار مسلمان کی عیادت کرتا ہے اور سات مرتبہ یہ کہتا ہے کہ **أسأل الله العظيم رب العرش العظيم ان يشفيك** یعنی میں اللہ بزرگ و برتر سے جو عرش عظیم کا مالک ہے دعاء کرتا ہوں کہ وہ تجھے شفاء دے'' تو اللہ تعالیٰ اسے شفاء دیتا ہے بشرطیکہ اس کا وقت نہ آ گیا ہو (یعنی اس کا مرض لاعلاج نہ ہو)۔ (ابوداؤد، ترمذی)

بخار اور دردوں کے لئے ایک عجیب دم

﴿۳۲﴾ وعنه أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُعَلِّمُهُمْ مِنَ الْحُمّٰى وَمِنَ الْأَوْجَاعِ كُلِّهَا أَنْ يَقُوْلُوْا بِسْمِ اللهِ الْكَبِيْرِ أَعُوْذُ بِاللهِ الْعَظِيْمِ مِنْ شَرِّ كُلِّ عِرْقٍ نَعَّارٍ وَمِنْ شَرِّ حَرِّ النَّارِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ لاَ نَعْرِفُهُ إِلاَّ مِنْ حَدِيْثِ إِبْرَاهِيْمَ بْنِ إِسْمَاعِيْلَ وَهُوَ يُضَعَّفُ فِي الْحَدِيْثِ۔[3]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ رضی اللہ عنہم کو سکھلایا کرتے تھے کہ وہ (یعنی بیمار لوگ) بخار بلکہ ہر درد (سے شفا) کے لئے اس طرح دعاء کیا کریں **بسم الله الكبير اعوذ بالله العظيم من شر كل عرق نعار وشر حر النار** یعنی میں برکت چاہتا ہوں اللہ بزرگ و برتر کے نام سے اور پناہ چاہتا ہوں اللہ بزرگ و برتر کی، ہر رگ جوش مارنے والی کی برائی (یعنی تکلیف) سے اور آگ کی برائی سے''۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو نقل کیا اور فرمایا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے کیونکہ ہم اس حدیث کو ابراہیم ابن اسماعیل کے علاوہ اور کسی دوسرے ذریعہ سے نہیں جانتے اور وہ (یعنی ابراہیم) روایت حدیث کے بارے میں ضعیف شمار کئے جاتے ہیں۔

توضیح: عرق رگ کو کہتے ہیں اور ''نعار'' خون کے ساتھ جوش مارنے کے معنی میں ہے عرب کہتے ہیں

[1] المرقات: ۴/۳۱ الکاشف: ۳/۳۱۶ [2] اخرجه الترمذی: (۲۰۸۳) وابو داؤد (۳۱۰۶) [3] اخرجه الترمذی: ۲۰۷۵

''نعر العرق'' یعنی رگ میں خون نے جوش مار دیا بخار میں بھی ایسا ہوتا ہے کہ رگوں میں خون کا دباؤ بڑھ جاتا ہے جو خطرناک ہوتا ہے اسی طرح ''جرح نعار'' زخم سے جب خون فوارہ کی طرح نکلتا ہو اور آواز اٹھتی ہو اس کو نعار کہتے ہیں۔[1]

گردہ پتھری کے لئے مجرب دم

﴿۳۳﴾ وَعَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنِ اشْتَكَى مِنْكُمْ شَيْئًا أَوِ اشْتَكَاهُ أَخٌ لَهُ فَلْيَقُلْ رَبُّنَا اللهُ الَّذِيْ فِي السَّمَاءِ تَقَدَّسَ اسْمُكَ أَمْرُكَ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ كَمَا رَحْمَتُكَ فِي السَّمَاءِ فَاجْعَلْ رَحْمَتَكَ فِي الْأَرْضِ اِغْفِرْ لَنَا حُوْبَنَا وَخَطَايَانَا أَنْتَ رَبُّ الطَّيِّبِيْنَ أَنْزِلْ رَحْمَةً مِنْ رَحْمَتِكَ وَشِفَاءً مِنْ شِفَائِكَ عَلَى هٰذَا الْوَجَعِ فَيَبْرَأُ۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ''تم میں سے جس شخص کو کوئی بیماری ہو یا اس کا کوئی بھائی بیمار ہو تو اسے چاہیئے کہ یہ دعا پڑھے: ہمارا پروردگار اللہ ہے، ایسا اللہ جو آسمان میں ہے (تمام نقصانات سے) تیرا نام پاک ہے، تیری حکومت آسمان وزمین (دونوں) میں ہے، جیسی تیری رحمت آسمان میں ہے ویسی ہی تو اپنی رحمت زمین پر نازل فرما، تو ہمارے چھوٹے اور بڑے گناہ بخش دے تو پاکیزہ لوگوں کا پرودگار ہے (یعنی ان کا محب اور کارساز ہے اور تو اپنی رحمت میں سے (جو ہر چیز پر پھیلی ہوئی ہے) رحمت (عظیمہ) نازل فرما، اور اس بیماری سے اپنی شفا عنایت فرما''۔ (اس دعا کے پڑھنے سے بیمار ان شاء اللہ) اچھا ہو جائے گا''۔ (ابوداود)

''حوب'' بڑے گناہ کو حوب کہتے ہیں خطایا دیگر چھوٹے گناہوں کو کہتے ہیں یعنی ہمارے چھوٹے بڑے سارے گناہ معاف فرما خواہ وہ عمدا ہو یا خطأً ہو۔

جہاد کے لئے تندرستی کی دعا

﴿۳۴﴾ وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا جَاءَ الرَّجُلُ يَعُوْدُ مَرِيْضاً فَلْيَقُلْ أَللّٰهُمَّ اشْفِ عَبْدَكَ يَنْكَأُ لَكَ عَدُوًّا أَوْ يَمْشِيْ لَكَ إِلَى جَنَازَةٍ۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)[3]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جب کوئی شخص کسی مریض کے پاس عیادت کے لئے آئے تو اسے یہ دعائیہ الفاظ کہنے چاہیئے **اللهم اشف عبدك ينكألك عدوا او يمشي لك الى جنازة** یعنی اے اللہ: اپنے بندہ کو شفا دے تا کہ وہ تیرے دشمنوں کو عبرتناک سزا دے (یعنی دشمنان دین سے جنگ وجدال کر کے انہیں زخمی اور قتل کرے) یا تیری خوشی ورضا کی خاطر جنازہ کی طرف (یعنی نماز جنازہ کے لئے) چلے''۔ (ابوداود)

[1] المرقات: ۴/۳۲ [2] اخرجه ابوداؤد: (۳۸۹۲) [3] اخرجه ابوداؤد: (۳۱۰۷)

توضیح: ''اشف'' شفاء سے امر کا صیغہ ہے ''عبدک'' اس سے بیمار اور مریض بندہ مراد ہے ''ینکا'' یہ صیغہ ہمزہ کے ساتھ بھی ہے اور بغیر ہمزہ بھی آتا ہے ہمزہ کے ساتھ باب فتح یفتح سے دشمن کو مار ڈالنے اور عبرتناک سزا دینے کے معنی میں ہے۔[۱]

یہاں یہ صیغہ مجزوم جزم کے ساتھ بھی ہے کیونکہ امر کے جواب میں ہے اور مرفوع بھی ہے ''ای فانه ینکا'' یہ زخمی کرنے اور عبرتناک سزا دینے کے معنی میں ہے۔[۲] مطلب یہ کہ حضور ﷺ نے اس مریض کی شفایابی کے لئے جہاد کو وسیلہ وذریعہ بنایا ہے کہ اے اللہ اس بندے کو شفا عطا فرما یہ تیرے راستے میں جہاد کریگا جہاد کی برکت سے اس کو شفاء عطا فرما یہ شخص تیرے دشمنوں کو سزا دیگا زخمی کریگا اور ان سے لڑیگا اور اگر اس کی نوبت نہ آئی تو کم از کم کسی مسلمان کے جنازہ میں جائیگا یا شہید کا جنازہ پڑھ لیگا اس حدیث سے جہاد کی عظمت کا اندازہ ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے اس کو وسیلہ اور ذریعہ بنا کر اللہ تعالیٰ سے قبولیت دعا کی درخواست فرمائی ہے کہ اگر یہ بندہ ٹھیک ہو گیا تو یہ جہاد جیسے بڑے عمل کو کریگا اور اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کی سرکوبی کریگا۔

بیمار کی تکلیف گناہوں کا کفارہ ہے

﴿۳۵﴾ وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ زَيْدٍ عَنْ أُمَيَّةَ أَنَّهَا سَأَلَتْ عَائِشَةَ عَنْ قَوْلِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ إِنْ تُبْدُوا مَا فِيْ أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللهُ وَعَنْ قَوْلِهِ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْءًا يُجْزَ بِهِ فَقَالَتْ مَا سَأَلَنِيْ عَنْهَا أَحَدٌ مُنْذُ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ هٰذِهٖ مُعَاتَبَةُ اللهِ الْعَبْدَ بِمَا يُصِيْبُهُ مِنَ الْحُمّٰى وَالنَّكْبَةِ حَتّٰى الْبِضَاعَةُ يَضَعُهَا فِيْ يَدِ قَمِيْصِهٖ فَيَفْقِدُهَا فَيَفْزَعُ لَهَا حَتّٰى إِنَّ الْعَبْدَ لَيَخْرُجُ مِنْ ذُنُوْبِهٖ كَمَا يَخْرُجُ التِّبْرُ الْأَحْمَرُ مِنَ الْكِيْرِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[۳]

ترجمہ: اور حضرت علی رحمۃ اللہ علیہ ابن زید (بصری تابعی) امیہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے معنی پوچھے: اگر تم وہ چیز جو تمہارے دلوں میں ہے ظاہر کر دو یا چھپاؤ اللہ تم سے اس کا حساب لے گا: ان تبدوا مافی انفسکم یحاسبکم به الله جو شخص برا عمل کرے گا (یعنی خواہ صغیرہ گناہ کرے خواہ کبیرہ گناہ) تو اس کی جزاء (یعنی اس کی سزا دنیا یا آخرت میں) دی جائے گی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ ''جیسا کہ میں نے اس کے بارے میں رسول کریم ﷺ سے دریافت کیا تھا ویسا کسی نے مجھ سے اس مسئلہ کے بارے میں نہیں پوچھا۔ چنانچہ آپ نے (میرے دریافت کرنے پر) فرمایا کہ: ''یہ (یعنی محاسبہ اور سزا جو دونوں آیتوں میں مذکور ہیں) اللہ تعالیٰ کا عتاب ہے جس میں بندہ بخار و رنج (کی تکلیف) کی صورت میں مبتلا ہوتا ہے یہاں تک کہ کوئی بندہ اپنا کچھ مال اپنے کرتہ کی آستین (یا جیب) میں رکھتا ہے اور (پھر وہ مال گم ہو جاتا ہے جسے) وہ نہیں پاتا چنانچہ وہ اس کے نہ ملنے سے غمگین ہوتا ہے (تو اس کی وجہ سے اس کے گناہ

[۱] المرقات: ۴/۳۲ [۲] المرقات: ۴/۳۲ الکاشف: ۳/۳۱۸ [۳] اخرجه الترمذی: ۲۹۹۱

دور کئے جاتے ہیں اور ہمیشہ یہی سلسلہ جاری رہتا ہے کہ بندہ کسی تکلیف اور رنج میں مبتلا رہتا ہے) یہاں تک کہ وہ بندہ اپنے گناہوں سے ایسا پاک وصاف ہوجاتا ہے جیسا کہ سونا بھٹی سے (آگ میں پڑنے کی وجہ سے) سرخ نکلتا ہے''۔ (ترمذی)

توضیح: اس صحابی نے ان دو ایتوں کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اس لئے سوال کیا کہ ان ایتوں کے مطلب میں وہ ایک پریشانی میں مبتلا تھے چنانچہ وہ صحابی سمجھ رہے تھے کہ پہلی آیت میں ہے کہ دل کی پوشیدہ باتوں کا حساب ہوگا یہ تو بہت مشکل ہے کیونکہ دل کے خیالات اور وسوسوں سے بچنا ممکن نہیں ہے۔

دوسری آیت کا مطلب یہ کہ آدمی جو بھی عمل کرے گا اس کا بدلہ دیا جائے گا تو اس سے آدمی صغائر کی وجہ سے عذاب میں مبتلا ہوگا حالانکہ صغائر سے بچنا بہت مشکل ہے اس کے جواب میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ جب سے میں نے ان ایتوں کے بارے میں حضور اکرم ﷺ سے پوچھا تھا اس کے بعد مجھ سے کسی نے اس کے متعلق نہیں پوچھا صرف تم نے پوچھا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے مجھے جواب میں فرمایا کہ ''ھذہ'' یعنی یہ محاسبہ اور یہ سزا جو دونوں ایتوں میں مذکور ہے اس سے اللہ تعالیٰ کی اس سرزنش کی طرف اشارہ ہے جو آدمی کو بخار کی صورت میں ہوجاتی ہے یا کسی اور مصیبت کی صورت میں ہوجاتی ہے۔ یہاں تک کہ قمیص کی آستین میں اگر کوئی معمولی چیز رکھی ہو اور وہ گر کر گم ہوجائے اور آدمی اس وجہ سے پریشان ہوجائے یہ تمام چیزیں ان قلبی خیالات اور ان چھوٹے اعمال کا بدلہ ہے یہاں تک کہ ان چھوٹی سزاؤں سے آدمی گناہوں سے اس طرح پاک صاف ہوکر نکھر جاتا ہے جس طرح سونا بھٹی سے صاف وشفاف نکل آتا ہے۔[1]

''معاتبتہ'' دو دوستوں کے درمیان محبت کے باوجود شکر رنجی اور سرزنش کو عتاب کہتے ہیں۔[2]

''نکبۃ'' تکلیف ومصیبت اور حوادثات کے معنی میں ہے ''بضاعۃ'' معمولی سامان کو کہتے ہیں۔[3]

''ید قمیصہ'' قمیص کے ہاتھ سے مراد آستین ہے پہلے زمانے میں آستین میں سامان رکھنے کے لئے جیب ہوتا تھا اس میں سامان رکھا جاتا تھا پھر جیب سامنے سینہ پر آگیا پھر پہلو میں آگیا اور اب شلوار میں بھی ہونے لگا ہے۔[4]

﴿۳۶﴾ وَعَنْ أَبِي مُوسٰى أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يُصِيبُ عَبْداً نَكْبَةٌ فَمَا فَوْقَهَا أَوْ دُونَهَا إِلَّا بِذَنْبٍ وَمَا يَعْفُو اللّٰهُ عَنْهُ أَكْثَرُ وَقَرَأَ وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[5]

ترجمہ: اور حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''بندہ کو جو معمولی ایذاء پہنچتی ہے یا کوئی تکلیف پہنچتی ہے خواہ وہ کم ہو یا زیادہ ہو، یہ اس کے گناہوں کا ثمرہ ہوتا ہے اور وہ گناہ جنہیں اللہ تعالیٰ (بغیر سزاء دیئے) دنیا وآخرت میں بخش دیتا ہے ان گناہوں سے بہت زیادہ ہوتے ہیں جن پر وہ سزا دیتا ہے اور آنحضرت ﷺ نے ایت پڑھی جس کا ترجمہ یہ ہے ''اور از قسم مصیبت جو چیز تمہیں پہنچتی ہے وہ تمہارے ہی ہاتھوں کی پیدا کی ہوئی ہے اور اللہ تعالیٰ بہت سے (گناہوں یا گناہ

---

[1] المرقات: ۴/۳۵ [2] المرقات: ۴/۳۵ [3] المرقات: ۴/۳۶ [4] المرقات: ۴/۳۶ [5] اخرجہ الترمذی: ۳۲۵۲

گاروں) کو معاف فرمادیتا ہے۔ (ترمذی)

توضیح: یعنی جو کچھ تکلیف تم کو پہنچی ہے یہ تمہارے برے اعمال کی وجہ سے ہے اور اللہ تعالیٰ بہت سارے گناہوں سے درگذر کر کے معاف فرماتا ہے لہٰذا اگر راحت وسکون چاہتے ہو تو گناہوں سے باز آجاؤ۔ اس سے معلوم ہوا کہ آزمائش اور حوادثات گناہوں کی وجہ سے آتے ہیں۔ لیکن جو لوگ بظاہر بڑے گناہوں کے مرتکب نہیں ہوتے ان پر اگر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ ان کے لئے امتحان اور رفع درجات کا ذریعہ ہوتی ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ بعض آسمانی آفات وحوادثات ایسے ہوتے ہیں جن کا کوئی سبب معلوم نہیں ہوتا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی حکمت کے تحت ہوتے ہیں۔ اور بعض آفات ایسے ہوتے ہیں جن کے لئے کوئی ظاہری سبب ہوتا ہے یہ انسان کی اپنی طرف سے کوتاہیوں کا نتیجہ ہوتا ہے۔ [1]

بیماری میں تندرستی کے اعمال جاری رہتے ہیں

﴿۳۷﴾ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا كَانَ عَلٰى طَرِيْقَةٍ حَسَنَةٍ مِنَ الْعِبَادَةِ ثُمَّ مَرِضَ قِيْلَ لِلْمَلَكِ الْمُوَكَّلِ بِهٖ أُكْتُبْ لَهٗ مِثْلَ عَمَلِهٖ إِذَا كَانَ طَلِيْقًا حَتّٰى أُطْلِقَهٗ أَوْ أَكْفِتَهٗ إِلَيَّ۔ [2]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب بندہ عبادت کے نیک راستہ پر ہوتا ہے اور پھر بیمار ہو جاتا ہے (اور اس عبادت کے کرنے پر قادر نہیں رہتا) تو اس فرشتہ سے جو اس بندہ پر (اس کے نیک اعمال لکھنے پر) متعین ہوتا ہے کہا جاتا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) کہ اس بندہ کے لئے (اس کے نامۂ اعمال میں، اس عمل کے مثل لکھو جو وہ تندرستی کی حالت میں کیا کرتا تھا، یہاں تک کہ میں اسے تندرستی عطا کروں یا اسے (اپنے پاس بلالوں)۔

توضیح: اس قسم کی حدیث پہلے نمبر ۲۲ میں گذر چکی ہے اور اس کی توضیح بھی ہو چکی ہے مطلب یہ کہ بیمار کے بارے میں اللہ تعالیٰ نامہ اعمال لکھنے والے فرشتوں کو حکم دیتا ہے کہ یہ بیمار تندرستی کی حالت میں عبادت کیا کرتا تھا اس کو اب بھی جاری رکھو اگرچہ وہ عمل اب نہیں ہو رہا، یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے۔ "اکفتہ" یہ ضرب یضرب سے واحد متکلم کا صیغہ ہے کسی چیز کے سمیٹنے کو کہتے ہیں مراد موت ہے۔

"طلیقا" یعنی جس وقت یہ شخص بیماری سے آزاد تھا طلیق اور مطلق آزاد کے معنی میں ہے۔ [3]

"اطلقہ" یعنی اس کو بیماری سے چھڑا کر آزاد کردوں باب افعال سے واحد متکلم کا صیغہ ہے۔ [4]

"اکفتہ" ہمزہ مفتوح ہے کفت ضرب یضرب سے سمیٹنے کے معنی میں ہے مراد موت دینا ہے۔ [5]

﴿۳۸﴾ وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا ابْتُلِيَ الْمُسْلِمُ بِبَلَاءٍ فِيْ جَسَدِهٖ

---

[1] المرقات: ۴/۳۷ [2] اخرجہ [3] المرقات: ۴/۳۸ [4] المرقات: ۴/۳۸ [5] المرقات: ۴/۳۸

قِيْلَ لِلْمَلَكِ أُكْتُبْ لَهُ صَالِحَ عَمَلِهِ الَّذِيْ كَانَ يَعْمَلُ فَإِنْ شَفَاهُ غَسَّلَهُ وَطَهَّرَهُ وَإِنْ قَبَضَهُ غَفَرَ لَهُ وَرَحِمَهُ. (رَوَاهُمَا فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''جب کوئی مسلمان جسمانی بیماری میں مبتلا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ (اس بندہ کی نیکی لکھنے والے) فرشتہ سے فرماتا ہے کہ اس کے نامۂ اعمال میں تم وہی نیک عمل لکھتے رہو جو یہ (اس بیماری سے پہلے) کرتا تھا چنانچہ اگر اللہ تعالیٰ نے اس مسلمان کو شفا دی تو اس کے گناہوں کو دھوتا ہے اور پاک کرتا ہے، اور اگر اسے اٹھالیتا ہے تو اس کو بخشتا ہے اور اس پر رحم فرماتا ہے''۔ یہ دونوں روایتیں بغوی رحمہ اللہ نے شرح السنۃ میں نقل کی ہیں۔

شہداء کے اقسام

﴿۳۹﴾ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَتِيْكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلشَّهَادَةُ سَبْعٌ سِوَى الْقَتْلِ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ اَلْمَطْعُوْنُ شَهِيْدٌ وَالْغَرِيْقُ شَهِيْدٌ وَصَاحِبُ ذَاتِ الْجَنْبِ شَهِيْدٌ وَالْمَبْطُوْنُ شَهِيْدٌ وَصَاحِبُ الْحَرِيْقِ شَهِيْدٌ وَالَّذِيْ يَمُوْتُ تَحْتَ الْهَدْمِ شَهِيْدٌ وَالْمَرْأَةُ تَمُوْتُ بِجُمْعٍ شَهِيْدٌ.

(رَوَاهُ مَالِكٌ وَأَبُوْ دَاوُدَ وَالنِّسَائِيُّ)[2]

ترجمہ: اور حضرت جابر ابن عتیک رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''اس شہادت کے علاوہ جو خدا کی راہ میں ہو شہادت کی دیگر سات قسمیں ہیں ① جو شخص طاعون میں مرے شہید ہے ② جو شخص ڈوب کر مرجائے شہید ہے ③ جو شخص ذات الجنب میں مرے شہید ہے ④ جو شخص پیٹ کی بیماری (یعنی دست اور استسقاء) میں مرجائے شہید ہے ⑤ جو شخص جل کر مرجائے شہید ہے ⑥ جو شخص دیوار وغیرہ کے نیچے دب کر مرجائے شہید ہے ⑦ اور وہ عورت جو حالت حمل میں مرے شہید ہے''۔

(مالک، ابوداؤد، نسائی)

توضیح: مطلب یہ کہ حقیقی شہید تو وہی ہوتا ہے جو کفار سے مقابلہ کے دوران مارا جائے لیکن اس کے علاوہ حکمی شہداء کی تعداد سات ہے۔[3]

''ذات الجنب'' نمونیہ کی بیماری کو کہتے ہیں اس سے پہلو اور سینہ میں اور دل کے پاس پھنسیاں ہوجاتی ہیں جس سے مریض کھانستا رہتا ہے اور سانس رکتا ہے۔[4]

''بجمع'' یہ لفظ مجموع کی طرف اشارہ کرتا ہے مراد وہ عورت ہے جو پیٹ میں بچہ کے ساتھ مرجائے اس سے حالت زچگی کے تمام احوال مراد ہیں خواہ ولادت سے پہلے حالت حمل میں مرجائے یا دردزہ میں مرجائے یا ولادت کے بعد چالیس دن کے اندر اندر مرجائے یہ تمام صورتیں حکمی شہادت کی ہیں۔[5]

[1] اخرجه [2] اخرجه مالك: ۱۶۱، ابوداؤد: ۳۱۱۱ والنسائی: ۴/۱۳ [3] المرقات: ۴/۳۹ [4] المرقات: ۴/۳۹ [5] المرقات: ۴/۳۹

بڑے درجوں والے پر بڑی مصیبت آتی ہے

﴿۴۰﴾ وَعَنْ سَعْدٍ قَالَ سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّ النَّاسِ اَشَدُّ بَلَاءً قَالَ الْاَنْبِيَاءُ ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ يُبْتَلَى الرَّجُلُ عَلَى حَسَبِ دِيْنِهٖ فَاِنْ كَانَ فِيْ دِيْنِهٖ صُلْباً اشْتَدَّ بَلَاءُهٗ وَاِنْ كَانَ فِيْ دِيْنِهٖ رِقَّةٌ هُوِّنَ عَلَيْهِ فَمَا زَالَ كَذٰلِكَ حَتّٰى يَمْشِيَ عَلَى الْاَرْضِ مَا لَهٗ ذَنْبٌ.

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ لوگوں میں کون شخص (محنت ومصیبت کی) زیادہ سخت بلاء میں مبتلا ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ "انبیاء، پھر وہ لوگ جو انبیاء سے بہت زیادہ مشابہ ہوں، پھر وہ لوگ جوان لوگوں سے بہت زیادہ مشابہ ہوں (پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) انسان اپنے دین کے مطابق (مصیبت میں) مبتلا کیا جاتا ہے، چنانچہ اگر کوئی شخص اپنے دین میں سخت ہوتا ہے تو اس کی مصیبت بھی سخت ہوتی ہے اور اگر کوئی شخص اپنے دین میں نرم ہوتا ہے تو اس کی مصیبت بھی ہلکی ہوتی ہے، (لہٰذا اپنے دین میں سخت شخص، اسی طرح ہمیشہ (مصیبت وبلاء میں گرفتار رہتا ہے) جس کی وجہ سے اس کی مغفرت ہوتی ہے، یہاں تک کہ وہ زمین پر اس حال میں چلتا ہے کہ اس کے نامۂ اعمال میں کوئی گناہ نہیں ہوتا"۔
(ترمذی، ابن ماجہ، دارمی) امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے"۔

توضیح: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ انبیاء کرام پر سب سے زیادہ مصائب آتے ہیں ان میں بھی جو زیادہ اونچے مقام پر ہوتے ہیں ان پر زیادہ مشقتیں آپڑتی ہیں۔

چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء سے زیادہ ستائے گئے اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام بہت اونچا تھا تو حصہ بقدر جثہ ہوتا ہے اور بلندی درجات کی بنیاد پر مصائب آتی ہیں جس طرح دورۂ حدیث کے طلباء کا امتحان ان کے معیار کے مطابق ہوتا ہے اور درجہ اولیٰ کے طلباء کا امتحان ان کے معیار پر ہوتا ہے۔

اسی طرح انبیاء کے بعد انبیاء کے وارثین علماء اولیاء اور صلحاء کا معاملہ ہے۔[2]

"**یبتلی الرجل**" اس سے سابقہ جملہ کی تشریح وتوضیح اور تفسیر مقصود ہے۔[3]

"**صلبا**" تصلب سختی اور مضبوطی کے معنی میں ہے کہ دین میں مضبوط ہے۔[4]

"**رقة**" یعنی دین نرم ہے ایمان کمزور ہے معیار کم ہے۔[5] "**هون**" نرمی کرنے اور سہولت دینے کے معنی میں ہے۔[6]
اللہ تعالیٰ نے اپنی بڑی رحمت اور بڑی حکمت کے تحت اس طرح آسانی فرمادی ہے ورنہ اگر یہ امتحان وآزمائش سب کے لئے ایک طرح پر ہوتا تو بہت سارے کمزور ایمان والے ایمان کو خیر باد کہہ دیتے۔

---

[1] اخرجه الترمذی: ۲۰۷۸ وابن ماجه ۱۴۳۸ [2] المرقات: ۴/۳۹، ۴/۴۰ [3] المرقات: ۴/۴۰
[4] المرقات: ۴/۴۰ [5] المرقات: ۴/۴۰ [6] المرقات: ۴/۴۰

موت کی سختی بری چیز نہیں ہے

﴿۴۱﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا أَغْبِطُ أَحَداً بِهَوْنِ مَوْتٍ بَعْدَ الَّذِيْ رَأَيْتُ مِنْ شِدَّةِ مَوْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ”جب سے میں نے رسول کریم ﷺ کی موت کی سختی کو دیکھا ہے، کسی کی موت کی آسانی پر رشک نہیں کرتی ہوں“۔ (ترمذی، نسائی)

توضیح: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے کلام کا مطلب یہ ہے کہ میں پہلے موت کی سختی اور حالت نزع کی تکلیف کو مسلمان کے لئے بری چیز سمجھتی تھی لیکن جب حضور اکرم ﷺ پر حالت نزع کی تکلیف کو دیکھ لیا تو اب میں کسی شخص کی موت کی آسانی پر رشک نہیں کرتی ہوں کیونکہ یہ درجات کی بلندی کا ذریعہ ہے۔

”اغبط“ رشک کرنے کے معنی میں ہے ”ھون“ یہ نرمی اور آسانی وسہولت کے معنی میں ہے۔[۲]

سکرات الموت میں آنحضرت ﷺ کا عمل

﴿۴۲﴾ وَعَنْهَا قَالَتْ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ بِالْمَوْتِ وَعِنْدَهُ قَدَحٌ فِيْهِ مَاءٌ وَهُوَ يُدْخِلُ يَدَهُ فِي الْقَدَحِ ثُمَّ يَمْسَحُ وَجْهَهُ ثُمَّ يَقُوْلُ أَللّٰهُمَّ أَعِنِّيْ عَلٰى مُنْكَرَاتِ الْمَوْتِ أَوْ سَكَرَاتِ الْمَوْتِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)[۳]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ”میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ جب آپ سکرات الموت میں مبتلا تھے آپ کے پاس ایک پیالہ رکھا ہوا تھا جس میں پانی تھا، آپ ﷺ پیالہ میں اپنا ہاتھ ڈبوتے پھر اپنا ہاتھ چہرہ مبارک پر پھیرتے اور یہ فرماتے تھے **اللھم اعنی علی منکرات الموت او سکرات الموت** اے اللہ: موت کی سختی دور کرنے کے ساتھ میری مدد فرما، یا ”موت کی سختی“ کی بجائے ”موت کی شدت“ فرماتے۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

توضیح: ”سکرات“ سکرۃ کی جمع ہے اس سے مراد موت کی شدت ہے۔[۴]

حضور اکرم ﷺ پیالہ سے پانی لیکر چہرہ انور پر تر ہاتھ اس لئے پھیرتے تھے تاکہ جان کنی کی وجہ سے بدن مبارک میں جو حرارت پیدا ہوگئی تھی اس میں تخفیف آجائے۔ آنحضرت ﷺ پر نزع کی یہ تکلیف اس لئے آئی تاکہ اس میں امت کو ایک نمونہ مل جائے کہ حالت نزع کی تکلیف ایک طبعی چیز ہے اگر کسی پر آجائے تو وہ حضور اکرم ﷺ کی حالت کو یاد کر کے تسلی حاصل کرے اور مایوسی کا شکار نہ ہو۔

[۱] اخرجه الترمذی: ۹۷۹، والنسائی [۲] المرقات: ۴/۴۰ [۳] اخرجه الترمذی: ۹۷۸ [۴] المرقات: ۴/۴۱

دنیا کی سزا آخرت کی سزا سے بہتر ہے

﴿۴۳﴾ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَرَادَ اللّٰهُ بِعَبْدِهِ الْخَيْرَ عَجَّلَ لَهُ الْعُقُوْبَةَ فِي الدُّنْيَا وَإِذَا أَرَادَ اللّٰهُ بِعَبْدِهِ الشَّرَّ أَمْسَكَ عَنْهُ بِذَنْبِهِ حَتّٰى يُوَافِيَهُ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندہ کی بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اسے اس کے گناہوں کی سزا جلدی ہی دنیا میں دے دیتا ہے اور جب اپنے کسی بندہ کی برائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے گناہوں کی سزا کو روکے رکھتا ہے یہاں تک کہ قیامت کے دن اس کو اس کے گناہوں کی پوری پوری سزا دے گا۔ (ترمذی)

راضی برضاالٰہی رہنا چاہئے

﴿۴۴﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ عُظْمَ الْجَزَاءِ مَعَ عِظَمِ الْبَلَاءِ وَإِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ إِذَا أَحَبَّ قَوْمًا ابْتَلَاهُمْ فَمَنْ رَضِيَ فَلَهُ الرِّضَا وَمَنْ سَخِطَ فَلَهُ السَّخَطُ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)[2]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "بڑی مصیبتوں کے بدل بڑا اجر ہے، اور جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو پسند کرتا ہے تو اسے (مصیبتوں میں) مبتلا کر دیتا ہے چنانچہ جو (مصائب وبلاء) میں راضی رہا تو اس کے لئے (اللہ تعالیٰ کی) رضا ہے اور جو شخص (مصیبت کے ابتلاء سے) ناراض رہا تو اس کے لئے اللہ کی ناراضگی ہے"۔ (ترمذی وابن ماجہ)

توضیح: اس حدیث میں مصیبت کے وقت انسان کی زندگی کے دو پہلوؤں کو ذکر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی انسان سے خوش ہوتا ہے تو اس کو بھی مصیبت میں مبتلا کر دیتا ہے اور جس سے ناراض ہوتا ہے اس کو بھی مصیبت میں مبتلا کرتا ہے۔

اس حدیث میں صرف اول پہلو کا ذکر کیا گیا ہے لیکن دوسرا رخ بھی کلام کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے حدیث کا حاصل ومطلب یہ ہے کہ مصیبت کے وقت اگر بندہ راضی برضاالٰہی رہتا ہے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بندے سے خوش اور راضی ہے اور اگر مصیبت کے وقت انسان راضی برضاالٰہی نہیں رہتا بلکہ شکایت کرتا رہتا ہے اور مصیبت کے وقت ناراضگی اور ناخوشی کا اظہار کرتا ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بندے سے خوش نہیں ہے۔

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کا محبوب شخص مصیبتوں میں گھرا رہتا ہے اور وہ اس پر صبر کرتا ہے اور اجر پاتا ہے۔[3]

---

[1] اخرجه الترمذی: ۲۳۹۶ [2] اخرجه الترمذی: ۲۳۹۶ ابن ماجه ۴۰۳۱ [3] المرقات: ۴/۴۲

دنیوی مصیبت سے گناہ دھل جاتے ہیں

﴿۴۵﴾ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزَالُ الْبَلَاءُ بِالْمُؤْمِنِ أَوِالْمُؤْمِنَةِ فِيْ نَفْسِهٖ وَمَالِهٖ وَوَلَدِهٖ حَتّٰى يَلْقَى اللهَ وَمَا عَلَيْهِ مِنْ خَطِيْئَةٍ۔
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوٰى مَالِكٌ نَحْوَهٗ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''مؤمن مرد یا مؤمن عورت کی جان، اس کے مال اور اس کی اولاد کو ہمیشہ مصیبت و بلاء پہنچتی رہتی ہے یہاں تک کہ (جب) وہ (مرنے کے بعد) اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرتا ہے تو اس پر (یعنی اس کے نامہ اعمال میں) کوئی گناہ نہیں ہوتا (کیونکہ مصیبت و بلاء) کی وجہ سے اس کے تمام گناہ بخش دیئے جاتے ہیں) امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح کی روایت نقل کی ہے، نیز امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

بیماری قیامت میں نیک اعمال کا کام کریگی

﴿۴۶﴾ وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ خَالِدٍ السُّلَمِيِّ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا سَبَقَتْ لَهٗ مِنَ اللهِ مَنْزِلَةٌ لَمْ يَبْلُغْهَا بِعَمَلِهٖ ابْتَلَاهُ اللهُ فِيْ جَسَدِهٖ اَوْ فِيْ مَالِهٖ اَوْ فِيْ وَلَدِهٖ ثُمَّ صَبَّرَهٗ عَلٰى ذٰلِكَ حَتّٰى يُبَلِّغَهُ الْمَنْزِلَةَ الَّتِيْ سَبَقَتْ لَهٗ مِنَ اللهِ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْ دَاوُدَ)[2]

ترجمہ: اور حضرت محمد ابن خالد سلمی اپنے باپ سے اور وہ ان کے دادا (یعنی اپنے والد مکرم) سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''بندہ کے لئے اللہ تعالیٰ کی جانب سے (جنت میں) جو عظیم درجہ مقدر ہوتا ہے اور وہ اسے اپنے عمل کے ذریعہ حاصل نہیں کر سکتا تو اللہ تعالیٰ اس کے بدن یا اس کے مال یا اس کی اولاد کو (مصیبت میں) مبتلا کر دیتا ہے اور پھر اسے صبر کی توفیق عطا فرماتا ہے یہاں تک کہ اسے اس درجہ تک پہنچا دیتا ہے جو اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی جانب سے مقدر ہوتا ہے۔ (احمد، ابوداؤد)

توضیح: حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص ایک اندازے کے مطابق نیک اعمال کرتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا درجہ جنت میں اتنا بلند ہے کہ وہ اپنے نیک اعمال کی وجہ سے اس درجہ کو نہیں پا سکتا تو اللہ تعالیٰ اس شخص کو بیماری میں مبتلا کر دیتا ہے تا کہ وہ جنت کے اس عالی مقام کو پالے جو اس کے لئے پہلے سے اللہ تعالیٰ نے مقرر فرما دیا ہے۔

بڑھاپے سے بچنا ممکن نہیں ہے

﴿۴۷﴾ وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ شِخِّيْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُثِّلَ ابْنُ آدَمَ وَاِلٰى

[1] اخرجه الترمذی: ۲۳۹۹ ومالك
[2] اخرجه احمد ۵/۲۷۲ وابوداؤد: ۳۰۹۰

جَنْبِهٖ تِسْعٌ وَتِسْعُوْنَ مَنِيَّةً إِنْ أَخْطَأَتْهُ الْمَنَايَا وَقَعَ فِي الْهَرَمِ حَتّٰى يَمُوْتَ۔
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن شخیر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "ابن آدم اس حال میں پیدا کیا گیا ہے کہ اس کے پہلو میں (یعنی اس کے قریب) ننانوے مہلک بلائیں ہیں اگر وہ بلائیں اسے نہیں پہونچتیں تو بڑھاپے میں مبتلا ہوتا ہے یہاں تک کہ مرجاتا ہے"۔ امام ترمذی نے یہ روایت نقل کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

توضیح: مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس حال میں پیدا کیا ہے کہ اس کے اردگرد ۹۹ مہلک اور تباہ کن بلائیں گھومتی ہیں اگر بالفرض وہ ان تمام بلاؤں سے بچ گیا تو بڑھاپا ایسی مصیبت اور بلا ہے کہ اس سے بچنا ممکن نہیں ہے بڑھاپا آئے گا اور پھر یہ شخص مریگا۔

دنیا میں صحت مند لوگ قیامت میں بیماری کی تمنا کریں گے

﴿۴۸﴾ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوَدُّ أَهْلُ الْعَافِيَةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حِيْنَ يُعْطٰى أَهْلُ الْبَلَاءِ الثَّوَابَ لَوْ أَنَّ جُلُوْدَهُمْ كَانَتْ قُرِضَتْ فِي الدُّنْيَا بِالْمَقَارِيْضِ۔
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "قیامت کے دن جبکہ مبتلائے مصیبت اشخاص بہت زیادہ اجر وثواب سے نوازے جائیں گے تو اہل عافیت (یعنی وہ لوگ جو دنیا میں مصیبت وبلاؤں سے محفوظ رہے اور ان کی زندگی بڑے عیش وعشرت میں گزری) یہ تمنا کریں گے کہ کاش: دنیا میں ان کے بدن کی کھال قینچیوں سے کاٹی جاتی (تا کہ جس طرح مبتلائے مصیبت آج اتنے زیادہ اجر وثواب سے نوازے جارہے ہیں اسی طرح ہمیں بھی بہت زیادہ ثواب ملتا) امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

توضیح: "قرضت" یہ مجہول کا صیغہ ہے قرض کاٹنے کے معنی میں ہے۔[3]

"بالمقاریض" یہ مقراض کی جمع ہے جو قینچی کے معنی میں ہے کہتے ہیں "القرض مقراض المحبة"۔[4]

مطلب یہ ہے کہ جب قیامت کے روز بیمار لوگوں کو بیماری کی وجہ سے ثواب ملنا شروع ہوجائے گا تو وہ لوگ جن کو دنیا میں کبھی کوئی تکلیف اور بیماری نہیں پہنچی ہے وہ تمنا کریں گے کہ کاش دنیا میں بیماری کی وجہ سے ہماری کھالوں کو قینچی سے کاٹ کاٹ کر رکھ دیا جاتا، تا کہ آج ہمیں اس کا یہ اجر ملتا لیکن اب یہ تمنا بے فائدہ ہوگی۔

الآن قد ندمت ولم ينفع الندم

---

[1] اخرجه الترمذی: ۲۱۵۰، ۲۴۵۶ [2] اخرجه الترمذی: ۲۴۰۲ [3] المرقات: ۴/۴۵ [4] المرقات: ۴/۴۵

اب کیا پچھتائے ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت

عقلمند آدمی بیماری سے عبرت لیتا ہے

﴿۴۹﴾ وَعَنْ عَامِرِ الرَّامِ قَالَ ذَكَرَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْأَسْقَامَ فَقَالَ إِنَّ الْمُؤْمِنَ إِذَا أَصَابَهُ السُّقْمُ ثُمَّ عَافَاهُ اللهُ عَزَّوَجَلَّ مِنْهُ كَانَ كَفَّارَةً لِمَا مَضٰى مِنْ ذُنُوْبِهٖ وَمَوْعِظَةً لَهٗ فِيْمَا يَسْتَقْبِلُ وَإِنَّ الْمُنَافِقَ إِذَا مَرِضَ ثُمَّ أُعْفِيَ كَانَ كَالْبَعِيْرِ عَقَلَهٗ أَهْلُهٗ ثُمَّ أَرْسَلُوْهُ فَلَمْ يَدْرِ لِمَ عَقَلُوْهُ وَلِمَ أَرْسَلُوْهُ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللهِ وَمَا الْأَسْقَامُ وَاللهِ مَا مَرِضْتُ قَطُّ فَقَالَ قُمْ عَنَّا فَلَسْتَ مِنَّا۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)[1]

ترجمہ: اور حضرت عامر رام رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے (ایک مرتبہ) بیماریوں کا ذکر کیا چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "مؤمن جب کسی بیماری میں مبتلا ہوتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ اسے اس بیماری سے نجات دیتا ہے تو وہ بیماری (نہ صرف یہ کہ) اس کے پچھلے گناہوں کا کفارہ ہوتی ہے (بلکہ) زمانہ آئندہ کے لئے باعث نصیحت (بھی) ہوتی ہے۔ (یعنی بیماری اسے متنبہ کرتی ہے، چنانچہ وہ آئندہ گناہوں سے بچتا ہے) اور جب منافق بیمار ہوتا ہے اور پھر اسے بیماری سے نجات دی جاتی ہے تو اس کی مثال اس اونٹ کی سی ہوتی ہے جسے اس کے مالک نے باندھا اور پھر چھوڑ دیا اور اونٹ نے یہ نہ جانا کہ مالک نے اسے کیوں باندھا تھا اور کیوں چھوڑ دیا؟ (یہ سن کر) ایک شخص نے عرض کیا کہ "یارسول اللہ: بیماری کیا چیز ہے؟ قسم بخدا! میں تو کبھی بھی بیمار نہیں ہوا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہمارے پاس سے اٹھ کھڑے ہو تم ہم میں سے نہیں ہو۔ (ابوداؤد)

توضیح: اس حدیث کا مطلب واضح ہے حضور ﷺ کے ارشاد کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک دن حضور اکرم ﷺ نے بیماریوں کا تذکرہ فرمایا اور مؤمن اور منافق کی بیماری اور پھر تندرست ہونے کا ذکر فرمایا کہ مؤمن کی بیماری ان کے گذشتہ گناہوں کے لئے کفارہ ہوتی ہے اور آئندہ کے لئے باعث عبرت ونصیحت بنتی ہے اور وہ توبہ واستغفار کرتا ہے لیکن منافق جب بیمار ہوتا ہے اور پھر تندرست ہوتا ہے تو وہ اس بیماری سے کوئی عبرت اور نصیحت حاصل نہیں کرتا بلکہ ایک حیوان مثلاً اونٹ کی طرح ہوتا ہے کہ اس کو مالک نے باندھا کیوں اور پھر کھولا کیوں؟ منافق نہ توبہ کرتا ہے نہ عبرت لیتا ہے نہ استغفار کرتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی مجلس میں ایک شخص نے پوچھا کہ یارسول اللہ! یہ بیماری کیا چیز ہوتی ہے؟ میں تو کبھی بیمار نہیں ہوا حضور ﷺ نے فرمایا ہمارے پاس سے چلے جاؤ کیونکہ تم مصائب وآفات کے اعتبار سے ہمارے طریقہ پر نہیں ہو یعنی اگرچہ باقی اسلام پر قائم ہو کافر نہیں ہو لیکن اس خاص شعبہ میں مسلمانوں کے طریقہ پر نہیں ہو کیونکہ مسلمان آفات وبلایا میں مبتلا ہوتا ہے۔[2]

---

[1] اخرجہ ابوداؤد: ۳۰۸۹ [2] المرقات: ۴/۳۶ الکاشف: ۳/۳۲۶

عیادت کے وقت بیمار کو تسلی دیا کرو

﴿۵۰﴾ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلْتُمْ عَلَى الْمَرِيضِ فَنَفِّسُوا لَهُ فِي أَجَلِهِ فَإِنَّ ذٰلِكَ لَا يَرُدُّ شَيْئًا وَيُطَيِّبُ بِنَفْسِهِ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَة وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جب تم مریض کے پاس (اس کا حال پوچھنے کے لئے) جاؤ تو اس کی زندگی کے بارے میں اس کا غم دور کرو (یعنی تسلی وتشفی دلاؤ کہ فکر وغم نہ کرو تم جلد ہی صحت یاب ہو جاؤ گے اور تمہاری عمر دراز ہوگی) اس لئے کہ یہ (تسلی وتشفی اگرچہ) کسی چیز کو (یعنی مقدر کے لکھے کو) ٹال نہیں سکتی (مگر) مریض کا دل (ضرور) خوش ہوتا ہے۔ (ترمذی ابن ماجہ) امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

توضیح: ''فنفسوا له'' تنفیس یہاں غم دور کرنے اور تسلی دینے کے معنی میں ہے مطلب یہ کہ جب تم کسی مریض کی بیمار پرسی کرو تو عیادت کے دوران مریض کو اس کی زندگی کے بارے میں تسلی دیا کرو کہ آپ تو بالکل ٹھیک ہیں کوئی فکر کی بات نہیں آپ کو اللہ تعالیٰ بہت جلد صحت عطا فرما دیگا، اس تسلی سے تقدیر کا فیصلہ بدلتا نہیں لیکن مریض خوش ہو جاتا ہے اور تسلی دینے والے کا کوئی پیسہ خرچ بھی نہیں ہوتا۔[2]

انسان کی طبیعت عجیب ہے یہ جو کچھ سنتا ہے کچھ نہ کچھ اثر قبول کرتا ہے اور ''من یسمع یخل'' ایک کہاوت ہے کہ آدمی جب کچھ سنتا ہے تو کچھ نہ کچھ سوچ میں پڑ جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر اور ہوشیار طبیب مریض کو خوفناک صورت حال سے آگاہ نہیں کرتے ہیں۔ حضرت اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق ایک قصہ مشہور ہے کہ آپ کے خادم نے آپ کی بیماری کی کیفیت ایک طبیب کے سامنے بیان کی، طبیب نے کہا کہ اس کیفیت کا آدمی اب تک کس طرح زندہ ہے؟ یہ تو سخت تشویش ناک صورت حال ہے۔ خادم نے آکر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے وہی الفاظ دہرا دیئے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بہت پریشان ہوئے اور فرمایا کہ یہ طبیب بے عقل ہے مریض کے بارے میں اس طرح نہیں کہنا چاہئے اب تم جاؤ اور کچھ دور جا کر واپس آجاؤ اور مجھ سے کہدو کہ طبیب نے کہا ہے کہ آپ کی حالت اچھی ہے کوئی پریشانی کی ضرورت نہیں ہے جب حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے خادم نے آکر یہ جملے کہہ دیئے تو آپ ہشاش بشاش ہو کر خوش ہو گئے زیر بحث حدیث اسی حکمت پر مبنی ہے۔

ہیضہ سے مرنے والے کی فضیلت

﴿۵۱﴾ وَعَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ صُرَدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَتَلَهُ بَطْنُهُ لَمْ

[1] اخرجه الترمذی: ۲۰۸۷ وابن ماجه ۱۴۳۸ [2] المرقات: ۴/۴۷

يُعَذَّبُ فِيْ قَبْرِهِ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت سلیمان ابن صرد رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص پیٹ کی بیماری (مثلاً دست واستسقاء وغیرہ) میں مر گیا تو اسے اس کی قبر کے عذاب میں مبتلا نہیں کیا جائے گا"۔ (احمد وترمذی) امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

الفصل الثالث

غیر مسلم کی عیادت کے چند فوائد کا ذکر

﴿۵۲﴾ عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ غُلَامٌ يَهُوْدِيٌّ يَخْدِمُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَرِضَ فَأَتَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُوْدُهُ فَقَعَدَ عِنْدَ رَأْسِهِ فَقَالَ لَهُ أَسْلِمْ فَنَظَرَ إِلٰى أَبِيْهِ وَهُوَ عِنْدَهُ فَقَالَ أَطِعْ أَبَا الْقَاسِمِ فَأَسْلَمَ فَخَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَقُوْلُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ أَنْقَذَهُ مِنَ النَّارِ۔
(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[۲]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک یہودی لڑکا تھا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتا تھا۔ جب وہ بیمار ہوا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس تشریف لے گئے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی عیادت کی اور اس کے سر کے قریب بیٹھ گئے اور اس سے فرمایا کہ "تم مسلمان ہو جاؤ۔ لڑکے نے اپنے باپ کی طرف دیکھا جو اس کے قریب ہی بیٹھا ہوا تھا، اس کے باپ نے کہا کہ "ابوالقاسم (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کا حکم مانو، چنانچہ وہ لڑکا مشرف بہ اسلام ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے ہوئے باہر نکلے کہ "حمد وثنا اس خدا کی جس نے اس لڑکے کو (اسلام کے ذریعہ) آگ سے نجات دی۔ (بخاری)

توضیح: "فنظر الی ابیہ" اس نوجوان نے اپنے باپ کی طرف ان سے اجازت مانگنے کی غرض سے دیکھا باپ اگرچہ یہودی تھا مگر وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت جانتا تھا اور حالت نزع میں بیٹے کے لئے ان کا دل نرم بھی ہو چکا تھا اس لئے اس نے مسلمان ہونے کی اجازت بیٹے کو دیدی۔[۳]

فوائد اس حدیث سے چند فوائد معلوم ہوتے ہیں۔

پہلا فائدہ: یہ کہ ذمی یہودی کی عیادت جائز ہے بلکہ عام یہود کی عیادت میں مضائقہ نہیں ہے کتاب خزانہ میں ایسا ہی لکھا ہے۔ البتہ مجوسیوں کی عیادت میں علماء کا اختلاف ہے بعض جائز اور بعض ناجائز کہتے ہیں اسی طرح راجح یہ ہے کہ فاسق کی عیادت کے لئے جانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

دوسرا فائدہ: یہ ہے کہ خدمت کے لئے کسی یہودی کو رکھنا جائز ہے بشرطیکہ کوئی خارجی مانع نہ ہو۔

---

[۱] اخرجہ الترمذی: ۱۰۶۴ واحمد ۴/۲۶۲ [۲] اخرجہ البخاری [۳] المرقات: ۴/۴۸

تیسرا فائدہ: یہ کہ عیادت کرنے والے کو چاہئے کہ مریض کے سراہنے کے پاس بیٹھ جائے جس طرح حضور اکرم ﷺ بیٹھ گئے۔[1]

چوتھا فائدہ: یہ ہے کہ حتی الوسع کسی انسان کی خیر خواہی کرنی چاہئے زندگی کے آخری لمحہ میں ہدایت نصیب ہوسکتی ہے۔

پانچواں فائدہ: یہ کہ چھوٹوں کو چاہئے کہ بڑوں سے ہر فیصلہ میں اجازت لینے کی کوشش کیا کریں۔

چھٹا فائدہ: یہ ہے کہ بڑوں کو اپنے چھوٹوں پر جبر نہیں کرنی چاہئے۔

ساتواں فائدہ: یہ کہ کسی کافر کے مسلمان ہوجانے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے۔

آٹھواں فائدہ: یہ ہے کہ نابالغ لڑکے کا اسلام قبول کرنا معتبر ہے جیسا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک ہے اس خوش قسمت لڑکے کا نام عبد القدوس تھا۔[2]

عیادت کرنے والے کو فرشتے دعا دیتے ہیں

﴿۵۳﴾ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ عَادَ مَرِيْضًا نَادٰى مُنَادٍ مِنَ السَّمَاءِ طِبْتَ وَطَابَ مَمْشَاكَ وَتَبَوَّأْتَ مِنَ الْجَنَّةِ مَنْزِلًا۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَة)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جب کوئی شخص بیمار کی عیادت کرتا ہے تو پکارنے والا (یعنی فرشتہ) آسمان سے پکار کر کہتا ہے کہ "خوشی ہو تمہیں دنیا و آخرت میں اچھا ہو چلنا تیرا (آخرت میں یا دنیا میں) اور حاصل ہو تجھے بہشت کا ایک بڑا درجہ و مرتبہ"۔ (ابن ماجہ)

مریض کے بارے میں لوگوں کو حوصلہ افزا بات بتانا چاہئے

﴿۵۴﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِنَّ عَلِيًّا خَرَجَ مِنْ عِنْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ وَجَعِهِ الَّذِيْ تُوُفِّيَ فِيْهِ فَقَالَ النَّاسُ يَا اَبَا الْحَسَنِ كَيْفَ اَصْبَحَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَصْبَحَ بِحَمْدِ اللّٰهِ بَارِئًا۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[4]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس وقت جبکہ آنحضرت ﷺ مرض الموت میں مبتلا تھے حضرت علی کرم اللہ وجہہ (جب) نبی کریم ﷺ کے پاس سے اٹھ کر باہر تشریف لائے تو لوگوں نے ان سے پوچھا کہ "ابوالحسن (یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کنیت تھی) آنحضرت ﷺ پر صبح کیسی گزری؟ انہوں نے فرمایا "خدا کا شکر ہے آپ ﷺ نے بیماری سے اچھے ہونے والے کی طرح صبح گزاری"۔ (یعنی شکر ہے کہ آپ ﷺ آج اچھے ہیں)۔ (بخاری)

توضیح: "بارئا" یعنی حضور اکرم ﷺ آج ٹھیک ہیں صحت مند ہیں بیماری کی حالت اچھی ہے یہ بات حضرت

[1] المرقات: ۴/۴۸ [2] المرقات: ۴/۴۸ [3] اخرجہ: ۱۴۴۳ [4] اخرجہ البخاری: ۶/۱۳

علی رضی اللہ عنہ نے اس وقت بتائی جب لوگوں نے آپ سے حضور اکرم ﷺ کی بیماری سے متعلق معلوم کرنا چاہا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کا حوصلہ باندھا کہ حضور اکرم ﷺ ٹھیک ہیں یہ جملہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے اندازے سے فرمایا ہوگا اور یا مایوسی کے باوجود بطور نیک فالی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایسا فرمایا حالانکہ حضور ﷺ کا اسی دن وصال ہو گیا تھا۔[۱]

بیماری پر صبر کرنا تندرست ہونے سے افضل ہے

﴿۵۵﴾ وَعَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ قَالَ قَالَ لِي ابْنُ عَبَّاسٍ أَلَا أُرِيكَ امْرَأَةً مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ قُلْتُ بَلَى قَالَ هٰذِهِ الْمَرْأَةُ السَّوْدَاءُ أَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللهِ إِنِّي أُصْرَعُ وَإِنِّي أَتَكَشَّفُ فَادْعُ اللهَ لِي فَقَالَ إِنْ شِئْتِ صَبَرْتِ وَلَكِ الْجَنَّةُ وَإِنْ شِئْتِ دَعَوْتُ اللهَ أَنْ يُعَافِيَكِ فَقَالَتْ أَصْبِرُ فَقَالَتْ إِنِّي أَتَكَشَّفُ فَادْعُ اللهَ أَنْ لَا أَتَكَشَّفَ فَدَعَا لَهَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۲]

ترجمہ: اور حضرت عطاء ابن ابی رباح فرماتے ہیں کہ (ایک دن) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا کہ کیا میں تمہیں ایک جنتی عورت نہ دکھلاؤں؟ میں نے عرض کیا کہ ہاں: (ضرور دکھلایئے) انہوں نے فرمایا کہ یہ ''کالی عورت (پھر فرمایا کہ ایک مرتبہ) یہ عورت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی کہ ''یارسول اللہ: میں مرگی کے مرض میں مبتلا ہوں (جب مرگی اٹھتی ہے) تو میں ڈرتی ہوں کہ کہیں حالت بیخودی میں) میرا ستر نہ کھل جائے لہٰذا آپ ﷺ اللہ تعالیٰ سے میرے لئے دعا کیجئے (کہ میری بیماری جاتی رہے) آپ ﷺ نے فرمایا ''اگر چاہو تو صبر کرو تا کہ تمہیں جنت ملے اور اگر چاہو تو میں دعا کروں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں شفاء دے'' عورت نے عرض کیا کہ میں صبر ہی کرونگی اور پھر کہنے لگی کہ ''مگر میں ستر کھل جانے سے ڈرتی ہوں، آپ اللہ سے بس یہ دعا کر دیجئے کہ (مرض کی شدت اور حالت بیخودی میں) میرا ستر نہ کھلے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اس کے لئے دعا فرمائی۔ (بخاری و مسلم)

توضیح: ''امرأة'' اس مبارک عورت کا نام سعیرہ یا سقیرہ یا سکیرہ تھا یہ حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی کنگھی کیا کرتی تھیں۔

اس خاتون کو حضور اکرم ﷺ نے صبر کی تلقین فرمائی اور صبر پر جنت کی بشارت سنائی۔[۳]

علماء اور صوفیاء کا ایک طبقہ اس طرف گیا ہے کہ ترک علاج افضل ہے علاج نہیں کرنا چاہئے لیکن امت کے عام فقہاء اس طرف گئے ہیں کہ علاج کرنا سنت اور جائز ہے ہاں واجب اور لازم نہیں ہے اصل بات یہ ہے کہ لوگوں کے طبائع اور اشغال مختلف ہوتے ہیں بعض طبیعتوں کے لئے علاج کرنا بہتر ہے اور بعض کے لئے نہ کرنا بہتر ہے نیز بعض لوگ دوسروں کے لئے نافع ہوتے ہیں مثلاً علماء ہیں تو ایسے لوگوں کے لئے بیماری کے بجائے صحت مند رہنا زیادہ بہتر ہے تا کہ مخلوق خدا کو نفع پہنچائیں۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ علاج کرنا جائز اور مسنون ہے۔[۴]

---

[۱] المرقات: ۴/۴۹ [۲] اخرجه البخاری: ۷/۱۵۰ و مسلم: ۸/۱۶ [۳] المرقات: ۴/۵۰ [۴] المرقات: ۴/۵۰

اس خاتون نے صبر کرنے اور بیمار رہنے کو ترجیح دی تاکہ جنت مل جائے لیکن ایک بات عرض کی کہ اس مرگی کے دورہ پڑنے کے وقت میں اپنے کپڑے پھاڑتی ہوں جس سے ستر کھل جاتا ہے آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی چنانچہ وہ عورت بیمار تو رہی لیکن کپڑے نہیں پھاڑتی تھیں۔[1]

﴿۵۶﴾ وَعَنْ يَحْيٰى بْنِ سَعِيْدٍ قَالَ إِنَّ رَجُلاً جَاءَهُ الْمَوْتُ فِيْ زَمَنِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَجُلٌ هَنِيْئًا لَهُ مَاتَ وَلَمْ يُبْتَلَ بِمَرَضٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيْحَكَ مَا يُدْرِيْكَ لَوْ أَنَّ اللّٰهَ ابْتَلَاهُ بِمَرَضٍ فَكَفَّرَ عَنْهُ مِنْ سَيِّئَاتِهِ۔ (رَوَاهُ مَالِكٌ مُرْسَلاً)[2]

ترجمہ: اور حضرت یحییٰ ابن سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کے زمانۂ اقدس میں ایک شخص کو (اچانک) موت نے آدبوچا ایک دوسرے شخص نے کہا کہ اسے موت مبارک ہو، اس طرح مرا کہ کسی مرض میں مبتلا نہ ہوا، یہ سن کر: آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ افسوس ہے تم پر تمہیں کیا معلوم؟ (یعنی بغیر مرض و بیماری کے اچانک مرجانے کو اچھا نہ سمجھو) اگر اللہ تعالیٰ اسے مرض کے ساتھ موت دیتا تو (مرض کے بعد بدلہ میں) اس کی خطائیں دور کردیتا''۔ (یہ روایت امام مالک رحمہ اللہ نے بطریق ارسال نقل کی ہے)۔

صابر مریض کی فضیلت

﴿۵۷﴾ وَعَنْ شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ وَالصُّنَابِحِيِّ أَنَّهُمَا دَخَلَا عَلٰى رَجُلٍ مَرِيْضٍ يَعُوْدَانِهِ فَقَالَا لَهُ كَيْفَ أَصْبَحْتَ قَالَ أَصْبَحْتُ بِنِعْمَةٍ قَالَ شَدَّادٌ أَبْشِرْ بِكَفَّارَاتِ السَّيِّئَاتِ وَحَطِّ الْخَطَايَا فَإِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يَقُوْلُ إِذَا أَنَا ابْتَلَيْتُ عَبْداً مِنْ عِبَادِيْ مُؤْمِناً فَحَمِدَنِيْ عَلٰى مَا ابْتَلَيْتُهُ فَإِنَّهُ يَقُوْمُ مِنْ مَضْجَعِهِ ذٰلِكَ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ مِنَ الْخَطَايَا وَيَقُوْلُ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى أَنَا قَيَّدْتُ عَبْدِيْ وَابْتَلَيْتُهُ فَأَجْرُوْا لَهُ مَا كُنْتُمْ تُجْرُوْنَ لَهُ وَهُوَ صَحِيْحٌ۔
(رَوَاهُ أَحْمَدُ)[3]

ترجمہ: اور شداد ابن اوس رضی اللہ عنہ اور حضرت صنابحی رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ یہ دونوں ایک بیمار شخص کے پاس گئے اور اس کی عیادت کی، چنانچہ دونوں نے مریض سے پوچھا کہ تم نے صبح کیسے گذاری؟ مریض نے کہا کہ میں نے (رضاء و تسلیم اور صبر و شکر کی) نعمت کے ساتھ صبح کی (یعنی مرض و تکلیف کی وجہ سے میں کبیدہ خاطر نہیں ہوں بلکہ رضاء بتقدیر اور صبر کے دامن کو پکڑے ہوئے ہوں جس کی وجہ سے میرا دل خوش و مطمئن ہے) حضرت شداد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ''گناہوں کے جھڑنے اور خطاؤں کے دور ہونے کی بشارت سے خوش ہو، کیونکہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ عز و جل فرماتا ہے کہ جب

[1] المرقات: ۴/۵۰ [2] اخرجہ مالک: ۲/۹۴۲ ح ۸ [3] اخرجہ احمد: ۴/۱۲۳

میں اپنے بندوں میں سے کسی بندۂ مؤمن کو (بیماری و مصیبت میں) مبتلا کرتا ہوں اور وہ بندہ اس ابتلاء پر (دلگیر و ناخوش نہیں ہوتا بلکہ) میری تعریف کرتا ہے تو وہ اپنے بستر علالت سے ایسا (گناہوں سے پاک وصاف ہو کر) اٹھتا ہے جیسا کہ وہ اس دن گناہوں سے پاک وصاف تھا جس روز اس کی ماں نے اسے جنا تھا، نیز پروردگار بزرگ و برتر (فرشتوں سے) فرماتا ہے کہ میں نے اپنے بندہ کو قید میں ڈالا ہے اور اسے آزمائش میں مبتلا کیا ہے، لہٰذا تم (اس کے نامۂ اعمال میں) وہ (نیک) اعمال لکھنا جاری رکھو جو تم اسکے زمانۂ تندرستی میں لکھنا جاری رکھتے تھے۔ (احمد)

مصیبت گناہوں کو ختم کرتی ہے

﴿۵۸﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَثُرَتْ ذُنُوْبُ الْعَبْدِ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ مَا يُكَفِّرُهَا مِنَ الْعَمَلِ ابْتَلَاهُ اللهُ بِالْحُزْنِ لِيُكَفِّرَهَا عَنْهُ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ)[1]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جب (کسی) بندہ کے گناہ بہت زیادہ ہو جاتے ہیں اور اس کے اعمال میں ایسا کوئی نیک عمل نہیں ہوتا جو ان کے گناہوں کو دور کرے تو اللہ تعالیٰ اسے غم وحزن میں مبتلا کر دیتا ہے تاکہ اس کے ذریعہ اس بندہ کے گناہوں کو دور کر دے"۔ (احمد)

عیادت کرنے کی عظیم فضیلت

﴿۵۹﴾ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ عَادَ مَرِيْضاً لَمْ يَزَلْ يَخُوْضُ الرَّحْمَةَ حَتّٰى يَجْلِسَ فَإِذَا جَلَسَ اغْتَمَسَ فِيْهَا۔ (رَوَاهُ مَالِكٌ وَأَحْمَدُ)[2]

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جب کوئی شخص کسی بیمار (کے پاس جاتا ہے اور اس کی عیادت کرتا ہے تو جب تک وہ بیٹھتا نہیں دریائے رحمت میں داخل رہتا ہے اور جب بیمار کے پاس بیٹھتا ہے تو دریائے رحمت میں ڈوب جاتا ہے"۔ (امام احمد و امام مالک)

پانی کے ذریعہ سے بخار کا علاج

﴿۶۰﴾ وَعَنْ ثَوْبَانَ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا أَصَابَ أَحَدَكُمُ الْحُمّٰى فَإِنَّ الْحُمّٰى قِطْعَةٌ مِنَ النَّارِ فَلْيُطْفِئْهَا عَنْهُ بِالْمَاءِ فَلْيَسْتَنْقِعْ فِيْ نَهْرٍ جَارٍ وَلْيَسْتَقْبِلْ جِرْيَتَهُ فَيَقُوْلُ بِسْمِ اللهِ أَللّٰهُمَّ اشْفِ عَبْدَكَ وَصَدِّقْ رَسُوْلَكَ بَعْدَ صَلَاةِ الصُّبْحِ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَلْيَنْغَمِسْ فِيْهِ ثَلَاثَ غَمَسَاتٍ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فَإِنْ لَمْ يَبْرَأْ فِيْ ثَلَاثٍ فَخَمْسٌ فَإِنْ لَمْ يَبْرَأْ فِيْ خَمْسٍ فَسَبْعٌ فَإِنْ لَمْ يَبْرَأْ

[1] اخرجه احمد: ۶/۱۵۷ [2] اخرجه احمد: ۳/۳۰۴ ومالك

فِیْ سَبْعٍ فَتِسْعٌ فَاِنَّهَا لَا تَكَادُ تُجَاوِزُ تِسْعًا بِاِذْنِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''جب تم میں سے کوئی شخص بخار میں مبتلا ہو اور وہ بخار (چونکہ) آگ کا ایک ٹکڑا ہے اس لئے اسے پانی سے بجھانا چاہیئے لہٰذا اس شخص کو (جو بخار میں مبتلا ہے) چاہیئے کہ وہ جاری نہر میں اترے اور پانی کے بہاؤ کی طرف کھڑا ہو اور یہ دعاء پڑھے **بسم الله اللهم اشف عبدك وصدق رسولك** شفاء طلب کرتا ہوں میں خدا کے بابرکت نام سے اے اللہ: اپنے بندہ کو شفاء دے اور اپنے رسول کو (یعنی ان کے اس قول کو سچا کر بایں طور کہ مجھے شفاء دے)۔ اور یہ عمل نماز فجر کے بعد سورج نکلنے سے پہلے کرے اور تین دن تک پانی میں غوطے لگائے، اگر تین دن میں اچھا نہ ہو تو پھر (یہ عمل) پانچ دن تک کرے اور اگر پانچ دن میں بھی اچھا نہ ہو تو پھر سات دن تک (یہ عمل) کرے اور اگر سات دن میں بھی اچھا نہ ہو تو پھر نو دن تک (یہ عمل) کرے، اللہ جل شانہ کے حکم سے بخار نو دن سے تجاوز نہیں کرے گا (یعنی اس عمل کے بعد بخار جاتا رہے گا)۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت نقل کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

توضیح: ''**فلیطفها بالماء**'' یعنی بخار آگ کا ٹکڑا ہے اس سے جسم کی حرارت میں بے پناہ اضافہ ہوتا ہے جس سے دماغ کی رگوں کے پھٹ جانے کا خطرہ ہوتا ہے اس لئے اس حرارت کو پانی کے ذریعہ بجھاؤ۔[۲]

اب اس کا طریقہ حضور اکرم ﷺ نے یہ بیان فرمایا کہ ''**فلیستنقع**'' استنقاء پانی میں اترنے کے معنی میں ہے یعنی جاری پانی میں اتر جائے[۳] ''**ولیستقبل**'' یعنی پانی کی بہاؤ کی طرف بخار زدہ آدمی کھڑا ہو جائے اور مذکورہ دعا پڑھے یہ عمل صبح کی نماز کے بعد طلوع آفتاب سے پہلے کرے۔[۴]

''**ولینغمس**'' **انغماس** غوطہ لگانے کے معنی میں ہے ''**ثلاثه ایام**'' اس جملہ کا ایک مطلب یہ ہے کی تین دن تک روزانہ تین تین غوطے لگائے اور یہ احتمال بھی ہے کہ تین دن تک روزانہ ایک ایک غوطہ لگائے اگر اس میں ٹھیک نہیں ہوا تو پانچ دن تک یہ عمل کرے اگر ٹھیک نہیں ہوا تو سات دن تک یہ عمل کرے اگر ٹھیک نہیں ہوا تو نو دن تک یہ عمل کرے اور نو دن سے ان شاء اللہ بخار زیادہ نہیں رہے گا۔[۵]

یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ بخار کے بہت سارے اقسام ہوتے ہیں ہر بخار کے لئے یہ علاج نہیں بعض بخار میں غسل کرنے سے مرض بڑھ جاتا ہے اور آدمی مرجاتا ہے یہ ایک مخصوص بخار کے متعلق علاج بتایا گیا ہے جو حجاز میں ہوتا تھا جس کو صفراوی بخار کہتے ہیں۔ اس کے لئے پانی سے غسل نہایت مفید ہوتا ہے میں نے ایک دفعہ کراچی میں بخار کی حالت میں غسل کیا ابھی غسل سے فارغ نہیں ہوا تھا کہ بخار ختم ہو گیا۔

بہر حال اس جدید دور میں بھی بخار کی شدت کو پانی سے کم کیا جاتا ہے اور ماہرین ڈاکٹر دوائی کی جگہ پانی اور برف سے مریض کو ٹھنڈا کرنے کو کہتے ہیں تولیہ بھگو کر پیشانی اور گردن پر لپیٹا جاتا ہے اور بہت فائدہ ہوتا ہے۔ بہر حال مذکورہ علاج سے پہلے

[۱] اخرجه الترمذی: ۲۰۸۴ [۲] المرقات: ۴/۵۳ [۳] المرقات: ۴/۵۳ [۴] المرقات: ۴/۵۳ [۵] المرقات: ۴/۵۳، ۵۴

طبیب سے معلوم کرنا چاہئے کہ بخار کس قسم کا ہے اگر صفراوی حجازی بخار ہے تو پھر یہی علاج ہے جو تیر بہدف ہے اور اگر کوئی اور بخار ہے اور غسل سے مرض بڑھ گیا تو پھر حدیث کو ملامت نہ کرے بلکہ اپنی ناسمجھی اور بے تدبیری کو ملامت کرے۔

بخار کو گالی نہ دیا کرو

﴿۶۱﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ ذُكِرَتِ الْحُمّٰى عِنْدَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَبَّهَا رَجُلٌ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَسُبَّهَا فَإِنَّهَا تَنْفِي الذُّنُوْبَ كَمَا تَنْفِي النَّارُ خَبَثَ الْحَدِيْدِ۔

(رَوَاهُ ابْنُ مَاجه) [1]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بخار کا ذکر ہوا تو ایک شخص اسے برا کہنے لگا (یہ سن کر) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "بخار کو برا نہ کہو کیونکہ بخار گناہوں کو اسی طرح دور کر دیتا ہے جس طرح آگ لوہے کے میل کو دور کر دیتی ہے"۔ (ابن ماجہ)

مومن کو بخار کیوں آتا ہے؟

﴿۶۲﴾ وَعَنْهُ قَالَ إِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَادَ مَرِيْضاً فَقَالَ أَبْشِرْ فَإِنَّ اللهَ تَعَالَى يَقُوْلُ هِيَ نَارِيْ أُسَلِّطُهَا عَلَى عَبْدِيَ الْمُؤْمِنِ فِي الدُّنْيَا لِتَكُوْنَ حَظَّهُ مِنَ النَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

(رَوَاهُ أَحْمَدُ وَابْنُ مَاجه وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْإِيْمَانِ) [2]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بیمار کی عیادت کی (جو بخار میں مبتلا تھا) اور اس سے فرمایا کہ تمہیں خوشخبری ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بخار میری آگ ہے، جسے میں اپنے بندہ پر اس لئے مسلط کرتا ہوں تا کہ وہ (بخار) اس کے حق میں قیامت کے دن دوزخ کی آگ کا بدلہ اور حصہ ہو جائے"۔ (احمد، ابن ماجہ، بیہقی)

فقر و فاقہ اور بیماری گناہوں کی بخشش کا سبب ہے

﴿۶۳﴾ وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ الرَّبَّ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى يَقُوْلُ وَعِزَّتِيْ وَجَلَالِيْ لَا أُخْرِجُ أَحَداً مِنَ الدُّنْيَا أُرِيْدُ أَغْفِرَ لَهُ حَتّٰى أَسْتَوْفِيَ كُلَّ خَطِيْئَةٍ فِيْ عُنُقِهِ بِسَقَمٍ فِيْ بَدَنِهِ وَإِقْتَارٍ فِيْ رِزْقِهِ۔ (رَوَاهُ رَزِيْنٌ) [3]

ترجمہ: اور انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ بزرگ و برتر فرماتا ہے کہ قسم ہے اپنی عزت و بزرگی کی جس بندہ کو میں بخشنا چاہتا ہوں اسے میں دنیا سے اس وقت تک نہیں اٹھاؤں گا جب تک کہ اس کے بدن کو بیماری میں مبتلا کر کے

[1] اخرجه ابن ماجه: ۲۴۶۹ [2] اخرجه احمد: ۲/۴۴۰ وابن ماجه ۳۴۷۰ والبيهقي [3] اخرجه

اور اس کو رزق کی تنگی میں ڈال کر اس کے ہر گناہ کا بدلہ جو اس کے ذمہ ہوں گے نہ دے دوں گا"۔ (رزین)

توضیح: "اقتار قتور" تنگی اور فقر و فاقہ کو کہتے ہیں یعنی جسمانی امراض اور فقر و فاقہ سے اسکے گناہ کو معاف کردوں گا۔[1]

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا عجیب واقعہ

﴿۶۴﴾ وَعَنْ شَقِيقٍ قَالَ مَرِضَ عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْعُودٍ فَعُدْنَاهُ فَجَعَلَ يَبْكِي فَعُوتِبَ فَقَالَ إِنِّي لَا أَبْكِي لِأَجْلِ الْمَرَضِ لِأَنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الْمَرَضُ كَفَّارَةٌ وَإِنَّمَا أَبْكِي أَنَّهُ أَصَابَنِي عَلَى حَالِ فَتْرَةٍ وَلَمْ يُصِبْنِي فِي حَالِ اجْتِهَادٍ لِأَنَّهُ يُكْتَبُ لِلْعَبْدِ مِنَ الْأَجْرِ إِذَا مَرِضَ مَا كَانَ يُكْتَبُ لَهُ قَبْلَ أَنْ يَمْرَضَ فَمَنَعَهُ مِنْهُ الْمَرَضُ۔ (رَوَاهُ رَزِينٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت شقیق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ (جب) حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے (تو) ہم لوگ آپ کی عیادت کو گئے، وہ ہمارے سامنے رونے لگے۔ لوگوں نے (یہ گمان کر کے کہ وہ بیماری کی تکلیف اور اپنی زندگی کی محبت کی وجہ سے رو رہے ہیں) اس پر ناگواری کا اظہار کیا، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں بیماری کی وجہ سے نہیں رو رہا ہوں کیونکہ میں نے تو خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بیماری گناہوں کے دور ہونے کا سبب ہے میں تو صرف اس لئے رو رہا ہوں کہ میں سستی (یعنی بڑھاپے) کی حالت میں بیماری میں مبتلا ہوا قوت اور محنت کی حالت میں بیماری میں مبتلا کیوں نہیں ہوا؟ کیونکہ جب بندہ بیمار ہوتا ہے تو (اس کے ایام بیماری میں) وہی اعمال لکھے جاتے ہیں جو اس کے بیمار ہونے سے پہلے لکھے جاتے تھے اور اب بیماری نے اسے اس عمل سے باز رکھا"۔ (رزین)

توضیح: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیماری کی حالت میں رو رہے تھے کسی نے ملامت کی کہ آپ اتنے بڑے آدمی ہو اور بیماری کی وجہ سے رو رہے ہو آپ نے فرمایا بیماری کی وجہ سے نہیں بلکہ اس وجہ سے رو رہا ہوں کہ اس بیماری سے پہلے میں بوڑھا کمزور تھا تو کم عمل کرتا تھا کاش میں جوان ہوتا اور خوب عبادت میں محنت کرتا اور پھر بیمار ہو جاتا تو بیماری کی حالت میں زیادہ ثواب مل جاتا اب مجھے ثواب کم ملے گا کیونکہ بڑھاپے کی وجہ سے صحت کی حالت میں زیادہ محنت نہ کر سکا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق مریض کو مرض کی حالت میں وہی ثواب ملتا ہے جو وہ صحت میں کرتا تھا۔[3]

ایک موضوعی حدیث کا مطلب

﴿۶۵﴾ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَعُودُ مَرِيضًا إِلَّا بَعْدَ ثَلَاثٍ۔

(رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه وَالْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ)[4]

[1] المرقات: ۴/۵۷ [2] اخرجه [3] المرقات: ۴/۵۷ [4] اخرجه ابن ماجه ۱۴۴۰، ۲۳۳۱ والبیهقی

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ تین دن کے بعد مریض کی عیادت کرتے تھے"۔
(ابن ماجہ، بیہقی)

توضیح: "الابعد ثلاث" اس روایت کا ظاہری حکم یہی ہے کہ حضور اکرم ﷺ کسی مریض کی عیادت تین دن کے بعد کیا کرتے تھے اس سے پہلے نہیں جاتے تھے۔ جہاں تک مسئلہ کا تعلق ہے تو عیادت کا حکم کسی زمانہ کے ساتھ مقید نہیں ہے کسی بھی وقت عیادت کے لئے آدمی جا سکتا ہے جہاں تک حدیث کا تعلق ہے تو علماء کہتے ہیں[1] یہ ضعیف غیر معمول بہ ہے۔ بلکہ بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ حدیث موضوع ہے یعنی گھڑی ہوئی ہے اور مشکوۃ میں یہی ایک حدیث موضوع ہے "**لکل جواد کبوۃ ولکل سیف نبوۃ**" یعنی ہر عمدہ گھوڑا کبھی ٹھوکر کھاتا ہے اور ہر عمدہ تلوار کبھی اچٹ جاتی ہے۔

بیمار کی دعاء فرشتوں کی دعا کی طرح ہے

﴿۶۶﴾ وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلْتَ عَلٰى مَرِيْضٍ فَمُرْهُ يَدْعُوْ لَكَ فَإِنَّ دُعَاءَهٗ كَدُعَاءِ الْمَلَائِكَةِ. (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه)[2]

ترجمہ: اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جب تم بیمار کے پاس جاؤ تو اس سے کہو کہ تمہارے لئے دعا کرے کیونکہ اس کی دعا فرشتوں کی دعا کی طرح ہے"۔ (ابن ماجہ)

توضیح: بیمار کو چاہئے کہ وہ ہر وقت اپنے لئے اور اپنے رشتہ داروں کے لئے اور عام مسلمانوں کے لئے دعا کیا کریں اور عیادت کرنے والوں کو بھی چاہئے کہ ان سے دعا کرائے کیونکہ وہ اپنے مخصوص احوال کے ذریعہ سے فرشتوں کے قریب بھی ہو گیا ہے اور ان سے مشابہ بھی ہو گیا ہے اس لئے ان کی دعا فرشتوں کی طرح مقبول ہے۔

مریض کے پاس شور نہیں کرنا چاہئے

﴿۶۷﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مِنَ السُّنَّةِ تَخْفِيْفُ الْجُلُوْسِ وَقِلَّةُ الصَّخَبِ فِي الْعِيَادَةِ عِنْدَ الْمَرِيْضِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا كَثُرَ لَغَطُهُمْ وَاخْتِلَافُهُمْ قُوْمُوْا عَنِّيْ.
(رَوَاهُ رَزِيْنٌ)

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عیادت کے وقت مریض کے پاس کم بیٹھنا اور شور وغوغا نہ کرنا سنت ہے" نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ "رسول کریم ﷺ نے اس وقت جبکہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں شور وغوغا اور اختلاف زیادہ ہوا تو فرمایا کہ میرے پاس سے اٹھ کھڑے ہو"۔ (رزین)

توضیح: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عیادت میں سنت طریقہ یہ ہے کہ مریض کے پاس کم بیٹھا جائے، یہ

[1] المرقات: ۴/۵۷ [2] اخرجه ابن ماجه ۱۴۴۱

اس وقت ہے جب مریض کو عیادت کرنے والوں سے بوجھ محسوس ہوتا ہو اور گھر والوں کو زحمت ہوتی ہو لیکن اگر عیادت کرنے والا کوئی ایسا شخص ہو جن کے دیر تک بیٹھنے سے مریض کو سکون اور راحت حاصل ہوتی ہو تو پھر دیر تک بیٹھنا چاہئے ''الصخب'' شور شرابہ اور غل غپاڑہ کو صخب کہتے ہیں یہ تو ہر حالت میں ناجائز ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے دعویٰ پر حدیث قرطاس سے استدلال کیا ہے کہ اس وقت جب شور ہونے لگا تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا میرے پاس سے چلے جاؤ حدیث قرطاس کا واقعہ مشکوۃ جلد ثانی کے آخری ابواب میں ''باب وفات النبی ﷺ'' کے تحت آرہا ہے، انتظار کیجئے۔[1]

مسنون عیادت وہی جو مختصر ہو

﴿۶۸﴾ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْعِيَادَةُ فَوَاقَ نَاقَةٍ وَفِيْ رِوَايَةِ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ مُرْسَلاً أَفْضَلُ الْعِيَادَةِ سُرْعَةُ الْقِيَامِ۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيْمَانِ)

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''عیادت کے افضل مرتبہ اونٹنی کے دو مرتبہ دودھ دوہنے کے درمیانی وقفہ کے بقدر ہے اور حضرت سعید ابن مسیب کی روایت کے مطابق جو بطریق ارسال منقول ہے یہ الفاظ ہیں کہ ''بہترین عیادت وہی ہے جس میں عیادت کرنے والا جلد اٹھ کھڑا ہو''۔ (بیہقی)

توضیح: ''فواق ناقه'' اس جملہ کی تشریح ان شاء اللہ کتاب الجهاد میں آئے گی یہاں یہ سمجھ لیں کہ اونٹنی کے دودھ نکالنے کے لئے جب آدمی جاتا ہے اور اونٹنی کے بچے کو اس کے تھنوں میں چھوڑتا ہے تو اونٹنی اپنے بچے کیلئے دودھ چھوڑ دیتی ہے لیکن انسان چونکہ چالاک ہے وہ جا کر اونٹنی کے بچے کو الگ کرتا ہے اور دودھ نکالتا ہے پستانوں میں اترا ہوا دودھ واپس تھنوں میں تو نہیں جا سکتا لیکن اونٹنی مزید دودھ کو بند کر دیتی ہے تاکہ دودھ اس کے بچے کو مل جائے انسان اونٹنی سے زیادہ چالاک ہے یہ اونٹنی کے بچے کو پھر تھنوں میں چھوڑ دیتا ہے اونٹنی پھر بچے کے لئے دودھ پستانوں کی طرف اتار دیتی ہے لیکن انسان پھر جا کر دودھ خود نکالتا ہے اس طرح دو یا تین مرتبہ یہ عمل ہوتا ہے دودھ نکالنے اور دوبارہ بچے کو چھوڑ دینے کے بیچ میں جو وقفہ ہے اسی وقفہ کا نام فواق ناقہ ہے یہ مختصر وقت ہوتا ہے اسی لئے قیامت کے صور کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿ومالها من فواق﴾ یعنی فواق کی مقدار وقفہ بھی نہیں ہوگا۔[2]

مریض جو چیز مانگے اسے کھلا دینا چاہئے

﴿۶۹﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَادَ رَجُلاً فَقَالَ لَهُ مَا تَشْتَهِيْ قَالَ أَشْتَهِيْ خُبْزَ بُرٍّ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ عِنْدَهُ خُبْزُ بُرٍّ فَلْيَبْعَثْ إِلَى أَخِيْهِ ثُمَّ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اشْتَهَى مَرِيْضُ أَحَدِكُمْ شَيْئًا فَلْيُطْعِمْهُ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه)[3]

[1] المرقات: ۴/۵۹ [2] المرقات: ۴/۶۰ [3] اخرجه ابن ماجه: ۱۴۳۹، ۳۴۴۰

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کی عیادت کی پھر اس سے پوچھا کہ کیا چیز کھانے کو تمہارا جی چاہتا ہے؟ اس نے کہا کہ ''گیہوں کی روٹی کھانے کو میرا جی چاہتا ہے''۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ''جس شخص کے پاس گیہوں کی روٹی ہو اسے چاہیئے کہ وہ اپنے بھائی (یعنی اس مریض) کے پاس بھیجدے، پھر آپ نے فرمایا کہ ''جب تم میں سے کوئی بیمار ہو اور کسی چیز کی خواہش کرے تو اسے وہ چیز کھلا دینی چاہیئے۔ (ابن ماجہ)

توضیح: یعنی ایک شخص شدید بیمار ہے اور کافی عرصہ سے پرہیز کی زندگی گذار رہا ہے اس کو کسی چیز کے کھانے کی شدید خواہش ہوگئی اور اشتہا کامل کے ساتھ اس چیز کا مطالبہ کر رہا ہے تو اس حدیث میں بتایا جا رہا ہے کہ اس کو وہ چیز کھلا دو اور اس کی پرہیز کی پرواہ نہ کرو۔[1]

سوال: یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ طب کے اصول کا قاعدہ تو یہ ہے کہ مریض کے لئے پرہیز بہت ضروری ہے اور بعض دفعہ مریض کی خواہش کے مطابق چیز کھلانے سے اس کو نقصان بھی ہو جاتا ہے حالانکہ حدیث سے اجازت ثابت ہو رہی ہے؟

جواب: علماء نے اس سوال کا جواب یہ دیا ہے کہ جب بیمار کی طلب صادق ہو اور خواہش کے مطابق تھوڑی سی چیز کھلا دی جائے تو عموماً وہ مریض کے لئے نقصان دہ نہیں بلکہ مفید ثابت ہوتی ہے یہ حدیث کوئی عام ضابطہ نہیں بتاتی اور نہ کلی حکم دیتی ہے بلکہ اس کا حکم جزئی اور انفرادی طور پر ہے لہٰذا ہر مریض کے ساتھ بد پرہیزی کا معاملہ نہیں کرنا چاہیئے اگرچہ بعض دفعہ اس بد پرہیزی سے بیمار کی بیماری ختم ہو جاتی ہے۔

میں نے خود ایک دفعہ اس کا تجربہ کیا ہے وہ اس طرح کہ ہمارے ایک رشتہ دار بیمار ہوئے میں نے جب اس کی عیادت کی تو وہ بالکل زندگی کے آخری مراحل میں تھے اور فریاد کرتے ہوئے پینے کے لئے لسی مانگ رہے تھے میں نے ان کے گھر والوں سے کہا کہ یہ آدمی ویسے بھی مر رہا ہے لہٰذا ان کی خواہش کو پورا کرو اور ان کو لسی پلا دو چنانچہ گھر والوں نے مریض کو خوب لسی پلا دی جوں ہی اس نے لسی پی لی وہ بیماری سے تندرست ہوگئے اور کئی سال تک زندہ رہے آخر میں پھر موت نے حاضری لگا کر ان کو اٹھا لیا معلوم ہوا زیر بحث حدیث بعض جزئی احوال سے متعلق ہے۔

دوسرا جواب: علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ دیا ہے کہ یہ حدیث اس شخص سے متعلق ہے جن کی زندگی سے سارے لوگ مایوس ہو چکے ہوں اور وہ خود بھی مایوس ہو گیا ہو تو ایسے شخص کی پرہیز کی کوئی ضرورت نہیں ہے ان کی خواہش والی چیز ان کو کھلا دو پلا دو تاکہ وہ اپنی زندگی میں اپنے ارمان کو پورا کرے آگے اللہ مالک ہے۔[2]

حالت سفر میں موت آنے کی فضیلت

﴿۷۰﴾ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ تُوُفِّيَ رَجُلٌ بِالْمَدِينَةِ مِمَّنْ وُلِدَ بِهَا فَصَلّٰى عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ

[1] المرقات: ۴/۶۱ [2] الکاشف: ۳/۳۳۵

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَالَيْتَهُ مَاتَ بِغَيْرِ مَوْلِدِهٖ قَالُوْا وَلِمَ ذَاكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ إِنَّ الرَّجُلَ إِذَا مَاتَ بِغَيْرِ مَوْلِدِهٖ قِيْسَ لَهٗ مِنْ مَوْلِدِهٖ إِلٰى مُنْقَطَعِ أَثَرِهٖ فِي الْجَنَّةِ۔ (رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَه)[1]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک ایسے شخص کی وفات مدینہ میں ہوئی جو مدینہ ہی میں پیدا ہوا تھا چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی اور پھر فرمایا کہ "کاش: یہ شخص اپنے پیدا ہونے کی جگہ کے علاوہ کسی اور جگہ مرا ہوتا؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ "یارسول اللہ: یہ کیوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص اپنے وطن کے علاوہ کسی دوسری جگہ مرتا ہے تو اس کے وطن سے لے کر اس کے مرنے کے مقام تک کی جگہ اس کے لئے جنت میں پیمائش کی جاتی ہے۔ (نسائی، ابن ماجہ)

توضیح: "یالیته" یعنی اے کاش اگر یہ شخص اپنی پیدائش کی جگہ کے علاوہ کسی سفر کی جگہ میں مرجاتا، صحابہ نے پوچھا یارسول اللہ اس میں کیا فائدہ اور کیا حکمت ہے؟ آپ نے فرمایا کہ جو شخص وطن سے دور حالت سفر میں مرتا ہے تو اسکے وطن اور گھر سے لیکر اس کی موت کی جگہ تک پوری زمین کی پیمائش کی جاتی ہے اور جنت میں اتنی ہی زمین اس مسافر کو ملتی ہے۔
علماء نے لکھا ہے کہ اس سفر سے جہاد کا سفر مراد ہے یا حصول علم کا سفر مراد ہے یا اسی طرح کوئی دینی سفر ہو وہ اس سے مراد ہے معصیت ونافرمانی کا سفر مراد نہیں سفر کی حالت میں موت کا صدمہ بہت شدید ہوتا ہے اس لئے یہ اجر ملتا ہے کسی نے کہا ہے[2]

مسافر مه وجنے خاوندا په زنکدن کښې ده وطن ارمان کوینه
په مسافروم زړه نه سو اوس مې پرې سوزي چه په زان مسافر شومه

آنے والی حدیث کا مفہوم ومضمون بھی اسی طرح ہے اس میں ہے کہ ایسے مسافر کو شہادت کا ثواب ملتا ہے۔

﴿۷۱﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَوْتُ غُرْبَةٍ شَهَادَةٌ۔
(رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "حالت مسافرت کی موت شہادت ہے"۔
(ابن ماجہ)

﴿۷۲﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَاتَ مَرِيْضاً مَاتَ شَهِيْداً وَوُقِيَ فِتْنَةَ الْقَبْرِ وَغُدِيَ وَرِيْحَ عَلَيْهِ بِرِزْقِهٖ مِنَ الْجَنَّةِ۔
(رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه وَالْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيْمَانِ)[4]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص بحالت مرض مرتا ہے تو وہ شہید مرتا ہے اور قبر کے فتنوں سے بچایا جاتا ہے نیز (ہر) صبح وشام اسے جنت سے رزق دیا جاتا ہے"۔ (ابن ماجہ، بیہقی)

[1] اخرجه ابن ماجه: ۱۶۱۴ والنسائی: ۴/۷ [2] المرقات: ۴/۶۱ [3] اخرجه ابن ماجه: ۱۶۱۳ [4] اخرجه ابن ماجه: ۱۶۱۵ وبیهقی

توضیح: ''**من مات مریضاً**'' مشکوۃ کے تمام نسخوں میں لفظ مریض ہی لکھا ہوا ہے بعض نسخوں میں لفظ غریب لکھا ہوا ہے۔[1] لیکن صحیح نسخہ کے مطابق لفظ ''**مرابطاً**'' ہے جو رباط سے ہے کسی اسلامی ملک کے سرحدات پر چوکیداری کرنے کا نام رباط ہے۔

علامہ میرک رحمۃ اللہ علیہ نے مشکوۃ شریف کے اپنے نسخہ کے حاشیہ میں لکھدیا ہے کہ ''**صوابه مرابطاً**'' یعنی صحیح لفظ مرابطا ہے مریضا نہیں ہے۔[2]

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں راوی نے غلطی سے مرابطا کے بجائے مریضا لکھدیا ہے اور پھر ابن ماجہ کا حوالہ دیا ہے کہ اس نے اس حدیث کی تخریج کی ہے کئی احادیث میں آیا ہے کہ مرابط کو شہادت کا ثواب ملتا ہے اگر چہ وہ اپنے بستر پر مر جائے۔[3]

''**ووقی فتنة القبر**'' یعنی وہ قبر کے عذاب سے محفوظ رہتا ہے۔[4]

''**وغدی**'' غدات سے ہے صبح کے کھانے کو کہتے ہیں[5] ''**وریح**'' شام کے کھانے کو کہتے ہیں۔[6]

یعنی شہداء کے بعد جب شہدا کو دوبارہ برزخی حیات ملتی ہے تو اس مرابط کو بھی ملتی ہے اور ساتھ ساتھ ان کا رزق جاری کیا جاتا ہے اور جنت کا کھانا کھلایا جاتا ہے یاد رہے شہداء کا درجہ ان سے اونچا ہے اور انبیاء کا ان سب سے اونچا مقام ہے لہٰذا ان کی حیات اور ان کا رزق سب سے اعلیٰ ہوگا۔

طاعون کی موت شہادت کی موت ہے

﴿۷۳﴾ وَعَنِ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَخْتَصِمُ الشُّهَدَاءُ وَالْمُتَوَفَّوْنَ عَلٰى فُرُشِهِمْ اِلٰى رَبِّنَا عَزَّوَجَلَّ فِي الَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنَ الطَّاعُوْنِ فَيَقُوْلُ الشُّهَدَاءُ اِخْوَانُنَا قُتِلُوْا كَمَا قُتِلْنَا وَيَقُوْلُ الْمُتَوَفَّوْنَ اِخْوَانُنَا مَاتُوْا عَلٰى فُرُشِهِمْ كَمَا مُتْنَا فَيَقُوْلُ رَبُّنَا انْظُرُوْا اِلٰى جِرَاحِهِمْ فَاِنْ اَشْبَهَتْ جِرَاحُهُمْ جِرَاحَ الْمَقْتُوْلِيْنَ فَاِنَّهُمْ مِنْهُمْ وَمَعَهُمْ فَاِذَا جِرَاحُهُمْ قَدْ اَشْبَهَتْ جِرَاحَهُمْ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ)[7]

ترجمہ: اور حضرت عرباض ابن ساریہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''شہداء اور وہ لوگ جو اپنے بچھونوں پر (یعنی اپنے گھروں میں) مرے ہیں (اور حقیقی شہید نہیں ہوئے ہیں) اپنے پروردگار بزرگ و برتر کے سامنے ان لوگوں کے بارے میں جو طاعون زدہ ہوکر مرے ہیں جھگڑا کریں گے چنانچہ شہداء تو یہ کہیں گے کہ یہ لوگ (جو طاعون زدہ ہوکر مرے ہیں) ہمارے بھائی ہیں (یعنی ہمارے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں لہٰذا انہیں ہمارا ہم مرتبہ ہونا چاہیئے) کیونکہ جس طرح ہم قتل کئے

[1] المرقات: ۴/۶۲ [2] المرقات: ۴/۶۲ [3] المرقات: ۴/۶۲ [4] المرقات: ۴/۶۲
[5] المرقات: ۴/۶۳ [6] المرقات: ۴/۶۳ [7] اخرجه احمد: ۴/۱۲۸ والنسائی: ۶/۳۷

گئے تھے اسی طرح یہ بھی قتل کئے گئے تھے، اور جو لوگ اپنے بچھونوں پر مرے ہیں کہیں گے کہ ہمارے بھائی ہیں (یعنی ہماری طرح ہیں) کیونکہ یہ لوگ اسی طرح بچھونوں پر مرے ہیں جس طرح کہ ہم مرے ہیں" پس ہمارا پروردگار فرمائے گا کہ ان کے زخموں کو دیکھا جائے اگر ان کے زخم شہداء کے زخم کی مانند ہیں تو یہ شہداء میں سے ہیں (یعنی باعتبار ثواب کے شہداء کے ہم پلہ ہیں اور حشر ومرتبہ میں) ان کے ساتھ ہیں" چنانچہ جب دیکھا جائے گا تو ان کے زخم شہداء کے زخم کے مشابہ ہوں گے۔ (احمد ونسائی)

توضیح: اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے طاعون سے مرنے والوں کے بارے میں شہداء اور وہ لوگ جو اپنے فراشوں پر طبعی موت سے مرے ہیں جھگڑا کریں گے شہداء کہیں گے یہ ہمارے ساتھی اور ہمارے بھائی ہیں ہمارے ساتھ ہونگے کیونکہ ہماری طرح ان کو بھی قتل کیا گیا ہے طبعی موت سے مرنے والے کہیں گے کہ یہ ہمارے ساتھی اور بھائی ہیں یہ ہمارے ساتھ ہونے چاہئے کیونکہ ہماری طرح ایک بیماری سے یہ لوگ طبعی موت سے مرے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ ان کے زخموں کو دیکھو کہ کس کے مشابہ ہیں جب دیکھا گیا تو ان کے زخم شہداء کے زخموں کی طرح تھے لہٰذا یہ ان کے ساتھ ہو گئے۔[1]

"طاعون" طعن سے ہے اور طعن نیزہ مارنے کو کہتے ہیں چونکہ یہ بیماری ابلیس کے نیزہ مارنے سے پیدا ہوتی ہے اس لئے اس کے مادہ میں طعن کا لفظ پڑا ہے۔

بہر حال جو شخص دنیا میں طاعون کی بیماری سے مرجاتا ہے وہ قیامت کے دن شہداء کے ساتھ ہونگے۔

طاعون سے بھاگنے کی مذمت

﴿۷۴﴾ وَعَنْ جَابِرٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْفَارُّ مِنَ الطَّاعُوْنِ كَالْفَارِّ مِنَ الزَّحْفِ وَالصَّابِرُ فِيْهِ لَهُ أَجْرُ شَهِيْدٍ. (رَوَاهُ أَحْمَدُ)[2]

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "طاعون کی بیماری سے (یعنی جہاں یہ وباء پھیلی ہو وہاں سے) بھاگنے والا جہاد میں کفار کے مقابلہ سے بھاگنے والے کی طرح ہے اور طاعون میں صبر کرنے والے کو شہید کا ثواب ملتا ہے"۔ (احمد)

توضیح: علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میدان جہاد سے بھاگنے والے اور طاعون سے بھاگنے والے کی مشابہت کبیرہ گناہ کے اعتبار سے ہے یعنی جس طرح جہاد کے میدان سے بھاگنا گناہ کبیرہ ہے اسی طرح طاعون سے بھاگنا گناہ کبیرہ ہے اور طاعون پر صبر کرنا گویا شہادت کا درجہ پانا ہے۔ اور اگر طاعون سے بھاگنے والا یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اگر میں طاعون زدہ علاقہ میں گیا تو مارا جاؤں گا اور اگر نہیں گیا تو بچ جاؤں گا یہ عقیدہ بہت خطرناک ہے بلکہ قریب کفر ہے۔[3]

"مسجد الحرام ۹ رمضان ۱۴۲۴ھ مکۃ المکرمۃ (پونے دو بجے رات) الحمد للہ حمدا کثیرا۔

[1] المرقات: ۴/۶۴ [2] اخرجہ احمد: ۳/۳۲۴ [3] الکاشف: ۳/۳۳۶ المرقات: ۴/۶۴

مورخہ ۲۹ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۰ھ

باب تمنی الموت وذکرہ

موت کی تمنا اور اس کا یاد کرنا

قال الله تعالیٰ ﴿ان زعمتم انکم اولیاء لله من دون الناس فتمنوا الموت ان کنتم صادقین﴾[1]

جسمانی تکالیف، فقروفاقہ اور مصائب وآلام کی وجہ سے موت کی تمنا کرنا مکروہ ہے اس لئے کہ یہ غیر شعوری طور پر تقدیر الٰہی پر راضی نہ ہونے کی علامت ہے۔ اور آخرت کے شوق دیدار الٰہی کی لذت، جنت کی نعمت اور لقاء محبوبین کی وجہ سے موت کی تمنا کرنا کمال ایمان کی نشانی ہے جو جائز ہے۔[2]

نیز دینی ضرر وآزمائش اور نقصان کی وجہ سے بھی موت کی آرزو کرنا جائز ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ مرنے کو ابتداء میں پسند نہیں کرتے تھے لیکن جب یہ تصور پیدا ہو گیا کہ انبیاء کرام علیہم السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اولیاء اللہ علماء کرام سے ملاقات ہوگی تو پھر آپ موت کی تمنا کرنے لگے، اس باب کی احادیث میں ایک ضابطہ بھی بیان کیا گیا ہے وہ یہ کہ موت کا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیا جائے اور کہا جائے کہ یا اللہ اگر تیرے علم میں موت میں فائدہ ہو تو موت دیدے اور جب تک تیرے نزدیک حیات میں فائدہ ہے تو حیات میں رکھے، اس باب کا دوسرا عنوان "تذکرۃ الموت" ہے۔

موت کو یاد رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی ہمہ جہت اس کے لئے تیاری کرے اور موت کی وجہ سے بعد الموت کے جو حالات آنے والے ہیں ان سب کو ہر وقت پیش نظر رکھے اور دنیاوی زندگی اس طرح گذارے کہ جونہی موت کا طبل بجنے لگ جائے یہ شخص بس موت کے لئے تیار کھڑا ہو۔

ایک مسلمان کے ادنیٰ درجہ عالم ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ ہر شعبہ میں ہر لحہ آخرت کو دنیا پر مقدم رکھے۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے موت کی تمنا کے متعلق اس طرح ضابطہ لکھا ہے۔

"قال فی ردالمحتار قال فی النهر ویکره تمنی الموت بضرر نزله به للنهی عن ذلك فان كان لابد فليقل اللهم احينی ما كانت الحياة خيرا لی وتوفنی ما كانت الوفاة خيرا لی"۔

---

[1] جمعہ: الآیہ ۶ [2] الکاشف: ۳/۳۳۷، ۳۳۸

الفصل الاول

موت کی آرزو نہ کرو

﴿۱﴾ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَتَمَنَّى أَحَدُكُمُ الْمَوْتَ إِمَّا مُحْسِناً فَلَعَلَّهُ أَنْ يَزْدَادَ خَيْراً وَإِمَّا مُسِيْئاً فَلَعَلَّهُ أَنْ يَسْتَعْتِبَ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[۱]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تم میں سے کوئی شخص موت کی آرزو نہ کرے (کیونکہ) اگر وہ نیکوکار ہے تو ہوسکتا ہے کہ (اس کی عمر دراز ہونے کی وجہ سے) اس کے نیک اعمال میں زیادتی ہوجائے اور اگر بدکار ہے تو ہوسکتا ہے کہ وہ توبہ کر کے اور لوگوں کے حقوق ادا کر کے اللہ رب العزت کی رضا و خوشنودی حاصل کرلے''۔ (بخاری)

توضیح: ''لایتمنی الموت'' یہ نفی کی صورت میں نہی ہے بطور مبالغہ ایسا کہا گیا ہے۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ نہی مطلق نہیں ہے بلکہ مقید ہے کیونکہ کچھ صورتوں میں موت کی تمنا کرنا جائز ہے کچھ میں مکروہ ہے۔

علماء لکھتے ہیں کہ موت کی تمنا سے منع کرنے کی وجہ یہ ہے کہ زندگی ایک نعمت ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو عطا فرمائی ہے اس نعمت کی وجہ سے یہ شخص بہت کچھ نیک اعمال سرانجام دے سکتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی اس نعمت کی ناقدری نہیں کرنی چاہئے لہٰذا موت کی تمنا مکروہ ہے زندگی میں انسان کے سنورنے اور سدھرنے کا امکان ہے اگر انسان نیک ہے تو نیکی میں اضافہ ہوگا اور اگر برا ہے تو بہت ممکن ہے کہ کسی وقت اس کو توبہ کی توفیق ہوجائے اور وہ مکمل ہدایت پر آجائے موت میں یہ مواقع ہاتھ سے چلے جاتے ہیں اور ہر قسم اعمال سربمہر ہوجاتے ہیں۔

''یستعتب'' باب استفعال سے۔ عتاب کے معنی میں ہے سین اور تا سلب مأخذ کے لئے ہے یعنی سلب العتبی ناراضگی کو دور کرنا اور رضامندی کو حاصل کرنا، یہ اس وقت ہوسکتا ہے جب اللہ تبارک وتعالیٰ اس شخص کو توبہ کرنے کی توفیق دیدے اور یہ زندگی میں ہوسکتا ہے موت کے بعد نہیں لہٰذا موت کی تمنا مکروہ ہے۔ عتاب سے متعلق شاعر ساحر کہتا ہے:[۲]

لنا عند هذا الدهر حق يلطه وقد قل اعتاب وطال عتاب

یعنی زمانے پر ہمارا ایک حق ہے جس کا وہ انکار کرتا ہے اور اس کا ہم کو راضی کرنا کم ہے اور ناراض کرنا طویل ہے۔

مؤمن کی زندگی خیر ہی خیر ہے

﴿۲﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَتَمَنَّى أَحَدُكُمُ الْمَوْتَ وَلَا يَدْعُ بِهِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَهُ إِنَّهُ إِذَا مَاتَ انْقَطَعَ أَمَلُهُ وَإِنَّهُ لَا يَزِيْدُ الْمُؤْمِنَ عُمُرُهُ إِلَّا خَيْراً۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[۳]

[۱] اخرجه البخاری: [۲] المرقات: ۴/۶۶ [۳] اخرجه مسلم

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "تم میں سے کوئی شخص نہ (تو دل سے) موت کی آرزو کرے اور نہ (زبان سے) موت کی دعا مانگے قبل اس کے کہ اس کی موت آئے۔ کیونکہ انسان جب مرجاتا ہے تو (بھلائی کی زیادتی کے لئے) اس کی امیدیں منقطع ہوجاتی ہیں اور مؤمن کی عمر کی درازی اس کی بھلائی ہی میں زیادتی کرتی ہے۔ (مسلم)

دنیوی مصائب کی وجہ سے موت کی آرزو نہ کرو

﴿۳﴾ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَتَمَنَّيَنَّ أَحَدُكُمُ الْمَوْتَ مِنْ ضُرٍّ أَصَابَهُ فَإِنْ كَانَ لَا بُدَّ فَاعِلاً فَلْيَقُلْ أَللّٰهُمَّ أَحْيِنِيْ مَا كَانَتِ الْحَيَاةُ خَيْراً لِيْ وَتَوَفَّنِيْ إِذَا كَانَتِ الْوَفَاةُ خَيْراً لِيْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "تم میں سے کوئی شخص (جسمانی و مالی) ضرر و تکلیف کی وجہ سے کہ جو اسے پہنچے موت کی آرزو نہ کرے اور اگر اس قسم کی آرزو ضروری ہی ہے تو پھر یہ دعا مانگے اے اللہ: مجھ کو اس وقت تک زندہ رکھ جب تک میرے لئے زندگی (موت سے) بہتر ہو اور مجھے موت دے اس وقت جبکہ میرے لئے موت (زندگی سے) بہتر ہو۔

توضیح: "لایتمنین" اس حدیث سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ موت کی آرزو کی ممانعت مطلق نہیں بلکہ مقید ہے یہاں "من ضر اصابہ" سے اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ دوسری بات اس حدیث سے یہ معلوم ہوئی کہ اگر کوئی شخص موت کی آرزو کرنا ہی چاہتا ہے تو پھر اس کا صحیح طریقہ اس طرح ہے جو اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔[2]

موت دیدار الٰہی کا ذریعہ ہے

﴿۴﴾ وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ أَحَبَّ اللّٰهُ لِقَاءَهُ وَمَنْ كَرِهَ لِقَاءَ اللّٰهِ كَرِهَ اللّٰهُ لِقَاءَهُ فَقَالَتْ عَائِشَةُ أَوْ بَعْضُ أَزْوَاجِهِ إِنَّا لَنَكْرَهُ الْمَوْتَ قَالَ لَيْسَ كَذٰلِكِ وَلٰكِنَّ الْمُؤْمِنَ إِذَا حَضَرَهُ الْمَوْتُ بُشِّرَ بِرِضْوَانِ اللّٰهِ وَكَرَامَتِهِ فَلَيْسَ شَيْءٌ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا أَمَامَهُ فَأَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ وَأَحَبَّ اللّٰهُ لِقَاءَهُ وَإِنَّ الْكَافِرَ إِذَا حُضِرَ بُشِّرَ بِعَذَابِ اللّٰهِ وَعُقُوْبَتِهِ فَلَيْسَ شَيْءٌ أَكْرَهَ إِلَيْهِ مِمَّا أَمَامَهُ فَكَرِهَ لِقَاءَ اللّٰهِ وَكَرِهَ اللّٰهُ لِقَاءَهُ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَفِيْ رِوَايَةِ عَائِشَةَ وَالْمَوْتُ قَبْلَ لِقَاءِ اللّٰهِ)[3]

ترجمہ: اور حضرت عبادہ ابن صامت رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص اللہ تبارک وتعالیٰ کی ملاقات کو

---

[1] اخرجہ البخاری: ۸/۹۳ ومسلم: ۸/۶۴ [2] المرقات: ۳/۶۶ الکاشف: ۳/۳۳۸ [3] اخرجہ مسلم: ۸/۶۵ والبخاری: ۸/۱۳۲

پسند کرتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ بھی اس کی ملاقات کو پسند کرتا ہے اور جو شخص اللہ تبارک وتعالیٰ کی ملاقات کو پسند نہیں کرتا تو اللہ تبارک وتعالیٰ بھی اس کی ملاقات کو پسند نہیں کرتا"۔ (یہ سن کر) ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یا آپ ﷺ کی ازواج مطہرات میں سے کسی اور زوجہ مطہرہ نے عرض کیا کہ "ہم تو موت کو ناپسند کرتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا یہ (مراد) نہیں ہے بلکہ (یہ مراد ہے کہ) جب مؤمن کی موت آتی ہے تو اس بات کی خوشخبری دی جاتی ہے کہ خدا اس سے راضی ہے اور اسے بزرگ رکھتا ہے چنانچہ وہ اس چیز سے جو اس کے آگے آنے والی ہے (یعنی اللہ کے ہاں اپنے اس فضیلت و مرتبہ سے) زیادہ کسی چیز کو محبوب نہیں رکھتا، اس لئے بندہ مؤمن اللہ تبارک وتعالیٰ کی ملاقات کو پسند کرتا ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی ملاقات کو پسند کرتا ہے۔ اور جب کافر کی موت آتی ہے تو اسے (قبر میں) خدا کے عذاب اور (دوزخ کی سخت ترین) سزا کی خبر دی جاتی ہے چنانچہ وہ اس چیز سے جو اس کے آگے آنی والی ہے (یعنی عذاب و سزا سے) زیادہ اور کسی چیز کو ناپسند نہیں کرتا اسی لئے وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے (یعنی اسے اپنی رحمت اور مزید نعمت سے دور رکھتا ہے)۔ اس روایت کو بخاری و مسلم نے نقل کیا ہے۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت میں منقول ہے کہ "موت اللہ تبارک وتعالیٰ کی ملاقات سے پہلے ہے"۔

توضیح: "**فقالت عائشة**" حضور اکرم ﷺ نے جب یہ بیان فرمایا کہ جو آدمی اللہ تبارک وتعالیٰ کی ملاقات کو پسند کرتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ بھی اس کی ملاقات کو پسند کرتا ہے اور جو شخص اللہ تبارک وتعالیٰ کی ملاقات کو پسند نہیں کرتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ بھی اسکی ملاقات کو پسند نہیں کرتا ہے۔ [1]

اس کلام کے ضمن میں موت کا تصور خود بخود آجاتا ہے کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ملاقات موت سے پہلے ممکن نہیں ہے۔ جب لقاء الٰہی کے ضمن میں موت کا تصور لازم ہوگیا تو اب ہر شخص کے دل میں ایک اعتراض اور سوال اٹھنے لگتا ہے کہ موت کو طبعی طور پر ہر شخص ناپسند کرتا ہے اور جس نے موت کو ناپسند کیا گویا اس نے اللہ تبارک وتعالیٰ کی ملاقات کو ناپسند کیا جو ایک خطرناک تصور ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یہی اشکال پیش آیا کہ جب ہم طبعی طور پر موت کو پسند نہیں کرتے ہیں تو گویا ہم نے اللہ تبارک وتعالیٰ کی ملاقات کو پسند نہیں کیا، حضور اکرم ﷺ نے اس کا جواب اس طرح ارشاد فرمایا کہ مؤمن جب مرنے کے قریب ہوجاتا ہے اور اپنی آخرت کی کامیابی کو دیکھتا ہے جنت کی نعمتوں کو دیکھتا ہے تو ان کو شوق پیدا ہوتا ہے کہ موت جلدی آجائے تاکہ میں ان نعمتوں تک پہنچ جاؤں اور اپنے خالق و مالک کا دیدار کروں۔ [2]

اسی وجہ سے کہا گیا ہے "**الموت تحفة المؤمن یوصل الحبیب الی الحبیب**"

مگر مؤمن کے برعکس فاجر و کافر جب موت کے وقت عالم آخرت کی مصیبتوں کو دیکھتا ہے دوزخ اور اس کے عذاب کو دیکھتا ہے تو وہ گھبرا جاتا ہے اور دل سے موت کو مکروہ سمجھتا ہے کیونکہ ان کے لئے یہی موت تمام سزاؤں تک پہنچنے کا پل ہے اس لئے وہ شخص اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف جانے اور اللہ تبارک وتعالیٰ سے سامنا کرنے کو ناپسند کرتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ بھی اس کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے۔ [3]

---

[1] المرقات: ۴/۶۸ [2] المرقات: ۴/۶۸ [3] المرقات: ۴/۶۸

حضور اکرم ﷺ کے جواب کا خلاصہ یہ نکلا کہ موت کو طبعی طور پر لوگ ناپسند کرتے ہیں لیکن جب موت کے آنے کی وجہ سے عالم آخرت کے حجابات اُٹھ جاتے ہیں تو پھر مؤمن اس موت کو بہت پسند کرنے لگتا ہے۔
حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت میں اس جواب کا خلاصہ مختصر الفاظ میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ "**الموت قبل لقاء الله**" یعنی موت کی کراہت اور ناپسند ہونا موت کے آنے سے پہلے ہے جب موت کی کیفیت شروع ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا انکشاف ہو جاتا ہے پھر موت ناپسند نہیں رہتی ہے البتہ کافر کا معاملہ برعکس ہے۔
"**لیس ذلك**" ای لیس الأمر كذلك، یہ آنحضرت ﷺ کا جواب ہے۔ جس سے آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سوال کی وضاحت بیان فرمائی ہے۔ [1]

مؤمن اور فاجر کی موت کا لوگوں پر اثر

﴿۵﴾ وَعَنْ أَبِي قَتَادَةَ أَنَّهُ كَانَ يُحَدِّثُ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرَّ عَلَيْهِ بِجَنَازَةٍ فَقَالَ مُسْتَرِيْحٌ أَوْ مُسْتَرَاحٌ مِنْهُ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللهِ مَا الْمُسْتَرِيْحُ وَالْمُسْتَرَاحُ مِنْهُ فَقَالَ الْعَبْدُ الْمُؤْمِنُ يَسْتَرِيْحُ مِنْ نَصَبِ الدُّنْيَا وَأَذَاهَا إِلَى رَحْمَةِ اللهِ وَالْعَبْدُ الْفَاجِرُ يَسْتَرِيْحُ مِنْهُ الْعِبَادُ وَالْبِلَادُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) [2]

ترجمہ: اور حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ یہ حدیث بیان کرتے ہیں کہ "(ایک مرتبہ) رسول کریم ﷺ کے سامنے ایک جنازہ لایا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ "یہ راحت پانے والا ہے۔ یا یہ کہ اس سے دوسروں کو راحت نصیب ہوئی"۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ "راحت پانے والا کون ہے اور وہ کون ہے جس سے دوسروں کو راحت نصیب ہوتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا "بندۂ مؤمن اپنی موت کے ذریعہ دنیا کے رنج و ایذاء سے راحت پاتا ہے اور خدا کی رحمت کی طرف جاتا ہے اور بندۂ فاجر کی موت کے ذریعہ اس کے شر و فساد سے بندے، شہر، درخت اور جانور (سب ہی) راحت پاتے ہیں"۔ (بخاری و مسلم)

توضیح: "**مستریح**" راحت پانے والا یعنی جب مؤمن کا انتقال ہو جاتا ہے تو وہ دنیا کے مصائب اور لوگوں کی ایذا رسانی اور احکام تکلیفیہ کی ذمہ داری سے راحت پاتا ہے آخرت کا توشہ اور سفر خرچ اپنے پاس موجود ہے اور دنیا کی مصیبتوں سے اس نے چھٹکارا پا لیا اس لئے مؤمن موت کے بعد آرام پانے والا ہے۔ [3]
"**مستراح**" اسم مفعول کا صیغہ ہے یعنی ان کی موت سے دوسروں کو راحت نصیب ہوئی وہ اس طرح کہ یہ فاسق فاجر لوگوں کو ستاتا تھا اس کے قول و فعل سے مخلوق خدا ایک پریشانی میں مبتلا تھی کسی کو گالی دے دی، کسی کو مارا، کسی کا مال چھینا، یا چوری کیا یا فحاشی و بے حیائی پھیلائی جب مر گیا تو سب لوگوں کو ان کے برے اعمال سے راحت حاصل ہو گئی۔ بلکہ درختوں اور درندوں پرندوں کو راحت حاصل ہوئی اس لئے اس کا اٹھنا باعث راحت ہے۔ [4]

[1] المرقات: ۴/۶۹ [2] اخرجه البخاری: ۸/۱۳۳ ومسلم: [3] المرقات: ۴/۶۹ [4] المرقات: ۴/۶۹،۷۰

برے لوگوں کے گناہوں کا اثر بارش پر پڑتا ہے خشک سالی آجاتی ہے اسی طرح زمین میں زلزلے اور طوفان اٹھتے ہیں ان واقعات سے تمام حیوانات ونباتات اور خود زمین متاثر ہوجاتی ہے۔

دنیا میں مسافر بلکہ چلتا مسافر بن کر رہو

﴿۶﴾ وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ أَخَذَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَنْكِبَيَّ فَقَالَ كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيْبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِيْلٍ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَقُوْلُ إِذَا أَمْسَيْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الصَّبَاحَ وَإِذَا أَصْبَحْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الْمَسَاءَ وَخُذْ مِنْ صِحَّتِكَ لِمَرَضِكَ وَمِنْ حَيَاتِكَ لِمَوْتِكَ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (پہلے تو) میرا مونڈھا پکڑا (تاکہ میں متنبہ ہوجاؤں) پھر فرمایا "تم دنیا میں اس طرح رہو گویا کہ تم مسافر بلکہ راہ گیر ہو"۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ (اس کے بعد لوگوں سے) فرمایا کرتے تھے کہ "جب شام ہوجائے تو صبح کا انتظار نہ کرو اور جب صبح ہوجائے تو شام کا انتظار نہ کرو، نیز اپنی صحت کو بیماری سے غنیمت جانو، اور اپنی زندگی کو موت سے غنیمت سمجھو"۔ (بخاری)

توضیح: "بمنکبی" یہ لفظ مفرد بھی ہے اور بعض نسخوں میں مشدد تثنیہ ہے۔[۲]

"غریب" مسافر اور ناآشنا آدمی کو غریب کہتے ہیں جن کا کوئی گھر بار نہ ہو کوئی ٹھکانا نہ ہو اور کوئی رشتہ دار شناسا نہ ہو۔[۳]

"بل عابر سبیل" راجح اور بہتر یہ ہے کہ یہ بل ترقی اور اضراب کے لئے ہو۔ مطلب یہ کہ مسافر تو پھر بھی کچھ دن کے لئے کہیں ٹھہر جاتا ہے تم تو ایسے بنو جس طرح چلتا مسافر ہوتا ہے جو ٹھہرنے کا نام ہی نہیں لیتا بس اپنے کام سے کام رکھتا ہے وہ دنیا کی لذتوں اور نعمتوں کی طرف التفات ہی نہیں کرتا اور ضروری امور کو نمٹا کر نکل جاتا ہے۔[۴]

اسی مضمون ومفہوم کے مطابق حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دنیا کی زندگی ایک اضطراری اجباری غیر اختیاری زندگی ہے لہٰذا صبح وشام تک باقی رہنے کی کوئی ضمانت نہیں اور صحت وبیماری کا کوئی اعتبار نہیں لہٰذا جو میسر آیا اسی کو غنیمت سمجھ کر اس سے فائدہ اٹھانا چاہئے کسی چیز کی گارنٹی نہیں ہے۔

کسی نے پشتوں میں اس طرح کہا ہے:

آخر دی تلک ده بل وطن دے دلته کبنں سله جوړو ے دنك محلونه
په دنیا مه نازیگئی خلقه ده شاه جهان بادشاه نه پاتے شو تختونه
ده دنیا گټے فانی بازاره ما ده سوداتکل کوڅ مسافر شومه
ده دنیا دره روز ے جوندون دے بهرون پیدا شوم نن دلے صبابه زمه

[۱] اخرجه البخاري: ۸/۱۱۰ [۲] المرقات: ۴/۷۰ [۳] المرقات: ۴/۷۰ [۴] المرقات: ۴/۷۰

خدا کی ذات سے رحمت کی امید رکھو

﴿۷﴾ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ مَوْتِهِ بِثَلَاثَةِ أَيَّامٍ يَقُوْلُ لَا يَمُوْتَنَّ أَحَدُكُمْ إِلَّا وَهُوَ يُحْسِنُ الظَّنَّ بِاللهِ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وفات سے تین دن پہلے یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "تم میں سے کوئی شخص نہ مرے مگر اس حال میں مرے کہ وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ اچھا گمان رکھتا ہو"۔ (مسلم)

توضیح: علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "یحسن الظن" کا مطلب یہ ہے کہ اب زندگی میں اپنے اعمال کو اچھا رکھو تا کہ موت کے وقت تم اللہ تبارک وتعالیٰ پر اچھا گمان رکھو کیونکہ جو آدمی برے اعمال کرتا رہتا ہے موت کے وقت اللہ تبارک وتعالیٰ پر برا گمان قائم کرتا ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ خوف ورجا انسان (کی پرواز کیلئے دو پر ہیں) جو سفر آخرت میں کام آتے ہیں لیکن جب آدمی جوان ہو اور صحت مند ہو تو ان کو چاہئے کہ اپنے آپ پر خوف خدا کو غالب رکھے تا کہ عبادت میں خوب محنت ہو۔

اور جب موت کا وقت قریب آجاتا ہے بڑھاپا بھی چھا جاتا ہے تو پھر امید اور رجا کو غالب رکھنا چاہئے کیونکہ اب ایک سخی فیاض بادشاہ کی طرف روانگی ہے تو اچھی امید اور اچھا توقع رکھنا چاہئے۔

الفصل الثانی

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کا انسان سے پہلا سوال

﴿۸﴾ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنْ شِئْتُمْ أَنْبَأْتُكُمْ مَا أَوَّلُ مَا يَقُوْلُ اللهُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَا أَوَّلُ مَا يَقُوْلُوْنَ لَهُ قُلْنَا نَعَمْ يَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ إِنَّ اللهَ يَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ هَلْ أَحْبَبْتُمْ لِقَائِيْ فَيَقُوْلُوْنَ نَعَمْ يَا رَبَّنَا فَيَقُوْلُ لِمَ فَيَقُوْلُوْنَ رَجَوْنَا عَفْوَكَ وَمَغْفِرَتَكَ فَيَقُوْلُ قَدْ وَجَبَتْ لَكُمْ مَغْفِرَتِيْ. (رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَأَبُوْ نُعَيْمٍ فِي الْحِلْيَةِ)[2]

ترجمہ: حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (ہمیں مخاطب کرتے ہوئے) فرمایا کہ "اگر تم چاہو تو میں تمہیں وہ بات بتادوں جو اللہ تبارک وتعالیٰ قیامت کے دن سب سے پہلے مؤمنین سے فرمائے گا اور وہ بات بھی بتادوں جو سب سے پہلے مؤمنین اللہ تبارک وتعالیٰ سے عرض کریں گے؟ ہم نے عرض کیا کہ "ہاں یا رسول اللہ! (ہمیں ضرور بتادیجئے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ تبارک وتعالیٰ مؤمنین سے فرمائے گا کہ کیا تم میری ملاقات کو پسند

[1] اخرجه مسلم: ۸/۱۶۵ [2] الکاشف: ۳/۳۳۲

کرتے تھے مؤمنین عرض کریں گے کہ ہاں: اے ہمارے رب (ہم تیری ملاقات کو پسند کرتے تھے) پھر اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائے گا کہ "تم میری ملاقات کو کیوں پسند کرتے تھے؟ مؤمنین عرض کریں گے" اس لئے کہ ہم تجھ سے معافی ودرگزر اور تیری بخشش ومغفرت کی امید رکھتے تھے۔ چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائے گا "تمہارے لئے میری بخشش واجب ہوگئی۔ یہ روایت شرح السنۃ میں اور ابونعیم نے حلیہ میں نقل کی ہے۔

موت کو کثرت سے یاد کرلیا کرو

﴿۹﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكْثِرُوْا ذِكْرَ هَاذِمِ اللَّذَّاتِ الْمَوْتِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَه)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "(دنیا کی) لذتوں کو کھودینے والی چیز کو، جو کہ موت ہے کثرت سے یاد کرو"۔ (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

توضیح: "ھاذم" یہ صیغہ ھذم ضرب یضرب سے قطع کرنے اور کاٹنے کے معنی میں ہے بعض شارحین نے اس لفظ کو "ھادم" دال کے ساتھ نقل کیا ہے جو گرانے اور منعدم کرنے کے معنی میں ہے مگر بعض شارحین کہتے ہیں کہ ھادم معنی کے اعتبار سے اگرچہ صحیح ہے لیکن نقل کے اعتبار سے دال صحیح نہیں ہے بلکہ ذال ہے حدیث کا مطلب یہ ہے کہ موت کو کثرت سے یاد کرنا چاہئے جب موت کا تصور انسان کے قلب ودماغ پر حاوی ہوگا تو انسان کی دنیوی زندگی آخرت کی تیاری میں گذریگی اور انسان ہر وقت نیک اعمال کے کرنے اور برے اعمال سے بچنے کے لئے چوکنا اور مستعد رہیگا۔[2] نسائی میں اس حدیث کے ساتھ یہ الفاظ بھی نقل کئے گئے ہیں۔

فَإِنَّهُ لَا يُذْكَرُ فِي كَثِيْرٍ إِلَّا قَلَّلَهُ وَلَا فِي قَلِيْلٍ إِلَّا كَثَّرَهُ۔

یعنی کثرت اموال کے وقت موت کے یاد آنے سے موت اس کے مال کو کم کردیتی ہے یعنی اس کو دنیا سے بے رغبت اور زاہد بنادیتی ہے اور اگر مال کم ہو آدمی فقیر ہو تو موت کو یاد کرنے سے موت اس قلیل مال کو زیادہ بنادیتی ہے کیونکہ آدمی سوچتا ہے کہ موت سر پر کھڑی ہے یہ میری آخری گھڑی ہے جو کچھ مال موجود ہے یہ بھی اس مختصر وقت کے لئے بہت ہے اس طرح آدمی قانع بن جاتا ہے موت کے یاد کرنے کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ آدمی دنیا کے تمام لذائذ اور خواہشات کو فانی سمجھنے لگ جاتا ہے لہٰذا اس کے دل سے مال کی محبت نکل جاتی ہے اور مال کی محبت ہر برائی کی جڑ ہے جب برائی کی جڑ کٹ گئی تو پھر نیکیاں ہونگی۔

---

[1] اخرجه الترمذی: ۲۳۰۷ وابن ماجه ۴۲۵۸ نسائی ۴/۴ [2] المرقات: ۴/۴۳

اللہ تعالیٰ سے حیا کرنے کا حق

﴿۱۰﴾ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ أَنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ذَاتَ يَوْمٍ لِأَصْحَابِهِ اسْتَحْيُوْا مِنَ اللّٰهِ حَقَّ الْحَيَاءِ قَالُوْا إِنَّا نَسْتَحْيِيْ مِنَ اللّٰهِ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ قَالَ لَيْسَ ذٰلِكَ وَلٰكِنْ مَنِ اسْتَحْيٰى مِنَ اللّٰهِ حَقَّ الْحَيَاءِ فَلْيَحْفَظِ الرَّأْسَ وَمَا وَعٰى وَلْيَحْفَظِ الْبَطْنَ وَمَا حَوٰى وَلْيَذْكُرِ الْمَوْتَ وَالْبِلٰى وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ تَرَكَ زِيْنَةَ الدُّنْيَا فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ فَقَدِ اسْتَحْيٰى مِنَ اللّٰهِ حَقَّ الْحَيَاءِ.

(رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)[1]

ترجمہ: اورحضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ ایک روز نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ ''اللہ تبارک وتعالیٰ سے حیا کرو جیسا کہ حیا کرنے کا حق ہے (یعنی جس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ سے حیا کرنی واجب ہے) اور جس حیا کا وہ لائق ہے اس حیا کا حق ادا کرو (مطلب یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے ڈرنے کا جو حق ہے اس حق کو ادا کرو) صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یا نبی اللہ: ہم بلاشبہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے حیا کرتے ہیں (بایں طور کہ فی الجملہ اس کے اوامر ونواہی پر عمل کرتے ہیں) اور تعریف اللہ تبارک وتعالیٰ کے لئے ہے (یعنی خدا کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں یہ توفیق عطا فرمائی ہے)۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''حیا کا حق یہ نہیں ہے جیسے تم یہ کہتے ہو کہ ہم خدا سے حیا کرتے ہیں بلکہ جو شخص اللہ تبارک وتعالیٰ سے حیا کرنے میں حیا کا حق ادا کرے تو اسے چاہیئے کہ وہ سر کی اور جو کچھ سر کے ساتھ ہے اس کی محافظت کرے پیٹ کی اور جو کچھ پیٹ کے ساتھ ہے اس کی محافظت کرے اور اسے چاہیئے کہ موت کو اور ہڈیوں کے بوسیدہ ہونے کو یاد رکھے، اور جو شخص آخرت کی بھلائی کا ارادہ کرتا ہے وہ دنیا کی زینت وآرائش کو چھوڑ دیتا ہے''۔ لہٰذا جس شخص نے یہ (مذکورہ بالا ہدایت پر عمل) کیا اس نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے حیا کی اور حق ادا کیا''۔ احمد وترمذی نے یہ روایت نقل کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

توضیح: ''الحیاء'' توضیحات جلد اول کے ابتدائی صفحات میں حیا سے متعلق تفصیل سے کلام ہو چکا ہے یہاں اعادہ کی ضرورت نہیں ہے البتہ یہاں حیاء کا وسیع مفہوم آنحضرت ﷺ نے پیش فرمایا ہے جو صحابہ رضی اللہ عنہم کے ذہنوں میں اس سے پہلے نہیں تھا اس لئے جب صحابہ رضی اللہ عنہم نے جواب میں فرمایا کہ الحمد للہ ہم حیاء کرتے ہیں تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ ''لیس ذلك'' یعنی تم حیاء کا مطلق مفہوم لیتے ہو وہ اگرچہ حیا ہے لیکن اصل اور حق حیا نہیں ہے اصل حیا یہ ہے ① سر اور سر کے اندر کی چیزوں کی حفاظت کی جائے تو سر کی حفاظت یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے سوا کسی کے سامنے نہ جھکایا جائے اور نہ غیر اللہ کے سامنے اس کے ساتھ سجدہ کیا جائے اور نہ ریاکاری کے طور پر اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے اس سے سجدہ لگایا جائے اور نہ اکڑ کر از راہ غرور وتکبر اس کو بلند کیا جائے۔[2]

[1] اخرجه الترمذی: ۲۴۵۸ [2] المرقات: ۴/۷۳

"**وما وعی**" وعی یعنی یاد کرنے اور اکٹھا کرنے کے معنی میں ہے مراد یہ ہے کہ سر نے جن اعضا کو جمع کیا ہے اس کی بھی حفاظت کی جائے مثلاً دماغی سوچ خالص اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضا کے لئے ہو آنکھ ناک زبان اور کانوں کو ہر قسم کے گناہوں سے بچایا جائے نہ غلط نگاہ ہو نہ غلط کلام ہو اور نہ غلط فرمائشوں کا سننا ہو۔[۱]

② "**والبطن**" پیٹ کی حفاظت کا مطلب یہ ہے کہ اس کو حرام مال کھانے سے بچایا جائے کیونکہ موت کے بعد سب سے پہلے انسان کے جسم میں پیٹ گل کر پھٹ جاتا ہے لہٰذا اس میں حلال مال ہونا چاہئے نہ کہ حرام کا مرکز بن جائے۔[۲]

"**وما حوی**" حوی یحوی جمع کرنے اور اکٹھا کرنے کے معنی میں ہے پیٹ جن اعضاء پر مشتمل ہے وہ اعضاء مراد ہیں مثلاً ہاتھ پاؤں دل وغیرہ تو ان اعضاء کی بھی حفاظت کرنا اور ان کو گناہوں سے دور رکھنا حیاء کی حقیقت ہے لہٰذا پاؤں کے ذریعہ سے گناہ کی طرف نہ جایا جائے ہاتھ سے گناہ نہ کیا جائے دل کو برے خیالات گندے عقائد سے دور رکھا جائے۔ حیا حقیقی کا حصہ یہ بھی ہے کہ موت کو ہر وقت یاد رکھا جائے اور موت کے بعد بوسیدگی کو مدنظر رکھا جائے۔[۳]

"**ومن اراد الآخرة**" سابق کلام کا نچوڑ اور خلاصہ بیان کیا جارہا ہے کہ آخرت کو چاہنے والا دنیا کی فانی رنگینیوں میں کبھی وقت ضائع نہیں کرسکتا۔[۴]

"**فعل ذلك**" یعنی پہلے جن اشیاء اور خصائل کا ذکر کیا گیا جس نے اس پر عمل کیا تو یہ اصل اور حقیقی حیاء ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انسان اپنی ساخت کے اعتبار سے اور اپنے جسم کے اعتبار سے عیوب اور نقائص کا مجموعہ ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کو معلوم ہے کہ انسان کے کس عضو میں کونسا عیب پڑا ہے جب انسان ان تمام اعضا کی حفاظت کر لیتا ہے تو گویا وہ مکمل طور پر اللہ سے حیاء کرنے لگتا ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ علماء کو چاہئے کہ اس حدیث کو زیادہ سے زیادہ عوام کے سامنے بیان کیا کریں۔[۵]

موت مؤمن کا تحفہ ہے

﴿۱۱﴾ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُحْفَةُ الْمُؤْمِنِ الْمَوْتُ

(رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيْمَانِ)

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "مؤمن کا تحفہ موت ہے"۔ اس روایت کو بیہقی رحمہ اللہ نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے۔

توضیح: "**تحفة**" انسان اپنے نیک اعمال کے پھل آخرت میں پاتا ہے اور آخرت تک پہنچنے کے لئے ضروری ہے کہ آدمی موت کو دیکھ لے جب تک موت نہیں آئے گی آدمی جنت تک نہیں پہنچ سکتا لہٰذا جنت کی نعمتوں کے حصول کا ذریعہ اور وسیلہ موت ہے تو مؤمن کے لئے ان کی موت نتائج کے اعتبار سے تحفہ ہے اور اسی کا ذکر اس حدیث میں ہے۔[۶]

[۱] المرقات: ۴/۷۴ [۲] المرقات: ۴/۷۴ [۳] المرقات: ۴/۷۴ الکاشف: ۳/۳۲۹
[۴] المرقات: ۴/۷۴ [۵] المرقات: ۴/۷۴ [۶] المرقات: ۴/۷۵

مؤمن پیشانی کے پسینہ کے ساتھ مرتا ہے

﴿۱۲﴾ وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمُؤْمِنُ يَمُوْتُ بِعَرَقِ الْجَبِيْنِ.
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَه)[1]

ترجمہ: اور حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''مؤمن پیشانی کے پسینے کے ساتھ مرتا ہے''۔
(ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

توضیح: ''بعرق الجبین'' یعنی پیشانی کے پسینہ کے ساتھ مومن کا انتقال ہوجاتا ہے اس کلام کے کئی مفہوم ہیں۔
اول یہ کہ مومن کی زندگی مشقت والی ہے حلال روزی کمانے میں محنت کرتا ہے اور جسم سے محنت کی وجہ سے پسینہ چھوٹتا ہے اور اسی مشقت میں موت آجاتی ہے یعنی مومن جفاکش ہوتا ہے کسب معاش میں بھی اور عبادات میں بھی۔
دوسرا مفہوم یہ ہے کہ مومن کی موت جب واقع ہوجاتی ہے تو پیشانی پر معمولی سا پسینہ آتا ہے یہ خوش بختی وسعادت اور سلامت ایمان کی علامت ہوتی ہے عوام میں یہی مشہور ہے۔
تیسرا مفہوم یہ ہے کہ مومن کو موت کی وجہ سے زیادہ تکلیف ومشقت نہیں پہنچتی ہے ہاں جان کنی کی صرف اتنی تکلیف ہوتی ہے جس سے اس کی پیشانی پر پسینہ آجاتا ہے۔[2]

ناگہانی موت

﴿۱۳﴾ وَعَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ خَالِدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَوْتُ الْفُجَاءَةِ أَخْذَةُ الْأَسَفِ. (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَزَادَ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْإِيْمَانِ وَرَزِيْنٌ فِيْ كِتَابِهٖ أَخْذَةُ الْأَسِفِ لِلْكَافِرِ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِ)[3]

ترجمہ: اور حضرت عبیداللہ ابن خالد رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ناگہانی موت (اللہ تبارک وتعالیٰ کے) غضب کی پکڑ ہے''۔ (ابوداؤد) بیہقی نے شعب الایمان میں اور رزین رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں یہ الفاظ نقل کئے ہیں کہ ''غضب کی پکڑ کافر کے لئے ہے۔ مگر مؤمن کے لئے رحمت ہے۔

توضیح: ''الأسف'' غضب وغصہ کے لئے یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ جیسے قرآن کریم میں ہے ﴿غضبان اسفًا﴾ یہاں حدیث میں یہ لفظ غضب کی پکڑ کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔[4]
مطلب یہ کہ ناگہانی موت اللہ تبارک وتعالیٰ کے غضب کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے کیونکہ اچانک موت میں نہ کلمۂ شہادت کے پڑھنے کا موقع ملتا ہے نہ وصیت اور ضروری کلام کا موقع ملتا ہے۔
علماء نے لکھا ہے کہ ''غضب کی پکڑ والی موت کفار کے لئے ہے مسلمانوں کے لئے نہیں ہے خلاصہ یہ کہ اچانک موت اچھے لوگوں کے لئے اچھی چیز ہے اور برے لوگوں کے لئے بری چیز ہے۔[5]

---

[1] اخرجه الترمذی: ۹۸۲ والنسائی: ۴/۵ وابن ماجه ۱۴۵۲ [2] المرقات: ۴/۷۶ [3] اخرجه ابوداؤد ۳۱۱ [4] اعراف: ۱۵۰ [5] المرقات: ۴/۷۶

موت کے وقت اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت کی امید چاہئے

﴿۱۴﴾ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى شَابٍّ وَهُوَ فِي الْمَوْتِ فَقَالَ كَيْفَ تَجِدُكَ قَالَ أَرْجُو اللهَ يَا رَسُولَ اللهِ وَإِنِّي أَخَافُ ذُنُوبِي فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَجْتَمِعَانِ فِي قَلْبِ عَبْدٍ فِي مِثْلِ هٰذَا الْمَوْطِنِ إِلَّا أَعْطَاهُ اللهُ مَا يَرْجُوا وَآمَنَهُ مِمَّا يَخَافُ.

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَه وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ) [۱]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک روز) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک جوان کے پاس تشریف لے گئے جو سکرات الموت میں مبتلا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ "تم اپنے آپ کو کس حال میں پاتے ہو؟ اس نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! اللہ تبارک وتعالیٰ سے امید رکھتا ہوں (یعنی اپنے آپ کو رحمت خداوندی کی رحمت کا امیدوار پاتا ہوں) لیکن اس کے باوجود اپنے گناہوں سے خوف زدہ (بھی ہوں) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب ایسے وقت میں جب بندہ کے دل میں خوف وامید (دونوں) جمع ہوتی ہیں تو اللہ تبارک وتعالیٰ اسے وہ چیز عنایت فرماتا ہے جس کی وہ امید رکھتا ہے (یعنی اپنی رحمت) اور اسے اس چیز سے امن میں رکھتا ہے جس سے وہ ڈرتا ہے"۔ (ترمذی، ابن ماجہ) امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے۔

توضیح: "کیف تجدك" یعنی اپنے آپ کو کیسے پاتے ہو؟ [۲] "قال" مطلب یہ ہے کہ اس نوجوان صحابی رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت کی امید رکھتا ہوں لیکن اپنے گناہوں کے نتائج سے ڈرتا ہوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سکرات الموت کے وقت خوف ورجاء کا کسی انسان پر اکٹھا ہونا اس بات کی ضمانت ہے کہ جس چیز سے وہ ڈرتا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو اس سے بچائے گا اور جس چیز کی امید رکھتا ہے وہ اللہ تبارک وتعالیٰ دیدیتا ہے۔ [۳]

الفصل الثالث

نیک عمل کے لئے درازی عمر سعادت ہے

﴿۱۵﴾ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَمَنَّوُا الْمَوْتَ فَإِنَّ هَوْلَ الْمُطَّلَعِ شَدِيدٌ وَإِنَّ مِنَ السَّعَادَةِ أَنْ يَطُولَ عُمُرُ الْعَبْدِ وَيَرْزُقَهُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ الْإِنَابَةَ. (رَوَاهُ أَحْمَدُ) [۴]

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "موت کی آرزو نہ کرو کیونکہ جان کنی کا خوف سخت ہے بیشک یہ نیک بختی ہے کہ بندہ کی عمر دراز ہو اور اللہ تبارک وتعالیٰ اسے طاعات کی طرف پھیر دے۔ (احمد)

[۱] اخرجہ الترمذی: ۹۸۳ وابن ماجہ: ۴۲۶۱ [۲] المرقات: ۴/۷۷ [۳] المرقات: ۴/۷۷ [۴] اخرجہ احمد: ۳/۳۳۲

توضیح: "ھول" موت کے شدائد اور سختیوں کو ھول کہا گیا۔ ا "المطلع" مطلع اس بلند جگہ کو کہتے ہیں جس پر چڑھ کر ادھر ادھر دیکھا جا سکتا ہے **المطلع** سے موت کے سکرات اور شدائد مراد ہیں۔ مطلب یہ کہ موت کی تمنا نہ کرو کیونکہ موت کی سختی اور جان کنی کی تکلیف بہت زیادہ ہے موت کی تمنا کی ممانعت کی پہلی وجہ تو یہ ہے کہ درازی عمر میں نیک اعمال اور توبہ و استغفار کے مواقع فراہم ہو جاتے ہیں انسان عبادت کے لئے پیدا ہے اور اس کا کل سرمایہ اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول ہے اور یہ دولت عمر اور حیات کے ذریعہ سے حاصل ہو سکتی ہے تو جس شخص نے موت کی تمنا کی تو اس نے سرمایہ لگانے کا اصل میدان ہی ختم کر دیا کیا کسی نے کسی ایسے تاجر کو دیکھا ہے جس نے اپنے اصل مال کے ضائع ہونے کی کوشش کی ہو؟

موت کی تمنا کی ممانعت کی دوسری وجہ یہ ہے کہ موت کی سختیاں بہت ہیں جب موت سے پہلے کی سختیوں سے گھبرا کر موت کی تمنا کرتے ہو تو موت کی اصل سختیوں کو کیسے برداشت کرو گے۔ ۲

علامہ میرک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں مطلع سے ملک الموت یا منکر نکیر کی اطلاع مراد ہے جو وہ کسی انسان کو ان کی موت کے آنے پر دیتے ہیں۔ ۳

"الانابة" انابت رجوع کے معنی میں ہے اس کا مفہوم اس طرح بیان کیا گیا ہے "**الانابة الرجوع من الکل الی من له الکل**" یعنی تمام دنیوی بکھیڑوں اور انسانوں کو چھوڑ کر اس رب کی طرف متوجہ ہونا جس کے پاس سب کچھ ہے دوسرے الفاظ میں یہ کہا جائے۔ "بابا! سب سے رشتہ توڑ اپنے رب سے رشتہ جوڑ"۔ ۴

نیک عمل ہو اور طویل عمر ہو یہ کتنی بڑی سعادت ہے

﴿۱۶﴾ وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ جَلَسْنَا إِلَى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَّرَنَا وَرَقَّقَنَا فَبَكَى سَعْدُ بْنُ أَبِي وَقَّاصٍ فَأَكْثَرَ الْبُكَاءَ فَقَالَ يَا لَيْتَنِي مِتُّ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا سَعْدُ أَعِنْدِي تَتَمَنَّى الْمَوْتَ فَرَدَّدَ ذٰلِكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ قَالَ يَا سَعْدُ إِنْ كُنْتَ خُلِقْتَ لِلْجَنَّةِ فَمَا طَالَ عُمُرُكَ وَحَسُنَ مِنْ عَمَلِكَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكَ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ) ۵

ترجمہ: اور حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک روز) ہم لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پند و نصیحت فرمائی اور (آخرت کا خوف دلا کر) ہمارے دلوں کو نرم کر دیا، چنانچہ حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ رونے لگے اور بہت روئے اور پھر کہنے لگے کہ "کاش: میں (بچپن ہی میں) مر جاتا (تو گناہ گار نہ ہوتا اور عذاب آخرت سے نجات پاتا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ سن کر) فرمایا کہ "سعد: کیا تم میرے سامنے موت کی آرزو کرتے ہو؟ چنانچہ

ا المرقات: ۴/۷۸ ۲ المرقات: ۴/۷۸ ۳ المرقات: ۴/۷۹ ۴ المرقات: ۴/۷۸ ۵ اخرجہ احمد: ۵/۲۶۶

آپ ﷺ نے یہ الفاظ تین بار کہے اور پھر ارشاد فرمایا کہ "اے سعد: اگر تم جنت کے لئے پیدا کئے گئے ہو تو تمہاری عمر جس قدر دراز ہوگی اور جتنے اچھے اعمال ہوں گے اسی قدر تمہارے لئے بہتر ہوگا۔ (احمد)

حضرت خباب رضی اللہ عنہ کا واقعہ

﴿۱۷﴾ وَعَنْ حَارِثَةَ بْنِ مُضَرِّبٍ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى خَبَّابٍ وَقَدِ اكْتَوٰى سَبْعًا فَقَالَ لَوْلَا أَنِّي سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا يَتَمَنَّ أَحَدُكُمُ الْمَوْتَ لَتَمَنَّيْتُهُ وَلَقَدْ رَأَيْتُنِي مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَمْلِكُ دِرْهَمًا وَإِنَّ فِي جَانِبِ بَيْتِي الْآنَ لَأَرْبَعِيْنَ أَلْفَ دِرْهَمٍ قَالَ ثُمَّ أُتِيَ بِكَفَنِهِ فَلَمَّا رَآهُ بَكٰى وَقَالَ لٰكِنْ حَمْزَةُ لَمْ يُوْجَدْ لَهُ كَفَنٌ إِلَّا بُرْدَةٌ مَلْحَاءُ إِذَا جُعِلَتْ عَلٰى رَأْسِهِ قَلَصَتْ عَنْ قَدَمَيْهِ وَإِذَا جُعِلَتْ عَلٰى قَدَمَيْهِ قَلَصَتْ عَنْ رَأْسِهِ حَتّٰى مُدَّتْ عَلٰى رَأْسِهِ وَجُعِلَ عَلٰى قَدَمَيْهِ الْإِذْخِرُ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ إِلَّا أَنَّهُ لَمْ يَذْكُرْ ثُمَّ أُتِيَ بِكَفَنِهِ إِلٰى آخِرِهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت حارثہ ابن مضرب (تابعی رحمہ اللہ) فرماتے ہیں کہ میں حضرت خباب رضی اللہ عنہ (صحابی) کی خدمت میں حاضر ہوا جبکہ (وہ بیمار تھے) اور انہوں نے اپنے بدن پر سات جگہ داغ لگوائے تھے۔ چنانچہ انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ "اگر میں نے رسول پاک ﷺ کا یہ ارشاد گرامی نہ سنا ہوتا جو کہ انہوں نے فرمایا کہ کوئی بھی تم میں سے ہرگز موت کی آرزو نہ کریں تو میں موت کی آرزو کر لیتا جبکہ میں رسول کریم ﷺ کے ہمراہ اپنے تئیں دیکھتا کہ میں ایک درہم کا مالک بھی نہیں تھا اور اب یہ حال ہے کہ میرے گھر کے کونے میں چالیس ہزار درہم پڑے ہیں"۔ حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر حضرت خباب رضی اللہ عنہ کے پاس ان کا کفن لایا گیا جب انہوں نے اسے دیکھا تو رونے لگے اور فرمایا کہ (اگرچہ یہ کفن جائز ہے لیکن) حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کو (پورا) کفن نہیں ملا صرف ایک سیاہ اور سفید دھاری والی چادر تھی اور (وہ بھی اتنی چھوٹی تھی) جب ان کے سر پر اڑھائی جاتی تو پیر کھل جاتے تھے اور جب ان کے پیر پر ڈالی جاتی تھی تو سر کھل جاتا تھا۔ آخرکار اس چادر سے سر کو ڈھانک دیا گیا اور پیروں کو "اذخر" سے چھپایا گیا۔ اس روایت کو احمد اور ترمذی نے نقل کیا ہے لیکن ترمذی نے **ثم اتی بکفنه** سے آخر تک الفاظ نقل نہیں کئے ہیں"۔

توضیح: **"وقد اکتوی"** آگ سے داغ دینے کو اکتوی اور کوی کہتے ہیں آگ سے داغ دینے کی احادیث میں ممانعت آئی ہے لیکن وہ نہی ارشادی ہے بوقت ضرورت ممانعت نہیں ہے۔[2]

"بردة" چادر کو کہتے ہیں[3] **"ملحاء"** جس میں سفید اور سیاہ لکیریں اور دھاریاں ہوں۔[4]

---

[1] اخرجه الترمذی: ۲۳۸۳، واحمد: ۴/۱۰۹ [2] المرقات: [3] المرقات: ۴/۸۲ [4] المرقات: ۴/۸۲

"**قلصت**" سکڑنے اور کم ہوجانے کے معنی میں ہے مراد یہ ہے کہ اس چھوٹی سی چادر کو سر پر ڈالنے سے پیر کھل جاتے اور پیروں پر ڈالنے سے سر کھل جاتا تا حضور اکرم ﷺ نے سر کو ڈھانکنے کا فرمایا اور پیروں پر اذخر گھاس ڈالنے کا حکم دیا۔[1]

"**الاذخر**" یہ ایک قسم گھاس ہے جس کو مسجدوں میں بطور فرش ڈالی جاتی تھی نیز لوہاروں کی بھٹی میں آگ جلانے کے لئے استعمال ہوتی تھی کیونکہ اس کو آگ جلدی لگتی ہے لہٰذا اس کے ذریعہ سے کوئلوں میں آگ لگائی جاتی ہے۔ نیز قبر کا فرش اگر گیلا ہو تو اس میں بھی بچھائی جاتی تھی اب بھی یہ گھاس دیہاتوں میں مسجدوں میں ڈالی جاتی ہے اور لوگ اس پر بیٹھتے ہیں اس گھاس میں ایک قسم خوشبو ہوتی ہے۔[2]

حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے امت کے افراد کو یہ تعلیم چھوڑ دی کہ مالدار شاکر سے فقیر صابر بہتر اور افضل ہوتا ہے صحابہ رضی اللہ عنہم کو جہاد کی وجہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے وافر مقدار میں دنیا بھی دی تھی اور آخرت بھی دیدی۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ کے رضاعی بھائی اور محبوب چچا تھے احد کے میدان میں وحشی بن حرب کے ہاتھوں شہید ہو گئے تھے جسم کا مثلہ کیا گیا تھا اور کفن کے لئے کوئی کپڑا نہیں تھا شہید کو الگ کفن پہنانے کی ضرورت نہیں ہوتی ہے بلکہ ان کو ان کے اپنے کپڑوں میں دفنا دیا جاتا ہے لیکن یہاں کا معاملہ ایسا ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے بدن پر اس چھوٹی چادر کے علاوہ کچھ نہیں تھا اس لئے گھاس سے جسم ڈھانکنے کی ضرورت پڑی۔[3]

[1] المرقات: ۴/۸۲ [2] المرقات: ۴/۸۲ [3] المرقات: ۴/۸۲

نیم جمادی الثانی ۱۴۱۰ھ

باب ما يقال عند من حضره الموت

قریب المرگ شخص کے سامنے کیا پڑھا جائے؟

قال الله تعالىٰ ﴿وجاءت سكرة الموت بالحق ذلك ما كنت منه تحيد﴾ [1]

اس باب میں موت سے پہلے اور موت کے بعد پڑھی جانے والی دعائیں مذکور ہیں نیز روح کے اٹھائے جانے اور عالم برزخ کا بیان بھی اس میں کافی حد تک آ گیا ہے۔

قریب المرگ سے وہ بیمار آدمی مراد ہے جس پر موت کے آثار ظاہر ہونے لگے ہوں موت کی علامات میں سے پاؤں کا سست پڑ جانا ہے اس وقت ناک کا بانسہ ٹیڑھا ہو جاتا ہے اور کنپٹیاں بیٹھنے لگ جاتی ہیں قریب المرگ کے سامنے پڑھی جانے والی چیز کلمۂ توحید و شہادت ہے اور سورۃ یسین وغیرہ ہے۔

الفصل الاول

قریب المرگ کو تلقین کرنے کا حکم

﴿۱﴾ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ قَالَا قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقِّنُوا مَوْتَاكُمْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) [2]

ترجمہ: حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو لوگ قریب المرگ ہوں انہیں (کلمہ) لا الہ الا اللہ کی تلقین کرو"۔ (مسلم)

توضیح: "موتاکم" قریب المرگ پر باعتبار ما یؤل الیہ مردے کا اطلاق کیا گیا ہے مطلب یہ کہ حالت نزع میں قریب المرگ آدمی کے سامنے کلمہ وغیرہ پڑھا کرو تا کہ وہ سن کر پڑھنا شروع کر دے یہاں تلقین سے یہی تعلیم مراد ہے۔ [3] علماء نے لکھا ہے کہ مریض کو سناؤ مگر یہ حکم نہ کرو کہ تم بھی پڑھو کیونکہ کہیں پریشانی میں وہ انکار نہ کر دے مرنے کے بعد قبر پر تلقین کا مسئلہ آئندہ آ رہا ہے یہاں تو قریب المرگ آدمی کی تلقین کا بیان ہے یہ تلقین مستحب ہے احناف کے ہاں تلقین القبور راجح قول کے مطابق نہیں ہے ظاہر الروایۃ یہی ہے کہ تلقین قبور نہ کی جائے۔

(درمختار مع ردالمحتار ج ۱ ص ۶۲۸ و امداد الفتاوی ج ۱ ص ۴۹۹)

---

[1] ق: الآیۃ ۱۹ [2] اخرجہ مسلم: ۲/۳۷ [3] المرقات: ۴/۸۳

قریب المرگ کے سامنے بھلائی کے کلمات ادا کرنا چاہئے

﴿۲﴾ وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا حَضَرْتُمُ الْمَرِيْضَ أَوِ الْمَيِّتَ فَقُوْلُوْا خَيْرًا فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ يُؤَمِّنُوْنَ عَلٰى مَا تَقُوْلُوْنَ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب تم کسی مریض کے پاس یا قریب المرگ کے پاس جاؤ تو منہ سے خیر وبھلائی کے کلمات نکالو کیونکہ تمہاری زبان سے جو کچھ نکلتا ہے (خواہ وہ دعائے خیر وبھلائی ہو یا دعائے شروبد) فرشتے آمین کہتے ہیں"۔ (مسلم)

توضیح: "اوالمیت" مریض کے بعد میت کا ذکر کیا گیا ہے اس سے حقیقی موت مراد لینا زیادہ بہتر ہوگا یعنی اگر تم میں سے کوئی شخص کسی بیمار یا میت کے پاس حاضر ہو جائے تو۔[2]

"فقولوا" یعنی اچھے کلمات ادا کیا کرو جو تمہارے لئے اور مریض کے لئے نیز میت کے لئے یکساں مفید ہوں وہ اس طرح کہ اپنے لئے خیر کی مریض کے لئے شفاء کی اور میت کے لئے مغفرت کی دعاء مانگ لیا جائے تو یہ تینوں کے لئے خیر کی دعا ہے اور جس طرح اس حدیث کی تعلیم ہے فرشتے ان کے اچھے کلمات اور دعا پر آمین کہتے ہیں اور فرشتوں کی آمین والی دعا قبول ہو جاتی ہے اور یہی بڑی نعمت و دولت ہے۔[3]

مصیبت پر "إنالله وإنا اليه راجعون" پڑھنے کا بڑا اثر

﴿۳﴾ وَعَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ تُصِيْبُهُ مُصِيْبَةٌ فَيَقُوْلُ مَا أَمَرَهُ اللهُ بِهِ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ أَللّٰهُمَّ اٰجِرْنِيْ فِيْ مُصِيْبَتِيْ وَأَخْلِفْ لِيْ خَيْرًا مِنْهَا إِلَّا أَخْلَفَ اللهُ لَهُ خَيْرًا مِنْهَا فَلَمَّا مَاتَ أَبُوْ سَلَمَةَ قُلْتُ أَيُّ الْمُسْلِمِيْنَ خَيْرٌ مِنْ أَبِيْ سَلَمَةَ أَوَّلُ بَيْتٍ هَاجَرَ إِلٰى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ إِنِّيْ قُلْتُهَا فَأَخْلَفَ اللهُ لِيْ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[4]

ترجمہ: اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب کوئی بھی مسلمان کسی (چھوٹی یا بڑی) مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم کے مطابق یہ الفاظ کہتا ہے اناللہ وانا الیہ راجعون ہم خدا ہی کے ہیں اور اسی طرف ہم کو واپس جانا ہے۔ اللھم اجرنی فی مصیبتی واخلف لی خیرا منھا اے اللہ: میری مصیبت پر مجھے ثواب دے اور (اس مصیبت میں) جو چیز میرے ہاتھ سے گئی ہے اس کا نعم البدل عطا فرما"۔ تو اللہ تبارک وتعالیٰ اسے اس چیز کا بہتر بدلہ عطا

---

[1] اخرجہ مسلم: ۳/۴۸ [2] المرقات: ۴/۸۴ [3] المرقات: ۴/۸۴ [4] اخرجہ مسلم: ۳/۳۷، ۳/۳۸

فرماتا ہے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب ابو سلمہ رضی اللہ عنہ (یعنی میرے پہلے شوہر) کا انتقال ہوا تو میں نے کہا کہ ''ابو سلمہ رضی اللہ عنہ سے بہتر کون مسلمان ہوگا، وہ ابو سلمہ رضی اللہ عنہ جنہوں نے سب سے پہلے مع اہل وعیال کے آنحضرت ﷺ کی طرف ہجرت کی اور پھر میں نے مذکورہ بالا کلمات کہے چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کے بدلے میں آنحضرت ﷺ عطا فرمایا (یعنی میں آنحضرت ﷺ کے نکاح میں آئی)۔ (مسلم)

توضیح: ''أم سلمه'' حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا امہات المؤمنین میں سے ہیں احادیث بیان کرنے میں ان کا مقام حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قریب قریب ہے انھوں نے حضور اکرم ﷺ سے یہ حدیث پہلے سے سن رکھی تھی کہ مصیبت کے وقت مسلمان کو ''انا للہ الخ'' پڑھنا چاہئے اور ساتھ یہ کلمات بھی ادا کرنا چاہئے کہ فوت شدہ چیز کے بدلے اللہ تبارک وتعالیٰ اس سے بہتر بدلہ عطا فرمائے ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا شوہر چونکہ شان والے صحابی تھے اخلاص کے ساتھ ہجرت فرمائی اور پھر انتقال ہوا حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے خیال میں وہ بڑی خوبیوں والے تھے اس لئے ان کو خلجان ہوا کہ میرے شوہر سے بہتر کون ہوسکتا ہے لیکن چونکہ شریعت کا حکم تھا اس لئے ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کی وفات پر یہ کلمات ادا فرمادیئے جن کا اثر یہ ہوا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی جانب سے ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ان کے شوہر سے کروڑ ہا درجہ بہتر شوہر **سید الاولین والآخرین** نصیب ہوئے۔[۱]

''وأخلف'' یہ باب افعال سے ہے اور یہ باب ان امور میں مستعمل ہوتا ہے جن کا حصول متوقع ہو جیسے مال، اولاد زوجہ وغیرہ اور جن چیزوں کا حصول متوقع نہ ہو ان میں خلف باب تفعیل سے استعمال ہوتا ہے۔[۲]

''أي المسلمين'' یہ استفہام استبعاد کے لئے ہے ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے تعجب کیا کہ ابو سلمہ رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کون ہوسکتا ہے۔[۳]

انا للہ الخ کا مفہوم یہ ہے کہ مصیبت کے وقت مصیبت زدہ شخص کہتا ہے کہ چلو یہ مصیبت تو آگئی ہے لیکن ہم اور ہماری اولاد اور ہماری جان و مال سب اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کے ہیں اور آخر کار سب کو اسی رب کی طرف جانا ہے یہ دعا مسلمانوں کیلئے ایک بڑی نعمت و راحت ہے کہ بڑی جانکاہ مصیبت کا صدمہ بھی برداشت کرنا آسان ہوجاتا ہے اور جن لوگوں کے پاس یہ مرہم اور تسلی و دوا نہیں ان سے پوچھ لیا جائے کہ ان پر صدمہ کا کیسا اثر ہوتا ہے تو وہ بتادیں گے کہ مایوسی اور حوصلہ شکنی اور درد و غم کے سوا ان کو کچھ بھی نہیں ملتا۔ علماء نے لکھا ہے کہ جب بھی آدمی کو گذری ہوئی مصیبت یاد آجائے اس کو چاہئے کہ یہ کلمات ادا کرے اللہ تبارک وتعالیٰ جدید ثواب عطا فرماتا ہے۔[۴]

''آجرني'' یہ کلمہ ''أُءجرني'' بھی منقول ہے یعنی ہمزہ کے جزم کے ساتھ اور جیم کے پیش کے ساتھ اور ہمزہ کے مد اور جیم کے زیر کے ساتھ بھی منقول ہے یہی مشہور ہے۔[۵]

---

[۱] المرقات: ۴/۸۵، ۸۶ [۲] المرقات: ۴/۸۶ [۳] المرقات: ۴/۸۶ [۴] المرقات: ۴/۸۳ الکاشف: ۳/۳۵۳ [۵] المرقات: ۴/۸۳

میت کے لئے حضور اکرم ﷺ کی دعا

﴿۴﴾ وَعَنْهَا قَالَتْ دَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى أَبِيْ سَلَمَةَ وَقَدْ شَقَّ بَصَرُهٗ فَأَغْمَضَهٗ ثُمَّ قَالَ اِنَّ الرُّوْحَ اِذَا قُبِضَ تَبِعَهُ الْبَصَرُ فَضَجَّ نَاسٌ مِنْ أَهْلِهٖ فَقَالَ لَا تَدْعُوْا عَلٰى أَنْفُسِكُمْ اِلَّا بِخَيْرٍ فَاِنَّ الْمَلَائِكَةَ يُؤَمِّنُوْنَ عَلٰى مَا تَقُوْلُوْنَ ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِأَبِيْ سَلَمَةَ وَارْفَعْ دَرَجَتَهٗ فِي الْمَهْدِيِّيْنَ وَاخْلُفْهُ فِيْ عَقِبِهٖ فِي الْغَابِرِيْنَ وَاغْفِرْ لَنَا وَلَهٗ يَارَبَّ الْعَالَمِيْنَ وَافْسَحْ لَهٗ فِيْ قَبْرِهٖ وَنَوِّرْ لَهٗ فِيْهِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے پاس اس وقت تشریف لائے جبکہ ان کی آنکھیں پتھرا گئی تھیں چنانچہ آپ ﷺ نے ان کی آنکھوں کو بند کیا'' اور فرمایا کہ جب روح قبض کی جاتی ہے تو اس کے ساتھ بینائی بھی چلی جاتی ہے'' ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے اہل بیت (یہ سن کر سمجھ گئے کہ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوگیا چنانچہ وہ) سب رونے، چلانے لگے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ''اپنے نفسوں کے بارے میں خیر وبھلائی ہی کی دعا کرو (یعنی واویلا اور بددعا نہ کرو) کیونکہ تم (بری یا بھلی) جس دعا کے بھی الفاظ اپنے منہ سے نکالتے ہو اس پر فرشتے آمین کہتے ہیں۔ پھر آپ نے یہ دعا ارشاد فرمائی اے اللہ: ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کو بخش دے اور اس کا مرتبہ بلند فرما ان لوگوں میں جو سیدھی راہ دکھائے گئے ہیں اور اس کے پسماندگان کا جو کہ باقی رہے ہوئے لوگوں میں ہیں کارساز بن جا اور اے دونوں جہان کے پروردگار: ہمیں اور اس کو بخش دے اور اس کی قبر میں کشادگی کر اور اس کے لئے قبر کو منور فرما دے آمین۔ (مسلم)

توضیح: "**شق بصره**" آنکھ پتھرا جانے اور پھٹ جانے کے معنی میں ہے یعنی آنکھیں کھلی رہ گئی تھیں۔[2]

"**اغمضه**" یعنی حضور اکرم ﷺ نے ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی آنکھیں بند فرما دی اور پھر آنکھوں کے کھلے رہ جانے کی وجہ بیان فرمائی کہ روح جب نکلتی ہے تو نگاہ اس کے پیچھے چلی جاتی ہے گویا آنکھیں یہ دیکھ رہی ہیں کہ روح کیسے نکل جاتی ہے جب روح نکل جاتی ہے تو نگاہ بھی ختم ہوجاتی ہے اور آنکھوں کی حرکت بھی ختم ہوجاتی ہے تو آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جاتی ہیں اس لئے حضور ﷺ نے امت کو تعلیم دی کہ میت کی آنکھیں بند کیا کرو کیونکہ کھلے رہنے میں اب دیکھنے کا فائدہ نہیں ہے اور میت کی شکل اچھی نہیں رہتی۔ یہ اسلام کی خوبیوں میں سے ہے کہ انسان کی خوبصورتی کا مرنے کے بعد بھی خیال رکھتا ہے۔[3]

"**فضج ناس**" ضبح یضبح ضرب یضرب سے رونے دھونے اور چیخ وپکار کے معنی میں ہے۔[4]

حضور ﷺ نے جب یہ فرمایا کہ جب روح نکلتی ہے تو آنکھیں کھلی رہ جاتی ہیں اس سے گھر والوں کو اندازہ بلکہ یقین ہوگیا کہ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوگیا ہے اس لئے چلا کر رونے لگے اس پر حضور اکرم ﷺ نے ان کی رہنمائی فرمائی کہ چلا کر

[1] اخرجه مسلم: ۳/۳۸ [2] المرقات: ۴/۸۶ [3] المرقات: ۴/۸۶ [4] المرقات: ۴/۸۶

رونا نہیں چاہئے اور زبان سے برے کلمات ادا نہیں کرنے چاہئے کیونکہ فرشتے آمین کہتے ہیں پھر حضور اکرم ﷺ نے ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کیلئے اور پسماندگان کیلئے ایک جامع دعا فرمائی جو صرف ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ امت کے تمام افراد کے لئے عام ہے۔[1]

وصال کے بعد آنحضرت ﷺ پر ڈالی گئی چادر

﴿۵﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ تُوُفِّيَ سُجِّيَ بِبُرْدٍ حِبَرَةٍ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ کا جب وصال ہو گیا تو آپ ﷺ کے (جسد اطہر) پر یمنی چادر ڈالی گئی"۔ (بخاری و مسلم)

توضیح: "سجی" تسجیۃ سے مجہول کا صیغہ ہے ڈھانپنے کے معنی میں ہے۔[3]

"بردۃ" چھوٹی چادر کو کہتے ہیں[4] "حبرۃ" جس چادر میں خوبصورت دھاریاں ہوں اس کو "حبرۃ" کہتے ہیں یہ یمن کی بنی ہوئی چادر کو کہا گیا ہے مطلب یہ کہ حضور اکرم ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ پر ایک منقش یمنی چادر ڈالی گئی تھی۔ دنیا کے تمام مذاہب والوں کو مان لینا چاہئے کہ اسلام کتنا زندہ و تابندہ مذہب ہے اور اس کے خدوخال کتنے محفوظ ہیں اسلام یہ ضمانت بھی دیتا ہے کہ مسلمانوں کا پیغمبر ﷺ وفات کے بعد کس حال میں تھے ایک ایک کیفیت کیسی تھی اور ایک ایک لمحہ کیسا گذرا اور کس طرح محفوظ رہا۔[5]

الفصل الثانی

کلمہ طیبہ کے ساتھ مرنے والا جنتی ہے

﴿۶﴾ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ آخِرُ كَلَامِهٖ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)[6]

ترجمہ: حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جس شخص کا آخری کلام لا الٰہ الا اللہ ہوگا وہ جنت میں داخل ہوگا۔ (ابوداؤد)

---

[1] المرقات: ۳/۸۷ [2] اخرجه البخاری: ۷/۱۹۰ ومسلم: ۳/۳۹ [3] المرقات: ۳/۸۷

[4] المرقات: ۳/۸۷، ۸۸ [5] المرقات: ۳/۸۷، ۸۸ [6] اخرجه ابوداؤد: ۳۱۱۶

قریب المرگ کے سامنے سورۃ یٰس پڑھنے کا حکم

﴿۷﴾ وَعَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اقْرَؤُوْا سُوْرَةَ يٰسٓ عَلٰى مَوْتَاكُمْ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَه)[1]

ترجمہ: اور حضرت معقل ابن یسار رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''اپنے مردوں کے سامنے سورۂ یٰس پڑھو''۔ (احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ)

توضیح: ''موتاکم'' پہلے بتادیا گیا کہ موتٰی سے مراد قریب المرگ لوگ ہیں سورۃ یٰسن کی خوبی یہ ہے کہ اس سے جانکنی کی تکلیف کو اللہ تبارک وتعالیٰ آسان کردیتا ہے کیونکہ قرآن کریم کی تمام سورتوں میں سے یہ سورۃ ایسی ہے کہ اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے عجیب انداز سے قیامت کو ثابت کردیا ہے مثلاً ذکر اللہ کا بھرپور نقشہ ہے مدفون شخص کے احوال کا ذکر ہے قیامت کے احوال کا ذکر ہے جہنم کے اوپر گذرنے اور دوسرے واقعات کا ذکر ہے اور عجیب دلائل سے حشر ونشر کا اثبات ہے چونکہ سورۃ یٰسن امہات اصول پر مشتمل ہے بالخصوص حشر نشر کے واقعات کو اس میں نہایت تفصیل سے بیان کیا گیا ہے اسلئے خصوصیت کے ساتھ قریب المرگ کے پاس اس کے پڑھنے کا حکم ہوا ہے اور اسی وجہ سے اسکو قلب القرآن کہا گیا ہے یہ جان کنی کے وقت بھی مفید ہے مردہ کے پاس پڑھنا بھی مردے کے لئے مفید ہے اور گھر میں اس کا پڑھنا بھی مفید ہے۔ لوگ اسی حدیث کی وجہ سے مردوں کے لئے سورۃ یٰسن کو خاص کرتے ہیں بعض وہمی لوگ سورت یٰسن سے بھاگنے کی کوشش کرتے ہیں۔[2]

لطیفہ: حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ملفوظات میں لکھا ہے کہ ہندوستان میں ایک شخص تھا وہ سورت یٰسن کے نام سے گھبراتا تھا اور لوگوں سے کہہ رکھا تھا کہ جس دن حافظ صاحب سورت یٰسن پڑھیں گے اس سے پہلے مجھے بتادو تاکہ میں اس رات تراویح میں شرکت نہ کروں کیونکہ یہ مردوں کی سورت ہے جو سنیں گے وہ مریں گے۔ چنانچہ وہ انتظار میں تھا مگر کسی نے ان کو نہیں بتایا اور سورت یٰسن پڑھی گئی کچھ دنوں کے بعد اس نے پوچھا کہ اب تک سورت یٰسن نہیں آئی تو کسی نے ان کو بتادیا کہ وہ تو گذر گئی اس نے کہا کیا میں اس رات حاضر تھا اور میں نے سن لیا جواب دینے والے نے کہا کہ جی ہاں آپ حاضر تھے اور آپ نے سن لیا یہ سن کر اس شخص پر خوف کا اتنا اثر ہوا کہ کانپنے لگا اور کانپتے کانپتے مرگیا۔

مسلمان میت کو بوسہ دینا جائز ہے

﴿۸﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبَّلَ عُثْمَانَ بْنَ مَظْعُوْنٍ وَهُوَ مَيِّتٌ

[1] اخرجه احمد: ۵/۲۶۳ وبوداؤد ۳۱۱۶ وابن ماجه
[2] البرقات: ۴/۸۹

وَهُوَ يَبْكِي حَتّٰى سَالَ دُمُوْعُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى وَجْهِ عُثْمَانَ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَه)[1]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے حضرت عثمان ابن مظعون رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ان کو بوسہ دیا اور ان کی میت پر روئے یہاں تک کہ آپ ﷺ کے آنسو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے چہرہ پر (ٹپک کر) بہہ نکلے"۔　(ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

توضیح: "**عثمان بن مظعون**" اس صحابی رضی اللہ عنہ سے حضور اکرم ﷺ کی بڑی محبت تھی آنحضرت ﷺ نے ان کو اپنے بھائی کے نام سے یاد کیا ہے مہاجرین میں سے یہ پہلے انسان ہیں جن کا مدینہ منورہ میں انتقال ہوا تھا اور یہ پہلے انسان ہیں جن کی وجہ سے جنت البقیع کی بنیاد پڑی سب سے پہلے بقیع میں ان کو دفن کیا گیا اور حضور اکرم ﷺ نے ایک بڑا پتھر لا کر ان کی قبر کے پاس نصب کیا اور فرمایا کہ اس سے میرے بھائی کی قبر معلوم رہے گی اور میرے اہل وعیال ان کے قریب دفن ہونگے۔

آج کل ان کی قبر کا پتہ نہیں چلتا بلکہ تمام اکابر صحابہ حتی کہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا وعباس رضی اللہ عنہ کی قبر کا صحیح اندازہ نہیں ہے کل ۱۲ رمضان ۱۴۲۴ھ میں بندہ عاجز عصر کے بعد جنت البقیع گیا تھا کسی کی قبر کا پتہ نہیں چلا پولیس والے وہاں لوگوں کو کھڑا ہونے بھی نہیں دے رہے تھے ان کا خیال ہے کہ سب لوگ مشرک ہیں۔[2] بہر حال میں اس وقت زیر بحث حدیث کی تشریح وتوضیح مسجد نبوی میں بیٹھ کر لکھ رہا ہوں سامنے گنبد خضراء نظر آرہا ہے "**والحمد للہ حمدا کثیرا**"۔ زیر بحث حدیث سے ایک بات یہ ثابت ہوگئی کہ مسلمان میت کو بوسہ دینا جائز ہے عام طور پر پیشانی پر بوسہ دیا جاتا ہے اس حدیث سے دوسری بات یہ ثابت ہوئی کہ کسی میت پر رونا اور آنسو بہانا جائز ہے چیخنا چلانا واویلا اور جزع فزع کرنا جائز نہیں ہے۔ اس حدیث سے یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ قبر کو معلوم رکھنے کے لئے اس پر کوئی نشانی رکھنا جائز ہے اس حدیث سے یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ اپنے خاندان کے افراد کو قریب قریب ایک خطہ میں دفن کرنا جائز ہے۔

﴿۹﴾ وَعَنْهَا قَالَتْ اِنَّ اَبَابَكْرٍ قَبَّلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مَيِّتٌ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَه)[3]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ "ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد آپ ﷺ کے جسد اطہر پر بوسہ دیا"۔　(ترمذی، ابن ماجہ)

[1] اخرجه الترمذی: ۹۸۹ وابوداؤد ۳۱۶۳ وابن ماجه: ۱۴۵۶　[2] المرقات: ۴/۹۰　[3] اخرجه الترمذی: ۳۹۰ وابن ماجه: ۱۴۵۷

تجہیز و تکفین میں جلدی کرنی چاہئے

﴿۱۰﴾ وَعَنْ حُصَيْنِ بْنِ وَحْوَحٍ أَنَّ طَلْحَةَ بْنَ الْبَرَاءِ مَرِضَ فَأَتَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُوْدُهُ فَقَالَ إِنِّي لاَ أَرَى طَلْحَةَ إِلاَّ قَدْ حَدَثَ بِهِ الْمَوْتُ فَآذِنُوْنِي بِهِ وَعَجِّلُوْا فَإِنَّهُ لاَ يَنْبَغِي لِجِيْفَةِ مُسْلِمٍ أَنْ تُحْبَسَ بَيْنَ ظَهْرَانَيْ أَهْلِهِ۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)[1]

ترجمہ: اور حضرت حصین رضی اللہ عنہ ابن وحوح فرماتے ہیں کہ طلحہ رضی اللہ عنہ ابن براء بیمار ہوئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی عیادت کے لئے تشریف لائے اور (ان کے اہل بیت سے) فرمایا کہ ''میرا خیال ہے کہ طلحہ رضی اللہ عنہ کی موت آگئی ہے (یعنی ان پر علامت موت ظاہر ہونے لگی ہے) لہٰذا جب ان کا انتقال ہوجائے تو مجھے (فورا) خبر دینا۔ تاکہ میں ان کی نماز پڑھنے کے لئے آسکوں اور تم تجہیز و تکفین اور تدفین میں جلدی کرو کیونکہ مسلمان میت کے لئے مناسب نہیں ہے کہ اسے لوگوں کے درمیان روکے رکھا جائے''۔

(ابوداؤد)

الفصل الثانی

﴿۱۱﴾ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقِّنُوْا مَوْتَاكُمْ لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ سُبْحَانَ اللهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللهِ كَيْفَ لِلْأَحْيَاءِ قَالَ أَجْوَدُ وَأَجْوَدُ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه)[2]

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن جعفر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تم لوگ قریب المرگ کو اس کلمہ کی تلقین کرو لا الٰہ الا اللہ الحلیم الکریم سبحان اللہ رب العرش العظیم الحمد للہ رب العالمین اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو بردبار و بزرگ ہے پاک ہے اللہ جو عرش عظیم کا مالک ہے، تمام تعریفیں اللہ تبارک و تعالیٰ کی ہی ہیں جو دونوں جہان کا پروردگار ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: تندرستوں کو یہ کلمہ سکھانا کیسا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''بہتر اور بہت بہتر''۔ (ابن ماجہ)

﴿۱۲﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمَيِّتُ تَحْضُرُهُ الْمَلاَئِكَةُ فَإِذَا كَانَ الرَّجُلُ صَالِحاً قَالُوْا اُخْرُجِيْ أَيَّتُهَا النَّفْسُ الطَّيِّبَةُ كَانَتْ فِي الْجَسَدِ الطَّيِّبِ اُخْرُجِيْ حَمِيْدَةً وَأَبْشِرِيْ بِرَوْحٍ وَرَيْحَانٍ وَرَبٍّ غَيْرِ غَضْبَانٍ فَلاَ تَزَالُ يُقَالُ لَهَا ذٰلِكَ حَتّٰى تَخْرُجَ ثُمَّ يُعْرَجُ بِهَا إِلَى

[1] اخرجه ابوداؤد: ۳۱۵۹ [2] اخرجه ابن ماجه: ۱/۴۶۵ ح ۱۴۴۶

السَّمَاءِ فَيُفْتَحُ لَهَا فَيُقَالُ مَنْ هٰذَا فَيَقُوْلُوْنَ فُلَانٌ فَيُقَالُ مَرْحَبًا بِالنَّفْسِ الطَّيِّبَةِ كَانَتْ فِي الْجَسَدِ الطَّيِّبِ اُدْخُلِيْ حَمِيْدَةً وَأَبْشِرِيْ بِرَوْحٍ وَرَيْحَانٍ وَرَبٍّ غَيْرِ غَضْبَانٍ فَلَا تَزَالُ يُقَالُ لَهَا ذٰلِكَ حَتّٰى تَنْتَهِيَ إِلَى السَّمَاءِ الَّتِيْ فِيْهَا اللهُ فَإِذَا كَانَ الرَّجُلُ السُّوْءُ قَالَ اُخْرُجِيْ أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْخَبِيْثَةُ كَانَتْ فِي الْجَسَدِ الْخَبِيْثِ اُخْرُجِيْ ذَمِيْمَةً وَأَبْشِرِيْ بِحَمِيْمٍ وَغَسَّاقٍ وَآخَرَ مِنْ شَكْلِهِ أَزْوَاجٍ فَمَا تَزَالُ يُقَالُ لَهَا ذٰلِكَ حَتّٰى تَخْرُجَ ثُمَّ يُعْرَجُ إِلَى السَّمَاءِ فَيُفْتَحُ لَهَا فَيُقَالُ مَنْ هٰذَا فَيُقَالُ فُلَانٌ فَيُقَالُ لَا مَرْحَبًا بِالنَّفْسِ الْخَبِيْثَةِ كَانَتْ فِي الْجَسَدِ الْخَبِيْثِ اِرْجِعِيْ ذَمِيْمَةً فَإِنَّهَا لَا تُفْتَحُ لَكِ أَبْوَابُ السَّمَاءِ فَتُرْسَلُ مِنَ السَّمَاءِ ثُمَّ تَصِيْرُ إِلَى الْقَبْرِ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''کہ جو شخص قریب المرگ ہوتا ہے تو اس کے پاس فرشتے آتے ہیں اور اگر وہ نیک وصالح ہوتا ہے تو (اس کی روح سے رحمت کے) فرشتے کہتے ہیں کہ ''اے پاک جان جو پاک بدن میں تھی، اس حال میں (جسم سے) نکل کہ (خدا اور مخلوق کے نزدیک تیری تعریف کی گئی ہے اور تجھے خوشخبری ہو (دائمی) راحت وسکون کی، جنت کے پاک رزق کی اور خدا سے ملاقات کی جو (تجھ پر) غضبناک نہیں ہے''۔ قریب المرگ کے سامنے فرشتے برابر یہی بات کہتے ہیں یہاں تک کہ روح (خوش خوش) باہر نکل آتی ہے اور پھر فرشتے اسے آسمان کی طرف لے جاتے ہیں، آسمان کا دروازہ اس کے لئے کھول دیا جاتا ہے (آسمان کے دربان) پوچھتے ہیں کہ یہ کون شخص ہے؟ اسے لے جانے والے فرشتے (اس کا نام ونسب بتا کر) کہتے ہیں کہ ''یہ فلاں شخص (کی روح) ہے'' پس کہا جاتا ہے کہ آفرین ہو اس جان پاک کو جو پاک بدن میں تھی اور (اے پاک جان آسمان میں) داخل ہو، اس حال میں کہ تیری تعریف کی گئی ہے اور خوشخبری ہو تجھے راحت کی، پاک رزق کی اور پروردگار سے ملاقات کی جو غضبناک نہیں ہے، اس روح سے برابر یہی بات کہی جاتی ہے یہاں تک کہ وہ اس آسمان پر (یعنی عرش پر) پہنچ جاتی ہے۔ جہاں اللہ رب العزت کی رحمت خاص جلوہ فرما ہے۔ اور اگر وہ برا (یعنی کافر) ہوتا ہے تو ملک الموت کہتے ہیں کہ ''اے خبیث جان جو پلید بدن میں تھی اس حال میں جسم سے نکل کہ تیری برائی کی گئی ہے اور یہ بری خبر سن لے کہ گرم پانی، پیپ اور ان کے علاوہ دوسری طرح کے عذاب تیرے منتظر ہیں۔ اس بدبخت قریب المرگ کے سامنے بار بار یہی کہا جاتا ہے یہاں تک کہ اس کی روح (بادل نخواستہ) باہر نکل آتی ہے پھر اسے آسمان کی طرف لے جایا جاتا ہے (تاکہ اس کی ذلت وخواری اس پر ظاہر کر دی جائے) جب اس کے لئے آسمان کے دروازے کھلوائے جاتے ہیں تو دربانوں کی طرف سے پوچھا جاتا ہے کہ ''یہ کون شخص ہے؟'' جواب دیا جاتا ہے کہ فلاں شخص: پس کہا جاتا ہے کہ ''نفریں ہو اس خبیث جان پر جو پلید جسم میں تھی اور (اے خبیث جان) واپس چلی جا اس حال میں کہ تیری برائی کی گئی ہے اور تیرے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے''۔ چنانچہ اسے آسمان سے پھینک دیا جاتا ہے اور وہ قبر کی طرف آجاتی ہے''۔ (ابن ماجہ)

[1] اخرجه ابن ماجه: ۲/۱۴۲۳ ح ۴۲۶۲

توضیح: "**حمیدة**" یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ اور مخلوق خدا کے نزدیک تو محمود اور تعریف شدہ ہے۔[۱] "**روح**" دائمی راحت وسکون کو کہتے ہیں "**وریحان**" یہاں اس لفظ سے جنت کا پاکیزہ رزق مراد ہے[۲] "**الی السماء**" معلوم ہوا کہ جنت کا پورا انظام اوپر آسمانوں میں ہے اور وہیں پر علیین ہے جس میں مؤمنین کی ارواح جمع ہوتی ہیں۔ "**رب غیر غضبان**" یعنی ایسے رب کی ملاقات کی تجھے بشارت ہو جو تجھ پر کبھی غضبناک نہیں ہوگا۔[۳]

"**فیہا اللہ**" یعنی جس آسمان میں اللہ تبارک وتعالیٰ ہے یہ کلمہ متشابہات میں سے ہے اس پر ہمارا ایمان ہے تفصیل میں جانا منع ہے "**ای ما یلیق بشانہ**"۔[۴]

"**حمیم**" ابلا ہوا گرم پانی مراد ہے[۵] "**وغساق**" پیپ اور جسم کی آلائش کو کہتے ہیں "**من شکلہ ازواج**" یعنی اس کی مانند دیگر مختلف اقسام کے عذاب کی خوشخبری بھی سن لو "**فترسل من السماء**" یہ علیین کے مقابلہ میں سجین ہے جو اسفل سافلین میں ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دوزخ کا پورا انظام زمین کے نیچے ہے بعض روایات میں عرش تک ارواح لیجانے کا ذکر آیا ہے بعض میں قبور کے پاس ارواح کا رہنا مذکور ہے تو تطبیق یہ ہے کہ بعض ارواح عرش تک جاتی ہیں بعض قبروں کے پاس ہوتی ہیں اور عام علیین میں ہوتی ہیں۔[۶]

مومن اور کافر کی روح قبض کرنے کا بیان

﴿۱۳﴾ وَعَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا خَرَجَتْ رُوْحُ الْمُؤْمِنِ تَلَقَّاهَا مَلَكَانِ يُصْعِدَانِهَا قَالَ حَمَّادٌ فَذَكَرَ مِنْ طِيْبِ رِيْحِهَا وَذَكَرَ الْمِسْكَ قَالَ وَيَقُوْلُ أَهْلُ السَّمَاءِ رُوْحٌ طَيِّبَةٌ جَائَتْ مِنْ قِبَلِ الْأَرْضِ صَلَّى اللهُ عَلَيْكِ وَعَلَى جَسَدٍ كُنْتِ تَعْمُرِيْنَهُ فَيُنْطَلَقُ بِهِ إِلَى رَبِّهِ ثُمَّ يَقُوْلُ انْطَلِقُوْا بِهِ إِلَى آخِرِ الْأَجَلِ قَالَ وَإِنَّ الْكَافِرَ إِذَا خَرَجَتْ رُوْحُهُ قَالَ حَمَّادٌ وَذَكَرَ مِنْ نَتْنِهَا وَذَكَرَ لَعْناً وَيَقُوْلُ أَهْلُ السَّمَاءِ رُوْحٌ خَبِيْثَةٌ جَاءَتْ مِنْ قِبَلِ الْأَرْضِ فَيُقَالُ انْطَلِقُوْا بِهِ إِلَى آخِرِ الْأَجَلِ قَالَ أَبُوْ هُرَيْرَةَ فَرَدَّ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَيْطَةً كَانَتْ عَلَيْهِ عَلَى أَنْفِهِ هٰكَذَا۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[۷]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب مؤمن کی روح (اس کے جسم) سے نکلتی ہے تو اسے دو فرشتے لے کر آسمان کی طرف چلتے ہیں"۔ حماد (جو اس حدیث کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہتے ہیں) کہ "اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس روح کی خوشبو کا اور مشک کا ذکر کیا یعنی کہ اس روح سے مشک

---

[۱] المرقات: ۴/۹۴ [۲] المرقات: ۴/۹۴ [۳] المرقات: ۴/۹۵ [۴] المرقات: ۴/۹۵

[۵] المرقات: ۴/۹۶ [۶] المرقات: ۴/۹۶ [۷] اخرجہ مسلم: ۸/۱۶۲

کی خوشبو آتی ہے (یہ الفاظ حماد رحمہ اللہ نے اس لئے کہے ہیں کہ انہیں وہ الفاظ بعینہ یاد نہیں رہے جو انہوں نے سنے تھے)۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" (جب فرشتے مؤمن کی روح کو لے کر آسمان پر پہنچتے ہیں) تو اہل آسمان کہتے ہیں کہ پاک روح زمین سے آئی ہے، پھر وہ روح کو مخاطب کرتے ہوئے یوں کہتے ہیں" اللہ تعالیٰ تجھ پر اور تیرے بدن پر کہ جس کو تو آباد رکھتی تھی اپنی رحمت فرمائے، پھر فرشتے اس کو پروردگار کے پاس (یعنی عرش پر) لے جاتے ہیں اور پروردگار یہ حکم فرماتا ہے کہ" اسے لے جاؤ اور قیامت کے دن تک کے لئے مہلت دیدو" حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کافر کی روح اس کے جسم سے باہر آتی ہے۔ حماد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس کی بدبو کا اور لعنت کا ذکر کیا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کافر کی روح آسمان پر پہنچتی ہے۔ تو اہل آسمان کہتے ہیں کہ ایک ناپاک روح زمین سے آئی ہے پھر (اس ناپاک روح کے بارے میں) یہ فیصلہ سنا دیا جاتا ہے کہ" اسے لے جاؤ" اور قیامت تک کے لئے مہلت دے دو"۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر کا کونا (کہ جو آپ کے جسم مبارک پر تھی) اپنی ناک پر اس طرح رکھا"۔ (مسلم)

توضیح: "**تعمرینه**" آسمانی فرشتوں کی طرف سے مومن کی اس روح اور اس کے بدن کے لئے یہ نیک دعا ہے تعمرینہ کا مطلب یہی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ تجھ پر اور اس بدن پر رحمت نازل فرمائے جس بدن کو تو آباد رکھتی تھی تعمیر وعمارت وعمر سے ہے آباد رکھنے کے معنی میں ہے۔[1]

"**نتن**" بدبو کو کہتے ہیں چنانچہ کبھی کبھی دنیا میں تدفین سے پہلے مومن اور منافق وکافر کے ابدان میں خوشبو اور بدبو کے یہ مناظر دیکھنے میں آتے ہیں کافر کی روح کی اتنی شدید بدبو ہے جس سے اس کا بدن بھی بدبودار ہو جاتا ہے۔[2]

"**ریطة**" فتحہ را کے ساتھ چادر کو کہتے ہیں مطلب یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور کشف ومعجزہ واقعی کافر کی روح کی اس بدبو کو محسوس کیا جس کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرمارہے تھے اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ محض ایک تمثیل وتشبیہ ہو کہ اگر وہ بدبو کوئی محسوس کرے تو چادر کا کونہ ناک پر رکھے بغیر نہیں رہ سکے گا گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اس وقت کی کیفیت کی طرف اشارہ فرمایا دونوں مفہوم ہو سکتے ہیں۔[3]

عالم برزخ میں لوگ نو وارد روح سے دنیا کے حالات پوچھتے ہیں

﴿۱۴﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا حُضِرَ الْمُؤْمِنُ أَتَتْ مَلَائِكَةُ الرَّحْمَةِ بِحَرِيْرَةٍ بَيْضَاءَ فَيَقُوْلُوْنَ اُخْرُجِيْ رَاضِيَةً مَرْضِيًّا عَنْكِ إِلَى رَوْحِ اللهِ وَرَيْحَانٍ وَرَبٍّ غَيْرِ غَضْبَانٍ فَتَخْرُجُ كَأَطْيَبِ رِيْحِ الْمِسْكِ حَتّٰى إِنَّهُ لَيُنَاوِلُهُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا حَتّٰى يَأْتُوْا بِهِ أَبْوَابَ السَّمَاءِ

[1] المرقات: ۴/۹۸ الکاشف: ۳/۳۵۹ [2] المرقات: ۴/۹۸ [3] المرقات: ۴/۹۹

فَيَقُوْلُوْنَ مَا أَطْيَبَ هٰذِهِ الرِّيْحَ الَّتِيْ جَاءَتْكُمْ مِنَ الْأَرْضِ فَيَأْتُوْنَ بِهٖ أَرْوَاحَ الْمُؤْمِنِيْنَ فَلَهُمْ أَشَدُّ فَرَحاً بِهٖ مِنْ أَحَدِكُمْ بِغَائِبِهٖ يَقْدَمُ عَلَيْهِ فَيَسْأَلُوْنَهٗ مَا ذَا فَعَلَ فُلَانٌ مَا ذَا فَعَلَ فُلَانٌ فَيَقُوْلُوْنَ دَعُوْهُ فَإِنَّهٗ كَانَ فِيْ غَمِّ الدُّنْيَا فَيَقُوْلُ قَدْ مَاتَ أَمَا أَتَاكُمْ فَيَقُوْلُوْنَ قَدْ ذُهِبَ بِهٖ إِلٰى أُمِّهِ الْهَاوِيَةِ وَإِنَّ الْكَافِرَ إِذَا احْتُضِرَ أَتَتْهُ مَلَائِكَةُ الْعَذَابِ بِمِسْحٍ فَيَقُوْلُوْنَ اُخْرُجِيْ سَاخِطَةً مَسْخُوْطاً عَلَيْكِ إِلٰى عَذَابِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ فَتَخْرُجُ كَأَنْتَنِ رِيْحِ جِيْفَةٍ حَتّٰى يَأْتُوْنَ بِهٖ إِلٰى بَابِ الْأَرْضِ فَيَقُوْلُوْنَ مَا أَنْتَنَ هٰذِهِ الرِّيْحَ حَتّٰى يَأْتُوْنَ بِهٖ أَرْوَاحَ الْكُفَّارِ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جب مؤمن کی موت کا وقت آتا ہے تو رحمت کے فرشتے سفید ریشمی کپڑا لے کر آتے ہیں اور روح سے کہتے ہیں کہ ''تو (جسد سے) نکل اس حال میں کہ تو اللہ تبارک وتعالیٰ سے راضی ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ تم سے خوش ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت ومہربانی، بہترین رزق اور پروردگار کی طرف کہ جو تجھ پر غضبناک نہیں ہے چل، چنانچہ روح مشک کی بہترین خوشبو کی طرح (جسم سے) نکلتی ہے اور فرشتے اس کو (ازراہ تعظیم وتکریم) ہاتھوں ہاتھ لے چلتے ہیں یہاں تک کہ اسے لے کر آسمان کے دروازوں تک آتے ہیں، وہاں فرشتے آپس میں کہتے ہیں کہ ''کیا خوب ہے یہ خوشبو جو تمہارے پاس زمین سے آرہی ہے'' پھر اسے ارواح مؤمنین کے پاس (علیین میں، یا جنت میں یا جنت کے دروازہ پر اور یا عرش کے نیچے کہ جہاں مؤمنین کی روحیں اپنے اپنے حسب مراتب ودرجات رہتی ہیں) لاتے ہیں، چنانچہ وہ روحیں اس روح کے آنے سے اسی طرح خوش ہوتی ہیں جس طرح تم میں سے کوئی شخص اس وقت خوش ہوتا ہے جبکہ اس کے پاس اس کا غائب آتا ہے پھر تمام روحیں اس روح سے پوچھتی ہیں کہ ''فلاں کیا کرتا ہے اور فلاں کیا کرتا ہے؟ مگر پھر روحیں (خود) آپس میں کہتی ہیں کہ ''اس روح کو چھوڑ دو (ابھی کچھ نہ پوچھو کیونکہ) یہ دنیا کے غم وآلام میں تھی (جب اسے ذرہ سے سکون مل جائے تو پوچھنا) چنانچہ روح (جب سکون پالیتی ہے تو خود کہتی ہے) کہ فلاں شخص (جو بدکار تھا اور جس کے بارے میں تم پوچھ رہے ہو) مرگیا، کیا وہ تمہارے پاس نہیں آیا؟ چنانچہ وہ روحیں اسے بتاتی ہیں کہ اسے تو اس کے ٹھکانہ کی طرف کہ وہ دوزخ کی آگ ہے لے گئے''۔ اور جب کافر کی موت کا وقت آتا ہے تو عذاب کے فرشتے اس کے پاس ٹاٹ کا فرش لے کر آتے ہیں اور اس کی روح سے کہتے ہیں کہ اے روح کافر: اللہ عزوجل کے عذاب کی طرف نکل اس حال میں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ تجھ سے ناراض ہے اور تجھ پر ناراضگی کی مار ہے، چنانچہ روح (کافر کے جسم سے) مردار کی بدبو کی طرح نکلتی ہے پھر فرشتے اسے آسمان کے دروازوں کی طرف لاتے ہیں وہاں فرشتے کہتے ہیں کہ ''کتنی بری ہے یہ بدبو پھر اس کے بعد اسے کافروں کی ارواح کے پاس لے جایا جاتا ہے''۔ (احمد ونسائی)

توضیح: **بعضھم بعضا**" یہ اس مومن کی روح کا اعزاز ہے کہ فرشتے اس کے اٹھانے اور لیجانے کو بوجھ محسوس نہیں کرتے بلکہ بطور اعزاز ایک دوسرے کو دیتے لیتے رہتے ہیں جنازہ کو کندھا دینے اور بدلنے میں بھی یہی راز پوشیدہ ہے۔[2]

---

[1] اخرجه احمد والنسائی: ۴/۸ [2] المرقات: ۴/۹۹

"ماذافعل فلان" یعنی عالم برزخ میں مومنین کی ارواح اس نو وارد روح سے اپنے شناسا لوگوں کے بارے میں پوچھتی ہیں کہ فلان نے کیا کیا فلاں کیسا تھا یعنی اگر نیک ہو تو ہم خوش ہو جائیں اور اگر برا ہو تو غم کھائیں۔ ل

"دعوہ" یعنی بعض لوگ کہنے لگتے ہیں کہ اس نو وارد روح سے اتنے جلدی سوالات نہ کرو کیونکہ یہ اب تک تھکا ماندہ ہے دنیا کی مصیبتوں اور حالت نزع وغیرہ کی مصیبتیں جھیل کر آئی ہے کچھ آرام کرنے کے بعد پوچھو اس حدیث سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ عالم برزخ کی ایک مستقل زندگی ہے اور وہاں ارواح کو ایک قسم جسم دیا جاتا ہے اور وہ زندگی گذارتی ہیں

"باب عذاب القبر" توضیحات جلد اول میں اس مسئلہ اور سماع موتیٰ پر مکمل کلام ہو چکا ہے۔ ۲

"ذهب به" یعنی یہ نو وارد روح کسی شخص کے بارے میں بتادیتی ہے کہ وہ تو مجھ سے پہلے دنیا سے اٹھ کر آیا ہے کیا وہ تم تک نہیں پہنچا اس پر سوال کرنے والے کہتے ہیں کہ ہائے افسوس وہ شخص دوزخ کی طرف لے جایا گیا۔

"بمسح" ٹاٹ مراد ہے مومن کی روح کو اعزاز کے ساتھ ریشم کے سفید کپڑے میں رکھ کر لیجایا جاتا ہے مگر کافر کی روح کو ٹاٹ کی مانند ایک گندے کپڑے میں لپیٹ کر لیجایا جاتا ہے۔ ۳

"الی باب الارض" ای الی باب سماء الارض یعنی زمین کا دروازہ مراد نہیں بلکہ زمین والے آسمان کا دروازہ مراد ہے جس طرح پہلی حدیث میں مذکور ہے کہ آسمان دنیا کے دروازوں سے کافر کی روح سجین کی طرف پھینک کر لوٹائی جاتی ہے۔ ۴

مومن کی روح آسانی سے نکلتی ہے

﴿۱۵﴾ وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي جِنَازَةِ رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ فَانْتَهَيْنَا إِلَى الْقَبْرِ وَلَمَّا يُلْحَدْ فَجَلَسَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَلَسْنَا حَوْلَهُ كَأَنَّ عَلَى رُؤُسِنَا الطَّيْرَ وَفِي يَدِهِ عُودٌ يَنْكُتُ بِهِ فِي الْأَرْضِ فَرَفَعَ رَأْسَهُ فَقَالَ اسْتَعِيذُوا بِاللهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا ثُمَّ قَالَ إِنَّ الْعَبْدَ الْمُؤْمِنَ إِذَا كَانَ فِي انْقِطَاعٍ مِنَ الدُّنْيَا وَإِقْبَالٍ مِنَ الْآخِرَةِ نَزَلَ إِلَيْهِ مَلَائِكَةٌ مِنَ السَّمَاءِ بِيضُ الْوُجُوهِ كَأَنَّ وُجُوهَهُمُ الشَّمْسُ مَعَهُمْ كَفَنٌ مِنْ أَكْفَانِ الْجَنَّةِ وَحَنُوطٌ مِنْ حَنُوطِ الْجَنَّةِ حَتَّى يَجْلِسُوا مِنْهُ مَدَّ الْبَصَرِ ثُمَّ يَجِيءُ مَلَكُ الْمَوْتِ عَلَيْهِ السَّلَامُ حَتَّى يَجْلِسَ عِنْدَ رَأْسِهِ فَيَقُولُ أَيَّتُهَا النَّفْسُ الطَّيِّبَةُ اخْرُجِي إِلَى مَغْفِرَةٍ مِنَ اللهِ وَرِضْوَانٍ قَالَ فَتَخْرُجُ تَسِيلُ كَمَا تَسِيلُ الْقَطْرَةُ مِنَ السِّقَاءِ فَيَأْخُذُهَا فَإِذَا أَخَذَهَا لَمْ يَدَعُوهَا فِي يَدِهِ

ل المرقات: ۴/۱۰۰ الکاشف: ۳/۳۶۰ ۲ المرقات: ۴/۱۰۰

۳ المرقات: ۴/۱۰۰، ۱۰۱ ۴ المرقات: ۴/۱۰۱ الکاشف: ۳/۳۶۱

طَرْفَةَ عَيْنٍ حَتّٰى يَأْخُذُوْهَا فَيَجْعَلُوْهَا فِيْ ذٰلِكَ الْكَفَنِ وَفِيْ ذٰلِكَ الْحَنُوْطِ وَيَخْرُجُ مِنْهَا كَأَطْيَبِ نَفْحَةِ مِسْكٍ وُجِدَتْ عَلٰى وَجْهِ الْأَرْضِ قَالَ فَيَصْعَدُوْنَ بِهَا فَلَا يَمُرُّوْنَ يَعْنِيْ بِهَا عَلٰى مَلَاءٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ إِلَّا قَالُوْا مَا هٰذَا الرُّوْحُ الطَّيِّبُ فَيَقُوْلُوْنَ فُلَانُ ابْنُ فُلَانٍ بِأَحْسَنِ أَسْمَائِهِ الَّتِيْ كَانُوْا يُسَمُّوْنَهُ بِهَا فِي الدُّنْيَا حَتّٰى يَنْتَهُوْا بِهَا إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا فَيَسْتَفْتِحُوْنَ لَهُ فَتُفْتَحُ لَهُمْ فَيُشَيِّعُهُ مِنْ كُلِّ سَمَاءٍ مُقَرَّبُوْهَا إِلَى السَّمَاءِ الَّتِيْ تَلِيْهَا حَتّٰى يُنْتَهٰى بِهِ إِلَى السَّمَاءِ السَّابِعَةِ فَيَقُوْلُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ اكْتُبُوْا كِتَابَ عَبْدِيْ فِيْ عِلِّيِّيْنَ وَأَعِيْدُوْهُ إِلَى الْأَرْضِ فَإِنِّيْ مِنْهَا خَلَقْتُهُمْ وَفِيْهَا أُعِيْدُهُمْ وَمِنْهَا أُخْرِجُهُمْ تَارَةً أُخْرٰى قَالَ فَتُعَادُ رُوْحُهُ فِيْ جَسَدِهِ فَيَأْتِيْهِ مَلَكَانِ فَيُجْلِسَانِهِ فَيَقُوْلَانِ لَهُ مَنْ رَّبُّكَ فَيَقُوْلُ رَبِّيَ اللهُ فَيَقُوْلَانِ لَهُ مَا دِيْنُكَ فَيَقُوْلُ دِيْنِيَ الْإِسْلَامُ فَيَقُوْلَانِ لَهُ مَا هٰذَا الرَّجُلُ الَّذِيْ بُعِثَ فِيْكُمْ فَيَقُوْلُ هُوَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَقُوْلَانِ لَهُ وَمَا عِلْمُكَ فَيَقُوْلُ قَرَأْتُ كِتَابَ اللهِ فَآمَنْتُ بِهِ وَصَدَّقْتُ فَيُنَادِيْ مُنَادٍ مِنَ السَّمَاءِ أَنْ صَدَقَ عَبْدِيْ فَأَفْرِشُوْهُ مِنَ الْجَنَّةِ وَأَلْبِسُوْهُ مِنَ الْجَنَّةِ وَافْتَحُوْا لَهُ بَابًا إِلَى الْجَنَّةِ قَالَ فَيَأْتِيْهِ مِنْ رَوْحِهَا وَطِيْبِهَا فَيُفْسَحُ لَهُ فِيْ قَبْرِهِ مَدَّ بَصَرِهِ قَالَ وَيَأْتِيْهِ رَجُلٌ أَحْسَنُ الْوَجْهِ حَسَنُ الثِّيَابِ طَيِّبُ الرِّيْحِ فَيَقُوْلُ أَبْشِرْ بِالَّذِيْ يَسُرُّكَ هٰذَا يَوْمُكَ الَّذِيْ كُنْتَ تُوْعَدُ فَيَقُوْلُ لَهُ مَنْ أَنْتَ فَوَجْهُكَ الْوَجْهُ يَجِيْءُ بِالْخَيْرِ فَيَقُوْلُ أَنَا عَمَلُكَ الصَّالِحُ فَيَقُوْلُ رَبِّ أَقِمِ السَّاعَةَ رَبِّ أَقِمِ السَّاعَةَ حَتّٰى أَرْجِعَ إِلٰى أَهْلِيْ وَمَالِيْ قَالَ وَإِنَّ الْعَبْدَ الْكَافِرَ إِذَا كَانَ فِي انْقِطَاعٍ مِنَ الدُّنْيَا وَإِقْبَالٍ مِنَ الْآخِرَةِ نَزَلَ إِلَيْهِ مِنَ السَّمَاءِ مَلَائِكَةٌ سُوْدُ الْوُجُوْهِ مَعَهُمُ الْمُسُوْحُ فَيَجْلِسُوْنَ مِنْهُ مَدَّ الْبَصَرِ ثُمَّ يَجِيْءُ مَلَكُ الْمَوْتِ حَتّٰى يَجْلِسَ عِنْدَ رَأْسِهِ فَيَقُوْلُ أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْخَبِيْثَةُ اُخْرُجِيْ إِلٰى سَخَطٍ مِنَ اللهِ قَالَ فَتَفَرَّقُ فِيْ جَسَدِهِ فَيَنْتَزِعُهَا كَمَا يُنْزَعُ السَّفُّوْدُ مِنَ الصُّوْفِ الْمَبْلُوْلِ فَيَأْخُذُهَا فَإِذَا أَخَذَهَا لَمْ يَدَعُوْهَا فِيْ يَدِهِ طَرْفَةَ عَيْنٍ حَتّٰى يَجْعَلُوْهَا فِيْ تِلْكَ الْمُسُوْحِ وَتَخْرُجُ مِنْهَا كَأَنْتَنِ رِيْحِ جِيْفَةٍ وُجِدَتْ عَلٰى وَجْهِ الْأَرْضِ فَيَصْعَدُوْنَ بِهَا فَلَا يَمُرُّوْنَ بِهَا عَلٰى مَلَاءٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ إِلَّا قَالُوْا مَا هٰذَا الرِّيْحُ الْخَبِيْثُ فَيَقُوْلُوْنَ فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ بِأَقْبَحِ أَسْمَائِهِ الَّتِيْ كَانَ يُسَمّٰى بِهَا فِي الدُّنْيَا حَتّٰى يُنْتَهٰى بِهِ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا فَيُسْتَفْتَحُ لَهُ فَلَا

يُفْتَحُ لَهُ ثُمَّ قَرَأَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ فَيَقُوْلُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ اُكْتُبُوْا كِتَابَهُ فِيْ سِجِّيْنٍ فِي الْأَرْضِ السُّفْلٰى فَتُطْرَحُ رُوْحُهُ طَرْحاً ثُمَّ قَرَأَ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ أَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ فَتُعَادُ رُوْحُهُ فِيْ جَسَدِهِ وَيَأْتِيْهِ مَلَكَانِ فَيُجْلِسَانِهِ فَيَقُوْلَانِ لَهُ مَنْ رَبُّكَ فَيَقُوْلُ هَاهْ هَاهْ لَا أَدْرِيْ فَيَقُوْلَانِ لَهُ مَا دِيْنُكَ فَيَقُوْلُ هَاهْ هَاهْ لَا أَدْرِيْ فَيَقُوْلَانِ لَهُ مَا هٰذَا الرَّجُلُ الَّذِيْ بُعِثَ فِيْكُمْ فَيَقُوْلُ هَاهْ هَاهْ لَا أَدْرِيْ فَيُنَادِيْ مُنَادٍ مِنَ السَّمَاءِ أَنْ كَذَبَ فَأَفْرِشُوْهُ مِنَ النَّارِ وَافْتَحُوْا لَهُ بَاباً إِلَى النَّارِ فَيَأْتِيْهِ مِنْ حَرِّهَا وَسَمُوْمِهَا وَيُضَيَّقُ عَلَيْهِ قَبْرُهُ حَتّٰى تَخْتَلِفَ فِيْهِ أَضْلَاعُهُ وَيَأْتِيْهِ رَجُلٌ قَبِيْحُ الْوَجْهِ قَبِيْحُ الثِّيَابِ مُنْتِنُ الرِّيْحِ فَيَقُوْلُ أَبْشِرْ بِالَّذِيْ يَسُوْءُكَ هٰذَا يَوْمُكَ الَّذِيْ كُنْتَ تُوْعَدُ فَيَقُوْلُ مَنْ أَنْتَ فَوَجْهُكَ الْوَجْهُ يَجِيْءُ بِالشَّرِّ فَيَقُوْلُ أَنَا عَمَلُكَ الْخَبِيْثُ فَيَقُوْلُ رَبِّ لَا تُقِمِ السَّاعَةَ. وَفِيْ رِوَايَةٍ نَحْوُهُ وَزَادَ فِيْهِ إِذَا خَرَجَ رُوْحُهُ صَلّٰى عَلَيْهِ كُلُّ مَلَكٍ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَكُلُّ مَلَكٍ فِي السَّمَاءِ وَفُتِحَتْ لَهُ أَبْوَابُ السَّمَاءِ لَيْسَ مِنْ أَهْلِ بَابٍ إِلَّا وَهُمْ يَدْعُوْنَ اللهَ أَنْ يُعْرَجَ بِرُوْحِهِ مِنْ قِبَلِهِمْ وَتُنْزَعُ نَفْسُهُ يَعْنِي الْكَافِرَ مَعَ الْعُرُوْقِ فَيَلْعَنُهُ كُلُّ مَلَكٍ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَكُلُّ مَلَكٍ فِي السَّمَاءِ وَتُغْلَقُ أَبْوَابُ السَّمَاءِ لَيْسَ مِنْ أَهْلِ بَابٍ إِلَّا وَهُمْ يَدْعُوْنَ اللهَ أَنْ لَا يُعْرَجَ رُوْحُهُ مِنْ قِبَلِهِمْ. (رَوَاهُ أَحْمَدُ)[1]

ترجمہ: اور حضرت براء ابن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ ہم) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک انصاری شخص کے جنازہ کے ساتھ چلے ہم قبر پر پہنچے (قبر تیار نہ ہونے کی وجہ سے) ابھی جنازہ سپرد خاک نہیں ہوا تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک جگہ تشریف فرما ہو گئے، ہم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گردا گرد (اس طرح) بیٹھ گئے گویا کہ ہمارے سروں پر پرندے ہیں (یعنی ہم بالکل خاموش سر جھکا کر بیٹھے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی۔ جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم زمین کرید رہے تھے (جس طرح کہ کوئی شخص انتہائی تفکر و استغراق کے عالم میں ہوتا ہے) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر اوپر اٹھایا اور (ہمیں مخاطب کرتے ہوئے) فرمایا کہ ''عذاب قبر سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی پناہ مانگو'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دو یا تین بار فرمایا اور پھر فرمایا ''جب بندۂ مؤمن دنیا سے اپنا تعلق ختم کرنے کو ہوتا ہے اور آخرت کی طرف متوجہ ہوتا ہے (یعنی مرنے کے قریب ہوتا ہے) تو اس کے پاس آسمان سے نہایت روشن چہرے والے فرشتے اترتے ہیں (جن کے چہرہ کی چمک دمک ایسی ہوتی ہے) گویا کہ ان کے چہرے آفتاب ہیں، ان کے

---

[1] اخرجه احمد: ۲۸۷/۴، ۲۸۸

ہمراہ جنت کا کفن اور جنت کی خوشبو ہوتی ہے اور وہ اس کے سامنے اتنی دور کہ جہاں تک کہ اس کی نگاہ پہنچ سکے، بیٹھ جاتے ہیں، پھر ملک الموت آتے ہیں اور اس کے سر کے قریب بیٹھ کر کہتے ہیں کہ ''اے پاک جان: اللہ بزرگ و برتر کی مغفرت و بخشش اور اس کی خوشنودی کی طرف پہونچنے کے لئے نکل'' آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ ''(یہ سن کر) بندۂ مؤمن کی جان (اس کے جسم سے) اس طرح (یعنی آسانی اور سہولت سے) نکل آتی ہے جس طرح کہ مشک سے پانی کا قطرہ بہہ نکلتا ہے۔ چنانچہ ملک الموت اس کو لے لیتے ہیں، جب ملک الموت اسے لیتے ہیں تو دوسرے فرشتے اس جان کو ملک الموت کے ہاتھ میں پلک جھپکنے کے بقدر بھی نہیں چھوڑتے یعنی غایت اشتیاق کی بنا پر فوراً اس جان کو ملک الموت کے ہاتھوں سے (اپنے ہاتھ میں لے لیتے ہیں اور اس کو اس کفن میں اور اس خوشبو میں (کہ جسے وہ اپنے ہاتھ میں لائے تھے) رکھ لیتے ہیں، اور اس جان سے بہترین وہ خوشبو نکلتی ہے جو روئے زمین پر پائی جانے والی مشک کی بہترین، خوشبوؤں کی مانند ہوتی ہے''۔ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ ''پھر وہ فرشتے اس جان کو لے کر آسمان کی طرف چلتے ہیں، چنانچہ جب وہ فرشتے (اس جان کو لے کر زمین و آسمان کے درمیان موجود) فرشتوں کی کسی بھی جماعت کے قریب سے گزرتے ہیں تو وہ جماعت پوچھتی ہے کہ ''یہ پاک روح کون ہے؟ وہ فرشتے جو اس روح کو لے جا رہے ہوتے ہیں کہتے ہیں کہ ''یہ فلاں شخص فلاں کا بیٹا (یعنی اس کی روح) ہے'' اور وہ فرشتے اس کو بہترین نام و لقب (اور اس کے اوصاف) بتاتے ہیں جن کے ذریعہ اہل دنیا اس کا ذکر کرتے ہیں (اسی طرح سوال و جواب ہوتا رہتا ہے) یہاں تک کہ وہ فرشتے اس کو لے کر آسمان دنیا (یعنی پہلے آسمان) تک پہنچتے ہیں اور آسمان کا دروازہ کھلواتے ہیں جو ان کے لئے کھول دیا جاتا ہے (اسی طرح ہر آسمان کا دروازہ اس کے لئے کھولا جاتا ہے) اور ہر آسمان کے مقرب فرشتے دوسرے آسمان تک اس کے ساتھ جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ اسے ساتوں آسمانوں تک (اسی اعزاز و اکرام کے ساتھ) پہونچا دیا جاتا ہے''۔ پس اللہ عزوجل (فرشتوں سے) فرماتا ہے کہ ''اس بندہ کا نامۂ اعمال علیین میں رکھو اور اس جان کو زمین کی طرف (یعنی اس کے بدن میں جو زمین میں مدفون ہے) واپس لے جاؤ (تاکہ یہ اپنے بدن میں پہنچ کر قبر کے سوال و جواب کے لئے تیار رہے) کیونکہ بیشک میں نے زمین ہی سے جسموں کو پیدا کیا ہے اور زمین ہی میں ان کو (یعنی اجسام و ارواح کو) واپس بھیجتا ہوں اور پھر زمین ہی سے ان کو دوبارہ نکالوں گا''۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''اس کے بعد وہ جان اپنے جسم میں پہنچادی جاتی ہے۔ پھر اس کے پاس دو فرشتے (یعنی منکر ونکیر) آتے ہیں جو اسے بٹھلاتے ہیں اور پھر سوال کرتے ہیں کہ ''تیرا رب کون ہے؟ بندۂ مؤمن جواب دیتا ہے ''میرا رب اللہ تبارک وتعالیٰ ہے) پھر وہ پوچھتے ہیں کہ ''تیرا دین کیا ہے؟ وہ جواب دیتا ہے کہ ''میرا دین اسلام ہے''۔ پھر وہ پوچھتے ہیں کہ یہ (یعنی رسول اللہ ﷺ) کون ہیں؟ جو تمہارے درمیان بھیجے گئے تھے؟ وہ جواب دیتا ہے کہ اللہ کے رسول ہیں،، وہ پوچھتے ہیں کہ تم نے کیسے جانا کہ یہ اللہ کے رسول ہیں''۔ وہ جواب میں کہتا ہے کہ ''میں نے خدا کی کتاب کو پڑھا، اس پر ایمان لایا، اور دل سے اسے) سچ جانا (جس کی وجہ سے مجھے آنحضرت ﷺ کا رسول ہونا معلوم ہوا) پھر ایک پکارنے والا آسمان سے پکارتا ہے (یعنی خدا کی طرف سے اعلان ہوتا ہے) کہ میرا بندہ سچا ہے اس کے لئے جنت کا بستر بچھاؤ اسے جنت کا لباس پہناؤ اور اس کے لئے جنت کی طرف دروازہ کھول دو''۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''چنانچہ اس کی طرف جنت کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔ جس سے اسے جنت کی

ہوا اور خوشبو آتی رہتی ہے۔ پھر اس کی قبر کو حد نظر تک کشادہ کر دیا جاتا ہے''۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اس کے بعد اس کے پاس ایک خوبصورت شخص اچھے کپڑے پہنے اور خوشبو لگائے آتا ہے اور اس سے کہتا ہے کہ ''خوشخبری ہو تجھے اس چیز کی جو تجھے خوش کرنے والی ہے۔ (یعنی تیرے لئے وہ نعمتیں تیار ہیں جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا) آج وہ دن ہے جس کا (دنیا میں) تجھ سے وعدہ کیا گیا تھا۔ بندۂ مؤمن اس سے پوچھتا ہے کہ ''تم کون ہو؟ تمہارا چہرہ حسن و جمال میں کامل ہے، اور تم بھلائی کو لائے ہو۔ اور اس کی خوشخبری سناتے ہو، وہ شخص جواب دیتا ہے کہ ''میں تیرا نیک عمل ہوں (جو اس شکل وصورت میں آیا ہوں) بندۂ مؤمن (یہ سن کر) کہتا ہے۔ اے میرے پروردگار: قیامت قائم کردے، اے میرے پروردگار قیامت قائم کردے تاکہ میں اپنے اہل وعیال کی طرف جاؤں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''اور جب بندۂ کافر دنیا سے اپنا تعلق ختم کرنے اور آخرت کی طرف جانے والا ہوتا ہے (یعنی اس کی موت کا وقت قریب آتا ہے) تو اس کے پاس سے آسمان سے (عذاب کے) کالے چہرے والے فرشتے آتے ہیں ان کے ساتھ ٹاٹ ہوتا ہے اور وہ اتنی دور کہ جہاں تک نگاہ پہنچ سکے بیٹھ جاتے ہیں پھر ملک الموت آتا ہے اور اس کے سر کے قریب بیٹھ کر کہتا ہے کہ ''اے خبیث جان: خدا کی طرف سے عذاب میں مبتلا کئے جانے کے لئے جسم سے باہر نکل: آپ ﷺ نے فرمایا (کافر کی روح یہ سن کر) اس کے جسم میں پھیل جاتی ہے چنانچہ ملک الموت اس روح کو سختی اور زور سے باہر نکالتا ہے جیسا کہ ترصوف سے آنکڑا کھینچا جاتا ہے (یعنی جس طرح ترصوف سے آنکڑا بڑی سختی اور مشکل سے کھینچا جاتا ہے اور اس سختی سے کھینچنے کی وجہ سے صوف کے کچھ اجزاء اس آنکڑا سے لگے ہوئے باہر آجاتے ہیں اسی طرح جب کافر کی روح سختی اور قوت سے رگوں سے کھینچی جاتی ہے تو یہ حال ہوتا ہے کہ جیسے کہ روح کے ساتھ رگوں کے اجزاء لگے ہوئے باہر آگئے ہیں) جب ملک الموت اس روح کو پکڑ لیتا ہے تو دوسرے فرشتے اس روح کو ملک الموت کے ہاتھ پلک جھپکنے کے بقدر بھی نہیں چھوڑتے بلکہ اسے لے کر ٹاٹ میں لپیٹ دیتے ہیں اس روح میں سے ایسے (سڑے ہوئے) مردار کی بدبو نکلتی ہے جو روئے زمین پر پائی جانے والی ہر بدبو سے زیادہ بدبودار ہوتی ہے وہ فرشتے اس روح کو لے کر آسمان کی طرف چلتے ہیں چنانچہ جب وہ فرشتوں کی کسی جماعت کے پاس سے گزرتے ہیں تو وہ جماعت پوچھتی ہے کہ ''یہ کون ناپاک روح ہے؟ وہ فرشتے جو اسے لے جارہے ہوتے ہیں جواب دیتے ہیں کہ ''یہ فلاں شخص کا بیٹا ہے (یعنی فلاں شخص کی روح ہے) اور اس کے برے نام و برے اوصاف کے ساتھ اس کا ذکر کرتے ہیں کہ جن نام واوصاف سے وہ دنیا میں پکارا جاتا تھا، یہاں تک کہ جب اسے آسمان دنیا تک پہنچا دیا جاتا ہے اور اس کے لئے آسمان کا دروازہ کھولنے کے لئے کہا جاتا ہے تو اس کے واسطے آسمان کا دروازہ نہیں کھولا جاتا۔ پھر آنحضرت ﷺ نے (استدلال کے طور پر) یہ آیت پڑھی ﴿لاتفتح لهم ابواب السماء ولايدخلون الجنة حتى يلج الجمل فى سم الخياط﴾ ان (کافروں) کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور نہ وہ جنت میں داخل کئے جائیں گے یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہوجائے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا پھر اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے اس روح کا اعمالنامہ سجین میں لکھ دو جو سب سے نیچے کی زمین ہے''۔ چنانچہ کافر کی روح (نیچے) پھینک دی جاتی ہے، پھر آنحضرت ﷺ نے (استدلال کے طور پر) یہ آیت تلاوت فرمائی ﴿ومن يشرك بالله فكأنما خر من السماء فتخطفه الطير او تهوى به الريح فى مكان سحيق﴾

جس شخص نے اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ شرک کیا وہ ایسا ہے جیسے آسمان سے گر پڑا۔ چنانچہ اسے پرندے اچک لیتے ہیں (یعنی ہلاک ہوجاتا ہے) یا ہوا اسے (اڑ کر) دور پھینک دیتی ہے۔ پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا اس کی روح اس کے جسم میں آجاتی ہے اور اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اسے بٹھا کر اس سے پوچھتے ہیں کہ "تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے کہ "ہاہ ہاہ میں نہیں جانتا" پھر فرشتے اس سے پوچھتے ہیں کہ "تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہتا ہے کہ ہاہ ہاہ میں نہیں جانتا پھر وہ فرشتے اس سے سوال کرتے ہیں کہ "یہ شخص (یعنی آنحضرت ﷺ) جو تمہارے درمیان بھیجے گئے تھے کون ہیں؟ وہ کہتا ہے کہ ہاہ ہاہ میں نہیں جانتا"۔ (اس سوال وجواب کے بعد) پکارنے والا آسمان کی طرف سے پکار کر کہتا ہے کہ "یہ جھوٹا ہے لہٰذا اس کے لئے آگ کا بچھونا بچھاؤ اور اس کے لئے دوزخ کی طرف دروازہ کھول دو"۔ چنانچہ (اس کے لئے دوزخ کی طرف دروازہ کھول دیا جاتا ہے) جس سے اس کے پاس دوزخ کی گرمی اور اس کی گرم ہوا آتی رہتی ہے اور اس کے لئے اس کی قبر اس قدر تنگ ہوجاتی ہے کہ (دونوں کنارے مل جانے سے) اس کی پسلیاں ادھر کی ادھر اور ادھر کی ادھر نکل جاتی ہیں۔ پھر اس کے پاس ایک بدصورت شخص آتا ہے جو برے کپڑے پہنے ہوئے ہوتا ہے اور اس سے بدبو آتی رہتی ہے اور وہ اس سے کہتا ہے کہ "تو وہ بری خبر سن جو تجھے رنج وغم میں مبتلا کردے، آج وہ دن ہے جس کا تجھ سے (دنیا میں) وعدہ کیا گیا تھا"۔ وہ پوچھتا ہے کہ "تو کون ہے؟ تیرا چہرہ انتہائی برا ہے جو برائی لئے ہوئے آیا ہے۔ وہ شخص کہتا ہے کہ میں تیرا برا عمل ہوں (یہ سن کر) مردہ کہتا ہے کہ "اے میرے پروردگار: تو قیامت قائم نہ کیجئے۔ ایک اور روایت میں اسی طرح منقول ہے مگر اس میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ "جب مؤمن کی روح (اس کے جسم سے) نکلتی ہے تو ہر وہ فرشتہ جو آسمان وزمین کے درمیان ہے اور ہر وہ فرشتہ جو آسمان میں ہے اس پر رحمت بھیجتا ہے۔ اس لئے آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور (ہر آسمان کا) ہر دروازہ والا (فرشتہ) اللہ تبارک وتعالیٰ سے یہ درخواست کرتا ہے کہ اس مؤمن کی روح اس کی طرف سے آسمان پر لے جائی جائے (تاکہ وہ اس مؤمن کی روح کے ساتھ چلنے کا شرف حاصل کرسکے) اور کافر کی روح رگوں کے ساتھ نکالی جاتی ہے چنانچہ زمین وآسمان کے درمیان کے تمام فرشتے اور وہ فرشتے جو (پہلے آسمان کے) ہیں اس پر لعنت بھیجتے ہیں اس کے لئے آسمان کے دروازے بند کردیئے جاتے ہیں اور پہلے آسمان کے تمام دروازے والے اللہ تبارک وتعالیٰ سے درخواست کرتے ہیں کہ (اس کافر) کی روح ان کی طرف سے نہ چڑھائی جائے۔ (احمد)

توضیح: "عود" لکڑی اور لاٹھی کو عود کہا گیا۔[1]

"ینکت" لکڑی سے زمین کریدنے کو کہتے ہیں[2] "حنوط" مخلوط مشک وعنبر کی خوشبو کو حنوط کہتے ہیں۔[3] "تسیل" یعنی مومن کی روح اتنی آسانی سے بدن سے الگ ہوجاتی ہے جس طرح پانی کے مشکیزہ سے پانی آسانی سے ٹپک کر گرتا ہے۔[4]

سؤال: دیگر روایات میں آیا ہے کہ مومن کی روح بھی جان کنی کے وقت کرب ومصیبت برداشت کرتی ہے یہاں بتایا جارہا ہے کہ کچھ تکلیف نہیں ہوتی یہ تعارض ہے۔[5]

[1] المرقات: ۴/۱۰۲ [2] المرقات: ۴/۱۰۲ [3] المرقات: ۴/۱۰۲ [4] المرقات: ۴/۱۰۳ [5] المرقات: ۴/۱۰۳

جواب: دونوں روایتوں میں تطبیق یہ ہے کہ مومن کی روح کے نکلنے کا مرحلہ جب شروع ہوتا ہے اس وقت وہ جنت کی نعمتوں کو دیکھ کر بڑی آسانی سے نکلتی ہے لیکن مشاہدۂ آخرت سے پہلے اور عمل خروج کے شروع ہونے سے پہلے اور تکلیف ہوتی ہے تو تکلیف وراحت کے اوقات مختلف ہیں لہٰذا تعارض نہیں ہے۔

"**وماعلمك**" یعنی تجھے کہاں سے معلوم ہوا کہ اللہ تیرا رب ہے اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں وہ جواب دیتا ہے کہ یہ سب کچھ قرآن سے معلوم ہوا ہے اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قبر میں صرف تین سوالات نہیں بلکہ دوسرے سوالات بھی ہوسکتے ہیں جیسا یہاں پر سوال کیا گیا ہے۔[۱] "مناد" یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے مقرر فرشتہ ندا دیتا ہے اور خوشی کا اعلان کرتا ہے۔ "**الی اهلی ومالی**" اس سے مراد یا تو جنت میں حاصل ہونے والے اہل وعیال ہیں جن میں حور وغلمان ہونگے تو یہ اہل بھی ہیں اور مال بھی ہیں دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ **اهلی** سے مراد اپنے گھر کے اہل وعیال ہیں اور **مالی** سے مراد حور وغلمان ہیں پہلی صورت میں اگر ماموصولہ لیا جائے تو معنی یہ ہوگا کہ جو کچھ وہاں میرے لئے مقرر ہے تو مال مراد نہیں ہے۔

"**افترق فی جسده**" یعنی خوف اور ڈر کے مارے کافر کی روح جسم میں چھپنے کے لئے جسمانی ریشوں میں پھیل کر گھس جائے گی اب جس طرح پھیلی اور گھسی ہے اسی طرح نکالی جائے گی تو شدید تکلیف ہوگی اور جسم کا گوشت ریزہ ریزہ ہوجائے گا نیز انسان کی روح دنیا کے جس دھندے میں پھنسی ہے وہاں سے بھی نکالی جائے گی تو ڈبل ڈبل تکلیف ہوگی جائداد سے نکلے گی دکانوں مکانوں بیویوں بچوں فیکٹریوں اور تجارتوں جاگروں اور مناصب سے نکلے گی تو تکلیف ہوگی۔[۲]

"**هاه هاه لاادری**" یہ جملہ کافر کہتا ہے یعنی ہائے افسوس میں نہیں جانتا مجھے کچھ معلوم نہیں اپنے خالق ومالک کو جب دنیا میں نہیں پہچانا تو قبر میں کیا پہچان لیگا۔[۳] "**مختلف اضلاعه**" یعنی قبر جب کافر کو دبوچ لے گی تو اس کی پسلیاں ایک دوسرے میں داخل ہوجائے گی اور جسم کچل کر رہ جائے گا۔[۴]

"**سمومها**" دوزخ کی گرم ہوا کو سموم کہا گیا اور "حر" مطلق گرمی کو کہتے ہیں۔[۵]

ام بشر رضی اللہ تعالیٰ عنہا برزخ میں اپنے رشتہ دار کو سلام بھیج رہی ہیں

﴿۱۶﴾ وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ كَعْبٍ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ لَمَّا حَضَرَتْ كَعْبًا الْوَفَاةُ أَتَتْهُ أُمُّ بِشْرٍ بِنْتُ الْبَرَاءِ بْنِ مَعْرُوْرٍ فَقَالَتْ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ إِنْ لَقِيْتَ فُلَانًا فَاقْرَأْ عَلَيْهِ مِنِّي السَّلَامَ فَقَالَ غَفَرَ اللّٰهُ لَكِ يَا أُمَّ بِشْرٍ نَحْنُ أَشْغَلُ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالَتْ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَمَا سَمِعْتَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِنَّ أَرْوَاحَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِيْ طَيْرٍ خُضْرٍ تَعَلَّقُ بِشَجَرِ الْجَنَّةِ قَالَ بَلٰى قَالَتْ فَهُوَ ذَاكَ.

(رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ كِتَابِ الْبَعْثِ وَالنُّشُوْرِ)[۶]

---

[۱] المرقات: ۴/۱۰۶ [۲] المرقات: ۴/۱۰۸ الکاشف: ۳/۳۶۳،۳۶۴ [۳] المرقات: ۴/۱۱۰

[۴] المرقات: ۴/۱۱۱ [۵] المرقات: ۴/۱۱۱ [۶] اخرجه ابن ماجه: ۴۴۷۱

ترجمہ: اور حضرت عبدالرحمٰن ابن کعب اپنے والد مکرم (حضرت کعب رضی اللہ عنہ) کے بارے میں روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت کعب رضی اللہ عنہ کی موت کا وقت قریب آیا تو حضرت براء ابن معرور رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضرت ام بشر رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان کے پاس آئیں اور کہنے لگیں کہ "اے ابوعبدالرحمٰن: اگر آپ فلاں شخص سے ملیں تو ان سے میرا سلام کہیئے گا۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ ام بشر: اللہ تجھے بخشے وہاں ہماری مشغولیت اس سے زیادہ ہوگی۔ ام بشر رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ ابوعبدالرحمٰن: کیا آپ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے نہیں سنا کہ "(عالم برزخ میں) مؤمنین کی روحیں سبز پرندوں کے قالب میں ہوں گی اور جنت کے درختوں سے میوے کھاتی ہوں گی۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ "ہاں (میں نے یہ ارشاد گرامی سنا ہے) ام بشر رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا "یہ وہ (فضل وکرامت) ہے (جس سے تمہارے نوازے جانے کی امید ہے)۔ (ابن ماجہ، بیہقی)

توضیح: عبدالرحمن بن کعب بڑے جلیل القدر تابعی ہیں ان کے والد کا نام حضرت کعب رضی اللہ عنہ ہیں جو شان والے صحابی ہیں ام بشر رضی اللہ تعالیٰ عنہا یہ شان والی صحابیہ ہیں جو براٴ بن معرور رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی کی بیٹی ہیں ام بشر رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ کو وفات کے وقت اپنے والد براء بن معرور رضی اللہ عنہ یا اپنے بیٹے بشر رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو سلام بھیجنا چاہا جن کا انتقال ہو چکا تھا ام بشر رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا خیال تھا کہ کعب رضی اللہ عنہ ابھی ابھی دنیا سے سفر کرنے والے ہیں اور صحابی ہیں نجات یقینی ہے لہٰذا ان کے ہاتھ اپنے رشتہ دار کے نام سلام کا پیغام روانہ کر دیا ام بشر رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نام لیا ہوگا لیکن راوی نے نام کے بجائے فلاں کا لفظ ادا کر دیا ہے۔[1]

"**نحن اشغل**" حضرت کعب نے جواب دیا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کی بخشش فرمائے ہم سلام پہنچانے کی فرصت میں کہاں ہونگے لمبا سفر ہے حساب کتاب ہے ہم اپنے مشاغل میں پھنسے ہوئے ہونگے اپنی فکر پڑی ہوگی کون کس کا پوچھے گا۔ ام بشر رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے مومن کی شان اور جنت میں ان کی ارواح کا آرام اور کامیابی کا ذکر فرمایا اور اشارہ کر دیا کہ آپ پر کوئی پریشانی نہیں ہوگی لہٰذا میرا سلام پہنچا دینا آپ کی شان اس سے بڑھ کر ہے کہ آپ پریشان ہوں اس حدیث سے بھی معلوم ہو رہا ہے کہ عالم برزخ میں زندگی کی ایک بڑی حقیقت ہے یہ صرف خواب کی زندگی نہیں ہے گویا روح کو ایک قسم جسم دیا جاتا ہے جس سے وہ زندگی گذارتی ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ روح کو جسم ملنے کے بغیر اس میں ایسی حیثیت پیدا ہو جاتی ہے کہ اس کے ذریعہ سے وہ اقوال وافعال کا قابل بن جاتی ہے۔[2]

تناسخ کا عقیدہ باطل ہے

﴿۱۷﴾ وَعَنْهُ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ كَانَ يُحَدِّثُ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّمَا نَسَمَةُ الْمُؤْمِنِ طَيْرٌ تَعَلَّقُ فِيْ شَجَرِ الْجَنَّةِ حَتّٰى يُرْجِعَهُ اللهُ فِيْ جَسَدِهٖ يَوْمَ يَبْعَثُهٗ۔

(رَوَاهُ مَالِكٌ وَالنَّسَائِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ كِتَابِ الْبَعْثِ وَالنُّشُوْرِ)[3]

---

[1] المرقات: ۴/۱۱۳ [2] المرقات: ۴/۱۱۳ [3] اخرجه مالك: ۱۶۴ والنسائي: ۴/۱۰۸

ترجمہ: اور حضرت عبدالرحمن اپنے والد مکرم سے نقل کرتے ہیں کہ وہ (یعنی عبدالرحمن کے والد حضرت کعب رضی اللہ عنہ) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی بیان کرتے تھے کہ "عالم برزخ میں) مؤمن کی روح پرندہ کے قالب میں جنت کے درختوں سے میوے کھاتی رہتی ہے یہاں تک کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس دن کہ جب اسے اٹھائے گا (یعنی قیامت کے دن) اسے اس کے بدن میں واپس بھیج دے گا"۔ (مالک، نسائی، بیہقی)

توضیح: "**انما نسمة المؤمن طیر**" علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ نسمہ جسم انسانی کو بھی کہتے ہیں اور نسمہ روح کو بھی کہتے ہیں یہاں روح مراد ہے کہ جسد خاکی سے یہ روح نکل کر **طیر خضر** سبز پرندے میں چلی جاتی ہے گویا پرندے ان ارواح کے لئے تیار ظروف ہیں۔[۱]

سوال: اگر کوئی یہ اشکال کرے کہ انسان اور پھر مومن کی روح ایک جانور اور حیوان میں جا کر بسنے لگی کیا یہ ان کی تذلیل وتحقیر نہیں؟

جواب: اس سوال کا ایک جواب یہ ہے کہ یہ تعلق ایسا نہیں کہ روح انسانی جانور میں جا کر گھس گئی اور جانور نے اس پر تصرف شروع کر دیا بلکہ یہ تعلق ظرف اور مظروف جیسا ہے روح کے لئے **طیر خضر** بمنزلہ ظرف ہے جس طرح جواہرات کے لئے عمدہ صندوقچہ ظرف ہوتا ہے یہ نہیں کہ صندوقچہ اس میں کوئی تصرف کرتا ہے یا جس طرح ہیلی کاپٹر کے سامنے شیشہ کے محل میں دو تین آدمی بیٹھ کر مزے سے اڑتے ہیں یہ ہیلی کاپٹر اس انسان کی تعظیم وتکریم کے لئے ہے یہ نہیں کہ انسان نے ہیلی کاپٹر میں حلول کر دیا تو یہاں حدیث میں جس پرندے کا ذکر ہے ممکن ہے کہ اس سے ایک قسم کی سواری مراد ہو جس طرح ہیلی کاپٹر ہے یہ دوسرا جواب ہوا۔

تیسرا جواب: یہ ہے کہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ یہ ارواح خود متشکل ہو کر طیور بن جائیں گی الگ کوئی پرندہ نہیں ہے ان حضرات کے اس قول پر زیر بحث حدیث واضح طور پر دلالت کرتی ہے **انما نسمة المومن طیر**، اس روایت کو نسائی اور موطا مالک میں بھی نقل کیا گیا ہے یہ حضرات اس روایت کو ترجیح دیتے ہیں اور دوسری روایات میں تاویل کرتے ہیں یا اس کا انکار کرتے ہیں۔

مگر ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں روایات میں اس طرح تطبیق فرمائی ہے کہ مومنین کی ارواح تو جنت میں خود بخود طیور ہونگی اور شہداء کی ارواح **طیر خضر** میں داخل ہو کر انہار جنت اور باغات جنت میں بذریعہ سواری گھومتی پھرتی ہونگی۔[۳]

سوال: ایک گمراہ فرقہ تناسخ کا قائل ہو گیا اور اس نے اس قسم کی احادیث سے تناسخ پر استدلال کیا تناسخ یہ ہے کہ مثلاً دنیا میں روح نے خراب عمل کیا تو اس کو خراب جسم ملے گا مثلاً کتے بلی اور گدھے کے جسم میں حلول کریگی لوگ ان جانوروں کو ماریں گے یہی اس کے لئے سزا ہے اور یہی اس کی دوزخ ہے اور اگر روح اچھی ہو اس نے اچھا کام کیا تو یہ روح کسی اچھے بادشاہ کے جسم میں جا کر داخل ہو جاتی ہے اور وہاں عشرت وآرام کی زندگی گذارتی ہے یہی اس کے لئے جنت

---

[۱] المرقات: ۴/۱۱۴ [۲] المرقات: ۴/۱۱۴ [۳] المرقات: ۴/۱۱۵

ہے تو کیا ان لوگوں کا یہ عقیدہ صحیح ہے؟

جواب: تناسخ کا عقیدہ باطل ہے کیونکہ دنیا کی بات کرتے ہیں کہ یہاں تناسخ ہوتا ہے وہ لوگ حشر ونشر کے قائل ہی نہیں اور یہاں حدیث میں آخرت کا بیان ہے جس کا دنیا کے تناسخ سے واسطہ نہیں پھر اس حدیث سے تناسخ والے کیسے استدلال کرتے ہیں؟ نیز اہل تناسخ دین اسلام کو مانتے نہیں پھر حدیث سے اپنے باطل عقیدہ پر استدلال کیوں کرتے ہیں؟۔ نیز تناسخ میں تو روح ایک جدید الگ جسم میں جا کر گھستی ہے جیسا کہ اہل تناسخ کا عقیدہ ہے اور حشر میں ارواح اپنے قدیمی جسم میں داخل ہوں گی تو ان کا استدلال حدیث سے صحیح نہیں یہ مسئلہ اس سے پہلے باب عذاب قبر میں تفصیل سے لکھا گیا ہے یہاں خواہ مخواہ دوبارہ لکھدیا۔[1]

حضور اکرم ﷺ کو میرا سلام کہنا

﴿۱۸﴾ وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰى جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ وَهُوَ يَمُوْتُ فَقُلْتُ اِقْرَأْ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السَّلَامَ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه)[2]

ترجمہ: اور حضرت محمد ابن منکدر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اس وقت حاضر ہوا جبکہ وہ قریب المرگ تھے۔ چنانچہ میں نے ان سے عرض کیا کہ آپ (عالم برزخ میں پہنچ کر) رسول کریم ﷺ سے میرا سلام عرض کردیں"۔ (ابن ماجہ)

توضیح: "اقراء" اس حدیث سے بھی واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ مسلمان کو جو زندگی برزخ میں ملتی ہے وہ ایک حقیقت ہے وہاں ملاقاتیں ہوتی ہیں۔[3]

روح کی حقیقت:

ارواح کو ایک خاص کیفیت کے ساتھ زندگی ملتی ہے جس سے وہ سلام کلام کرتی ہیں، یہ کوئی بعید نہیں کہ ان کو ایک خاص جسم کے ساتھ مجسم کر کے زندگی دی جائے یہاں یہ بات بھی سمجھ لیں کہ روح کی حقیقت میں بعض گمراہ فلاسفہ کہتے ہیں کہ اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے وہ لوگ کبھی سانس کو روح کہتے ہیں کبھی خون کو روح قرار دیتے ہیں لیکن اہل اسلام جسم انسانی میں روح کو ایک الگ حقیقت کے طور پر مانتے ہیں اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک فیکٹری ہے اس میں پوری مشینری لگی ہے لیکن اس میں حرکت نہیں جب اس میں پاور اور بجلی چھوڑ دی جاتی ہے تو پورا کارخانہ حرکت میں آجاتا ہے روح بھی درحقیقت انسانی جسم کے کارخانے کے لئے بمنزلہ پاور اور بجلی ہے کہ انسانی جسم بالکل ایک تیار مشینری ہے مگر بے حس و بے حرکت ہے اور جونہی اس میں روح آگئی یہ پوری مشینری حرکت میں آگئی یہی ایک آسان تعبیر ہے جس سے ہم ایک حد تک

---

[1] المرقات: ۴/۱۱۵، ۱۱۶ [2] اخرجہ ابن ماجہ: ۴۶۶ ح ۱۴۵۰ [3] المرقات: ۴/۱۱۶

ارواح کی حقیقت پہچان لیتے ہیں ورنہ قرآن کا اعلان ہے ﴿**قل الروح من امر ربی وما اوتیتم من العلم الا قلیلا**﴾ (سورۃ بنی اسرائیل) [1]

یہاں یہ بات بھی سمجھنے کی ہے کہ روح آسمان سے آئی ہے اور جسم زمین سے متعلق ہے روح اگر بن جاتی ہے تو یہ اس جسم کو اڑا کر آسمانوں تک پہنچاتی ہے۔ لیکن اگر روح خراب ہو جاتی ہے تو یہ انسانی جسم کو زمین کے اندر پھنسا دیتی ہے اور اسے قعر مذلت میں نیچے **تحت الثری** تک گرا دیتی ہے۔

یہاں یہ بھی سمجھنا ضروری ہے کہ روح جب اندر گندی ہو جاتی ہے تو وہ اندر سے جسم کے باہر والے حصوں کو متاثر کرتی ہے اور ظاہری جسم مسخ ہو جاتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے انڈے کی زردی و سفیدی اگر اندر سے صحیح ہے تو انڈے کا باہر والا خول بھی صاف و شفاف رہتا ہے لیکن جب انڈا اندر سے گندا ہو جاتا ہے تو اس کی وجہ سے انڈے کا باہر حصہ پیلا پڑ جاتا ہے۔ لوگوں کو ہوشیار ہونا چاہئے کہ خرابی اندر سے پیدا ہوتی ہے روح کے سنوارنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

روح سے متعلق نہایت عالمانہ حکیمانہ انداز سے حضرت شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے سورۃ بنی اسرائیل میں بھرپور کلام فرمایا ہے وہاں دیکھ لینا چاہئے۔

[1] بنی اسرائیل الآیہ ۸۵

مورخہ ۲ جمادی الثانی ۱۴۱۰ھ

باب غسل المیت وتکفینہ

میت کے نہلانے کفنانے کا بیان

قال اللہ تعالیٰ ﴿وجاءت سکرۃ الموت بالحق ذلک ما کنت منہ تحید﴾[1]

اس باب میں وہ احادیث بیان کی جائیں گی جن سے مردہ کے نہلانے، کفنانے اور اس کے آداب کا علم حاصل ہوگا۔

تمام علماء کے نزدیک میت کو غسل دینا فرض کفایہ ہے اور یہ مردے کا حق ہے اگر کچھ لوگوں نے یہ حق ادا کیا تو باقی کا ذمہ ساقط ہوجائے گا لیکن اگر سب نے چھوڑ دیا تو سب کے سب گناہ گار ہوجائیں گے۔

میت کو غسل دینے کا سبب کیا ہے؟ اس میں دو قول ہیں ایک یہ کہ غسل دینے کا سبب یہ ہے کہ موت کی وجہ سے مردے کے پورے جسم میں نجاست پھیل جاتی ہے اس لئے غسل دینا ضروری ہوگیا تا کہ پورا جسم پاک ہوجائے دوسرا قول یہ ہے کہ موت سے استرخاء مفاصل آتا ہے اور استرخاء سے وضو ٹوٹ جاتا ہے لہٰذا وضوء کرنا ضروری ہے مگر زندگی میں بوجہ حرج وضو میں صرف چار اعضاء کا دھولینا کافی سمجھا گیا اور موت کے بعد چونکہ حرج نہیں تو اصل پر عمل کیا گیا اور اصل یہ ہے کہ پورے بدن کا وضو ہوجائے اور وہ غسل سے ہوگا اس قول کے مطابق میت کو غسل دینا بوجہ نجاست نہیں ہے اول قول کے مطابق غسل دینا بوجہ نجاست ہے۔

حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو غسل دینے کا واقعہ

﴿۱﴾ عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ نَغْسِلُ ابْنَتَهُ فَقَالَ اِغْسِلْنَهَا ثَلَاثًا أَوْ خَمْسًا أَوْ أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ اِنْ رَأَيْتُنَّ ذٰلِكَ بِمَاءٍ وَسِدْرٍ وَاجْعَلْنَ فِي الْآخِرَةِ كَافُوْرًا أَوْ شَيْئًا مِنْ كَافُوْرٍ فَاِذَا فَرَغْتُنَّ فَآذِنَّنِيْ فَلَمَّا فَرَغْنَا آذَنَّاهُ فَأَلْقٰى اِلَيْنَا حَقْوَهُ فَقَالَ أَشْعِرْنَهَا اِيَّاهُ. وَفِيْ رِوَايَةٍ اِغْسِلْنَهَا وِتْرًا ثَلَاثًا أَوْ خَمْسًا أَوْ سَبْعًا وَابْدَأْنَ بِمَيَامِنِهَا وَمَوَاضِعِ الْوُضُوْءِ مِنْهَا وَقَالَتْ فَضَفَرْنَا شَعْرَهَا ثَلَاثَةَ قُرُوْنٍ فَأَلْقَيْنَاهَا خَلْفَهَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: حضرت ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ہمارے پاس رسول کریم ﷺ تشریف لائے جبکہ ہم آپ کی بیٹی (حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کو نہلا رہے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا تم تین مرتبہ یا پانچ مرتبہ اور اگر مناسب سمجھو تو اس سے بھی زیادہ اسے پانی اور بیری کے پتوں سے (یعنی بیری کے پتے پانی میں جوش دے کر اس پانی سے) نہلاؤ (کیونکہ بیری کے

---

[1] ق الآیہ ۱۹ [2] اخرجہ البخاری: ۲/۹۳، ۲/۹۴ ومسلم: ۳/۴۷

پتوں کے جوش دیئے ہوئے پانی سے بہت زیادہ پاکی اور صفائی حاصل ہوتی ہے) اور آخری مرتبہ میں کافور یا فرمایا کہ کافور کا کچھ حصہ پانی میں ڈالدو، اور جب تم (نہلانے سے) فارغ ہوجاؤ تو مجھے خبر دینا، چنانچہ جب ہم فارغ ہوگئے تو آنحضرت ﷺ کو اطلاع دی گئی، آپ نے اپنا تہ بند ہماری طرف بڑھا دیا اور فرمایا کہ اس تہ بند کو اس کے بدن سے لگا دو (یعنی اس تہ بند کو اس طرح کفن کے نیچے رکھ دو کہ وہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بدن سے لگا رہے) اور ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں (کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا) اسے طاق یعنی تین بار یا پانچ بار یا سات بار غسل دو اور غسل اس کی دائیں طرف سے اور اس کے اعضاء وضو سے شروع کرو۔ حضرت ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ "ہم نے ان کے بالوں کی تین چوٹیاں گوندھ کر ان کے پیچھے ڈالدیں"۔

توضیح: "ابنته" واضح اور راجح یہی ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی یہ صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں جو حضرت ابو العاص کے نکاح میں تھیں حضور ﷺ کی دوسری صاحبزادی کا نام رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھا تیسری کا نام ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھا یہ دونوں یکے بعد دیگرے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں آئیں تھیں اور چوتھی صاحبزادی حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئی تھیں، شیعہ شنیعہ اور رافضہ مرفوضہ حضور اکرم ﷺ کی ایک صاحبزادی سے زیادہ کا انکار کرتے ہیں۔[1]

"اغسلنها ثلاثا او خمسا" لفظ او، صرف ترتیب کے لئے ہے تخییر کے لئے نہیں ہے یہاں اصل مدار پاکی حاصل ہوجانے پر ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ اگر پاکی ایک یا دو بار پانی بہانے سے حاصل ہوگئی تو پھر تین بار تک پانی ڈالنا مستحب ہے زیادہ مکروہ ہے اور اگر پاکی تین بار دھونے پر حاصل ہوگئی تو پھر پانچ بار تک پانی ڈالنا اور غسل دینا مستحب ہے اس سے زیادہ مکروہ ہے اور اگر پاکی پانچ مرتبہ دھونے پر حاصل ہوگئی تو سات بار تک پانی استعمال کرنا مستحب ہے زیادہ مکروہ ہے سات مرتبہ سے زیادہ منقول نہیں ہے۔[2]

"بماء وسدر" بیری کے پتوں کو سدر کہا گیا ہے اس میں ترتیب یہ ہے کہ صاف پانی میں بیری کے پتوں کو ڈالکر پانی کو ابال دیا جائے اور پھر مناسب گرم پانی سے میت کو غسل دیا جائے پھر تیسری بار پانی میں کافور ملا کر اس سے غسل دینا چاہئے۔

بیری کے پتوں کا ایک فائدہ یہ ہے کہ اس سے اچھی طرح صفائی حاصل ہوجاتی ہے دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اس کے استعمال سے حشرات الارض میت کے قریب نہیں آتے تیسرا فائدہ یہ ہے کہ اس کے استعمال سے لاش جلدی خراب نہیں ہوتی۔[3]

کافور ملانے کا مطلب یہ ہے کہ پانی میں اس کو ملایا جائے یا میت کے جسم پر چھڑکا جائے۔

"حقوة" ازار بند کو حقہ کہا گیا ہے کمر پر بھی حقوۃ کا اطلاق ہوتا ہے تہ بند بھی کمر پر باندھا جاتا ہے۔[4]

"اشعرنها" یعنی تہ بند کو کفن کے دیگر کپڑوں سے نیچے اس کے بدن کے ساتھ لگا کر پہنا دو تا کہ اس سے برکت آجائے۔

---

[1] المرقات: ۴/۱۱۷ [2] المرقات: ۴/۱۱۷ [3] المرقات: ۴/۱۱۷ [4] المرقات: ۴/۱۱۸

اس سے برکت کا ثبوت مل گیا کہ بزرگوں کے مستعمل اشیاء میں برکت ہوتی ہے ہاں برکت دہندہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات ہے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے برکات اور تبرکات کے لئے بخاری شریف میں مستقل ابواب رکھے ہیں مثلاً باب برکۃ النخلۃ البتہ بزرگوں کے کپڑوں یا تبرکات کو کفن میں شامل کر کے پہنانا چاہئے کفن سے زائد کوئی کپڑا یا کوئی چیز بدن کے ساتھ رکھنا جائز نہیں ہے۔[۱]

"وابدء بمیامنھا" یعنی میت کو اس کے دائیں ہاتھ دائیں پاؤں اور دائیں پہلو کی جانب سے نہلانا چاہئے۔علماء نے غسل کی ترتیب اس طرح لکھی ہے کہ آدمی پہلے اپنے ہاتھوں کو کپڑے کے دستانے پہنا دے پھر تیار پانی سے میت کے اعضا وضو کو دھویا جائے میت کے ستر کی جگہ پر کپڑا ڈالا جائے اور مکمل وضو بنایا جائے اعضا وضو سے مراد وہ اعضا ہیں جن کا دھونا وضو میں فرض ہے لہٰذا منہ اور ناک میں پانی نہیں ڈالنا چاہئے البتہ سر پر مسح کرنا چاہئے۔[۲]

"فضفرنا شعرھا" یعنی ہم نے ان کے سر کے بالوں کو تین مینڈیوں میں بٹ لیا مطلب یہ کہ تین چوٹیاں گوندھ کر پیچھے کمر کی طرف ڈال دیں۔[۳]

شوافع حضرات کا مسلک اسی طرح ہے لیکن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دار زینت دنیا ہے جس کا تعلق حیات کے ساتھ ہے اور موت کے بعد "دار البلی" ہے وہاں زینت نہیں بوسیدگی ہے لہٰذا ترک زینت اولیٰ ہے زیر بحث حدیث میں بالوں کے ساتھ جو معاملہ کیا گیا ہے یہ صحابیات کا اجتہادی عمل تھا لہٰذا بالوں کو دو حصوں میں تقسیم کر کے سینہ پر ڈالنا چاہئے جیسے بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے فقہاء کا یہ فیصلہ دونوں طرف سے اجتہاد پر مبنی ہے یہ جواز وعدم جواز کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ اولیٰ اور غیر اولیٰ کا مسئلہ ہے۔[۴]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کفن

﴿۲﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُفِّنَ فِيْ ثَلَاثَةِ أَثْوَابٍ يَمَانِيَّةٍ بِيْضٍ سَحُوْلِيَّةٍ مِنْ كُرْسُفٍ لَيْسَ فِيْهَا قَمِيْصٌ وَلَا عِمَامَةٌ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۵]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تین کپڑوں میں کفنائے گئے تھے جو سفید یمنی اور سحول کی بنی ہوئی روئی کے تھے، نہ ان میں (سیا ہوا) کرتہ تھا نہ پگڑی تھی"۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "سحولیة" اس کلمہ میں حرف سین پر فتحہ بھی پڑھا گیا ہے اور ضمہ بھی پڑھا گیا ہے ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ اور نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں[۶] کہ فتحہ زیادہ مشہور ہے۔

لغت کی کتاب فائق میں لکھا ہے کہ اگر سین پر فتحہ پڑھا جائے تو یہ شیخ سحول کی طرف منسوب ہوگا جو ایک دھوبی تھا اور اس

[۱] المرقات: ۴/۱۱۸ [۲] المرقات: ۴/۱۱۸ [۳] المرقات: ۴/۱۱۸ [۴] المرقات: ۴/۱۱۸، ۱۱۹

[۵] اخرجه البخاری: ۲/۹۵، ۲/۹۷ ومسلم: ۳/۴۹ [۶] الکاشف: ۳/۳۶۸ المرقات: ۴/۱۱۹

طرح کے کپڑے دھویا کرتا تھا۔ نیز اس صورت میں یہ ایک گاؤں کی طرف بھی منسوب ہوسکتا ہے سحول یمن کے ایک گاؤں کا نام ہے یہ کپڑے وہاں بنائے جاتے تھے۔

اور اگر لفظ سحول کے سین پر ضمہ پڑھا جائے تو یہ سحل کی جمع ہوگی جو خالص سفید کپڑے کو کہا جاتا ہے۔

بہرحال زیادہ ظاہر یہ ہے کہ سحول یا سحولی یمن میں ایک جگہ کا نام ہے اور اسی کی طرف یہ کپڑا منسوب ہے۔[1]

"من کرسف" سفید روئی کو کرسف کہتے ہیں مطلب یہ کہ یہ سفید کپڑے خالص سفید کاٹن کے تھے۔[2]

"لیس فیها قمیص" اس جملہ کے دو مفہوم لئے جاسکتے ہیں اول یہ کہ آنحضرت ﷺ کے کفن کے صرف تین کپڑے تھے اس میں عمامہ اور قمیص نہیں تھی بلکہ صرف تین کپڑے تھے بعض نے یہ مفہوم لیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے کفن کے ان تین کپڑوں میں عمامہ اور قمیص نہیں تھی بلکہ وہ ان تین کپڑوں کے علاوہ تھیں لہٰذا مرد کے کفن میں پانچ کپڑے ہونے چاہئے۔ مفہوم کے اس اختلاف میں فقہاء کا بھی تھوڑا سا اختلاف آگیا ہے۔[3]

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ وشافعی رحمۃ اللہ علیہ واحمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ جمہور فرماتے ہیں کہ کفن میں صرف تین لفافہ ہوں یعنی تین چادریں ہوں جن میں میت کو لپیٹ لیا جائے اس میں قمیص وعمامہ کی گنجائش نہیں ہے۔

ائمہ احناف فرماتے ہیں کہ کفن میں تین کپڑے ہونے چاہئے ① ازار یعنی لنگی ② قمیص یعنی کفنی ③ لفافہ یعنی چادر۔ یہ اختلاف صرف تعبیر میں ہے ورنہ چادروں میں کوئی فرق نہیں ہوتا صرف قمیص کی ایک شکل سی ہوتی ہے کھلی چادر نہیں ہوتی حدیث میں قمیص کی جو نفی کی گئی ہے وہ سلی ہوئی قمیص کی نفی ہے احناف کے ہاں جو قمیص ہے وہ کفنی ہے وہ باقاعدہ قمیص نہیں البتہ قمیص کی شکل ہوتی ہے۔[4]

میت کا کفن اچھا ہونا چاہئے

﴿۳﴾ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَفَّنَ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ فَلْيُحْسِنْ كَفَنَهُ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[5]

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو کفنائے تو اسے چاہئے کہ وہ اچھا کفن دے"۔ (مسلم)

توضیح: **"فلیحسن کفنه"** اچھے کفن سے مراد یہ ہے کہ کفن کا کپڑا پورا ہو کفن سفید ہو اسراف کے بغیر مزیدار کپڑا ہو خواہ نیا ہو یا دھلا ہوا ہو۔

علامہ تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسراف کرنے والوں میں جو طریقہ رائج ہے وہ یہ ہے کہ بہت زیادہ قیمتی کپڑا کفن میں استعمال کرتے ہیں جو شرعی اعتبار سے ممنوع ہے کیونکہ اس سے خواہ مخواہ مال ضائع ہو جاتا ہے۔

---

[1] المرقات: ۴/۱۱۹ [2] المرقات: ۴/۱۱۹ [3] المرقات: ۴/۱۱۹ [4] المرقات: ۴/۱۱۹، ۱۲۰ [5] اخرجہ مسلم: ۳/۵۰

بہر حال اچھے کفن سے مراد وہ اعلیٰ اور قیمتی کپڑا نہیں ہے جو اہل دنیا کے ہاں بطور تکبر اور بطور ریا کاری و ناموری رائج ہے۔[1]

محرم کے کفن کا مسئلہ

﴿۴﴾ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِنَّ رَجُلاً كَانَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَقَصَتْهُ نَاقَتُهٗ وَهُوَ مُحْرِمٌ فَمَاتَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اغْسِلُوْهُ بِمَاءٍ وَسِدْرٍ وَ كَفِّنُوْهُ فِيْ ثَوْبَيْهِ وَلاَ تَمَسُّوْهُ بِطِيْبٍ وَلاَ تُخَمِّرُوْا رَأْسَهٗ فَاِنَّهٗ يُبْعَثُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مُلَبِّيًا۔[2]

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَسَنَذْكُرُ حَدِيْثَ خَبَّابٍ قُتِلَ مُصْعَبُ بْنُ عُمَيْرٍ فِيْ بَابِ جَامِعِ الْمَنَاقِبِ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى)

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص (سفر حج کے دوران) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھا، اس کی اونٹنی نے (اس کو گرادیا اور) اس کی گردن توڑ دی، وہ شخص محرم (یعنی حج کی نیت سے احرام باندھے ہوئے) تھا اسی حال میں وہ مر گیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''اسے پانی اور بیری کے پتوں سے نہلاؤ اسے اسی کے دونوں کپڑوں میں کفناؤ اور نہ اسے خوشبو لگاؤ اور نہ اس کا سر ڈھانکو کیونکہ وہ قیامت کے دن لبیک کہتا ہوا اٹھایا جائے گا۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "**وقصته**" وقص گردن توڑنے کے معنی میں ہے مطلب یہ کہ احرام کی حالت حج کے سفر کے دوران اس شخص کو اس کی اونٹنی نے گرادیا جس سے اس کی گردن ٹوٹ گئی۔[3]

"**کفنوه فی ثوبیه**" اس شخص کے ساتھ وفات کے بعد وہی معاملہ کیا گیا جو ایک محرم کے ساتھ زندگی میں ہوتا ہے کہ خوشبو نہ لگاؤ سر نہ ڈھانپو بلکہ احرام کے کپڑوں میں دفنادو، اس حدیث کے ظاہر کو دیکھ کر فقہاء میں اختلاف آ گیا ہے۔[4]

فقہاء کا اختلاف:

امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے ظاہری الفاظ کے مطابق اس شخص کے ساتھ یہی معاملہ کیا جائے گا نہ خوشبو نہ کفن نہ سر ڈھانکنا۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام **دار الهجرة** امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک کفن دفن میں محرم اور غیر محرم دونوں مساوی ہیں کوئی فرق نہیں ہے۔

جواب: احناف و مالکیہ زیر بحث حدیث کا یہ جواب دیتے ہیں کہ اس شخص کے ساتھ جو کچھ معاملہ کیا گیا ہے یہ اس کی خصوصیت تھی لہٰذا دیگر اموات کو اس پر قیاس نہیں کیا جائے گا اور یہ بھی ممکن ہے کہ کفنانے کے لئے الگ کوئی کپڑا میسر نہیں ہوا تو اسی طرح احرام میں دفنا دیا۔ بہر حال خصوصیت کی بات زیادہ راجح ہے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اس شخص کے علاوہ کسی کے ساتھ ایسا معاملہ نہیں کیا گیا اور نہ بعد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کو ضابطہ بنا کر عمل کیا۔[5]

---

[1] المرقات: ۱۲۰۴ [2] اخرجه البخاری: ۳/۲۲ ومسلم: ۲۳/۴/۲۴

[3] المرقات: ۱۲۱/۴ الکاشف: ۳/۳۶۹ [4] المرقات: ۱۲۱/۴ [5] المرقات: ۱۲۱/۴

الفصل الثانی

کفن کے لئے سفید کپڑا بہتر ہے

﴿۵﴾ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلْبَسُوْا مِنْ ثِيَابِكُمُ الْبَيَاضَ فَاِنَّهَا مِنْ خَيْرِ ثِيَابِكُمْ وَكَفِّنُوْا فِيْهَا مَوْتَاكُمْ وَمِنْ خَيْرِ اَكْحَالِكُمُ الْاِثْمِدُ فَاِنَّهُ يُنْبِتُ الشَّعَرَ وَيَجْلُو الْبَصَرَ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَرَوَى ابْنُ مَاجَه اِلٰى مَوْتَاكُمْ)[1]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم سفید کپڑے پہنو اس لئے کہ تمہارے لئے وہ بہترین کپڑے ہیں اور اپنے مردوں کو سفید کپڑوں میں کفناؤ، نیز تمہارے لئے بہترین سرمہ "اثمد" ہے کیونکہ وہ تمہاری پلکوں کے بال اگاتا ہے اور آنکھ کی بینائی کو بڑھاتا ہے۔ (ابوداؤد، ترمذی) ابن ماجہ نے اس روایت کو لفظ "موتاکم" تک نقل کیا ہے۔

توضیح: مردوں کے لئے سفید کفن بطور استحباب ہے عورتوں کے لئے بھی یہی مستحب ہے اور اس حدیث میں کفن کے معاملہ میں مرد اور عورت سب کو یکساں رکھا گیا ہے البتہ اگر سفید کے بجائے مردوں کو دھاری دھار کپڑے سے کفن بنایا جائے یا کوئی اور رنگین کپڑا ہو جس کو وہ زندگی میں استعمال کر دیا کرتے تھے تو وہ بھی جائز ہے اور عورتوں کے لئے ان کے رنگ کے مطابق کپڑا استعمال کرنا جائز ہے۔[2]

"اثمد" یہ ایک پتھر ہے جس کو پیس کر سرمہ بنایا جاتا ہے اور استعمال کیا جاتا ہے نگاہ کے لئے مفید ہے رات کو سرمہ استعمال کرنا مطلقا نظر کے لئے مفید ہے۔[3]

قیمتی کپڑے کے کفن کی ممانعت

﴿۶﴾ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَغَالَوْا فِي الْكَفَنِ فَاِنَّهُ يُسْلَبُ سَلْبًا سَرِيْعًا۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)[4]

ترجمہ: اور حضرت علی رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کفن میں زیادہ قیمتی کپڑا نہ لگاؤ اس لئے کہ وہ بہت جلد چھین لیا جاتا ہے۔ (ابوداؤد)

قیامت میں مردہ کس حال میں اٹھے گا؟

﴿۷﴾ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ اَنَّهُ لَمَّا حَضَرَهُ الْمَوْتُ دَعَا بِثِيَابٍ جُدُدٍ فَلَبِسَهَا ثُمَّ قَالَ سَمِعْتُ

[1] اخرجه ابوداؤد: ۳۸۷۸ ابن ماجه ۱۴۷۲، ۳۵۶۶ [2] المرقات: ۴/۱۲۳ [3] المرقات: ۴/۱۲۳ [4] اخرجه ابوداؤد: ۳۱۵۴

رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ الْمَیِّتُ یُبْعَثُ فِیْ ثِیَابِہِ الَّتِیْ یَمُوْتُ فِیْھَا۔ (رَوَاہُ أَبُوْ دَاوُدَ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ جب ان کی موت کا وقت قریب آیا تو انہوں نے نئے کپڑے منگوائے اور انہیں زیب تن کیا پھر فرمایا کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مردہ انہیں کپڑوں میں اٹھایا جاتا ہے جن میں وہ مرتا ہے۔ (ابوداؤد)

توضیح: "جدد" یعنی بالکل نئے کپڑے پہن لئے۔[2] "فانه یبعث" اس بعثت اور اٹھنے سے مراد قبور سے اٹھنا ہے کیونکہ میدان محشر میں تو کسی کے بدن پر کپڑا نہیں ہوگا بلکہ برہنہ اٹھیں گے لہٰذا اس حدیث کا دیگر احادیث سے تعارض نہیں رہے گا۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے کلام میں جو لفظ ثیاب آیا ہے اس سے مراد اعمال لیا جا سکتا ہے ذکر تو ثوب کا کیا مگر مراد نیک اعمال لئے اور عربی میں نیک اعمال کو ثیاب سے یاد کرتے ہیں۔ جیسے کہا گیا ہے:[3]

وانی بحمدا الله لا ثوب فاجر لبست ولا عن غدرا تقنع

نیز ﴿وثیابك فطهر﴾[4] میں بعض مفسرین نے اعمال مراد لئے ہیں۔

بہر حال ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ جب دنیا سے رخصت ہو رہے تھے تو آپ رضی اللہ عنہ نے محض صفائی اور پاکیزگی کے لئے نئے کپڑے منگوا لئے اور پھر آپ کے ذہن میں یہ حدیث آئی تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کو بیان فرمادیا اس کا مطلب یہ نہیں کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ اس حدیث کو بطور دلیل اپنے اس دعوی پر پیش کر رہے ہیں۔ کہ آدمی قیامت میں اور حشر ونشر میں انہیں کپڑوں میں اٹھے گا جس میں ان کا انتقال ہوا ہو۔[5]

بہترین کفن اور بہترین قربانی کونسی ہے

﴿۸﴾ وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ خَیْرُ الْکَفَنِ الْحُلَّةُ وَخَیْرُ الْأُضْحِیَّةِ الْکَبْشُ الْأَقْرَنُ۔ (رَوَاہُ أَبُوْ دَاوُدَ وَرَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَہ عَنْ أَبِیْ أُمَامَةَ)[6]

ترجمہ: اور حضرت عبادہ ابن صامت رضی اللہ عنہ رسول کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "بہترین کفن حلہ ہے، اور بہترین قربانی سینگوں والا دنبہ ہے۔ (ابوداؤد)

توضیح: "حلہ" ایک رنگ کے دو کپڑوں کو حلہ اور سوٹ کہتے ہیں ظاہر ہے کہ بہتر کفن وہی ہوتا ہے جو ایک رنگ میں ہو لفافہ بھی سفید ہو قمیص و ازار بھی سفید ہو اس حدیث میں اس طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے کہ بہترین کفن وہ ہے جس میں دو کپڑے استعمال کیا جائے جو کفن کفایہ ادنی درجہ کی سنت ہے اس سے کم کپڑا نہ ہو یعنی ایک کپڑا نہ ہو تو اعلیٰ درجہ کمال

[1] اخرجہ ابوداؤد: ۳۱۱۴ [2] المرقات: ۴/۱۲۲ الکاشف: ۴/۳۷۱ [3] المرقات: ۴/۱۲۲
[4] مدثر الایہ ۴ [5] المرقات: ۴/۱۲۵، ۱۲۶ [6] اخرجہ ابوداؤد: ۳۱۵۶، وابن ماجہ: ۱۴۷۳

سنت تین کپڑے ہیں ادنی درجہ کمال دو کپڑے ہیں اس سے کم بہتر نہیں بلکہ وہ کفن ضرورت ہے مرد کے لئے کفن ضرورت ایک کپڑا ہے عورت کے لئے کفن ضرورت دو کپڑے ہیں۔[1]

شہداء کو ان کے کپڑوں میں دفنایا جائے

﴿۹﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَمَرَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَتْلَى أُحُدٍ أَنْ يُنْزَعَ عَنْهُمُ الْحَدِيْدُ وَالْجُلُوْدُ وَأَنْ يُدْفَنُوْا بِدِمَائِهِمْ وَثِيَابِهِمْ۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَه)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ احد کے شہداء کے بارے میں فرمایا کہ ان کے لوہے (کے ہتھیار، زرہیں) اور چمڑے (کی پوستین وغیرہ یعنی وہ اشیاء جو خون آلود نہیں ہیں) ان کے بدن سے اتار لی جائیں پھر انہیں ان کے (خون آلودہ) کپڑوں اور خون سمیت دفن کر دیا جائے۔ (ابوداود، ابن ماجہ)

توضیح: "الحدید" لوہے سے مراد اسلحہ ہے کہ شہید کے جسم سے اسلحہ اتار کر اس کو کپڑوں سمیت دفنایا جائے۔[3]
"والجلود" اس سے مراد جسم پر زائد کپڑے ہیں مثلاً کوٹ، واسکٹ ہے یا پوستین ہے جس میں چمڑا استعمال کیا گیا ہو۔[4]
"بدمائهم" یعنی ان کو غسل دیئے بغیر خون سے لت پت دفنا دیا جائے تا کہ اللہ تعالیٰ کے پاس اسی حالت میں آجائے۔[5]

الفصل الثالث

صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان

﴿۱۰﴾ عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيْمَ عَنْ أَبِيْهِ أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ أُتِيَ بِطَعَامٍ وَكَانَ صَائِمًا فَقَالَ قُتِلَ مُصْعَبُ بْنُ عُمَيْرٍ وَهُوَ خَيْرٌ مِّنِّي كُفِّنَ فِي بُرْدَةٍ إِنْ غُطِّيَ رَأْسُهُ بَدَتْ رِجْلَاهُ وَإِنْ غُطِّيَ رِجْلَاهُ بَدَا رَأْسُهُ وَأُرَاهُ قَالَ وَقُتِلَ حَمْزَةُ وَهُوَ خَيْرٌ مِّنِّي ثُمَّ بُسِطَ لَنَا مِنَ الدُّنْيَا مَا بُسِطَ أَوْ قَالَ أُعْطِيْنَا مِنَ الدُّنْيَا مَا أُعْطِيْنَا وَلَقَدْ خَشِيْنَا أَنْ تَكُوْنَ حَسَنَاتُنَا عُجِّلَتْ لَنَا ثُمَّ جَعَلَ يَبْكِيْ حَتّٰى تَرَكَ الطَّعَامَ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[6]

ترجمہ: حضرت سعد ابن ابراہیم رضی اللہ عنہ اپنے والد مکرم (حضرت ابراہیم) سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے پاس جبکہ وہ روزہ سے تھے (افطار کے لئے) کھانا لایا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ "حضرت مصعب ابن عمیر رضی اللہ عنہ جو شہید کر دیئے گئے تھے مجھ سے بہتر تھے مگر وہ صرف ایک چادر میں کفنائے گئے تھے۔ (جو اس قدر چھوٹی تھی) کہ اگر ان کا

[1] المرقات: ۴/۱۲۶ [2] اخرجه ابوداؤد: ۳۱۳۴ وابن ماجه: ۱۵۱۵ [3] المرقات: ۴/۱۲۷
[4] المرقات: ۴/۱۲۷ [5] المرقات: ۴/۱۲۷ [6] اخرجه البخاري: ۲/۹۷، ۹۸، ۵/۱۲۱

سر ڈھانکا جاتا تھا تو ان کے پاؤں کھل جاتے تھے اور اگر ان کے پاؤں ڈھانک دیئے جاتے تھے تو اس کا سر کھل جاتا تھا (آخر کار ان کا سر تو اس چادر کے ساتھ ڈھک دیا گیا اور پیروں پر اذخر ڈال دی گئی جیسا کہ باب جامع المناقب کی حدیث میں یہ تفصیل ہے) حضرت ابراہیم حدیث (کے راوی) کہتے ہیں کہ میرا گمان ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے یہ بھی فرمایا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ جو شہید کر دیئے گئے تھے مجھ سے بہتر تھے (اور ان کو بھی ایسا ہی کفن نصیب ہوا جیسا کہ حضرت مصعب ابن عمیر رضی اللہ عنہ کو اور جب مسلمانوں کی تنگدستی و پریشانی کا یہ دور اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل سے ختم ہوا تو) پھر ہمارے لئے دنیا اس قدر فراخ کی گئی کہ جو ظاہر ہے، یا یہ فرمایا کہ ''دنیا ہمیں اس قدر دی گئی جتنی کہ دی گئی ہے، ہمیں اس بات کا خوف ہے کہ کہیں ہماری نیکیوں کا صلہ ہمیں جلد ہی (یعنی دنیا ہی میں) نہ مل گیا ہو، پھر حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ (اسی خوف کی وجہ سے) رونے لگے یہاں تک کہ انہوں نے کھانا چھوڑ دیا''۔ (بخاری)

توضیح: حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ شان والے صحابی ہیں عشرۃ مبشرہ میں سے ہیں دن بھر روزہ رکھا تھا افطار کے وقت کھانا آ گیا انہوں نے جب کھانے کو دیکھا اور دنیا کی فراوانی کا احساس دل پر چوٹ بن کر ابھرا اور گذرے ہوئے اپنے فقیر ساتھیوں کی یاد آئی تو روتے رہے اور کھانا باوجود شدید احتیاج کے چھوڑ دیا کہ کہیں دنیا کے عمدہ اور لذیذ کھانوں سے ہمارے آخرت کے درجات کا نقصان نہ ہو جائے آپ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت اور کفن نہ ملنے کا ذکر فرمایا اور حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی گذشتہ ناز و تنعم کی زندگی کا ذکر کیا اور پھر اسلام کے بعد فقر و فاقہ کا نقشہ کھینچا اور پھر کھانا چھوڑ دیا یہ صحابہ کی عظیم شان تھی۔[1]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا رئیس المنافقین کے ساتھ حسن سلوک

﴿۱۱﴾ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ أَتَى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَبْدَ اللهِ بْنِ أُبَيٍّ بَعْدَ مَا أُدْخِلَ حُفْرَتَهُ فَأَمَرَ بِهٖ فَأُخْرِجَ فَوَضَعَهُ عَلَى رُكْبَتَيْهِ فَنَفَثَ فِيْهِ مِنْ رِيْقِهٖ وَأَلْبَسَهُ قَمِيْصَهُ قَالَ وَكَانَ كَسَا عَبَّاسًا قَمِيْصًا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم عبداللہ ابن ابی کے پاس اس وقت تشریف لائے جبکہ وہ اپنی قبر میں اتارا جا چکا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے (اس کی قبر) سے نکالنے کا حکم فرمایا جب وہ نکالا گیا تو آپ نے اسے اپنے گھٹنوں پر رکھ کر اپنا مبارک لعاب دہن اس کے منہ میں ڈالا اور اسے اپنا کرتہ پہنایا''۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''عبداللہ ابن ابی نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اپنا کرتہ پہنایا تھا''۔ (بخاری و مسلم)

[1] المرقات: ۴/۱۲۸، ۱۲۹ [2] اخرجه البخاري: ۲/۹۷، ۲/۱۱۶، ۴/۶۳ ومسلم: ۸/۱۲۰

توضیح: عبداللہ بن ابی ابن سلول رئیس المنافقین تھا حضور اکرم ﷺ نے ان کے ساتھ مرنے کے بعد عجیب حسن سلوک کا معاملہ کیا کہ ان کو قبر سے نکلوا کر اپنے مبارک گھٹنوں پر لٹا دیا اور لعاب دہن اس کے منہ یا آنکھ میں ڈالدیا اور اپنی قمیص انکو پہنادی اور ان کی نمازہ جنازہ پڑھادی اور ان کے لئے خوب استغفار کیا اس کی وجہ یہ تھی کہ جب بدر میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ جنگی قیدی بن گئے تو آپ کے جسم پر کرتہ نہیں تھا آپ کا قد بڑا تھا صرف عبداللہ بن ابی کا کرتہ ان پر پورا آیا تو اس نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو پہنادیا حضور اکرم ﷺ چاہتے تھے کہ عبداللہ بن ابی کے اس احسان کا بدلہ دیدیں دوسری وجہ یہ تھی کہ عبداللہ بن ابی کا ایک بیٹا تھا جن کا نام بھی عبداللہ تھا وہ نیک اور بہت ہی مخلص صحابی تھے حضور اکرم ﷺ نے چاہا کہ ان کی دلجوئی ہو چنانچہ اس طرح فراخدلی اور عفودرگذر کو جب لوگوں نے دیکھ لیا تو منقول ہے کہ اس دن بہت زیادہ منافقین نے اسلام قبول کیا۔ [۱]

نفسی الفداء لمن اخلاقه شهدت بأنه خير مولود من البشر

[۱] المرقات: ۱۲۹/۴/۱۳۰

باب المشي بالجنازة

جنازہ اٹھا کر لے جانے کا بیان

قال الله تعالیٰ ﴿فَأَمَاتَهُ فَأَقْبَرَهُ﴾ [1]

اس باب میں کل ۴۵ احادیث مذکور ہیں ان احادیث میں یہ مذکور ہے کہ جنازہ کو آرام سے لے جایا جائے، ہچکولے نہ ہو، میت کو جلدی دفنایا جائے، گھر میں دیر تک نہ رکھا جائے جنازہ کے ساتھ قبرستان تک جایا جائے، حادثہ فاجعہ سمجھ کر جنازہ کے لئے کھڑا ہو جائے یا نہیں، جنازہ پڑھنے کا طریقہ کیا ہے، جنازہ جنازگاہ میں بہتر ہے یا مسجد میں، امام جنازہ کے کس سمت میں کھڑا ہو جائے، جنازہ میں لوگوں کی شرکت اور میت کی تعریف کس طرح ہو، کس عمر کے بچے کا جنازہ ہوتا ہے، جنازہ کی دعا کا طریقہ کیا ہے اور اس قسم کے دیگر مسائل وفضائل آئیں گے۔

اس باب میں یہ بیان بھی ہے کہ جنازہ کے ساتھ پیدل چلنا افضل ہے اگرچہ سوار ہو کر جانا جائز ہے۔ نیز جنازہ سے آگے پیچھے جانا جائز ہے مگر افضل یہ ہے کہ پیچھے جائے۔ نماز جنازہ فرض کفایہ ہے جب بعض نے پڑھ لیا تو باقی سے ذمہ ساقط ہو جائے گا۔ نماز جنازہ کے لئے چند شرائط ہیں ① میت کا مسلمان ہونا شرط ہے۔ ② حالت طہارت میں ہونا شرط ہے۔ ③ جنازہ کا سامنے رکھا ہوا ہونا شرط ہے لہٰذا غائب کا جنازہ صحیح نہیں ہے اس میں اختلاف آرہا ہے۔

الفصل الاول

جنازہ جلدی لے جانا چاہئے

﴿۱﴾ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَسْرِعُوا بِالْجَنَازَةِ فَإِنْ تَكُ صَالِحَةً فَخَيْرٌ تُقَدِّمُونَهَا إِلَيْهِ وَإِنْ تَكُ سِوَى ذٰلِكَ فَشَرٌّ تَضَعُونَهُ عَنْ رِقَابِكُمْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) [2]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جنازہ لے کر جلدی چلو، کیونکہ اگر وہ جنازہ نیک (آدمی کا) ہے تو (اس کے لئے) بھلائی ہے لہٰذا اسے نیکی وبھلائی کی طرف (جلد) پہنچا دو اور اگر وہ ایسا نہیں ہے تو برا ہے لہٰذا (جلد سے جلد) اپنی گردنوں سے اتار کر رکھ دو"۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: جنازہ جلدی لے کر چلو کا مطلب یہ ہے کہ جب تجہیز وتکفین کا کام مکمل ہو جائے پھر میت کو گھر میں روکے نہ رکھو بلکہ جلدی اس کو قبرستان لے جایا کرو تاکہ جلدی دفن ہو جائے کیونکہ اگر وہ نیک آدمی ہے تو اس کو جنت کی نعمتوں سے کیوں محروم رکھا ہے اور اگر وہ برا آدمی ہے تو تم اس بوجھ کو اپنے کندھوں پر کیوں لئے پھرتے ہو۔ خود بھی نیک مؤمن آدمی

[1] عبس الآیہ ۲۱ [2] اخرجہ البخاری: ۲/۱۰۸ ومسلم: ۳/۵۰

مطالبہ کرتا رہتا ہے کہ مجھے جلدی لے جاؤ لیکن ہم سن نہیں سکتے اور بدکار آدمی بھی شور کرتا ہے کہ مجھے کہاں لے جاتے ہو جیسا کہ آئندہ حدیث میں مذکور ہے ابھی چند ماہ قبل ایک مولوی صاحب کا کراچی میں انتقال ہو گیا تھا ان کے لواحقین نے جنازہ پڑھنے کے بعد ان کے تدفین میں کسی رشتہ دار کی وجہ سے پانچ گھنٹے تاخیر کی وہ مولوی صاحب ایک عالم دین کو خواب میں آئے اور فرمایا کہ آپ لوگوں نے پانچ گھنٹے تک میری نیند و آرام کو خراب کیا۔[1]

نیکوکار اور بدکار کا جنازہ

﴿۲﴾ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا وُضِعَتِ الْجِنَازَةُ فَاحْتَمَلَهَا الرِّجَالُ عَلَى أَعْنَاقِهِمْ فَإِنْ كَانَتْ صَالِحَةً قَالَتْ قَدِّمُونِي وَإِنْ كَانَتْ غَيْرَ صَالِحَةٍ قَالَتْ لِأَهْلِهَا يَاوَيْلَهَا أَيْنَ تَذْهَبُونَ بِهَا يَسْمَعُ صَوْتَهَا كُلُّ شَيْءٍ إِلَّا الْإِنْسَانَ وَلَوْ سَمِعَ الْإِنْسَانُ لَصَعِقَ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب جنازہ تیار کیا جاتا ہے اور لوگ اسے اپنی گردنوں پر اٹھاتے ہیں تو اگر وہ جنازہ نیک بخت (آدمی کا) ہوتا ہے تو وہ اپنے لوگوں سے کہتا ہے کہ (مجھے میری منزل کی طرف) جلد لے چلو اور اگر بدبخت (آدمی کا) جنازہ ہوتا ہے تو وہ اپنے لوگوں سے کہتا ہے کہ "ہائے افسوس: مجھے کہاں لئے جاتے ہو؟ جنازہ کی اس آواز کو سوائے انسان کے ہر چیز سن سکتی ہے، اگر انسان اس آدمی کی آواز سن لے تو بے ہوش ہو کر گر پڑے یا مر جائے"۔ (بخاری)

جنازہ دیکھ کر کھڑے ہونے کا حکم

﴿۳﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا رَأَيْتُمُ الْجِنَازَةَ فَقُومُوا فَمَنْ تَبِعَهَا فَلَا يَقْعُدْ حَتّٰى تُوضَعَ۔[3] (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ: اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب تم جنازے کو دیکھو تو کھڑے ہو جاؤ اور جو شخص جنازہ کے ساتھ رہے تو وہ اس وقت تک نہ بیٹھے جب تک کہ جنازہ (لوگوں کے کاندھے سے زمین پر یا قبر میں) نہ رکھ دیا جائے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "فقوموا" مردے کے جنازے کے لئے کھڑا ہونا ابتداء اسلام میں تھا پھر منسوخ ہو گیا آگے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت نمبر ۳۵ جو آرہی ہے جمہور علماء کے نزدیک وہ اس حدیث کے لئے ناسخ ہے۔[4]

[1] المرقات: ۴/۳۲ [2] اخرجہ البخاری: ۲/۱۰۸، ۲/۱۲۲ [3] اخرجہ البخاری: ۲/۱۰۷ ومسلم: ۳/۵۷ [4] المرقات: ۴/۱۳۳

بعض علماء احناف فرماتے ہیں کہ اگر آدمی جنازہ کے ساتھ جانا چاہتا ہے یا کندھا دیتا ہے تو وہ کھڑا ہو جائے ورنہ نہیں اگر یہ مقصد نہ ہو تو ویسے جنازہ کے لئے کھڑا ہونا مکروہ ہے بعض علماء فرماتے ہیں کہ آدمی کو قیام اور عدم قیام دونوں کا اختیار ہے بہر حال اس بارے میں مختلف روایات وارد ہیں بعض میں کھڑے ہونے کا ذکر ہے بعض میں نہیں ہے بعض میں قیام کی ایک وجہ بیان کی گئی ہے بعض میں دوسری وجہ بیان کی گئی ہے۔

اب خلاصہ یہ نکلا کہ اگر کوئی شخص حادثہ موت کی گھبراہٹ اور شدید فزع کی وجہ سے کھڑا ہوتا ہے یا فرشتوں کے احترام کی وجہ سے کھڑا ہوتا ہے یا کندھا دینے کی غرض سے کھڑا ہوتا ہے تو مضایقہ نہیں ہوگا بلا مقصد کھڑے ہونے میں فائدہ نہیں زیر بحث حدیث میں یہ ادب بھی بیان کیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص جنازہ کے ساتھ جانا چاہتا ہے تو جب تک جنازہ زمین پر رکھا نہیں جاتا یہ آدمی اس سے پہلے نہ بیٹھے ممکن ہے جنازہ اتارنے اور رکھنے میں مدد کی ضرورت پڑے۔[1]

﴿۴﴾ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ مَرَّتْ جِنَازَةٌ فَقَامَ لَهَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقُمْنَا مَعَهُ فَقُلْنَا يَارَسُولَ اللّٰهِ إِنَّهَا يَهُودِيَّةٌ فَقَالَ إِنَّ الْمَوْتَ فَزَعٌ فَإِذَا رَأَيْتُمُ الْجِنَازَةَ فَقُومُوا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ ایک دفعہ جنازہ گزرا تو رسول کریم ﷺ اسے دیکھ کر کھڑے ہو گئے ہم بھی آپ ﷺ کے ساتھ کھڑے ہو گئے، پھر ہم نے عرض کیا کہ "یارسول اللہ ﷺ: یہ تو ایک یہودیہ کا جنازہ تھا، (کسی مسلمان کا جنازہ تو تھا نہیں کہ جس کی تعظیم و تکریم کے لئے اٹھا جاتا) آنحضرت ﷺ نے فرمایا "موت" خوف اور گھبراہٹ کی چیز ہے جب تم جنازہ دیکھو تو (اگر چہ وہ جنازہ کافر ہی کا کیوں نہ ہو) اٹھ کھڑے ہو"۔ (بخاری ومسلم)

﴿۵﴾ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ رَأَيْنَا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ فَقُمْنَا وَقَعَدَ فَقَعَدْنَا يَعْنِي فِي الْجِنَازَةِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ. وَفِي رِوَايَةِ مَالِكٍ وَأَبِي دَاوُدَ قَامَ فِي الْجِنَازَةِ ثُمَّ قَعَدَ بَعْدُ)[3]

ترجمہ: اور حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول کریم ﷺ کو جنازہ دیکھ کر کھڑے ہوئے دیکھا ہے چنانچہ ہم بھی کھڑے ہو گئے جب آپ بیٹھے ہم بھی بیٹھ گئے۔ (مسلم) اور حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ "آنحضرت ﷺ جنازہ دیکھ کر کھڑے ہوئے اور اس کے بعد بیٹھے"۔

توضیح: "قام فقمنا" اس جملہ کے دو معنی ہیں۔ ① پہلا معنی یہ ہے کہ جنازہ کی آمد پر آنحضرت ﷺ کھڑے ہو گئے تو ہم بھی کھڑے ہو گئے اور جب جنازہ چلا گیا اور غائب ہو گیا تو حضور اکرم ﷺ بیٹھ گئے تو ہم بھی بیٹھ گئے۔
② دوسرا معنی یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کچھ عرصہ تک تو جنازہ کی وجہ سے اٹھتے تھے تو ہم بھی اٹھتے تھے پھر آپ نے اٹھنا چھوڑ دیا آپ جنازہ کے لئے نہیں اٹھتے تھے بلکہ بیٹھے رہتے تھے تو ہم بھی بیٹھے رہتے تھے یہ دوسرا معنی زیادہ واضح ہے اور اس

[1] المرقات: ۴/۱۳۲ [2] اخرجه البخاری: ۲/۱۰۷ ومسلم: ۵۷۳ [3] اخرجه مسلم: ۳/۵۷ وابوداؤد: ۳۱۷۵ ومالك

میں جنازہ کے لئے اٹھنے کے حکم کی منسوخی کی طرف اشارہ ہے۔[۱]

جنازہ کے ساتھ قبرستان جانے کا ثواب دوگنا ہے۔

﴿۶﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اتَّبَعَ جَنَازَةَ مُسْلِمٍ إِيْمَانًا وَاحْتِسَابًا وَكَانَ مَعَهٗ حَتّٰى يُصَلّٰى عَلَيْهَا وَيُفْرَغَ مِنْ دَفْنِهَا فَإِنَّهٗ يَرْجِعُ مِنَ الْأَجْرِ بِقِيْرَاطَيْنِ كُلُّ قِيْرَاطٍ مِثْلُ أُحُدٍ وَمَنْ صَلّٰى عَلَيْهَا ثُمَّ رَجَعَ قَبْلَ أَنْ تُدْفَنَ فَإِنَّهٗ يَرْجِعُ بِقِيْرَاطٍ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۲]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا ''جو شخص کسی مسلمان کے جنازہ کے ساتھ مؤمن ہونے کی حیثیت سے (یعنی فرمان شریعت پر عمل کرنے کی غرض سے) اور طلب ثواب کی خاطر جائے اور جنازہ کے ساتھ ساتھ رہے یہاں تک کہ اس کی نماز جنازہ پڑھے اور اس کی تدفین سے فراغت پائے تو وہ شخص دو قیراط ثواب لے کر واپس ہوتا ہے جس میں سے ہر قیراط احد پہاڑ کے برابر ہے اور جو شخص صرف جنازہ کی نماز پڑھ کر آجائے اور تدفین میں شریک نہ ہو تو وہ ایک قیراط ثواب لے کر واپس ہوتا ہے۔

توضیح: قیراط ایک معمولی مقدار سکہ کا نام ہے جو پانچ جو کے دانے کے برابر ہوتا ہے قیراط کا ذکر کبھی تحقیر و تقلیل کے لئے ہوتا ہے اور کبھی تکثیر کے لئے ہوتا ہے جب تکثیر کے لئے ہوتا ہے تو ایک قیراط احد کے پہاڑ کے برابر ہوتا ہے جیسے یہاں ہے اور جب تقلیل کے لئے ہوتا ہے تو چونی اٹھنی کے معنی میں ہوتا ہے جیسے حضور ﷺ نے قریش کی بکریاں چرانے پر قلیل معاوضہ کی طرف اس طرح اشارہ فرمایا'' **کنت ارعی غنما لقریش علی قراریط**'' میں قریش کی بکریاں چونی اٹھنی پر چرایا کرتا تھا۔[۳]

غائبانہ نماز جنازہ کا حکم

﴿۷﴾ وَعَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَى لِلنَّاسِ النَّجَاشِيَّ الْيَوْمَ الَّذِيْ مَاتَ فِيْهِ وَخَرَجَ بِهِمْ إِلَى الْمُصَلّٰى فَصَفَّ بِهِمْ وَكَبَّرَ أَرْبَعَ تَكْبِيْرَاتٍ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۴]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے نجاشی کے انتقال کی خبر لوگوں کو اسی روز پہنچائی جس دن کہ اس کا انتقال ہوا تھا، پھر صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہمراہ عیدگاہ تشریف لے گئے وہاں سب کے ہمراہ (نماز جنازہ کے لئے صف بندی فرمائی اور چار تکبیریں کہیں''۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: نجاشی حبشہ کے بادشاہ کا لقب ہوا کرتا تھا جیسے قیصر روم کے بادشاہ اور کسریٰ فارس کے بادشاہ اور فرعون مصر کے بادشاہ اور تبع یمن کے بادشاہ اور خاقان ترکوں کے بادشاہ اور راجہ ہندوستان کے بادشاہ کا لقب ہوتا تھا نجاشی کا نام

[۱] المرقات: ۴/۱۳۵ [۲] اخرجه البخاری: ۱/۱۸ ومسلم [۳] المرقات: ۴/۱۳۶ [۴] اخرجه البخاری: ۲/۱۱۲، ۵/۶۵ ومسلم: ۳/۵۳

"اصحمہ" تھا اور یہ مسلمان ہوگیا تھا ان کی موت پر حضور اکرم ﷺ نے مدینہ منورہ کی عیدگاہ میں غائبانہ جنازہ پڑھایا ہے اب غائبانہ نماز جنازہ کے جواز وعدم جواز میں فقہاء کا اختلاف پیدا ہوگیا۔

فقہاء کا اختلاف:

شوافع اور غیر مقلدین حضرات کے نزدیک غائبانہ جنازہ پڑھانا جائز ہے۔
جمہور علماء فرماتے ہیں کہ غائبانہ نماز جنازہ جائز نہیں ہے۔

دلائل:

شوافع حضرات نے زیر بحث حدیث سے استدلال کیا ہے۔
جمہور تعامل صحابہ اور تعامل امت سے استدلال کرتے ہیں کہ خلفاء راشدین نے کبھی کسی غائب کا جنازہ نہیں پڑھایا اور نہ مشرق ومغرب میں کسی مسلمان نے خلفاء راشدین کا غائبانہ جنازہ پڑھایا۔
جمہور اس سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے زندگی بھر نجاشی اور معاویہ مزنی کے علاوہ کسی صحابی پر غائبانہ جنازہ نہیں پڑھایا معلوم ہوا جائز نہیں ہے پھر نجاشی اور مزنی کا جنازہ جو پڑھایا ہے اس کا کیا جواب ہے؟
جواب: جمہور فرماتے ہیں کہ نجاشی کے جنازہ کے پڑھانے کے لئے حبشہ میں کوئی موجود نہ تھا نیز نجاشی اور معاویہ مزنی پر نماز جنازہ حضور اکرم ﷺ کی خصوصیت تھی عام امت کے لئے جائز نہیں خصوصیت اس طرح ہوئی کہ نجاشی اور مزنی دونوں کے جنازے حضور ﷺ کے سامنے لائے گئے تھے تو آنحضرت ﷺ کے لئے یہ جنازہ غائبانہ نہیں تھا جو پڑھایا وہ حاضر کا جنازہ تھا گویا حضور اکرم ﷺ نے کبھی غائبانہ جنازہ پڑھایا ہی نہیں جو پڑھایا وہ غائبانہ نہیں تھا بلکہ حاضرانہ تھا اس پر دلیل بھی ملاحظہ ہو۔[1]
ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے عمران حصین کی ایک روایت نقل کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔

"عن عمران حصين ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ان اخاكم النجاشي قد مات فصلوا عليه فقام فصففنا خلفه فكبر اربعا ومانحسب الجنازة الابين يديه"۔ (التعليق الصبيح)[2]
بعض علماء نے لکھا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کے سامنے تمام حجابات ہٹا دیئے تو حضور ﷺ نجاشی کے جنازہ کو مشاہدہ فرما رہے تھے اور پڑھا رہے تھے جیسے بیت المقدس آپ کے سامنے منکشف ہوا اور آپ نے کفار کے سوالات کا جواب دیا۔ بہرحال نجاشی کے جنازہ کو غائبانہ جنازہ کہنا صحیح نہیں ہے۔
اور جب یہ خصوصیت پیغمبری تھی تو اس پر کسی اور کو قیاس کرنا جائز نہیں ہے۔
لہٰذا غائبانہ جنازہ جائز نہیں ہے ہاں جو لوگ سیاسی مقاصد کے لئے غائبانہ جنازے پڑھاتے ہیں تو وہ سیاست ہے شریعت

---
[1] المرقات: ۴/۱۳۹ [2] المرقات: ۴/۱۳۹

نہیں ہے اسی طرح احناف کے نزدیک متعدد بار جنازہ پڑھانا بھی جائز نہیں ہے فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر ولی کی اجازت کے بغیر جنازہ پڑھایا گیا تو وہ اس جنازہ کو لوٹا سکتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ پہلا والا جنازہ صحیح نہیں تھا لہٰذا جو دوسرا یا تیسرا جنازہ کہیں ہوگا اس کا مطلب یہ ہوگا کہ پہلا والا جنازہ صحیح نہیں تھا اس لئے جنازہ کا اعادہ کیا جاتا ہے ہاں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا جنازہ اگر بار بار پڑھایا گیا ہے تو وہ خصوصیت پیغمبری تھی۔[1]

زیر بحث حدیث سے یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ جنازہ مسجد کے بجائے عیدگاہ میں پڑھانا چاہئے اس کے آگے آرہی ہے، اس حدیث سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ جنازہ کی تکبیرات چار ہیں۔[2]

"نعي النجاشي" کسی کی موت کی خبر کو نعی کہتے ہیں حضور اکرم ﷺ نے نجاشی کی موت کی خبر صحابہ رضی اللہ عنہم کو دی تھی۔[3]

نماز جنازہ کی تکبیرات

﴿۸﴾ وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى قَالَ كَانَ زَيْدُ ابْنُ أَرْقَمَ يُكَبِّرُ عَلَى جَنَائِزِنَا أَرْبَعًا وَأَنَّهُ كَبَّرَ عَلَى جِنَازَةٍ خَمْسًا فَسَأَلْنَاهُ فَقَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكَبِّرُهَا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[4]

ترجمہ: اور حضرت عبدالرحمٰن ابن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ حضرت زید ابن ارقم رضی اللہ عنہ (صحابی) ہمارے جنازوں (کی نماز) میں چار تکبیریں کہا کرتے تھے۔ ایک جنازہ پر انہوں نے پانچ تکبیریں کہیں تو ہم نے ان سے پوچھا کہ "آپ تو ہمیشہ چار تکبیریں کہا کرتے تھے آج پانچ تکبیریں کیوں کہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ رسول کریم ﷺ پانچ تکبیریں کہا کرتے تھے"۔ (مسلم)

توضیح: "اربعا" ائمہ اربعہ جنازہ کے چار تکبیرات پر متفق ہیں چار سے زائد تکبیرات متروک ہیں کیونکہ نبی اکرم ﷺ کا آخری عمل چار تکبیرات پر ہے اور تمام روایات بھی اسی پر ہیں البتہ بعض روایات میں پانچ تکبیرات یا اس سے زائد کا ذکر آیا ہے تو معمول بہ چار تکبیرات ہیں اور اس سے زائد جس نے پڑھے ہیں تو شاید شہداء کی تکریم کے لئے ایسا کیا گیا ہے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی زیر بحث حدیث کا مطلب بھی یہی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کبھی کبھی پانچ تکبیریں پڑھی ہیں یا یہ مطلب ہے کہ آنحضرت ﷺ پہلے پانچ پڑھا کرتے تھے بعد میں ترک کر دیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یا عوام کا حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے اس زائد تکبیر کے پڑھنے پر سوال کرنا خود اس بات کی دلیل ہے کہ چار تکبیرات سے زیادہ معمول بہ امر نہیں تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چار تکبیرات پر امت کو جمع کیا تھا تعلیق الصبیح میں تفصیل موجود ہے۔[5]

---

[1] المرقات: ۴/۱۳۹ [2] المرقات: ۴/۱۳۸، ۱۳۹ [3] المرقات: ۴/۱۳۸ [4] اخرجه مسلم [5] المرقات: ۱۴۰۲، ۱۴۱

نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کا مسئلہ

﴿۹﴾ وَعَنْ طَلْحَةَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ ابْنِ عَبَّاسٍ عَلٰى جِنَازَةٍ فَقَرَأَ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ فَقَالَ لِتَعْلَمُوْا أَنَّهَا سُنَّةٌ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت طلحہ بن عبداللہ بن عوف رحمہ اللہ (تابعی) کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پیچھے جنازہ کی نماز پڑھی چنانچہ انہوں نے (تکبیر اولیٰ کے بعد) سورۂ فاتحہ پڑھی اور فرمایا کہ ''میں نے سورۂ فاتحہ اس لئے پڑھی ہے تاکہ تم لوگ جان لو کہ یہ سنت ہے''۔ (بخاری)

توضیح: "فقرأ فاتحة الكتاب" نماز جنازہ میں فاتحہ پڑھنا چاہئے یا نہیں اس میں علماء کا اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف:

امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے ہاں اول تکبیر کے بعد فاتحہ پڑھنا واجب ہے اور آہستہ پڑھنا افضل ہے آج کل حرمین شریفین کے ائمہ کبھی فاتحہ پڑھتے ہیں مگر اژدھام کے وقت نہیں پڑھتے۔[2]

امام مالک رحمہ اللہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جنازہ میں فاتحہ بحیثیت قرأت قرآن پڑھنا جائز نہیں ہاں بطور حمد وثنا اگر کوئی پڑھنا چاہے وہ الگ بات ہے۔[3]

دلائل:

شوافع اور حنابلہ فاتحہ پڑھنے کے لئے زیر بحث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال کرتے ہیں اور سنت کے الفاظ کو واجب پر حمل کرتے ہیں مطلب یہ کہ فاتحہ پڑھنا واجب ہے مگر مسنون طریقہ سے ثابت ہے شوافع حضرات اس سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ جنازہ کو صلوۃ کہتے ہیں اور جو چیز بھی صلاۃ ہو اس کے لئے "لاصلوة الابفاتحة الكتاب" کا حکم ہے۔[4]

احناف اور مالکیہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود نماز جنازہ میں فاتحہ پڑھنا ثابت نہیں ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں آپ نے فاتحہ کو سنت قرار دیا ہے لیکن علماء لکھتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ عام طور پر اپنے اجتہادی فعل وعمل پر سنت کا اطلاق کرتے ہیں یہاں بھی آپ نے اپنے اجتہاد کو سنت کہا ہے یہی وجہ ہے کہ آپ فاتحہ فی صلوۃ الجنازۃ کے معاملہ میں منفرد ہیں کسی نے آپ کا ساتھ نہیں دیا ہے بلکہ الٹا آپ پر سوالات کی بوچھاڑ کردی ہے۔

موطا امام مالک میں روایت ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ نہیں پڑھتے تھے۔[5]

علماء احناف ومالکیہ فرماتے ہیں کہ جنازہ تو دعاء ہے اور دعا کے آداب میں سے یہ ہے کہ پہلے حمد باری تعالیٰ ہو پھر نبی

---

[1] اخرجه البخاری: ۲/۱۱۲ [2] المرقات: ۴/۱۳۱ [3] المرقات: ۴/۱۳۱ [4] المرقات: ۴/۱۳۱ [5] المرقات: ۴/۱۳۱

پاک ﷺ پر درود ہو اور پھر میت وغیرہ کے لئے دعا پڑھے تو اس دعا میں قرات فاتحہ کا کیا مطلب؟ ہاں بطور حمد وثنا اگر کوئی فاتحہ پڑھے وہ الگ بات ہے۔ (کذا قال ابن ھمام)

شوافع کو احناف اس روایت سے یہ جواب بھی دیتے ہیں کہ اس روایت سے فاتحہ کا وجوب ثابت نہیں ہوتا حالانکہ آپ وجوب کے قائل ہیں تو اس سے استدلال کیسے؟

میت کے لئے نماز جنازہ میں آنحضرت ﷺ کی دعا

﴿۱۰﴾ وَعَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ صَلَّى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى جِنَازَةٍ فَحَفِظْتُ مِنْ دُعَائِهٖ وَهُوَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهٗ وَارْحَمْهُ وَعَافِهٖ وَاعْفُ عَنْهُ وَأَكْرِمْ نُزُلَهٗ وَوَسِّعْ مُدْخَلَهٗ وَاغْسِلْهُ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ وَنَقِّهٖ مِنَ الْخَطَايَا كَمَا نَقَّيْتَ الثَّوْبَ الْأَبْيَضَ مِنَ الدَّنَسِ وَأَبْدِلْهُ دَارًا خَيْرًا مِنْ دَارِهٖ وَأَهْلًا خَيْرًا مِنْ أَهْلِهٖ وَزَوْجًا خَيْرًا مِنْ زَوْجِهٖ وَأَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ وَأَعِذْهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ عَذَابِ النَّارِ، وَفِيْ رِوَايَةٍ وَقِهٖ فِتْنَةَ الْقَبْرِ وَعَذَابَ النَّارِ قَالَ حَتّٰى تَمَنَّيْتُ أَنْ أَكُوْنَ أَنَا ذٰلِكَ الْمَيِّتَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) رسول کریم ﷺ نے ایک جنازہ کی نماز پڑھی، میں نے آپ کی وہ دعاء یاد کر لی جو آپ (تیسری تکبیر کے بعد) فرماتے تھے (اور وہ یہ ہے)۔ (اے اللہ اس کے گناہ بخش دے، اس پر رحم فرما اسے عافیت میں رکھ، اس (کی لغزشوں) سے درگزر فرما (جنت میں) اس کی اچھی مہمانی کر، اس کی قبر کشادہ فرما اس کو پانی سے، برف سے اور اولے سے پاک کر دے جیسا کہ سفید کپڑا میل سے پاک کیا جاتا ہے۔ اسے اس کے گھر سے (آخرت کا) بہتر گھر عطا فرما، اس کے خادموں سے بہتر خادم عطا فرما اور اس کی بیوی سے بہتر بیوی عطا فرما، اسے (بغیر عذاب کے ابتداء ہی میں) جنت میں داخل کر اور اسے قبر کے عذاب سے یا فرمایا کہ "دوزخ کے عذاب سے پناہ دے" اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں اس کو قبر کے فتنہ سے اور آگ کے عذاب سے بچا حضرت عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں نے آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے اس میت کے لئے یہ دعا سنی تو مجھے بڑا رشک آیا اور بے اختیار میرے دل میں یہ آرزو پیدا ہوئی کہ کاش یہ میری میت ہوتی تا کہ آنحضرت ﷺ یہ دعا میرے لئے فرماتے۔ (مسلم)

توضیح: "زوجا خیرا" یعنی جنت میں ان کو ان کی بیوی سے بہتر بیوی عطا فرما اس سے مراد جنت کی حوریں ہیں۔ علماء لکھتے ہیں کہ نیک اور مومن عورت جنت میں ایسی حور بن جائیگی جو جنت کی حوروں سے افضل ہوگی۔[2]

کسی چیز کی صفائی اور پاکیزگی کے لئے جو پانی استعمال ہوتا ہے وہ یا برف کا ہوتا ہے یا اولوں کا ہوتا ہے یا چشموں کا عام پانی

---

[1] اخرجه مسلم: ۳/۵۹ [2] المرقات: ۴/۱۴۳

ہوتا ہے اس حدیث میں ان تمام اقسام کا ذکر کیا گیا ہے۔

یہ ایک عجیب دعا ہے علماء احناف کو چاہئے کہ اس دعا کو جنازوں میں عام کریں اپنی جامع مانع جنازہ کی دعا بھی پڑھیں مگر یہ دعا بھی ساتھ ہو عرب علما اس کو پڑھتے ہیں ہمارے ہاں جنازہ کی دعا بہت مختصر ہے ابھی ابھی مسجد نبوی میں ظہر کی نماز کے بعد جنازہ کی نماز ہوئی اعلان میں بتایا گیا کہ کئی اموات کے جنازے ہیں کبھی اعلان ہوتا ہے کہ عورت ہے کبھی بچے کا اعلان ہوتا ہے اس تصریح اور تعیین کی ضرورت اس لئے پیش آتی ہے کہ یہ لوگ میت کو دعا میں ضمیر لوٹاتے ہیں اگر ایک ہے تو مفرد کی ضمیر ہوتی ہے اگر عورت ہے تو مونث کی ضمیر لوٹائی جاتی ہے۔

عوف بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ عجیب دعا میں نے حضور ﷺ کی زبان مبارک سے میت کے لئے سنی تو میں نے کہا کاش یہ میت میں ہوتا تو یہ دعا مجھے حاصل ہوتی، یاد رہے حضور اکرم ﷺ بطور تعلیم امت کبھی کبھی زور سے بھی جنازہ کی دعا پڑھتے تھے۔

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جنازہ کی جتنی دعائیں ہیں ان میں یہ مذکورہ دعا سب سے زیادہ صحیح اور مستند ہے۔[1]

مسجد کے اندر نماز جنازہ پڑھنے کا حکم

﴿۱۱﴾ وَعَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَنَّ عَائِشَةَ لَمَّا تُوُفِّيَ سَعْدُ بْنُ أَبِي وَقَّاصٍ قَالَتْ ادْخُلُوا بِهِ الْمَسْجِدَ حَتّٰى أُصَلِّيَ عَلَيْهِ فَأُنْكِرَ ذٰلِكَ عَلَيْهَا فَقَالَتْ وَاللّٰهِ لَقَدْ صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى ابْنَيْ بَيْضَاءَ فِي الْمَسْجِدِ سُهَيْلٍ وَأَخِيْهِ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابی سلمہ بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا (اور ان کا جنازہ ان کے مکان سے بقیع میں دفن کے لئے لایا گیا) تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ ان کا جنازہ مسجد میں لاؤ تا کہ میں بھی نماز پڑھ سکوں' لوگوں نے اس سے انکار کیا (کہ مسجد میں جنازہ کی نماز کیسے پڑھی جاسکتی ہے) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ "خدا کی قسم: آنحضرت ﷺ نے بیضاء کے دونوں لڑکوں سہیل اور ان کے بھائی کی نماز جنازہ مسجد میں پڑھی ہے"۔ (مسلم)

توضیح: "ادخلوبه المسجد" حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فاتح عراق حضور اکرم ﷺ کے ماموں ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے انکے جنازہ کو مسجد میں لانے کا فرمایا تا کہ خود جنازہ میں شریک ہوسکیں صحابہ نے اس کو پسند نہیں کیا تو آپ نے بطور دلیل بیضاء کے دو بیٹوں کے جنازے کو پیش کیا کہ دونوں کا جنازہ مسجد نبوی میں حضور اکرم ﷺ نے پڑھایا بیضاء ان دو بھائیوں کی ماں کا نام ہے ایک بھائی کا نام سہیل رضی اللہ عنہ ہے دوسرے کا نام یہاں مذکور نہیں ہے لیکن ان کا نام سہل رضی اللہ عنہ ہے۔[3]

---

[1] المرقات: ۴/۱۴۲ [2] اخرجہ مسلم: ۳/۶۳ [3] المرقات: ۱۳۸، ۴/۱۴۴

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا انتقال وادی عقیق میں انکے مکان میں ہوا تھا وہاں سے جنت البقیع لا کر دفنائے گئے مدینہ پر مروان کی حکومت تھی اور عام خلافت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تھی۔
اب اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ نماز جنازہ مسجد میں جائز ہے یا نہیں۔

فقہاء کا اختلاف:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مسجد میں جنازہ کی نماز پڑھنا جائز ہے احناف کے نزدیک مسجد میں جنازہ پڑھنا مکروہ ہے پھر احناف کے ہاں ایک قول مکروہ تحریمی کا ہے لیکن ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے کراہت تنزیہی کو ترجیح دی ہے۔ [1]

دلائل:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ زیر بحث حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں "ادخلوہ" کہ ان کو اندر لاؤ تا کہ میں بھی جنازہ میں شریک ہو جاؤں اسی طرح بیضاء کے دو بیٹوں کی نماز جنازہ مسجد میں ہوئی اس سے بھی شوافع استدلال کرتے ہیں۔
ائمہ احناف کی دلیل سنن ابوداود میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے الفاظ یہ ہیں۔ [2]

"عن ابی هريرة رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من صلى على جنازة في المسجد فلا شئ له اوفلا اجر له"۔ (ج۲ص۹۸)

احناف یہ بھی فرماتے ہیں کہ مساجد جنازوں کے لئے نہیں بنائی گئیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں مسجد سے الگ ایک جگہ بنی ہوئی تھی جہاں جنازے ہوتے تھے نیز تعامل صحابہ رضی اللہ عنہم بھی اس پر دال ہے کہ جنازوں کی نمازیں مساجد سے باہر ہوتی تھیں، لہٰذا شدید عذر کے بغیر نماز جنازہ مسجد کے اندر مکروہ ہے۔ [3]

جواب: شوافع کے زیر بحث دلیل کا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اس فرمان کو عام صحابہ رضی اللہ عنہم نے پسند نہیں کیا بلکہ اس کا انکار کیا تب حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے قسم کھائی اور بطور دلیل حضرت سہیل رضی اللہ عنہ اور سہل رضی اللہ عنہ کے جنازوں کا حوالہ دیا حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے جنازہ سے صحابہ رضی اللہ عنہم کا انکار اس حدیث سے جواب کے لئے کافی ہے باقی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیضاء کی بیٹوں کا جنازہ کس مجبوری سے پڑھایا تھا؟ تو علماء لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا تو اعتکاف میں تھے یا شدید بارش کی وجہ سے ایسا ہوا تھا۔ تو یہ عذر کی صورت تھی اور عذر کی صورت پر عام احوال کا قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔ ایک روایت میں تصریح موجود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف میں تھے اس لئے جنازہ اندر پڑھایا گیا۔ [4]

---

[1] المرقات: ۴/۱۳۸ [2] المرقات: ۴/۱۳۸ [3] المرقات: ۴/۱۴۲ [4] المرقات: ۴/۱۴۲

مساجد میں جنازہ نہ پڑھنے کی علت

پھر احناف کے نزدیک مسجد میں نماز جنازہ کی کراہت کی دو علتیں ہیں ہر ایک کا اثر الگ الگ ہے۔

ایک علت یہ ہے مساجد کا وضع اور اس کی تعمیر کا مقصد جنازے نہیں بلکہ دیگر عبادات ہیں اس علت کے پیش نظر مطلقاً مسجد میں نماز جنازہ صحیح نہیں ہے خواہ جنازہ مسجد کے اندر ہو یا باہر ہو۔

دوسری علت تلویث مسجد ہے یعنی یہ خطرہ ہے کہ جنازہ اندر لانے سے مسجد میں میت کی لاش سے کوئی خون وغیرہ گر جائے گا جس سے مسجد آلودہ ہو جائے گی۔ اس علت کے پیش نظر اگر میت مسجد سے باہر رکھی گئی ہو اور نمازی اندر ہو تو جنازہ جائز ہو جائے گا۔[1]

نماز جنازہ میں امام کہاں کھڑا ہو

﴿۱۲﴾ وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ صَلَّيْتُ وَرَاءَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى اِمْرَأَةٍ مَاتَتْ فِيْ نِفَاسِهَا فَقَامَ وَسْطَهَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کے پیچھے ایک عورت کے جنازہ کی نماز پڑھی جو حالت نفاس میں انتقال کر گئی تھی، چنانچہ آپ ﷺ نماز کے لئے جنازہ کے درمیان کھڑے ہوئے تھے"۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "وسطھا" اس لفظ میں اگر سین پر فتحہ پڑھا جائے تو دو طرف کے بالکل بیچ کا خاص نقطہ مراد لیا جائے گا اور اگر سین ساکن پڑھا جائے تو دو جانبوں کے درمیان کا کوئی بھی حصہ مراد لیا جائے گا۔ اب اس میں اختلاف ہے کہ امام جنازہ کے محاذات میں کس جانب کھڑا ہو۔[3]

تو شوافع حضرات فرماتے ہیں کہ اگر میت مرد ہے تو امام اس کے سر کی جانب کھڑا ہو جائے اور اگر عورت ہے تو پچھلے حصہ یعنی کولھوں اور عجز کے پاس کھڑا ہو جائے۔

احناف کے ہاں مرد اور عورت میں کوئی فرق نہیں امام کو چاہئے کہ وہ میت کے سینہ کے برابر کھڑا ہو جائے۔

مذکورہ حدیث کے ظاہری الفاظ تو احناف کے حق میں ہیں کیونکہ سینہ وسط میں ہے اوپر سر اور دو ہاتھ اور کندھے ہیں اور نیچے دو پاؤں اور کولھے ران ہیں یہ نصف نصف ہے جو وسط ہے۔ شوافع نے اس لفظ کو عجیز پر حمل کیا ہے یعنی یہ مقام مائل بجانب اسفل ہے۔ بہر حال یہ اولیٰ غیر اولیٰ کا مسئلہ ہے کوئی جھگڑا نہیں ہے۔[4]

تدفین کے بعد قبر پر جنازہ کیسا ہے

﴿۱۳﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِقَبْرٍ دُفِنَ لَيْلًا فَقَالَ مَتٰى دُفِنَ

[1] المرقات: ۴/۱۴۴ [2] اخرجه البخاری: ۱/۹۰، ۲/۱۱۱ ومسلم: ۳/۶۰ [3] المرقات: ۴/۱۴۵ [4] المرقات: ۴/۱۴۵

قَالُوا الْبَارِحَةَ قَالَ أَفَلَا آذَنْتُمُونِي قَالُوا دَفَنَّاهُ فِي ظُلْمَةِ اللَّيْلِ فَكَرِهْنَا أَنْ نُوقِظَكَ فَقَامَ فَصَفَفْنَا خَلْفَهُ فَصَلَّى عَلَيْهِ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک مرتبہ) رسول کریم ﷺ کا ایک ایسی قبر پر گزر ہوا جس میں بوقت شب مردہ دفن کیا گیا تھا آپ ﷺ نے پوچھا کہ یہ کب دفن کیا گیا ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے جواب دیا کہ آج ہی رات میں" آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے مجھے خبر کیوں نہیں دی؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ "ہم نے اسے اندھیری رات میں دفن کیا تھا اس وقت آپ کو جگانا ہمیں اچھا نہیں معلوم ہوا" پھر آنحضرت ﷺ کھڑے ہوئے ہم نے آپ کے پیچھے صف بندی کی چنانچہ آپ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھی"۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "فکرهنا ان نوقظك" اس حدیث سے ایک یہ بات ثابت ہوگئی کہ حضور اکرم ﷺ عالم الغیب نہیں تھے ورنہ پوچھنے کی ضرورت نہ تھی اور نہ قبر معلوم کرنے کی ضرورت تھی دوسری بات اس حدیث سے یہ معلوم ہوئی کہ صحابہ کا معاشرہ اتنا بے تکلف تھا کہ تجہیز و تکفین کے یہ لمبے چوڑے قصے اور اعلانات نہیں تھے۔ تیسری بات یہ معلوم ہوگئی کہ بڑوں اور بزرگوں کو بے جا تکلف میں نہیں ڈالنا چاہئے۔ اس حدیث سے آخری بات یہ معلوم ہوگئی کہ تدفین کے بعد قبر پر جنازہ پڑھنا جائز ہے تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر کسی میت کے جنازہ کی نوبت نہ آئی اور وہ بغیر جنازہ کے دفنا دیا گیا تو تین دن کے اندر اندر اس کی قبر پر جا کر جنازہ پڑھنا چاہئے تین دن کے بعد جائز نہیں اور اگر پہلے جنازہ ہو چکا ہے تو اب کسی صورت میں قبر پر جنازہ جائز نہیں ہے یہ احناف اور مالکیہ کا مسلک ہے۔[2]

شوافع اور حنابلہ فرماتے ہیں کہ خواہ جنازہ ہوا ہو یا نہیں ہوا ہر صورت میں قبر پر جنازہ پڑھنا درست ہے وہ زیر بحث حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔

احناف و مالکیہ جواب دیتے ہیں کہ یہ حضور اکرم ﷺ کی خصوصیت تھی آپ کی دعا اور استغفار کی شان الگ تھی دوسرے لوگوں کا معاملہ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ بعض علماء نے لکھا کہ حضور اکرم ﷺ کے عہد مبارک میں آپ ﷺ کی موجودگی میں آپ ﷺ کے بغیر جنازہ کی نماز جائز نہیں تھی لہٰذا آپ کے بغیر جو جنازہ پڑھا گیا وہ ایسا تھا گویا جنازہ ہوا ہی نہیں اور اس میں سب کا اتفاق ہے کہ جب جنازہ نہ پڑھا جائے تو اس میت کی قبر پر میت کے گلنے سڑنے سے پہلے پہلے جنازہ ضروری ہے اب یہ تعین کہ کتنے دن تک مردہ محفوظ رہ سکتا ہے اس کا فیصلہ علاقے کے موسمیات وحالات کے ماہرین کریں گے کہ اس علاقہ میں اور اس موسم میں مردہ کتنے دن تک محفوظ رہ سکتا ہے احناف نے تین دن کا قول عام طور پر کیا ہے۔[3]

---

[1] اخرجه اخرجه البخاري: ۱/۲۱۷، ۲/۹۲ ومسلم: ۲/۵۵ [2] المرقات: ۴/۱۳۶ [3] المرقات: ۴/۱۳۶

﴿۱۴﴾ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ أَنَّ امْرَأَةً سَوْدَاءَ كَانَتْ تَقُمُّ الْمَسْجِدَ أَوْ شَابٌّ فَفَقَدَهَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَ عَنْهَا أَوْ عَنْهُ فَقَالُوْا مَاتَ قَالَ أَفَلَا كُنْتُمْ آذَنْتُمُوْنِيْ قَالَ فَكَأَنَّهُمْ صَغَّرُوْا أَمْرَهَا أَوْ أَمْرَهُ فَقَالَ دُلُّوْنِيْ عَلَى قَبْرِهِ فَدَلُّوْهُ فَصَلَّى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ إِنَّ هٰذِهِ الْقُبُوْرَ مَمْلُوْءَةٌ ظُلْمَةً عَلَى أَهْلِهَا وَإِنَّ اللهَ يُنَوِّرُهَا لَهُمْ بِصَلَاتِيْ عَلَيْهِمْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَلَفْظُهُ لِمُسْلِمٍ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک کالی عورت تھی جو مسجد (نبوی ﷺ) میں جھاڑو دیا کرتی تھی یا راوی کہتے ہیں کہ ایک جوان مرد تھا جو جھاڑو دیا کرتا تھا، رسول کریم ﷺ نے (ایک دن) اسے غائب پایا تو اس عورت، یا مرد کے بارے میں دریافت فرمایا کہ وہ کہاں ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ وہ مرگئی یا مرگیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "مجھے کیوں نہیں بتایا گیا؟ (تا کہ میں بھی اس کی نماز جنازہ پڑھتا) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ لوگوں نے اس عورت یا اس مرد کی موت کو کوئی اہمیت نہیں دی آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "اچھا مجھے اس کی قبر بتادو کہ کہاں ہے؟ آپ ﷺ کو جب اس کی قبر بتائی گئی تو (آپ ﷺ وہاں تشریف لے گئے اور) اس کی قبر پر نماز پڑھی اور پھر فرمایا کہ "یہ قبریں اپنے مُردوں کے لئے تاریکیوں سے بھری ہوئی ہوتی ہیں ان قبروں پر میرے نماز پڑھنے کی وجہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ انہیں روشن کر دیتا ہے"۔ (اس روایت کو بخاری ومسلم نے نقل کیا ہے اور الفاظ مسلم کے ہیں)۔

توضیح: اس حدیث کا مضمون اور اس سے پہلے حدیث کا مضمون ایک جیسا ہے البتہ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان دونوں حدیثوں کا مصداق ایک ہی آدمی تھا کیونکہ پہلی والی حدیث میں ضمائر سے پتہ چلتا ہے کہ کوئی مرد تھا اور دوسری حدیث میں واضح طور پر عورت اور مرد کا ذکر ہے۔ بہرحال اس میں یہ احتمال موجود ہے کہ یہ ایک ہی خادم کا قصہ ہو، راوی کو بیان کرنے میں شک ہوا ہے یہ ایک عورت تھی جو مسجد نبوی میں جھاڑو دیا کرتی تھی اسی خوش قسمت عورت کا قصہ زیر بحث حدیث میں ہے "تقم" قم یقم نصر ینصر سے ہے ازالۃ القمامۃ کے معنی میں ہے یعنی جھاڑو کے ذریعہ سے مسجد نبوی سے کچرا اور کوڑا کباڑ اصاف کیا کرتی تھی۔

"بصلاتی علیھم" یعنی میری دعا اور نماز جنازہ سے قبور روشن ہوتی ہیں اس سے معلوم ہوا کہ قبر میں دفن کرنے بعد قبر پر جنازہ پڑھانا حضور اکرم ﷺ کی خصوصیت تھی خواہ پہلے جنازہ ہوا ہو یا نہیں ہوا ہو۔[2]

جنازہ میں چالیس آدمیوں کے شریک ہونے کی فضیلت

﴿۱۵﴾ وَعَنْ كُرَيْبٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ مَاتَ لَهُ ابْنٌ بِقُدَيْدٍ أَوْ بِعُسْفَانَ فَقَالَ يَا كُرَيْبُ انْظُرْ مَا اجْتَمَعَ لَهُ مِنَ النَّاسِ قَالَ فَخَرَجْتُ فَإِذَا نَاسٌ قَدِ اجْتَمَعُوْا لَهُ فَأَخْبَرْتُهُ

[1] اخرجه مسلم: ۳/۵۶ والبخاري: ۱/۱۲۴، ۲/۱۱۲ [2] المرقات: ۴/۱۳۶

فَقَالَ تَقُوْلُ هُمْ أَرْبَعُوْنَ قَالَ نَعَمْ قَالَ أَخْرِجُوْهُ فَإِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا مِنْ رَجُلٍ مُسْلِمٍ يَمُوْتُ فَيَقُوْمُ عَلٰى جِنَازَتِهٖ أَرْبَعُوْنَ رَجُلًا لَا يُشْرِكُوْنَ بِاللهِ شَيْئًا إِلَّا شَفَّعَهُمُ اللهُ فِيْهِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام حضرت کریب رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت کرتے ہیں کہ جب مقام قدید یا مقام عسفان میں (کہ جو مکہ کے قریب جگہیں ہیں) ان کے صاحبزادے کا انتقال ہوا (اور جنازہ تیار ہوا) تو انہوں نے کہا کہ "کریب جا کر دیکھو کہ نماز جنازہ کے لئے کتنے آدمی جمع ہو گئے ہیں؟ حضرت کریب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نکلا تو میں نے دیکھا کہ بہت کافی لوگ جمع ہو چکے ہیں میں نے واپس آ کر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بتایا (کہ بہت کافی لوگ جمع ہو گئے ہیں) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تمہارے خیال میں ان لوگوں کی تعداد چالیس ہوگی؟ میں نے عرض کیا کہ ہاں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "تو پھر جنازہ (نماز کے لئے) باہر نکالو، کیونکہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب کوئی مسلمان مرے اور اس کے جنازہ کی نماز ایسے چالیس آدمی پڑھیں جو خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتے ہوں تو اللہ تعالیٰ میت کے حق میں ان لوگوں کی شفاعت قبول کرتا ہے"۔ (مسلم)

جنازہ میں سو آدمیوں کے شریک ہونے کی فضیلت

﴿۱۶﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ مَيِّتٍ تُصَلِّيْ عَلَيْهِ أُمَّةٌ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ يَبْلُغُوْنَ مِائَةً كُلُّهُمْ يَشْفَعُوْنَ لَهٗ إِلَّا شُفِّعُوْا فِيْهِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس میت کی نماز جنازہ مسلمانوں کی ایک ایسی جماعت پڑھے جس کی تعداد سو تک پہنچ جائے اور یہ جماعت میت کے لئے شفاعت کرے (یعنی دعا مغفرت کرے) تو اس کی شفاعت قبول کی جاتی ہے (یعنی میت کی مغفرت ہو جاتی ہے)"۔ (مسلم)

توضیح: اس سے پہلے حدیث میں چالیس آدمیوں کی شرکت کی فضیلت کا ذکر آیا ہے اور زیر بحث حدیث میں سو آدمیوں کی شرکت پر اس فضیلت کے حصول کا ذکر کیا گیا ہے۔

علماء فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ پہلے اللہ تبارک وتعالیٰ نے سو آدمیوں کی شرکت پر اس ثواب کا وعدہ فرمایا ہو اور پھر اللہ تبارک وتعالیٰ کا کرم مزید بڑھ گیا اور سو کے بجائے چالیس آدمیوں کی شرکت پر اس ثواب کے حصول کا وعدہ فرمایا ہے یا یہ اعداد اور اس کا ذکر تعیین وتحدید کے لئے نہیں ہے بلکہ تکثیر کے طور پر ہے تو نہ سو مراد ہے اور نہ چالیس مراد ہے بلکہ کثیر لوگوں کی جماعت مراد ہے۔[3]

[1] اخرجہ مسلم: ۳/۵۳ [2] اخرجہ مسلم: ۳/۵۳ [3] المرقات: ۴/۱۳۸، ۱۳۹

زبان خلق نقارۂ خدا ہے

﴿۱۷﴾ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ مَرُّوْا بِجَنَازَةٍ فَأَثْنَوْا عَلَيْهَا خَيْرًا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَبَتْ ثُمَّ مَرُّوْا بِأُخْرٰى فَأَثْنَوْا عَلَيْهَا شَرًّا فَقَالَ وَجَبَتْ فَقَالَ عُمَرُ مَا وَجَبَتْ فَقَالَ هٰذَا أَثْنَيْتُمْ عَلَيْهِ خَيْرًا فَوَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ وَهٰذَا أَثْنَيْتُمْ عَلَيْهِ شَرًّا فَوَجَبَتْ لَهُ النَّارُ أَنْتُمْ شُهَدَاءُ اللهِ فِي الْأَرْضِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَفِي رِوَايَةٍ الْمُؤْمِنُوْنَ شُهَدَاءُ اللهِ فِي الْأَرْضِ) [۱]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا ایک جنازہ پر گزر ہوا تو اس کی تعریف کرنے لگے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (صحابہ رضی اللہ عنہم کی زبان سے میت کی تعریف سن کر) فرمایا ''کہ واجب ہوگئی'' اسی طرح صحابہ رضی اللہ عنہم کا ایک دوسرے جنازہ پر گزر ہوا تو اس کی برائی بیان کرنے لگے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (صحابہ رضی اللہ عنہم کی زبان سے میت کی برائی سن کر) فرمایا کہ ''واجب ہوگئی'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کیا چیز واجب ہوگئی؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''جس شخص کی تم نے تعریف بیان کی اس کے لئے جنت واجب ہوگئی اور اب جس شخص کی تم برائی بیان کررہے ہو اس کے لئے دوزخ واجب ہوگئی اور (پھر فرمایا کہ) تم زمین پر اللہ تعالیٰ کے گواہ ہو۔ (بخاری ومسلم) ایک اور روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''مؤمن اللہ تبارک وتعالیٰ کے گواہ ہیں زمین پر۔

توضیح: ''وجبت'' یعنی اس شخص کے لئے جنت واجب ہوگئی۔ مطلب یہ ہے کہ تم جس شخص کی تعریف بیان کررہے ہو اگر تمہارا بیان صحیح ہے اور اس شخص کی موت اسی بھلائی میں آئی جس کا تم بیان کررہے ہو تو اس کے لئے جنت کی سعادت ثابت ہوگئی اور جس شخص کی تم برائی بیان کررہے ہو اگر یہ بیان صحیح ہے اور اس شخص کی موت اسی برائی پر آگئی تو اس کے لئے دوزخ کی سزا ثابت ہوگئی۔ [۲]

شیخ مظہر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جنت ودوزخ کا یہ حکم اس طرح نہیں ہے کہ لوگوں کے اچھے اور برے کہنے سے یقینی طور پر وہ شخص جنتی یا دوزخی ہوگیا بلکہ مطلب یہ ہے کہ جب لوگوں میں کسی شخص کے بارے میں عام خیال اور عام تاثر اچھا اور نیک ہو اور لوگ اس کا اظہار بھی کررہے ہوں تو اس شخص کے لئے جنت کی امید باندھی جاسکتی ہے۔ اسی طرح اگر عام لوگوں کا تاثر اس شخص کی برائی کا ہو تو خطرہ ہوسکتا ہے کہ وہ شخص دوزخ میں جائے۔ [۳]

زین العرب فرماتے ہیں کہ کسی شخص کے بارے میں لوگوں کا شر وبرائی کے ساتھ ذکر کرنا یا خیر وبھلائی کے ساتھ ذکر کرنا اس شخص کو جنت یا دوزخ نہیں لے جاتا بلکہ زبان خلق نقارۂ خدا ہے جو اس شخص کے اچھے یا برے ہونے کی علامت اور نشانی ہے۔ [۴]

اسی کی طرف اس حدیث کے آخر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا کہ ''انتم شهداء الله فى الارض'' ''تم اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے زمین میں لوگوں پر گواہ ہو''۔ پھر یہاں یہ جان لینا بھی ضروری ہے کہ اگر کوئی دنیا دار فاسق

[۱] اخرجه البخارى: ۲/۱۲۱، ومسلم: ۳/۵۳ [۲] المرقات: ۴/۱۴۹ [۳] المرقات: ۴/۱۵۰ [۴] المرقات: ۴/۱۵۰

فاجر آدمی کسی دنیوی اغراض کے پیش نظر کسی برے اور بدکار و بدکردار شخص کی تعریف و توصیف کرے اور اس کے بارے میں لمبے چوڑے قصیدے اچھے اچھے تاثرات قائم کرے یا کسی نیک اور متقی پرہیزگار آدمی کے بارے میں برائی کے تاثرات بیان کرے تو اس کی اچھائی برائی کا کوئی اعتبار نہیں ہے اور نہ یہ شخص اس کام کے لئے معیار ہے۔ خلاصہ یہ کہ گواہی دینا ایک معتدل خداترس انصاف پسند متقی و پرہیزگار آدمی کا کام ہے۔[1]

﴿۱۸﴾ وَعَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّمَا مُسْلِمٍ شَهِدَ لَهُ أَرْبَعَةٌ بِخَيْرٍ أَدْخَلَهُ اللهُ الْجَنَّةَ قُلْنَا وَثَلَاثَةٌ قَالَ وَ ثَلَاثَةٌ قُلْنَا وَاثْنَانِ قَالَ وَاثْنَانِ ثُمَّ لَمْ نَسْأَلْهُ عَنِ الْوَاحِدِ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[2]

ترجمہ: اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مسلمان کہ گواہی دیں واسطے اس کے چار شخص ساتھ بھلائی کے داخل کرے گا اس کو اللہ تبارک وتعالیٰ جنت میں کہا ہم نے اگر تین شخص گواہی دیں فرمایا اگر تین بھی گواہی دیں تو بھی کہا ہم نے اگر دو گواہی دیں فرمایا اور دو بھی پھر نہ پوچھا ہم نے ان سے حال ایک کا۔ (بخاری)

جو مر چکے ان کو برائی سے یاد نہ کرو

﴿۱۹﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَسُبُّوا الْأَمْوَاتَ فَإِنَّهُمْ قَدْ أَفْضَوْا إِلَى مَا قَدَّمُوْا۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[3]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ برا کہو مردوں کو اس لئے کہ تحقیق وہ پہنچے ساتھ جزاء اس چیز کے کہ آگے بھیجی۔ (بخاری)

مورخہ ۳ جمادی الثانی ۱۴۱۰ھ

شہید پر جنازہ کی نماز پڑھی جائے گی یا نہیں؟

﴿۲۰﴾ وَعَنْ جَابِرٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَجْمَعُ بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ مِنْ قَتْلَى أُحُدٍ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ ثُمَّ يَقُوْلُ أَيُّهُمْ أَكْثَرُ أَخْذًا لِلْقُرْآنِ فَإِذَا أُشِيْرَ لَهُ إِلَى أَحَدِهِمَا قَدَّمَهُ فِي اللَّحْدِ وَقَالَ أَنَا شَهِيْدٌ عَلَى هٰؤُلَاءِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَأَمَرَ بِدَفْنِهِمْ بِدِمَائِهِمْ وَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْهِمْ وَلَمْ يُغَسَّلُوْا۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[4]

[1] المرقات: ۴/۱۵۱ [2] اخرجه البخاري: ۲/۱۲۱ [3] اخرجه البخاري: ۲/۱۲۹: ۸/۱۳۴ [4] اخرجه البخاري ۲/۱۱۳، ۱۱۵، ۱۱۷، ۵/۱۳۱

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جمع کرتے دو شخصوں کو شہداء احد میں سے بیچ ایک کپڑے کے پھر فرماتے تھے کس کو ان میں سے زیادہ قرآن یاد ہے پس جب اشارہ کیا جاتا واسطے اس کے آپ ﷺ کی طرف ان میں سے آگے کرتے اس کو قبر میں اور فرماتے کہ میں گواہی دوں گا دن قیامت کے اور حکم فرمایا ساتھ دفن کرنے ان کے خون سمیت اور نماز پڑھی ان پر اور نہ غسل دیئے گئے۔ (بخاری)

توضیح: "ولم یصل علیہم" اس حدیث میں ایک بات تو یہ بتائی گئی کہ احد کے شہداء کے لئے اجتماعی قبریں کھودی گئیں تھی کیونکہ ۷۰ شہداء کے لئے الگ الگ قبریں کھودنا مشکل تھا کیونکہ جو صحابہ زندہ تھے وہ زخموں سے چور چور تھے اس لئے جب ایک قبر کھودی جاتی تو پھر قبلہ کی طرف لمبی لحد بنائی جاتی جس میں دو دو تین تین چار چار آدمی آگے پیچھے رکھے جاتے تھے اس میں آنحضرت ﷺ نے یہ حکم دیا کہ جس شخص کو قرآن زیادہ یاد ہو یا قرآن کا زیادہ قاری و عالم ہو اس کو قبلہ کی طرف آگے رکھو اس طرح حکم دینے سے حضور اکرم ﷺ قرآن کریم کی تعظیم اور اس کا اعزاز ظاہر فرمانا چاہتے تھے تاکہ قرآن کریم معاشرہ کے ہر شعبہ میں بطور رواج اور بطور دستور داخل ہو جائے یہاں ایک قبر میں بغیر لباس کے دو دو کو اکٹھا نہیں کیا بلکہ لباس کے ساتھ دفنا دیا گیا تھا۔ اب اس پر اتفاق ہے کہ جو شخص اللہ تبارک وتعالیٰ کے راستہ میں شہید ہو جائے اس کے کپڑے جسم سے الگ نہیں کئے جاتے بلکہ انہیں کپڑوں میں دفنا دیا جاتا ہے اس پر بھی اتفاق ہے کہ شہید کو غسل نہیں دیا جاتا ہے اب اس میں اختلاف آ گیا ہے کہ آیا شہید کا جنازہ ہوگا یا نہیں ہوگا۔[1]

فقہاء کا اختلاف:

امام شافعی رحمہ اللہ امام مالک رحمہ اللہ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے نزدیک جس طرح شہید کو غسل نہیں دیا جاتا اسی طرح شہید کی نماز جنازہ بھی نہیں پڑھائی جائے گی۔

ائمہ احناف فرماتے ہیں کہ شہید کے لئے غسل تو فرض نہیں لیکن احادیث کی وجہ سے شہید کی جنازہ کی نماز پڑھی جائے گی۔

دلائل:

جمہور نے زیر بحث حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں "لم یصل علیہم" کے الفاظ آئے ہیں امام بخاری رحمہ اللہ امام ابوداود رحمہ اللہ اور امام ترمذی رحمہ اللہ سب نے ان الفاظ کو اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔

جمہور کے پاس ایک عقلی دلیل بھی ہے وہ یہ کہ نماز جنازہ مغفرت اور شفاعت کے لئے ہوتی ہے اور شہید پہلے سے بخشا بخشایا گیا ہے تو ان کے لئے صلوۃ جنازہ کی ضرورت نہیں نیز اللہ تبارک وتعالیٰ نے شہید کو مردہ کہنے سے منع فرمایا ہے اور نماز جنازہ کی دعا میں ان کو مردہ کہنا پڑیگا لہذا نماز جنازہ نہیں پڑھنا چاہئے۔

ائمہ احناف کی پہلی دلیل حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جس کو امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی نقل کیا ہے جس کے

---

[1] المرقات: ۴/۱۵۳

الفاظ یہ ہیں "ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم خرج یوما فصلی علی اھل احد صلوتہ علی المیت"۔
(بخاری ج ۲ ص ۵۸۵)

اس حدیث سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے وفات سے کچھ پہلے شہداء احد پر کئی سال بعد جنازہ کی نماز ان کے قبرستان میں جا کر پڑھی جب یہ ثابت ہے تو کیسے کہا جاسکتا ہے کہ حضور ﷺ نے دفنانے سے پہلے ان شہداء کے جنازہ کو ترک کیا ہوگا۔

احناف کی دوسری دلیل سنن ابن ماجہ کی روایت ہے کہ شہداء احد دس دس کی تعداد میں لائے جاتے تھے اور حضور اکرم ﷺ ان کی نماز جنازہ پڑھاتے تھے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو ہر بار جنازہ میں شامل کیا جاتا تھا الفاظ حدیث اس طرح ہیں "اتی بھم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجعل یصلی علی عشرۃ عشرۃ وحمزۃ ھو کما ھو یرفعون وھو کما ھو موضوع"۔ (ابن ماجہ ص ۱۰۹)

شہداء اُحد حضور اکرم ﷺ کے پاس لائے جاتے تھے آپ ﷺ دس دس پر جنازہ پڑھاتے تھے اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ ہر دس کے ساتھ رکھا رہتا تھا۔

احناف کی تیسری دلیل مراسیل ابوداود کی ایک روایت ہے جس میں شہداء احد پر نماز جنازہ کی تفصیل موجود ہے۔

جواب: جمہور نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے جو استدلال کیا ہے اور جس میں **لم یصل علیھم** کے الفاظ آئے ہیں اس کا ایک جواب یہ ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے شہداء احد کی نماز جنازہ کی بالکلیہ نفی نہیں کی بلکہ ایک خاص صورت کی نفی فرمائی وہ یہ کہ جس طرح حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ پر بار بار جنازہ کی نماز پڑھی گئی اس طرح باقی شہدا کی نہیں پڑھی گئی۔

دوسرا جواب: یہ کہ اکثر روایات میں نماز جنازہ کا اثبات موجود ہے اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں نفی ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ جب نفی اور اثبات میں تعارض آجائے تو ترجیح اثبات کو دی جاتی ہے۔

تیسرا جواب: یہ کہ حضور ﷺ نے خود نہیں پڑھایا کیونکہ آپ ﷺ زخمی تھے صحابہ رضی اللہ عنہم نے پڑھایا۔

چوتھا جواب: یہ ہے کہ نفی اور اثبات کے اوقات مختلف ہیں ابتداء میں آنحضرت ﷺ نے جنازہ نہیں پڑھایا جب لوگ اپنے شہدا کو گھروں کی طرف لیجانے لگے تو حضور اکرم ﷺ نے لیجانے سے منع فرمایا اور واپس کروا کر پھر نماز جنازہ پڑھائی۔

باقی جمہور کی عقلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ بیشک "السیف محاء للذنوب" ہے گناہ مکمل طور پر تلوار کی وار سے دھل گئے لیکن جنازہ کی نماز تو رفع درجات کے لئے بھی ہوتی ہے جیسے انبیاء کرام علیہم السلام کا جنازہ پڑھایا جاتا ہے اور چھوٹے بچے کا جنازہ ہوتا ہے یہ سب رفع درجات کے لئے ہیں ورنہ وہاں گناہوں کا تصور نہیں ہے۔ باقی نماز جنازہ کی دعا میں میت کا لفظ اختیار نہ کیا جائے جنازہ کی دیگر دعائیں بھی بہت ہیں۔

بہر حال یہ مسئلہ سرحدات میں جہاد میں مشغول مجاہدین بہتر جانتے ہیں یہ ان کے میدان کا مسئلہ ہے بعض احوال میں جنازہ پڑھانے کا ماحول وامکان ہوتا ہے لیکن بعض دفعہ بالکل ممکن نہیں ہوتا دشمن کی طرف سے گولہ باری اور بمباری جاری رہتی ہے تو کھلے میدان میں جنازہ کی نماز ممکن نہیں ہوتی ہے۔

قبرستان سے واپسی پر سوار ہو کر آنا جائز ہے

﴿۲۱﴾ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ أُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِفَرَسٍ مُعْرَوْرًى فَرَكِبَهُ حِيْنَ انْصَرَفَ مِنْ جِنَازَةِ ابْنِ الدَّحْدَاحِ وَنَحْنُ نَمْشِيْ حَوْلَهُ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لایا گیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گھوڑا بغیر زین کے پس سوار ہوئے اس پر اس وقت کہ پھرے جنازہ ابن دحداح کے سے اور ہم چلتے تھے گرد حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ (مسلم)

توضیح: "فرس معرور" معرور عری سے ہے زین کے بغیر خالی پیٹھ گھوڑے کو کہا گیا ہے۔[2]

"فرکبہ" اس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ جنازہ سے واپس آنے والے کو اختیار ہے چاہے پیدل آئے یا سواری پر سوار ہو کر آئے البتہ جنازہ کے ساتھ جاتے ہوئے سوار ہونا کیسا ہے تو آئندہ حدیث ۲۲ میں اس کی تفصیل آنے والی ہے کہ سوار کو چاہئے کہ وہ جنازہ کے پیچھے پیچھے جائے آگے نہ جائے اور پیدل چلنے والے کو اختیار ہے کہ آگے جائے یا پیچھے چلے ایک حدیث آگے ۲۶ کے تحت آرہی ہے۔[3]

الفصل الثانی

ناتمام بچے کا جنازہ ہوگا یا نہیں؟

﴿۲۲﴾ وَعَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الرَّاكِبُ يَسِيْرُ خَلْفَ الْجِنَازَةِ وَالْمَاشِيْ يَمْشِيْ خَلْفَهَا وَأَمَامَهَا وَعَنْ يَمِيْنِهَا وَعَنْ يَسَارِهَا قَرِيْبًا مِنْهَا وَالسِّقْطُ يُصَلّٰى عَلَيْهَا وَيُدْعٰى لِوَالِدَيْهِ بِالْمَغْفِرَةِ وَالرَّحْمَةِ۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ. وَفِيْ رِوَايَةِ أَحْمَدَ وَالتِّرْمِذِيِّ وَالنَّسَائِيِّ وَابْنِ مَاجَةَ قَالَ الرَّاكِبُ خَلْفَ الْجِنَازَةِ وَالْمَاشِيْ حَيْثُ شَاءَ مِنْهَا وَالطِّفْلُ يُصَلّٰى عَلَيْهِ وَفِي الْمَصَابِيْحِ عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ زِيَادٍ)[4]

ترجمہ: حضرت مغیر بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سوار چلے پیچھے جنازہ کے اور پیادہ چلے پیچھے جنازہ کے اور آگے اس کے اور دائیں اور بائیں اس کے پاس پاس اور کچا بچہ نماز پڑھی جائے اس پر اور دعاء کی جائے

[1] اخرجہ مسلم: ۲/۶۰ [2] المرقات: ۲/۱۵۴ [3] المرقات: ۲/۱۵۴

[4] اخرجہ ابوداؤد: ۳۱۸۰ والترمذی ۱۰۳۱ والنسائی: ۴/۵۶ وابن ماجہ ۱۵۰۷

واسطے ماں باپ اس کے کے ساتھ بخشش اور رحمت کے (ابوداؤد) اور بیچ روایت احمد اور ترمذی اور نسائی اور ابن ماجہ کے یوں ہے کہ فرمایا سوار چلے پیچھے جنازے کے اور پیادہ جس طرف چاہے جنازے کے چلے اور لڑکا کہ مرجائے نماز جنازے کی پڑھی جائے اس پر اور مصابیح میں یہ روایت مغیرہ بن زیاد سے ہے۔

توضیح: اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص سوار ہو کر جنازہ کے ساتھ جارہا ہے تو اس کو چاہئے کہ جنازہ کے پیچھے پیچھے چلے اور جو آدمی جنازہ کے ساتھ پیدل جارہا ہے اس کو اختیار ہے کہ جنازہ سے آگے جائے یا پیچھے جائے یا دائیں بائیں چلے۔ آئندہ حدیث ۲۳ میں یہ مسئلہ آرہا ہے کہ آیا جنازہ سے آگے چلنا بہتر ہے یا پیچھے جانا بہتر ہے۔

"والسقط یصلی علیه" سقط ناتمام بچے کو کہتے ہیں اس کو کچا بچہ بھی کہتے ہیں اگر چار ماہ سے پہلے بچہ ساقط ہوگیا تو بالاتفاق اس پر جنازہ کی نماز نہیں ہے لیکن اس مدت کے بعد اگر بچے کا اسقاط ہو جائے تو کیا اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی یا نہیں اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔[1]

فقہاء کا اختلاف:

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ اور ابن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کچے بچے پر جنازہ کی نماز پڑھی جائے گی اگر چہ مرا ہوا پیدا ہو۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ امام مالک رحمہ اللہ امام شافعی رحمہ اللہ یعنی جمہور فرماتے ہیں کہ جب تک بچہ میں پیدائش کے وقت آثار زندگی وحیات نہ ہوں تو اس پر جنازہ کی نماز نہیں ہوگی اور اگر حیات کے معمولی آثار ملے تو جنازہ ہوگی۔[2]

دلائل:

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ وغیرہ مذکورہ روایت سے استدلال کرتے ہیں جس کے ظاہر الفاظ ہیں کہ ساقط شدہ بچے کا جنازہ ہوگا۔

جمہور نے اس باب کی آخری حدیث ۴۴ سے استدلال کیا ہے جس میں صاف الفاظ آئے ہیں کہ **"الطفل لا یصلی علیه ولا یرث ولا یورث حتی یستهل"**۔[3]

ان حضرات کی دلیل مستدرک حاکم کی روایت بھی ہے الفاظ یہ ہیں **"ان علیه السلام قال اذا استهل الصبی صلی علیه وورث رواہ حاکم وقال اسنادہ صحیح"**۔

جواب: زیر بحث حدیث کا جواب یہ ہے کہ اس ساقط شدہ بچہ سے وہ بچہ مراد ہے جس میں پیدائش کے وقت حیات اور زندگی موجود ہو، اس مطلق کو دیگر احادیث کی وجہ سے مقید بحیاۃ کرنا پڑیگا کیونکہ جب مقید اور مطلق میں تعارض آتا ہے تو مقید کو ترجیح ہوتی ہے مطلب یہ ہوگا **"ای والسقط الذی فیه آثار الحیاۃ یصلی علیه"**۔

---

[1] المرقات: ۴/۱۵۵ [2] المرقات: ۴/۱۵۵ [3] المرقات: ۴/۱۶۲

جنازہ سے آگے چلنے کا مسئلہ

﴿۲۳﴾ وَعَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ يَمْشُوْنَ أَمَامَ الْجِنَازَةِ.

(رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْ دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ وَأَهْلُ الْحَدِيْثِ كَأَنَّهُمْ يَرَوْنَهُ مُرْسَلًا)[1]

ترجمہ: اور زہری سے روایت ہے کہ روایت کی سالم سے اس نے اپنے باپ سے کہ کہا عبداللہ نے دیکھا میں نے رسول اللہ ﷺ کو اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اور عمر رضی اللہ عنہ کو چلتے تھے آگے جنازے کے۔ (احمد، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ نے اور کہا ترمذی نے اور محدثین گویا جانتے ہیں اس حدیث کو مرسل۔

توضیح: "یمشون امام الجنازة" یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ جنازہ سے آگے آگے چلا کرتے تھے اگر ضرورت ہو تو بوقت ضرورت جنازہ سے آگے چلنا بھی جائز ہے اور پیچھے چلنا بھی جائز ہے آگے چلنے کی علت یہ ہے کہ جو لوگ جنازہ کے ساتھ ہیں یہ اللہ کے سامنے اس کے لئے شفعاء اور سفارشی ہیں اور سفارشی آگے آگے جاتا ہے نیز آگے جانے والا جنازہ کی کوئی مدد بھی کرسکتا ہے پیچھے چلنے کی علت یہ ہے کہ وہ لوگ اپنے سامنے جنازہ کو دیکھیں گے تو اس سے عبرت حاصل کریں گے کیونکہ:[2]

وإذا حملت الى القبور جنازة فاعلم بانك بعدها محمول

لیکن جب کسی جانب میں ضرورت نہ ہو تو پھر افضل کیا ہے آیا آگے چلنا افضل یا پیچھے چلنا افضل ہے اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف:

امام شافعی رحمہ اللہ اور احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے نزدیک آگے چلنا افضل ہے احناف کے ہاں پیچھے چلنا افضل اور بہتر ہے۔

دلائل:

شوافع اور حنابلہ نے زیر بحث حدیث سے استدلال کیا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ جنازہ سے آگے آگے جاتے تھے۔

ائمہ احناف نے آنے والی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ۲۴ سے استدلال کیا ہے جس میں الجنازة متبوعة کے الفاظ ہیں یعنی جنازہ کے پیچھے جانا چاہئے جنازہ آپ کا تابع نہ ہو کہ آپ اس سے پہلے ہو وہ پیچھے ہو اور جو شخص جنازے سے آگے چلا تو اس نے ساتھ چلنے کا ثواب نہیں پایا۔[3]

احناف نے مصنف عبدالرزاق کی روایت سے بھی استدلال کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔

[1] اخرجه احمد ۲/۸ وابوداؤد: ۳۱۷۹ والترمذی ۱۰۰۷ والنسائی: ۴/۵۶ وابن ماجه ۱۴۸۲

[2] المرقات: ۴/۱۵۷ [3] المرقات: ۴/۱۵۷ الکاشف: ۳/۳۸۸

"عن معمر عن ابن طاؤس عن ابیه قال ما مشی رسول الله صلی الله علیه وسلم الاخلف الجنازة۔ (التعلیق الصبیح)

جواب: زیر بحث حدیث فعلی ہے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث قولی ہے اور حدیث فعلی وقولی میں جب تعارض آجائے تو ترجیح حدیث قولی کو ہوتی ہے نیز جنازہ سے آگے آگے جانے والی روایات بیان جواز کے لئے ہیں اور افضل یہی ہے کہ جنازہ کے پیچھے چلا جائے۔ بہر حال یہ اولی غیر اولی کا مسئلہ ہے اتنا بڑا اختلاف نہیں ہے۔

جنازہ کے پیچھے چلنا افضل ہے

﴿۲۴﴾ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْجَنَازَةُ مَتْبُوْعَةٌ وَلَا تَتْبَعُ لَيْسَ مَعَهَا مَنْ تَقَدَّمَهَا۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْ دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ قَالَ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْ مَاجِدٍ الرَّاوِيْ رَجُلٌ مَجْهُوْلٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازہ متبوع ہوتا ہے وہ تابع نہیں ہوتا ساتھ اس کے وہ شخص کہ آگے بڑھ گیا اس سے (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ) کہا ترمذی نے ابو ماجد راوی مجہول ہے۔

جنازہ کو کندھا دینا میت کا حق ہے

﴿۲۵﴾ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَبِعَ جِنَازَةً وَحَمَلَهَا ثَلَاثَ مِرَارٍ فَقَدْ قَضٰى مَا عَلَيْهِ مِنْ حَقِّهَا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَقَدْ رُوِيَ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَمَلَ جِنَازَةَ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ بَيْنَ الْعَمُوْدَيْنِ۔[2]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص ساتھ ہووے جنازے کے اور اٹھائے اس کو پس تحقیق ادا کیا حق اس کا کہ اس پر تھا۔ (ترمذی) اور کہا یہ حدیث غریب ہے تحقیق روایت کی شرح السنۃ میں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اٹھایا جنازہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا درمیان دو لکڑیوں کے۔

سواری پر جنازہ کے ساتھ چلنے والے کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تنبیہ

﴿۲۶﴾ وَعَنْ ثَوْبَانَ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ جِنَازَةٍ فَرَاٰى نَاسًا رُكْبَانًا فَقَالَ

[1] اخرجه الترمذی: ۱۰۱۱ وابو داؤد: ۳۱۸۴ وابن ماجه ۱۶۶۹ [2] اخرجه الترمذی: ۱۰۴۱

أَلَا تَسْتَحْيُوْنَ إِنَّ مَلَائِكَةَ اللهِ عَلٰى أَقْدَامِهِمْ وَأَنْتُمْ عَلٰى ظُهُوْرِ الدَّوَابِّ.

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَه وَرَوٰى أَبُوْ دَاوُدَ نَحْوَهُ قَالَ التِّرْمِذِيُّ وَقَدْ رُوِيَ عَنْ ثَوْبَانَ مَوْقُوْفًا)[1]

ترجمہ: اور ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نکلے ہم ساتھ نبی ﷺ کے بیچ ایک جنازے کے پس لوگوں کو سوار دیکھا فرمایا کیا نہیں حیا کرتے تم کہ تحقیق فرشتے خدا کے اپنے قدموں پر ہیں اور تم اوپر پیٹھ جانوروں کے ہو (ترمذی، ابن ماجہ) اور روایت کی ابوداؤد نے مانند اس کی کہا ترمذی نے اور تحقیق روایت کی گئی یہ ثوبان سے موقوف۔

﴿۲۷﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ عَلَى الْجِنَازَةِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ.

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْ دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَه)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے پڑھی جنازہ پر سورۂ فاتحہ۔ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

﴿۲۸﴾ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّيْتُمْ عَلَى الْمَيِّتِ فَأَخْلِصُوْا لَهُ الدُّعَاءَ. (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَه)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول ﷺ نے جس وقت کہ تم پڑھو نماز میت پر پس خالص کرو اس کے لئے دعا۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

جنازہ کی جامع دعاء

﴿۲۹﴾ وَعَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلّٰى عَلَى الْجِنَازَةِ قَالَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا وَصَغِيْرِنَا وَكَبِيْرِنَا وَذَكَرِنَا وَأُنْثَانَا اَللّٰهُمَّ مَنْ أَحْيَيْتَهُ مِنَّا فَأَحْيِهِ عَلَى الْإِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّيْتَهُ مِنَّا فَتَوَفَّهُ عَلَى الْإِيْمَانِ اَللّٰهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا أَجْرَهُ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَهُ.

(رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْ دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَه وَرَوَاهُ النَّسَائِيُّ عَنْ أَبِيْ إِبْرَاهِيْمَ الْأَشْهَلِيِّ عَنْ أَبِيْهِ وَانْتَهَتْ رِوَايَتُهُ عِنْدَ قَوْلِهِ وَأُنْثَانَا، وَفِيْ رِوَايَةِ أَبِيْ دَاوُدَ فَأَحْيِهِ عَلَى الْإِيْمَانِ وَتَوَفَّهُ عَلَى الْإِسْلَامِ وَفِيْ آخِرِهِ وَلَا تُضِلَّنَا بَعْدَهُ)[4]

ترجمہ: اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تھے رسول اللہ ﷺ جب پڑھتے نماز جنازہ فرماتے یا الٰہی بخشش کر واسطے ہمارے زندوں کے اور ہمارے مردوں کے اور حاضر ہمارے کے اور غائب ہمارے کے اور ہمارے چھوٹوں کے اور ہماری عورتوں کے یا الٰہی جس کو زندہ رکھے تو ہم میں سے پس زندہ رکھ اس کو اسلام پر اور جس کو مارے تو ہم میں سے پس مار اس کو ایمان پر۔ یا الٰہی

[1] اخرجہ الترمذی: ۱۰۱۲ ابن ماجہ ۱۰۸۰ [2] اخرجہ الترمذی: ۱۰۲۶ وابن ماجہ: ۱۴۹۵ ابوداؤد

[3] اخرجہ ابوداؤد: ۳۱۹۹ ابن ماجہ: ۱۴۹۷ [4] اخرجہ احمد: ۲/۳۶۸ ابوداؤد: ۳۲۰۱ ابن ماجہ: ۱۴۹۸ الترمذی ۱۰۲۴ والنسائی: ۱۰۸۰

نہ محروم رکھ ہم کو ثواب اس کے سے اور نہ فتنہ میں ڈال ہم کو پیچھے اس کے۔ (احمد، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ) اور روایت کی نسائی نے ابی ابراہیم اشہلی سے کہ اس نے نقل کی اپنے باپ سے اور تمام ہوئی روایت اس کی "وانثانا" تک اور بیچ روایت ابی داؤد کے پس زندہ رکھ اس کو ایمان پر اور وفات دے اس کو اسلام پر اور اس حدیث کے آخر میں یوں ہے کہ نہ گمراہ کر ہم کو اس کے پیچھے۔

توضیح: "اللھم اغفر" یہ جنازہ کی بہت ہی عمدہ اور جامع دعا ہے اس میں زندوں اور مردوں حاضرین اور غائبین، عورتوں اور مردوں، بچو اور بڑوں سب کے لئے ایک طرح کی دعا ہے اس میں یہ فرق بھی نہیں پڑتا ہے کہ سامنے مردے کون اور کتنے ہیں مرد ہیں یا عورتیں ہیں بچے ہیں یا بوڑھے ہیں جبکہ دیگر دعاؤں میں ضمائر ہیں اس میں مفرد و جمع کی ضمائر اور اسی طرح مذکر اور مؤنث کی ضمائر ہیں۔ فرق کرنا ضروری ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ حرمین میں جنازہ کے لئے جب اعلان ہوتا ہے تو یہ بھی واضح کرنا پڑتا ہے کہ میت مرد ہے یا عورت ہے ایک ہے یا زیادہ ہیں۔ [1]

ائمہ احناف کے ہاں عوام و خواص تمام جنازوں میں یہی دعا پڑھتے ہیں اگرچہ آخری دو جملے کسی کو یاد نہیں یعنی "**اللھم لاتحرمنا اجرہ ولاتفتنا بعدہ**" بہرحال علماء احناف کو چاہئے کہ عرب علماء کی طرح وہ دعائیں بھی پڑھیں جو احادیث میں مذکور ہیں۔ وہ بہت اچھی دعائیں ہیں۔ [2]

ایک میت کے لئے آنحضرت ﷺ کی خاص دعا

﴿۳۰﴾ وَعَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْأَسْقَعِ قَالَ صَلَّى بِنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى رَجُلٍ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ فَسَمِعْتُهُ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنَّ فُلَانَ ابْنَ فُلَانٍ فِيْ ذِمَّتِكَ وَحَبْلِ جِوَارِكَ فَقِهِ مِنْ فِتْنَةِ الْقَبْرِ وَعَذَابِ النَّارِ وَأَنْتَ أَهْلُ الْوَفَاءِ وَالْحَقِّ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ وَارْحَمْهُ إِنَّكَ أَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ۔

(رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَه) [3]

ترجمہ: اور واثلہ ابن اسقع سے روایت ہے کہ نماز پڑھائی ہم کو رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص پر مسلمانوں میں سے پس سنا میں نے آپ ﷺ کو فرماتے تھے یا الٰہی تحقیق فلاں بیٹا فلانے کا بیچ امان تیری کے ہے اور تیری پناہ کے ہے پس بچا اس کو فتنہ قبر سے اور آگ کے عذاب سے اور تو صاحب وفا کا ہے اور تو صاحب حق کا ہے یا الٰہی بخشش کر واسطے اس کے اور رحم کر اس پر تحقیق تو بخشنے والا مہربان ہے۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

توضیح: "حبل جوارك" حبل رسی کو کہتے ہیں اور جوار پڑوس کے معنی میں ہے اس جملہ کے کئی معنی ہیں مگر ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس جملہ کا سب سے اچھا معنی یہ ہے کہ حبل سے قرآن کریم مراد لیا جائے [4] ﴿**واعتصموا بحبل الله**﴾ [5] میں بھی حبل سے مراد قرآن کریم ہے اور جوار سے مراد امان اور حفاظت ہے اور یہاں اضافت بیانیہ ہے اصل مقصود جوار ہے حاصل معنی اس طرح ہوا کہ یہ شخص قرآن عظیم کو مضبوطی سے پکڑنے والا تھا وہ قرآن

---

[1] المرقات: ۴/۱۶۱ [2] المرقات: ۴/۱۶۲ [3] اخرجہ ابوداؤد: ۳۲۰۲ ابن ماجہ ۱۴۹۹ [4] ال عمران ۱۰۳

جو امن وسلامتی کا باعث اور ذریعہ ہے۔
"قه" یہ امر کا صیغہ ہے معنی یہ کہ ان کو بچالینا، میں سمجھتا ہوں کہ "حبل جوارك" کا آسان مطلب یہ ہے کہ حبل رسی اور لائن اور قابو اور گرفت کے معنی میں ہے اور جوار کا ترجمہ پڑوس ہے مطلب یہ ہوا کہ یہ شخص تیرے پڑوس کی مضبوط رسی میں آگیا ہے، ہم اس کے لئے سفارش کرتے ہیں۔[1]

﴿۳۱﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُذْكُرُوْا مَحَاسِنَ مَوْتَاكُمْ وَكُفُّوْا عَنْ مَسَاوِيْهِمْ۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَه)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "تم اپنے مرے ہوئے لوگوں کی نیکیاں ہی ذکر کیا کرو اور ان کی برائیوں کے ذکر سے بچتے رہو۔ (ابوداؤد، ترمذی)

توضیح: "محاسن موتاکم" یعنی مرے ہوئے لوگوں کی خوبیاں اور بھلائیاں بیان کرو لیکن ان کی برائیاں مرنے کے بعد بیان نہ کرو مثلاً کوئی شخص کسی مردے کو نہلا رہا ہو اور اس نے مردے میں کوئی کرامت دیکھی یا نہلانے کے علاوہ مردے کا چہرہ چمک گیا یا خوشبو اٹھی یا نہلانے کے علاوہ کوئی خوبی دیکھی تو اس کو عوام میں بیان کرنا مستحب ہے لیکن اسی دوران اگر کسی کو میت سے بدبو اٹھتی ہوئی معلوم ہوئی یا چہرہ سیاہ ہو گیا تھا اور اس نے دیکھا تو اس کا عوام میں بتانا حرام ہے علماء نے لکھا ہے کہ مرے ہوئے لوگوں کی غیبت کرنا زندہ لوگوں کی غیبت سے زیادہ قابل نفرت ہے۔[3]

نماز جنازہ میں امام کے کھڑے ہونے کی جگہ

﴿۳۲﴾ وَعَنْ نَافِعٍ أَبِيْ غَالِبٍ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَلٰى جِنَازَةِ رَجُلٍ فَقَامَ حِيَالَ رَأْسِهٖ ثُمَّ جَاءُوْا بِجِنَازَةِ امْرَأَةٍ مِنْ قُرَيْشٍ فَقَالُوْا يَا أَبَا حَمْزَةَ صَلِّ عَلَيْهَا فَقَامَ حِيَالَ وَسْطِ السَّرِيْرِ فَقَالَ لَهُ الْعَلَاءُ بْنُ زِيَادٍ هٰكَذَا رَأَيْتَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ عَلَى الْجِنَازَةِ مَقَامَكَ مِنْهَا وَمِنَ الرَّجُلِ مَقَامَكَ مِنْهُ قَالَ نَعَمْ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَه وَفِيْ رِوَايَةِ أَبِيْ دَاوُدَ نَحْوُهٗ مَعَ زِيَادَةٍ وَفِيْهِ فَقَامَ عِنْدَ عَجِيْزَةِ الْمَرْأَةِ)[4]

ترجمہ: اور حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ جن کی کنیت ابو غالب ہے فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک جنازہ (یعنی حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کے جنازہ) کی نماز پڑھی، حضرت انس رضی اللہ عنہ (جو امام تھے) جنازہ کے سر کے سامنے کھڑے ہوئے (اور نماز پڑھائی) پھر لوگ قریش کی ایک عورت کا جنازہ لے کر آئے اور کہا اے ابوحمزہ: (یہ انس رضی اللہ عنہ کی کنیت

[1] المرقات: ۳/۱۶۴ [2] اخرجه ابوداؤد: ۴۹۰۰ والترمذی: ۱۰۱۹
[3] المرقات: ۳/۱۶۴ [4] اخرجه الترمذی: ۱۰۳۴ ابن ماجه ۱۴۹۴ ابوداؤد: ۳۱۹۴

ہے) اس جنازہ کی نماز پڑھا دیجئے، چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ تخت (کہ جس پر جنازہ تھا) کے درمیانی حصہ کے سامنے کھڑے ہوئے (اور نماز پڑھائی، یہ دیکھ کر) علاء ابن زیاد نے کہا کہ "کیا آپ نے رسول کریم ﷺ کو (نماز جنازہ میں) اسی طرح کھڑے ہوتے دیکھا ہے جیسا کہ آپ اس عورت کے جنازہ کے درمیان اور مرد کے جنازہ کے سر کے سامنے کھڑے ہوئے تھے؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "ہاں"۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

توضیح: حدیث ۱۲ میں اس حدیث میں بیان شدہ مسئلہ کی توضیح وتشریح ہو چکی ہے یہ حدیث شوافع کی دلیل ہے "**عجیزۃ**" پچھلے حصہ کو **عجیزہ** کہتے ہیں جس کا ترجمہ کولہے سے کیا جاتا ہے۔

الفصل الثالث

جنازہ کے لئے کھڑے ہو جانے کا مسئلہ

﴿۳۳﴾ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ أَبِي لَيْلٰى قَالَ كَانَ سَهْلُ بْنُ حُنَيْفٍ وَقَيْسُ بْنُ سَعْدٍ قَاعِدَيْنِ بِالْقَادِسِيَّةِ فَمَرَّ عَلَيْهِمَا بِجَنَازَةٍ فَقَامَا فَقِيْلَ لَهُمَا إِنَّهَا مِنْ أَهْلِ الْأَرْضِ أَيْ مِنْ أَهْلِ الذِّمَّةِ فَقَالَا إِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّتْ بِهٖ جَنَازَةٌ فَقَامَ فَقِيْلَ لَهٗ إِنَّهَا جَنَازَةُ يَهُوْدِيٍّ فَقَالَ أَلَيْسَتْ نَفْسًا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن ابن ابی لیلیٰ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) حضرت سہل ابن حنیف اور حضرت قیس ابن سعد رضی اللہ عنہما قادسیہ میں (ایک جگہ) بیٹھے ہوئے تھے کہ ان کے سامنے سے ایک جنازہ گزرا جسے دیکھ کر یہ دونوں صحابی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوگئے، ان سے کہا گیا کہ "یہ جنازہ اہل زمین یعنی ذمی کا ہے؟ دونوں صحابہ رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ (اسی طرح ایک دن) رسول کریم ﷺ کے سامنے سے ایک جنازہ گزرا، آپ (اسے دیکھ کر) کھڑے ہوگئے، آپ سے عرض کیا گیا کہ "یہ تو ایک یہودی کا جنازہ ہے" آپ نے فرمایا کہ (تو کیا ہوا) کیا یہ جاندار نہیں ہے؟ (بخاری ومسلم)

توضیح: "**قادسیہ**" کوفہ سے ۱۵ میل دور عراق میں ایک جگہ کا نام قادسیہ ہے جہاں اسلام کے دور اول میں مجوسیوں کے ساتھ صحابہ کرام نے ایک تاریخی جنگ لڑی تھی اور فتح پایا تھا کمان حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھی۔[2]

"**فقاما**" یہ دونوں حضرات جنازہ کے لئے اس لئے کھڑے ہوئے کہ ان کو اس حکم کے موقوف ومنسوخ ہونے کا علم نہیں ہوا تھا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق یہ حکم منسوخ ہوگیا ہے۔[3]

"**من اهل الارض**" زمین والا اہل ذمہ کو کہا جاتا ہے کیونکہ یہ لوگ مسلمانوں کی زمینوں میں کام کرتے تھے اور اس کو

[1] اخرجه البخاري: ۲/۱۰۷ ومسلم: ۳/۵۸ [2] المرقات: ۴/۱۶۶ [3] المرقات: ۴/۱۶۷

سنبھال لیتے تھے یا ان کو اس لئے اہل الارض کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ ذمی تھے بے اختیار تھے گویا ذلت و رسوائی میں یہ لوگ زمین میں دھنس گئے تھے اس لئے ان کو زمین والا کہہ دیا گیا۔ جنازہ کے لئے اٹھنے نہ اٹھنے کا مسئلہ پہلے گذر چکا ہے۔[1]

یہودی کی مخالفت ہر چیز میں کرنا چاہئے

﴿۳۴﴾ وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَبِعَ جِنَازَةً لَمْ يَقْعُدْ حَتّٰى تُوْضَعَ فِي اللَّحْدِ فَعَرَضَ لَهُ حِبْرٌ مِنَ الْيَهُوْدِ فَقَالَ لَهُ إِنَّا هٰكَذَا نَصْنَعُ يَا مُحَمَّدُ قَالَ فَجَلَسَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ خَالِفُوْهُمْ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْ دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَه وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَبِشْرُ بْنُ رَافِعٍ لَيْسَ بِالْقَوِيِّ)[2]

ترجمہ: اور حضرت عبادہ ابن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب جنازہ کے ہمراہ چلتے تو اس وقت تک نہیں بیٹھتے تھے جب تک کہ میت کو قبر میں نہیں رکھ دیا جاتا تھا (ایک مرتبہ) ایک یہودی عالم آپ کے سامنے پیش ہوا اور اس نے عرض کیا کہ "اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم بھی ایسا ہی کرتے ہیں (کہ جب تک مردہ قبر میں نہیں رکھ دیا جاتا کھڑے رہتے ہیں) حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (اس کے بعد) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (دفن کرنے تک کھڑے نہیں رہتے تھے بلکہ) بیٹھ جایا کرتے تھے، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ "تم یہودیوں کی مخالفت کرو"۔ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ) امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے اور بشر ابن رافع جو اس روایت کا ایک راوی ہے قوی نہیں ہے۔

توضیح: "فجلس" یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کی مخالفت میں قیام کے بجائے جلوس اختیار فرمایا گویا جنازہ کے لئے قیام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ترک کر دیا تا کہ اس عمل میں یہود کے ساتھ مشابہت نہ آئے بلکہ ہر چیز میں ان کی مخالفت ہو۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو حکم فرما دیا[3] "فخالفوھم" یعنی اس عمل میں یہود کے مخالف عمل کو اپناؤ۔[4]

جنازہ دیکھ کر کھڑا نہ ہوں

﴿۳۵﴾ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَنَا بِالْقِيَامِ فِي الْجِنَازَةِ ثُمَّ جَلَسَ بَعْدَ ذٰلِكَ وَأَمَرَنَا بِالْجُلُوْسِ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ)[5]

ترجمہ: اور حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم (پہلے تو) ہمیں جنازہ دیکھ کر کھڑے ہو جانے کے لئے فرمایا کرتے تھے پھر (بعد میں) آپ بیٹھے رہتے تھے اور ہمیں بھی بیٹھے رہنے کے لئے فرمایا کرتے تھے۔ (احمد)

[1] المرقات: ۴/۱۶۶ [2] اخرجه الترمذی: ۱۰۲۰ ابوداؤد: ۳۱۷۶ ابن ماجه ۱۵۴۵

[3] المرقات: ۴/۱۶۷ [4] المرقات: ۴/۱۶۷ [5] اخرجه احمد: ۱/۸۲

جنازہ کے لئے کھڑا ہونا منسوخ ہے

﴿۳۶﴾ وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيْرِيْنَ قَالَ اِنَّ جِنَازَةً مَرَّتْ بِالْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ وَابْنِ عَبَّاسٍ فَقَامَ الْحَسَنُ وَلَمْ يَقُمِ ابْنُ عَبَّاسٍ فَقَالَ الْحَسَنُ أَلَيْسَ قَدْ قَامَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِجَنَازَةِ يَهُوْدِيٍّ قَالَ نَعَمْ ثُمَّ جَلَسَ۔ (رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت محمد ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) حضرت حسن ابن علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے سامنے سے ایک جنازہ گذرا تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ (اسے دیکھ کر) کھڑے ہو گئے مگر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کھڑے نہیں ہوئے حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے (حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ عمل دیکھ کر) ان سے فرمایا کہ "کیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک یہودی کے جنازے کو دیکھ کر کھڑے نہیں ہو گئے تھے؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ "ہاں (بے شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے تھے) مگر بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم (جنازہ دیکھ کر) بیٹھے رہتے تھے"۔ (نسائی)

توضیح: حضرت حسن بصری پہلے فعل پر عمل کرنا چاہتے تھے اور بطور دلیل بھی اسی عمل کو پیش کر دیا لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بتادیا کہ بیشک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ابتداء میں یہودی یا غیر یہودی ہر جنازہ کے لئے کھڑے ہوتے تھے پھر بعد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے نہیں ہوتے تھے بلکہ بیٹھے رہتے تھے۔ "ثم جلس" کا مطلب یہی ہے کہ یہ عمل پھر متروک ہو گیا تھا۔[2]

یہودی کے جنازہ کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیوں کھڑے ہوئے

﴿۳۷﴾ وَعَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِيْهِ أَنَّ الْحَسَنَ بْنَ عَلِيٍّ كَانَ جَالِساً فَمُرَّ عَلَيْهِ بِجَنَازَةٍ فَقَامَ النَّاسُ حَتّٰى جَاوَزَتِ الْجَنَازَةُ فَقَالَ الْحَسَنُ اِنَّمَا مُرَّ بِجَنَازَةِ يَهُوْدِيٍّ وَكَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى طَرِيْقِهَا جَالِسًا وَكَرِهَ أَنْ تَعْلُوَ رَأْسَهُ جِنَازَةُ يَهُوْدِيٍّ فَقَامَ۔ (رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)[3]

ترجمہ: اور حضرت جعفر ابن محمد رحمۃ اللہ علیہ (یعنی حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ) اپنے والد مکرم (حضرت محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ) سے روایت کرتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) حضرت علی رضی اللہ عنہ (ایک جگہ) بیٹھے ہوئے تھے کہ ان کے سامنے سے جنازہ لے جایا گیا، وہ لوگ (جنہیں اس مسئلہ کی منسوخی کا علم نہیں ہوا تھا جنازہ دیکھ کر) کھڑے ہوئے تھے اور اس وقت تک کھڑے رہے جب تک کہ جنازہ گذر نہیں گیا، حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا کہ "اصل بات یہ ہے کہ جب ایک یہودی کا جنازہ لے جایا جارہا تھا تو اس وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم راستہ پر بیٹھے ہوئے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پسند نہیں کیا کہ یہودی کا جنازہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک سے

[1] اخرجه النسائی: ۴/۴۶ [2] المرقات: ۴/۱۶۸ [3] اخرجه النسائی: ۴/۴۸

اونچا ہو لہٰذا آپ ﷺ کھڑے ہو گئے"۔ (نسائی)

توضیح: "فقال الحسن" خلاصہ یہ کہ ایک جنازہ کا مدینہ منورہ میں لوگوں کے پاس سے گذر ہوا لوگ جنازہ کے لئے کھڑے ہو گئے حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ بھی موجود تھے مگر کھڑے نہیں ہوئے بلکہ لوگوں پر اعتراض کیا کہ تم کیوں کھڑے ہوئے ہو حضور اکرم ﷺ تو اس لئے کھڑے ہوئے تھے کہ آپ ﷺ راستے میں بیٹھے تھے اور یہودی کا جنازہ لے جایا جارہا تھا تو آپ ﷺ نے مناسب نہیں سمجھا کہ آپ ﷺ کے مبارک سر کے اوپر سے یہودی کا جنازہ بلند ہو کر گذرے اس لئے آپ ﷺ کھڑے ہو گئے لہٰذا تم لوگ خواہ مخواہ کھڑے ہونے کی کوشش نہ کرو۔[1]

سوال: یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے پہلے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ پر اعتراض کیا تھا کہ آپ کیوں کھڑے نہیں ہوتے ہو جیسا کہ اس سے پہلے حدیث میں واقعہ گذرا تو یہاں کھڑے ہونے پر اعتراض کیسے کرتے ہیں؟۔

جواب: حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ کو جب تک اس حکم کے منسوخ ہونے کا علم نہیں تھا تو اس پر عمل کرتے تھے لیکن جب آپ کو معلوم ہوا اور ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بتا دیا تو پھر حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ خود روکنے لگے جیسے یہاں روک رہے ہیں ویسے یہ بات پہلے لکھی گئی ہے کہ جنازہ کے لئے کھڑے ہونے کی وجوہات مختلف ہیں کبھی حادثہ فاجعہ کی وجہ سے کھڑا ہونا ہوتا ہے کبھی ملائکہ کی تعظیم واکرام کی وجہ سے ہوتا ہے اور کبھی اس علت کی وجہ سے ہوا ہے جو اس حدیث میں مذکور ہے تو اگر کچھ وجوہات کی وجہ سے قیام کا حکم موقوف ہو گیا ہو تو کچھ دوسرے وجوہات کی وجہ سے باقی بھی رہ سکتا ہے۔[2]

فرشتوں کے اکرام میں کھڑے ہو جایا کرو

﴿۳۸﴾ وَعَنْ أَبِي مُوسَى أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا مَرَّتْ بِكَ جِنَازَةُ يَهُودِيٍّ أَوْ نَصْرَانِيٍّ أَوْ مُسْلِمٍ فَقُومُوا لَهَا فَلَسْتُمْ لَهَا تَقُومُونَ إِنَّمَا تَقُومُونَ لِمَنْ مَعَهَا مِنَ الْمَلَائِكَةِ۔

(رَوَاهُ أَحْمَدُ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جب تمہارے سامنے سے کسی یہودی یا نصرانی یا مسلمان کا جنازہ گزرے تو اسے دیکھ کر کھڑے ہو جاؤ اور تم جنازہ (کے ادب واحترام) کے لئے نہیں کھڑے ہوتے بلکہ ان فرشتوں (کی تعظیم) کے لئے کھڑے ہوتے ہو جو جنازہ کے ساتھ ہوتے ہیں"۔ (احمد)

﴿۳۹﴾ وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ جِنَازَةً مَرَّتْ بِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَامَ فَقِيلَ إِنَّهَا جِنَازَةُ يَهُودِيٍّ فَقَالَ إِنَّمَا قُمْتُ لِلْمَلَائِكَةِ۔ (رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)[4]

---

[1] المرقات: ۴/۱۶۸ [2] المرقات: ۴/۱۶۹ [3] اخرجه احمد: ۴/۳۹۱، ۴/۴۱۳ [4] اخرجه النسائی: ۴/۴۷

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک جنازہ گذرا تو رسول اللہ ﷺ (اسے دیکھ کر) کھڑے ہو گئے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ "یہ تو ایک یہودی کا جنازہ ہے (اسے دیکھ کر کھڑے ہونے کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی) سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ "میں (جنازہ کے احترام میں کھڑا نہیں ہوا تھا بلکہ میں تو صرف ان) ملائکہ (کی تعظیم) کے لئے کھڑا ہوا تھا (جو جنازہ کے ہمراہ رہتے ہیں)۔ (نسائی)

جنازہ میں کم از کم تین صفیں بنانی چاہئے

﴿۴۰﴾ وَعَنْ مَالِكِ بْنِ هُبَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَمُوْتُ فَيُصَلِّيْ عَلَيْهِ ثَلَاثَةُ صُفُوْفٍ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ اِلاَّ أَوْجَبَ فَكَانَ مَالِكٌ إِذَا اسْتَقَلَّ أَهْلَ الْجَنَازَةِ جَزَّأَهُمْ ثَلَاثَةَ صُفُوْفٍ لِهٰذَا الْحَدِيْثِ رَوَاهُ أَبُوْ دَاوٗدَ. وَفِيْ رِوَايَةِ التِّرْمِذِيِّ قَالَ كَانَ مَالِكُ بْنُ هُبَيْرَةَ إِذَا صَلّٰى عَلٰى جِنَازَةٍ فَتَقَالَّ النَّاسَ عَلَيْهَا جَزَّأَهُمْ ثَلَاثَةَ أَجْزَاءٍ ثُمَّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى عَلَيْهِ ثَلَاثَةُ صُفُوْفٍ أَوْجَبَ۔ (وَرَوَى ابْنُ مَاجَه نَحْوَهٗ)[1]

ترجمہ: اور حضرت مالک ابن ہبیرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "جب کوئی مسلمان مرتا ہے اور اس پر مسلمانوں کی تین صفوں پر مشتمل جماعت نماز پڑھتی ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے لئے جنت اور مغفرت واجب کر دیتا ہے، چنانچہ حضرت مالک رضی اللہ عنہ (نماز جنازہ میں) تھوڑے آدمی (بھی) دیکھتے تو اس حدیث کے بموجب انہیں تین صفوں میں تقسیم کر دیتے تھے"۔ (ابوداؤد) ترمذی کی روایت میں ہے کہ حضرت مالک ابن ہبیرہ رضی اللہ عنہ جب نماز جنازہ پڑھتے (یعنی نماز جنازہ پڑھنے کا ارادہ کرتے) اور لوگوں کی تعداد کم دیکھتے تو ان کو تین حصوں (یعنی تین صفوں) میں تقسیم کر دیتے تھے اور پھر فرماتے تھے کہ "رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس شخص کی نماز جنازہ تین صفیں پڑھتی ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے لئے جنت کو واجب کر دیتا ہے"۔ ابن ماجہ نے بھی اسی قسم کی روایت نقل کی ہے۔

توضیح: "الاوجب" اسلامی عقائد میں یہ بات مذکور ہے کہ اللہ پر کسی کا کوئی حکم واجب نہیں نہ اللہ کسی کے سامنے جوابدہ ہے نہ کسی وجہ سے مجبور ہے وہ **احکم الحاکمین** ہے ان پر کسی کا کوئی حکم واجب نہیں ہے اب اس حدیث میں جو تین صفوف کی فضیلت میں کہا گیا کہ اللہ پر اس شخص کی مغفرت واجب ہو جاتی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ احساناً واکراماً خود اللہ نے اپنے ذمہ لے لیا ہے خود وعدہ کیا ہے اور ایفاء عہد کا بھی وعدہ کیا ہے لہٰذا یہ کسی اور کی طرف سے لازم کیا ہوا نہیں بلکہ رحمت وشفقت کے طور پر اللہ نے خود اپنے اوپر لازم فرمایا ہے یہی مطلب اوجب اور وجب کا ہے۔[2]

علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جنازہ میں سب سے افضل صف وہ ہوتی ہے جو سب سے آخر میں ہوتی ہے کیونکہ مذہب

[1] اجرجه ابن ماجه ۱۴۹۰ وابوداؤد: ۳۱۶۶ والترمذی: ۱۰۲۸ [2] المرقات: ۴/۱۷۰

اسلام کامل توحید پر قائم ہے مسلمان نیت باندھ کر اگرچہ میت کے لئے دعا کرتے ہیں لیکن میت کی لاش سامنے ہوتی ہے لہٰذا جنازہ کی ابتدائی صفوں میں اس کی وجہ سے نقص آ گیا اگر کوئی کافر اس کو دیکھتا ہے تو ضرور اس کا خیال گذرتا ہوگا کہ یہ لوگ اپنے مردے کو پوجتے ہیں اس تشابہ سے اول صفوف کا درجہ گھٹ گیا۔[1]

﴿۴۱﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الصَّلَاةِ عَلَى الْجَنَازَةِ أَللّٰهُمَّ أَنْتَ رَبُّهَا وَأَنْتَ خَلَقْتَهَا وَأَنْتَ هَدَيْتَهَا إِلَى الْإِسْلَامِ وَأَنْتَ قَبَضْتَ رُوحَهَا وَأَنْتَ أَعْلَمُ بِسِرِّهَا وَعَلَانِيَتِهَا جِئْنَا شُفَعَاءَ فَاغْفِرْ لَهُ۔ (رَوَاهُ أَبُو دَاوُد)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ روایت کرتے تھے کہ آپ نماز جنازہ میں یہ دعا فرمایا کرتے تھے۔ اے الٰہی: تو اس کا پروردگار ہے تو نے ہی اسے پیدا کیا ہے اور تو نے ہی اس کو اسلام کی ہدایت عطا فرمائی اور (اب) تو نے ہی اس کی روح قبض کی ہے (اے رب العالمین) تو اس کے باطن کو بھی سب سے زیادہ جاننے والا ہے اور اس کے ظاہر کو بھی (اے اللہ) ہم اس بندہ کی شفاعت کے لئے حاضر ہوئے ہیں تو اسے بخش دے۔ (ابوداود)

﴿۴۲﴾ وَعَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ قَالَ صَلَّيْتُ وَرَاءَ أَبِي هُرَيْرَةَ عَلَى صَبِيٍّ لَمْ يَعْمَلْ خَطِيئَةً قَطُّ فَسَمِعْتُهُ يَقُولُ أَللّٰهُمَّ أَعِذْهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ۔ (رَوَاهُ مَالِكٌ)[3]

ترجمہ: اور حضرت سعید ابن مسیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے ایک ایسے لڑکے کی نماز جنازہ پڑھی جس سے کبھی بھی کوئی گناہ سرزد نہیں ہوا تھا، چنانچہ میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو (نماز میں) یہ دعا مانگتے سنا کہ "اے اللہ: اس بچہ کو عذاب قبر سے پناہ دے"۔ (مالک)

توضیح: "**خطیئة قط**" ظاہر بات ہے کہ بچہ کا گناہ نہیں ہوتا ہے اور وہ مرفوع القلم ہوتا ہے لہٰذا یہ کہنا کہ اس نے کبھی گناہ نہیں کیا تھا کا مطلب یہی ہے کہ اگر وہ گناہ کرے بھی تو اس کا گناہ کالعدم ہے۔[4]

"**فسمعته**" تعلیم کے لئے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے زور سے دعا مانگی ہے[5] "**من عذاب القبر**" اس کا مطلب یہ ہے کہ قبر میں جو وحشت ناک منظر ہوتا ہے تنہائی ہوتی ہے غم اور اداسی ہوتی ہے اس سے اس بچہ کی حفاظت فرما اور قبر کے دبانے سے اس کو بچا، بچے سے قبر میں فرشتے سوال و جواب کریں گے یا نہیں تو راجح یہی ہے کہ سوال نہیں ہوگا بعض علما اس کے قائل ہیں کہ سوال ہوگا۔ واللہ اعلم

---

[1] المرقات: ۴/۱۷۰ [2] اخرجہ ابوداؤد: ۲۲۰۰ [3] اخرجہ مالک: ۲۸۸ ح ۱۸
[4] المرقات: ۴/۱۷۱ [5] المرقات: ۴/۱۷۱

بچہ کی نماز جنازہ کی دعاء

﴿۴۳﴾ وَعَنِ الْبُخَارِيِّ تَعْلِيقًا قَالَ يَقْرَأُ الْحَسَنُ عَلَى الطِّفْلِ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ وَيَقُولُ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا سَلَفًا وَفَرَطًا وَذُخْرًا وَأَجْرًا۔[1]

ترجمہ: اور حضرت امام بخاری عشاللہ نے بطریق تعلیق (یعنی صحیح بخاری کے ترجمۃ الباب میں بغیر سند کے اس حدیث کو) نقل کیا ہے کہ ''حضرت حسن بصری عشاللہ بچہ کی نماز جنازہ میں تکبیر اولیٰ کے بعد سبحانک اللھم الخ کی بجائے) سورۂ فاتحہ پڑھا کرتے تھے اور (تیسری تکبیر کے بعد) یہ دعاء فرمایا کرتے تھے کہ۔ اے اللہ اس بچے کو (قیامت کے دن) ہمارا پیشوا، پیش رو اور ہمارے لئے ذخیرہ وثواب بنا''۔

توضیح: بچے کی نماز جنازہ میں یہ دعا پڑھی جاتے ہے "اللھم اجعله لنا فرطا واجعله لنا اجرا وذخرا واجعله لنا شافعا ومشفعا" زیر بحث حدیث میں سلف کا لفظ آیا فرط اور سلف معنی کے اعتبار سے قریب ہیں۔ سلف اس مال کو کہتے ہیں جو ضرورت کے مطابق آگے منزل کی طرف بھیجد یا جائے تا کہ وہاں کام آئے اور فرط اس دستہ کو کہتے ہیں جو فوجی قافلہ سے پہلے بھیج دیا جاتا ہے تا کہ وہ راستہ اور جگہ ہموار کرے مراد بچہ کی شفاعت ہے کہ یہ ہمارے لئے شفیع بن جائے۔[2]

ناتمام بچہ کا جنازہ نہیں ہے

﴿۴۴﴾ وَعَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الطِّفْلُ لَا يُصَلّٰى عَلَيْهِ وَلَا يَرِثُ وَلَا يُوْرَثُ حَتّٰى يَسْتَهِلَّ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَه إِلَّا أَنَّهُ لَمْ يَذْكُرْ وَلَا يُوْرَثُ)[3]

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''(ناتمام) بچہ کی نہ تو نماز پڑھی جائے اور نہ اسے کسی کا وارث قرار دیا جائے اور نہ ہی اس کا کوئی وارث ہو بشرطیکہ پیٹ سے باہر آتے وقت اس کی آواز نہ نکلے (یعنی اس وقت اس میں زندگی کے آثار نہ پائے جائیں جس کی تفصیل پیچھے گذر چکی ہے) اس روایت کو ترمذی اور ابن ماجہ نے نقل کیا ہے مگر ابن ماجہ نے اپنی روایت میں لا یورث نقل نہیں کیا ہے۔

نماز جنازہ میں بھی امام اور مقتدی برابر کھڑے ہوں

﴿۴۵﴾ وَعَنْ أَبِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَقُوْمَ الْإِمَامُ

[1] اخرجه البخارى تعليقًا: ۲/۱۱۲ [2] المرقات: ۴/۱۶۲ [3] اخرجه الترمذى: ۱۰۳۲ وابن ماجه: ۱۵۰۸، ۲۷۵۰

فَوْقَ شَيْءٍ وَالنَّاسُ خَلْفَهُ يَعْنِي أَسْفَلَ مِنْهُ. (رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ فِي الْمُجْتَبَى فِي كِتَابِ الْجَنَائِزِ)

ترجمہ: اور حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا کہ امام (تنہا) کسی چیز کے اوپر کھڑا ہو اور مقتدی اس کے پیچھے (اس سے نیچے) کھڑے ہوں"۔ (دارقطنی)

توضیح: "**فوق شیء**" جس طرح فرائض میں ضروری ہے کہ امام اور مقتدی کے کھڑے ہونے کی جگہ مساوی ہو اسی طرح نماز جنازہ کے لئے بھی ضروری ہے کہ امام اپنے مقتدیوں سے نہ زیادہ بلند مقام پر ہو اور نہ پست مقام پر ہو۔[1]

"**خلفه**" اس سے صرف پیچھے کھڑا ہونا مراد نہیں ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ قوم اپنے امام سے زیادہ نیچے نہ ہو یہ حکم صرف جنازہ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ اتحاد مکان کا یہ مسئلہ تمام فرائض کے لئے بھی ہے جو اس سے پہلے تفصیل سے لکھا گیا ہے۔[2]

صاحب مشکوۃ رحمۃ اللہ علیہ نے امام اور مقتدی کے **مساوات فی المکان** کا یہ مسئلہ کتاب الجنائز میں نقل کیا ہے اس سے وہ یہ اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ جس طرح یہ مسئلہ **کتاب الصلوۃ** میں نمازوں کے بیان میں آیا ہے اسی طرح یہ مسئلہ جنائز کے لئے بھی ہے نمازوں کے ساتھ خاص نہیں ہے۔

الحمد للہ آج بروز بدھ ۷ ار مضان ۱۴۲۴ھ کو یہ تحریر مدینہ منورہ مسجد نبوی میں مکمل ہوگئی ہے۔

(حضرت مولانا) فضل محمد یوسف زئی نزیل المدینۃ المنورہ۔

[1] المرقات: ۴/۱۶۳ [2] المرقات: ۴/۱۶۳

مورخہ ۴ جمادی الثانی ۱۴۱۰ھ

باب دفن المیت

تدفین کا بیان

قال اللہ تعالیٰ ﴿ثم اماتہ فاقبرہ ثم اذا شاء انشرہ﴾[1]

اسلام اولاد آدم اور انسان کو عزت واحترام کا مقام دیتا ہے چنانچہ جب یہ انسان مرجاتا ہے اور انسان کہلانے کا مستحق بھی نہیں رہتا بلکہ مردہ اور میت کے نام سے اس کا تعارف ہوتا ہے اسلام اس وقت بھی ان کو عزت کا مقام دیتا ہے کہ اگر ایک انسان کافر بھی ہو پھر بھی اس کے جسد خاکی کو پرندوں کے نوچنے اور درندوں کے بھبھوڑنے سے بچایا جائے اور اس کو اس خاک میں دفن کر کے چھپایا جائے جس خاک سے اس کی خمیر بنی تھی اور جس پر زندگی میں یہ انسان لوٹ پوٹ ہورہا تھا۔ اس کے برعکس ہندوؤں نے غلط سوچ کے تحت اس انسان کو آگ کے حوالہ کیا حالانکہ یہی انسان ہزار حیلے بہانے بنا کر اپنے آپ کو آگ میں جلنے اور اس میں جھلنے سے بچایا کرتا تھا اب جب وہ بے بس ہو گیا تو سب سے قریبی رشتہ دار نے آکر اس کو آگ میں ڈالکر جلایا ہندو اگر مسلمانوں پر یہ اعتراض کریں کہ تم لوگوں نے اپنے ہاتھوں سے اپنے قریبی رشتہ دار کو زمین کے نیچے دبا دیا اور اس پر بڑے بڑے پتھر لا کر رکھ دیے یہ کونسا احترام ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ انسان خود جب زندہ ہوتا ہے تو اسی طرح مٹی لکڑی اور پتھروں سے اپنے لئے رہنے سہنے کا مکان بنایا کرتا ہے اور اس میں رہتا ہے قبر بھی بالکل ایک مکان ہے جس کے اندر بیٹھنے لیٹنے کی گنجائش ہے لیکن مردہ کو اب چلنے پھرنے اور اٹھنے بیٹھنے کی ضرورت نہیں اور نہ اس کے بس میں ہے لہٰذا ان کی ضرورت کے مطابق ان کا یہ مکان بالکل مناسب ہے اگرچہ فی نفسہ تنگ ہے تاہم اگر انسان کا ایمان ہو اور اعمال اچھے ہوں تو یہی تنگ مکان تا حد نگاہ اس کے لئے وسیع کیا جاتا ہے بہرحال اسلام دین رحمت ہے اور اس کے تمام احکام مطابق فطرت ہے۔

الفصل الاول

بغلی قبر یعنی لحد بنانا افضل ہے

﴿۱﴾ عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ أَنَّ سَعْدَ بْنَ أَبِي وَقَّاصٍ قَالَ فِي مَرَضِهِ الَّذِي هَلَكَ فِيهِ إِلْحَدُوا لِي لَحْدًا وَانْصِبُوا عَلَيَّ اللَّبِنَ نَصْبًا كَمَا صُنِعَ بِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[2]

[1] عبس الایہ ۲۱ [2] اخرجہ مسلم: ۳/۶۱

ترجمہ: حضرت عامر بن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اپنی اس بیماری میں کہ جس میں ان کی وفات ہوئی فرمایا کہ مجھے دفن کرنے کے لئے لحد بنانا اور مجھ پر کچی اینٹیں کھڑی کرنا جیسا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کیا گیا تھا"۔ (مسلم)

توضیح: "لحدا" قبر بنانے کے دو طریقے ہیں ایک لحد ہے جو بغلی قبر کے نام سے مشہور ہے اور دوسرا شق اور صندوقی قبر کے نام سے مشہور ہے۔[1]

لحد اور بغلی قبر کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ پہلے زمین میں ایک حد تک گڑھا کھودا جاتا ہے اور پھر قبلہ کی جانب لحد، سرنگ، غار، اور ایک طاقچہ بنایا جاتا ہے اسی طاقچہ میں میت کو رکھا جاتا ہے اور سامنے سے پتھر رکھ کر بند کیا جاتا ہے اور پھر جو گڑھا کھودا گیا تھا اس کو مٹی سے بھر دیا جاتا ہے زمین سے ایک بالش برابر بلند رکھ کر اونٹ کے کوہان کی طرح بنایا جاتا ہے لحد کے اوپر پتھروں کے سل رکھنے کی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔

اور شق کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ زمین میں ایک حد تک گڑھا کھودا جاتا ہے اور اس کے اندر کناروں میں دیواریں بنائی جاتی ہیں اور اگر ضرورت ہو بیچ میں میت کو رکھ کر اوپر پتھروں کے بڑے بڑے تختے رکھے جاتے ہیں زمین سے ایک بالشت برابر بلند کر کے اونٹ کے کوہان کی طرح بنایا جاتا ہے۔

یہ دونوں طریقے اسلام میں جائز ہیں لیکن اگر زمین مضبوط ہو اور لحد بنانے میں تکلیف نہ ہو تو شق سے لحد افضل ہے آگے حدیث ۹ اس کی فضیلت پر واضح دلیل ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے بارہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں رائے کا اختلاف ہوا تھا کہ لحد بنائی جائی یا شق بنائی جائے پھر مشورہ اس پر ہوا کہ اگر ابو طلحہ رضی اللہ عنہ جو لحد بنانے میں ماہر تھے پہلے آگئے تو لحد بنائی جائے گی اور اگر ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ جو شق بنانے میں ماہر تھے پہلے آگئے تو شق بنائی جائی گی چنانچہ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ پہلے آگئے اور انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے لحد تیار کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم لحد میں دفنائے گئے اور لحد کے منہ کو کچی اینٹوں سے بند کیا گیا، آگے حدیث ۸ میں یہ قصہ آرہا ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بھی یہی وصیت فرمارہے ہیں کہ میری قبر کو لحد بنائی جائے اور پھر کچی اینٹیں کھڑی کر کے بند کیا جائے۔[2]

قبر میں کپڑا وغیرہ بچھانا منع ہے

﴿۲﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ جُعِلَ فِیْ قَبْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَطِيفَةٌ حَمْرَاءُ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[3]

[1] المرقات: ۴/۱۷۲ [2] المرقات: ۴/۱۷۲ [3] اخرجه مسلم: ۳/۶۱

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر میں ایک سرخ موٹی (چادر) ڈالی گئی تھی"۔ (مسلم)

توضیح: "قطیفة حمراء"[1] حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خادم تھا جن کا نام شقران تھا انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک چادر کو چپکے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر میں رکھدیا تھا ان کا خیال تھا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی اور اس کو استعمال نہ کرے لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس خادم کو سخت ڈانٹا کہ تم نے یہ حرکت کیوں کی۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ شاید یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی لیکن علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے استیعاب میں لکھا ہے کہ اس چادر کو قبر پر مٹی ڈالنے سے پہلے پہلے نکالی گئی تھی چنانچہ اصحاب الجرح والتعدیل کے علماء کا یہ شعر ہے حافظ عراقی اپنے الفیہ میں لکھتے ہیں:[2]

وفرشت فی قبره قطیفة وقیل اخرجت وهذا اثبت

علماء لکھتے ہیں کہ قبر میں مردہ کے نیچے چادر وغیرہ کوئی چیز رکھنا بچھانا مکروہ تحریمی ہے۔ کیونکہ اس میں بے جا مال کا ضیاع ہے اور عوام الناس کیا سے کیا بنائیں گے۔

قبر کو اونٹ کے کوہاں کی مانند بنانا افضل ہے

﴿۳﴾ وَعَنْ سُفْيَانَ التَّمَّارِ أَنَّهُ رَأَى قَبْرَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُسَنَّمًا۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[3]

ترجمہ: اور حضرت سفیان تمار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کو دیکھا جو اونٹ کے کوہان کی طرح تھی"۔ (بخاری)

توضیح: "مسنما" یہ سنام سے ہے کوہان کے معنی میں ہے یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اونٹ کے کوہاں کی مانند تھی امام مالک امام احمد اور امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا مسلک اسی طرح ہے کہ قبر کا مسنم ہونا یعنی اونٹ کے کوہاں کی طرح ہونا افضل ہے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قبر کا مسطح ہونا افضل ہے۔ جمہور نے زیر بحث حدیث کے علاوہ دیگر کئی حدیثوں سے استدلال کیا ہے۔[4]

قبروں کو بلند بنانا منع ہے

﴿۴﴾ وَعَنْ أَبِي الْهَيَّاجِ الْأَسَدِيِّ قَالَ قَالَ لِي عَلِيٌّ أَلَا أَبْعَثُكَ عَلَى مَا بَعَثَنِي عَلَيْهِ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ لَا تَدَعَ تِمْثَالًا إِلَّا طَمَسْتَهُ وَلَا قَبْرًا مُشْرِفًا إِلَّا سَوَّيْتَهُ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[5]

---

[1] المرقات: ۴/۱۷۵ [2] المرقات: ۴/۱۷۵ [3] اخرجه البخاری: ۲/۱۲۸
[4] المرقات: ۴/۱۷۵ [5] اخرجه مسلم: ۳/۶۱

ترجمہ: اور حضرت ابوالہیاج اسدی (تابعی) کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا کہ "کیا میں تمہیں اس کام پر مامور نہ کروں جس کام پر مجھے رسول اللہ ﷺ نے مامور کیا تھا؟ اور وہ کام یہ ہے کہ تم جو بھی تصویر دیکھو اسے چھوڑو نہیں بلکہ اسے مٹا دو اور جس قبر کو بلند دیکھو اسے برابر کر دو"۔ (مسلم)

توضیح: "تمثال" بت اور تصویر کو تمثال کہتے ہیں اپنی یا کسی ذی روح حیوان کی تصویر رکھنا حرام ہے اور اس کو مٹا ڈالنا واجب ہے البتہ تصویر اگر اتنی پتلی ہو کہ زمین پر رکھ کر کھڑے آدمی کو اس کے اعضا کی تمیز ممکن نہ ہو تو وہ تصویر وعید سے مستثنیٰ ہے اسی طرح جسم کے اہم حصے اگر تصویر میں شامل نہ ہوں وہ تصویر بھی وعید سے خارج ہے اہم حصوں کا مطلب یہ ہے کہ اس کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا ہو جیسے سر سینہ کا نچلا حصہ ہے۔[1]

"مشرفا" اشراف بلندی اور جھانکنے کے معنی میں ہے یہاں اونچی اور بلند بنائی ہوئی قبریں مراد ہیں کہ اس کو اتنا گرا دو کہ زمین کے ساتھ برابر ہو جائے صرف قبر کا نشان باقی رہ جائے جس کی مقدار ایک بالشت ہے اور اتنی ہی بلندی مسنون ہے۔[2]

چنانچہ ایک کتاب ہے جس کا نام "ازھار" ہے فقہ کی معتمد کتاب ہے اس میں لکھا ہے کہ ایک بالشت کی مقدار تک قبر کو زمین سے بلند رکھنا مستحب ہے اس سے زیادہ مکروہ ہے اس بلند حصہ کو گرا کر ایک بالشت کی مقدار تک باقی رکھنا مستحب ہے ہاں حضور اکرم ﷺ کا روضہ اور گنبد اس سے مستثنیٰ ہے کیونکہ وہاں کوئی عمارت بعد میں نہیں بنائی گئی بلکہ اسلام کا حکم تھا کہ نبی کا جہاں انتقال ہو جائے وہیں پر ان کو دفنانا ضروری ہے حضور اکرم ﷺ کا وصال حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرہ میں ہوا تو وہیں مدفون ہوئے اور مکان کے اندر آ گئے اس پر دوسرے لوگوں کو قیاس کرنا جائز نہیں ہے۔[3]

پکی قبریں بنانا منع ہے

﴿۵﴾ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُجَصَّصَ الْقَبْرُ وَأَنْ يُبْنٰى عَلَيْهِ وَأَنْ يُقْعَدَ عَلَيْهِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[4]

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے قبر پر گچ کرنے اور اس پر عمارت بنانے نیز قبر کے اوپر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے"۔ (مسلم)

توضیح: فقہاء نے لکھا ہے کہ پکی قبریں بنانا اس کو گچ کرنا سیمنٹ استعمال کرنا سب ناجائز ہے اور مکروہ تحریمی ہے اسی طرح قبروں پر گنبد اور قبے وغیرہ عمارتیں کھڑی کرنا جائز نہیں ہے بلکہ مسلمانوں پر اس کا گرانا واجب ہے اگرچہ قبر کے

[1] المرقات: ۴/۱۷۷ [2] المرقات: ۴/۱۷۷ [3] المرقات: ۴/۱۷۷ [4] اخرجه مسلم: ۲/۶۱، ۶۲

اوپر مسجد کیوں نہ بنی ہو ہاں حضور ﷺ کی قبر اس سے مستثنیٰ ہے آنحضرت ﷺ کی خصوصیت ہے یعنی خصوصیت کی وجہ یہ ہے کہ شرعی قاعدہ ہے کہ نبی کا جہاں پر انتقال ہو جائے اسی جگہ میں ان کو دفنایا جاتا ہے حضور اکرم ﷺ کا انتقال حجرہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں ہوا لہٰذا آپ کی قبر مکان کے اندر آگئی۔[1]

علامہ تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قبروں کے اوپر عمارت بنانے کا کوئی فائدہ بھی نہیں ہے اور اہل جاہلیت کے ساتھ مشابہت ہے جو حرام ہے جاہلیت کے لوگ دس دن تک مردے کی قبر پر سایہ کیا کرتے تھے قبروں پر عمارت کی طرح خیمہ گاڑنا بھی ناجائز ہے۔ اسی طرح قبروں پر بیٹھنے کی تمام صورتوں کی ممانعت ہے اور نہ قبر کی طرف نماز پڑھنا جائز ہے۔ اہل بدعت حضور اکرم ﷺ کے فرمان کے مخالف ہیں کسی نے خوب کہا ہے:[2]

زندگی اس کی ہے ملت کے لئے پیغام موت ‏ ‏ کر رہا ہو جو بجائے کعبہ قبروں کا طواف

نہ قبروں پر بیٹھو اور نہ اس کی طرف نماز پڑھو چند مسائل

﴿۶﴾ وَعَنْ أَبِي مَرْثَدٍ الْغَنَوِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَجْلِسُوْا عَلَى الْقُبُوْرِ وَلَا تُصَلُّوْا إِلَيْهَا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابو مرثد غنوی کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "نہ قبروں کے اوپر بیٹھو اور نہ قبروں کی طرف نماز پڑھو"۔ (مسلم)

توضیح: "لا تجلسوا" محقق ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قبروں پر بیٹھنا یا اس کو روندنا یہ سب منع ہے اور مکروہ تحریمی ہے بعض لوگوں کا یہ طریقہ ہے کہ وہ اپنے رشتہ دار کی قبر تک پہنچنے کے لئے راستے کی قبروں کو بلا تکلف روندتے چلے جاتے ہیں یہ انتہائی غلط کام ہے۔[4]

البتہ ضرورت کی صورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں مثلاً قبر کھودنے یا میت دفن کرنے کی مجبوری ہو تو وہ الگ بات ہے قبر کو تکیہ کے طور پر استعمال کرنا منع ہے قبرستان میں استنجا کرنا منع ہے۔ قبرستان جا کر کھڑے کھڑے دعا مانگنا مسنون طریقہ ہے۔ ماثور دعا یہ بھی ہے۔ السلام علیکم دار قوم مؤمنین وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون۔ مندرجہ ذیل دعا اور سلام بھی ثابت ہے۔

"السلام علیکم یا اهل القبور یغفر الله لنا ولکم انتم سلفنا ونحن بالاثر وانا ان شاء الله بکم للاحقون"۔

"ولا تصلوا ایها" علماء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص قبر اور صاحب قبر کی تعظیم کی خاطر قبر کی طرف نماز پڑھتا ہے تو یہ صریح

---

[1] المرقات: ۴/۱۷۷ [2] المرقات: ۴/۱۷۷ [3] ...... [4] اخرجه مسلم: ۳/۶۲

[5] المرقات: ۴/۱۷۸ [6] ...... [7] ......

کفر ہے اور اگر صاحب قبر یا قبر کی عظمت پیش نظر نہ ہو پھر بھی قبروں کی طرف نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے اسی طرح کسی قبر کو چومنا اور اس کے ارد گرد طواف کرنا منع ہے۔

کررہا ہو جو بجائے کعبہ قبروں کا طواف — زندگی اس کی ہے ملت کے لئے پیغام موت

قبر پر بیٹھنے والے کے لئے شدید وعید

﴿۷﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَأَنْ يَّجْلِسَ أَحَدُكُمْ عَلَى جَمْرَةٍ فَتُحْرِقَ ثِيَابَهُ فَتَخْلُصَ إِلَى جِلْدِهِ خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَّجْلِسَ عَلَى قَبْرٍ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اگر تم میں سے کوئی شخص انگارے پر بیٹھ جائے اور وہ انگارہ اس کا کپڑا جلا کر اس کے جسم تک پہنچ جائے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ قبر کے اوپر بیٹھے''۔ (مسلم)

الفصل الثانی

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر لحد تھی

﴿۸﴾ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ كَانَ بِالْمَدِيْنَةِ رَجُلَانِ أَحَدُهُمَا يَلْحَدُ وَالْآخَرُ لَا يَلْحَدُ فَقَالُوْا أَيُّهُمَا جَاءَ أَوَّلًا عَمِلَ عَمَلَهُ فَجَاءَ الَّذِيْ يَلْحَدُ فَلَحَدَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ)[2]

ترجمہ: حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مدینہ میں دو شخص تھے (جو قبریں کھودا کرتے تھے) ان میں سے ایک شخص (حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ انصاری) تو بغلی قبر کھودا کرتے تھے اور دوسرے شخص (حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ) بغلی قبر نہیں کھودتے تھے (بلکہ صندوقی قبر کھودا کرتے تھے) چنانچہ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جب وصال ہوا تو) صحابہ رضی اللہ عنہم نے (متفقہ طور پر) یہ کہا کہ ان دونوں میں سے جو پہلے آجائے وہی قبر کھودے (یعنی اگر ابوطلحہ رضی اللہ عنہ پہلے آگئے تو بغلی قبر کھودیں اور اگر ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ پہلے آجائیں تو صندوقی قبر کھودیں) آخر کار بغلی قبر کھودنے والے شخص (پہلے) آگئے اور انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بغلی قبر کھودی''۔ (شرح السنۃ)

لحد کی فضیلت

﴿۹﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللَّحْدُ لَنَا وَالشَّقُّ لِغَيْرِنَا۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْ دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَه وَرَوَاهُ أَحْمَدُ عَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ)[3]

---

[1] اخرجه مسلم: ۳/۶۲ [2] اخرجه البغوی فی شرح السنه: ۵/۳۸۹ ح ۱۵۱۰

[3] اخرجه الترمذی: ۱۰۴۵ وابوداؤد: ۳۲۰۸ وابن ماجه: ۱۵۵۴ والنسائی: ۴/۸۰

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "لحد (یعنی بغلی قبر) ہمارے لئے ہے اور شق (یعنی صندوقی قبر) دوسروں کے لئے ہے"۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ اور امام احمد نے اس روایت کو جریر بن عبداللہ سے نقل کیا ہے)

توضیح: اس حدیث کے کئی مطلب ہیں پہلا مطلب یہ ہے کہ لحد امت محمدیہ کے لئے ہے اور شق پہلے امتوں کے لئے تھی یعنی ان کو شق زیادہ پسند تھی اور ہمیں لحد زیادہ پسند ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ لحد ہمارے لئے ہے یعنی انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے لحد ہے اور شق غیر انبیاء کے لئے ہے۔ تیسرا مطلب یہ ہے کہ لحد ہمارے لئے ہے یعنی اہل مدینہ کے لئے لحد ہے اس لئے کہ وہاں کی زمین لحد کے لئے مناسب ہے اور شق مدینہ کے علاوہ مسلمانوں کے لئے ہے کیونکہ وہاں کی زمین لحد کے لئے سازگار نہیں ہے بلکہ شق کے لئے مناسب ہے۔ بہر حال لحد افضل ہے جس کا نام بغلی قبر بھی ہے اس کے مقابلے میں شق ہے۔ جس کو صندوقی قبر بھی کہتے ہیں۔[۱]

قبر کی گہرائی کی مقدار کتنی ہو

﴿۱۰﴾ وَعَنْ هِشَامِ بْنِ عَامِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَوْمَ أُحُدٍ احْفِرُوْا وَأَوْسِعُوْا وَأَعْمِقُوْا وَأَحْسِنُوْا وَادْفِنُوْا الْاِثْنَيْنِ وَالثَّلَاثَةَ فِيْ قَبْرٍ وَاحِدٍ وَقَدِّمُوْا أَكْثَرَهُمْ قُرْآنًا.

(رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْ دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَرَوَى ابْنُ مَاجَه إِلٰى قَوْلِهٖ وَأَحْسِنُوْا)[۲]

ترجمہ: اور حضرت ہشام ابن عامر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے غزوۂ احد کے دن فرمایا کہ "قبریں کھودو اور قبروں کو کشادہ و گہری کھودو اور انہیں اچھی طرح بناؤ (یعنی قبروں کو ہموار بناؤ اور اندر سے کوڑا کرکٹ و مٹی وغیرہ صاف کرو) اور ایک ایک قبر میں دو دو اور تین تین کو دفن کرو اور ان میں آگے (یعنی قبلہ کی طرف) اسے رکھو جسے قرآن زیادہ اچھا یاد تھا"۔ (احمد، ترمذی، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے اس روایت کو لفظ "احسنوا" تک نقل کیا ہے۔

توضیح: "**یوم احد**" یوم احد سے مراد جنگ احد ہے اس غزوہ میں ۷۰ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شہید ہوئے تھے اور اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم زخمی تھے سخت گرمی تھی اور سخت زمین میں قبریں بنانی تھیں اسی لئے ایک لحد کے طاقچہ میں دو دو تین تین صحابہ رضی اللہ عنہم دفنائے گئے اور بطور اعزاز آنحضرت ﷺ نے قرآن کے حافظ و عالم کو دوسروں سے آگے قبلہ کی جانب رکھنے کا حکم فرمادیا اس سے آپ کا مقصود قرآن کی تعظیم اور اس کا اعزاز تھا تا کہ لوگ زیادہ سے زیادہ قرآن یاد کریں۔[۳]

"**واعمقوا**" یعنی قبر کو گہری کر کے کھودو اس سے معلوم ہوا کہ قبر تو گہری کر کے کھودنا مسنون ہے اس طرح میت درندوں وغیرہ آفات سے محفوظ رہتی ہے۔[۴]

شیخ مظہر رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ قبر کو اتنی گہری کر کے کھودنا چاہئے کہ اگر کوئی آدمی اس میں اتر جائے اور قبر میں کھڑا ہو جائے اور دونوں ہاتھوں کو اوپر کی طرف بلند کر دے تو اس کے ہاتھ کی انگلیاں قبر کے کنارے تک پہنچ جائیں۔[۵]

---

[۱] المرقات: ۴/۱۸۱ [۲] اخرجہ احمد: ۴/۱۹، ۲۰ والنسائی: ۴/۱۸ وابن ماجہ والترمذی

[۳] المرقات: ۴/۱۸۱ [۴] المرقات: ۴/۱۸۱ [۵] المرقات: ۴/۱۸۱

میت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا کیسا ہے؟

﴿۱۱﴾ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ لَمَّا كَانَ يَوْمُ أُحُدٍ جَاءَتْ عَمَّتِي بِأَبِي لِتَدْفِنَهُ فِي مَقَابِرِنَا فَنَادَى مُنَادِي رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُدُّوا الْقَتْلَى إِلَى مَضَاجِعِهِمْ۔

(رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَلَفْظُهُ لِلتِّرْمِذِيِّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب غزوۂ احد ہوا تو میری پھوپھی میرے والد (کی نعش) لے کر آئیں تاکہ انہیں اپنے قبرستان میں دفن کریں، لیکن رسول کریم ﷺ کی طرف سے ایک منادی کرنے والے نے اعلان کیا کہ ''شہیدوں کو ان کے شہید ہونے کی جگہ پہنچا دیا جائے''۔ (احمد، ترمذی، ابوداود، نسائی، دارمی) الفاظ ترمذی کے ہیں۔

توضیح: ''ردوا القتلی'' یعنی آنحضرت ﷺ نے حکم صادر فرمایا کہ شہداء احد کو وہاں پر واپس لاؤ جہاں وہ شہید ہو چکے تھے جنگِ احد میں ۷۰ صحابہ رضی اللہ عنہم شہید ہو گئے تھے افراتفری کا عالم تھا پہلے تو یہ مشکل ہو رہا تھا کہ کوئی آدمی اپنے رشتہ دار کو پہچان نہیں سکتا تھا کیونکہ کفار نے ان کی شکلوں کو بگاڑ دیا تھا۔[2]

اب جس نے بھی اپنے رشتہ دار کو پہچان لیا فوراً اس کے اٹھانے اور مدینہ منورہ کے قبرستان کی طرف لے جانے کی کوشش شروع کی چنانچہ کچھ شہداء کے جنازے جب اٹھے اور حضور اکرم ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے ان شہداء کو لیجانے سے منع فرمادیا اور واپس لوٹانے کا حکم دیدیا۔

اب یہاں سے یہ مسئلہ نکلتا ہے کہ میت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا جائز ہے یا نہیں بعض علماء فرماتے ہیں کہ جس طرح اس حدیث میں میت کے ایک جگہ اور ایک شہر سے دوسری شہر کی طرف منتقل کرنے کو آنحضرت ﷺ نے منع فرمادیا ہے اس ممانعت کے پیش نظر منتقل کرنا منع ہے کسی کو منتقل نہیں کرنا چاہئے آئندہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث ۲۵ میں بھی آیا ہے کہ عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کو لوگوں نے مکہ کے مضافات میں سے مکہ منتقل کیا تھا تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ اگر میں موجود ہوتی تو منتقل نہ ہونے دیتی۔[3]

کتاب ازھار جو تجہیز و تکفین اور موتیٰ قبور کے متعلق ایک مستند کتاب ہے اس میں لکھا ہے کہ میت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل نہ کرنے پر زیر بحث حدیث مضبوط دلیل ہے کہ حضور نے منتقل ہونے سے منع فرمادیا۔[4]

علامہ یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی واقعی شرعی عذر اور معقول مجبوری ہو تو میت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف منتقل کیا جاسکتا ہے اس کے بغیر منتقل کرنا جائز نہیں ہے۔[5]

محقق ابن ہمام فرماتے ہیں کہ اگر دو میل کے فاصلے پر میت ہے تو اتنے فاصلہ میں منتقل کرنا جائز ہے معلوم ہوا کہ زیادہ فاصلے

[1] اخرجہ احمد ۳/۲۹۷ وابوداؤد: ۱۵۳۳ وابن ماجہ ۱۵۱۶ والترمذی ۱۷۱۷ النسائی: ۴/۷۹ والدارمی: ۳۶

[2] المرقات: ۴/۱۸۳ [3] المرقات: ۴/۱۸۳ [4] المرقات: ۴/۱۸۳ [5] المرقات: ۴/۱۸۳

تک منتقل کرنا منع ہے۔اسی سلسلہ میں یہ مسئلہ بھی ہے کہ میت کو دفن کرنے کے بعد نکالنا یا قبر کھودنا جائز نہیں ہے۔الا یہ کہ کوئی شدید شرعی مجبوری ہو وہ الگ بات ہے۔[۱]

صاحب ہدایہ نے ہدایہ کے علاوہ کسی کتاب میں لکھا ہے کہ اگر کسی شخص کا انتقال کسی شہر میں ہوجائے تو اس کو اس شہر سے دوسرے شہر کی طرف منتقل کرنا مکروہ ہے کیونکہ یہ ایک بے فائدہ محنت ومشقت ہے بلکہ علماء نے لکھا ہے کہ اگر غسل وجنازہ کے بغیر کسی مسلمان کو دفن کیا گیا تب بھی اس کو قبر سے نکالنا جائز نہیں ہے۔[۲]

میت کو قبر میں کس طرح اتارا جائے

﴿۱۲﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سُلَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ قِبَلِ رَأْسِهٖ۔ (رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ)[۳]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کو (قبر میں اتارتے وقت) سر کی طرف اتارا گیا"۔ (رواہ الشافعی)

توضیح: "سل" میت کو قبر میں اتارنے کے دو طریقے ہیں ایک طریقہ یہ ہے کہ میت کو قبر کی بائیں جانب پائنتی میں رکھ لیا جائے اور پھر سر کو لیجاتے لیجاتے قبر کے سرہانے تک لایا جائے اور پھر قبر میں اتارا جائے اس طریقہ کو **سَلّ** کہتے ہیں **انسلال** کھینچنے کے معنی میں ہے **امرأالقیس** کہتا ہے[۴]

فان کنت قدساء تك منی خلیقة فسلی ثیابی من ثیابك تنسلی

قبر میں اتارنے کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ میت کو قبر کے اس کنارے کے پاس رکھا جائے جو قبلہ کی جانب ہے اور پھر جانب قبلہ سے اس کو قبر میں اتارا جائے دونوں طریقے جائز ہیں البتہ اس میں تھوڑا سا اختلاف ہے کہ افضل طریقہ کونسا ہے۔

فقہاء کا اختلاف:

شوافع حضرات نے سل کو افضل قرار دیا ہے اور احناف نے جانب قبلہ سے میت کو قبر میں اتارنے کو افضل قرار دیا ہے۔

دلائل:

شوافع حضرات نے زیر بحث حدیث سے استدلال کیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو سل کے ذریعہ سے قبر میں اتارا گیا تھا۔

احناف کی دلیل ساتھ والی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جس میں واضح طور پر مذکور ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ایک صحابی رضی اللہ عنہ کو جانب قبلہ سے دفن فرمایا تھا سل کا طریقہ نہیں اپنایا تھا۔[۵]

جواب: شوافع کی دلیل کا جواب ائمہ احناف یہ دے رہے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کی چارپائی دیوار کے ساتھ لگی ہوئی

---

[۱] المرقات: ۴/۱۸۵ [۲] المرقات: ۴/۱۸۴ [۳] اخرجه الشافعی فی مسند ۵۹۸۰

[۴] المرقات: ۴/۱۸۵ [۵] المرقات: ۴/۱۸۵-۱۸۶

تھی جب آپ ﷺ کا انتقال ہوا تو آپ کے لئے اسی جگہ قبر کھودی گئی لہذا وہاں قبلہ کی جانب سے دفنانا ممکن نہیں تھا تو وہ ایک عذر اور مجبوری کی صورت تھی نیز وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایک عمل ہے اور احناف نے جس روایت سے استدلال کیا ہے وہ حضور اکرم ﷺ کا اپنا عمل اور اپنا طریقہ ہے۔[1]

تیسری بات یہ بھی ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی تدفین اور قبر میں اتارنے سے متعلق احادیث میں اضطراب ہے ابوداؤد کی ایک روایت میں واضح طور پر موجود ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو سل کے ذریعہ سے نہیں بلکہ قبلہ کی جانب سے قبر میں اتارا گیا تھا۔ ابن ماجہ نے بھی اسی طرح نقل کیا ہے۔

بہر حال سل ہو یا قبلہ رخ ہو دونوں طریقے جائز ہیں اختلاف اولیٰ غیر اولیٰ میں ہے جواز وعدم جواز میں نہیں ہے اس باب میں آگے حدیث ۲۶ آرہی ہے۔ جو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی مضبوط دلیل ہے جس میں حضور اکرم ﷺ نے ایک صحابی رضی اللہ عنہ کی تدفین میں سل کا عمل اختیار فرمایا ہے۔[2]

قبر میں جانب قبلہ سے میت کو اتارنا ثابت ہے

﴿۱۳﴾ وَعَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ قَبْراً لَيْلاً فَأُسْرِجَ لَهُ بِسِرَاجٍ فَأَخَذَ مِنْ قِبَلِ الْقِبْلَةِ وَقَالَ رَحِمَكَ اللهُ إِنْ كُنْتَ لَأَوَّاهًا تَلَّاءً لِلْقُرْآنِ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ إِسْنَادُهُ ضَعِيفٌ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) رات میں نبی کریم ﷺ (کسی میت کو رکھنے کے لئے) قبر میں اترے، آپ ﷺ کیلئے چراغ جلایا گیا چنانچہ آپ ﷺ نے میت کو قبلہ کی طرف سے پکڑا (اور اسے قبر میں اتارا) اور یہ فرمایا کہ "اللہ تم پر رحم کرے تم (خوف خدا سے) بہت رونے والے، اور قرآن کریم بہت زیادہ پڑھنے والے تھے (اور ان دونوں چیزوں کے سبب سے تم رحمت ومغفرت کے مستحق ہو) یہ حدیث ترمذی نے نقل کی ہے اور شرح السنۃ میں ہے کہ اس روایت کی اسناد ضعیف ہے۔

توضیح: "اواھا" خوف خدا سے زیادہ رونے والے کو[4] "اواہ" کہتے ہیں۔ اور "تلاء" تلاوت سے مبالغہ کا صیغہ ہے زیادہ تلاوت کرنے والا۔[5]

حضور اکرم ﷺ نے اس صحابی رضی اللہ عنہ کی دو خصوصی خوبیوں کا ذکر فرمایا ہے ایک یہ کہ یہ شخص خوف خدا سے زیادہ رونے والا تھا دوسرا یہ کہ یہ شخص قرآن کریم کی تلاوت زیادہ کیا کرتا تھا۔ اس حدیث میں واضح طور پر مذکور ہے کہ "**فاخذ من قبل القبلة**" اس سے ائمہ احناف کا مسلک ثابت ہوتا ہے کہ تدفین کے عمل میں سل کے بجائے جانب قبلہ سے داخل کرنا زیادہ

---

[1] المرقات: ۴/۱۸۵۔۱۸۶ [2] المرقات: ۵/۴۔۱۸۶ [3] اخرجه الترمذی: ۱۰۵۷

[4] المرقات: ۴/۱۸۶۔۱۸۷ [5] المرقات: ۴/۱۸۶۔۱۸۷

افضل ہے اگر چہ جائز دونوں طریقے ہیں احناف کہتے ہیں کہ جہاں سل کا عمل احادیث میں مذکور ہے وہ یا تو تنگی مکان کی وجہ سے ہوا ہے جیسے خود حضور اکرم ﷺ کی تدفین میں عارضہ لاحق تھا اور یا بیان جواز کے لئے ہوا ہے کہ جانب قبلہ اگر چہ افضل ہے لیکن سل بھی جائز ہے۔[1]

میت کو قبر میں اتارتے وقت پڑھی جانے والی دعاء

﴿۱۴﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا أُدْخِلَ الْمَيِّتُ الْقَبْرَ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ. وَفِيْ رِوَايَةٍ وَعَلٰى سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ.

(رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَه وَرَوَى أَبُوْ دَاوُدَ الثَّانِيَةَ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب میت کو قبر میں اتارتے تھے تو یہ فرماتے **بسم الله وبالله وعلى ملة رسول الله** ﷺ (اس میت کو ہم) اللہ کے نام کے ساتھ اللہ کے حکم کے مطابق اور رسول اللہ ﷺ کی شریعت پر (قبر میں اتارتے ہیں) اور ایک روایت میں **وعلى ملة رسول الله** کے بجائے **وعلى سنة رسول الله** ہے (یعنی یہاں تو رسول اللہ ﷺ کی شریعت پر" منقول ہے اور ایک دوسری روایت میں اس کے بجائے "رسول اللہ ﷺ کی سنت پر" نقل کیا گیا ہے) (احمد، ترمذی، ابن ماجہ اور ابوداؤد نے دوسری روایت (جس میں ملة کے بجائے سنة ہے) نقل کی ہے۔

قبر پر مٹی ڈالنا اور پانی چھڑکنا سنت ہے

﴿۱۵﴾ وَعَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ أَبِيْهِ مُرْسَلًا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَثٰى عَلَى الْمَيِّتِ ثَلَاثَ حَثَيَاتٍ بِيَدَيْهِ جَمِيْعًا وَأَنَّهُ رَشَّ عَلٰى قَبْرِ ابْنِهِ إِبْرَاهِيْمَ وَوَضَعَ عَلَيْهِ حَصْبَاءَ.

(رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَرَوَى الشَّافِعِيُّ مِنْ قَوْلِهِ رَشَّ)

ترجمہ: اور حضرت امام جعفر صادق بن محمد رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد (حضرت امام باقر رحمۃ اللہ علیہ) سے بطریق ارسال نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں سے تین مٹھی بھر کر مٹی میت پر ڈالی نیز آنحضرت ﷺ نے اپنے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی قبر کے اوپر پانی چھڑکا اور علامت کے لئے) قبر پر سنگریزے رکھے۔ شرح السنة اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو "رش" پانی چھڑکا) سے (آخر تک) روایت کیا ہے۔

توضیح: "حثیات" مٹھی بھر کر مٹی ڈالنے کے لئے حثیات کا لفظ استعمال کیا گیا ہے حثیات لپیں بھر کر مٹی ڈالنے کو کہتے ہیں مسلمانوں پر لازم ہے کہ تدفین کا عمل مکمل کریں اور تکمیل کا یہ حصہ ہے کہ قبر پر مٹی ڈالی جائے اگر چہ کاریگر اور مزدور کار بیلچوں وغیرہ سے مٹی ڈالتے ہیں لیکن عام مسلمانوں پر میت کا بطور مروت یہ حق ہے کہ اس کی قبر پر ایک ایک مٹھی بھر کر مٹی ڈالدیں مسند احمد کی ایک کمزور اور ضعیف روایت میں آیا ہے کہ حضور ﷺ مٹی ڈالتے وقت اس طرح عمل

[1] المرقات: ۴/۱۸۷ [2] اخرجه ابن ماجه: ۱۵۵۰ واحمد. والترمذی

فرماتے کہ جب [۱] پہلی مٹھی بھر کر مٹی ڈالتے تو ﴿منها خلقنا کم﴾ [۲] پڑھتے اور جب دوسری مٹھی بھر کر مٹی ڈالتے تو ﴿وفیها نعید کم﴾ [۳] فرماتے اور تیسری بار ﴿ومنها نخرجکم تارة اخری﴾ [۴] فرماتے تھے۔ جب مٹی مکمل ہو جائے اور قبر اونٹ کے کوہاں کی طرح بن جائے تو پھر مسنون طریقہ یہ ہے کہ قبر پر پانی چھڑکا جائے تا کہ گرد وغبار بیٹھ جائے اور مٹی جم جائے مٹی ڈالنا بھی مسنون ہے اور پانی چھڑکنا بھی مسنون ہے۔

"ابنه ابراهیم" مصر کے مقوقس بادشاہ نے جب حضور اکرم ﷺ کا خط پڑھا تو بہت خوش ہوا اور حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں ایک مصری گھوڑا بطور تحفہ بھیجا اور ایک لونڈی بھی روانہ کیا جن کا نام ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھا۔ یہ بریرہ کی بہن تھی ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطن سے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے اور سولہ سترہ ماہ تک زندہ رہے پھر آپ کا انتقال ہو گیا تو آنحضرت ﷺ ان کی وفات پر روئے خود بھی روئے اور دوسروں کو بھی رلایا اور آپ کی قبر پر سرخ سنگریزے رکھوادئے یہ مسنون عمل اب بھی زندہ ہے۔

قبروں کو روندنا اور اس پر لکھنا منع ہے

﴿۱۶﴾ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُجَصَّصَ الْقُبُوْرُ وَأَنْ يُكْتَبَ عَلَيْهَا وَأَنْ تُوْطَأَ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ) [۵]

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا کہ قبریں گچ کی جائیں ان پر لکھا جائے اور یہ کہ وہ روندی جائیں"۔ (ترمذی)

توضیح: "وان یجصص" جص گچ کرنے یعنی قبر سیمنٹ وغیرہ سے لیپنے کے معنی میں ہے اس لپائی سے ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ قبرستان دار البلی اور دار عبرت ہے وہاں زینت وتکلف کرنا اسراف کے ساتھ ساتھ بے فائدہ بھی ہے اور اصل بات یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے منع فرمادیا کوئی اور وجہ ہو یا نہ ہو حضور اکرم ﷺ کا منع کرنا سب سے بڑی وجہ ہے بعض علماء مٹی سے لپائی کو جائز کہتے ہیں لیکن علماء کو چاہئے کہ اس کی اجازت نہ دیں ورنہ عوام آگے نکل کر کچھ اور عمل شروع کر دیں گے۔ [۶]

"وان یکتب" یعنی حضور اکرم ﷺ نے قبروں پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے نام اور دیگر کتبے اور اشعار وغیرہ لکھنے سے منع فرمادیا ہے کیونکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ناموں کی بے احترامی کا خطرہ ہے کتے پیشاب کرتے ہیں اسی طرح قرآن کی آیات لکھنا منع ہے علماء نے اس کو بھی مکروہ لکھا ہے کہ قبر کے اوپر کوئی کتبہ لگایا جائے اور اس پر میت کا نام وغیرہ لکھ دیا جائے۔ [۷]

بعض علماء فرماتے ہیں کہ اگر قبر سے کچھ فاصلہ پر میت سے متعلق کسی بورڈ پر کچھ لکھدیا جائے تو یہ جائز ہوگا۔ بہر حال یہ سب

---

[۱] المرقات: ۴/۱۸۹ [۲] طه الایه: ۵۵ [۳] طه الایه: ۵۵ [۴] طه الایه: ۵۵

[۵] اخرجه الترمذی [۶] المرقات: ۴/۱۹۰ [۷] المرقات: ۴/۱۹۰

حیلے بہانے ہیں عوام وخواص کو چاہئے کہ قبروں پر اور اس کے آس پاس لکھنے سے گریز کریں، آج کل اس پر اکتفا نہیں بلکہ جہاں قبروں پر عمارتیں بناتے ہیں پنکھے لگاتے ہیں لائٹیں جلاتے ہیں اور بعض قبروں پر ائیر کنڈیشن بھی لگا ہوا ہے۔ "اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ"۔

حکایت بابا سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے گلستان میں ایک غریب لڑکے اور ایک مالدار لڑکے کا مناظرہ نقل کیا ہے قصہ اس طرح ہوا کہ غریب لڑکے کا غریب باپ مر گیا اور مالدار لڑکے کا مالدار باپ بھی مر گیا غریب کے بیٹے نے اپنے والد کی قبر سادی مٹی سے بنادی اور چھوڑ دیا لیکن مالدار کے بیٹے نے مال کے نشہ میں باپ کی قبر پر کافی خرچہ کیا اور سنگ مرمر لگا کر اس پر کتبے لگادیئے اور قبر کے کناروں پر آیات وحدیث لکھی گئیں اور پر رونق اور مزیدار پتھروں سے باپ کی قبر کو سجا کر رکھدیا۔ اور پھر بطور فخر غریب کے بیٹے سے کہا کہ تیرے باپ کی قبر پر مٹی کے چند ٹیلوں کے سوا کیا رکھا ہے میرے باپ کی قبر کو ذرا دیکھو کس طرح بناؤ سنگار موجود ہے غریب کے بیٹے نے کہا کہ تیرے باپ کی قبر پر قرآنی آیات لکھی ہوئی ہیں۔ اس کی بے احترامی ہوگی اس پر بارش برسے گی اس پر کتے پیشاب کریں گے "واسگان بروشاشند"

اور جب قیامت میں لوگ قبروں سے اٹھیں گے تو میرا ابا جان جنت میں پہنچ چکا ہوگا اور تیرا باپ ابھی تک ان بڑے بڑے پتھروں کے نیچے دبا پڑا ہوگا۔

بوقت دفن قبر پر مٹی بٹھانے کے لئے پانی چھڑکنا

﴿۱۷﴾ وَعَنْهُ قَالَ رُشَّ قَبْرُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ الَّذِيْ رَشَّ الْمَاءَ عَلَى قَبْرِهِ بِلَالُ بْنُ رَبَاحٍ بِقِرْبَةٍ بَدَأَ مِنْ قِبَلِ رَأْسِهِ حَتّٰى انْتَهٰى اِلٰى رِجْلَيْهِ. (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ دَلَائِلِ النُّبُوَّةِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر پانی چھڑکا گیا تھا اور وہ شخص کہ جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر پانی چھڑکا تھا حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ تھے چنانچہ انہوں نے مشک لے کر سر کی طرف سے (قبر پر) پانی چھڑکنا شروع کیا اور پاؤں تک (چھڑکتے ہوئے) لے گئے"۔ (بیہقی)

علامت کے لئے قبر پر پتھر رکھنا جائز ہے

﴿۱۸﴾ وَعَنِ الْمُطَّلِبِ بْنِ أَبِيْ وَدَاعَةَ قَالَ لَمَّا مَاتَ عُثْمَانُ بْنُ مَظْعُوْنٍ أُخْرِجَ بِجَنَازَتِهِ فَدُفِنَ أَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا أَنْ يَأْتِيَهُ بِحَجَرٍ فَلَمْ يَسْتَطِعْ حَمْلَهَا فَقَامَ اِلَيْهَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحَسَرَ عَنْ ذِرَاعَيْهِ قَالَ الْمُطَّلِبُ قَالَ الَّذِيْ يُخْبِرُنِيْ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

[1] اخرجه البيهقي: ۷/۲۶۴

وَسَلَّمَ كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى بَيَاضِ ذِرَاعَيْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ حَسَرَ عَنْهُمَا ثُمَّ حَمَلَهَا فَوَضَعَهَا عِنْدَ رَأْسِهِ وَقَالَ أُعْلِمُ بِهَا قَبْرَ أَخِيْ وَأَدْفِنُ إِلَيْهِ مَنْ مَاتَ مِنْ أَهْلِيْ. (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)[1]

ترجمہ: اور حضرت مطلب بن ابووداعہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت عثمان ابن مظعون رضی اللہ عنہما کا انتقال ہوا تو ان کا جنازہ (باہر) نکالا گیا اور دفن کیا گیا (جب تدفین سے فراغت ہوئی تو) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو حکم دیا کہ (ایک بڑا) پتھر لائے (تاکہ اسے قبر پر علامت کے لئے رکھ دیا جائے) اس شخص سے پتھر نہ اٹھ سکا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسے اٹھانے کے لئے خود کھڑے ہوئے اور اپنے دونوں ہاتھوں کی آستینیں چڑھائیں"۔ حدیث کے راوی حضرت مطلب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے مجھ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث بیان کی وہ کہتے تھے کہ "گویا اس وقت بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھوں کی سفیدی میری نظروں میں گھوم رہی ہے جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کھولا تھا، بہرحال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ پتھر اٹھالیا اور اسے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی قبر کے سرہانے رکھ دیا اور فرمایا کہ "اس کے ذریعہ اپنے بھائی کی قبر پر علامت کردی ہے اب میرے گھر والوں میں سے جس کا انتقال ہوگا میں اسے اس کے پاس دفن کروں گا"۔ (ابوداود)

توضیح: ایک عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہیں جو امیر المؤمنین اور خلیفہ ثالث داماد رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے دوسرا عثمان بن طلحہ حجبی رضی اللہ عنہ تھے جو صلح حدیبیہ کے موقع پر کافر تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عمرۃ القضاء کے موقع پر بیت اللہ کی چابیاں دینے سے انکار کر رہے تھے اور پھر فتح مکہ کے موقع پر ان سے زبردستی چابیاں چھین لی گئیں اور پھر اللہ کے حکم سے واپس کردی گئیں اور اب تک ان کے خاندان میں چابیاں محفوظ ہیں یہ عثمان بھی مسلمان ہو گئے تھے تیسرا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ ہیں یہ ہجرت سے پہلے مکہ میں تیرھواں انسان ہیں جو اسلام قبول کر چکے تھے اور پھر ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں ان کا انتقال ہوگیا یہ مہاجرین میں سے پہلے صحابی رضی اللہ عنہ ہیں جن کا مدینہ منورہ میں انتقال ہوا نیز جنت البقیع میں دفنائے جانے والے پہلے انسان ہیں یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے قلبی محبت تھی بدر میں شریک ہوئے تھے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی پیشانی پر ان کی وفات کے بعد بوسہ دیا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آنسوان کے چہرے پر گرے تھے اس خوش قسمت کی قبر پر جو پتھر بطور علامت نصب کیا گیا تھا وہ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اٹھا کر لائے تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرات ابراہیم رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کا پہلا بچہ ہے جو عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے پاس دفنائے گئے۔[2]

"**فلم یستطع**" یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس پتھر کے لانے کا حکم دیا تھا وہ صحابی رضی اللہ عنہ اس کو اٹھا نہیں سکے تو پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آستین چڑھا کر اس پتھر کو خود اٹھا کر لائے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے بہت طاقت عطا فرمائی تھی اس پتھر کے رکھنے کی دو وجہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ایک یہ کہ اس پتھر کے نصب کرنے سے اس قبر کی پہچان باقی رہے گی، اس سے معلوم ہوا کہ بطور علامت پتھر رکھنا مستحب ہے تاکہ قبر کی نشانی باقی رہے البتہ ان نشانات

[1] اخرجه ابوداود: ۳۲۰۶ [2] المرقات: ۴/۱۹۱، ۱۹۲

کوشرکیات تک لیجانا جائز نہیں ہے لیکن بطور علامت اس کا انکار کرنا بھی غلط ہے حرمین شریفین کے دونوں مقبروں میں آج کل حکومتی سطح پر وہاں کے حکمران ان علامات کو ختم کرنے کے درپے ہیں ترکوں کے زمانے کے پتھروں کے نشانات کو انہوں نے ختم کر کے رکھدیا اور شاہی خاندان کے افراد کی قبروں کی توسرکاری اعزاز کے ساتھ حفاظت کرتے ہیں لیکن بڑے صحابہ کی قبروں کی جنت البقیع میں وہ حشر کر دیا ہے کہ اسے دیکھ کر رونا آتا ہے۔[۱]

حضور اکرم ﷺ اور ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی قبریں

﴿۱۹﴾ وَعَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰى عَائِشَةَ فَقُلْتُ يَا أُمَّاهُ اكْشِفِي لِي عَنْ قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصَاحِبَيْهِ فَكَشَفَتْ لِي عَنْ ثَلَاثَةِ قُبُورٍ لَا مُشْرِفَةٍ وَلَا لَاطِئَةٍ مَبْطُوحَةٍ بِبَطْحَاءِ الْعَرْصَةِ الْحَمْرَاءِ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ.)[۲]

ترجمہ: اور حضرت قاسم بن محمد رحمہ اللہ (تابعی) فرماتے ہیں کہ میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ ”اے میری ماں: مجھے زیارت کرنے کے لئے رسول کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے دونوں رفقاء کی قبریں کھول دیجئے چنانچہ انہوں نے تینوں قبریں کھول دیں میں نے دیکھا کہ وہ تینوں قبریں نہ تو بہت اونچی تھیں اور نہ بالکل زمین سے ملی ہوئی تھیں (بلکہ زمین سے ایک ایک بالشت بلند تھیں) اور ان پر (مدینہ مطہرہ کے گرد جو) میدان ہے اس کی سرخ کنکریاں بچھی ہوئی تھیں“۔ (ابوداؤد)

توضیح حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر رحمہ اللہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھتیجے ہیں مدینہ کے فقہاء سبعہ میں سے ہیں۔[۳]

"لامشرفة" یہ اشراف سے ہے بلند اور اونچا مراد ہے یعنی یہ قبریں بلند نہیں تھیں اونچی نہیں تھیں۔[۴]

"لاطئة" زمین کے ساتھ چپکنے کے معنی میں ہے یعنی بالکل زمین کے ساتھ ملی ہوئی نہ تھیں بلکہ ایک بالشت کی مقدار اونچی تھیں آج کل جو لوگ قبروں کو بلند کر کے اونچی بناتے ہیں ان کو شرم آنی چاہئے کہ حضور ﷺ کی قبر کی متابعت نہیں کرتے ہیں۔[۵]

"مبطوحة" بطح سے ہے بطحاء چھوٹے سنگریزوں کو کہتے ہیں "العرصة" کسی خاص جگہ کا نام نہیں ہے بلکہ مدینہ کے کھلے میدان کو عرصہ کہا گیا ہے[۶] "الحمراء" یہ بطحاء کی صفت ہے یعنی وہ سنگریزے سرخ رنگ کے تھے یہ طریقہ اب بھی دیہاتی قبروں میں ہوتا ہے کہ نالے کے پاس سے خوبصورت رنگ برنگ چھوٹے پتھروں کو جمع کر کے نئی قبروں پر رکھے جاتے ہیں

---

[۱] المرقات: ۴/۱۹۱،۱۹۲ [۲] اخرجه ابوداؤد: ۳/۲۱۲ [۳] المرقات: ۴/۱۹۳

[۴] المرقات: ۴/۱۹۳ [۵] المرقات: ۴/۱۹۳ [۶] المرقات: ۴/۱۹۳

حضور اکرم ﷺ کی قبر کے سامنے جو دو شعر لکھے ہوئے ہیں وہ یہ ہیں [1]

یاخیرمن دفنت بالقاع اعظمهٗ فطاب من طیبهن القاع والاکم

ترجمہ: اے سب سے بہتر انسان جس کا جسد مبارک کھلے میدان میں مدفون ہے جس کی خوشبو سے سب ٹیلے اور میدان معطر ہو گئے۔

نفسی الفداء لقبر انت ساکنه فیه العفاف وفیه الجود والکرم

میری جان اس قبر پر قربان ہو جس میں آپ آرام فرما ہیں درحقیقت اس قبر میں سخاوت و شرافت اور عفت مدفون ہے۔

حضرت ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو تعزیت میں مخاطب کر کے یہ دو شعر بھی پڑھے ہیں۔

افاطم ان جزعت فذاك عذر وان لم تجزعی ذاك السبیل

اے فاطمہ!!! اگر آپ جزع فزع کریں تو آپ معذور ہیں اور اگر صبر کریں تو پسندیدہ راستہ یہی ہے۔

فقبر ابیك سید کل قبر وفیه سید الناس الرسول

آپ کے اباجان کی قبر تمام قبروں کی سردار ہے اور اس میں تمام رسولوں کا سردار مدفون ہیں۔

جنازہ دیکھ کر خاموشی طاری ہونی چاہئے

﴿۲۰﴾ وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ جِنَازَةِ رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ فَانْتَهَيْنَا اِلَى الْقَبْرِ وَلَمَّا يُلْحَدْ بَعْدُ فَجَلَسَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ وَجَلَسْنَا مَعَهٗ. (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَه وَزَادَ فِيْ آخِرِهٖ كَاَنَّ عَلٰى رُؤُسِنَا الطَّيْرَ) [2]

ترجمہ: اور حضرت براء ابن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول کریم ﷺ کے ہمراہ انصار میں سے ایک شخص کے جنازہ کے ساتھ چلے جب ہم قبرستان پہنچے تو چونکہ ابھی تدفین عمل میں نہیں آئی تھی (یعنی قبر نہیں تیار ہوئی تھی) اس لئے رسول کریم ﷺ قبلہ کی طرف تشریف فرما ہو گئے اور ہم بھی آپ ﷺ کے ساتھ (یعنی آپ ﷺ کے گرد) بیٹھ گئے"۔ (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ) اور ابن ماجہ نے اس روایت کے آخر میں یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ "گویا ہمارے سروں پر پرندے بیٹھے تھے یعنی انتہائی خاموش اور چپ چاپ سر جھکائے ہوئے بیٹھے تھے"۔

واذا رءیت جنازةً محمولة فاعلم بانك هكذا محمول

[1] المرقات: ۱۹۳/۴، ۱۹۴

[2] اخرجه ابوداؤد والنسائی: ۱۰۸/۳ ابن ماجه: ۲۲۷۱

مردے کی چیر پھاڑ منع ہے

﴿۲۱﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَسْرُ عَظْمِ الْمَيِّتِ كَكَسْرِهٖ حَيًّا۔

(رَوَاهُ مَالِكٌ وَأَبُوْ دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَه)[۱]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''مردہ کی ہڈیوں کو توڑنا (باعتبار گناہ کے) زندہ شخص کی ہڈیوں کے توڑنے کی مانند ہے''۔ (مالک، ابوداؤد، ابن ماجہ)

توضیح: ''ککسرہ حیا'' یعنی جس طرح زندہ آدمی کی چیر پھاڑ سے اس کو تکلیف ہوتی ہے اسی طرح مردے کی چیر پھاڑ سے اس کو تکلیف ہوتی ہے اسی طرح زندہ کی تحقیر جس طرح ممنوع ہے مردے کی تحقیر کرنا بھی ممنوع ہے کسی زندہ کی ہڈی توڑنا جس طرح منع ہے اسی طرح مردے کی ہڈی توڑنا بھی منع ہے اس حدیث سے آج کل فرنگیوں کے بنائے ہوئے میڈیکل نظام کی سختی سے نفی اور تردید ہوتی ہے آج کل ہسپتالوں میں حکومت نے پرانے زمانے کے کفن چوروں کی طرح مردہ چور پال رکھے ہیں وہ اس طرح کہ جب قبرستان میں نیا مردہ دفن کیا جاتا ہے تو رات کے وقت یہ ظالم جاتے ہیں اور قبر کھول کر لاش کو چوری کر کے ہسپتال لاتے ہیں اور پھر انسانی لاشوں پر تجربہ کرنے والے میڈیکل کے مہذب درندے لاش کی چیر پھاڑ کرتے ہیں اور اس طرح جا کر ڈاکٹر بنتے ہیں اللہ نے انسان کو مکرم بنایا ہے[۲] **﴿ولقد کرمنا بنی آدم﴾**[۳] قرآن کا حکم ہے اس لئے شریعت کا ضابطہ ہے کہ کوئی بھی انسان ہو مرنے کے بعد اس کی لاش کی بے حرمتی ناجائز ہے خواہ کافر ہو خواہ مسلمان ہو مثلہ کرنا حرام ہے جبکہ لاش کے ساتھ ہسپتالوں میں وہ کھیل کھیلا جاتا ہے کہ اللہ کی پناہ، اگر کوئی ان کو سمجھاتے ہیں تو فوراً کہتے ہیں کہ ہم انسانیت کی خدمت کرتے ہیں اور یہ ضروری ہے۔

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک تجارت ہے اور دنیا کمانے کا بہت بڑا ذریعہ ہے خدمت کا نام صرف خدمت کو بدنام کرنے کے لئے ہے، اگر حقیقت پر نظر ڈالی جائے تو جتنے ڈاکٹر بڑھ رہے ہیں اتنی بیماریاں بڑھ رہی ہیں تو اس پیشہ کی ضرورت کیا ہے جس کی ابتدا میں شریعت کی مخالفت ہوتی ہے اور اس کی انتہاء میں صحت کی مخالفت ہو رہی ہے میں نتائج پر بات کر رہا ہوں وقتی فوائد کا انکار نہیں کر رہا، شریعت و شرافت کی قربانی دیکر عارضی فائدہ پر اچھلنا عقلمندوں کا کام نہیں ہے۔

الفصل الثالث

حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تدفین کا واقعہ

﴿۲۲﴾ عَنْ أَنَسٍ قَالَ شَهِدْنَا بِنْتَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُدْفَنُ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ عَلَى الْقَبْرِ فَرَأَيْتُ عَيْنَيْهِ تَدْمَعَانِ فَقَالَ هَلْ فِيْكُمْ مِنْ أَحَدٍ لَمْ يُقَارِفِ

[۱] اخرجه مالك ۵،۲۳۸ ح ۴۵ وابوداؤد: ۳۲۰۷ ابن ماجه ۱۶۱۶ [۲] المرقات: ۴/۱۹۵ [۳] بنی اسرائیل: ۷۰

اللَّيْلَةَ فَقَالَ أَبُوْ طَلْحَةَ أَنَا قَالَ فَانْزِلْ فِيْ قَبْرِهَا فَنَزَلَ فِيْ قَبْرِهَا ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اس وقت موجود تھا جبکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی (یعنی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سپرد خاک کی جا رہی تھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبر کے پاس تشریف فرما تھے، میں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں آنسو بہا رہی تھیں، بہرحال (اس وقت) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (صحابہ رضی اللہ عنہم سے) فرمایا کہ "کیا تم میں ایسا بھی کوئی شخص موجود ہے جو آج کی رات اپنی عورت سے ہم بستر نہ ہوا ہو؟ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہاں میں ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "(میت کو قبر میں رکھنے کے لئے) تم ہی قبر میں اترو"۔ چنانچہ وہ قبر میں اترے"۔ (بخاری)

توضیح: "**بنت رسول الله**" اس سے مراد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں جو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ تھیں اور حضرت رقیہ کی وفات کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئی تھیں۔[2]

"**تدمعان**" یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبر کے کنارے پر تشریف فرما تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنسو جاری تھے معلوم ہوا کہ آنسوؤں کے ساتھ رونا منع نہیں ہے بلکہ جائز ہے۔[3]

"**لم یقارف اللیلة**" یعنی جس شخص نے آج رات اپنی بیوی سے جماع نہیں کی وہ آگے آئے اور ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو قبر میں اتاردے مقارفہ کا متعارف معنی جماع کا ہے اگرچہ گناہ کرنے کے لئے بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ یہاں اگرچہ علماء تاویلات کرتے ہیں مگر واضح معنی جماع ہی ہے۔[4]

اب سوال یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح پوشیدہ شعبہ کو کیوں چھیڑا اس سے آپ کا مقصد کیا تھا؟۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعہ سے معلوم ہو گیا تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے رات کو اپنی باندی سے ہمبستری کی ہے شاید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ناگوار گذرا ہو کہ ایک طرف میری بیٹی مر رہی تھی اور اسی رات میں ان کا انتقال بھی ہوا اور دوسری طرف اس طرح ماحول میں عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو خدمت کے بجائے باندی سے ہمبستری میں مشغول ہونا مناسب نہیں تھا اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت باریک انداز سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر طنز کیا اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر واضح ملامت کرتے یا سرزنش کرتے یا گلہ کرتے تو شاید وہ حیاء کی وجہ سے مر جاتے اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خفیہ اشارہ سے تنبیہ فرمائی ادھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو علماء معذور سمجھتے ہیں کیونکہ حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا بہت عرصہ سے بیماری میں مبتلاء تھی اور اس رات بھی اپنی عادت پر تھی زیادہ تکلیف کی کوئی اطلاع نہیں تھی اس لئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے لونڈی سے ہمبستری کی۔[5]

[1] اخرجه البخاري: ۲/۱۰۰، ۲/۱۱۳ [2] المرقات: ۴/۱۹۵ [3] المرقات: ۴/۱۹۲ [4] المرقات: ۴/۱۹۵ [5] المرقات: ۴/۱۹۵

اب یہاں ایک اور اعتراض ہے وہ یہ کہ جب حضرت پاک ﷺ خود موجود تھے تو ابوطلحہ رضی اللہ عنہ جو ام کلثوم کے لئے اجنبی تھے انہوں نے ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو قبر میں کیوں اتارا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ نے ان کو اتارنے کا حکم دیا تو اب ان کے لئے شرعی جواز مہیا ہو گیا اور حضور اکرم ﷺ کو شاید کوئی عذر تھا کہ خود ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو قبر میں نہیں اتارا۔

بعض علماء نے یہ جواب دیا ہے کہ یہ عمل حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی خصوصیات میں سے ہے۔ بعض علماء نے یہ جواب دیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے بیان جواز کے لئے ایسا کیا۔[۱]

بہر حال علماء نے لکھا ہے کہ عورت کو مرد ہی قبر میں اتارے گا البتہ مرد کا عورت کے محارم میں سے ہونا ضروری ہے ورنہ مجبوری ہے۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی وصیت

﴿۲۳﴾ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ لِابْنِهٖ وَهُوَ فِيْ سِيَاقِ الْمَوْتِ إِذَا أَنَا مُتُّ فَلَا تَصْحَبْنِيْ نَائِحَةٌ وَلَا نَارٌ فَإِذَا دَفَنْتُمُوْنِيْ فَشُنُّوْا عَلَيَّ التُّرَابَ شَنًّا ثُمَّ أَقِيْمُوْا حَوْلَ قَبْرِيْ قَدْرَ مَا يُنْحَرُ جَزُوْرٌ وَيُقْسَمُ لَحْمُهَا حَتّٰى أَسْتَأْنِسَ بِكُمْ وَأَعْلَمَ مَاذَا أُرَاجِعُ بِهٖ رُسُلَ رَبِّيْ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[۲]

ترجمہ: اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے اس وقت جبکہ وہ حالت نزع میں تھے اپنے صاحبزادے (حضرت عبداللہ) کو یہ وصیت کی کہ "جب میرا انتقال ہو جائے تو میرے (جنازہ) کے ہمراہ نہ تو کوئی نوحہ کرنے والی ہو اور نہ آگ ہو اور جب مجھے دفن کرنے لگو تو میرے اوپر مٹی آہستہ آہستہ (تھوڑی تھوڑی کر کے) ڈالنا پھر (دفن کر دینے کے بعد) میری قبر کے پاس (دعائے استقامت و مغفرت اور ایصال ثواب کے لئے) اتنی دیر تک کھڑے رہنا جتنی دیر میں اونٹ کو ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم کیا جاتا ہے یہاں تک کہ میں تمہاری وجہ سے آرام پا جاؤں اور (بغیر کسی وحشت و گھبراہٹ کے) جان لوں کہ میں اپنے پروردگار کے فرشتوں کو کیا جواب دیتا ہوں"۔ (مسلم)

توضیح: "نائحۃ" زمانہ جاہلیت میں میت پر رونے کے لئے کرایہ پر بین کرنے والی عورتیں لائی جاتی تھیں وہ میت کی الٹی سیدھی تعریفیں کر کے خود بھی روتی تھیں اور دوسروں کو بھی رلاتی تھیں اس سے اسلام نے منع کر دیا ہے۔[۳]

"ولا نار" زمانہ جاہلیت میں بطور فخر و تکبر اور بطور رسم و رواج میت کے ساتھ آگ لیجاتے تھے اور اس میں خوشبو وغیرہ ڈالتے تھے اور لوگوں کو دکھاتے تھے اسلام نے اس کو منع کر دیا بلکہ آگ تو برا تفاول ہے اس کو تو خصوصیت سے اسلام نے منع کر دیا ہے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ انہیں دو منکرات سے بچنے کی غرض سے وصیت فرما رہے ہیں۔[۴]

"حول قبری" یعنی ایک اونٹ ذبح کرنے اور اس کے گوشت کی تقسیم کرنے کے عرصہ تک میری قبر کے پاس رک جاؤ

---

[۱] المرقات: ۴/۱۹۵ [۲] اخرجہ مسلم [۳] المرقات: ۴/۱۹۶ [۴] المرقات: ۴/۱۹۶

اور میرے لئے بطور ایصال ثواب دعا کرو تلاوت کرو اور استغفار کرو تمہاری دعا و استغفار کی برکت سے میرے لئے قبر میں فرشتوں کا سوال و جواب آسان ہوجائے گا۔ اور میں بغیر کسی وحشت و گھبراہٹ کے فرشتوں کا جواب دیدوں گا۔ اور مجھے اندازہ ہوجائے گا کہ میں کس طریقہ پر جواب دیتا ہوں۔ ابوداود شریف کی ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ جب کسی صحابی رضی اللہ عنہ کی تدفین سے فارغ ہوجاتے تو اس کی قبر کے پاس کھڑے ہوجاتے اور صحابہ سے فرماتے کہ اپنے بھائی کے لئے استغفار کرو اور استقامت کی دعا مانگو۔ کیونکہ اس وقت قبر میں ان سے سوال ہورہا ہے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اسی حدیث کے مضمون کی طرف اشارہ فرمارہے ہیں۔[1]

سورۃ بقرہ کی ابتدائی اور آخری رکوعات سے تلقین کرنا سنت ہے

﴿۲۴﴾ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِذَا مَاتَ أَحَدُكُمْ فَلَا تَحْبِسُوْهُ وَأَسْرِعُوْا بِهِ إِلٰى قَبْرِهِ وَلْيُقْرَأْ عِنْدَ رَأْسِهِ فَاتِحَةُ الْبَقَرَةِ وَعِنْدَ رِجْلَيْهِ بِخَاتِمَةِ الْبَقَرَةِ.

(رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيْمَانِ وَقَالَ وَالصَّحِيْحُ أَنَّهُ مَوْقُوْفٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ”جب تم میں سے کسی شخص کا انتقال ہوجائے تو اسے محبوس نہ رکھو بلکہ اس کی قبر تک اسے جلد پہنچادو نیز یہ بھی چاہیئے کہ (قبر پر کھڑے ہوکر) اس کے سر کے قریب سورۂ بقرہ کی ابتدائی آیتیں (یعنی شروع سے مفلحون تک) اور پاؤں کے قریب سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں (یعنی آمن الرسول سے آخر تک کی آیتیں) پڑھی جائیں“۔ (بیہقی نے اس روایت کو شعب الایمان میں نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ یہ روایت حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے)“

توضیح: ”فلا تحبسوہ“ یعنی بلاضرورت میت کو گھروں اور سرد خانوں میں اسٹور نہ کرو تجہیز و تکفین میں تاخیر نہ کرو کیونکہ اگر میت نیک ہے تو فرشتے انتظار کرتے ہیں اور اگر برا ہے تو گھروں سے اس برائی کو جلدی سے ہٹادو۔

چنانچہ علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب آدمی مرجائے تو اس کی تجہیز و تکفین میں جلدی کرو۔[3]

واسرعوا به“ یہ جملہ پہلے والے جملے کے لئے بطور تاکید لایا گیا ہے۔ کیونکہ **لا تحبسوہ** کا مطلب خود یہی ہے کہ جلدی کرکے لے جاؤ۔[4]

”**ولیقراء**“ اس جملہ سے تلقین علی القبور واضح طور پر معلوم ہوتی ہے چنانچہ اس حدیث میں جس تلقین کا ذکر ہے وہ یہ ہے کہ میت کی قبر کے سرہانے پر سورۃ بقرہ کی ابتدائی رکوع ایک آدمی کھڑے ہوکر بلند آواز سے پڑھے اور پاؤں کی جانب دوسرا آدمی سورۃ بقرہ کا آخری رکوع پڑھے اس تلقین میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے اس کے علاوہ دوسری ایک مروجہ تلقین ہوتی ہے کہ قبر کے وسط پر انگلی رکھ کر میت کی کچھ رہنمائی کی جاتی ہے کہ ابھی فرشتے آئیں گے وہ اس طرح سوال کریں گے تم

[1] المرقات: ۱۹۶/۴، ۱۹۷ [2] اخرجہ البیہقی: ۱۶/۷ ح ۹۲۹۴ [3] المرقات: ۱۹۷/۴ [4] المرقات: ۱۹۷/۴

اس طرح جواب دیا کرو اس تلقین میں اگر غلط عقیدہ شامل ہوجائے اور بے کار باتیں آجائیں تو اس کے ناجائز ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے لیکن اگر غلط عقیدہ نہ ہو اور غلط فرمائش نہ ہو تو شوافع کے ہاں یہ تلقین جائز ہے۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فتاوی رشیدیہ میں اس تلقین کے بارے میں لکھا ہے کہ اس کا مدار مُردوں کے سننے نہ سننے کے مسئلہ پر ہے۔ جن لوگوں کا عقیدہ ہے کہ مردے سنتے ہیں وہ اس تلقین کے قائل ہیں اور تدفین کے بعد قبر پر تلقین کرتے ہیں لیکن جن لوگوں کے ہاں عقیدہ ہے کہ مردے نہیں سنتے ہیں وہ اس قسم کی تلقین کا انکار کرتے ہیں۔ بہرحال زیر بحث حدیث میں جس تلقین کا ذکر ہے اس کے کرنے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ [۱]

ایصال ثواب کا فائدہ اور فضیلت

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب تم قبرستان چلے جاؤ تو وہاں سورۃ فاتحہ اور معوذتین اور سورۃ اخلاص پڑھ کر اس کا ثواب قبرستان والوں کو بخش دو تو وہ ثواب ان اموات تک پہنچ جاتا ہے۔ [۲]

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص قبرستان جائے اور گیارہ مرتبہ سورۃ فاتحہ پڑھ کر اس کا ثواب قبرستان والوں کو بخش دے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس شخص کو قبرستان میں مدفون اموات کی تعداد کے برابر ثواب ملتا ہے۔ [۳]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص قبرستان جائے اور سورۃ فاتحہ اور **قل ھو اللہ احد** اور سورۃ تکاثر پڑھ کر اللہ سے عرض کر دے کہ اے اللہ میں نے تیرے کلام کو پڑھا ہے میں نے اس وقت جو کچھ پڑھا ہے اس کا ثواب اس قبرستان میں مدفون مؤمنین اور مؤمنات کو بخش دیتا ہوں تو قبرستان میں جتنے مردے ہیں وہ اللہ کے حضور میں اس شخص کے لئے شفاعت کرنے والے بن جاتے ہیں۔ [۴]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص قبرستان جائے اور (وہاں ایصال ثواب کی غرض سے) سورۃ یٰسین تلاوت کرے تو اللہ قبرستان والوں کے عذاب میں کمی کرتا ہے اور اس شخص کو قبرستان میں مدفون مردوں کی تعداد کی مقدار نیکیاں دی جاتی ہیں۔ [۵]

بہرحال قبرستان کھیل کود کی جگہ نہیں بلکہ عبرت حاصل کرنے کی جگہ ہے کہ کتنے بڑے بڑے برجوں کو موت نے گرا کر زمین بوس کر دیا اور ان بڑے ستونوں کو قبر کی مٹی نے کس طرح کھا لیا ہر مسلمان کو اس وقت کے لئے تیاری کرنی چاہئے کسی نے خوب کہا ہے

خیرے کن اے فلاں و غنیمت شمار عمر زاں بیشتر کہ بانگ برآید فلاں نماند

آں پیر لاشہ راکہ سپردند زیر خاک خاکش چناں بخورد کہ نام و نشان نماند

اے فلاں آدمی! نیکی کر اور عمر کو غنیمت سمجھو اس وقت سے پہلے پہلے کہ لاؤڈ اسپیکر پر اعلان ہوجائے کہ فلاں مرگیا (دیکھو تو

---

[۱] المرقات: ۴/۱۹۷ [۲] المرقات: ۴/۱۹۸ [۳] المرقات: ۴/۱۹۸ [۴] المرقات: ۴/۱۹۸ [۵] المرقات: ۴/۱۹۸

سہی) اس بوڑھے کی کمزور لاش کو جب زمین میں دفنا دیا تو قبر کی مٹی نے اس کو ایسا کھالیا کہ اس کا نام ونشان باقی نہ رہا۔

حضرت عائشہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا اپنے بھائی کی قبر پر

﴿۲۵﴾ وَعَنْ أَبِي مُلَيْكَةَ قَالَ لَمَّا تُوُفِّيَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ أَبِي بَكْرٍ بِالْحُبْشِيِّ وَهُوَ مَوْضِعٌ فَحُمِلَ إِلَى مَكَّةَ فَدُفِنَ بِهَا فَلَمَّا قَدِمَتْ عَائِشَةُ أَتَتْ قَبْرَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ فَقَالَتْ

وَكُنَّا كَنَدْمَانَيْ جَذِيمَةَ حِقْبَةً ۔ مِنَ الدَّهْرِ حَتّٰى قِيلَ لَنْ يَتَصَدَّعَا

فَلَمَّا تَفَرَّقْنَا كَأَنِّيْ وَمَالِكًا ۔ لِطُوْلِ اجْتِمَاعٍ لَمْ نَبِتْ لَيْلَةً مَعًا

ثُمَّ قَالَتْ وَاللّٰهِ لَوْ حَضَرْتُكَ مَا دُفِنْتَ إِلَّا حَيْثُ مُتَّ وَلَوْ شَهِدْتُكَ مَا زُرْتُكَ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابن ابی ملیکہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہ کا حبشی میں جو ایک مقام ہے انتقال ہوا تو ان کی نعش کو مکہ لایا گیا اور وہاں انہیں دفن کیا گیا، جب حضرت عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا (حج کے لئے مکہ) تشریف لائیں تو (اپنے بھائی) حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کی قبر پر بھی گئیں اور وہاں یہ شعر پڑھے "**وکنا کندمانی جذیمة حقبة :من الدهر حتی قیل لن یتصدعا ۔ فلما تفرقنا کانی ومالکا:لطول اجتماع لم نبت لیلة معا**"۔ یعنی ہم دونوں جذیمہ کے دونوں ہمنشینوں کی طرح ایک مدت دراز تک جدا نہیں ہوئے یہاں تک کہ یہ کہا جانے لگا کہ یہ دونوں تو کبھی جدا نہیں ہونگے لیکن جب ہم دونوں یعنی میں اور مالک ایک دوسرے سے جدا ہوئے تو طویل زمانہ تک ساتھ رہنے کے باوجود گویا ایک رات کے لئے بھی یکجانہ ہوئے اس کے بعد حضرت عائشہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا نے فرمایا کہ "خدا کی قسم: اگر تمہارے انتقال کے وقت میں موجود ہوتی تو تم وہی دفن کئے جاتے جہاں تمہارا انتقال ہوا تھا (کیونکہ میت کو اس جگہ سے کہ جہاں اس کا انتقال ہوا ہو دوسری جگہ منتقل نہ کرنا سنت اور افضل ہے، نیز یہ کہ اگر میں انتقال کے وقت تمہارے پاس موجود ہوتی تو اس وقت تمہارے قبر پر نہ آتی"۔
(ترمذی)

توضیح: "حُبشی" حا پر پیش ہے با ساکن ہے اور شین پر کسرہ ہے اس کے بعد یا پر شد ہے **نُعْلِيٌّ** کے وزن پر ہے مکہ مکرمہ کے نشیبی علاقوں میں نعمان اراک کے پاس ایک پہاڑ کا نام ہے جو مکہ مکرمہ کے اطراف میں کسی طرف واقع ہے احابیش قریش اسی کی طرف منسوب ہیں بعض علماء لکھتے ہیں کہ مکہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر یہ جگہ واقع ہے بعض نے چھ میل کا فاصلہ لکھا ہے یہاں پر حضرت عائشہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا کے بھائی عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا تھا اور وہاں سے لوگ ان کو اٹھا کر مکہ مکرمہ لائے اور جنت المعلاۃ میں دفنا دیا حضرت عائشہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا تدفین کے بعد کسی وقت اپنے بھائی کی قبر پر آئی ہے اور عجیب انداز کے ساتھ رفاقت ومحبت کا اظہار کیا ہے اور پھر دو شعر پڑھے ہیں جو ان کے اور ان کے بھائی کے نہایت مناسب حال تھے **معجم البلدان**[1] ج ۲ ص ۲۱۴ پر تفصیل موجود ہے۔ یہ دو شعر درحقیقت ایک

---
[1] اخرجه البخاری

شاعر کے تھے جن کا نام تمیم بن نویرہ تھا ان کے بھائی کا نام مالک بن نویرہ تھا جن کو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے جنگ یمامہ کے دوران قتل کر دیا تھا قصہ یہ تھا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں مرتدین کے خلاف بڑی جنگیں ہوئی تھیں بنو تمیم کے خلاف کاروائی ہوئی اور پھر یمامہ میں شدید جنگیں ہوئیں۔

مالک بن نویرہ اپنی قوم کا لیڈر تھا یہ شخص مسلمانوں کی قید میں آ گیا حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے ان سے گفتگو کی جس سے اندازہ ہوا کہ یہ شخص واقعی مرتد ہے اور اب بھی ارتداد پر قائم ہے لہٰذا آپ نے حکم دیا کہ اسکو قتل کیا جائے تو آپ کے حکم سے وہ قتل ہوا بعض نے لکھا ہے کہ یہ شخص جن مسلمانوں کے ہاتھ میں گرفتار تھا غلطی سے کسی کے ہاتھ سے مارا گیا۔

بہر حال جس طرح بھی مارا گیا مگر اس کے بھائی تمیم بن نویرہ جوز ور شور کا شاعر تھا اس نے ایک طوفان برپا کیا کہ میرا بھائی مسلمان تھا حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اس کو قصداً قتل کر دیا ہے لہٰذا خالد سے قصاص لیا جائے یہ مقدمہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے دربار میں آیا حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو تو بری کر دیا لیکن بیت المال سے اس کی دیت اس کے بھائی کو دلا دی۔[1]

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان اشعار کو اپنے بھائی کے لئے پڑھے اور اشارہ کر دیا کہ ہمارا تعلق اور اپنے بھائی سے محبت اس طرح تھی کہ لوگ سمجھ رہے تھے کہ یہ دونوں کبھی جدا نہیں ہونگے اس طویل رفاقت و محبت کے بعد جب بھائی کا انتقال ہو گیا تو اب ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ گویا ہم کبھی اکٹھے ہوئے ہی نہ تھے۔

تمیم بن نویرہ نے ان دو شعروں میں خود کو اور اپنے بھائی کو جذیمہ کے دو ہم نشینوں سے مشابہ قرار دیا کہ ان کی طویل رفاقت و محبت اور طویل تعلق ایسا تھا کہ لوگ سمجھ رہے تھے کہ یہ دونوں کبھی جدا نہیں ہونگے لیکن جب بھائی کی موت آئی تو اب ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ گویا ہم کبھی اکھٹے ہوئے ہی نہیں تھے۔

یہاں یہ بات ضروری ہے کہ جذیمہ کو پہچانا جائے اور ان کے دو ہم نشینوں کو پہچانا جائے تاکہ ان دو شعروں کو صحیح طور پر سمجھا جاسکے اور اس حدیث کا پورا منظر سمجھ میں آجائے۔

جذیمہ ابرش کے دو ہم نشین

جذیمہ ابرش عراق اور جزیرۂ عرب کا کسی زمانہ میں مشہور بادشاہ گذرا ہے اس کو ایک عورت "زبا" نے قتل کر دیا تھا جو ایک ملکہ عورت تھی۔ قصہ اس طرح پیش آیا کہ جذیمہ ابرش نے اپنے زمانے کے ایک بادشاہ پر چڑھائی کی اور اس کو قتل کر دیا اس بادشاہ کی جگہ اس کی بیٹی نے حکومت سنبھال لی یہ عورت بہت خوبصورت تھی ان کے اتنے لمبے بال تھے کہ اپنے آپ کو اس میں چھپاتی تھی یہ کنواری تھی اور شادی نہیں کرتی تھی بڑے بڑے بادشاہوں کے پیغام نکاح کو ٹھکرا چکی تھی جب ان کا باپ مارا گیا تو جذیمہ ابرش نے ان کو نکاح کا پیغام بھیجا اس نے پیغام قبول کیا اور دل میں قسم کھائی کہ اپنے باپ کے بدلے میں جذیمہ ابرش کو قتل کروں گی۔

[1] المرقات ۱۹۹/۴،۲۰۰

چنانچہ شادی کا وقت طے ہوگیا اور جذیمہ ابرش اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ ''زبا'' کی طرف دولھا بننے کے لئے روانہ ہوا جذیمہ کا ایک وزیر تھا جس کا نام "**قصیر**" تھا وہ بہت ہوشیار تھا اس نے بڑی کوشش کی کہ بادشاہ سلامت دھوکہ نہ کھاؤ مقتول کے وارث کے دل سے کبھی بھی قاتل سے انتقام کا جذبہ ختم نہیں ہوسکتا۔ جذیمہ نے کہا کہ اس عورت نے خود شادی کا اظہار کیا ہے آپ خواہ مخواہ شک میں پڑے ہوئے ہو۔

بہر حال جذیمہ ابرش جب زبا کے پاس پہنچا اور زبا نے ان کو قابو کرلیا تو اس کو گرفتار کرلیا اور بڑی بے دردی سے ان کو چھت کے ساتھ لٹکا کر جسم میں نشتر زنی کر کے قتل کر دیا اور اپنے باپ کی قبر کے پاس دفن کر کے قبر پر لکھ دیا کہ میں نے اپنے باپ کے بدلے میں اس بادشاہ کو قتل کر دیا ہے۔ پھر جذیمہ کے وزیر قصیر نے بڑے حیلے کر کے زبا تک رسائی حاصل کر لی اور بڑی ہوشیاری سے زبا کو قابو کر لیا مگر اس کو قتل کرنے سے پہلے زبا نے زہر کھالی اور کہا کہ میں اپنے ہاتھ سے مر رہی ہوں قصیر کے ہاتھ سے نہیں، یہ الگ ایک طویل داستان ہے جو ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے لطائف از کیاء میں ذکر کیا ہے اور لطائف علمیہ میں یہ قصہ دلچسپ انداز سے مذکور ہے۔

اب آیئے کہ جذیمہ ابرش کے دو ہم نشین کون تھے یہ بھی ایک عجیب اتفاق ہے کہ جذیمہ ابرش کے دربار میں جذیمہ کے دو ہم نشین آپس میں بھائی تھے ایک کا نام مالک تھا اور دوسرے کا نام عقیل تھا چالیس سال تک یہ دونوں بھائی جذیمہ کے دربار میں ایسے اکٹھے رہے کہ کسی کو خیال نہیں گذرتا تھا کہ یہ دونوں کبھی الگ ہو جائیں گے اور عرب ان کی رفاقت کو بطور مثال پیش کیا کرتے تھے۔ لیکن ایک وقت ایسا بھی آیا کہ وہ دونوں موت کی وجہ سے ایسے جدا ہو گئے کہ کسی کو خیال نہ گذرتا تھا کہ یہ دونوں کبھی اکٹھے بھی رہے تھے۔ تمیم بن نویرہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دونوں نے اپنے بھائیوں کی رفاقت اور پھر فراق کو اسی پس منظر میں پیش کیا ہے۔

میں نے اس طویل پس منظر کو اس لئے پیش کر دیا کہ اس سے اس حدیث کو صحیح طور پر سمجھنے میں مدد ملے گی۔

"**مادفنت**" حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دو باتوں کا اظہار فرمایا اور اپنی خواہش و تمنا کو ظاہر فرمایا ہے ایک یہ کہ اگر بھائی کی رفاقت کے وقت میں وہاں ہوتی جہاں بھائی کا انتقال ہوا تھا تو میں ان کو مکہ کے قبرستان میں دفنانے کے لئے منتقل کرنے کی اجازت نہ دیتی کیونکہ میت کو منتقل کرنا خلاف شرع ہے اور اگر میں بھائی کی وفات کے بعد ان کی زیارت کرتی تو آج میں ان کی قبر پر زیارت کے لئے قبرستان نہ آتی اس لئے کہ عورتوں کا قبرستان میں جانا صحیح نہیں ہے۔ [1]

تدفین میں "سل" کا طریقہ بھی ثابت ہے

﴿۲۶﴾ وَعَنْ أَبِي رَافِعٍ قَالَ سَلَّ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَعْداً وَرَشَّ عَلَى قَبْرِهِ مَاءً.

(رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه) [2]

---

[1] المرقات: ۲۰۰ [2] اخرجه ابن ماجه

ترجمہ: اور حضرت رافع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو جنازہ میں سے سر کی طرف سے نکالا (یعنی انہیں سر کی طرف سے قبر میں اتارا) اور ان کی قبر پر پانی چھڑکا"۔ (ابن ماجہ)

سرہانے کی طرف سے مٹی ڈالنے کی ابتدا کرنی چاہئے

﴿۲۷﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى عَلٰى جِنَازَةٍ ثُمَّ أَتَى الْقَبْرَ فَحَثٰى عَلَيْهِ مِنْ قِبَلِ رَأْسِهٖ ثَلَاثًا۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه)

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جنازہ پر نماز پڑھی پھر اس کی قبر پر آئے اور سرہانے کی طرف سے قبر میں تین مٹھی مٹی ڈالی"۔ (ابن ماجہ)

قبر پر بیٹھنا یا ٹیک لگانا منع ہے

﴿۲۸﴾ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ قَالَ رَآنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَّكِئًا عَلٰى قَبْرٍ فَقَالَ لَا تُؤْذِ صَاحِبَ هٰذَا الْقَبْرِ أَوْ لَا تُؤْذِهٖ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ)

ترجمہ: اور حضرت عمر بن حزم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک قبر کے سہارے (لیٹے یا بیٹھے ہوئے) دیکھا تو فرمایا کہ "تم اس قبر والے کو ایذاء نہ دو یا یہ فرمایا کہ اسے ایذاء نہ دو"۔ (احمد)

توضیح: تدفین میت اور قبر میں اتارنے کی کیفیت کی تمام تفصیلات ان احادیث میں آگئیں آگے میت پر رونے اور دعا کا بیان آرہا ہے۔

چه مِد قبر خواته راشي ديدن به   نه وي لاس به پورته كڑي مينه

یعنی جب میرے قبر کے پاس آجاؤ گے تو زیارت وملاقات تو نہیں ہوگی بس دعا کے لئے ہاتھ اٹھالو گے۔

مورخہ ۵ جمادی الثانی ۱۴۱۰ھ

باب البکاء علی المیت

میت پر رونے کا بیان

قال تعالیٰ ﴿وبشر الصابرین الذی اذا اصابتھم مصیبة قالوا ان وانا الیہ راجعون﴾ [1]

کسی عزیز ورشتہ دار کی موت اور فراق پر غم والم کا صدمہ لاحق ہونا ایک فطری اور طبعی امر ہے دل ودماغ کے اس صدمہ کی وجہ سے آنکھوں سے آنسو گرنا بھی ایک طبعی اور غیر اختیاری عمل ہے۔ دین اسلام چونکہ کامل ومکمل بلکہ اکمل مذہب ہے اس لئے اس نے انسانی زندگی کے ہر شعبہ میں انسان کی رہنمائی فرمائی ہے چنانچہ غم وخوشی کے ہر موقع کے لئے اسلام میں قواعد وضوابط موجود ہیں۔

اسی سلسلہ میں زیر نظر باب میں اسلام نے کسی کے مرنے اور رونے کے سلسلہ میں اعتدال کا راستہ بتایا ہے اسلام نے طبعی جذبات کے اظہار پر پابندی نہیں لگائی لہٰذا رونے کی اجازت دیدی ہے لیکن حد اعتدال سے آگے بڑھنے پر پابندی لگائی ہے یعنی جزع فزع اور چیخنے چلانے اور زبان سے نامناسب کلام پر پابندی لگائی ہے۔ غم کے طبعی اثرات تین دن تک زیادہ ہوتے ہیں اس لئے تین دن تک سوگ منانے کی اجازت ہے۔ سوگ کا مطلب یہ ہے کہ زیب وزینت کو ترک کرنا رنج وغم کی کیفیت میں رہنا۔ تین دن سے زیادہ کسی میت پر سوگ منانے کی اجازت نہیں ہے ہاں عورت اپنے شوہر پر چار ماہ دس دن تک سوگ کا اظہار کرسکتی ہے کیونکہ اس کا صدمہ بہت بڑا ہے کہ ان کا پورا گھر اجڑا ہے تین دن سے زیادہ صدمہ کی وجہ سے آنسو کے ساتھ رونا جائز ہے جبکہ صدمہ یاد آجائے صرف رونے کی ممانعت نہیں ہے رونے میں شریعت نے یہ اعتدال رکھا ہے کہ نوحہ کرنا حرام ہے چیخنا چلانا حرام ہے اور میت کے بے جا قصیدے پڑھنا اور تعریف کے بے جا پل باندھنا جائز نہیں ہے۔

کسی کے رشتہ دار کی موت پر اس کی تعزیت کرنا مسنون ہے تعزیت کا مطلب یہ ہے کہ اس صدمہ میں میت کے پس ماندگان کو صبر وثبات اور سنجیدگی ووقار کی تلقین کی جائے اور آخرت کے اجر وثواب کا تذکرہ کیا جائے حضور اکرم ﷺ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور حضرت زید رضی اللہ عنہ وعبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی شہادت پر مسجد نبوی میں بیٹھ گئے تھے اور صحابہ نے آکر تعزیت کی تھی لہٰذا مسجد میں بیٹھنا زیادہ بہتر ہے۔

تعزیت کا وقت صرف تین دن تک ہے اس سے زیادہ تعزیت کرنا مکروہ ہے ہاں اگر غمزدہ شخص فی الحال موجود نہ ہو تو جب ملاقات ہوجائے اس وقت تعزیت کیا جائے۔ میت کے دفن کرنے کے بعد تعزیت کرنا دفن سے پہلے تعزیت کرنے سے بہتر ہے میت والوں کے گھر کھانا بھیجنا بھی تعزیت کا حصہ ہے تعزیت کرنے کے وقت یہ الفاظ ادا کرنا چاہئے۔

[1] بقرہ الایہ ۱۵۶

"ان لله ما اخذ وله ما اعطی و کل شیء عنده باجل مسمی" "ان وانا الیه راجعون".

یہ الفاظ بھی کہے جاسکتے ہیں۔ "عظم اجرك وغفر مصابك".

الفصل الاول

صاحبزادے کی وفات پر آنحضرت ﷺ کا غم

﴿۱﴾ عَنْ أَنَسٍ قَالَ دَخَلْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى أَبِي سَيْفِ الْقَيْنِ وَكَانَ ظِئْراً لِإِبْرَاهِيْمَ فَأَخَذَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِبْرَاهِيْمَ فَقَبَّلَهُ وَشَمَّهُ ثُمَّ دَخَلْنَا عَلَيْهِ بَعْدَ ذٰلِكَ وَإِبْرَاهِيْمُ يَجُوْدُ بِنَفْسِهِ فَجَعَلَتْ عَيْنَا رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَذْرِفَانِ فَقَالَ لَهُ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ وَأَنْتَ يَا رَسُوْلَ اللهِ فَقَالَ يَا ابْنَ عَوْفٍ إِنَّهَا رَحْمَةٌ ثُمَّ أَتْبَعَهَا بِأُخْرٰى فَقَالَ إِنَّ الْعَيْنَ تَدْمَعُ وَالْقَلْبَ يَحْزَنُ وَلَا نَقُوْلُ إِلَّا مَا يَرْضٰى رَبُّنَا وَإِنَّا بِفِرَاقِكَ يَا إِبْرَاهِيْمُ لَمَحْزُوْنُوْنَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۱]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) ہم رسول کریم ﷺ کے ہمراہ ابوسیف لوہار کے گھر گئے جو (آنحضرت ﷺ کے صاحبزادے) حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے دایہ کے شوہر تھے۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کو (گود میں) لے کر بوسہ لیا اور سونگھا (یعنی اپنا منہ اور ناک ان کے منہ پر اس طرح رکھی جیسے کوئی خوشبو سونگھتا ہے) اس واقعہ کے کچھ دنوں کے بعد ہم پھر ابویوسف کے یہاں گئے جبکہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ حالت نزع میں تھے چنانچہ (ان کی حالت دیکھ کر) آنحضرت ﷺ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ "یا رسول ﷺ: آپ رو رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا "اے ابن عوف: (آنسوؤں کا بہنا) رحمت ہے" اس کے بعد پھر آپ ﷺ کی مبارک آنکھیں آنسو بہانے لگیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا "آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں اور دل غمگین ہے مگر اس کے باوجود ہماری زبانوں پر وہی الفاظ ہیں جن سے ہمارا پروردگار راضی رہے، اے ابراہیم رضی اللہ عنہ: ہم تیری جدائی سے بے شک غمگین ہیں۔

توضیح: "ابی سیف" ابوسیف کا نام براء تھا ان کی بیوی کا نام خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھا جو حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی دایہ تھیں[۲] "القین" یعنی ابوسیف کا ذاتی پیشہ لوہار کا تھا حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئے تھے سولہ سترہ ماہ کی عمر میں ان کا انتقال ہوا۔[۳] "وکان ظئرا" یعنی ابوسیف ابراہیم رضی اللہ عنہ کی دایہ کے شوہر تھے شوہر ہونے کی نسبت سے ان کو بھی ظئر یعنی دایہ کہہ دیا۔[۴]

[۱] اخرجه البخاری: ۲/۱۰۵ ومسلم: ۷/۷۶ [۲] المرقات: ۴/۲۰۲ [۳] المرقات: ۴/۲۰۲ [۴] المرقات: ۴/۲۰۲

"**یجود بنفسه**" روح کی سخاوت کر رہا تھا یعنی حالت نزع میں تھا جان کی بازی لگا رہا تھا۔[1]

"**وانت یارسول؟**" حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے خیال کیا کہ موت تو تقدیر الٰہی کے تحت آتی ہے عام لوگ تو ایسے مواقع میں روتے ہیں لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے رونا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان کی وجہ سے اور کمال معرفت کی وجہ سے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اوپرا اور عجیب سمجھا اور فرمایا کہ یارسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ بھی روتے ہیں؟۔[2]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ رحمت ہے یعنی میری آنکھیں بے صبری اور جزع فزع سے اشک بار نہیں ہیں بلکہ شفقت ورحمت کا نتیجہ ہے کیونکہ جو شخص سینہ میں پتھر نہیں بلکہ دل اور جگر رکھتا ہے تو شفقت ورحمت کی وجہ سے آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے ہیں اس فرمان کے بعد آپ کی آنکھوں سے مزید آنسو گرے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دل غمگین ہے اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمادیا کہ ایسے مواقع میں جن کی آنکھوں سے آنسو جاری نہیں ہوتے وہ درحقیقت سینہ میں دھڑکتا ہوا دل نہیں رکھتا بلکہ پتھر کا ایک ٹکڑا رکھا ہوا ہے ایسے احوال میں غمگین ہونا اہل کمال کے نزدیک کامل ہونے کی نشانی ہے اور اگر لخت جگر آنکھوں کے سامنے دم توڑ رہا ہو اور آدمی کے چہرے پر بشاشت ومسکراہٹ ہو تو یہ کمال کی نہیں بلکہ نقص وزوال کی علامت ہے۔[3]

نواسے کے انتقال پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا رونا

﴿۲﴾ وَعَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ أَرْسَلَتِ ابْنَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَيْهِ أَنَّ ابْناً لِيْ قُبِضَ فَأْتِنَا فَأَرْسَلَ يَقْرَأُ السَّلَامَ وَيَقُوْلُ إِنَّ لِلّٰهِ مَا أَخَذَ وَلَهُ مَا أَعْطٰى وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِأَجَلٍ مُسَمًّى فَلْتَصْبِرْ وَلْتَحْتَسِبْ فَأَرْسَلَتْ إِلَيْهِ تُقْسِمُ عَلَيْهِ لَيَأْتِيَنَّهَا فَقَامَ وَمَعَهُ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ وَمُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ وَأُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ وَزَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ وَرِجَالٌ فَرُفِعَ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّبِيُّ وَنَفْسُهُ تَتَقَعْقَعُ فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ فَقَالَ سَعْدٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا هٰذَا فَقَالَ هٰذِهٖ رَحْمَةٌ جَعَلَهَا اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِ عِبَادِهٖ فَإِنَّمَا يَرْحَمُ اللّٰهُ مِنْ عِبَادِهِ الرُّحَمَاءَ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْه)[4]

ترجمہ: اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی (حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا) نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کسی کے ذریعہ سے یہ پیغام بھیجا کہ میرا بیٹا دم توڑ رہا ہے اس لئے (فورا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لے آیئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس کے جواب میں) سلام کے بعد یہ کہلا بھیجا کہ جو چیز (یعنی اولاد وغیرہ) خدا نے لے لی وہ بھی اسی کی تھی اور جو چیز اس نے دے رکھی ہے وہ بھی اسی کی ہے (لہٰذا ان کے اٹھ جانے پر جزع وفزع نہ کرنا چاہیئے کیونکہ اس کی امانت تھی جسے اس نے واپس لے لیا) اور اس (خدا) کے نزدیک ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہے (یعنی تمہارے بیٹے کی زندگی اتنے ہی دنوں

---

[1] المرقات: ۴/۲۰۲ [2] المرقات: ۴/۲۰۳ [3] المرقات: ۴/۲۰۳ [4] اخرجه البخاری: ۲/۱۵۱، ۸/۱۷۷ ومسلم: ۳/۴۰

کے لئے لکھی گئی تھی جتنے دن کہ وہ زندہ رہا) پس تمہیں صبر کرنا اور خدا سے ثواب کا طلب گار رہنا چاہیئے''۔ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دوبارہ آدمی بھیجا اور (اس مرتبہ) انہوں نے آنحضرت ﷺ کو قسم دی کہ ضرور ہی تشریف لائیے، چنانچہ آپ ﷺ اٹھ کھڑے ہوئے، حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کئی دوسرے لوگ آپ ﷺ کے ساتھ ہو لئے (جب) آپ ﷺ صاحبزادی کے ہاں پہنچے تو بچہ آپ ﷺ کی گود میں دے دیا گیا جو جان کنی کی حالت میں تھا (اسے دیکھ کر) آنحضرت ﷺ کی مبارک آنکھیں آنسو بہانے لگیں۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ''یا رسول ﷺ یہ کیا ہے''؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''یہ رحمت ہے جسے اللہ نے اپنے بندوں کے دلوں میں پیدا فرمایا ہے (اچھی طرح سن لو کہ) اللہ اپنے بندوں میں سے صرف انہیں لوگوں پر رحمت (یعنی مہربانی) کرتا ہے جو جذبہ ترحم رکھنے والے ہیں''۔ (بخاری)

توضیح: "ابنة النبی" حضرت زینب مراد ہے جو حضور اکرم ﷺ کی بڑی صاحبزادی تھیں جو حضرت ابو العاص رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں تھیں انھیں کے بیٹے کا واقعہ ہے۔[1]

"قبض" یعنی حالت نزع میں ہے ابھی ابھی مرنے والا ہے گویا مر چکا ہے یہ تاویل اس لئے ضروری ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی تشریف آوری تک بچہ زندہ تھا۔[2]

"تتقعقع" جان کنی کی حالت میں جب سانس بے ربط اوپر نیچے جانے لگتا ہے اور ہچکیاں شروع ہو جاتی ہیں اس حالت کو اس لفظ میں بیان کیا گیا ہے۔[3]

"تقسم علیه" یعنی حضرت زینب حضور اکرم ﷺ کو قسم کھلا رہی تھیں کہ آپ ضرور آجائیں۔[4]

معلوم ہوا غیر کو قسم کھلانا عرب معاشرہ میں تھا اور ہمارے ہاں بھی ہے اگرچہ یہ قسم غیر پر لازم نہیں ہوتی۔

میت پر رونا منع نہیں چیخنا چلانا منع ہے

﴿۳﴾ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ اشْتَكٰى سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ شَكْوٰى لَهٗ فَأَتَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُوْدُهٗ مَعَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ وَسَعْدِ بْنِ أَبِيْ وَقَّاصٍ وَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ فَلَمَّا دَخَلَ عَلَيْهِ وَجَدَهٗ فِيْ غَاشِيَةٍ فَقَالَ قَدْ قُضِيَ قَالُوْا لَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَبَكَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا رَأَى الْقَوْمُ بُكَاءَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَكَوْا فَقَالَ أَلَا تَسْمَعُوْنَ أَنَّ اللّٰهَ لَا يُعَذِّبُ بِدَمْعِ الْعَيْنِ وَلَا بِحُزْنِ الْقَلْبِ وَلٰكِنْ يُعَذِّبُ بِهٰذَا وَأَشَارَ إِلٰى لِسَانِهٖ أَوْ يَرْحَمُ وَإِنَّ الْمَيِّتَ يُعَذَّبُ بِبُكَاءِ أَهْلِهٖ عَلَيْهِ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[5]

---

[1] المرقات: ۴/۲۰۳ [2] المرقات: ۲۰۳،۲۰۴ [3] المرقات: ۲۰۳،۲۰۴ [4] المرقات: ۲۰۳،۲۰۴ [5] اخرجه البخاری: ۲/۱۰۵ ومسلم: ۳/۴۰

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی عیادت کے لئے تشریف لائے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی آپ کے ساتھ تھے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس پہنچے تو انہیں بیہوشی کی حالت میں پایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ ''کیا ان کا انتقال ہوگیا ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ ''یارسول اللہ: نہیں'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم (سعد رضی اللہ عنہ کی حالت دیکھ کر) رونے لگے جب صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ کو روتے ہوئے دیکھا تو وہ بھی رونے لگے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اچھی طرح سن لو: کہ اللہ تعالیٰ آنکھوں کے آنسو بہانے اور دل کے غمگین ہونے پر عذاب نہیں کرتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا البتہ خدا اس کی وجہ سے عذاب بھی کرتا ہے اور رحم بھی نیز مردہ اپنے گھر والوں کے رونے کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے''۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ انصار کے ایک قبیلہ کے سردار تھے یہ جب ایک دفعہ بیمار ہوئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی عیادت کے لئے گئے آپ رضی اللہ عنہ کے جلیل القدر ساتھی حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بھی آپ کے ساتھ تھے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر پہنچے اس وقت حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ بیہوشی کے عالم میں تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر والوں سے دریافت کیا کہ کیا ان کا انتقال ہوگیا انہوں نے بتایا کہ نہیں، پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھی کی حالت پر روئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رونے کو جب وہاں موجود لوگوں نے دیکھا تو سب رونے لگے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسئلہ بتاتے ہوئے فرمایا کہ صرف غمگین ہونے یا آنسو بہانے سے اللہ تبارک وتعالیٰ کسی کو سزا نہیں دیتا البتہ زبان سے چیخنے چلانے جزع فزع کرنے اور جاہلیت کے نعرے لگانے سے عذاب دیتا ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ضابطہ بیان فرمادیا کہ "**وان العبد یعذب ببکاء اھله علیه**"یعنی چیخنے چلانے اور بین کرنے سے میت کو عذاب دیا جاتا ہے۔[1]

زندوں کے رونے سے میت کو عذاب کیوں دیا جاتا ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ارشاد کے تحت ایک ضابطہ کی طرف اشارہ فرمادیا ہے جو قابل توضیح وتشریح ہے۔

سوال: یہاں حدیث کا یہ حصہ بظاہر قرآن عظیم کی ایک آیت سے معارض معلوم ہوتا ہے آیت یہ ہے اللہ کا فرمان ہے ﴿**ولا تزر وازرۃ وزر اخری**﴾[2] یعنی ہر آدمی اپنے فعل وعمل کا ذمہ دار ہے اپنے فعل وعمل کا بوجھ خود اٹھائے گا۔ کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے اعمال کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا آیت کا مفہوم ومضمون تو یہ ہے کہ مردے پر جب اس کے اہل وعیال اور خویش واقارب روئیں گے تو ان کے رونے کا وبال مردے پر نہیں آئے گا بلکہ اس کے وبال کے ذمہ دار خود رونے والے ہیں جبکہ زیر بحث حدیث واضح طور پر بتاتی ہے کہ پسماندگان کے رونے سے میت کو عذاب ہوتا ہے آیت وحدیث میں یہ کھلا تعارض ہے اس کا کیا جواب ہے؟۔

جواب: یہ حدیث چونکہ متعدد طرق سے ثابت ہے اور صحیح ہے لہٰذا علماء نے آیت وحدیث کے درمیان تعارض

---

[1] المرقات: ۲۰۶/۴، ۲۰۷ [2] بنی اسرائیل: ۱۵

دور کرنے کی کئی توجیہات فرمائی ہیں اور حدیث کو مؤول قرار دیکر تاویلیں کی ہیں۔

❶ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہ توجیہ فرمائی کہ اس حدیث کا تعلق ایک جزئی واقعہ سے ہے وہ یہ کہ ایک دفعہ حضور اکرم ﷺ ایک یہودی عورت کی قبر کے پاس سے گذرے وہاں لوگ اس کی قبر پر رو رہے تھے تو حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قبر میں اس یہودی عورت کو عذاب ہو رہا ہے اور لوگ اس پر رو رہے ہیں یعنی لوگ اس عورت کو مرحومہ سمجھ رہے ہیں حالانکہ کفر کی وجہ سے وہ ملعون ہے اور سخت عذاب میں مبتلا ہے آئندہ حدیث ۲ میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا کلام موجود ہے۔[1]

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا خیال یہ ہے کہ حدیث اپنی جگہ پر صحیح اور ثابت ہے اس کا انکار نہیں لیکن اس حدیث کا جو مفہوم ابن عمر نے سمجھا ہے وہ صحیح نہیں ہے کیونکہ ابن عمر نے ایک جزئی واقعہ کو کلیہ اور ضابطہ کے طور پر پیش کر دیا جس سے حدیث اور آیت میں تعارض پیدا ہو گیا اس میں ابن عمر رضی اللہ عنہ سے خطاء ہو گئی ہے انہوں نے جھوٹ بولنے کا ارادہ نہیں کیا صرف مفہوم میں ان سے غلطی ہو گئی گویا عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا "ان المیت یعذب ببکاء اهله علیه" کے الفاظ کو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے سمجھ رہی ہیں پوری بحث اس باب کی فصل ثالث کی حدیث ۲۱ میں متن میں مذکور ہے شارحین حدیث فرماتے ہیں کہ حدیث کے یہ الفاظ اکیلے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے منقول نہیں ہیں بلکہ دیگر متعدد صحابہ نے بھی یہی الفاظ نقل کئے ہیں مثلاً اس باب میں آئندہ آنے والی حدیث ۲۱ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود یہ الفاظ نقل فرما رہے ہیں

"اتبکی علی وقد قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان المیت لیعذب ببعض بکاء اهله علیه"

یہ الفاظ عام ضابطہ کی طرف اشارہ کر رہے ہیں جزئی واقعہ نہیں ہے اسی طرح زیر بحث حدیث میں بھی کسی جزئی واقعہ کی طرف کوئی اشارہ نہیں ہے لہٰذا عام صحابہ اور عام شارحین نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اس تاویل کو قبول نہیں کیا ہے۔

بہر حال حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی توجیہ کا خلاصہ یہ ہے کہ حدیث کا تعلق ایک یہودی عورت سے ہے جس کو بوجہ کفر قبر میں عذاب ہو رہا تھا اہل و عیال کے رونے سے نہیں ہو رہا تھا اس طرح ﴿ولا تزر وازرة وزر اخری﴾ سے اس حدیث کا نہ تعلق رہا نہ تعارض رہا۔[2]

❷ دیگر علماء اور شارحین نے اس حدیث کی یہ توجیہ فرمائی ہے کہ میّت کو اہل و عیال کے اس رونے پر عذاب ہوتا ہے کہ میت خود اپنی زندگی میں اس کی وصیت کرلے کہ جب میں مرجاؤں تو مجھ پر خوب رویا جائے تو یہ خود میت کا گناہ ہوا جیسے جاہلیت کے زمانہ میں لوگ وصیت کر دیا کرتے تھے طرفہ بن العبد یوں وصیت کرتا ہے۔[3]

اذا مت فانعینی بما انا اهله وشقی علی الجیب یا ابنة معبد

ایک اور شاعر سال بھر رونے کے بعد قبر کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ میں نے تجھ پر رونے کا حق ادا کر دیا اب میں معذور ہوں۔

الی الحول ثم اسم السلام علیکم ومن یبک حولا کاملا فقد اعتذر

---

[1] المرقات: ۲۰۷/۴، ۲۰۸ [2] المرقات: ۲۰۸/۴ [3] المرقات: ۲۰۸/۴

❸ بعض علماء نے اس حدیث میں یہ تاویل کی ہے کہ یہ عذاب اس وقت ہوگا کہ میت کو اپنی زندگی میں خوب معلوم ہے کہ گھر میں ماتم کرنے اور چیخنے چلانے کا دستور ہے اس کے باوجود وہ خاموش رہا اور نہ رونے کی تاکید نہیں کی تو یہ بھی اس شخص کا اپنا جرم اور اپنا گناہ ہے لہٰذا آیت سے کوئی تعارض نہیں ہے۔[1]

❹ ایک توجیہ یہ بھی ہے کہ اس تعذیب سے مراد وہ عذاب ہے جو قبر میں فرشتے میت کو اس وقت دیتے ہیں جب میت کے لواحقین بے جا تعریفیں کررہے ہوں اور میت کے محاسن اس طرح بیان کررہے ہوں "**واجبلاہ**"، تو فرشتے قبر میں میت کو مارتے ہیں کہ بتاؤ تم واقعی پہاڑ تھے جس طرح حدیث ۲۴ میں اس کا ذکر موجود ہے۔

شیعوں کی طرح سینہ کوبی اور چیر پھاڑ حرام ہے

﴿٤﴾ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الْخُدُوْدَ وَشَقَّ الْجُيُوْبَ وَدَعَا بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "وہ شخص ہمارے راستے پر چلنے والوں میں سے نہیں ہے جو رخساروں کو پیٹے، گریبان چاک کرے اور ایام جاہلیت کی طرح آواز بلند کرے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "**لیس منا**" بارہا لکھا جاچکا ہے کہ لیس منا ہم میں سے نہیں ہے کا مطلب یہ ہے کہ یہ شخص اس خاص شعبہ اور خاص فعل میں ہم مسلمانوں کے طرز پر نہیں ہے باقی اسلام پر قائم ہے لیکن اس مسئلہ میں ہم سے نہیں ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس جرم کے ارتکاب سے یہ شخص کافر ہوگیا کیونکہ اہل سنت کے نزدیک کسی کبیرہ گناہ کے ارتکاب سے آدمی اسلام سے خارج نہیں ہوتا **خلافاللخوارج والمعتزلہ**۔ چہرہ پیٹنے اور سینہ کوبی کرنے اور بال نوچنے کا ایک ہی حکم ہے یہ حرام ہے۔

اور جاہلیت کا نعرہ یہ ہے کہ وہ اسلام کے خلاف اور اسلام کے اصولوں کے خلاف کلام کرے اور اسی طرح چیخنا شروع کرے، جاہلیت کی طرح نعرے لگائے اور نوحہ اور بین کرے اس کو اگر کسی نے نہیں دیکھا ہے تو وہ شیعہ شنیعہ کے ماتموں اور جلوسوں کو دیکھے جو تیرہ سو سال پرانے شہداء پر بین کررہے ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تبرا بازی کرتے ہیں یہ حدیث ان بدبختوں پر شدید رد کررہی ہے۔[3]

میت پر چیخنا چلانا منع ہے

﴿٥﴾ وَعَنْ أَبِيْ بُرْدَةَ قَالَ أُغْمِيَ عَلَى أَبِيْ مُوْسَى الْأَشْعَرِيِّ فَأَقْبَلَتِ امْرَأَتُهُ أُمُّ عَبْدِ اللّٰهِ تَصِيْحُ بِرَنَّةٍ

[1] المرقات: ۲/۲۰۸ [2] اخرجه البخاری: ۲/۱۰۲، ۴/۲۲۳ [3] المرقات: ۴/۲۰۸

ثُمَّ أَفَاقَ فَقَالَ أَلَمْ تَعْلَمِي وَكَانَ يُحَدِّثُهَا أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَنَا بَرِيْءٌ مِمَّنْ حَلَقَ وَصَلَقَ وَخَرَقَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَلَفْظُهُ لِمُسْلِمٍ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابی بردہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیہوش ہوگئے تو ان کی عورت ام عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا چلا چلا کر رونے لگی، جب حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو ہوش آیا تو انہوں نے کہا کہ کیا تمہیں نہیں معلوم؟ کہ چلا چلا کر رونا کتنا برا ہے، چنانچہ راوی کہتے ہیں کہ) پھر ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ ان سے یہ حدیث بیان کرنے لگے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ''میں اس شخص سے بیزار ہوں جو مصیبت و حادثہ کے وقت سر کے بال منڈائے، چلا چلا کر روئے اور اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے''۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: ''حلق'' بال منڈانے کو حلق کہتے ہیں مراد بال نوچنا ہے یا کسی علاقے میں حادثہ کے وقت بطور ماتم بال منڈایا جاتا ہو وہ مراد ہے۔[2]

''صلق'' میت پر چیخنے چلانے اور بین کرنے کو صلق سے یاد کیا گیا ہے۔[3]

''خرق'' کپڑے پھاڑنے اور گریبان چاک کرنے سے کنایہ ہے جو عام طور پر ماتم میں لوگ کرتے ہیں۔ اس حدیث سے بھی شیعہ شنیعہ پر زبردست رد ہو رہا ہے۔[4]

یہ امت چار بری خصلتوں کو نہیں چھوڑے گی

﴿۶﴾ وَعَنْ أَبِي مَالِكٍ الْأَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْبَعٌ فِي أُمَّتِي مِنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ لَا يَتْرُكُونَهُنَّ الْفَخْرُ فِي الْأَحْسَابِ وَالطَّعْنُ فِي الْأَنْسَابِ وَالْاِسْتِسْقَاءُ بِالنُّجُومِ وَالنِّيَاحَةُ، وَقَالَ النَّائِحَةُ إِذَا لَمْ تَتُبْ قَبْلَ مَوْتِهَا تُقَامُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَعَلَيْهَا سِرْبَالٌ مِنْ قَطِرَانٍ وَدِرْعٌ مِنْ جَرَبٍ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[5]

ترجمہ: اور حضرت ابومالک اشعری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''زمانہ جاہلیت کی چار باتیں ایسی ہیں جنہیں میری امت کے (کچھ) لوگ نہیں چھوڑیں گے (۱) حسب پر فخر کرنا (۲) نسب پر طعن کرنا (۳) ستاروں کے ذریعہ پانی مانگنا (۴) نوحہ کرنا'' نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''نوحہ کرنے والی عورت نے اگر مرنے سے پہلے توبہ نہیں کی تو وہ قیامت کے دن اس حال میں کھڑی کی جائے گی کہ اس کے جسم پر قطران اور خارش کا کرتہ ہوگا''۔ (مسلم)

توضیح: ''الاحساب'' حسب ان اچھے صفات کو کہتے ہیں جو کسی انسان کے اندر موجود ہوں اور اس کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو دوسروں سے افضل و بہتر سمجھتا ہو جیسے فصاحت و بلاغت اور جرأت و شجاعت کی صفات ہیں یہاں حسب سے یہی

[1] اخرجہ البخاری: ۲/۱۰۳، ومسلم: ۱/۷۰ [2] المرقات: ۴/۲۰۹ [3] المرقات: ۴/۲۰۹ [4] المرقات: ۴/۲۰۹ [5] اخرجہ مسلم: ۳/۴۵

صفات مراد ہیں اگرچہ حسب اصل میں انسان کی ماں کی طرف سے سلسلہ نسب کو کہا جاتا ہے جس طرح کہ نسب باپ کی جانب سے سلسلہ نسب پر بولا جاتا ہے۔ نسب پر طعن کرنے کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے باپ دادا پر اس طرح نکتہ چینی کرے کہ ان کے خاندان اور نسب میں عیب جوئی کرے اس میں کیڑے نکالے اور ان کے باپ دادا کے درجہ کو برائی کے ذریعہ گھٹانے کی کوشش کرے اسلام نے ان دو چیزوں کو اس لئے منع کر دیا کہ اس سے اپنی بڑائی اور دوسرے مسلمان کی تحقیر لازم آتی ہے ہاں اگر کفر کے مقابلے میں ایک مسلمان اپنے ان محاسن کو بیان کرتا ہے تو وہ جائز ہے۔[1]

"الاستسقاء بالنجوم" اس کا مطلب یہ ہے کہ بارش اللہ برساتا ہے اور ایک شخص اس کی نسبت کسی ستارہ کی طرف کرتا ہے مثلاً کہتا ہے کہ یہ بارش نچھتر ستارے یا سہیل ستارے نے برسادی یا اس کے طلوع ہونے کی وجہ سے بارش ہوئی یہ شرک کا حصہ ہے اس لئے منع ہے۔[2]

"النیاحہ" قدیم زمانہ میں غم کے موقع پر بازار سے کرایہ پر رونے رلانے والی عورتوں کو لایا جاتا تھا اور وہ میت کے بے جا محاسن بیان کرتی تھیں خود بھی روتی تھیں اور دوسروں کو بھی رلاتی تھیں جو میت پر خوب نوحہ خوانی اور بین کر کے پیسہ لیتی تھیں اسی کی ممانعت کی بات اس حدیث میں ہے آج کل بھی نیاحہ کی مختلف شکلیں موجود ہیں بعض دفعہ تعزیت کے جلسوں میں نوحہ کا پورا منظر سامنے آجاتا ہے۔[3]

"قطران" ایک درخت ہے جس کا نام ابھل ہے اس سے ایک سیاہ سیال مادہ نکلتا ہے جو انتہائی بدبودار ہوتا ہے اور اس میں گرمی کی حرارت ہوتی ہے اور وہ بہت جلد آگ پکڑ لیتی ہے۔[4]

اس مادہ کو بطور دوا خارشی اونٹوں پر مل دیا جاتا ہے جس سے خارش جل جاتی ہے اور سخت تکلیف ہوتی ہے یہ "تارکول" کی مانند ایک چیز ہے نرم تارکول کی طرح ہے۔ پشتو میں اس کو "رنزڑہ" کہتے ہیں اس کے درخت کوہستان اور کشمیر کے دور دراز بالائی جنگلوں میں ہوتے ہیں ان درختوں کی لکڑی تیل کی طرح جلتی ہے۔

حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ نوحہ کرنے والی عورت اگر توبہ نہ کرے تو قیامت کے روز اس کو قطران کا لباس پہنایا جائے گا اس کا طریقہ یہ ہوگا کہ پہلے اس کے جسم میں سخت خارش شروع ہو جائے گی پھر اس پر اس مادہ کا بنا ہوا لباس پہنایا جائے گا جس سے اس کا بدن جل کر آگ پکڑ لیگا۔ **"ولباسه من قطران وتغشي وجوههم النار"**۔

صدمہ اولیٰ پر صبر کا اعتبار ہے

﴿۷﴾ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِامْرَأَةٍ تَبْكِي عِنْدَ قَبْرٍ فَقَالَ اتَّقِي اللّٰهَ وَاصْبِرِي قَالَتْ إِلَيْكَ عَنِّي فَإِنَّكَ لَمْ تُصَبْ بِمُصِيبَتِي وَلَمْ تَعْرِفْهُ فَقِيلَ لَهَا إِنَّهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ

[1] المرقات: ۴/۲۱۰ [2] المرقات: ۴/۲۱۰ [3] المرقات: ۴/۲۱۰ [4] المرقات: ۴/۲۱۱

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَتَتْ بَابَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ تَجِدْ عِنْدَهُ بَوَّابِيْنَ فَقَالَتْ لَمْ أَعْرِفْكَ فَقَالَ إِنَّمَا الصَّبْرُ عِنْدَ الصَّدْمَةِ الْأُوْلَى. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک عورت کے پاس سے گزرے جو ایک قبر کے قریب چلا چلا کر رو رہی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "خدا کے عذاب سے ڈرو (یعنی نوحہ نہ کرو ورنہ عذاب میں مبتلا کی جاؤ گی) اور صبر کرو۔ اس عورت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانا نہیں (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سن کر) کہنے لگی کہ "میرے پاس سے دور ہٹو (تم میرا غم کیا جانو) کیونکہ تم میری مصیبت میں گرفتار نہیں ہوئے ہو"۔ (جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے چلے آئے تو) اسے بتایا گیا کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تھے (پھر کیا تھا) وہ (بھاگی ہوئی) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے در دولت پر حاضر ہوئی اسے دروازہ پر کوئی دربان و پہرہ دار نہیں ملا (جیسا کہ بادشاہوں اور امیروں کے دروازوں پر دربان و پہرہ دار ہوتے ہیں) پھر اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ "(میری گستاخی معاف فرمایئے) میں نے آپ کو پہچانا نہیں تھا" آپ نے اس سے فرمایا کہ "صبر تو وہی کہلائے گا جو ابتداء مصیبت میں ہو"۔ (بخاری و مسلم)

توضیح: "عند الصدمة الاولى" یہ کوئی عورت تھی مدہوشی کے عالم میں کسی عزیز کی قبر پر فریاد کر کے رو رہی تھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ادھر گذر ہوا تو ان کو نصیحت فرمادی کہ خدا کا خوف کرو اور صبر سے کام لو اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانا نہیں تو کہنے لگی "الیك عنی" یعنی مجھ سے دور ہو جاؤ تمہیں وہ مصیبت نہیں پہنچی جو مجھے پہنچی ہے۔ یہ جملہ بہت سخت تھا لیکن اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانا نہیں جب معلوم ہوا تو دوڑ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر پر معافی تلافی کرنے لگی اور شائید یہ بھی کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اب صبر کرونگی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صبر کا اعتبار اس وقت ہوتا ہے جبکہ نیا نیا صدمہ پہنچ جائے اور آدمی صبر کرے بعد میں صبر کرنے کا کیا فائدہ وہ صبر تو ہر آدمی کرتا ہے کیونکہ رو رو کر جب تھک جاتا ہے تو صبر کے سوا اس کے پاس اور کیا ہے۔ مندرجہ بالا تمام احادیث سے معلوم ہوا کہ اسلام میں نوحہ کرنا حرام ہے مسلمانوں کو اور خاص کر عورتوں کو چاہئے کہ وہ شریعت کا خیال رکھے رشتہ داروں کا خیال نہ کریں۔[۲]

کسی مسلمان کی تین نابالغ اولادیں مرجائیں تو اس پر دوزخ حرام ہے

﴿۸﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَمُوْتُ لِمُسْلِمٍ ثَلَاثَةٌ مِنَ الْوَلَدِ فَيَلِجُ النَّارَ إِلَّا تَحِلَّةَ الْقَسَمِ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۳]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس مسلمان کے تین بچے اللہ تبارک وتعالیٰ کو پیارے ہو جائیں وہ دوزخ میں داخل نہیں ہوگا ہاں قسم پوری کرنے کے لئے جائے گا"۔ (بخاری و مسلم)

[۱] اخرجه البخاری: ۲/۹۳، ۹۹، ۱۰۵ ومسلم: ۳/۴۰، ۴۱ [۲] المرقات: ۲/۲۱۲ [۳] اخرجه البخاری: ۲/۹۳، ۸/۱۶۸ ومسلم: ۸/۳۹

توضیح: "الا تحلة القسم" یعنی کسی مسلمان کے تین لڑکے یا لڑکیاں بلوغ سے پہلے اس شخص کی زندگی میں مر گئے تو اللہ اس شخص کو جنت عطا کرے گا اور اس پر دوزخ کی آگ حرام ہوگی۔ ہاں قسم پورا کرنے کے لئے دوزخ میں جائے گا اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے قسم کھائی ہے کہ تمام انسانوں کا دوزخ پر سے گذرنا لازم ہے۔

﴿وان منکم الا واردھا کان علی ربك حتما مقضیا﴾۔

اس قسم کو پورا کرنے کے لئے دوزخ میں جانا ہوگا اس کا مطلب یہ ہے کہ دوزخ پر ایک پل رکھا جائے گا جس کا نام پل صراط ہے اس پر مؤمن اور کافر سب گذریں گے مؤمن پار ہونگے اور کافر نیچے آگ میں گر جائیں گے اس طرح گذرنے سے قسم پوری ہو جائے گی۔ "الا تحلة القسم" کا یہی مطلب ہے۔

دو بچوں کی موت پر صبر کرنے والی ماں کو جنت ملے گی

﴿۹﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِنِسْوَةٍ مِنَ الْأَنْصَارِ لَا يَمُوْتُ لِإِحْدَاكُنَّ ثَلَاثَةٌ مِنَ الْوَلَدِ فَتَحْتَسِبُهُ إِلَّا دَخَلَتِ الْجَنَّةَ فَقَالَتِ امْرَأَةٌ مِنْهُنَّ أَوِ اثْنَانِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ أَوِ اثْنَانِ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ. وَفِيْ رِوَايَةٍ لَهُمَا ثَلَاثَةٌ لَمْ يَبْلُغُوا الْحِنْثَ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنی ہی انصاری عورتوں سے فرمایا کہ "تم میں سے جس عورت کے بھی تین بچے مر جائیں اور وہ عورت ثواب کی طلبگار ہو تو وہ جنت میں داخل کی جائے گی (یہ سن کر) ان میں سے کسی عورت نے عرض کیا کہ "یا دو بچے مر جائیں" (یعنی اس بشارت کو تین بچوں کے ساتھ خاص نہ کیجئے بلکہ یہ فرمایئے کہ تین مر جائیں یا دو مریں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (ہاں) دو بچے بھی مر جائیں تو یہ بشارت ہے"۔ مسلم۔ بخاری و مسلم دونوں کی ایک اور روایت میں یوں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ایسے تین بچے مریں جو حد بلوغ کو نہ پہنچے ہوئے ہوں (تو یہ بشارت ہے)۔

توضیح: اس حدیث میں دخول جنت کے لئے تین بچوں کے بجائے دو کا ذکر ہے لیکن اس حدیث میں دو شرطیں لگائی گئیں ہیں۔

ایک شرط یہ کہ وہ ماں ثواب کی نیت رکھے اور صبر کرے دوسری شرط یہ کہ یہ بچے بالغ نہ ہوں بلکہ نابالغ ہوں اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ عورتوں اور والدین کو چھوٹے بچوں سے زیادہ محبت ہوتی ہے اور ان کی موت پر طبعی طور پر ایک عجیب قسم کا غم آتا ہے یعنی سوگ اور غم تو ہوتا ہے لیکن بچے کے چھوٹے ہونے کی وجہ سے طبعی طور پر بچے پر ترس آ جاتا ہے کہ موت نے اس معصوم جسم میں کیسے پنجے گاڑ لئے اور اس معصوم چڑیا کو کس طرح دبوچ لیا یہ تصور شاید اضافی غم ہے اس لئے قبل البلوغ کی قید لگائی گئی۔ "واللہ اعلم"

[1] المرقات: ۴/۲۱۳ [2] مریم: ۷۱ [3] اخرجہ مسلم: ۸/۳۹

عزیز ومحبوب کی موت پر بھی ثواب ملتا ہے

﴿۱۰﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اللّٰهُ مَا لِعَبْدِي الْمُؤْمِنِ عِنْدِي جَزَاءٌ إِذَا قَبَضْتُ صَفِيَّهُ مِنْ أَهْلِ الدُّنْيَا ثُمَّ احْتَسَبَهُ إِلَّا الْجَنَّةَ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ جب میں اپنے کسی بندہ کے عزیز ومحبوب کو جو اہل دنیا میں سے ہو اٹھالیتا ہوں اور وہ بندہ اس پر ثواب کا طلبگار رہتا ہے (یعنی صبر کرتا ہے) تو میرے پاس اسکے لئے جنت سے بہتر کوئی جزاء نہیں ہے''۔ (بخاری)

الفصل الثانی

بین کرنا اور سننا دونوں باعث لعنت ہیں

﴿۱۱﴾ عَنْ أَبِي سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّائِحَةَ وَالْمُسْتَمِعَةَ. (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)[2]

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نوحہ کرنے والی عورت اور نوحہ سننے والی عورت دونوں پر لعنت فرمائی ہے''۔ (ابوداؤد)

توضیح: نوحہ اور بین کرنا یہ ہے کہ میت کے محاسن کو گن گن کر یاد کیا جائے اور چلا چلا کر ماتم قائم کیا جائے یہ تو رونے والی نائحہ ہوگئی۔

''والمستمعة'' یعنی رونے والی نائحہ کے رونے کو غور سے سننے والی عورت پر بھی لعنت ہوتی ہے غور سے سننے میں یہ بھی ہے کہ ان کے رونے پر واہ واہ آہ آہ کرے تو یہ بھی اس کے ساتھ شریک ہے۔[3]

صابر وشاکر مؤمن کا ہر لمحہ قیمتی ہے

﴿۱۲﴾ وَعَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَجَبٌ لِلْمُؤْمِنِ إِنْ أَصَابَهُ خَيْرٌ حَمِدَ اللّٰهَ وَشَكَرَ وَإِنْ أَصَابَتْهُ مُصِيْبَةٌ حَمِدَ اللّٰهَ وَصَبَرَ فَالْمُؤْمِنُ يُؤْجَرُ فِي كُلِّ أَمْرِهِ حَتّٰى فِي اللُّقْمَةِ يَرْفَعُهَا إِلٰى فِي امْرَأَتِهِ. (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيْمَانِ)[4]

ترجمہ: اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''مؤمن (کامل) کا عجب حال ہے

[1] اخرجه البخاری: ۸/۱۱۲ [2] اخرجه ابوداؤد: ۳۱۲۸ [3] المرقات: ۲/۲۱۶ [4] اخرجه البیهقی:

اگر اسے راحت وبھلائی پہنچتی ہے تو اللہ کی حمد اور اس کا شکر ادا کرتا ہے اور اگر اسے کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو جب بھی وہ اللہ کی حمد کرتا ہے اور صبر کا راستہ اختیار کرتا ہے۔ لہٰذا مؤمن کو اس کے ہر کام میں ثواب ملتا ہے یہاں تک کہ وہ جو لقمہ اٹھا کر اپنی بیوی کے منہ میں دیتا ہے (اس پر بھی ثواب ملتا ہے)۔ (بیہقی)

مؤمن کی موت پر زمین وآسمان روتے ہیں

﴿۱۳﴾ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُؤْمِنٍ اِلاَّ وَلَهُ بَابَانِ بَابٌ يَصْعَدُ مِنْهُ عَمَلُهُ وَبَابٌ يَنْزِلُ مِنْهُ رِزْقُهُ فَإِذَا مَاتَ بَكَيَا عَلَيْهِ فَذٰلِكَ قَوْلُهُ تَعَالٰى فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہر مسلمان کے لئے دو دروازے ہیں ایک دروازہ تو وہ ہے جس سے اس کے نیک اعمال اوپر جاتے ہیں اور دوسرا وہ دروازہ ہے جس سے اس کا رزق اترتا ہے چنانچہ جب کوئی مؤمن مرتا ہے تو اس کے لئے دونوں دروازے روتے ہیں اس بات کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس ارشاد سے سمجھا جاسکتا ہے کہ "فما بکت علیہم السماء والارض" یعنی ان (کافروں) کے لئے نہ آسمان رویا نہ زمین روئی"۔ (ترمذی)

توضیح: مؤمن جب اطاعت کی زندگی گذارتا ہے تو زمین سے ان کے نیک اعمال آسمان کے ایک دروازہ سے اوپر چلے جاتے ہیں اور دوسرے دروازہ سے اس کے لئے اوپر سے رزق اترتا ہے جب مؤمن مرجاتا ہے تو نیک اعمال کا سلسلہ بند ہوجاتا ہے تو یہ دروازہ بند ہوجاتا ہے نیز اوپر سے رزق آنے کا سلسلہ بھی بند ہوجاتا ہے تو وہ دروازہ بھی بند ہوجاتا ہے چنانچہ مؤمن کے مرجانے سے یہ دونوں دروازے روتے ہیں اُدھر زمین پر اس مؤمن نے جو نیک کام کئے ہیں نمازیں پڑھی ہیں تلاوت کی ہے وہ تمام مقامات بھی اس کے فراق پر روتے ہیں یہی مطلب ہے قرآن کی آیت کا کہ فرعون اور ان کی پارٹی کے غرق ہونے پر نہ آسمان اس کے لئے رویا نہ زمین اس پر روئی معلوم ہوا کہ مؤمن کے لئے یہ چیزیں روتی ہیں۔

مرجانے والی چھوٹی اولاد آخرت کا ذخیرہ ہے

﴿۱۴﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ لَهُ فَرَطَانِ مِنْ أُمَّتِيْ أَدْخَلَهُ اللّٰهُ بِهِمَا الْجَنَّةَ فَقَالَتْ عَائِشَةُ فَمَنْ كَانَ لَهُ فَرَطٌ مِنْ أُمَّتِكَ قَالَ وَمَنْ كَانَ لَهُ فَرَطٌ يَا مُوَفَّقَةُ فَقَالَتْ فَمَنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ فَرَطٌ مِنْ أُمَّتِكَ قَالَ فَأَنَا فَرَطُ أُمَّتِيْ لَنْ يُصَابُوْا بِمِثْلِيْ.

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میری امت میں سے جس شخص کے دو بچے

[1] اخرجه الترمذی: ۳۲۵۵ [2] اخرجه الترمذی: ۱۰۶۲

بالغ ہونے سے پہلے مر گئے ہوں اللہ تبارک وتعالیٰ اسے ان دونوں بچوں کی وجہ سے جنت میں داخل کرے گا'' (یہ سن کر) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا کہ ''اور آپ ﷺ کی امت میں سے جس شخص کا ایک ہی بچہ مرا ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا اے موفقہ: جس شخص کا ایک بچہ مرا ہو اس کے لئے بھی یہ بشارت ہے'' حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پھر پوچھا کہ ''اچھا آپ ﷺ کی امت میں سے اگر جس شخص کا ایک بچہ بھی نہ مرا ہو؟ (تو اس کے لئے کیا بشارت ہے) آپ ﷺ نے فرمایا ''پھر میں تو اپنی امت کا میر منزل ہوں ہی، کیونکہ میری (وفات کی) مصیبت جیسی کسی اور مصیبت سے میری امت دو چار نہ ہوگی''۔

(ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے)

توضیح: "فرطان" فرط اس شخص کو کہتے ہیں جو قافلہ سے آگے جا کر منزل پر پہنچ جاتا ہے اور قافلہ کے خورد و نوش اور جگہ کی تیاری اور پڑاؤ ڈالنے کا انتظام کرتا ہے اس حدیث میں فرط سے مراد وہ نابالغ بچہ ہے جو بلوغ سے پہلے اللہ تبارک وتعالیٰ کو پیارا ہو جائے اس کو فرط اس لئے کہا گیا کہ وہ والدین سے پہلے جا کر ان کے لئے جنت میں ٹھکانہ بناتا ہے اور جنت کی نعمتوں کی تیاری میں لگ جاتا ہے میدان محشر اور عالم برزخ میں بھی ممکن اور ضروری انتظامات کرتا ہے اور والدین کی شفاعت کر کے ان کو جنت لے جاتا ہے جیسا کہ آئندہ حدیث آرہی ہے بچے کی نماز جنازہ میں بھی یہ لفظ اس طرح موجود ہے۔[1]

"اللھم اجعلہ لنا فرطا واجعلہ لنا اجرا وذخرا واجعلہ لنا شافعا ومشفعا"۔

"یاموفقة" حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا کہ اگر دو بچوں کے بجائے کسی کا ایک بچہ مر جائے تو کیا یہ فضیلت ان کو حاصل ہوگی حضور اکرم ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سوال کو فہم و تدبر کا شاہکار سمجھا اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ایک عظیم لقب سے نوازا جو تمام کمالات اور تمام خوبیوں کا مجموعہ ہے۔ اور وہ لقب ''یا موفقہ'' کا خطاب ہے یعنی اے وہ عورت جس کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر بھلائی اور ہر دانائی اور ہر کمال سے نوازا ہے اور اس کو ان چیزوں کے کرنے کی توفیق دی ہے اور ان کی رہنمائی فرمائی ہے گویا ان کے ہر فیصلے کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ کی توفیق شامل حال ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس سے بھی آگے بڑھ کر سوال کیا کہ جن لوگوں کا ایک بچہ بھی نہ مرا ہو تو اس کے لئے تو فرط نہیں ہوگا وہ کیا کریگا چونکہ خود بھی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اولاد نہیں تھی اس لئے یہ سوال اوروں کے ساتھ ساتھ خود اپنے لئے بھی تھا اس لئے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جن کا کوئی فرط نہ ہو تو میں اس کے لئے فرط ہوں کیونکہ میری وفات کا صدمہ میری امت کے لئے ایسا صدمہ ہے جس کی کوئی نظیر نہیں ہے۔[2]

چھوٹے بچے کے انتقال پر جنت میں محل ملتا ہے

﴿۱۵﴾ وَعَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا مَاتَ وَلَدُ الْعَبْدِ

[1] المرقات: ۴/۲۱۹ [2] المرقات: ۴/۲۱۹

قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى لِمَلَائِكَتِهٖ قَبَضْتُمْ وَلَدَ عَبْدِيْ فَيَقُوْلُوْنَ نَعَمْ فَيَقُوْلُ قَبَضْتُمْ ثَمَرَةَ فُؤَادِهٖ فَيَقُوْلُوْنَ نَعَمْ فَيَقُوْلُ مَا ذَا قَالَ عَبْدِيْ فَيَقُوْلُوْنَ حَمِدَكَ وَاسْتَرْجَعَ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ اُبْنُوْا لِعَبْدِيْ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَسَمُّوْهُ بَيْتَ الْحَمْدِ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کسی (مؤمن) بندہ کا کوئی بچہ مرتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فرشتوں (یعنی ملک الموت اور اس کے معاون فرشتوں) سے فرماتا ہے کہ "تم نے میرے بندہ کے بچہ کی رُوح قبض کی ہے" وہ عرض کرتے ہیں کہ "ہاں" اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ تم نے اس کے دل کا پھل لے لیا" وہ عرض کرتے ہیں کہ جی ہاں:" پھر اللہ تبارک وتعالیٰ ان سے فرماتا ہے کہ "(اس حادثہ پر) میرے بندہ نے کیا کہا؟ وہ عرض کرتے ہیں کہ اس نے تیری تعریف کی اور "انا للہ وانا الیہ راجعون" پڑھا اس کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ "میرے بندہ کے لئے جنت میں ایک بڑا گھر بنادو اور اس کا نام "بیت الحمد" رکھو"۔ (احمد، ترمذی)

توضیح: "بیت الحمد" یعنی جب کسی شخص کا بچہ مرجاتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ فرشتوں سے سوال وجواب کے بعد ارشاد فرماتا ہے کہ اس شخص نے اپنے لخت جگر کی موت پر میری حمد وتعریف کی ہے اور صبر کیا ہے اس لئے جنت میں اس کے لئے ایک محل تیار کرو اور اس کا نام بیت الحمد رکھو کہ بچے کی وفات پر اس شخص نے اللہ تبارک وتعالیٰ کی جو تعریف کی ہے اس حمد کا صلہ اس کو بیت الحمد کی صورت میں مل جائے۔[2]

مصیبت زدہ کو تسلی دینے کا بڑا ثواب

﴿۱۶﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ عَزّٰى مُصَابًا فَلَهٗ مِثْلُ أَجْرِهٖ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَه وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ لَا نَعْرِفُهٗ مَرْفُوْعًا اِلَّا مِنْ حَدِيْثِ عَلِيِّ بْنِ عَاصِمٍ الرَّاوِيِّ وَقَالَ وَرَوَاهُ بَعْضُهُمْ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سُوْقَةَ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ۔ (مَوْقُوْفًا)[3]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص کسی مصیبت زدہ کو تسلی دیتا ہے تو اسے بھی مصیبت زدہ کے بقدر ثواب دیا جاتا ہے"۔ (ترمذی، ابن ماجہ) امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے ہم اس روایت کو علی بن عاصم کے علاوہ اور کسی دوسرے ذریعہ سے مرفوع نہیں پاتے، نیز امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ بعض محدثین نے اس روایت کو محمد ابن سوقہ سے اسی سند کے ساتھ ابن مسعود رضی اللہ عنہ (پر) موقوف نقل کیا ہے۔

[1] اخرجہ احمد: ۴/۴۱۵ [2] المرقات: ۴/۲۲۹ [3] اخرجہ الترمذی: ۱۰۷۳ ابن ماجہ: ۱۶۰۲

توضیح: "عزّی" باب تفعیل سے تعزیت، صبر کی تلقین اور مصیبت زدہ کو تسلی دینے کے معنی میں ہے [۱] "مصابا" یعنی جن پر حادثہ آیا ہے اور وہ مصیبت زدہ ہے۔ [۲]
حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی مصیبت زدہ شخص کی تعزیت کرتا ہے مثلاً ایسے شخص کی تسلی کرتا ہے جن کے اقارب میں سے کسی کا انتقال ہوا ہو، ان کو اطمینان دلاتا ہے اس کا حوصلہ بڑھاتا ہے اور ان کو سنجیدگی اور وقار اور سکون واستقامت کا درس دیتا ہے اور وہ آدمی ان کی نصیحت کو قبول کر کے سکون پاتا ہے صبر کا حوصلہ ان کو مل جاتا ہے اور انکی ڈھارس بنتی ہے تو اس تعزیت کرنے والے کو اس مصیبت زدہ کے برابر ثواب ملتا ہے کیونکہ انہوں نے انکی رہنمائی کی تو "الدال علی الخیر کفاعلہ" کے ارشاد کے مطابق ان کو اس مصیبت زدہ شخص کی طرح ثواب دیا جائے گا۔ [۳]

مصیبت زدہ عورت کو تسلی دینے کی فضیلت

﴿۱۷﴾ وَعَنْ أَبِي بَرْزَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ عَزَّى ثَكْلٰى كُسِيَ بُرْدًا فِي الْجَنَّةِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ) [۴]

ترجمہ: اور حضرت ابی برزہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص اس عورت کو تسلی دے گا جس کا بچہ مرگیا ہو تو اسے جنت میں بہت عمدہ لباس پہنایا جائے گا"۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

توضیح: "ثکلی" اس عورت کو کہتے ہیں جن کا بیٹا گم ہو گیا ہو یا مر گیا ہو "بردا" چادر کو کہتے ہیں یعنی جنت میں اس تعزیت کرنے والے کو ایک ممتاز چادر پہنائی جائے گی یہ چادر اپنی جگہ اچھی سہی لیکن اس حدیث میں یہ بڑی خوش خبری ہے کہ وہ آدمی جنت کا مستحق بن گیا اور جنت میں اس کو چادر پہنائی جائے گی۔ [۵]

میت کے گھر کھانا بھیجنا مسنون ہے

﴿۱۸﴾ وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ لَمَّا جَاءَ نَعْيُ جَعْفَرٍ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِصْنَعُوْا لِاٰلِ جَعْفَرٍ طَعَامًا فَقَدْ أَتَاهُمْ مَا يَشْغَلُهُمْ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْ دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَه) [۶]

ترجمہ: اور حضرت عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے انتقال کی خبر آئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (اہل بیت سے) فرمایا کہ "جعفر کے اہل وعیال کے لئے کھانا تیار کرو کیونکہ انہیں ایک ایسا حادثہ پیش آیا ہے جو انہیں کھانے پکانے سے باز رکھتا ہے"۔ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

[۱] المرقات: ۴/۲۲۱ [۲] المرقات: ۴/۲۲۱ [۳] المرقات: ۴/۲۲۱ [۴] اخرجه الترمذی: ۱۰۷۶
[۵] المرقات: ۴/۲۲۲ [۶] اخرجه الترمذی: ۹۹۸ ابوداؤد: ۳۱۳۲ ابن ماجه: ۱۶۱۰

توضیح: "اصنعوا" یعنی جعفر رضی اللہ عنہ کے گھر والوں کے لئے کھانا تیار کر کے بھیجدو کیونکہ جعفر رضی اللہ عنہ کی موت کی خبر ان کو پہنچ گئی ہے جوان کو کھانا پکانے اور تیار کرنے سے مشغول رکھے گی۔ اس حدیث سے امت کو یہ تعلیم ملی کہ جب گھر میں میت ہوجائے تو اڑوس پڑوس کے مسلمانوں کے لئے مستحب ہے کہ ان کے گھر کھانا تیار کر کے بھیجدیں۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ کم از کم اتنا کھانا بھیجدیں جو اہل خانہ کے ایک وقت کے لئے خوب کافی ہوجائے بعض حضرات فرماتے ہیں کہ تین دن تک لگاتار یہ کھانا بھیجنا مستحب ہے کیونکہ تعزیت کے تین دن ہوتے ہیں۔[1]

تعزیت کا کھانا دوسرے لوگ کھا سکتے ہیں یا نہیں؟

علماء کرام کا اس سلسلہ میں کافی اختلاف ہے اور کافی اختلافی اقوال ہیں کہ جو کھانا محلہ کے عزیز واقارب کی طرف سے ماتم والے گھر میں آتا ہے تو اس گھر کے افراد کے علاوہ دوسرے لوگ اس کھانے کو کھا سکتے ہیں یا نہیں۔
بعض علماء عدم جواز کے قائل ہیں اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ تجہیز وتکفین وغیرہ میں مشغول لوگ بھی اس کو کھا سکتے ہیں نوحہ کرنے والی عورتوں کے لئے میت کے گھر میں کھانا تیار کرنا اور پھر لوگوں کا وہاں جمع ہونا اور طعام کھانا بدعت اور مکروہ ہے اہل اللہ کا یہ جملہ ہے "**طعام المیت یمیت القلب**" حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم اس ضیافت کو نوحہ کی طرح حرام سمجھتے تھے۔[2]
اس سے معلوم ہوا کہ صوبہ سرحد کے بعض مقامات میں میت کے ساتھ ساتھ جو دیگیں چڑھ جاتی ہیں اور آس پاس کے لوگ بغیر شدید مجبوری کے آکر اس کو کھاتے ہیں اور اس کا نام "شومہ" رکھتے ہیں یہ حرام ہے۔
ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میت کے گھر میں اگر یتیم بچے ہوں یا کوئی وارث غائب ہو تو ایسی صورت میں کھانا کھلانا اور کھانا دونوں ناجائز ہے "**طعام المیت یمیت القلب**"۔

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی | جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

الفصل الثالث

میت کو نوحہ کی وجہ سے عذاب ہوتا ہے

﴿۱۹﴾ عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ نِيْحَ عَلَيْهِ فَإِنَّهُ يُعَذَّبُ بِمَا نِيْحَ عَلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[3]

ترجمہ: حضرت مغیرہ ابن شعبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "جس میت کے لئے نوحہ کیا جاتا ہے اسے قیامت کے دن نوحہ کئے جانے کی وجہ سے عذاب دیا جائیگا"۔ (بخاری ومسلم)

[1] المرقات: ۴/۲۲۲ [2] المرقات: ۴/۲۲۲، ۲۲۳ [3] اخرجه البخاری: ۲/۱۰۲ ومسلم: ۱/۸

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اختلاف

﴿۲۰﴾ وَعَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَنَّهَا قَالَتْ سَمِعْتُ عَائِشَةَ وَذُكِرَ لَهَا أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ يَقُوْلُ إِنَّ الْمَيِّتَ لَيُعَذَّبُ بِبُكَاءِ الْحَيِّ عَلَيْهِ تَقُوْلُ يَغْفِرُ اللّٰهُ لِأَبِيْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَمَا إِنَّهُ لَمْ يَكْذِبْ وَلٰكِنَّهُ نَسِيَ أَوْ أَخْطَأَ إِنَّمَا مَرَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى يَهُوْدِيَّةٍ يُبْكٰى عَلَيْهَا فَقَالَ إِنَّهُمْ لَيَبْكُوْنَ عَلَيْهَا وَإِنَّهَا لَتُعَذَّبُ فِيْ قَبْرِهَا۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ[1]

ترجمہ: اور حضرت عمرہ بنت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے یہ کہا گیا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہیں کہ ''میت کو اس پر زندوں کے رونے کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے'' تو میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ''اللہ بخشے ابوعبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ (یہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے) کو: جان لو کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے (خدنخواستہ) جھوٹ نہیں بولا ہے بلکہ وہ بھول گئے ہیں حقیقت تو یہ ہے کہ ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (ایک مرتبہ) ایک یہودی عورت کی قبر کے پاس سے گزرے تو (دیکھا کہ) وہاں (اس قبر) پر لوگ رو رہے تھے، (یہ دیکھ کر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''اس کے عزیز و اقارب اس پر رو رہے ہیں اور وہ (عورت) اپنی قبر کے اندر عذاب میں مبتلا ہے''۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: اس قسم کی احادیث کی توضیح وتشریح تمام تفصیلات اور تمام اختلافات اس باب کی حدیث ۳ کے تحت لکھے جا چکے ہیں وہاں دیکھنا ضروری ہے دوبارہ لکھنا بہت مشکل ہے حرم شریف میں بہت ہی رش اور اژدھام ہے افطار کا وقت ہے شام ہے اور مجھے شدید زکام ہے سامنے سورج آخری مراحل میں ضوفشاں ہے اور سائے میں بیت اللہ الحرام ہے آج ۲۳ رمضان ہے اور ہر طرف نعمتوں کے جام ہیں۔

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت کا قصہ

﴿۲۱﴾ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِيْ مُلَيْكَةَ قَالَ تُوُفِّيَتْ بِنْتٌ لِعُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ بِمَكَّةَ فَجِئْنَا لِنَشْهَدَهَا وَحَضَرَهَا ابْنُ عُمَرَ وَابْنُ عَبَّاسٍ فَإِنِّيْ لَجَالِسٌ بَيْنَهُمَا فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ لِعَمْرِو بْنِ عُثْمَانَ وَهُوَ مُوَاجِهُهُ أَلَا تَنْهٰى عَنِ الْبُكَاءِ فَإِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ الْمَيِّتَ لَيُعَذَّبُ بِبُكَاءِ أَهْلِهِ عَلَيْهِ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ قَدْ كَانَ عُمَرُ يَقُوْلُ بَعْضَ ذٰلِكَ ثُمَّ حَدَّثَ فَقَالَ صَدَرْتُ مَعَ عُمَرَ مِنْ مَكَّةَ حَتّٰى إِذَا كُنَّا بِالْبَيْدَاءِ فَإِذَا هُوَ بِرَكْبٍ تَحْتَ ظِلِّ سَمُرَةٍ فَقَالَ اذْهَبْ فَانْظُرْ مَنْ هٰؤُلَاءِ الرَّكْبُ فَنَظَرْتُ فَإِذَا هُوَ صُهَيْبٌ قَالَ فَأَخْبَرْتُهُ فَقَالَ ادْعُهُ فَرَجَعْتُ إِلٰى صُهَيْبٍ فَقُلْتُ ارْتَحِلْ فَالْحَقْ

[1] اخرجه البخاری: ۲/۱۰۱ ومسلم: ۳/۴۴

أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ فَلَمَّا أَنْ أُصِيبَ عُمَرُ دَخَلَ صُهَيْبٌ يَبْكِيْ يَقُوْلُ وَا أَخَاهُ وَاصَاحِبَاهُ فَقَالَ عُمَرُ يَا صُهَيْبُ أَتَبْكِيْ عَلَيَّ وَقَدْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْمَيِّتَ لَيُعَذَّبُ بِبَعْضِ بُكَاءِ أَهْلِهِ عَلَيْهِ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَلَمَّا مَاتَ عُمَرُ ذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِعَائِشَةَ فَقَالَتْ يَرْحَمُ اللّٰهُ عُمَرَ لَا وَاللّٰهِ مَا حَدَّثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْمَيِّتَ لَيُعَذَّبُ بِبُكَاءِ أَهْلِهِ عَلَيْهِ وَلٰكِنْ إِنَّ اللّٰهَ يَزِيْدُ الْكَافِرَ عَذَابًا بِبُكَاءِ أَهْلِهِ عَلَيْهِ وَقَالَتْ عَائِشَةُ حَسْبُكُمُ الْقُرْآنُ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرٰى قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ عِنْدَ ذٰلِكَ وَاللّٰهُ هُوَ أَضْحَكَ وَأَبْكٰى قَالَ ابْنُ أَبِيْ مُلَيْكَةَ فَمَا قَالَ ابْنُ عُمَرَ شَيْئًا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ بن ملیکہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی کا مکہ میں انتقال ہوا تو ہم لوگ (ان کے یہاں) آئے تا کہ نماز جنازہ اور تدفین میں شریک ہوں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بھی وہاں آئے میں ان دونوں کے درمیان بیٹھا ہوا تھا اتنے میں عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن عثمان رضی اللہ عنہ سے جو ان کی طرف منہ کئے ہوئے بیٹھے تھے کہا کہ ''تم (اپنے گھر والوں کو آواز اور نوحہ کے ساتھ) رونے سے منع کیوں نہیں کرتے؟ کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ ''میت اپنے گھر والوں کے رونے کی وجہ سے عذاب میں مبتلا کی جاتی ہے''۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے (اس کے جواب میں) کہا کہ ''حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس میں سے کچھ کہتے تھے (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی سے تو میت پر عام طور پر رونے کی ممانعت معلوم ہوتی ہے لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس ممانعت کو صرف قریب المرگ کے پاس آواز و نوحہ کے ساتھ رونے پر محمول کرتے تھے) چنانچہ انہوں نے یہ واقعہ بیان کیا کہ جب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکہ سے واپس ہوا اور ہم مقام بیداء میں پہنچے (جو مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک موضع ہے) تو اچانک حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک کیکر کے درخت کے نیچے ایک قافلہ کو دیکھا انہوں نے (مجھ سے) فرمایا کہ ''تم وہاں جا کر دیکھو کہ قافلہ میں کون ہے؟ چنانچہ جب میں نے وہاں جا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ (اور ان کے ہمراہ کچھ دوسرے لوگ) ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''میں نے آ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بتا دیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ''انہیں بلا لاؤ۔ میں پھر صہیب رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ ''چلئے امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ملئے''۔ اس کے بعد جب (مدینہ میں) حضرت عمر رضی اللہ عنہ زخمی کر دیئے گئے تو حضرت صہیب رضی اللہ عنہ روتے ہوئے ان کے پاس آئے اور یہ کہتے جاتے تھے کہ ''اے میرے بھائی اے میرے آقا (یہ کیا ہوا؟) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (اسی حالت میں) حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ صہیب تم میرے پاس (آواز و بین کے ساتھ) رو رہے ہو، جبکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ مردہ اپنے گھر والوں کے رونے کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے (یعنی ایسے رونے کی وجہ سے جو آواز و نوحہ کے ساتھ ہو) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی وفات ہوگئی تو میں نے ان کا یہ قول حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں عرض کیا وہ سن کر فرمانے لگیں کہ ''اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت

[1] اخرجه البخاری: ۲/۱۰۱ ومسلم: ۳/۴۲

عمر رضی اللہ عنہ پر رحم کرے، خدا کی قسم یہ بات نہیں ہے اور نہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ مردہ اپنے گھر والوں کے رونے کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے) ہاں البتہ اللہ تبارک وتعالیٰ کافر کے عذاب میں اس کے گھر والوں کے رونے کی وجہ سے زیادتی کر دیتا ہے"۔ پھر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ "(اس کے ثبوت میں) تمہارے لئے قرآن کریم کا یہ فیصلہ ہی کافی ہے کہ ﴿ولا تزر وازرة وزر اخرى﴾ [1] کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس آیت کے مضمون کا مفہوم بھی تقریبا یہی ہے کہ "اللہ تبارک وتعالیٰ ہنساتا ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ ہی رلاتا ہے"۔ حضرت ابن ابی ملیکہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ یہ سن کر کچھ نہ بولے"۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "توفیت بنت" یعنی حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی بیٹی کا مکہ مکرمہ میں انتقال ہوگیا اس حادثہ کے موقع پر مکہ مکرمہ میں چند بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم اکھٹے ہوگئے جن میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نمایاں تھے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا بیٹا عمرو بن عثمان رضی اللہ عنہ بھی اس موقع پر موجود تھا اس حادثہ کی وجہ سے گھر میں کچھ لوگ رو رہے تھے تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن عثمان رضی اللہ عنہ سے فرمایا کیا تم ان رونے والوں کو نہیں روکتے ہو حالانکہ لوگوں کے رونے سے میت کو عذاب ہوتا ہے اس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ کے والد حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اس طرح کی کچھ بات فرمایا کرتے تھے پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے سفر کا ایک قصہ سنایا جس سے آپ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آپس میں بہت گہرے تعلقات تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سفر کے دوران ان کو بلایا اور اکرام کیا۔ اس قصہ کو ختم کر کے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زخمی ہونے اور پھر شہید ہونے کا ذکر فرمایا اور صہیب رومی رضی اللہ عنہ کا رونا ذکر کیا لیکن یہ رونا اس وقت تھا جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ زخمی حالت میں تھے ابھی تک انتقال نہیں ہوا تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صہیب سے فرمایا کہ آپ بھی روتے ہو حالانکہ میت کو بعض رونے کی وجہ سے عذاب ہوتا ہے خیر یہ قصہ بھی ختم ہوگیا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد اس حدیث کو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سامنے بیان کیا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کا تو یہ خیال ہے کہ میت کو لوگوں کے رونے کی وجہ سے عذاب ہوتا ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ پر اللہ تبارک وتعالیٰ رحم فرمائے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث اس طرح نہیں ہے بلکہ وہ حدیث اس طرح تھی کہ میت کے عذاب میں لوگوں کے رونے سے اضافہ ہوتا ہے پھر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ تم لوگوں کے لئے قرآن کریم کافی ہے جس میں ﴿ولا تزر وازرة وزر اخرى﴾ [1] موجود ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر آدمی خود اپنا بوجھ اٹھائے گا دوسروں کا بوجھ کسی پر نہیں لادا جائے گا لہٰذا دوسروں کے رونے سے کسی کو عذاب نہیں ہوتا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اس رائے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بھی موافقت فرمائی اور پھر فرمایا کہ ہنسانے اور رُلانے والا صرف اللہ تبارک وتعالیٰ ہے۔ بہر حال اس قسم کی احادیث کی توضیح وتشریح تفصیل کے ساتھ اس باب کی حدیث ۳

[1] بنی اسرائیل: ۱۵ آیت

کے تحت گذر چکی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حدیث کا انکار نہیں کر رہی بلکہ حدیث کے مفہوم متعین کرنے میں انکا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے اختلاف ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے ہاں حدیث کا مطلب یہ ہے کہ گھر والوں کے رونے سے میت کو عذاب ہوتا ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تعجب کر کے فرماتی ہیں کہ ایسا نہیں بلکہ لوگ روتے ہیں اور میت کو قبر میں اس لئے عذاب ہو رہا ہے کہ وہ کافر ہے بوجہ کفر عذاب ہے نہ کہ رونے کی وجہ سے۔ [1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر ابولولؤ مجوسی نے کب حملہ کیا تھا؟

ابولولؤ مجوسی حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا ایک غلام تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عام فرمان جاری کیا تھا کہ مدینہ میں کسی کافر کو ٹھہرنے نہ دیا جائے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے سفارش کر کے اپنے غلام کو مدینہ میں رکھا پھر ان کا اپنے غلام سے تنازع ہوا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جب ان کا قصہ پیش ہوا تو آپ نے غلام سے ان کے ہنر اور صناعت کے بارے میں پوچھا اس نے بتا دیا اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مغیرہ بن شعبہ جو ٹیکس تم پر بڑھانا چاہتا ہے وہ صحیح ہے کیونکہ تیرے پاس تو بہت سارے ہنر موجود ہیں اور میں نے سنا ہے کہ تم بہترین چکیاں بناتے ہو ایک چکی میرے لئے بھی بنا دو، ابو لولؤ غصہ ہوا اور کہا کہ میں آپ کے لئے ایسی چکی بناؤنگا کہ دنیا اس کو یاد رکھے گی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "**ھددنی العبد**" اس غلام نے مجھے موت کی دھمکی دی، پھر یہ ملعون غلام حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر وار کرنے کی تلاش میں تھا کہ ۲۶ یا ۲۷ ذوالحجہ ۲۳ھ بروز بدھ فجر کی نماز کے وقت مسجد نبوی میں عین محراب میں اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر حملہ کیا اور چھ زخم لگا کر چند صحابہ کو بھی شہید کیا اور پھر خود کو بھی مار دیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کچھ دن زخمی حالت میں تھے اور یکم محرم الحرام ۲۴ھ میں ان کا انتقال ہو گیا۔

میت پر رونے والوں کو روکنا چاہئے

﴿۲۲﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا جَاءَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَتْلُ ابْنِ حَارِثَةَ وَجَعْفَرٍ وَابْنِ رَوَاحَةَ جَلَسَ يُعْرَفُ فِيهِ الْحُزْنُ وَأَنَا أَنْظُرُ مِنْ صَائِرِ الْبَابِ تَعْنِي شَقَّ الْبَابِ فَأَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ إِنَّ نِسَاءَ جَعْفَرٍ وَذَكَرَ بُكَاءَهُنَّ فَأَمَرَهُ أَنْ يَنْهَاهُنَّ فَذَهَبَ ثُمَّ أَتَاهُ الثَّانِيَةَ لَمْ يُطِعْنَهُ فَقَالَ انْهَهُنَّ فَأَتَاهُ الثَّالِثَةَ قَالَ وَاللهِ غَلَبْنَنَا يَا رَسُولَ اللهِ فَزَعَمَتْ أَنَّهُ قَالَ فَاحْثُ فِي أَفْوَاهِهِنَّ التُّرَابَ فَقُلْتُ أَرْغَمَ اللهُ أَنْفَكَ لَمْ تَفْعَلْ مَا أَمَرَكَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ تَتْرُكْ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْعَنَاءِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) [2]

---

[1] المرقات: ۴/۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸
[2] اخرجه البخاري: ۲/۱۰۲، ۱۰۶ ومسلم: ۳/۴۵، ۴۶

ترجمہ: اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ کے پاس زید بن حارثہ، جعفر اور ابن رواحہ رضی اللہ عنہم کے (غزوۂ موتہ میں) شہید کر دیئے جانے کی اطلاع آئی تو آپ ﷺ (مسجد نبوی میں) بیٹھ گئے، آپ ﷺ کے چہرہ پر رنج و غم کے آثار نمایاں تھے اور میں (آپ ﷺ کی کیفیت) دروازے کے سوراخ سے دیکھے جارہی تھی کہ اتنے میں ایک شخص آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ "جعفر رضی اللہ عنہ کی گھر کی عورتیں اس اس طرح کر رہی ہیں (یعنی اس نے ان کے رونے کا ذکر کیا) آنحضرت ﷺ نے اسے حکم فرمایا کہ جا کر انہیں منع کر دے، وہ چلا گیا اور (تھوڑی دیر کے بعد) دوسری مرتبہ واپس آ کر بتایا کہ عورتیں نہیں مان رہی ہیں، آنحضرت ﷺ نے پھر اس سے فرمایا کہ جا کر منع کر دو" (وہ چلا گیا اور جا کر منع کیا اور کچھ دیر کے بعد) پھر تیسری مرتبہ آیا اور کہا کہ "یارسول اللہ ﷺ: خدا کی قسم وہ عورتیں ہم پر غالب آ گئیں (یعنی وہ ہمارا کہنا نہیں مان رہی ہیں) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا گمان ہے کہ (یہ سن کر) آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا کہ "ان کے منہ میں مٹی ڈالو" حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں (اس شخص سے اپنے طور پر) کہنے لگی کہ "خدا تمہاری ناک خاک آلود کرے تمہیں رسول کریم ﷺ نے جو حکم دیا ہے اس پر عمل بھی نہیں کرواسکتے ہو اور تم رسول کریم ﷺ کو رنج پہنچانے سے باز بھی نہیں آتے ہو (باربار شکایت لاتے ہو)"۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: **غزوۂ موتہ** میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ شہید ہوئے اور اس کے بعد حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور پھر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے حضور اکرم ﷺ جنگ موتہ کے نقشہ اور میدان کو مسجد نبوی سے دیکھ رہے تھے اور غمگین ہو رہے تھے پھر آپ ﷺ تعزیت کے لئے بیٹھ گئے۔[1]

"صائر الباب" دروازہ کے اندر کبھی سوراخ ہوتا ہے اور کبھی دراڑ ہوتا ہے اس کو صائر الباب کہتے ہیں یہاں دونوں کا احتمال ہے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ پر جو عورتیں رو رہی تھیں ان کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں اور رونے کی شرعی حد سے تجاوز ہو رہا تھا اس لئے حضور ﷺ نے منع کرنے کے لئے ایک آدمی کو بھیجا لیکن وہ بار بار آ جا رہا ہے اور یہی کہہ رہا ہے کہ وہ عورتیں باز نہیں آتیں اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے دیکھا کہ اس شخص کی وجہ سے حضور اکرم ﷺ کو تکلیف ہو رہی ہے تو اپنے طور پر عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ "ارغم الله انفك" یعنی تیری ناک خاک آلود ہو جائے یا تو عورتوں کو رونے سے روک لو اگر ایسا نہیں کر سکتے ہو تو حضور اکرم ﷺ کو بار بار آ کر بتاتے کیوں ہو کہ وہ عورتیں باز نہیں آتیں، جس سے حضور ﷺ کو تکلیف پہنچتی ہے یا روک لو یا شکایت نہ کرو۔[2]

میت پر چلّا کر رونے سے شیطان خوش ہوتا ہے

﴿۲۳﴾ وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ لَمَّا مَاتَ أَبُوْ سَلَمَةَ قُلْتُ غَرِيْبٌ وَفِيْ أَرْضِ غُرْبَةٍ لَأَبْكِيَنَّهُ بُكَاءً

[1] المرقات: ۴/۱۲۹ [2] المرقات: ۴/۱۳۰

يَتَحَدَّثُ عَنْهُ فَكُنْتُ قَدْ تَهَيَّأْتُ لِلْبُكَاءِ عَلَيْهِ إِذْ أَقْبَلَتِ امْرَأَةٌ تُرِيْدُ أَنْ تُسْعِدَنِي فَاسْتَقْبَلَهَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَتُرِيْدِيْنَ أَنْ تُدْخِلِي الشَّيْطَانَ بَيْتًا أَخْرَجَهُ اللهُ مِنْهُ مَرَّتَيْنِ وَكَفَفْتُ عَنِ الْبُكَاءِ فَلَمْ أَبْكِ۔ (رواہ مسلم)[1]

ترجمہ: اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب (میرے پہلے خاوند) حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو میں نے کہا کہ "ابوسلمہ رضی اللہ عنہ مسافر تھے اور حالت مسافرت ہی میں مرے میں بھی ان کے لئے اس طرح روؤں گی کہ میرا رونا بیان کیا جائے گا (یعنی لوگوں میں چرچا ہوگا کہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس قدر روئی کہ اتنا کوئی بھی نہیں رویا) چنانچہ میں رونے کی تیاریوں میں مصروف تھی کہ اچانک ایک عورت آئی جو (رونے میں) میرے ساتھ شریک ہونے کا ارادہ رکھتی تھی اتنے میں رسول کریم ﷺ اس کے سامنے آگئے اور فرمانے لگے کہ "کیا تمہارا ارادہ یہ ہے کہ شیطان کو اس گھر میں داخل کرو جس گھر سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسے دو مرتبہ نکالا ہے۔ (آپ ﷺ کا یہ ارشاد سن کر) میں رونے سے رک گئی اور پھر میں (اس طرح) نہیں روئی (جس کی شریعت نے ممانعت کی ہے)۔ (مسلم)

توضیح: غریب مسافر کو کہتے ہیں چونکہ مہاجرین حضرات مکہ سے مدینہ تشریف لائے تھے گویا سب مسافر تھے ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ۴ھ میں مدینہ میں ہوا تھا۔[2]

"یتحدث عنه" یعنی ایسا رونا روؤں گی کہ دنیا یاد رکھے گی اور اس کے تذکرے کرے گی۔ ادھر سے ایک انصاری عورت بھی میری مدد کے لئے آرہی تھی جس کو حضور اکرم ﷺ نے دیکھ لیا اور فرمایا کہ جس گھر سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے دو دفعہ شیطان کو باہر نکالا تم پھر شیطان کو اندر داخل کرنا چاہتی ہو یعنی ایک دفعہ تو شیطان اس وقت اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس گھر سے نکالدیا جب کہ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ مسلمان ہوگئے اور دوبارہ اس وقت نکالدیا جب ایمان کے ساتھ کامیاب ہوکر ابوسلمہ رضی اللہ عنہ دنیا سے رخصت ہوگئے ابوسلمہ رضی اللہ عنہ چار ہجری میں مدینہ میں انتقال کر گئے تھے۔[3]

بین کرنے اور بے جا تعریف سے فرشتے میت کو ڈانٹتے ہیں

﴿۲۴﴾ وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ أُغْمِيَ عَلَى عَبْدِ اللهِ بْنِ رَوَاحَةَ فَجَعَلَتْ أُخْتُهُ عَمْرَةُ تَبْكِيْ وَاجَبَلَاهُ وَاكَذَا وَاكَذَا تُعَدِّدُ عَلَيْهِ فَقَالَ حِيْنَ أَفَاقَ مَا قُلْتِ شَيْئًا إِلَّا قِيْلَ لِيْ أَنْتَ كَذٰلِكَ زَادَ فِيْ رِوَايَةٍ فَلَمَّا مَاتَ لَمْ تَبْكِ عَلَيْهِ۔ (رواہ البخاری)[4]

ترجمہ: اور حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ (اتنے سخت بیمار ہوئے کہ موت کے قریب پہنچ گئے اور ان) پر بیہوشی طاری ہوئی تو ان کی بہن عمرہ نے رونا اور یہ کہنا شروع کیا کہ "اے پہاڑ افسوس

[1] اخرجه مسلم: ۳/۳۹ [2] المرقات: ۴/۱۳۱ [3] المرقات: ۱۳۱، ۴/۱۳۲ [4] اخرجه البخاری: ۵/۱۸۳

ہے اور اے ایسے اور ویسے، یعنی ان کی خوبیاں گن گن کر بیان کرنے لگیں، جب حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ہوش میں آئے تو (بہن سے) کہا کہ "جو کچھ تم نے کہا ہے وہی مجھ سے بطور تنبیہ کہا گیا ہے کہ تم ایسے ہو (مثلاً جب تم نے کہا کہ واجبلاہ یعنی اے پہاڑ افسوس ہے تو مجھ سے کہا گیا کہ تم پہاڑ کیوں ہو کہ لوگ تمہاری پناہ پکڑتے ہیں) ایک اور روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ "چنانچہ جب عبداللہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا (یعنی غزوہ موتہ میں شہید ہوئے) تو ان کی بہن ان پر روئی نہیں"۔ (بخاری)

﴿۲۵﴾ وَعَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَا مِنْ مَيِّتٍ يَمُوتُ فَيَقُومُ بَاكِيهِمْ فَيَقُولُ وَاجَبَلَاهُ وَاسَيِّدَاهُ وَنَحْوَ ذٰلِكَ إِلَّا وَكَّلَ اللهُ بِهِ مَلَكَيْنِ يَلْهَزَانِهِ وَيَقُولَانِ أَهٰكَذَا كُنْتَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ (جب کوئی شخص مرتا ہے اور اس کے عزیزوں) میں سے کوئی رونے والا یہ کہہ کر روتا ہے کہ "اے پہاڑ: اے سردار وغیرہ وغیرہ" تو اللہ تبارک وتعالیٰ میت پر دو فرشتے مقرر کر دیتا ہے جو اس کے سینہ میں مکے مار مار کر پوچھتے ہیں کہ "کیا تو ایسا ہی تھا؟ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب حسن ہے"۔

چیخے چلائے بغیر رونا منع نہیں ہے

﴿۲۶﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ مَاتَ مَيِّتٌ مِنْ آلِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاجْتَمَعَ النِّسَاءُ يَبْكِينَ عَلَيْهِ فَقَامَ عُمَرُ يَنْهَاهُنَّ وَيَطْرُدُهُنَّ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعْهُنَّ يَا عُمَرُ فَإِنَّ الْعَيْنَ دَامِعَةٌ وَالْقَلْبَ مُصَابٌ وَالْعَهْدَ قَرِيبٌ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں (جب) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں سے کسی کا (یعنی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا جیسا کہ اگلی روایت میں تصریح ہے) انتقال ہوا تو عورتیں جمع ہوئیں اور ان پر رونے لگیں (یہ دیکھ کر) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور (اقربا کو تو) رونے سے منع کیا اور (اجنبیوں کو) مار مار کر بھگانے لگے"۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (جب یہ دیکھا تو) فرمایا کہ "عمر! انہیں (اپنے حال پر چھوڑ دو کیونکہ آنکھیں رو رہی ہیں اور دل مصیبت زدہ ہے نیز مرنے کا وقت قریب ہے"۔ (احمد، نسائی)

﴿۲۷﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَاتَتْ زَيْنَبُ بِنْتُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَكَتِ النِّسَاءُ فَجَعَلَ عُمَرُ يَضْرِبُهُنَّ بِسَوْطِهِ فَأَخَّرَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهِ وَقَالَ مَهْلًا يَا عُمَرُ ثُمَّ قَالَ إِيَّاكُنَّ وَنَعِيقَ الشَّيْطَانِ ثُمَّ قَالَ إِنَّهُ مَهْمَا كَانَ مِنَ الْعَيْنِ وَمِنَ الْقَلْبِ فَمِنَ اللهِ

[1] اخرجہ الترمذی: ۱۰۰۳ [2] اخرجہ احمد: ۲/۱۱۰ والنسائی: ۴/۱۹

عَزَّوَجَلَّ وَمِنَ الرَّحْمَةِ وَمَا كَانَ مِنَ الْيَدِ وَمِنَ اللِّسَانِ فَمِنَ الشَّيْطَانِ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انتقال ہوا تو عورتیں رونے لگیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ (اس بات کو کب برداشت کرنے والے تھے وہ) انہیں اپنے کوڑے سے مارنے لگے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے ہاتھوں سے الگ کیا اور فرمایا کہ عمر رضی اللہ عنہ: نرمی اختیار کرو۔ پھر عورتوں سے فرمایا کہ "تم لوگ اپنے آپ کو شیطان کی آواز سے دور رکھو (یعنی چلا چلا کر اور بیان کر کے ہرگز نہ رونا) پھر فرمایا کہ "جو کچھ آنکھوں سے (یعنی آنسو) اور دل سے (یعنی رنج وغم) ظاہر ہو یہ خدا کی طرف سے ہے اور رحمت کا سبب ہے (یعنی یہ چیزیں خدا کی پسندیدہ ہیں) اور جو کچھ ہاتھ وزبان سے ظاہر ہو وہ شیطان کی طرف سے ہے"۔ (احمد)

رونے اور ماتم سے مردہ واپس نہیں ہوتا

﴿۲۸﴾ وَعَنِ الْبُخَارِيِّ تَعْلِيقاً قَالَ لَمَّا مَاتَ الْحَسَنُ بْنُ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ ضَرَبَتِ امْرَأَتُهُ الْقُبَّةَ عَلَى قَبْرِهِ سَنَةً ثُمَّ رُفِعَتْ فَسَمِعَتْ صَائِحاً يَقُولُ أَلَا هَلْ وَجَدُوا مَا فَقَدُوا فَأَجَابَهُ آخَرُ بَلْ يَئِسُوا فَانْقَلَبُوا۔[2]

ترجمہ: اور حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بطریق تعلیق (یعنی بغیر سند کے) ذکر کرتے ہیں کہ "جب حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے صاحبزادے کہ جن کا نام بھی حسن رضی اللہ عنہ ہی تھا کا انتقال ہوا تو ان کی بیوی نے ان کی قبر پر ایک سال تک خیمہ کھڑا رکھا پھر جب انہوں نے اکھاڑا تو ہاتف غیبی کی ندا سنی کہ "کیا خیمہ کھڑا کر کے کھوئے ہوئے کو پالیا؟ پھر اس کے جواب میں دوسرے ہاتف غیبی کی یہ ندا سنی کہ "ناامید ہوئی اور خیمہ اکھاڑ لیا"۔

توضیح: عرب کی عام عادت تھی کہ وہ اپنے میت کی قبر پر سال بھر تک رویا کرتے تھے۔ عرب کے قصائد اور اشعار سے یہ چیز بالکل واضح ہو جاتی ہے چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے۔

الی الحول ثم اسم السلام علیکما ومن یبك حولا کاملا فقد اعتذر

یعنی ایک سال تک میں تم پر رویا اب سلام کر کے جا رہا ہوں کیونکہ ایک سال تک جو روئے وہ معذور ہے کہ واپس جائے حضرت حسن رضی اللہ عنہ جن کی قبر پر ان کی بیوہ نے خیمہ گاڑ رکھا تھا یہ مشہور حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کا بیٹا ہے ان کی بیوی نے کسی خاص ضرورت کے تحت ایسا کیا اور جب واپس گھر جانے لگی تو ہاتف غیبی نے آواز دی کہ اس عورت نے بڑا عرصہ گذارا ہے اب جا رہی ہے تو کیا کچھ ہاتھ آ گیا یا خالی ہاتھ جا رہی ہے دوسرے ہاتف غیبی نے جواب دیا کہ کچھ نہیں ملا بلکہ مایوس ہو کر واپس چلی گئی اس سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ کسی میت پر رونے اور فریاد کرنے سے وہ زندہ ہو کر واپس نہیں آتا ہے جو گیا وہ چلا ہی گیا۔[3]

[1] اخرجه احمد: [2] اخرجه البخاری: ۲/۱۱۱ [3] المرقات: ۴/۲۳۸

چادر اوڑھنا شرافت کی نشانی ہے

﴿۲۹﴾ وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ وَأَبِي بَرْزَةَ قَالَا خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي جِنَازَةٍ فَرَأَى قَوْمًا قَدْ طَرَحُوْا أَرْدِيَتَهُمْ يَمْشُوْنَ فِي قُمُصٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبِفِعْلِ الْجَاهِلِيَّةِ تَأْخُذُوْنَ أَوْ بِصَنِيْعِ الْجَاهِلِيَّةِ تَشَبَّهُوْنَ لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ أَدْعُوَ عَلَيْكُمْ دَعْوَةً تَرْجِعُوْنَ فِي غَيْرِ صُوَرِكُمْ قَالَ فَأَخَذُوْا أَرْدِيَتَهُمْ وَلَمْ يَعُوْدُوْا لِذٰلِكَ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه)[1]

ترجمہ: اور حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ اور حضرت ابی برزہ رضی اللہ عنہ دونوں روایت کرتے ہیں کہ (ایک روز) ہم لوگ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک جنازے کے ساتھ چلے (چنانچہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ ایسے لوگوں کو دیکھا جنہوں نے اپنی چادریں اتار پھینکی تھیں اور کرتوں میں چل رہے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (انہیں اس حال میں دیکھ کر) فرمایا کہ "تم لوگ جاہلیت کے فعل پر عمل کرتے ہو یا جاہلیت کے کاموں کی مشابہت اختیار کرتے ہو۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (تمہاری یہ انتہائی نازیبا حرکت دیکھ کر) میرا تو یہ ارادہ ہوا کہ میں تمہارے لئے کوئی ایسی بددعاء کروں کہ تم اپنے گھروں کو دوسری شکلوں میں (یعنی بندر یا سور کی شکل ہو کر) واپس پہنچو"۔ راوی کہتے ہیں کہ (یہ سن کر) ان لوگوں نے (فوراً) اپنی چادریں اوڑھ لیں اور پھر دوبارہ کبھی ایسا کام نہ کیا"۔ (ابن ماجہ)

توضیح: عرب کا دستور تھا کہ قمیص کے ساتھ اوپر چادر بھی اوڑھتے تھے جس طرح صوبہ سرحد کے لوگوں کی عادت ہے کہ سخت گرمی میں بھی کندھوں پر چادر ہوتی ہے اور چادر رکھنا شرافت وعظمت کی علامت سمجھتے ہیں پھر کسی جنازہ میں بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے کندھوں سے چادریں ماتم کے طور پر اتار دیں تا کہ پریشانی وبدحالی اور سوگ وماتم کا خوب اظہار ہو جائے اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت ناراضگی کا اظہار کیا اور لوگوں کو اس حرکت سے روک دیا معلوم ہوا اس وقت عرب معاشرہ میں چادر اوڑھنا یا پاس رکھنا شرافت کی علامت ہوتی تھی اب عرب اس کو نہیں جانتے ہیں۔ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب اتنی معمولی سی بات پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح ناراضگی کا اظہار فرمایا تو ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جو سوگ اور ماتم میں اس سے کہیں بڑی رسموں کا ارتکاب کرتے ہیں۔[2]

جنازہ کے ساتھ کوئی خلاف شرع کام نہ ہو

﴿۳۰﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ تُتْبَعَ جِنَازَةٌ مَعَهَا رَانَّةٌ۔

(رَوَاهُ أَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَه)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جنازہ کے ہمراہ جانے سے منع فرمایا ہے جس کے ساتھ نوحہ کرنے والی ہو"۔ (احمد، ابن ماجہ)

---

[1] اخرجہ ابن ماجہ: ۱۴۸۵ [2] المرقات: ۱۴۹/۴،۱۳۸ والکاشف: ۴۲۶۳ [3] اخرجہ احمد: ۲/۹۲ وابن ماجہ: ۱۵۸۳

مرا ہوا چھوٹا بچہ والدین کے لئے شفاعت کرے گا

﴿۳۱﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَجُلاً قَالَ لَهُ مَاتَ ابْنٌ لِي فَوَجَدْتُ عَلَيْهِ هَلْ سَمِعْتَ مِنْ خَلِيلِكَ صَلَوَاتُ اللهِ عَلَيْهِ شَيْئًا يُطَيِّبُ بِأَنْفُسِنَا عَنْ مَوْتَانَا قَالَ نَعَمْ سَمِعْتُهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ صِغَارُهُمْ دَعَامِيصُ الْجَنَّةِ يَلْقَى أَحَدُهُمْ أَبَاهُ فَيَأْخُذُ بِنَاحِيَةِ ثَوْبِهِ فَلَا يُفَارِقُهُ حَتَّى يُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ.

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَأَحْمَدُ وَاللَّفْظُ لَهُ) [1]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ (ایک دن) ان سے ایک شخص ملا اور کہنے لگا کہ "میرا (چھوٹا) بچہ مر گیا ہے جس کی وجہ سے میں بہت غمگین ہوں، کیا آپ نے اپنے دوست یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی ایسی بات بھی سنی ہے جو ہمارے فوت شدہ چھوٹے بچوں کی طرف سے ہمارے دلوں کو خوش کردے (یعنی جس سے یہ معلوم ہو کہ ہمارے چھوٹے بچے مر گئے ہیں وہ آخرت میں ہمارے کچھ کام آئیں گے) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہاں: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "مسلمانوں کے چھوٹے بچے جنت میں دریا کے جانور کی طرح ہوں گے جب ان میں سے کسی کا باپ اسے ملے گا تو وہ بچہ اپنے باپ کے کپڑے کا کونہ پکڑ لے گا اور اسے اس وقت تک نہ چھوڑے گا جب تک کہ اس باپ کو جنت میں داخل نہ کرا دیگا"۔ (مسلم، احمد الفاظ احمد کے ہیں)

توضیح: "**دعامیص**" یہ دعموص کی جمع ہے دعموص پانی کے اندر ایک قسم کا سیاہ کیڑا ہوتا ہے اسے کہتے ہیں۔ یہ کیڑا کبھی خشکی پر بھی آتا ہے بعض لوگ اس کو جولاہا قرار دیتے ہیں۔ [2]

دعموص کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ یہ اس شخص کو کہتے ہیں جو امراء اور سلاطین کے ہاں بہت دخیل ہوتا ہے اور مسلسل ان کے ہاں آتا جاتا رہتا ہے بلکہ یہ شخص بادشاہوں کے قویٰ ان کے افکار اور ان کے دل و دماغ پر مسلط ہو جاتا ہے۔

اب یہاں ان چھوٹے فوت شدہ بچوں کو دعموص کے ساتھ تشبیہ اس لئے دی گئی ہے کہ یہ بچے جنت میں ہر جگہ ایسے جاتے آتے اور سیر و تفریح کرتے ہیں کہ کہیں بھی ان سے پردہ حجاب نہیں ہوتا جس طرح دعموص پانی میں گھومتا پھرتا رہتا ہے۔ یا سلاطین کے ساتھ اختلاط رکھنے والا شخص ہر جگہ آتا جاتا رہتا ہے یہ جو دوسرا مفہوم ہے دعموص کے مصداق کے لئے یہ بہت مناسب ہے گویا یہ چھوٹے بچے مقرب بارگاہ الٰہی ہو جاتے ہیں اور پھر اپنے والدین کی شفاعت کرتے ہیں۔ [3]

"**اباہ**" یعنی میدان محشر اور قیامت میں یہ چھوٹا بچہ اپنے باپ کو پاتا ہے تو اس کے دامن کو پکڑ لیتا ہے اور سیدھا ان کو جنت لے جاتا ہے گویا ان کو سفارش کا یہ اعزاز حاصل ہوتا ہے۔ [4]

[1] اخرجه مسلم: ۸/۳۹ واحمد: ۲/۳۱ [2] المرقات: ۴/۲۲۰ [3] المرقات: ۴/۲۲۰ [4] المرقات: ۴/۲۲۰

یہاں باپ کا ذکر بطور خاص اس لئے کیا گیا ہے کہ تذکرہ شاید باپ کا چل رہا تھا ورنہ یہ حکم ماں باپ دونوں کے لئے ہے اس قسم کی دیگر احادیث بھی آنے والی ہیں۔

عہد نبوی ﷺ میں عورتوں کے مدرسے کا ایک نمونہ

﴿۳۲﴾ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ جَاءَتِ امْرَأَةٌ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ ذَهَبَ الرِّجَالُ بِحَدِيثِكَ فَاجْعَلْ لَنَا مِنْ نَفْسِكَ يَوْماً نَأْتِيكَ فِيهِ تُعَلِّمُنَا مِمَّا عَلَّمَكَ اللّٰهُ فَقَالَ اجْتَمِعْنَ فِي يَوْمِ كَذَا وَكَذَا فِي مَكَانِ كَذَا وَكَذَا فَاجْتَمَعْنَ فَأَتَاهُنَّ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَلَّمَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَهُ اللّٰهُ ثُمَّ قَالَ مَا مِنْكُنَّ امْرَأَةٌ تُقَدِّمُ بَيْنَ يَدَيْهَا مِنْ وَلَدِهَا ثَلَاثَةً إِلَّا كَانَ لَهَا حِجَاباً مِنَ النَّارِ فَقَالَتِ امْرَأَةٌ مِنْهُنَّ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَوِ اثْنَيْنِ فَأَعَادَتْهَا مَرَّتَيْنِ ثُمَّ قَالَ وَاثْنَيْنِ وَاثْنَيْنِ وَاثْنَيْنِ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) ایک عورت رسول کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگی کہ "یارسول اللہ ﷺ: مردوں نے تو آپ ﷺ کے مقدس ارشادات سے استفادہ کیا اب آپ ﷺ ایک دن ہمارے لئے بھی مقرر کر دیجئے تا کہ ہم اس دن آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جائیں اور آپ ﷺ ہمیں وہ باتیں بتائیں جو خدا نے آپ کو بتائیں ہیں"۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "اچھا تم عورتیں فلاں دن، فلاں وقت فلاں مکان میں (یعنی مسجد میں یا کسی گھر میں) اور فلاں جگہ (یعنی مسجد یا مکان کے اگلے حصہ میں یا پچھلے حصہ میں) جمع ہو جانا، چنانچہ (جب آپ ﷺ کے ارشاد کے مطابق) عورتیں جمع ہو گئیں تو رسول کریم ﷺ ان کے پاس تشریف لائے اور آپ ﷺ نے انہیں وہ باتیں سکھائیں جو خدا تعالیٰ نے آپ ﷺ کو سکھائی تھیں پھر آپ ﷺ نے (یہ بھی) ارشاد فرمایا" کہ تم میں سے جس نے اپنی اولاد میں سے (تین لڑکیاں یا لڑکے) آگے بھیج دی ہوں (یعنی اس کے تین بچے مر گئے ہوں) تو وہ بچے اس کے لئے آگ سے پردہ ہو جائیں گے (یعنی اسے دوزخ میں نہ جانے دیں گے) ان میں سے ایک عورت نے یہ الفاظ دو مرتبہ کہے چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "جس عورت کے دو بچے مر گئے ہوں یا دو یا دو (یعنی جس عورت کے تین بچے مرے ہوں اس کے لئے بھی یہ ثواب ہے اور جس عورت کے دو ہی بچے مرے ہوں اس کے لئے بھی یہی بشارت ہے۔

توضیح: "فأتاهن" خلاصہ یہ کہ عہد نبوی میں عورتوں نے حضور اکرم ﷺ سے یہ درخواست کی کہ مرد حضرات ہر وقت آپ ﷺ کی مجلس میں رہتے ہیں اس لئے آپ ﷺ کی نصیحت اور آپ ﷺ کی احادیث کو انہوں نے سمیٹ لیا ہم محروم رہ گئیں لہٰذا ہمارے لئے بھی ایک دن ہفتہ میں آپ ﷺ مقرر فرمائیں تا کہ ہم آپ کی مجلس سے فائدہ اٹھا سکیں

---

[1] اخرجه البخاري: ۱/۳۶

حضور اکرم ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ فلاں دن فلاں مکان میں تم جمع ہو جایا کرو چنانچہ وہ جمع ہو گئیں پھر حضور اکرم ﷺ ان کے پاس آگئے اور ان کو نصیحت فرمائی۔[1]

سوال: ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ شارحین حدیث نے یہاں ایک سوال اٹھایا ہے وہ یہ ہے کہ علم کے حصول کے بارے میں یہ الفاظ مستند ہیں کہ "العلم یؤتی ولا یأتی" یعنی علم کے پاس آیا جاتا ہے علم کسی کے پاس نہیں جاتا اس قاعدہ مسلمہ کی رو سے یہ سوال ہے کہ حضور اکرم ﷺ جو علم کا خزانہ تھے وہ ان عورتوں کے پاس کیسے تشریف لے گئے یہ تو معاملہ الٹا ہو گیا کہ عالم متعلم کے پاس جا رہا ہے۔

جواب: اس کا جواب علماء نے یہ دیا ہے کہ یہاں اصل میں ایک مدرسہ کی سی صورت بن گئی تھی کیونکہ محلہ کی عورتیں اڑوس پڑوس سے آکر ایک مکان میں بیٹھ گئیں تو یہ مکان اب عورتوں کا مدرسہ بن گیا اور مدرسہ کی طرف عالم کا جانا آنا معروف ومشہور ہے اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ عہد نبوی میں اجمالی طور پر عورتوں کی درسگاہ اور ان کی تعلیم کے لئے ایک مدرسہ کی صورت بن گئی تھی اگرچہ عہد صحابہ رضی اللہ عنہم اور عہد نبوی میں اس کا تسلسل نہیں رہا اس حدیث سے بعض لوگ عورتوں کے تبلیغ میں نکلنے پر استدلال کرتے ہیں حالانکہ یہ مدینہ منورہ کے ایک محلہ کے اندر ایک مکان میں جمع ہونے کا ذکر ہے جو وقتی بات تھی اور جو عام طور پر اب بھی علماء وصلحاء کی نصیحت اور وعظ سننے کے لئے اکٹھی ہو جاتی ہیں۔ اس پر تبلیغ میں نکلنے کے لمبے چوڑے اسفار اور امریکہ وافریقہ اور لندن وہالینڈ تھائی لینڈ اور بنکاک کے دوروں کا قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔ سلف صالحین کے زمانہ میں عورتوں کا تبلیغ کے لئے نکلنا ثابت نہیں ہے اور جو کام سلف نے نہیں کیا ہو اس میں خیر کا غالب ہونا ممکن نہیں چنانچہ عورتوں کی تبلیغ میں فوائد کے ساتھ ساتھ بڑے بڑے نقصانات بھی ہوتے ہیں جو بھائی لوگ چھپاتے ہیں۔[2]

ناتمام بچہ بھی والدہ کو جنت لے جائے گا

﴿۳۳﴾ وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُسْلِمَيْنِ يُتَوَفّٰى لَهُمَا ثَلَاثَةٌ اِلَّا أَدْخَلَهُمَا اللّٰهُ الْجَنَّةَ بِفَضْلِ رَحْمَتِهِ اِيَّاهُمَا فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَوِ اثْنَانِ قَالَ اَوِ اثْنَانِ قَالُوْا اَوْ وَاحِدٌ قَالَ اَوْ وَاحِدٌ ثُمَّ قَالَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ اِنَّ السِّقْطَ لَيَجُرُّ اُمَّهٗ بِسَرَرِهٖ اِلَى الْجَنَّةِ اِذَا احْتَسَبَتْهُ. (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَرَوَى ابْنُ مَاجَه مِنْ قَوْلِهٖ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ)[3]

ترجمہ: اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جن دو مسلمانوں کے (یعنی ماں اور باپ کے) تین بچے مرجائیں تو اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل ورحمت سے ان دونوں یعنی ماں باپ کو جنت میں داخل کرے گا"۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ "یارسول اللہ ﷺ! یہ بھی فرمادیجئے کہ یا جن کے دو بچے مرگئے ہوں (ان کے لئے بھی یہ بشارت ہے) آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "ہاں جن کے دو بچے بھی مرجائیں"۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پھر عرض کیا کہ "یارسول اللہ ﷺ! یہ بھی

[1] المرقات: ۴/۲۲۱ [2] المرقات: ۴/۲۲۲ [3] اخرجہ احمد: ۵/۲۴۱ ابن ماجہ: ۱۶۰۹

فرما دیجئے کہ یا ایک"۔ آپ ﷺ نے فرمایا "ہاں ایک بچہ (بھی اگر مرجائے تو اس کے والدین کے لئے یہ بشارت ہے) پھر آپ ﷺ نے فرمایا "قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر کسی عورت کا کچا حمل بھی گر جائے تو وہ اپنی ماں کو اپنی انونال کے ذریعہ بہشت کی طرف کھینچے گا بشرطیکہ اس کی ماں صبر کرے اور اس کے مرنے کو (اپنے حق میں) ثواب شمار کرے"۔ (احمد) ابن ماجہ نے اس روایت کو والذی نفسی بیدہ سے آخر تک نقل کیا ہے۔

توضیح: "**السقط**" ناتمام بچہ جو وقت سے پہلے ماں کے پیٹ سے گر جائے اس کو سقط کہتے ہیں۔[1]

"**بفضل رحمته**" یعنی اس بچہ کو یہ اختیار نہیں کہ اپنے حکم سے ماں کو جنت لے جائے جنت میں داخل ہونے کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت اصل اور بنیاد ہے البتہ اس بچہ کی موت پر اللہ تبارک وتعالیٰ یہ اعزاز دیتا ہے کہ وہ بچہ اپنی ماں کو انونال کے ذریعہ سے کھینچ کر جنت لے جائے انونال بچے کے ناف کے ساتھ ایک تسمہ ہوتا ہے جو پیدائش کے وقت بچہ دانی کی جھلی سے کٹ کر ناف کے ساتھ لٹکتا ہے ڈاکٹر لوگ اس کو پیدائش کے وقت بطور صفائی ناف کی جڑ سے کاٹ دیتے ہیں جس سے اس بچہ کو بعد میں بہت تکلیف ہوتی ہے اور ناف خراب ہو جاتا ہے اس کے برعکس دیہاتی نظام یہ ہے کہ اس تسمہ کو کئی دن تک لٹکا رہنے دیتے ہیں اور دھاگہ سے باندھ دیتے ہیں یہ خود کٹ جاتا ہے جس میں ناف صحیح سالم رہ جاتا ہے۔[2]

"**احتسبته**" کسی صدمہ پر صبر کرنے اور ثواب کی امید رکھنے کو احتساب کہتے ہیں۔[3]

چھوٹے بچوں کی موت والدین کے لئے آگ سے محفوظ قلعہ ہے

﴿۳۴﴾ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَدَّمَ ثَلَاثَةً مِنَ الْوَلَدِ لَمْ يَبْلُغُوا الْحِنْثَ كَانُوْا لَهُ حِصْناً حَصِيْنًا مِنَ النَّارِ فَقَالَ أَبُوْ ذَرٍّ قَدَّمْتُ اثْنَيْنِ قَالَ وَاثْنَيْنِ قَالَ أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ أَبُو الْمُنْذِرِ سَيِّدُ الْقُرَّاءِ قَدَّمْتُ وَاحِداً قَالَ وَوَاحِداً۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَه وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)[4]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جس شخص نے اپنی اولاد میں سے ایسے تین بچے جو حد بلوغت کو نہ پہنچے ہوں آگے بھیجے ہوں (یعنی اس کے مرنے سے پہلے مر گئے ہوں) تو وہ اس کے لئے آگ سے مضبوط پناہ ہوں گے" (یہ سن کر) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ "میں نے تو دو بچے بھیجے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا اور دو بھی حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے کہ جن کی کنیت ابوالمنذر رضی اللہ عنہ ہے اور قاریوں کے سردار ہیں کہا کہ "میں نے تو ایک ہی بھیجا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اور ایک بھی (آگ سے پناہ ہوگا)۔ (ترمذی، ابن ماجہ) اور امام ترمذی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے۔

[1] المرقات: ۴/۲۲۲ [2] المرقات: ۴/۲۲۲ [3] المرقات: ۴/۲۲۳ [4] اخرجہ الترمذی: ۱۰۶۱ ابن ماجہ

ایک صحابی رضی اللہ عنہ کی اپنے بچے سے عجیب محبت اور بچے کی موت

﴿۳۵﴾ وَعَنْ قُرَّةَ الْمُزَنِيِّ أَنَّ رَجُلاً كَانَ يَأْتِي النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَهُ ابْنٌ لَهُ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتُحِبُّهُ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَحَبَّكَ اللّٰهُ كَمَا أُحِبُّهُ فَفَقَدَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا فَعَلَ ابْنُ فُلَانٍ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَاتَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَا تُحِبُّ أَنْ لَا تَأْتِيَ بَاباً مِنْ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ إِلَّا وَجَدْتَهُ يَنْتَظِرُكَ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُ خَاصَّةً أَمْ لِكُلِّنَا قَالَ بَلْ لِكُلِّكُمْ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ)[1]

ترجمہ: اور حضرت قرۃ مزنی رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ ایک شخص تھا جو نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں آیا کرتا تھا اور اس کا لڑکا بھی اس کے ساتھ ہوتا تھا۔ (ایک دن) نبی کریم ﷺ نے اس سے فرمایا کہ "کیا تم اسے (بہت ہی) عزیز رکھتے ہو (جو ہر وقت تمہارے ساتھ ہی ہوتا ہے) اس نے عرض کیا کہ یارسول اللہ: (میں اس سے اپنی محبت کو کیا بتاؤں بس) اللہ تبارک وتعالیٰ آپ ﷺ سے ایسی ہی محبت کرے جیسا کہ میں اپنے اس بچہ سے کرتا ہوں (کچھ عرصہ کے بعد) آنحضرت ﷺ نے اس بچہ کو (اپنے باپ کے ساتھ) نہیں پایا تو پوچھا کہ "فلاں شخص کا بیٹا کیا ہوا؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ "یارسول اللہ: اس کا لڑکا تو مر گیا" (اس کے بعد جب وہ شخص حاضر ہوا تو اس سے) آپ ﷺ نے فرمایا کہ "کیا تمہیں یہ بات پسند نہیں ہے کہ (کل قیامت کے روز) تم جنت کے جس دروازہ پر بھی جاؤ وہاں اپنے لڑکے کو اپنا منتظر پاؤ (تاکہ وہ تمہاری سفارش کرے اور تمہیں اپنے ساتھ جنت میں لے جائے) ایک شخص نے عرض کیا کہ "یارسول اللہ: یہ بشارت بطور خاص اسی شخص کے لئے ہے یا سب کے لئے"؟ آپ ﷺ نے فرمایا تم سب کے لئے ہے"۔ (احمد)

توضیح: "کما احبه" یعنی جس طرح مجھے اپنے اس بیٹے سے شدید محبت ہے یارسول اللہ! اللہ تبارک وتعالیٰ آپ سے اسی طرح محبت رکھے، یہ اس شخص کا اپنے بچے سے انتہائی جذباتی انداز سے محبت کا اظہار ہے۔ قدرت کا نظام دیکھئے کہ یہی بچہ کچھ دن بعد انتقال کر گیا جس کا حضور اکرم ﷺ نے پوچھا اور پھر ان کے والد کو بڑی بشارت سنادی کہ جنت کے جس دروازہ پر جاؤ گے تیرا بچہ تیرے انتظار میں کھڑا ہوگا اور اندر بلائے گا۔ پھر حضور نے اس فضیلت کو پوری امت کے لئے عام بتادیا۔[2]

ناتمام بچہ جھگڑ کر والدین کو جنت لے جائے گا

﴿۳۶﴾ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ السِّقْطَ لَيُرَاغِمُ رَبَّهُ إِذَا أَدْخَلَ

[1] اخرجه احمد: ۳/۴۳۶، ۵/۳۴، ۳۵ [2] المرقات: ۴/۲۴۴

أَبَوَيْهِ النَّارَ فَيُقَالُ أَيُّهَا السِّقْطُ الْمُرَاغِمُ رَبَّهُ أَدْخِلْ أَبَوَيْكَ الْجَنَّةَ فَيَجُرُّهُمَا بِسَرَرِهٖ حَتّٰى يُدْخِلَهُمَا الْجَنَّةَ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه)[1]

ترجمہ: اور حضرت علی رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''جب اللہ تبارک وتعالیٰ سقط (یعنی ناتمام بچہ جو ماں کے پیٹ سے وقت سے پہلے گر گیا ہوگا) کے والدین کو دوزخ میں داخل (کرنے کا ارادہ) کرے گا تو وہ اپنے پروردگار سے جھگڑے گا چنانچہ اس سے کہا جائے گا کہ ''پروردگار سے جھگڑنے والے اے ناتمام بچے: اپنے ماں باپ کو جنت میں لے جاؤ'' لہٰذا وہ ناتمام بچہ اپنے والدین کو اپنی آنو نال کے ذریعہ کھینچے گا یہاں تک کہ انہیں جنت میں لے جائے گا''۔ (ابن ماجہ)

توضیح: ''لیراغم ربہ'' مراغمہ خاک آلود اور غصہ وغضبناک ہونے کے معنی میں ہے یہاں اس سے مراد یہ ہے کہ جب ناتمام چھوٹے بچے کے والدین کو اللہ تبارک وتعالیٰ ان کے گناہ کی وجہ سے دوزخ میں داخل کرنا چاہے گا۔ تو یہ ناتمام بچہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے جھگڑا کریگا کہ میرے والدین کو دوزخ میں داخل نہ کیا جائے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اس ناتمام بچے کی بات کو مان لے گا اور ان سے کہا جائے گا کہ اے جھگڑنے والے غضبناک بچے اپنے انو نال کے ذریعہ سے اپنے والدین کو جنت لیجاؤ چنانچہ وہ ناف کے تسمہ کے ساتھ اپنے والدین کو کھینچ کر جنت داخل کر دیگا۔[2]

حادثہ فاجعہ پر صبر کرنے والے کا بدلہ صرف جنت ہے

﴿۳۷﴾ وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَقُولُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى يَا ابْنَ آدَمَ إِنْ صَبَرْتَ وَاحْتَسَبْتَ عِنْدَ الصَّدْمَةِ الْأُولٰى لَمْ أَرْضَ لَكَ ثَوَابًا دُونَ الْجَنَّةِ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ ''اللہ تبارک وتعالیٰ (انسان کو مخاطب کرتے ہوئے) فرماتا ہے کہ ''اے ابن آدم: اگر تو (کسی مصیبت کے وقت) صبر کرے اور صدمہ کے ابتدائی مرحلہ ہی پر ثواب کا طلبگار رہو تو میں تیرے لئے جنت میں سے کم کسی اجر وثواب پر راضی نہیں ہوتا (یعنی میں تجھے اس کے بدلہ میں جنت ہی میں داخل کروں گا)۔ (ابن ماجہ)

ہر بار استرجاع پڑھنے پر نیا ثواب ملتا ہے

﴿۳۸﴾ وَعَنِ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ وَلَا مُسْلِمَةٍ يُصَابُ بِمُصِيبَةٍ فَيَذْكُرُهَا وَإِنْ طَالَ عَهْدُهَا فَيُحْدِثُ لِذٰلِكَ اسْتِرْجَاعًا إِلَّا جَدَّدَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى لَهُ عِنْدَ ذٰلِكَ فَأَعْطَاهُ مِثْلَ أَجْرِهَا يَوْمَ أُصِيبَ بِهَا۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ)[4]

ترجمہ: اور حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''جس مسلمان مرد وعورت کو کوئی مصیبت

[1] اخرجہ ابن ماجہ ۱۶۰۸ [2] المرقات: ۴/۲۲۵ [3] اخرجہ ابن ماجہ: ۱۵۹۷ [4] اخرجہ احمد: ۱/۲۰۱

وصدمہ پہنچے اور خواہ کتنا ہی طویل زمانہ گزر جانے کے بعد وہ مصیبت وصدمہ یاد آجائے اور وہ اس وقت انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ لے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے لئے ثواب ثابت کر دیتا ہے چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ اسے وہی اجر وثواب عطا فرماتا ہے جو اس دن عطا کیا گیا تھا جبکہ وہ اس مصیبت وصدمہ سے دو چار ہوا تھا (اور اس پر صبر کیا تھا)۔ (احمد، بیہقی)

توضیح: یعنی جب آدمی پہلی دفعہ صدمہ پر "انا للہ وانا الیہ راجعون" پڑھتا ہے تو اس کو استرجاع کا ثواب ملتا ہے لیکن اگر کسی شخص کو بعد میں اس حادثہ کا احساس ہو جائے اور استرجاع کرے تو اللہ تبارک وتعالیٰ ہر بار اس کو نیا نیا ثواب عطا کرتا ہے اور اس میں کوئی کمی نہیں ہوتی ہے۔ یہ ثواب اتنا ہی ہوتا ہے جتنا کہ صدمہ کی ابتداء میں ہوتا ہے۔

معمولی تکلیف پر بھی استرجاع کرنا چاہئے

﴿۳۹﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا انْقَطَعَ شِسْعُ أَحَدِكُمْ فَلْيَسْتَرْجِعْ فَإِنَّهُ مِنَ الْمَصَائِبِ.

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کے جوتے کا تسمہ ٹوٹ جائے تو وہ استرجاع کرے کیونکہ یہ بھی ایک مصیبت ہے۔

نعمت پر شکر اور مصیبت پر صبر کرنا اس امت کا شعار ہے

﴿۴۰﴾ وَعَنْ أُمِّ الدَّرْدَاءِ قَالَتْ سَمِعْتُ أَبَا الدَّرْدَاءِ يَقُوْلُ سَمِعْتُ أَبَا الْقَاسِمِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِنَّ اللهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى قَالَ يَا عِيْسَى إِنِّي بَاعِثٌ مِنْ بَعْدِكَ أُمَّةً إِذَا أَصَابَهُمْ مَا يُحِبُّوْنَ حَمِدُوا اللهَ وَإِنْ أَصَابَهُمْ مَا يَكْرَهُوْنَ احْتَسَبُوْا وَصَبَرُوْا وَلَا حِلْمَ وَلَا عَقْلَ فَقَالَ يَا رَبِّ كَيْفَ يَكُوْنُ هٰذَا لَهُمْ وَلَا حِلْمَ وَلَا عَقْلَ قَالَ أُعْطِيْهِمْ مِنْ حِلْمِيْ وَعِلْمِيْ. (رَوَاهُمَا الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيْمَانِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ام درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ حضرت ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا تھا کہ اے عیسیٰ علیہ السلام: میں تمہارے بعد ایک امت پیدا کروں گا کہ جب انہیں کوئی پسندیدہ چیز (یعنی نعمت وراحت) ملے گی تو وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر ادا کریں گے اور جب کوئی ناپسندیدہ چیز (یعنی تکلیف ومصیبت) پہنچے گی تو ثواب کی امید رکھیں گے اور صبر کریں گے درآنحالیکہ نہ تو عقل ہوگی اور نہ بردباری"۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ "اے میرے پروردگار یہ کیوں کر ہوگا جبکہ نہ عقل ہوگی نہ بردباری: پروردگار نے فرمایا "میں اپنے حلم اور اپنے علم میں سے (کچھ حصہ) دیدوں گا"۔ (یہ دونوں روایتیں بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کی ہیں)

[1] المرقات: ۴/۲۴۷

توضیح: "ولا حلم ولا عقل" حلم بردباری اور وقار وسکون کو کہتے ہیں یعنی امت مرحومہ امت محمدیہ کے خاص خاص افراد کی یہ کیفیت ہوگی کہ جانکاہ اور شدید حادثہ کی وجہ سے عقل اور صبر کام نہیں کریں گے لیکن پھر بھی یہ لوگ حلم وعلم اور عقل ودانش ہاتھ سے جانے نہیں دیں گے اور قضا وقدر کے سامنے گردن جھکا کے رکھیں گے۔[1]

اس حیرت ناک صورت کو سن کر حضرت عیسی علیہ السلام نے پوچھا کہ اے اللہ جب عقل ودانش بھی نہ ہو اور علم وحلم بھی نہ ہو تو یہ لوگ اچھا کام اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی تعریف کیسے کریں گے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت عیسی علیہ السلام کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ میں ان کو اپنے پاس سے علم ودانش اور صبر وسکون دیدوں گا۔

الحمد للہ آج مورخہ ۲۵ رمضان بروز جمعرات ۱۹ نومبر ۲۰۰۳ء جنائز کی یہ تحریرات سوا گیارہ بجے کعبے کے سامنے مکمل ہوگئیں۔

"والحمد لله على نعمائه والشكر على آلائه"۔

---

[1] المرقات: ۴/۲۲۷

مورخہ ۶ جمادی الثانی ۱۴۱۰ھ

باب زیارۃ القبور

قبروں کی زیارت کرنے کا بیان

قال اللہ تعالیٰ ﴿ثم اماته فاقبره ثم اذاشآء انشره﴾[۱]

الفصل الاول

زیارت قبور مستحب ہے

﴿۱﴾ عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ فَزُوْرُوْهَا وَنَهَيْتُكُمْ عَنْ لُحُوْمِ الْأَضَاحِيِّ فَوْقَ ثَلَاثٍ فَأَمْسِكُوْا مَا بَدَا لَكُمْ وَنَهَيْتُكُمْ عَنِ النَّبِيْذِ إِلَّا فِيْ سِقَاءٍ فَاشْرَبُوْا فِي الْأَسْقِيَةِ كُلِّهَا وَلَا تَشْرَبُوْا مُسْكِرًا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[۲]

ترجمہ: حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”(پہلے تو) میں نے تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کر دیا تھا مگر (اب) تم قبروں کی زیارت کر لیا کرو، اسی طرح میں نے قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ (رکھ کر) کھانے کو منع کیا تھا اور اب تم جب تک چاہو اسے کھاؤ، نیز میں نے نبیذ کو سوائے مشک کے (دوسرے برتنوں میں رکھ کر پینے سے) منع کیا تھا، اب تم (جن برتنوں میں چاہو) سب میں پی لیا کرو لیکن نشہ کی کوئی چیز (کبھی نہ پینا)“۔ (مسلم)

توضیح: حضور اکرم ﷺ نے ابتداء میں قبور کی زیارت سے مطلقاً منع فرمایا تھا کیونکہ زمانہ جاہلیت قریب تھا قبروں پر جانے سے شرک آنے کا امکان تھا کیونکہ شرک قبروں ہی کے راستہ سے آتا ہے اور بے جا محبت کی وجہ سے آتا ہے جب مسلمانوں میں توحید کا عقیدہ راسخ ہو گیا اور طریقہ اسلام طریقہ جاہلیت سے ممتاز ہو گیا اور شرک میں پڑ جانے کا خطرہ نہ رہا تو آنحضرت ﷺ نے قبور کی زیارت کی اجازت دیدی جو زیر بحث حدیث **"فزوروھا"** کے الفاظ سے واضح طور پر معلوم ہو رہی ہے اب مسئلہ یہ رہ گیا کہ قبور کی زیارت کی عمومی ممانعت کے بعد جو اجازت دی گئی ہے وہ کس درجہ کی ہے آیا مردوں کے ساتھ عورتوں کے لئے بھی یہ اجازت عام ہے یا یہ اجازت صرف مردوں تک محدود ہے؟ اس میں علماء کرام کا کچھ اختلاف ہے۔

علما کے ایک طبقے کا خیال ہے کہ زیارات کی عمومی ممانعت کے بعد اجازت کا یہ حکم عام ہے لہٰذا عورتیں بھی قبور کی زیارات کے لئے جا سکتی ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قبر کی زیارت کے لئے جانا ثابت ہے اور انہوں نے حضور اکرم ﷺ

[۱] عبس الایہ: ۲۱ [۲] اخرجہ مسلم: ۶۵/۳، ۲۸/۱، ۹۸

سے اس کا طریقہ بھی سیکھا ہے اسی طرح مستدرک حاکم کی ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی اپنی پھوپھی کی قبر پر زیارت کے لئے بروز جمعہ جایا کرتی تھیں ان علماء کا خیال ہے کہ زیارت قبور کی یہ ممانعت وقتی تھی جو بعد میں منسوخ ہوگئی لہٰذا عورتوں کا قبروں پر جانا جائز ہے۔

لیکن علماء کا ایک بڑا طبقہ اس طرف گیا ہے کہ عورتوں کو زیارت کے لئے قبروں پر جانا اب بھی منع ہے یہ حضرات ان احادیث سے استدلال کرتے ہیں جن میں آیا ہے کہ "ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعن زوارات القبور" (رواہ ترمذی)

اس حدیث کو صاحب مشکوۃ نے فصل ثالث میں نقل کیا ہے جو حدیث ۹ ہے۔ اس میں امام ترمذی کی رائے کو بھی نقل کیا گیا ہے کہ بعض علماء عورتوں کے قبروں پر جانے کو منع کرتے ہیں اور بعض جائز کہتے ہیں۔ [۱]

محققین علماء نے یہاں ایک اچھا راستہ اختیار کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ عمر رسیدہ عورتیں جو قبروں کی زیارات کے آداب سے واقف ہوں وہ تو زیارت کے لئے جاسکتی ہیں جیسے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ثابت ہے لیکن جو عورتیں جوان ہوں یا بوڑھی ہوں لیکن زیارت قبور کے آداب سے واقف نہ ہوں مثلاً قبر پر جا کر صاحب قبر سے استمداد کرتی ہوں جزع فزع کرتی ہوں قبروں سے مٹی اٹھا کر بطور تبرک گھر لیجاتی ہوں تو ایسے عورتوں کے لئے زیارت قبور مطلقاً منع ہے واضح رہے مذکورہ شرائط آج کل مفقود ہیں۔

علماء نے آداب قبور میں سے یہ لکھا ہے کہ آدمی قبر کو نہ جھکے، نہ قبر کے سامنے سجدہ کرے نہ اس سے مٹی اٹھائے نہ اپنے جسم کا کوئی حصہ قبر سے رگڑے نہ قبر کو چومے نہ قبر کا طواف کرے نہ قبروں پر پھول ڈالے اور نہ غلاف چڑھائے بلکہ کھڑے کھڑے بغیر ہاتھ اٹھائے دعا مانگے اور چلا جائے۔

بعض علماء کا خیال ہے کہ دعا میں ہاتھ اٹھا سکتے ہیں بعض علماء کہتے ہیں کہ اگر ہاتھ اٹھانا ہے تو پھر قبر کے بجائے قبلہ کی طرف منہ کرے۔ آج کل کے زمانے میں ہر قسم کی عورتوں کا قبروں پر جانا خطرات سے خالی نہیں ہے احتیاط اسی میں ہے کہ عورتیں قبرستان نہ جائیں۔

چنانچہ شاہ محمد اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ معتمد قول یہ ہے کہ عورتوں کا قبروں پر جانا مکروہ تحریمی ہے۔ نیز فقہ کی کتاب مستملی میں لکھا ہے کہ قبروں کی زیارت مردوں کے لئے مستحب ہے۔ لیکن عورتوں کے لئے مکروہ ہے۔

مجالس واعظیہ ایک کتاب ہے اس میں لکھا ہے کہ عورتوں کے لئے حلال نہیں ہے کہ وہ قبروں پر جائیں کیونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ "انہ علیہ السلام لعن زوارات القبور"۔ [۲]

نصاب الاحتساب ایک معتمد کتاب ہے اس میں لکھا ہے کہ قاضی ابوزید رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ عورتوں کا قبروں پر جانا

---

[۱] المرقات: ۴/۲۲۸ [۲] المرقات: ۴/۲۲۸

جائز ہے یا نہیں تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ جواز وعدم جواز کی بات نہ پوچھو بلکہ یہ پوچھو کہ قبرستان میں جانے والی عورت پر کتنی لعنت برستی ہے ایک روایت میں آیا ہے کہ جو عورت مقبرہ پر جاتی ہے ساتوں زمینوں اور ساتوں آسمانوں کے فرشتے اس پر لعنت بھیجتے ہیں۔

یہ بات یادرکھنی ضروری ہے کہ عورتوں کے لئے قبروں پر جانے کا یہ مسئلہ عام قبور کے بارے میں ہے اور رسول اللہ ﷺ کی قبر اور اس کی زیارت اس سے مستثنیٰ ہے چنانچہ وہ خلفاً سلفاً تا حال جاری ہے۔

زیارت قبور کے اقسام:

مقاصد کے اعتبار سے قبروں پر جانے کی کئی قسمیں ہیں۔

❶ اول محض موت کو یاد کرنے کی غرض سے جانا اور انسان کی بے بسی کو دل ودماغ میں بٹھانے کی غرض سے جانا ہے اگر مقصد یہی ہو تو مسلمانوں کے کسی بھی قبر پر جانے سے یہ مقصد حاصل ہو جاتا ہے۔

❷ دوم ایصال ثواب کی غرض سے قبر پر جانا ہے اس مقصد کے حصول کے لئے ہر مسلمان کو ہر قبر پر جانا جائز ہے۔ البتہ عورتوں کا مسئلہ الگ ہے جو اس سے پہلے لکھا گیا ہے۔

❸ سوم حصول برکت وسعادت کے لئے جانا ہے اس مقصد کے حصول کے لئے اولیاء اللہ اور بزرگان دین کی قبروں اور ان کی مرقدوں کی زیارت کی جاتی ہے، اس جانے کا مطلب یہ نہیں کہ وہاں جا کر اولیاء اللہ سے استمداد کرنا شروع کرے اور اپنی حاجات کو ان کے سامنے عرض کرے بلکہ مقصد یہ ہے کہ ان کے مزارات مرکز برکات ہیں اس پر جانے سے برکت حاصل ہو جاتی ہے برکت دینے والا صرف اللہ تبارک وتعالیٰ ہوتا ہے صاحب قبر صرف اس برکت کے لئے مظہر اور ذریعہ بنتا ہے علماء نے ایسا ہی لکھا ہے مجھے خود اس زیارت کا زیادہ تجربہ نہیں ہے۔

❹ چہارم عزیز واقارب والدین اور دوست احباب کی قبروں پر دعائے مغفرت اور یادرفتگان کی غرض سے جانا ہے۔

❺ پنجم مزارات اور قبور اولیاء پر جا کر منتیں ماننا اور استمداد کرنا اور ان سے حاجات مانگنا اس مقصد کے لئے آج کل عام لوگ جاتے ہیں یہ خالص بدعت اور بعض صورتوں میں خالص شرک ہے جس سے احتراز کرنا ہر مسلمان کے ایمان کی ذمہ داری ہے۔

"لحوم الاضاحی" ابتداء اسلام میں تنگی کی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے حکم دیا تھا کہ تین دن سے زیادہ گھر میں قربانی کا گوشت نہ رکھا جائے اس سے آپ ﷺ کا مقصد یہ تھا کہ لوگ قربانی کے گوشت کو غریبوں پر تقسیم کریں اور ان کی مدد کریں ذخیرہ نہ کریں۔

پھر جب معاشرہ میں مالی وسعت آگئی اور عام لوگ قربانی کرنے لگے تو یہ حکم موقوف ہو گیا۔[1]

"النبیذ" نبیذ کھجور وغیرہ پھلو کے خاص شیرہ کا نام ہے نبیذ کی پوری تفصیل کتاب الطہارت میں ہو چکی ہے ابتداء اسلام

[1] المرقات: ۴/۲۳۹

میں جب شراب کی حرمت کا حکم آ گیا تو نفرت دلانے کے لئے آنحضرت ﷺ نے شراب کے برتنوں کے توڑنے کا حکم دیا بعد میں جب حرمت خمر مسلمانوں کے دلوں میں راسخ ہوگئی۔ تو پھر نبیذ رکھنے اور تیار کرنے کی عام پابندی ختم ہوگئی پہلے یہ نبیذ صرف مشکیزہ میں رکھنے کی اجازت تھی پھر تمام برتنوں میں رکھنے کی اجازت مل گئی جس کا ذکر اس حدیث میں ہے۔[1]

سید دو عالم ﷺ اپنی والدہ کی قبر پر

﴿۲﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ زَارَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْرَ أُمِّهِ فَبَكَى وَأَبْكَى مَنْ حَوْلَهُ فَقَالَ اسْتَأْذَنْتُ رَبِّي فِي أَنْ أَسْتَغْفِرَ لَهَا فَلَمْ يُؤْذَنْ لِي وَاسْتَأْذَنْتُهُ فِي أَنْ أَزُوْرَ قَبْرَهَا فَأُذِنَ لِي فَزُوْرُوا الْقُبُوْرَ فَإِنَّهَا تُذَكِّرُ الْمَوْتَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ اپنی والدہ محترمہ کی قبر پر تشریف لے گئے تو آپ ﷺ روئے اور ان لوگوں کو بھی رلایا جو آپ ﷺ کے ہمراہ تھے پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ "میں نے اپنے پروردگار سے اس بات کی اجازت چاہی تھی کہ اپنی والدہ کے لئے بخشش چاہوں مگر مجھے اس کی اجازت نہیں دی گئی، پھر میں نے اپنے پروردگار سے اس بات کی اجازت مانگی کہ اپنی والدہ کی قبر پر حاضری دوں تو مجھے اس کی اجازت عطا فرما دی گئی، لہٰذا تم قبروں پر جایا کرو کیونکہ قبروں پر جانا موت کو یاد دلاتا ہے"۔ (مسلم)

توضیح: "قبر امہ" حضور اکرم ﷺ کی والدہ کا نام آمنہ تھا اور آپ کے والد کا نام عبداللہ تھا آمنہ کا انتقال مکہ و مدینہ کے درمیان ایک مقام پر ہوا جس کا نام ابواء ہے۔ حضور اکرم ﷺ اپنی والدہ کی قبر پر تشریف لائے اور دیر تک کھڑے رہے خود بھی روئے اور دوسروں کو بھی رلایا اور پھر یہ ارشاد فرمایا جو اس حدیث میں ہے اب یہ بحث چلی ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے والدین کے اسلام کے بارے میں کیا موقف اختیار کیا جائے۔[3]

علماء سلف کا خیال ہے کہ ان کا انتقال حالت کفر پر ہوا تھا، ظاہری احادیث سے بھی یہی بات معلوم ہوتی ہے لیکن علماء متاخرین فرماتے ہیں کہ چند وجوہ سے حضور اکرم ﷺ کے والدین کا اسلام ثابت ہے۔[4]

❶ یا تو حضور اکرم ﷺ کے والدین ملت ابراہیمی پر تھے ملت شرکیہ پر نہیں تھے۔

❷ یا یہ کہ وہ زمانہ فترت میں انتقال کر گئے اور ان کو کوئی اسلامی دعوت نہیں پہنچی تو اصل پر تھے کفر پر نہیں تھے۔

❸ بعض متاخرین کا خیال ہے کہ بطور معجزہ ان کو زندہ کیا گیا اور ایمان قبول کر کے پھر وہ لوٹائے گئے اس سلسلہ میں متاخرین ایک حدیث بھی پیش کرتے ہیں علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اس پر ایک رسالہ بھی لکھا ہے جس کا نام غالباً **مسالك حنفاء في اسلام والدي المصطفى**، رکھا ہے۔[5]

---

[1] المرقات: ۲۴۹/۴، ۲۵۰ [2] اخرجه مسلم: ۶۵/۳ [3] المرقات: ۲۵۰/۴ [4] المرقات: ۲۵۰/۴ [5] المرقات: ۲۵۱/۴

بہر حال عام علماء فرماتے ہیں کہ اس حساس اور نازک مسئلہ میں احوط و مختار یہ ہے کہ آدمی اس میں سکوت اختیار کرے اور اس فیصلے کو حق تعالیٰ پر چھوڑ دے۔

قبرستان کی دعا

﴿۳﴾ وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَلِّمُهُمْ إِذَا خَرَجُوْا إِلَى الْمَقَابِرِ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللهُ بِكُمْ لَلَاحِقُوْنَ نَسْأَلُ اللهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو سکھلایا کرتے تھے کہ وہ جب قبرستان جائیں تو وہاں یہ کہیں، ترجمہ: سلامتی ہو تم پر اے گھر والے مؤمنین و مسلمین میں سے: یقیناً ہم بھی اگر اللہ تبارک وتعالیٰ چاہے تو تم سے ضرور ملیں گے، ہم اللہ تبارک وتعالیٰ سے اپنے لئے اور تمہارے لئے عافیت (یعنی مکروہات سے نجات) مانگتے ہیں۔

توضیح: مقبرہ اور قبرستان میں قبروں کے پاس سلام کے بعد کچھ دعائیہ کلمات بھی احادیث میں ثابت ہیں مگر اس میں تحدید و تعیین نہیں ہے بلکہ الفاظ میں کچھ تغایر موجود ہے چنانچہ یہاں زیر نظر دعا مذکور ہے۔

اور عام روایات میں وہ دعا ہے جو اس حدیث کے بعد حدیث ۴ میں آرہی ہے ان میں سے جس شخص نے جو بھی دعا پڑھی زیارت کا مسنون طریقہ پورا ہو جائے گا۔

الفصل الثانی

﴿۴﴾ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقُبُوْرٍ بِالْمَدِيْنَةِ فَأَقْبَلَ عَلَيْهِمْ بِوَجْهِهٖ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا أَهْلَ الْقُبُوْرِ يَغْفِرُ اللهُ لَنَا وَلَكُمْ أَنْتُمْ سَلَفُنَا وَنَحْنُ بِالْأَثَرِ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ)[2]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ (ایک مرتبہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے قبرستان سے گزرے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبروں کی طرف روئے مبارک کر کے متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ اے قبر والو: تمہاری خدمت میں سلام پیش ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ ہماری اور تمہاری مغفرت فرمائے تم ہم میں سے پہلے پہنچے ہوئے ہو اور ہم بھی تمہارے پیچھے آنے ہی والے ہیں"۔ (امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

توضیح: "فاقبل علیهم بوجهه" اس حدیث میں یہ واضح الفاظ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبروں کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کو سلام اور دعا پیش کی یہ مسنون طریقہ ہے اور تمام فقہاء و مجتہدین نے اسی کو لیا ہے اور تمام مسلمانوں کا اسی پر عمل ہے۔

[1] اخرجه مسلم: ۳/۶۴ [2] اخرجه الترمذی: ۱۰۵۳

صرف ابن حجر رحمہ اللہ نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ دعا کے وقت منہ قبر کی طرف نہیں بلکہ قبلہ کی طرف کرنا چاہئے۔[1]

شیخ مظہر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ میت کی زیارت زندوں کی زیارت کی طرح ہے جو منہ اور چہرہ کی جانب سے ہوتی ہے الغرض زندگی میں ملاقات کے جو آداب ہوتے ہیں قبر پر بھی انہیں آداب کا خیال رکھنا چاہئے البتہ قبر کی طرف متوجہ ہو کر دعا میں ہاتھ اٹھانا مناسب نہیں ہے کیونکہ اس سے عوام یہی خیال کریں گے کہ یہ شخص اس مردے سے مانگ رہا ہے اس فتنہ کے خطرہ کے پیش نظر ابن حجر رحمہ اللہ کے قول پر عمل زیادہ بہتر ہوگا لیکن ہاتھ اٹھائے بغیر دعا وسلام میں قبر کی طرف متوجہ ہونا بہتر ہے جو عام معمول ہے اگرچہ ہندوستان کے علماء کے بارے میں سنا ہے کہ وہ قبر کی طرف متوجہ ہو کر ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے ہیں۔[2]

الفصل الثالث

رات کے وقت حضور اکرم ﷺ نے قبرستان میں عجیب دعا مانگی

﴿۵﴾ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلَّمَا كَانَ لَيْلَتُهَا مِنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ إِلَى الْبَقِيْعِ فَيَقُوْلُ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ وَأَتَاكُمْ مَا تُوْعَدُوْنَ غَدًا مُؤَجَّلُوْنَ وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللهُ بِكُمْ لَاحِقُوْنَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِأَهْلِ بَقِيْعِ الْغَرْقَدِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[3]

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جس رات کو نبی کریم ﷺ کی باری میرے یہاں ہوتی تھی آپ ﷺ آخری شب میں اٹھ کر (مدینہ کے قبرستان) بقیع تشریف لے جاتے اور وہاں فرماتے۔ سلامتی ہو تم پر اے قوم مؤمنین: تمہارے پاس وہ چیز آئی جس کا تم سے وعدہ کیا گیا (یعنی ثواب وعذاب) کل کو (یعنی قیامت کے دن کو) تمہیں (ایک معین مدت تک) مہلت دی گئی ہے اور یقیناً ہم بھی اگر اللہ تبارک وتعالیٰ نے چاہا تو تم سے ملنے ہی والے ہیں۔ اے اللہ: بقیع غرقد والوں کو بخش دے"۔ (مسلم)

توضیح: مدینہ منورہ میں ایک قبرستان ہے جس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہل مدینہ کی قبریں ہیں اسی قبرستان کا نام بقیع ہے اس کو بقیع غرقد بھی کہتے ہیں اور آج کل عوام الناس اس کو جنت البقیع کہتے ہیں اس وقت مسجد نبوی کا دالان اس قبرستان تک پہنچ گیا ہے اس میں صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی قبر نمایاں اور معروف ہے باقی قبور کے آثار ونشانات ایک منصوبہ کے تحت مٹا دیئے گئے ہیں۔[4]

---

[1] المرقات: ۴/۲۵۳ [2] المرقات: ۴/۲۵۳ [3] اخرجه مسلم: ۳/۶۳ [4] المرقات: ۴/۲۵۴

"غدا مؤجلون" میں غدا سے مراد قیامت کا دن ہے اور مؤجل کا معنی مؤخر کرنے کا ہے یعنی تمہیں جو ثواب ملنے والا ہے وہ قیامت کے دن تمہیں ملے گا اس وقت تک مہلت دی گئی ہے۔[۱]

قبرستان میں مانگی گئی ایک اور دعا

﴿۶﴾ وَعَنْهَا قَالَتْ كَيْفَ أَقُوْلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ تَعْنِيْ فِيْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ قَالَ قُوْلِي السَّلَامُ عَلٰى أَهْلِ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَيَرْحَمُ اللّٰهُ الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنَّا وَالْمُسْتَأْخِرِيْنَ وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَلَاحِقُوْنَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[۲]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ: میں کس طرح کہوں؟ یعنی زیارت قبور کے وقت کیا کہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کہا کرو: سلامتی ہو مومنین و مسلمین کے گھر والوں پر اللہ تبارک وتعالیٰ ان پر بھی رحم کرے جو ہم میں سے پہلے تھے اور ان پر بھی اپنی رحمت کا سایہ کرے جو ہم میں سے بعد میں آنے والے ہیں یقیناً ہم بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے چاہا تو تم سے ملنے والے ہی ہیں"۔ (مسلم)

والدین کی قبر پر ہر جمعہ میں جانے کی فضیلت

﴿۷﴾ وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ النُّعْمَانِ يَرْفَعُ الْحَدِيْثَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ زَارَ قَبْرَ أَبَوَيْهِ أَوْ أَحَدِهِمَا فِيْ كُلِّ جُمُعَةٍ غُفِرَ لَهُ وَكُتِبَ بَرًّا۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْإِيْمَانِ مُرْسَلًا)[۳]

ترجمہ: اور حضرت محمد بن نعمان رضی اللہ عنہ یہ حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص ہر جمعہ کے روز (یا ہفتہ میں کسی بھی دن) اپنے ماں باپ یا ان میں سے کسی ایک کی قبر پر جائے (اور وہاں ان کے لئے دعاء مغفرت وایصال ثواب کرے) تو اس کی مغفرت کی جاتی ہے اور اسے اپنے والدین کے ساتھ نیکی کرنے والا لکھا جاتا ہے"۔ اس روایت کو بیہقی نے شعب الایمان میں بطریق ارسال نقل کیا ہے۔

توضیح: "و کتب برًّا" اس کا مطلب یہ ہے کہ جو آدمی ہر جمعہ کے دن اپنے والدین کی قبر کی زیارت کے لئے جا کر وہاں فاتحہ پڑھ کر ایصال ثواب کرے تو اس بیٹے کے تمام گناہ معاف کئے جاتے ہیں اور یہ بیٹا فرمانبردار لکھا جاتا ہے۔ اس آخری جملہ سے یہ مفہوم بھی لیا جا سکتا ہے کہ اگرچہ والدین میں سے کوئی ایک یا دونوں اس بیٹے سے ناراض ہوا اور بیٹا عاق ہو تو اس زیارت کی برکت سے یہ بیٹا فرمانبردار لکھا جائے گا اولاد کے لئے یہ ایک نادر نعمت اور آسان غنیمت ہے۔[۴]

[۱] المرقات: ۴/۲۵۳ [۲] اخرجہ مسلم [۳] اخرجہ البیہقی [۴] المرقات: ۴/۲۵۶

قبرستان جانے سے ترک دنیا اور یاد عقبیٰ کا سبق ملتا ہے

﴿۸﴾ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ فَزُوْرُوْهَا فَإِنَّهَا تُزَهِّدُ فِي الدُّنْيَا وَتُذَكِّرُ الْآخِرَةَ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا "میں نے (پہلے) تمہیں قبروں پر جانے سے منع کیا تھا (مگر اب) تم قبروں پر جایا کرو، کیونکہ قبروں پر جانا دنیا سے بے رغبتی پیدا کرتا ہے اور آخرت کی یاد دلاتا ہے۔
(ابن ماجہ)

توضیح: "فانھا تزھد" ترک دنیا اور دنیا کے ساز و سامان سے بے رغبتی اور صرف نظر کا نام تزھید ہے اس حدیث میں قبروں پر جانے کے فوائد و نتائج کے سلسلہ میں دو فائدوں کا ذکر کیا گیا ہے پہلا فائدہ اور پہلی علت یہ بتائی گئی ہے کہ قبروں پر جانے سے دل و دماغ سے دنیا کی محبت اور اپنی ریاست وقیادت وسیادت وسیاست کا گھمنڈ اور غرور نکل جاتا ہے اور انسان کے دل و دماغ میں یہ نقشہ بیٹھ جاتا ہے کہ:[2]

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے   یہ عبرت کی جا ہے تماشا نہیں ہے

انسان جب دیکھتا ہے کہ کل کا یہ تاجور بادشاہ آج کس بے کسی اور کس بے بسی میں پڑا ہے جس کی قبر پر ہوائیں مٹی اڑا رہی ہیں اور وہ بڑے محل میں صوفوں اور گدوں کے بجائے مٹی کے خالی فرش پر تکیہ کے بغیر تنگ و تاریک مکان میں پڑا ہے جس میں کروٹ بدلنا مشکل ہے اس منظر کو دیکھ کر زیارت کرنے والے کے دماغ پر یہ نقشہ چھا جاتا ہے ؎

الا یا ساکن القصر المعلی   ستدفن عن قریب فی التراب

لہ ملك ینادی کل یوم   لدوا للموت وبنوا للخراب

قبروں پر جانے کا دوسرا فائدہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب دنیا کی ناپائیداری و بے ثباتی دماغ میں بیٹھ جائے گی تو اس سے آخرت کی بقاء و دوام کا نقشہ ذہن میں آجائیگا جس سے انسان سوچنے لگ جاتا ہے کہ جس ملک کو وہ دنیا میں بنا رہا ہے وہ تو زوال پذیر ہے جس کے لاکھوں نمونے قبرستانوں میں موجود ہیں لہٰذا اب ایسے وطن کی تعمیر و ترقی کا سوچنا چاہئے جو زوال پذیر نہ ہو بلکہ دائمی زندگی ہو اور اسی کا نام آخرت ہے۔

عورتوں کا قبروں پر جانا سخت منع ہے

﴿۹﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَنَ زَوَّارَاتِ الْقُبُوْرِ۔
(رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَه وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ وَقَالَ قَدْ رَأَى بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنَّ هٰذَا كَانَ قَبْلَ أَنْ

[1] اخرجہ ابن ماجہ [2] المرقات: ۲/۲۵۶

يُرَخِّصَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي زِيَارَةِ الْقُبُورِ فَلَمَّا رَخَّصَ دَخَلَ فِي رُخْصَتِهِ الرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ وَقَالَ بَعْضُهُمْ إِنَّمَا كُرِهَ زِيَارَةَ الْقُبُورِ لِلنِّسَاءِ لِقِلَّةِ صَبْرِهِنَّ وَكَثْرَةِ جَزْعِهِنَّ تَمَّ كَلَامُهُ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم قبروں پر زیادہ جانے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے''۔ (احمد، ترمذی، ابن ماجہ) اور حضرت امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے نیز انہوں نے فرمایا ہے کہ بعض علماء کا خیال یہ ہے کہ یہ (یعنی قبروں پر جانے والی عورتوں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا لعنت فرمانا) اس وقت تھا جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زیارت قبور کی اجازت نہیں دی تھی مگر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر جانے کی اجازت عطا فرمادی تو اس اجازت میں مرد وعورت دونوں شامل ہوگئے''۔ اس کے برخلاف بعض علماء کی تحقیق یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں میں صبر وتحمل کے مادہ کی کمی اور جزع وفزع (یعنی رونے دھونے) کی زیادتی کی وجہ سے ان کے قبروں پر جانے کو ناپسند فرمایا ہے۔ (لہٰذا عورتوں کے لئے یہ ممانعت اب بھی باقی ہے) ترمذی کی بات پوری ہوئی۔

توضیح: اس حدیث پر اس سے پہلے زیارت قبور کی حدیث کی توضیح وتشریح میں مکمل کلام ہو چکا ہے یہاں اس حدیث میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بحث کی ہے کہ قبروں پر جانے کی اجازت صرف مردوں کو ہے یا اس اجازت میں عورتیں بھی داخل ہیں، بہرحال ظاہری حدیث میں شدید ترین وعید ہے لہٰذا عورتوں کو چاہئے کہ وہ ایک مستحب فعل کے لئے اس شدید وعید میں پڑنے سے اپنے آپ کو بچائیں زیادہ تر دیکھا گیا ہے کہ عورتیں تفریحات کے طور پر مزارات پر جاتی ہیں اور وہاں بے پردگی ہوتی ہے اور شرکیہ اعمال ہوتے رہتے ہیں۔

عورتوں کو قبرستان کے مردوں سے حیا کرنی چاہئے

﴿۱۰﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ أَدْخُلُ بَيْتِي الَّذِي فِيهِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَإِنِّي وَاضِعٌ ثَوْبِي وَأَقُولُ إِنَّمَا هُوَ زَوْجِي وَأَبِي فَلَمَّا دُفِنَ عُمَرُ مَعَهُمْ فَوَاللهِ مَا دَخَلْتُهُ إِلَّا وَأَنَا مَشْدُودَةٌ عَلَيَّ ثِيَابِي حَيَاءً مِنْ عُمَرَ. (رَوَاهُ أَحْمَدُ)[2]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ صدیقہ ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ''جب میں اس حجرہ مبارکہ میں جایا کرتی تھی جس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم (اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ) مدفون تھے تو میں (اپنے بدن سے) کپڑا (یعنی چادر) اتار کر رکھ دیتی تھی اور (دل میں) کہا کرتی تھی کہ یہاں میرے خاوند (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) اور میرے باپ (حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ) ہی تو مدفون ہیں (اور یہ دونوں میرے لئے اجنبی نہیں ہیں تو پھر حجاب کیسا؟) مگر جب (اس حجرہ میں) ان کے ساتھ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو دفن کر دیا گیا تو خدا کی قسم: میں اس حجرہ میں جب بھی داخل ہوتی تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ

[1] اخرجه ابن ماجه: ۱۶۰۷: والترمذی واحمد [2] اخرجه احمد

سے حیا کی وجہ سے (کہ وہ اجنبی تھے) اپنے بدن پر کپڑے لپیٹے رکھتی"۔ (احمد)

توضیح: "ادخل بیتی" حضور اکرم ﷺ کا وصال حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرہ میں ہوا تھا لہٰذا آپ ﷺ کو وہیں پر دفن کیا گیا چونکہ یہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مکان تھا تو عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اس میں آنا جانا کوئی بعید نہیں تھا پھر اس کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو بھی وہیں دفن کیا گیا پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے درخواست کی کہ اگر عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اجازت دیں تو مجھے میرے رسول اور میرے ساتھی صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس دفن کیا جائے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اجازت دیدی آپ رضی اللہ عنہ وہاں مدفون ہوئے اس حجرہ میں سنا ہے کہ ایک اور جگہ باقی ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام مدفون ہونگے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ دفن نہیں ہوئے تھے تو میں بے تکلف حضور اکرم ﷺ اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی قبروں کی زیارت کے لئے جایا کرتی تھی لیکن جب عمر فاروق رضی اللہ عنہ وہاں دفن کردیئے گئے تو پھر میں بے تکلف زیارت کے لئے نہیں جاتی تھی بلکہ خوب تکلف کر کے کپڑوں کو سنبھال کر سمیٹ لیتی تھی اور زیارت کرتی تھی یہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے حیا کی وجہ سے تھا کیونکہ وہ میرے محارم میں سے نہیں تھے۔ یہ حدیث نہایت وضاحت سے یہ تعلیم دیتی ہے کہ مرنے کے بعد مردوں کے ساتھ ان کی قبور پر وہی معاملہ کرنا چاہئے جو زندگی میں ہوتا ہے یعنی ادب وحیا واحترام کے تمام شعبوں کا خیال رکھنا چاہئے۔[1] چنانچہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد منقول ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں آگ پر چلوں یا تیز دھار تلوار پر چلوں جس سے میرا پیر جل جائے یا کٹ جائے یہ مجھے زیادہ پسند ہے اس سے کہ میں کسی شخص کی قبر پر چلوں پھر فرمایا کہ میرے نزدیک قبروں پر پیشاب کرنا اور بھرے بازار میں ننگا ہو کر لوگوں کے سامنے پیشاب کرنا برابر ہے۔ اسی طرح حضرت[2] سلیم بن عفیرہ رضی اللہ عنہ کے متعلق مشہور ہے کہ آپ ﷺ نے ایک شخص کے جواب میں فرمایا خدا کی قسم میں مردوں سے اسی طرح حیا کرتا ہوں جس طرح کہ زندوں سے کرتا ہوں،[3] یہاں اس حدیث کے تحت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رضی اللہ عنہ نے مُردوں سے استمداد لینے کی بات کی ہے اور اسی طرح امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف یہ جملہ منسوب ہے کہ "من کان یستمد فی حیاته یستمد بعد موته"[4] اس جیسے اقوال کی بہترین توجیہ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح فرمائی ہے کہ مزارات میں رقت قلب کی کیفیت طاری ہوتی ہے جس سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی برکات کا نزول ہوتا ہے درحقیقت یہ مراقبہ ومکاشفہ زندہ شخص کی اپنی محنت ہے میت نے کوئی مدد نہیں کی البتہ میت صرف واسطہ بنا ہے مطلب یہ ہوا کہ زندگی میں اگر ایک زندہ آدمی سے استفادہ کیا جاسکتا ہے تو مرنے کے بعد بھی یہ اللہ والا اس نیکی میں معاون ثابت ہوسکتا ہے اور تعاون کی صورت یہی ہے کہ وہ اس کام میں ذریعہ اور واسطہ بن جاتا ہے۔ ورنہ عمل تو مردے کا نہیں ہے محنت ومشقت تو خود اس زندہ آدمی کا ہے اور اسی کا اعتبار ہے۔ اس کی مثال پرنالہ کی ہے جس کے ذریعہ سے چھت کا پانی نیچے گرتا ہے اگر کوئی شخص پرنالہ کو پانی کے لئے مؤثر بالذات سمجھتا ہے تو یہ غلط ہے لیکن اگر پرنالہ صرف ذریعہ اور واسطہ ہو اور پانی کا مظہر ہو تو اس میں کیا حرج ہے۔

[1] المرقات: ۴/۲۵۷ [2] المرقات: ۴/۲۵۷ [3] المرقات: ۴/۲۵۷ [4] اشعۃ اللمعات

الحمد للہ آج ۲۸ رمضان بروز اتوار توضیحات کے مسودہ کی تحریر ابتدا سے جنائز کے اختتام تک مکمل ہوگئی کچھ اوراق لکھنے ہیں مگر وطن واپس ہوکر مکمل کرنے کا ارادہ ہے۔

میں اپنے پروردگار کا لاکھ لاکھ شکر گزار ہوں کہ اس رب کریم نے مجھے توفیق دی کہ میں نے توضیحات کی تیسری جلد کو دنیا کے سب سے زیادہ مقدس سرزمین مکہ مکرمہ میں بیت اللہ کے سامنے مکمل کرلی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اس شرح کو اپنی قدرت کاملہ سے قبولیت عامہ وخاصہ سے نواز دے۔

آمین یارب العالمین وصلّی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقه محمّد وعلی اله وصحبه اجمعین۔

فضل محمد یوسف زئی استاذ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی ۵

حال نزیل مکۃ المکرمہ ۲۳ نومبر ۲۰۰۳

مورخہ ۲ جمادی الثانی ۱۴۱۰ھ

کتاب الزکوٰۃ

زکوٰۃ کا بیان

قال اللہ تعالیٰ ﴿واقیموا الصلوۃ واتوا الزکوٰۃ وما تقدموا لانفسکم من خیر تجدوہ عند اللہ﴾
(سورۃ بقرہ ۱۱۰) [۱]

قال اللہ تعالیٰ ﴿والذین یکنزون الذھب والفضۃ ثم لا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم﴾ [۲]

زکوٰۃ اسلام کے بنیادی ارکان میں سے تیسرا رکن ہے زکوٰۃ لغوی طور پر طہارت برکت اور بڑھنے کے معنی میں ہے اور اس کی اصطلاحی تعریف یہ ہے۔

"الزکوٰۃ ھی تملیك المال بغیر عوض من فقیر مسلم غیر ھاشمی ولا مولاہ بشرط قطع المنفعۃ من الملك"

یعنی اپنے مال کی معین مقدار کا جو شریعت نے مقرر کیا ہے کسی مستحق کو اس کا مالک بنانا، زکوٰۃ کو صدقہ بھی کہتے ہیں کیونکہ صدقہ زکوٰۃ دینے والے مسلمان کے ایمان کی صداقت پر دلالت کرتا ہے راجح قول کے مطابق مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کے دو سال بعد ۲ھ میں زکوٰۃ فرض ہوئی زکوٰۃ اگلی امتوں پر بھی فرض تھی تاہم مقدار زکوٰۃ اور ادائیگی کا طریقہ مختلف رہا ہے۔

انبیاء کرام پر زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی ہے قرآن کریم میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے زکوٰۃ کو نماز کے ساتھ تقریباً ۳۲ مواقع میں ذکر فرمایا ہے اور جو انفراداً ذکر فرمایا ہے وہ اس کے علاوہ ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے زکوٰۃ دینے والوں سے جنت کا وعدہ فرمایا ہے اور نہ دینے والوں کو دوزخ کی وعید سنائی ہے اس لئے زکوٰۃ اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں سے تیسرا بڑا رکن ہے اس کا انکار کرنے والا کافر ہے اور نہ دینے والا سخت گنہگار فاسق وفاجر ہے زکوٰۃ الگ کرتے وقت زکوٰۃ کی نیت کرنا کافی ہے تاہم نیت ضروری ہے زکوٰۃ ہر عاقل بالغ اور آزاد مسلمان پر فرض ہے بشرطیکہ وہ صاحب نصاب ہو اور اس نصاب پر سال گذر جائے اور یہ نصاب ضرورت اصلیہ سے فارغ ہو اور صاحب نصاب پر ایسا قرض بھی نہ ہو جس کا مطالبہ بندوں کی طرف سے ہوتا ہو اور وہ قرض اس کے مال پر محیط ہو سال کی ابتداء اور انتہاء میں نصاب کا برقرار رہنا ضروری ہے درمیان سال میں اگر نصاب کا وجود نہ ہو تو وہ زکوٰۃ کی فرضیت کے لئے

---

[۱] بقرہ الایہ ۱۱۰ [۲] توبہ الایہ ۳۴

محل نہیں ہے نصاب زکوٰۃ کا جو مال ہے اس میں تین اوصاف کا ہونا ضروری ہے۔ ① مال میں نقدیت ہو۔ ② اگر جانور ہیں تو ان کا سائمہ ہونا ضروری ہے یعنی اکثر سال چرنے پر گذارہ کرنا۔ ③ اموال تجارت ہونا۔

نصاب:

مال کے اس مقدار کا نام نصاب ہے جس پر شریعت نے زکوٰۃ مقرر کی ہے جس کا بیان آئندہ آرہا ہے۔

نصاب کی دو قسمیں ہیں اول نصاب نامی ہے یعنی جس میں مال بڑھنے کی حقیقی صلاحیت موجود ہو جیسے اموال سائمہ اونٹ گائے بکری اور اموال تجارت سونا اور چاندی ہے اس میں بڑھنے کی صلاحیت موجود ہے اگرچہ گھر میں رکھا ہوا ہو۔ دوم نصاب غیر نامی ہے یعنی نہ بڑھنے والا مال ہو جیسے مکانات ہیں حرفت وصناعت کی مشنری ہے اور خانہ داری کے اسباب وسامان ہیں اس پر زکوٰۃ نہیں ہے ہاں اس کے منافع پر زکوٰۃ ہے۔

ضرورت اصلیہ کا مطلب یہ ہے کہ جس کے ساتھ آدمی کی جان ومال اور عزت وآبرو کی حفاظت کا تعلق ہو جیسے کھانے پینے اور پہننے کا سامان اور رہنے کے لئے مکان، خدمت کے لئے سواری اور غلام اور استعمال کے لئے ہتھیار وغیرہ۔

نصاب نامی کے مالک پر فرض ہے کہ وہ اپنے مال سے زکوٰۃ ادا کرے اور خود کسی کی زکوٰۃ نہ لے اور نصاب غیر نامی والے پر زکوٰۃ ادا کرنا فرض نہیں ہے لیکن اس کے لئے حرام ہے کہ وہ کسی سے زکوٰۃ لیکر کھائے۔

زکوٰۃ اور ٹیکس میں فرق:

اسلام کے معاندین اور ملحدین نظام زکوٰۃ پر اعتراض کر کے کہتے ہیں کہ یہ ٹیکس ہے کوئی عبادت نہیں ہے ان کے اس اعتراض کو رد کرنے کے لئے ضروری ہے کہ زکوٰۃ اور ٹیکس کے درمیان فرق کو واضح کیا جائے۔

چند وجوہات سے اس فرق کو ملاحظہ فرمائیں۔

❶ زکوٰۃ ایک مسلمان کے لئے عبادت کی حیثیت رکھتی ہے ٹیکس عبادت نہیں ہے۔

❷ زکوٰۃ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں پر مقرر ہے، ٹیکس انسانوں کی طرف سے مقرر ہے۔

❸ زکوٰۃ مسلمانوں کے مالداروں سے لیکر مسلمانوں کے غریبوں کو دی جاتی ہے۔ جبکہ ٹیکس غریبوں سے لیکر امیروں کو دیا جاتا ہے۔

❹ زکوٰۃ کی مقدار شریعت کی جانب سے متعین ہوتی ہے جو پوری دنیا میں یکساں ہوتی ہے جبکہ ٹیکس میں ایسا کوئی تعین نہیں جو تمام انسانوں کے لئے یکساں ہو۔

❺ زکوٰۃ تب فرض ہوتی ہے جب آدمی صاحب حیثیت اور صاحب نصاب ہو جبکہ ٹیکس میں کسی نصاب اور حیثیت کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

❻ زکوٰۃ کے اصول وقواعد انصاف پر مبنی ہیں جبکہ ٹیکس کے قواعد ظلم پر قائم ہیں۔

❼ زکوٰۃ کی مقدار میں کوئی انسان کمی زیادتی نہیں کرسکتا ہے جبکہ ٹیکس کی مقدار میں انسان کمی زیادتی کرتا رہتا ہے۔
❽ زکوٰۃ فرض ہونے کے بعد کوئی آدمی معاف نہیں کرا سکتا جبکہ ٹیکس کو معاف کیا جاسکتا ہے۔
❾ نظام زکوٰۃ سے زکوٰۃ کے دینے اور لینے والے کے درمیان محبت پیدا ہوتی ہے جبکہ ٹیکس کے نظام سے نفرت وعداوت پیدا ہوتی ہے۔
زکوٰۃ کے ادا کرنے سے مال میں برکت آتی ہے ٹیکس میں یہ چیز نہیں۔

زکوٰۃ کے فوائد:

اسلامی معاشرہ کی تشکیل میں اور دولت کی تقسیم میں زکوٰۃ کو بہت بڑی اہمیت حاصل ہے چند فوائد کی طرف اشارہ کافی ہے۔
❶ زکوٰۃ ادا کرنے سے امیر اور غریب کے درمیان نفرت کی دیوار گر جاتی ہے اور کمیونزم سوشلزم کے انقلاب کے راستے بند ہوجاتے ہیں کیونکہ غریب سمجھتا ہے کہ مالدار کے مال میں میرا بھی حصہ ہے جتنا اس کا مال بڑھے گا اتنا مجھے زیادہ حصہ ملے گا لہٰذا غریب لوگ مالداروں کے دشمن نہیں دوست بن جائیں گے۔
❷ مالداروں کے دلوں میں غریبوں سے ہمدردی اور محبت پیدا ہوگی کیونکہ جو شخص جس پر خرچ کرتا ہے وہ اس کی ہر بھلائی کا سوچتا ہے۔
❸ زکوٰۃ سے سرمایہ دارانہ ارتکاز دولت ختم ہوجاتی ہے اور منصفانہ تقسیم کی بنیاد پڑتی ہے۔
❹ اسلامی معاشرہ کے بڑے اقتصادی مسائل زکوٰۃ ادا کرنے سے حل ہوجاتے ہیں اور ملکی خزانہ مستحکم ہوجاتا ہے۔
❺ زکوٰۃ ادا کرنے سے مال میں برکت آتی ہے اور آخرت میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے۔ تاہم یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ زکوٰۃ عبادت ہے اور عبادت کے اپنے اصول ہوتے ہیں آج کل حکومت پاکستان نے زکوٰۃ کے وصولی کے جو اصول بنائے ہیں وہ اکثر غلط ہیں جس کی وجہ سے زکوٰۃ کے فوائد حاصل نہیں ہورہے ہیں۔

الفصل الاول

زکوٰۃ مالدار سے لی جائے غریب کو دیا جائے

﴿۱﴾ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ مُعَاذاً إِلَى الْيَمَنِ فَقَالَ إِنَّكَ تَأْتِيْ قَوْماً أَهْلَ كِتَابٍ فَادْعُهُمْ إِلَى شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّداً رَسُوْلُ اللهِ فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوْا لِذٰلِكَ فَأَعْلِمْهُمْ أَنَّ اللهَ قَدْ فَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوْا لِذٰلِكَ فَأَعْلِمْهُمْ أَنَّ اللهَ قَدْ فَرَضَ عَلَيْهِمْ صَدَقَةً تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ فَتُرَدُّ عَلَى فُقَرَائِهِمْ فَإِنْ

هُمْ أَطَاعُوا لِذٰلِكَ فَإِيَّاكَ وَكَرَائِمَ أَمْوَالِهِمْ وَاتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ فَإِنَّهُ لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللّٰهِ حِجَابٌ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو امیر (قاضی بنا کر) یمن بھیجا تو ان سے فرمایا کہ تم اہل کتاب میں سے ایک قوم (یہود ونصاریٰ) کے پاس جا رہے ہو لہٰذا (پہلے تو تم) انہیں اس بات کی گواہی دینے کی دعوت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور بلا شبہ محمد (ﷺ) کے رسول ہیں۔'' اگر وہ اس دعوت کو قبول کرلیں تو (پھر) تم انہیں بتانا کہ اللہ نے ان پر دن ورات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں' اگر وہ اسے مان جائیں تو پھر (اس کے بعد) انہیں آگاہ کرنا کہ اللہ نے ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے جو ان کے مالداروں سے (یعنی ان لوگوں سے جو مالک نصاب ہوں) لی جائیگی اور ان کے فقراء کو دے دی جائے گی' اگر وہ اسے مان جائیں تو تم (یہ یاد رکھنا کہ ان سے زکوٰۃ میں) اچھا مال لینے سے پرہیز کرنا (یعنی چھانٹ کر اچھا مال نہ لینا بلکہ ان کے مال کو تین حصوں میں تقسیم کرنا، اچھا، برا، درمیانہ، لہٰذا زکوٰۃ میں درمیانہ مال لینا) نیز تم (زکوٰۃ لینے میں غیر قانونی سختی کر کے یا ان سے ایسی چیزوں کا مطالبہ کر کے جو ان پر واجب نہ ہوں اور یا انہیں زبان یا ہاتھ سے ایذاء پہنچا کر) ان کی بددعاء نہ لینا کیونکہ مظلوم کی دعا اور اللہ کی جانب سے اس دعا کی قبولیت کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہے''۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: ''اهل کتاب'' اہل کتاب سے مراد یہود ونصاریٰ ہیں اگرچہ یمن میں دیگر مشرک اور کافر لوگ بھی تھے لیکن یہود ونصاریٰ چونکہ زیادہ تھے اس لئے ان کا ذکر کیا گیا۔[2]

''فادعهم'' ابن ملک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کفار کو جنگ اور جہاد سے پہلے اسلام کی دعوت دینا اس وقت واجب ہے جب ان کو دعوت نہ پہنچی ہو اگر دعوت پہنچی ہو تو دوبارہ دعوت دینا مستحب ہے فقہاء احناف کا موقف بھی یہی ہے۔[3]

''فَإِنْ هُمْ أَطَاعُوا'' اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کفار اسلام کے فروعات کے مخاطب نہیں بلکہ پہلے توحید وایمان کے مخاطب ہیں جب ایمان نہیں تو نماز روزہ زکوٰۃ کا اعتبار نہیں ائمہ احناف کا موقف یہی ہے۔[4]

شوافع وغیرہ حضرات کے ہاں کفار مخاطب بالفروعات ہیں پھر ان پر ایک اعتراض آتا ہے کہ اسلام قبول کرنے سے پہلے تو نماز صحیح نہیں اور اسلام قبول کرنے کے بعد نماز وغیرہ کی قضاء نہیں تو پھر مخاطب بالفروعات کا کیا مطلب ہے شوافع کو جواب دینا چاہئے۔

مانعین زکوٰۃ کے عذاب کی تفصیل

﴿۲﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ صَاحِبِ ذَهَبٍ وَلَا فِضَّةٍ لَا

[1] اخرجه البخاري: ۲/۱۳۰ ومسلم: ۱/۱۹۲ [2] المرقات: ۴/۲۵۸ [3] المرقات: ۴/۲۵۹ [4] المرقات: ۴/۲۵۹

يُؤَدِّي مِنْهَا حَقَّهَا إِلَّا إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ صُفِّحَتْ لَهُ صَفَائِحُ مِنْ نَارٍ فَأُحْمِيَ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَيُكْوٰى بِهَا جَنْبُهُ وَجَبِيْنُهُ وَظَهْرُهُ كُلَّمَا رُدَّتْ أُعِيْدَتْ لَهُ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِيْنَ أَلْفَ سَنَةٍ حَتّٰى يُقْضٰى بَيْنَ الْعِبَادِ فَيَرٰى سَبِيْلَهُ إِمَّا إِلَى الْجَنَّةِ وَإِمَّا إِلَى النَّارِ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللهِ فَالْإِبِلُ قَالَ وَلَا صَاحِبُ إِبِلٍ لَا يُؤَدِّي مِنْهَا حَقَّهَا وَمِنْ حَقِّهَا حَلْبُهَا يَوْمَ وِرْدِهَا إِلَّا إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ بُطِحَ لَهَا بِقَاعٍ قَرْقَرٍ أَوْفَرَ مَا كَانَتْ لَا يَفْقِدُ مِنْهَا فَصِيْلًا وَاحِدًا تَطَأُهُ بِأَخْفَافِهَا وَتَعَضُّهُ بِأَفْوَاهِهَا كُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ أُوْلَاهَا رُدَّ عَلَيْهِ أُخْرَاهَا فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِيْنَ أَلْفَ سَنَةٍ حَتّٰى يُقْضٰى بَيْنَ الْعِبَادِ فَيَرٰى سَبِيْلَهُ إِمَّا إِلَى الْجَنَّةِ وَإِمَّا إِلَى النَّارِ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللهِ فَالْبَقَرُ وَالْغَنَمُ قَالَ وَلَا صَاحِبُ بَقَرٍ وَلَا غَنَمٍ لَا يُؤَدِّي مِنْهَا حَقَّهَا إِلَّا إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ بُطِحَ لَهَا بِقَاعٍ قَرْقَرٍ لَا يَفْقِدُ مِنْهَا شَيْئًا لَيْسَ فِيْهَا عَقْصَاءُ وَلَا جَلْحَاءُ وَلَا عَضْبَاءُ تَنْطِحُهُ بِقُرُوْنِهَا وَتَطَأُهُ بِأَظْلَافِهَا كُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ أُوْلَاهَا رُدَّ عَلَيْهِ أُخْرَاهَا فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِيْنَ أَلْفَ سَنَةٍ حَتّٰى يُقْضٰى بَيْنَ الْعِبَادِ فَيَرٰى سَبِيْلَهُ إِمَّا إِلَى الْجَنَّةِ وَإِمَّا إِلَى النَّارِ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللهِ فَالْخَيْلُ قَالَ فَالْخَيْلُ ثَلَاثَةٌ هِيَ لِرَجُلٍ وِزْرٌ وَهِيَ لِرَجُلٍ سِتْرٌ وَهِيَ لِرَجُلٍ أَجْرٌ فَأَمَّا الَّتِي هِيَ لَهُ وِزْرٌ فَرَجُلٌ رَبَطَهَا رِيَاءً وَفَخْرًا وَنِوَاءً عَلٰى أَهْلِ الْإِسْلَامِ فَهِيَ لَهُ وِزْرٌ وَأَمَّا الَّتِي هِيَ لَهُ سِتْرٌ فَرَجُلٌ رَبَطَهَا فِي سَبِيْلِ اللهِ ثُمَّ لَمْ يَنْسَ حَقَّ اللهِ فِي ظُهُوْرِهَا وَلَا رِقَابِهَا فَهِيَ لَهُ سِتْرٌ وَأَمَّا الَّتِي هِيَ لَهُ أَجْرٌ فَرَجُلٌ رَبَطَهَا فِي سَبِيْلِ اللهِ لِأَهْلِ الْإِسْلَامِ فِي مَرْجٍ وَرَوْضَةٍ فَمَا أَكَلَتْ مِنْ ذٰلِكَ الْمَرْجِ أَوِ الرَّوْضَةِ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا كُتِبَ لَهُ عَدَدَ مَا أَكَلَتْ حَسَنَاتٌ وَكُتِبَ لَهُ عَدَدَ أَرْوَاثِهَا وَأَبْوَالِهَا حَسَنَاتٌ وَلَا تَقْطَعُ طِوَلَهَا فَاسْتَنَّتْ شَرَفًا أَوْ شَرَفَيْنِ إِلَّا كَتَبَ اللهُ لَهُ عَدَدَ آثَارِهَا وَأَرْوَاثِهَا حَسَنَاتٍ وَلَا مَرَّ بِهَا صَاحِبُهَا عَلٰى نَهْرٍ فَشَرِبَتْ مِنْهُ وَلَا يُرِيْدُ أَنْ يَسْقِيَهَا إِلَّا كَتَبَ اللهُ لَهُ عَدَدَ مَا شَرِبَتْ حَسَنَاتٍ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللهِ فَالْحُمُرُ قَالَ مَا أُنْزِلَ عَلَيَّ فِي الْحُمُرِ شَيْءٌ إِلَّا هٰذِهِ الْآيَةُ الْفَاذَّةُ الْجَامِعَةُ فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ۔ (رواه مسلم)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص سونے اور چاندی (کے نصاب شرعی)

[1] اخرجه مسلم: ۶۴/۷

کا مالک ہو اور اس کا حق (یعنی زکوٰۃ) ادا نہ کرے تو قیامت کے دن اس کے لئے آگ کے تختے بنائے جائیں گے (یعنی تختے تو سونے اور چاندی کے ہوں گے مگر انہیں آگ میں اس قدر گرم کیا جائے گا کہ گویا وہ آگ ہی کے تختے ہوں گے اسی لئے آپ نے فرمایا کہ) وہ تختے دوزخ کی آگ میں گرم کئے جائیں اور ان تختوں سے اس شخص کے پہلو، اس کی پیشانی اور اس کی پیٹھ داغی جائے گی پھر ان تختوں کو (اس کے بدن سے) جدا کیا جائے گا اور آگ میں گرم کر کے پھر لایا جائے گا (یعنی جب وہ تختے ٹھنڈے ہو جائیں گے تو انہیں دوبارہ گرم کرنے کے لئے آگ میں ڈالا جائے گا اور وہاں سے نکال کر اس شخص کے بدن کو داغا جائے گا) اور اس دن کی مقدار کہ جس میں یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہے گا پچاس ہزار سال کی ہوگی یہاں تک کہ بندوں کا حساب کتاب ختم ہو جائے گا اور وہ شخص جنت یا دوزخ کی طرف اپنی راہ دیکھے گا"۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول ﷺ: (یہ عذاب تو نقدی یعنی سونے چاندی کے بارے میں ہوگا) اونٹ (کی زکوٰۃ نہ دینے) والوں کا کیا حشر ہوگا؟" آپ ﷺ نے فرمایا "جو شخص اونٹ کا مالک ہو اور اس کا حق (یعنی زکوٰۃ) ادا نہ کرے، اور اونٹوں کا ایک حق یہ بھی ہے کہ جس روز انہیں پانی پلایا جائے ان کا دودھ دوہا جائے تو قیامت کے دن اس شخص کو اونٹوں کے سامنے ہموار میدان میں منہ کے بل اوندھا ڈال دیا جائے گا اور اس کے سارے اونٹ گنتی اور مٹاپے میں پورے ہونگے مالک ان میں سے ایک بچہ بھی گم نہ پائے گا (یعنی اس شخص کے سب اونٹ وہاں موجود ہوں گے حتی کہ ان اونٹوں کے سب بچے بھی ان کے ساتھ ہوں گے تا کہ اپنے مالک کو روندتے وقت خوب تکلیف پہنچائیں چنانچہ) وہ اونٹ اس شخص کو اپنے پیروں سے کچلیں گے اور اپنے دانتوں سے کاٹیں گے جب ان اونٹوں کی جماعت (روند کچل اور کاٹ کر) چلی جائے گی تو دوسری جماعت آئے گی (یعنی ان اونٹوں کی قطار روند کچل کر چلی جائے گی تو اس کے پیچھے دوسری قطار آئے گی اسی طرح یہ سلسلہ جاری رہے گا) اور جس دن یہ ہوگا اس دن کی مقدار پچاس ہزار سال کی ہوگی یہاں تک کہ بندوں کا حساب کتاب کر دیا جائے گا اور وہ شخص جنت یا دوزخ کی طرف اپنی راہ دیکھے گا صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا "یا رسول ﷺ: گائے اور بکریوں کے مالک کا کیا حال ہوگا؟" آپ ﷺ نے فرمایا "جو شخص گایوں اور بکریوں کا مالک ہو اور ان کا حق (یعنی زکوٰۃ) ادا نہ کرے تو قیامت کے دن اسے ہموار میدان میں اوندھے منہ ڈال دیا جائے گا اور اس کی گایوں اور بکریوں (کو وہاں لایا جائے گا جن) میں سے کچھ کم نہیں ہوگا ان میں سے کسی گائے بکری کے سینگ نہ مڑے ہوں گے نہ ٹوٹے ہوں گے اور نہ وہ منڈی (یعنی بلا سینگ ہوں گی (یعنی ان سب کے سروں پر سینگ ہوں گے نہ ٹوٹے ہوں گے بلکہ سالم ہوں گے تا کہ وہ اپنے سینگوں سے خوب مار سکیں چنانچہ وہ گائیں اور بکریاں اپنے سینگوں سے اپنے مالک کو ماریں گی اپنے کھروں سے کچلیں گی اور جب ایک قطار اسے مار کچل کر) چلی جائے گی تو دوسری قطار آئیگی (اور اپنا کام شروع کر دے گی اور یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہے گا) اور جس دن یہ ہوگا اس کی مقدار پچاس ہزار سال کی ہوگی یہاں تک کہ بندوں کا حساب کتاب کیا جائے گا اور وہ شخص جنت یا دوزخ کی طرف اپنی راہ دیکھے گا"۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ "یا رسول ﷺ: گھوڑوں کے بارے میں کیا حکم ہے؟" آپ ﷺ نے فرمایا گھوڑے تین قسم کے ہوتے ہیں ایک تو وہ گھوڑے جو آدمی کے لئے گناہ کا سبب ہوتے ہیں۔ دوسرے وہ گھوڑے جو آدمی کے لئے پردہ ہوتے ہیں اور تیسرے وہ گھوڑے جو آدمی کے لئے ثواب کا سبب و ذریعہ بنتے ہیں، چنانچہ وہ گھوڑے جو گناہ کا سبب ہوتے ہیں اس شخص

کے گھوڑے ہیں جنہیں اس کے مالک اظہار فخر وغرور اور مالداری اور ریاء کے لئے اور مسلمانوں سے دشمنی کے واسطے باندھے چنانچہ وہ گھوڑے اپنے مالک کے لئے گناہ کا سبب بنتے ہیں اور وہ گھوڑے جو آدمی کے لئے پردہ ہوتے ہیں اس شخص کے گھوڑے ہیں جنہیں اس کے مالک نے خدا کی راہ میں (کام لینے کے لئے) باندھا اور ان کی پیٹھ اور ان کی گردن کے بارے میں خدا کے حق کو نہیں بھولا چنانچہ وہ گھوڑے اپنے مالک کے لئے پردہ ہیں اور وہ گھوڑے جو آدمی کے لئے ثواب کا سبب وذریعہ بنتے ہیں اس شخص کے گھوڑے ہیں جنہیں ان کا مالک خدا کی راہ میں (لڑنے کے لئے) مسلمانوں کے واسطے باندھے اور اسے چراگاہ وسبزہ میں رکھے چنانچہ جب وہ گھوڑے آئیں چراگاہ وسبزہ سے کچھ کھاتے ہیں تو جو کچھ انہوں نے کھایا (یعنی گھاس وغیرہ کی تعداد کے بقدر اس کے لئے نیکیاں لکھی جاتی ہیں یہاں تک کہ ان گھوڑوں کی لید اور ان کے پیشاب کے بقدر بھی اس کے لئے نیکیاں لکھی جاتی ہیں (کیونکہ لید اور پیشاب بھی گھوڑے کی زندگی کا باعث ہیں) اور جو گھوڑے رسی توڑ کر ایک یا دو میدان دوڑتے پھرتے ہیں تو اللہ ان کے قدموں کے نشانات اور ان کی لید (جو وہ اس دوڑنے کی حالت میں کرتے ہیں) کی تعداد کے بقدر اس شخص کے لئے نیکیاں لکھتا ہے اور جب وہ شخص ان گھوڑوں کو نہر پر پانی پلانے کے لئے لے جاتا ہے اور وہ نہر سے پانی پیتے ہیں اگرچہ مالک کا ارادہ ان کو پانی پلانے کا نہ ہو، اللہ گھوڑوں کے پانی پینے کے بقدر اس شخص کے لئے نیکیاں لکھتا ہے'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ ''یارسول: اچھا گدھوں کے بارے میں کیا حکم ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا ''گدھوں کے بارے میں مجھ پر کوئی حکم نازل نہیں ہوا لیکن تمام نیکیوں اور اعمال کے بارے میں یہ آیت جامع ہے'' ﴿فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ﴾ یعنی جو شخص ایک ذرہ کے برابر نیکی کا عمل کریگا اسے دیکھے گا اور جو شخص ایک ذرہ کے برابر برائی کا عمل کریگا اسے دیکھے گا (یعنی مثلاً اگر کوئی شخص کسی دوسرے کو نیک کام کیلئے جانے کے واسطے اپنا گدھا دے گا تو ثواب پائے گا اور اگر برے کام کے لئے دے گا تو گناہگار ہوگا۔ (مسلم)

توضیح: "منہا حقہا" یہاں مؤنث کی ضمیر بتاویل اموال لائی گئی ہے یا مؤنث کی ضمیر "فضۃ" کے کلمہ کی طرف لوٹتی ہے [۱] اور حق سے مراد زکوٰۃ ہے جو فرض ہے۔ "صفحت صفائح" یہ صفیحۃ کی جمع ہے تختہ کو کہتے ہیں یعنی سونے اور چاندی سے آگ کے تختے بنائے جائیں گے اور اس سے زکوٰۃ نہ دینے والے کو داغا جائے گا [۲] "احمی" یعنی ان تختوں کو خوب گرم کردیا جائے گا [۳] "جنبہ وجبنیہ" یہاں داغ دینے کے لئے تین مقامات کا ذکر کیا گیا ہے اول پہلو دوم پیشانی سوم پیٹھ، اس تخصیص کی وجہ شاید یہ ہو کہ زکوٰۃ دینے والے کی پیشانی پر زکوٰۃ کے مطالبہ کے وقت بل آتے ہیں اس لئے پیشانی کو داغ دیا جائے گا پھر صاحب مال زکوٰۃ نہ دینے کے لئے کبھی پہلو موڑ کر اعراض کرتا ہے اور کبھی پیٹھ پھیر کر چلا جاتا ہے اس لئے ان مواضع کو داغا جائے گا۔ [۴]

"کلمات ردت اعیدت" یعنی جب سونے چاندی کے وہ تختے ٹھنڈے ہوجائیں گے تو دوبارہ گرم کرنے کے لئے لیجائے جائیں گے اور پھر داغنے کے لئے واپس لوٹائے جائیں گے۔ [۵]

---

[۱] المرقات: ۴/۲۶۱ [۲] المرقات: ۴/۲۶۱ [۳] المرقات: ۴/۲۶۱ [۴] المرقات: ۴/۲۶۲ [۵] المرقات: ۴/۲۶۲

"**مقدارہٗ خمسین الف سنة**" قیامت کا یہ دن کفار کے لئے بوجہ شدائد واھوال پچاس ہزار سال کی مقدار میں لمبا معلوم ہوگا مؤمن کے لئے دو رکعت یا چار رکعت نماز کی مقدار میں محسوس ہوگا اور دیگر مسلمانوں کے لئے ان کے اعمال کے تفاوت کے اعتبار سے مختصر یا لمبا ہوگا لہٰذا اس میں کوئی تعارض نہیں۔[1]

"**ومن حقها حلبها یوم وردها**" اونٹ پالنے والوں کا یہ قاعدہ ہے کہ وہ اپنے اونٹوں کو دوسرے یا تیسرے دن وقفہ سے پانی کے گھاٹ پر لے جاتے ہیں اور پانی پلانے کے بعد اونٹوں کا دودھ نکالتے ہیں اور پھر وہاں جمع ہونے والے فقراء اور مساکین پر تقسیم کرتے ہیں حضور اکرم ﷺ نے اسی حق کا ذکر فرمایا ہے یہ حق زکوٰۃ کے علاوہ ہے لیکن یہ حق فرض اور واجب نہیں بلکہ مستحب ہے البتہ ہمدردی اور مروت کے پیش نظر حضور اکرم ﷺ نے اس کی سخت تاکید فرمائی ہے۔[2]

"**بطح لها**" منہ کے بل لٹانے کو بطح کہتے ہیں۔[3]

"**بقاع**" کھلے اور ہموار میدان کو قاع کہتے ہیں[4] "**قرقر**" یہ قاع کے لئے صفت مؤکدہ ہے ہموار کھلے میدان کو کہتے ہیں "**اوفر**" یہ ابل سے حال واقع ہے مراد یہ ہے کہ چھوٹے بڑے سارے اونٹ موجود ہونگے کوئی اونٹ غائب نہیں ہوگا دوسرا مطلب یہ ہے کہ یہ اونٹ اس حال میں ہونگے کہ خوب موٹے فربہ ہونگے کوئی ان میں سے کمزور نہیں ہوگا تا کہ اس کے مالک کو بھاری عذاب پہنچ جائے۔[5]

پوری عبارت کا ترجمہ اس طرح ہوگا ایک کھلے ہموار میدان میں خوب فربہ اونٹوں کے سامنے اس شخص کو منہ کے بل لٹایا جائے گا اور اونٹ اس پر گھوم کر چلیں گے۔

"**اخراها**" یعنی گول دائرہ کی شکل میں یہ اونٹ اس شخص پر گھوم کر آئیں گے جب اونٹوں کی قطار کا آخری اونٹ اس کو روند کر نکل جائے گا تو اسی قطار کا پہلا اونٹ روندنے کے لئے پہنچ جائے گا اس مطلب کے مطابق مسلم شریف میں حدیث کے الفاظ اس طرح بھی ہیں "**کلما جازت اخراها ردت علیه اولاها**" مگر یہاں جو روایت ہے اس کا مطلب یہ لیا جائے گا کہ اس شخص پر مختلف قطار میں اونٹ آئیں گے ایک قطار جب چلی جائے گی تو دوسری قطار روندنے کے لئے پہنچ جائے گی۔

لیکن علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ زیر بحث حدیث میں مناسب ہے کہ تقدیم وتاخیر پر عمل کیا جائے یعنی اس کو اس طرح لیا جائے "**کلما مر علیه اخراها رد علیه اولاها**" اس طرح روایات کا اختلاف ختم ہوجائے گا اور مطلب واضح ہوجائے گا کہ ایک ہی قطار میں اونٹ گول دائرہ کی شکل میں اس شخص کو روندتے چلے آئیں گے۔[6]

"**لیس فیها عقصاء**" باب سمع یسمع سے ہے اس گائے اور بکری کو کہتے ہیں جس کے سینگ مڑے ہوئے ہوں جس کے مارنے سے آدمی کو کم تکلیف پہنچتی ہے۔ مطلب یہ کہ سب سیدھے اور تیز سینگ کے جانور ہونگے۔[7]

"**ولا جلحاء**" وہ گائے اور بکری جس کے سینگ ٹوٹے ہوئے ہوں۔[8]

---

[1] المرقات: ۴/۲۶۲ [2] المرقات: ۴/۲۶۳ [3] المرقات: ۴/۲۶۳ [4] المرقات: ۴/۲۶۳ [5] المرقات: ۴/۲۶۳

[6] المرقات: ۴/۱۶۴ والکاشف: ۴/۸ [7] المرقات: ۴/۲۶۵ [8] المرقات: ۴/۲۶۵

"ولا عضباء" وہ گائے اور بکری جس کے سینگ ہی نہ ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ ان جانوروں کے سینگ خوب سیدھے، لمبے اور تیز ہونگے جس کے مارنے سے خوب تکلیف ہوگی۔[1]

"تنطحه" نطح سینگوں سے مارنے کو کہتے ہیں[2]

"قال الخیل ثلاثة" صحابہ نے پوچھا یارسول اللہ گھوڑوں کا کیا حکم ہے آپ ﷺ نے فرمایا گھوڑے تین قسم پر ہیں۔[3]

سوال: یہاں یہ سوال ہے کہ حضور اکرم ﷺ سے صحابہ رضی اللہ عنہم نے گھوڑوں کی زکوٰۃ اور حقوق اللہ کے بارے میں سوال کیا تھا آنحضرت ﷺ نے اس کا جواب کیوں نہیں دیا؟

جواب: شوافع حضرات فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اسلوب حکیم کے طور پر جواب دیا ہے وہ اس طرح کہ گھوڑوں کی زکوٰۃ کے بارے میں سوال نہ کرو کیونکہ اس میں زکوٰۃ نہیں ہے بلکہ یہ سوال کرو کہ گھوڑوں کے پالنے میں فوائد اور نقصانات کیا ہیں تو سن لو گھوڑوں کی تین اقسام ہیں۔

احناف فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے اسلوب حکیم کے طور پر اس طرح جواب دیا ہے کہ گھوڑوں میں صرف زکوٰۃ کے بارے میں سوال نہ کرو وہ تو واجب ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ گھوڑوں میں اس کے مالک کیلئے جو فوائد اور نقصانات ہیں اس کا بھی سوال کیا کرو تو سن لو گھوڑوں کی تین اقسام ہیں۔

اول قسم وہ گھوڑے ہیں جو اپنے مالک کے لئے گناہ اور بوجھ کا سبب بنتے ہیں وہ اس طرح کہ مالک نے وہ گھوڑے ریا کاری، اظہار فخر اور مسلمانوں سے جنگ اور دشمنی کے لئے رکھے ہیں۔ "نواء" جنگ اور دشمنی کو کہتے ہیں۔

دوسری قسم وہ گھوڑے ہیں جو اپنے مالک کے لئے پردہ ہوتے ہیں اس کی وضاحت یہ ہے کہ مالک نے گھوڑوں کو دین اسلام کی خدمت اور اپنی ضرورت کے لئے پال رکھے ہیں کہ جب ان کو اپنے نیک کاموں میں ضرورت پڑتی ہے تو اس میں استعمال کرتا ہے یا کسی غریب فقیر مسکین کی خدمت میں دیتا ہے وہ اس کو استعمال میں لاتا ہے اس طرح ہر نیک کام کے لئے اس نے یہ گھوڑے تیار رکھے ہیں کسی اور سے مانگنے کی ضرورت نہیں پڑتی یہاں حدیث میں فی سبیل اللہ کا جو لفظ آیا ہے اس سے مراد جہاد نہیں ہے بلکہ مطلق دین مراد ہے اس لئے کہ جہاد کی بات آنے والے کلام میں مذکور ہے۔[4]

"ولا رقابها" امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس سے گھوڑوں کی زکوٰۃ ادا کرنے کی طرف اشارہ ہے اختلاف آئندہ آرہا ہے۔[5]

تیسری قسم وہ گھوڑے ہیں جو اس کے مالک نے اجر وثواب کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ کے راستے میں وقف کر رکھے ہیں یہاں "سبیل اللہ" سے جہاد مراد ہے۔ "فی مرج" اس سے مراد کھلی اور فراخ چراگاہ ہے جس میں جہاد کے گھوڑے رکھے جاتے ہیں اب ان جہادی گھوڑوں کی ہر چیز اور ہر نقل وحرکت اس کے مالک کے لئے باعث اجر وثواب ہے۔[6]

---

[1] المرقات: ۴/۲۶۵ [2] المرقات: ۴/۲۶۵ [3] المرقات: ۴/۲۶۵ [4] المرقات: ۴/۲۶۵، ۲۶۶ [5] المرقات: ۴/۲۶۷ [6] المرقات: ۴/۲۶۷

"طولها" یہ اس رسی کو کہتے ہیں جس کی ایک طرف کو میخ وغیرہ سے باندھی جاتی ہے اور دوسری طرف سے گھوڑے کے پاؤں کو باندھا جاتا ہے تا کہ گھوڑا بھاگ نہ جائے۔[1]

"فاستنت" تیز دوڑنے کو "استنان" کہتے ہیں[2] "شرفا" بلند مقام کو شرف کہتے ہیں مراد یہ ہے کہ ایک یا دو ٹیلوں پر یا بلند مقامات پر دوڑے اس اختیاری اور غیر اختیاری حرکات وسکنات پر بھی مالک کو ثواب ملے گا یہ جہاد کے گھوڑے کی شان ہے تو خود مجاہد کی کیا شان ہوگی۔[3]

جس مال کی زکوٰۃ ادا نہ کی جائے وہ گنجا سانپ بن کر ڈنک مارتا رہیگا

﴿۳﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ آتَاهُ اللّٰهُ مَالاً فَلَمْ يُؤَدِّ زَكَاتَهُ مُثِّلَ لَهُ مَالُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شُجَاعًا أَقْرَعَ لَهُ زَبِيْبَتَانِ يُطَوَّقُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثُمَّ يَأْخُذُ بِلِهْزِمَتَيْهِ يَعْنِيْ شِدْقَيْهِ ثُمَّ يَقُوْلُ أَنَا مَالُكَ أَنَا كَنْزُكَ ثُمَّ تَلاَ وَلاَ يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ الآيَةَ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[4]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس شخص کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے مال وزر عطا فرمایا اور اس نے اس کی زکوٰۃ ادا نہیں کی تو قیامت کے دن اس کا مال وزر گنجے سانپ کی شکل میں تبدیل کر دیا جائے گا جس کی آنکھوں پر دو سیاہ نقطے ہوں گے پھر وہ سانپ اس شخص کے گلے میں بطور طوق ڈالا جائے گا اور وہ سانپ اس شخص کی دونوں باچھیں پکڑے گا اور کہے گا کہ میں تیرا مال ہوں، میں تیرا خزانہ ہوں اس کے بعد آپ نے یہ آیت پڑھی ﴿ولا يحسبن الذين يبخلون﴾ الآية وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں یہ گمان نہ کریں (آخر آیت تک)۔ (بخاری)

توضیح: "شجاعا" شجاع شین پر پیش اور کسرہ دونوں طرح پڑھا جاتا ہے یہ مذکر سانپ کو کہتے ہیں۔[5]

"اقرع" یہ اس گنجے سانپ کو کہتے ہیں جس کے سر پر شدت زہر کی وجہ سے یا درازی عمر کی وجہ سے بال نہ ہوں جو سخت خباثت اور شدت کی نشانی ہے۔

"زبيبتان" "هما النكتتان السوداوان فوق عينيه" سانپ کی دونوں آنکھوں کے اوپر دو سیاہ نقطے ہوتے ہیں اس کو زبیبتان کہتے ہیں سانپوں میں اس قسم کا سانپ خبیث ترین سانپ ہوتا ہے۔[6]

"لهزمتيه" زکوٰۃ نہ دینے والے آدمی کے دونوں باچھیں مراد ہیں ای شدقیه۔[7]

﴿۴﴾ وَعَنْ أَبِيْ ذَرٍّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ رَجُلٍ يَكُوْنُ لَهُ إِبِلٌ أَوْ بَقَرٌ أَوْ غَنَمٌ لاَ يُؤَدِّيْ حَقَّهَا إِلاَّ أُتِيَ بِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْظَمَ مَا تَكُوْنُ وَأَسْمَنَهُ تَطَؤُهُ بِأَخْفَافِهَا وَتَنْطِحُهُ بِقُرُوْنِهَا

[1] المرقات: ۴/۲۶۷ [2] المرقات: ۴/۲۶۷ [3] المرقات: ۴/۲۶۷ [4] اخرجه البخاري: ۲/۱۳۲

[5] المرقات: ۴/۲۶۹ [6] المرقات: ۴/۲۶۹ [7] المرقات: ۴/۲۶۹

كُلَّمَا جَازَتْ أُخْرَاهَا رُدَّتْ عَلَيْهِ أُولَاهَا حَتّٰى يُقْضٰى بَيْنَ النَّاسِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جس شخص کے پاس اونٹ یا گائے یا بکریاں ہوں اور وہ ان کا حق (یعنی زکوٰۃ) نہ دے تو کل قیامت کے دن اس کے وہ مویشی اس حال میں لائے جائیں گے کہ وہ بہت بڑے بڑے اور فربہ شکل میں ہوں گے اور پھر وہ اس شخص کو اپنے پیروں سے روندیں گے اور کچلیں گے اور اپنے سینگوں سے ماریں گے، جب اسے (مار کچل کر) آخری جماعت چلی جائے گی تو پھر پہلی جماعت لائی جائے گی (یعنی اسی طرح سب جانور پھر پلٹ کر روندیں گے اور ماریں گے یہ سلسلہ ایسے ہی وقت تک جاری رہے گا جب تک کہ لوگوں کا حساب کتاب کر کے ان کا فیصلہ نہ کر دیا جائے گا''۔ (بخاری ومسلم)

عاملین زکوٰۃ کو خوش خوش واپس کرو

﴿۵﴾ وَعَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَتَاكُمُ الْمُصَدِّقُ فَلْيَصْدُرْ عَنْكُمْ وَهُوَ عَنْكُمْ رَاضٍ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت جریر ابن عبداللہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جب (امام وقت کی طرف سے) زکوٰۃ وصول کرنے والا (کہ جسے اصطلاح شریعت میں "ساعی" اور عامل کہتے ہیں) آئے تو وہ (زکوٰۃ وصول کر کے) تمہارے پاس سے اس حال میں واپس جائے کہ وہ تم سے راضی وخوش ہو''۔ (مسلم)

توضیح: "**المصدق**" زکوٰۃ وصول کرنے پر مقرر کارکن کو "**مصدق**" کہتے ہیں اور زکوٰۃ دینے والے مالک کو "**متصدق**" کہتے ہیں۔ (کذافی اشعۃ اللمعات)[3]

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب وقت کا بادشاہ یا اسلامی اداروں کی طرف سے زکوٰۃ وصول کرنے والے کارکن آجائیں تو ان کے ساتھ احترام واکرام کا معاملہ کرنا چاہئے بہتر انداز سے کامل زکوٰۃ اس کے سپرد کرنی چاہئے اور اس کو ہر حال میں راضی رکھنا چاہئے۔

اسلام کا یہ عادلانہ حکیمانہ مزاج ہے کہ وہ ہر آدمی کو اس کی ذمہ داری کا احساس دلاتا ہے چنانچہ مالک کی ذمہ داری کا ان کو اتنا احساس دلاتا ہے کہ وہ ہر حالت میں زکوٰۃ وصول کرنے والے کو راضی رکھے خواہ وہ ظالم کیوں نہ ہو، ادھر عامل اور زکوٰۃ وصول کرنے والے کو ان کی ذمہ داری کا یہ احساس دلاتا ہے کہ وہ کسی صورت میں مالک پر ظلم نہ کرے ان کے مال میں سے عمدہ مال نہ لے نہ ریوڑ کا بکرا لے بلکہ حق زکوٰۃ میں متوسط مال اٹھا کر لے تا کہ مالک پریشان نہ ہو، اسی طرح اسلام کے قواعد میں مالک کے اجر وثواب کو کھلے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے تا کہ ان کو زکوٰۃ دینے میں بوجھ محسوس نہ ہو نیز زکوٰۃ وصول

---

[1] اخرجه البخاري: ۸/۱۶۲ ومسلم: ۳/۷۴، ۷۴ [2] اخرجه مسلم: ۳/۷۲، ۷۴ [3] المرقات: ۴/۲۷۰ اشعة اللمعات

کرنے والے کے اجر وثواب کا خوب بیان کیا تا کہ ان کو صرف ملازمت ومزدوری کا احساس نہ ہو بلکہ عبادت کا احساس ہو۔

عامل کے لئے آنحضرت ﷺ کی دعا

﴿۶﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ أَبِي أَوْفَى قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَتَاهُ قَوْمٌ بِصَدَقَتِهِمْ قَالَ أَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى آلِ فُلَانٍ فَأَتَاهُ أَبِي بِصَدَقَتِهِ فَقَالَ أَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى آلِ أَبِي أَوْفَى۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ إِذَا أَتَى الرَّجُلُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِصَدَقَتِهِ قَالَ أَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت عبد اللہ ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب کوئی جماعت نبی کریم ﷺ کے پاس اپنی زکوٰۃ لے کر آتی (تا کہ آپ انہیں مستحقین میں تقسیم فرمادیں) تو فرماتے اے اللہ: فلاں شخص کے خاندان پر رحمت نازل فرما چنانچہ جب میرے والد مکرم آنحضرت ﷺ کے پاس اپنی زکوٰۃ لے کر حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ: ابو اوفی کے خاندان پر رحمت نازل فرما (بخاری ومسلم) ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ ''جب کوئی شخص آنحضرت ﷺ کی خدمت میں اپنی زکوٰۃ لے کر حاضر ہوتا تو آپ فرماتے کہ ''اے اللہ اس شخص پر اپنی رحمت نازل فرما''۔

توضیح: ''اللّٰھم صل'' نبی کے علاوہ غیر نبی پر مستقل طور پر درود پڑھنا منع ہے ہاں بالتبع جائز ہے یہ حکم امتی کے بارہ میں ہے خود حضور اکرم ﷺ اگر کسی کے لئے صلاۃ کے الفاظ استعمال فرمادیں تو آنحضرت ﷺ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں یہ آپ کی خصوصیت ہے جیسے یہاں آپ ﷺ نے صلوۃ کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔[2]
بہر حال صدقہ لینے والے کو چاہئے کہ وہ صدقہ دینے والے کے لئے خوب دعائیں کرے تا کہ اس کا دل مطمئن ہو کر خوش ہو جائے اور ان کو یہ احساس نہ ہو کہ مجھ سے میرا مال زبردستی لیا جارہا ہے۔

مال ہوتے ہوئے زکوٰۃ ادا نہ کرنا کفران نعمت ہے

﴿۷﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُمَرَ عَلَى الصَّدَقَةِ فَقِيْلَ مَنَعَ ابْنُ جَمِيْلٍ وَخَالِدُ بْنُ الْوَلِيْدِ وَالْعَبَّاسُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يَنْقِمُ ابْنُ جَمِيْلٍ إِلَّا أَنَّهُ كَانَ فَقِيْرًا فَأَغْنَاهُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ وَأَمَّا خَالِدٌ فَإِنَّكُمْ تَظْلِمُوْنَ خَالِدًا قَدِ احْتَبَسَ أَدْرَاعَهُ وَأَعْتُدَهُ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ وَأَمَّا الْعَبَّاسُ فَهِيَ عَلَيَّ وَمِثْلُهَا مَعَهَا ثُمَّ قَالَ يَا عُمَرُ أَمَا شَعَرْتَ أَنَّ عَمَّ الرَّجُلِ صِنْوُ أَبِيْهِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو (زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے)

[1] اخرجہ البخاری: ۲/۲۵۹ ومسلم: ۲/۱۸۳ [2] المرقات: ۴/۲۷۰ [3] اخرجہ البخاری: ۲/۱۵۱ ومسلم: ۲/۵۶،۵۷

مقرر فرمایا، کسی شخص نے آکر خبر دی کہ ابن جمیل رضی اللہ عنہ، خالد ابن ولید رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے زکوٰۃ ادا نہیں کی (یہ سن کر) آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "ابن جمیل رضی اللہ عنہ نے تو زکوٰۃ دینے سے اس لئے انکار کیا کہ وہ پہلے مفلس وقلاش تھا اور اب اللہ تبارک وتعالیٰ نے اور اس کے رسول نے اسے دولت مند بنا دیا ہے، خالد ابن ولید رضی اللہ عنہ کی بات یہ ہے کہ ان پر تم لوگ ظلم کر رہے ہو کہ اصل میں ان پر زکوٰۃ واجب ہی نہیں ہے مگر تم ان سے زکوٰۃ وصول کرنے کے خواہشمند ہو کیونکہ انہوں نے تو اپنی زرہیں اور سامان جنگ (یعنی ہتھیار، جانور اور جنگ کا دوسرا سامان) خدا کی راہ میں (یعنی جہاد کے لئے) وقف کر رکھا ہے (لہٰذا تم جوان کے مال واسباب تجارت کا مال سمجھتے ہو (وہ غلط ہے) اور جہاں تک حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا تعلق ہے تو بات یہ ہے کہ ان کی زکوٰۃ مجھ پر ہے اور نہ صرف اسی سال کی بلکہ اس کے مثل اور (آئندہ سال کی) بھی"۔ پھر فرمایا کہ عمر رضی اللہ عنہ: کیا تم نہیں جانتے کہ کسی شخص کا چچا اس کے باپ کی مانند ہوتا ہے (لہٰذا تم لوگ عباس رضی اللہ عنہ کو میرے باپ کی جگہ سمجھو، ان کی تعظیم وتوقیر کرو اور انہیں کسی بھی طرح رنج وتکلیف نہ پہنچاؤ)۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: **"ماینقم ابن جمیل"** نقم سخت کراہت اور ناپسندیدگی کے معنی میں ہے جو درحقیقت یہاں انکار کے لئے استعمال ہوا ہے ابن جمیل رضی اللہ عنہ ایک منافق آدمی تھا پھر کچھ اچھا ہو گیا مگر بہت مفلس تھا حضور اکرم ﷺ سے مال ودولت کے لئے دعا کرائی آنحضرت ﷺ نے دعا فرمائی اللہ تبارک وتعالیٰ نے بہت مال دیا مگر اس نے ناشکری کی اور زکوٰۃ دینا منع کر دیا تو حضور اکرم ﷺ نے یہ کلمات ارشاد فرمائے کہ اس شخص نے کس طرح کفران نعمت کیا۔[1]

"احتبس ادراعه" ادراع درع کی جمع ہے زرہ کو کہتے ہیں[2] **"اعتد"** عتاد کی جمع ہے اسباب وآلات جنگ مراد ہیں یعنی تم لوگ خالد پر ظلم کرتے ہو وہ غریب آدمی ہے مسلسل جہاد میں رہتا ہے اپنی زرہیں اور آلات جنگ سب کے سب اللہ تبارک وتعالیٰ کے راستے جہاد میں وقف کر رکھا ہے اس پر زکوٰۃ کہاں ہے حضور اکرم ﷺ کے اس کلام میں اشارہ ہے کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ ہمیشہ جہاد میں لگا رہیگا چنانچہ ایسا ہی ہوا حضرت خالد رضی اللہ عنہ آخر دم تک مسلسل جہاد میں لگے رہے۔[3]

"ومثلها معها" مطلب یہ کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی طرف جو زکوٰۃ ہے وہ میں ادا کردوں گا بلکہ آئندہ سال کا بھی ادا کردوں گا کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے دو سالوں کی زکوٰۃ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے پہلے وصول فرمائی تھی یا یہ مطلب ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی شکایت پر ناراضگی کا اظہار کیا اور فرمایا کہ عباس رضی اللہ عنہ کی طرف سے میں خود زکوٰۃ ادا کردوں گا بلکہ زیادہ ادا کروں گا کیونکہ ہوسکتا ہے کہ ان کو کوئی عذر ہو ان کی شکایت نہیں کرنی چاہئے وہ میرے تایا ہیں اور تایا تو باپ کی جگہ ہوتا ہے یہ مطلب زیادہ واضح ہے اور حدیث کا آخری ٹکڑا اس کی تائید کرتا ہے۔[4]

"صنو ابیه" ایک درخت کے تنہ سے جب دو شاخہ درخت بن جائے تو ہر ایک کو صنو کہتے ہیں صنوان مشابہ کو کہتے ہیں یعنی چچا باپ کے مانند ہوتا ہے۔[5]

---

[1] المرقات: ۴/۲۷۱ [2] المرقات: ۴/۲۷۲ [3] المرقات: ۴/۲۷۲ [4] المرقات: ۴/۲۷۲ [5] المرقات: ۴/۲۷۲

مورخہ ۷ جمادی الثانی ۱۴۱۰ھ

سرکاری آدمی اپنی ذات کے لئے تحفہ قبول نہیں کرسکتا

﴿۸﴾ وَعَنْ أَبِي حُمَيْدٍ السَّاعِدِيِّ قَالَ اسْتَعْمَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلاً مِنَ الْأَزْدِ يُقَالُ لَهُ ابْنُ اللُّتْبِيَّةِ عَلَى الصَّدَقَةِ فَلَمَّا قَدِمَ قَالَ هٰذَا لَكُمْ وَهٰذَا أُهْدِيَ لِي فَخَطَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَأَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ أَمَّا بَعْدُ فَإِنِّي أَسْتَعْمِلُ رِجَالاً مِنْكُمْ عَلٰى أُمُورٍ مِمَّا وَلَّانِي اللّٰهُ فَيَأْتِي أَحَدُهُمْ فَيَقُولُ هٰذَا لَكُمْ وَهٰذِهِ هَدِيَّةٌ أُهْدِيَتْ لِي فَهَلاَّ جَلَسَ فِي بَيْتِ أَبِيهِ أَوْ بَيْتِ أُمِّهِ فَيَنْظُرَ أَيُهْدٰى لَهُ أَمْ لاَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لاَ يَأْخُذُ أَحَدٌ مِنْهُ شَيْئًا إِلاَّ جَاءَ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَحْمِلُهُ عَلٰى رَقَبَتِهِ إِنْ كَانَ بَعِيرًا لَهُ رُغَاءٌ أَوْ بَقَرًا لَهُ خُوَارٌ أَوْ شَاةً تَيْعَرُ ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى رَأَيْنَا عُفْرَةَ إِبْطَيْهِ ثُمَّ قَالَ أَللّٰهُمَّ هَلْ بَلَّغْتُ أَللّٰهُمَّ هَلْ بَلَّغْتُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ قَالَ الْخَطَّابِيُّ وَفِي قَوْلِهِ هَلاَّ جَلَسَ فِي بَيْتِ أُمِّهِ أَوْ أَبِيهِ فَيَنْظُرَ أَيُهْدٰى إِلَيْهِ أَمْ لاَ دَلِيلٌ عَلٰى أَنَّ كُلَّ أَمْرٍ يُتَذَرَّعُ بِهِ إِلٰى مَحْظُورٍ فَهُوَ مَحْظُورٌ وَكُلُّ دَخِيلٍ فِي الْعُقُودِ يُنْظَرُ هَلْ يَكُونُ حُكْمُهُ عِنْدَ الْاِنْفِرَادِ كَحُكْمِهِ عِنْدَ الْاِقْتِرَانِ أَمْ لاَ هٰكَذَا فِي شَرْحِ السُّنَّةِ۔[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلۂ ازد کے ایک شخص کو کہ جس کا نام ابن لتبیہ رضی اللہ عنہ تھا زکوٰۃ وصول کرنے پر مقرر فرمایا۔ چنانچہ جب وہ شخص (زکوٰۃ وصول کرکے) مدینہ (واپس آیا تو مسلمانوں سے کہنے لگا کہ "اتنا مال تو تمہارا ہے (یعنی یہ مال زکوٰۃ میں وصول ہوا ہے، اس کے مستحق تم ہو) اور یہ اتنا مال تحفہ کے طور پر مجھے دیا گیا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے سامنے خطبہ ارشاد فرمایا جس میں پہلے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کی حمد وثناء بیان کی اور اس کے بعد فرمایا کہ "بعد ازاں: میں تم میں سے چند آدمیوں کو ان امور کے لئے مقرر کرتا ہوں جن کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے حاکم بنایا ہے، چنانچہ تم میں سے ایک شخص (جسے میں نے زکوٰۃ وصول کرنے پر مقرر کیا ہے اپنا کام کرکے) آتا ہے تو کہتا ہے کہ یہ تمہارے لئے ہے اور یہ مال مجھے تحفہ میں دیا گیا ہے وہ شخص اپنے باپ یا اپنی ماں کے گھر کیوں نہیں بیٹھا رہا تب وہ دیکھتا کہ اس کے پاس تحفہ بھیجا جاتا ہے یا نہیں؟ قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے (یاد رکھو) تم میں سے جو شخص کوئی بھی چیز لے گا اسے وہ قیامت کے دن (رسوائی وذلت کے طور پر) اپنی گردن پر اٹھائے ہوئے لائے گا اگر وہ اونٹ ہوگا (کہ جس کو اس نے بغیر استحقاق لیا ہوگا) تو اس کی آواز ہوگی، اگر وہ بیل ہوگا تو اس کی آواز ہوگی اور اگر وہ بکری ہوگی تو اس کی آواز ہوگی

[1] اخرجه البخاري: ۹/۸۸ ومسلم: ۱۲/۲۱۸، ۲۲۱

(یعنی وہ دنیا میں جو بھی چیز بغیر استحقاق کے لے گا وہی چیز قیامت کے دن اس کی گردن پر سوار ہوگی اور بولتی ہوگی اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے اپنے دونوں دست مبارک (اتنے اونچے) اٹھائے کہ ہم نے آپ ﷺ کی مبارک بغلوں کی سفیدی دیکھی پھر فرمایا "اے پروردگار (تونے جو کچھ فرمایا تھا) میں نے لوگوں تک پہنچادیا یا اے پروردگار میں نے لوگوں تک پہنچادیا"۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "ابن اللتبية" لام پر پیش ہے فتحہ پڑھنا بھی صحیح ہے تا ساکنہ ہے اور فتحہ پڑھنا بھی صحیح ہے با پر کسرہ ہے ی پر شد ہے "لتبية" اس شخص کی ماں کا نام ہے جو عرب کے مشہور قبیلہ لتب کی طرف منسوب ہے اس شخص کا نام عبداللہ رضی اللہ عنہ تھا، انہوں نے زکوٰۃ کے اموال کو اکٹھا کر کے حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کیا لیکن ساتھ ساتھ یہ کہدیا کہ مجھے لوگوں نے ذاتی حیثیت سے کچھ مال بطور تحفہ دیا ہے لہٰذا وہ میرا ذاتی مال ہے اس بات پر نبی اکرم ﷺ سخت ناراض ہوئے اور فرمایا[1]

"**فهلا جلس**" یعنی یہ شخص اپنے باپ کے پاس یا ماں کے پاس گھر میں بیٹھ کر انتظار کرتا اور دیکھتا کہ یہاں بیٹھے بیٹھے لوگ اس کو تحفہ دیتے ہیں یا نہیں اگر نہیں دیتے ہیں تو صدقات کے اکٹھا کرنے کے وقت اس کو تحفہ لینے کا حق نہیں[2] "**رغا**" اونٹ کے بڑبڑانے کی آواز کو کہتے ہیں[3] "**خوار**" گائے کے ڈکارنے کی آواز کو کہتے ہیں "**تیعر**" بکری کی میں میں کی آواز کو کہتے ہیں یعنی ناجائز اونٹ کندھوں پر اٹھائے ہوئے بڑبڑاتے ہونگے گائے ڈکراتی ہونگی اور بکری منمناتی ہونگی۔[4]

دو استنباطی مسئلے:

"**قال الخطابی**" علامہ خطابی رحمہ اللہ نے مذکورہ حدیث کے مضمون سے دو اجتہادی مسئلے نکالے ہیں۔

① "**کل امر یتذرع**" یعنی ہر جائز کام اگر کسی ناجائز کام کے لئے واحد ذریعہ وسیلہ بنتا ہے تو وہ وسیلہ بھی ناجائز ہوجاتا ہے دوسرے الفاظ میں یوں کہا جائے کہ وسیلہ حرام بھی حرام ہے۔ مثال کے طور پر کوئی شخص کسی کو قرض پیسہ دیتا ہے تو یہ جائز اور ثواب کا کام ہے لیکن اسی قرض پر اگر کوئی شخص سود لیتا ہے اور یہ قرض سود کا وسیلہ بنتا ہے تو پھر یہ قرض دینا بھی حرام ہے اسی طرح گروی اور رہن کے معاملہ میں اگر راہن مرہون چیز سے فائدہ لیتا ہے تو اب جائز رہن بھی ناجائز ہوجاتا ہے اسی طرح یہاں ابن لتبیہ کا اصل کام تو جائز تھا جو صدقات کا اکٹھا کرنا تھا لیکن یہ کام حرام کا ذریعہ بن گیا اس لئے اب یہ جائز کام اس کے حق میں حرام ہوگیا خلاصہ یہ کہ وسیلہ حلال حلال ہے اور وسیلہ حرام حرام ہے۔[5]

"**وکل دخیل ینظر**" یعنی ہر شراکت اور اجتماعیت اور ایک عقد کو دوسرے عقد کے ساتھ ملانے کے وقت دیکھا جائے گا کہ ان معاملات کے علیحدہ علیحدہ ہونے کے وقت کا کیا حکم ہے اور دونوں عقدوں کو ملانے کے وقت کا حکم کیا ہے اگر علیحدہ علیحدہ کرنے کے وقت کا حکم جائز ہے تو ملانے کے وقت کا حکم بھی جائز ہوگا لیکن اگر انفرادی کا حکم اور ہے اور اجتماعی کا حکم اور ہے تو پھر اس طرح ملائے رکھنا جائز نہیں ہے مثلاً زیر بحث مسئلہ میں ابن لتبیہ ایک منصب اور عہدہ پر فائز تھا اب اگر ابن لتبیہ کو اس عہدہ کے بغیر لوگ تحفہ دیتے تھے تو یہ تحفہ اس عہدہ کے وقت بھی قبول کرنا جائز تھا اور اگر عہدہ اور منصب کے

[1] المرقات: ۴/۲۷۳ [2] المرقات: ۴/۲۷۳ [3] المرقات: ۴/۲۷۴ [4] المرقات: ۴/۲۷۴ [5] المرقات: ۴/۲۷۵

بغیر ابن لتبیہ کو کوئی شخص تحفہ نہیں دیتا تھا تو اب اس کے لئے یہ تحفہ قبول کرنا جائز نہیں تھا حضور اکرم ﷺ نے اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ یہ شخص اس منصب سے علیحدہ ہو کر گھر میں بیٹھ جائے پھر دیکھے کہ اس کو کوئی تحفہ دیتا ہے یا نہیں۔

علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ کے اس استنباطی قاعدہ کی زد میں مدارس کے مہتمم حضرات بھی آتے ہیں اور سرکاری عہدوں پر فائز افسران بالا اور حکام وقضاۃ اور جج حضرات بھی آتے ہیں اور دینی وجہادی تنظیمات کے عہدے دار بھی آتے ہیں سب کو سوچنا چاہئے اور قومی امانات کو مال غنیمت سمجھ کر ہڑپ نہیں کرنا چاہئے۔

علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ کے اس اجتہادی مسئلہ کو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اسی طرح قبول کرتے ہیں البتہ احناف اور شوافع حضرات کے ہاں اس میں کچھ تامل اور کچھ تفصیل ہے۔[1]

﴿۹﴾ وَعَنْ عَدِيِّ بْنِ عَمِيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اسْتَعْمَلْنَاهُ مِنْكُمْ عَلٰى عَمَلٍ فَكَتَمَنَا مِخْيَطًا فَمَا فَوْقَهُ كَانَ غُلُوْلًا يَأْتِيْ بِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت عدی ابن عمیرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ہم تم میں سے جس کسی کو کسی کام (یعنی زکوۃ وغیرہ وصول کرنے) پر مقرر کریں اور وہ شخص ہم سے سوئی کے برابر یا اس سے کم وبیش کسی چیز کو چھپائے تو یہ خیانت میں شمار ہوگا جو اسے قیامت کے روز (رسوا کر کے) لائے گا۔ (مسلم)

الفصل الثانی

مانعین زکوۃ کو قرآن کی تنبیہ

﴿۱۰﴾ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ كَبُرَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ فَقَالَ عُمَرُ أَنَا أُفَرِّجُ عَنْكُمْ فَانْطَلَقَ فَقَالَ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ إِنَّهُ كَبُرَ عَلٰى أَصْحَابِكَ هٰذِهِ الْاٰيَةُ فَقَالَ إِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَفْرِضِ الزَّكَاةَ إِلَّا لِيُطَيِّبَ مَا بَقِيَ مِنْ أَمْوَالِكُمْ وَإِنَّمَا فَرَضَ الْمَوَارِيْثَ وَذَكَرَ كَلِمَةً لِتَكُوْنَ لِمَنْ بَعْدَكُمْ فَقَالَ فَكَبَّرَ عُمَرُ ثُمَّ قَالَ لَهُ أَلَا أُخْبِرُكَ بِخَيْرِ مَا يَكْنِزُ الْمَرْءُ الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ إِذَا نَظَرَ إِلَيْهَا سَرَّتْهُ وَإِذَا أَمَرَهَا أَطَاعَتْهُ وَإِذَا غَابَ عَنْهَا حَفِظَتْهُ۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)[3]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت کریمہ ﴿والذين يكنزون الذهب والفضة﴾ الآیۃ: اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں (آخر تک) نازل ہوئی تو صحابہ رضی اللہ عنہم بڑے متفکر ہوئے (ان کی حالت دیکھ) کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تمہارے اس فکر کو (ابھی) دور کئے دیتا ہوں چنانچہ وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت

[1] المرقات: ۲۷۵،۲۷۶/۴ [2] اخرجہ مسلم: ۱۲/۲۲۲ [3] اخرجہ ابوداؤد: ۲/۱۲۹ ج ۱۶۶۴

میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی: یہ آیت تو آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم پر بڑی بار ہوگئی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تبارک وتعالیٰ نے زکوٰۃ کو اسی لئے فرض کیا ہے تا کہ وہ تمہارے باقی مال کو پاک کردے نیز اللہ تبارک وتعالیٰ نے میراث کو اس لئے مقرر کیا ہے، اور اس کے بعد آپ ﷺ نے ایک کلمہ ذکر فرمایا، تا کہ جو لوگ تمہارے بعد رہ جائیں وہ ان کا حق ہوجائے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ اکبر کہا: اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ: کیا میں تمہیں ایک ایسی بہترین چیز نہ بتادوں جسے انسان اپنے پاس رکھ کر ذخیرہ کرے، وہ خوش اور نیک بخت عورت ہے کہ جب اس کی طرف مرد دیکھے تو اس کی طبیعت خوش ہو، جب وہ اسے کوئی حکم دے تو اس کی اطاعت کرے، اور جب وہ گھر میں موجود نہ ہو تو اس کے بچوں کی حفاظت کرے۔ (ابوداؤد)

توضیح: "لما نزلت" یعنی زکوٰۃ سے متعلق جب قرآن کریم میں شدید وعید پر مشتمل ایت نازل ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بہت پریشان ہوئے کیونکہ اس ایت میں کسی قسم کے مال کے جمع کرنے اور ذخیرہ کرنے پر وعید سنائی گئی ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں جا کر حضور ﷺ سے معلوم کرتا ہوں چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ کے سامنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پریشانی کا ذکر کیا تو آنحضرت ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے زکوٰۃ کو اسی لئے فرض کیا ہے تا کہ اس کے ذریعہ سے مسلمان کا باقی مال پاک ہوجائے لہٰذا جس مال کی زکوٰۃ ادا کی گئی وہ پاک ہوگیا اب اس کا رکھنا اور جمع کرنا منع نہیں ہے قرآن کریم میں مال کے اکٹھا کرنے پر جو وعید آئی ہے وہ اس مال کے بارہ میں ہے جس کی زکوٰۃ ادا نہ کی گئی ہو، یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نعرۂ تکبیر بلند کر کے خوشی کا اظہار فرمایا۔[1]

"وذکر کلمة" یعنی مواریث کے ذکر کرنے کے بعد حضور اکرم ﷺ نے ایک کلمہ ارشاد فرمایا تھا مگر میں اس کو بھول گیا ہوں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اس لفظ سے ہر آدمی کو اندازہ ہوجاتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور اکرم ﷺ کی احادیث بیان کرنے میں کتنی احتیاط فرماتے تھے اور روایت بالمعنی کے بجائے اصلی لفظ کا کتنا اہتمام کیا کرتے تھے۔[2]

زکوٰۃ کے عاملین کو خوش رکھو

﴿۱۱﴾ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَتِيْكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَيَأْتِيْكُمْ رُكَيْبٌ مُبَغَّضُوْنَ فَإِذَا جَاؤُوْكُمْ فَرَحِّبُوْا بِهِمْ وَخَلُّوْا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَبْتَغُوْنَ فَإِنْ عَدَلُوْا فَلِأَنْفُسِهِمْ وَإِنْ ظَلَمُوْا فَعَلَيْهِمْ وَأَرْضُوْهُمْ فَإِنَّ تَمَامَ زَكَاتِكُمْ رِضَاهُمْ وَلْيَدْعُوْا لَكُمْ۔ (رواه أبو داود)[3]

ترجمہ: اور حضرت جابر بن عتیک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: تمہارے پاس ایک چھوٹا سا قافلہ آئے گا (یعنی طبعی طور پر لوگ ان سے متنفر ہوں گے کیونکہ وہ ان کا مال لینے آئیں گے) لہٰذا جب تمہارے پاس وہ قافلہ آئے تو تم انہیں مرحبا

[1] المرقات: ۴/۲۷۷ [2] المرقات: ۴/۲۷۸ [3] اخرجه ابوداؤد: ۲/۱۰۸ ح ۱۵۸۸

(خوش آمدید) کہو اور (ان کی خدمت میں زکوٰۃ کا مال حاضر کر دو گویا) ان کے اور ان کی طلب کردہ چیز یعنی زکوٰۃ کے درمیان کوئی چیز حائل و مانع نہ رکھو، لہٰذا اگر وہ زکوٰۃ لینے کے بارے میں عدل سے کام لیں گے تو یہ اپنے لئے کریں گے (کہ عدل کا ثواب پائیں گے) اور اگر ظلم کا معاملہ کریں گے تو اس کا وبال ان پر ہوگا، تم تو زکوٰۃ وصول کرنے والوں کو راضی کرو اور (جان لو کہ) تمہاری طرف سے پوری زکوٰۃ کی ادائیگی ہی ان کی رضامندی ہے نیز عامل (زکوٰۃ وصول کرنے والے) کو چاہیئے کہ وہ تمہارے لئے دعاء کریں۔ (ابوداؤد)

توضیح: "رکیب" یہ رکب کی تصغیر ہے زکوٰۃ کے عاملین کا چھوٹا سا قافلہ مراد ہے [1] "**مبغضون**" اسم مفعول کا صیغہ ہے مبغوض اور ناپسندیدہ کے معنی میں ہے یعنی زکوٰۃ وصول کرنے والے تمہارے پاس آئیں گے اور چونکہ معاملہ مال دینے کا ہے اس لئے طبعی طور پر تمہیں یہ لوگ پسند نہیں آئیں گے لیکن تم ان کا خوشی سے استقبال کرو۔ [2]

"**وان ظلموا**" یعنی وہ قطعاً تم پر ظلم نہیں کریں گے لیکن فرض کرو اگر تمہارا خیال ہے کہ یہ لوگ ظلم بھی کرتے ہیں پھر بھی ان کو خوش رکھو ان کو ناراض نہ کرو، اس ترغیب کا یہ مطلب نہیں کہ ان کا ظلم جائز ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ تم ان کو ہر حال میں خوش رکھو خوش رکھنے کی ترغیب ہے کیونکہ اسلام کا عادلانہ نظام اسی پر قائم ہے کہ طرفین کے لوگوں کو اس پر آمادہ کیا جائے کہ وہ ایک دوسرے کو برداشت کریں ایک طرف کارکنان زکوٰۃ کو اسلام شدت سے انصاف کی تلقین کرتا ہے، اور دوسری طرف مالکان اموال کو ہر قسم حکم کے برداشت کرنے کی ترغیب دیتا ہے سبحان اللہ کیا عالیشان دین ہے۔ [3]

﴿۱۲﴾ وَعَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ جَاءَ نَاسٌ يَعْنِيْ مِنَ الْأَعْرَابِ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا اِنَّ نَاسًا مِنَ الْمُصَدِّقِيْنَ يَأْتُوْنَا فَيَظْلِمُوْنَا فَقَالَ أَرْضُوْا مُصَدِّقِيْكُمْ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَاِنْ ظَلَمُوْنَا قَالَ أَرْضُوْا مُصَدِّقِيْكُمْ وَاِنْ ظُلِمْتُمْ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ) [4]

ترجمہ: اور حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ دیہات کے کچھ لوگ رسول کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ زکوٰۃ وصول کرنے والے کچھ لوگ ہمارے پاس آتے ہیں اور ہمارے ساتھ ظلم کا معاملہ کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ زکوٰۃ وصول کرنے والوں کو راضی کرو۔ انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ: اگرچہ وہ ہم پر ظلم ہی کیوں نہ کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تم تو زکوٰۃ وصول کرنے والوں کو راضی ہی کرو اگرچہ تمہارے ساتھ ظلم ہی کا معاملہ کیوں نہ کیا جائے۔ (ابوداؤد)

زکوٰۃ کا کچھ حصہ چھپانا منع ہے

﴿۱۳﴾ وَعَنْ بَشِيْرِ بْنِ الْخَصَاصِيَّةِ قَالَ قُلْنَا اِنَّ أَهْلَ الصَّدَقَةِ يَعْتَدُوْنَ عَلَيْنَا أَفَنَكْتُمُ مِنْ أَمْوَالِنَا بِقَدْرِ مَا يَعْتَدُوْنَ قَالَ لَا۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ) [5]

---

[1] المرقات: ۴/۲۶۹ [2] المرقات: ۴/۲۶۹ [3] المرقات: ۴/۲۶۹ [4] اخرجه ابوداؤد: ۲/۱۰۸ ح ۱۵۸۹ [5] اخرجه ابوداؤد: ۲/۱۰۸ ح ۱۵۸۹

ترجمہ: اور حضرت بشیر ابن خصاصیہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے رسول کریم ﷺ سے عرض کیا کہ زکوٰۃ لینے والے ہمارے اوپر زیادتی کرتے ہیں (یعنی زکوٰۃ میں مقدار واجب سے زیادہ لیتے ہیں) تو کیا ہم اپنے مال میں سے اتنا حصہ چھپالیں جتنا کہ وہ ہم سے زائد وصول کرتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں۔ (ابوداؤد)

توضیح: "افنکم" یعنی فرض کریں اگر عامل مال زکوٰۃ لینے میں ہم پر زیادتی کرے تو کیا ہم ایسا کر سکتے ہیں کہ اموال کا کچھ حصہ ان سے پوشیدہ رکھیں حضور اکرم ﷺ نے منع فرمایا، اس حدیث کے سمجھنے کے لئے یہ بات بھی سمجھ لیں کہ اسلامی خلافت کا حق ہے کہ وہ لوگوں کے اموال ظاہرہ یعنی مویشیوں اور عشر وغیرہ کی زکوٰۃ خود وصول کرے ان اموال میں صاحب مال کا اختیار نہیں کہ وہ اپنی صوابدید پر کسی غریب کو دے بلکہ ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان صدقات کو بیت المال میں جمع کرائے اسی سے متعلق یہ حکم ہے کہ مال کا کوئی حصہ چھپا کر رکھنا اور اس کا صدقہ ادا نہ کرنا جائز نہیں ہے ہاں اموال باطنہ یعنی روپیہ پیسہ کا معاملہ الگ ہے وہ صاحب مال اپنی صوابدید کے مطابق فقراء کو دے سکتا ہے بہرحال اسلامی حکومت سے ان کا حق چھپانا منع ہے۔[1]

زکوٰۃ وصول کرنے والوں کا اجر

﴿۱۴﴾ وَعَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْعَامِلُ عَلَى الصَّدَقَةِ بِالْحَقِّ كَالْغَازِيْ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلٰى بَيْتِهِ. (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ)[2]

ترجمہ: اور حضرت رافع ابن خدیج رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: حق کے ساتھ زکوٰۃ وصول کرنے والا عامل، خدا کی راہ میں (جہاد کرنے والے) غازی کی طرح ہے جب تک کہ وہ اپنے گھر لوٹ کر آئے۔ (ابوداؤد، ترمذی)

توضیح: "کالغازی" یعنی زکوٰۃ وصول کرنے والا ثواب کے اعتبار سے ایک مجاہد اور غازی کی طرح ہے کیونکہ وہ اسلامی خلافت اور دین اسلام کے ایک حکم کی خدمت کررہا ہے اگرچہ وہ تنخواہ بھی لیتا ہے لیکن پھر بھی ان کو بڑا اجر ملتا ہے اسلام مسلمانوں کو نیکیوں اور عبادت اور آخرت کی طرف متوجہ کرتا ہے اس لئے زکوٰۃ کے کارکنان کو صرف مزدور و ملازم کی حد تک نہیں رکھا بلکہ ان کو اجر و ثواب اور عبادت کا تصور بھی دیا ہے اب وہ اس کام میں عبادت کا تصور پیش نظر رکھے گا تو کام کو دیانت و امانت سے کریگا اس میں شوق و رغبت بھی رکھے گا تو کام میں ترقی ہوگی اس کے برعکس آج کل حکمرانوں نے مسلمانوں کو دین کے کام پر لگا کر بھی بے دین بنادیا ہے کیونکہ وہ ان کو صرف سروس اور مزدوری کا تصور دیتے ہیں جیسے افواج پاکستان ہیں ان کو صرف ملازمت کا تصور دیا جاتا ہے حالانکہ ایک فوجی ایک مجاہد ہوتا ہے اور مجاہد کا درجہ کتنا اونچا ہے جب عبادت کا تصور نہیں تو نہ ان میں دیانت و امانت ہے نہ شوق و رغبت ہے صرف مزدوری ہے اور ملازمت ہے۔[3]

---

[1] المرقات: ۴/۱۸۱ [2] اخرجہ ابوداؤد: ۳/۱۲۳ ح ۲۹۳۶ والترمذی: ۲/۱۳۷ ح ۶۴۵ [3] المرقات: ۴/۲۸۱

جَلَب اور جَنَب کا مطلب

﴿۱۵﴾ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا جَلَبَ وَلَا جَنَبَ وَلَا تُؤْخَذُ صَدَقَاتُهُمْ إِلَّا فِي دُورِهِمْ. (رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ)[1]

ترجمہ: حضرت عمرو ابن شعیب رضی اللہ عنہ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے اور وہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا زکوٰۃ وصول کرنے والا (زکوٰۃ کیلئے) مویشیوں کو نہ کھینچ کر منگوائے اور نہ مویشیوں کا مالک دور چلا جائے نیز مویشیوں کی زکوٰۃ ان کے مکان ہی میں لی جائے۔ (ابوداؤد)

توضیح: "لاجلب" جلب کھینچنے اور کھینچ کرلانے کے معنی میں ہے اس لفظ کا تعلق زکوٰۃ وصول کرنے والے ساعی کے ساتھ ہے اور یہ نہی ہے مطلب یہ کہ ساعی جا کر دور کسی مقام میں بیٹھ جائے اور لوگوں کو حکم دے کہ میں یہاں بیٹھا ہوں تم صدقات کے اموال یہاں لاکر پہنچاؤ اس سے حضور ﷺ نے منع فرمایا کیونکہ اس میں زکوٰۃ دینے والے مالکوں پر بے جا مشقت ڈالنا ہے۔[2]

"**ولا جنب**" جنب دوری اور الگ ہونے کے معنی میں ہے یہ بھی نہی ہے اس کا تعلق زکوٰۃ دینے والے مالک کے ساتھ ہے مطلب یہ کہ مالک مال نے بطور شرارت ساعی کی آمد پر اپنے مال مویشیوں کو اپنے گھر سے دور کر دیا اور خود بھی دور چلا گیا اور ساعی سے کہا کہ ادھر آ کر زکوٰۃ وصول کرو اس میں ساعی پر بے جا مشقت ڈالنا ہے اس لئے حضور ﷺ نے منع فرما دیا۔[3]

"**الافی دورھم**" دور دار کی جمع ہے گھر کو کہتے ہیں یہ جملہ ان سے پہلے دونوں جملوں کے لئے تاکید ہے مطلب یہ کہ زکوٰۃ گھروں ہی کے پاس لی جائے اور دی جائے تا کہ کسی کو تکلیف نہ ہو۔[4]

"**جلب اور جنب**" کے کلمات اگر ابواب زکوٰۃ میں آجائیں تو اس کے یہی مطالب ہیں جو اوپر بیان ہوئے لیکن اگر یہ کلمات کتاب الجہاد کے گھڑ دوڑ اور سباق کے باب میں آجائیں تو وہاں اس کے مطلب بدل جاتے ہیں وہاں جلب کا اطلاق اس پر ہوتا ہے کہ گھوڑے کے پیچھے ایک آدمی لگ جائے اور زور زور سے اس پر چیخیں مارے اور اس کو بھگائے تا کہ وہ اپنے مقابل گھوڑے سے آگے نکل جائے اور گھڑ دوڑ میں جنب کا مطلب یہ ہے کہ ایک گھوڑا تھک کر سست ہو گیا اس کے پہلو میں ایک خالی گھوڑا ہے تو اس شہسوار نے اس خالی گھوڑے پر چھلانگ لگا کر برابر کیا اور مقابلہ شروع کیا گھڑ دوڑ میں اس عمل سے اس لئے منع کر دیا گیا تا کہ جہادی ٹریننگ میں ہر گھوڑے کی قوت وطاقت اور تربیت ومہارت کا پتہ چلے کہ کونسا گھوڑا تربیت یافتہ ہے کونسا نہیں لیکن اس عمل سے یہ مقصد فوت ہو جاتا ہے اس لئے منع کیا۔

"**جلب**" کا لفظ بیوعات میں بھی استعمال ہوتا ہے وہاں اس کا مطلب یہ ہے کہ شہر کا بڑا تاجر جا کر شہر میں آنے والے قافلہ سے سارا مال خرید لیتا ہے اور اپنی مرضی سے شہر والوں پر فروخت کرتا ہے یہ **تلقی الجلب** ہے جو منع ہے۔[5]

---

[1] اخرجه ابوداؤد: ۲/۱۱۰ ح ۱۵۹۱ [2] المرقات: ۴/۲۸۲ [3] المرقات: ۴/۲۸۲ [4] المرقات: ۴/۲۸۲ [5] المرقات: ۴/۲۸۲

مال مستفاد کی زکوٰۃ کا مسئلہ

﴿۱۶﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اسْتَفَادَ مَالاً فَلاَ زَكَاةَ فِيْهِ حَتّٰى يَحُوْلَ عَلَيْهِ الْحَوْلُ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَذَكَرَ جَمَاعَةً أَنَّهُمْ وَقَفُوْهُ عَلَى ابْنِ عُمَرَ) [1]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کسی کو مال حاصل ہوا تو اس پر اس وقت تک زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی جب تک کہ ایک سال نہ گذر جائے، امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور ایک جماعت کے بارے میں کہا ہے کہ اس نے اس حدیث کو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ پر موقوف کیا ہے (یعنی یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی نہیں ہے بلکہ خود حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے)۔

توضیح: "من استفاد مالاً" مال مستفاد اس مال کو کہتے ہیں جو اصل نصاب کے ساتھ سال کے درمیان کچھ مزید مال حاصل ہو جائے۔ [2]

نصاب کے مکمل ہونے کے بعد انسان کو سال کے بیچ میں جو مال حاصل ہو جاتا ہے اس کی تین صورتیں ہیں دو اتفاقی ہیں اور ایک میں اختلاف ہے۔

❶ پہلی صورت یہ کہ سال کے درمیان جو مال آ گیا ہے وہ اصل نصاب کی جنس میں سے نہیں ہے مثلاً اونٹوں کا نصاب موجود ہے سال کے درمیان میں بکریاں آ گئیں اس میں ائمہ کا اتفاق ہے کہ ان بکریوں کے لئے الگ حولان حول ضروری ہے یہ اونٹوں کے تابع نہیں ہیں۔

❷ دوسری صورت یہ کہ پہلے نصاب موجود ہے مثلاً ۳۵ اونٹ ہیں یا دوسو درہم ہے مگر سال کے درمیان میں ان اونٹوں کے بچے پیدا ہو گئے یا مال تجارت میں منافع آیا اس کو انتاج اور ارباح کہتے ہیں فقہاء کا اس میں بھی اتفاق ہے کہ حاصل شدہ مال اصل نصاب کے تابع ہے الگ حولان حول کی ضرورت نہیں۔

❸ تیسری صورت یہ ہے کہ نیا حاصل شدہ مال مستفاد اصل نصاب کی جنس میں سے ہے مگر اس کے انتاج وارباح میں سے نہیں یعنی اس سے قطعاً حاصل نہیں ہوا بلکہ الگ ذریعہ سے ہاتھ آیا مثلاً پہلے اونٹ کا نصاب تھا پھر مزید خرید لیا یا کسی نے اونٹ صدقہ میں دیدیا یا میراث میں آ گیا۔ اس صورت میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے۔ [3]

فقہاء کا اختلاف:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس مال مستفاد کے لئے بھی حولان حول ضروری ہے یہ الگ مال ہے پہلے نصاب کے تابع نہیں ہے۔ [4]

[1] اخرجه الترمذی: ۲/۱۲۹ [2] المرقات: ۴/۲۸۳ [3] المرقات: ۴/۲۸۳ [4] المرقات: ۴/۲۸۴

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ مال اصل نصاب کا تابع ہے اس لئے سال کا گذرنا یا نصاب تک پہنچنا شرط نہیں ہے۔[1]

دلائل:

شوافع اور حنابلہ کی دلیل زیر بحث حدیث ہے جس میں واضح طور پر مذکور ہے کہ مال مستفاد کیلئے حولان حول شرط ہے۔

ائمہ احناف اور مالکیہ بھی اپنے مدعا پر زیر بحث حدیث سے استدلال کرتے ہیں مگر وہ اس حدیث کا مفہوم وہ نہیں لیتے جو شوافع اور حنابلہ نے لیا ہے بلکہ وہ فرماتے ہیں کہ **من استفاد مالاً** کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کو نئے سرے سے ابتدائی طور پر اگر مال حاصل ہو گیا تو جب تک اس مال پر سال نہیں گذریگا اس میں زکوۃ نہیں ہے۔

ائمہ احناف کی دوسری دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے وہ آثار ہیں جس میں مال مستفاد کے لئے وہ حضرات حولان حول کی شرط نہیں لگاتے ہیں ان آثار کو نصب الرایہ نے نقل کیا ہے۔

احناف و مالکیہ کی تیسری دلیل عقلی ہے وہ فرماتے ہیں کہ سال طویل عرصہ میں روزانہ نیا مال آتا رہتا ہے نیز مال گھٹا بڑھتا ہے اگر ہر نئے مال کے لئے حولان حول کو شرط لگایا گیا تو اس میں حرج عظیم ہے جو انسان کی طاقت سے باہر ہے **والحرج مدفوع فی الشرع**۔[2]

جواب: یہ حدیث مال مستفاد کی ان صورتوں پر محمول ہے جس میں تمام فقہاء کا اتفاق ہے۔

دوسرا جواب: یہ ہے کہ اس حدیث کا مطلب اور مفہوم وہ نہیں جو شوافع و حنابلہ نے لیا ہے بلکہ یہ نئے سرے سے حاصل شدہ اموال سے متعلق ہے جس کے حولان حول کے سب قائل ہیں۔

نصاب کا مالک سال پورا ہونے سے پہلے زکوۃ دے سکتا ہے

﴿۱۷﴾ وَعَنْ عَلِيٍّ أَنَّ الْعَبَّاسَ سَأَلَ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ تَعْجِيْلِ صَدَقَتِهِ قَبْلَ أَنْ تَحِلَّ فَرَخَّصَ لَهُ فِيْ ذٰلِكَ. (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَه وَالدَّارِمِيُّ)[3]

ترجمہ: اور حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سال پورا ہونے سے پہلے ہی زکوۃ جلدی ادا کردینے کے بارے میں پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس کی اجازت دے دی۔ (ابوداود، ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)

توضیح: "فرخص لہ" یعنی ابھی تک سال پورا نہیں ہوا ہے مگر ایک آدمی اپنے اموال کی زکوۃ نکالنا چاہتا ہے تو یہ احناف سمیت اکثر ائمہ کے نزدیک جائز ہے ہاں اس کے لئے یہ شرط ہے کہ زکوۃ نکالنے والا شرعی نصاب کا مالک ہو فقیر نہ ہو۔[4]

[1] المرقات: ۴/۲۸۳ [2] المرقات: ۴/۲۸۵ [3] اخرجہ ابوداؤد: ۲/۱۱۸ والترمذی ۲/۱۵۲ ابن ماجہ: ۲/۲۷۲ [4] المرقات: ۴/۲۸۵

مورخہ ۸ جمادی الثانی ۱۴۱۰ھ

نابالغ بچے کے مال کی زکوٰۃ کا مسئلہ

﴿۱۸﴾ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَ النَّاسَ فَقَالَ أَلَا مَنْ وَلِيَ يَتِيمًا لَهُ مَالٌ فَلْيَتَّجِرْ فِيهِ وَلَا يَتْرُكْهُ حَتَّى تَأْكُلَهُ الصَّدَقَةُ.

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ فِي إِسْنَادِهِ مَقَالٌ لِأَنَّ الْمُثَنَّى بْنَ الصَّبَّاحِ ضَعِيفٌ) [۱]

ترجمہ: حضرت عمرو ابن شعیب اپنے والد (حضرت شعیب) سے اور وہ اپنے دادا (یعنی عبداللہ رضی اللہ عنہ) سے نقل کرتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ نے لوگوں کے سامنے خطبہ ارشاد کرتے ہوئے فرمایا خبردار: جو شخص کسی یتیم کا نگہبان ہو اور وہ یتیم (بقدر نصاب) مال کا مالک ہو تو اس نگہبان کو چاہیئے کہ وہ اس مال سے تجارت کرے بغیر تجارت اس مال کو نہ رکھ چھوڑے کہ اسے زکوٰۃ ہی کھا جائے (یعنی زکوٰۃ دیتے دیتے پورا مال ہی صاف ہو جائے) اس روایت کو ابوداؤد و ترمذی نے نقل کیا ہے اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اس روایت کی اسناد میں کلام کیا گیا ہے کیونکہ روایت کے ایک راوی "مثنّٰی ابن صباح" ضعیف ہیں۔

توضیح: "حتی تاکله الصدقة" یعنی یتیم کے مال میں تجارت جاری رکھو تاکہ زکوٰۃ دیتے دیتے اس کے مال کو زکوٰۃ نہ کھا جائے اس جملہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نابالغ بچے کے مال میں زکوٰۃ ہے اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ [۲]

فقہاء کا اختلاف:

جمہور کے نزدیک اگر بچہ صاحب نصاب ہو جائے تو اس کے مال میں زکوٰۃ فرض ہے بچے کا سرپرست اور نگران اس مال سے زکوٰۃ ادا کرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک طبقے کا بھی یہی مسلک تھا۔ [۳]

ائمہ احناف سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اور ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بچے کے مال میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بھی یہی مسلک تھا۔ [۴]

دلائل:

جمہور نے زیر بحث حدیث سے استدلال کیا ہے۔

ائمہ احناف ان تمام نصوص سے استدلال کرتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بچہ مکلف نہیں ہے **رفع القلم عن ثلاثة** میں بچے کو مرفوع القلم قرار دیا گیا ہے۔ [۵]

کتاب الآثار میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ اثر موجود ہے "**انه سئل عن مال الیتیم فقال احصن ماله**

[۱] اخرجه الترمذی: ۲/۱۳ [۲] المرقات: ۴/۲۸۶ [۳] المرقات: ۴/۲۸۶ [۴] المرقات: ۴/۲۸۶ [۵] المرقات: ۴/۲۸۶

ولا تزکیہ" یعنی اس کے مال کی حفاظت کرو اس سے زکوٰۃ نہ دو۔[1]

حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں "**لیس فی مال الیتیم زکوٰۃ وقال علیہ اجماع الصحابۃ**"۔

(زجاجۃ المصابیح ج۱ ص۱۴۹۰)

ایک روایت ہے "**عن ابن عباس قال لا یجب علی مال الصغیر زکوٰۃ حتی تجب علیہ الصلوٰۃ**"۔

(رواہ الدارقطنی)

اس روایت میں اس قاعدہ اور ضابطہ کی طرف واضح اشارہ ہے کہ بچہ غیر مکلف ہے جب وہ نماز کا مکلف نہیں صوم وحج بلکہ ایمان کا مکلف نہیں تو زکوٰۃ کا کس طرح مکلف ہوگا؟۔

یہاں درحقیقت یہ اختلاف ایک دوسرے اختلاف پر متفرع ہے وہ اختلاف یہ ہے کہ آیا زکوٰۃ عبادت محضہ ہے یا مؤنہ مالی ہے تو احناف کے نزدیک زکوٰۃ عبادت محضہ میں سے ہے بچہ غیر مکلف ہے اس پر عبادت نہیں ہے لہٰذا زکوٰۃ نہیں۔

جمہور کے نزدیک زکوٰۃ مؤنۃ مالی ہے یعنی ایسا بوجھ ہے جس کا تعلق مال سے ہے لہٰذا بچہ اگرچہ غیر مکلف ہو اس کے مال سے زکوٰۃ نکالی جائے گی۔

جواب: جمہور نے جو استدلال زیر بحث روایت سے کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ وغیرہ محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔

دوسرا جواب: یہ ہے کہ زیر بحث حدیث میں صدقہ کا لفظ آیا ہے اس سے زکوٰۃ مراد نہیں بلکہ دیگر خرچ اخراج مراد ہے۔ جو خود یتیم کا خرچہ ہے اس کے سرپرست کا خرچہ ہے بچے کے دیگر ضروریات کا خرچہ ہے ایسے خرچوں سے مال ختم ہو جاتا ہے زکوٰۃ کی ادائیگی سے مال ختم نہیں ہوتا کیونکہ جب نصاب سے کم ہو جائے گا پھر تو اس میں زکوٰۃ بھی نہیں ہوگی حالانکہ حدیث میں ہے کہ صدقہ اس کو کھا کر ختم نہ کر دے معلوم ہوا صدقہ سے مراد زکوٰۃ نہیں دیگر ضروریات ہیں اور صدقہ کا اطلاق دیگر ضروریات پر بکثرت ہوتا ہے۔[2]

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مانعین زکوٰۃ کے خلاف جنگ لڑی

﴿۱۹﴾ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ لَمَّا تُوُفِّيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاسْتُخْلِفَ أَبُوْ بَكْرٍ بَعْدَهُ وَكَفَرَ مَنْ كَفَرَ مِنَ الْعَرَبِ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ لِأَبِي بَكْرٍ كَيْفَ تُقَاتِلُ النَّاسَ وَقَدْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُوْلُوْا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ فَمَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ عَصَمَ مِنِّيْ مَالَهُ وَنَفْسَهُ إِلَّا بِحَقِّهِ وَحِسَابُهُ عَلَى اللّٰهِ فَقَالَ أَبُوْ بَكْرٍ وَاللّٰهِ لَأُقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ

---

[1] المرقات: ۴/۱۸۷ [2] المرقات: ۴/۲۸۵، ۲۸۶

الصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ فَإِنَّ الزَّكَاةَ حَقُّ الْمَالِ وَاللهِ لَوْ مَنَعُوْنِيْ عَنَاقًا كَانُوْا يُؤَدُّوْنَهَا إِلَى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَاتَلْتُهُمْ عَلَى مَنْعِهَا قَالَ عُمَرُ فَوَاللهِ مَا هُوَ إِلَّا رَأَيْتُ أَنَّ اللهَ شَرَحَ صَدْرَ أَبِيْ بَكْرٍ لِلْقِتَالِ فَعَرَفْتُ أَنَّهُ الْحَقُّ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ کا وصال ہوا اور آپ ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ قرار پائے تو اہل عرب میں سے جو کافر ہو گئے (یعنی زکوٰۃ کے منکر ہو گئے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سے جنگ کا فیصلہ کیا) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے (یہ فیصلہ سن کر) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ: آپ لوگوں (یعنی اہل ایمان) سے کیونکر جنگ کریں گے جب کہ رسول کریم ﷺ کا ارشاد گرامی یہ ہے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک لڑوں جب تک کہ وہ لا الہ الا اللہ نہ کہیں (یعنی اسلام لے آئیں) لہٰذا جس نے لا الہ الا اللہ کہہ لیا یعنی اسلام قبول کر لیا اس نے مجھ سے اپنی جان اور اپنا مال محفوظ کر لیا سوائے اسلام کے حق کے اور اس (کے باطن کا حساب اللہ تبارک وتعالیٰ کے ذمہ ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا خدا کی قسم: میں اس شخص سے ضرور جنگ کروں گا جو نماز اور زکوٰۃ کے درمیان فرق کرے کیونکہ (جس طرح جان کا حق نماز ہے اسی طرح) بلاشبہ مال کا حق زکوٰۃ ہے اللہ کی قسم: اگر وہ لوگ (جو منکر زکوٰۃ ہو رہے ہیں مجھے بکری کا بچہ بھی نہ دیں گے جو وہ رسول کریم ﷺ کو دیتے تھے تو میں ان کے اس انکار کی وجہ سے ان سے جنگ کروں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ (یہ سن کر) کہنے لگے خدا کی قسم: اس کے علاوہ اور کوئی بات نہیں ہے کہ میں نے جان لیا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جنگ کرنے کے لئے (الہام کے ذریعہ) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا دل کھول دیا ہے (یعنی پر یقین کر دیا ہے) لہٰذا مجھے بھی یقین ہو گیا کہ اب یہی (یعنی منکرین زکوٰۃ سے جنگ ہی حق اور درست ہے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "عناقا" بکری کے چھوٹے بچے کو عناق کہتے ہیں یہ بطور مبالغہ فرمایا ورنہ بکری کا بچہ نہ زکوٰۃ میں لیا جاتا ہے اور نہ ایسے بچوں میں زکوٰۃ ہوتی ہے بعض روایات میں عقال کا لفظ آیا ہے جو رسی کے معنی میں ہے وہ بھی بطور مبالغہ ہے۔[2]

اس حدیث کا پس منظر:

جب رسول اللہ ﷺ دنیا سے تشریف لے گئے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ بن گئے اس وقت جزیرۂ عرب میں ارتداد کا بہت بڑا فتنہ اٹھا ۷۰ فی صد لوگ تقریباً ارتداد کا شکار ہو گئے مگر ان مرتدین کے احوال الگ الگ تھے بعض تو وہ لوگ تھے جنہوں نے جھوٹی نبوتوں کا دعویٰ کیا اور ایک اچھا خاصا طبقہ ان کے ساتھ ہو گیا۔ بعض وہ لوگ تھے جنہوں نے اسلام ہی کو چھوڑ دیا تھا اور جاہلیت اولیٰ کی طرف واپس چلے گئے۔ بعض وہ لوگ تھے جنہوں نے زکوٰۃ کا بالکل انکار کیا اور بعض وہ لوگ تھے جنہوں نے زکوٰۃ کا انکار تو نہیں کیا مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دینے سے انکار کیا کہ ہم اب زکوٰۃ بیت المال میں جمع نہیں کرائیں گے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان تمام لوگوں سے جنگ لڑنے کا ارادہ کر لیا جو لوگ مرتد تھے ان سے

[1] اخرجه البخاري: ۲/۳۱ ومسلم: ۱/۲۰۰ [2] المرقات: ۴/۲۸۸

تو بوجہ ارتداد اور کفر جہاد کیا اور جو لوگ نماز روزہ کے پابند تھے کلمہ پڑھتے تھے مگر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو زکوۃ دینا نہیں چاہتے ان سے آپ نے شعائر اسلام کی حفاظت اور فتنہ کے سدباب کی بنیاد پر جنگ لڑی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جو بحث مباحثہ کیا ہے وہ اسی قسم کے لوگوں کے بارے میں تھا کہ یہ لوگ کلمہ پڑھتے ہیں آپ ان کے خلاف جنگ کیسے کرو گے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو لوگ نماز اور زکوۃ میں فرق کرتے ہیں وہ مسلمان نہیں رہ سکتے ہیں میں ان سے جنگ کروں گا اور پھر فرمایا[1]

"تم الدین وانقطع الوحی اینقص الدین وانا حی؟"

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا "اجبار فی الجاهلية وخوار فی الاسلام؟"

اس مکالمہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے میرے سینہ کو اس کام کے لئے کھول دیا جس کے لئے ابو بکر رضی اللہ عنہ کا سینہ کھولا تھا۔ بہر حال مرتدین کے خلاف مکمل ایک سال تک جزیرۂ عرب میں جہاد ہوا اور اسلام پھر اسی خطوط پر قائم ہوا جس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چھوڑ کر گئے تھے۔

جس مال کی زکوۃ نہ نکالی وہ اژدھا بن کر کاٹے گا

﴿۲۰﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكُوْنُ كَنْزُ أَحَدِكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شُجَاعاً أَقْرَعَ يَفِرُّ مِنْهُ صَاحِبُهُ وَهُوَ يَطْلُبُهُ حَتّٰى يُلْقِمَهُ أَصَابِعَهُ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تمہارا خزانہ قیامت کے دن گنجے سانپ کی شکل کی صورت میں ہوگا، مالک اس سے بھاگے گا اور وہ اسے ڈھونڈتا پھرے گا یہاں تک کہ وہ سانپ مالک کو جائے گا اور" اس کی انگلیوں کا لقمہ بنائیگا"۔ (احمد)

توضیح: "کنز" خزانہ سے مراد وہ مال ہے جس کی زکوۃ ادا نہ کی گئی ہو، اسی طرح ہر وہ مال جو حرام طریقے سے جمع کیا گیا ہو وہ بھی کنز کے حکم میں ہے۔[3]

"حتی یلقمه" اس جملہ کے دو مفہوم ہیں اول مفہوم یہ ہے کہ گنجا سانپ مال کے اس مالک کو تلاش کریگا یہاں تک کہ اس کو پالیگا اور پھر اس کو لقمہ بنا کر ہڑپ کر دیگا۔

دوسرا مفہوم یہ ہے کہ گنجا سانپ زکوۃ نہ دینے والے کو تلاش کرتا پھریگا وہ اس سے بھاگے گا مگر بھاگ نہ سکے گا تو مجبوراً اپنا ہاتھ اور انگلیاں خود اس اژدھے کے منہ میں دیگا جس طرح دنیا میں بھی ہوتا ہے کہ مجبوری کی صورت میں آدمی خود بڑی مصیبت کے بجائے چھوٹی مصیبت کے برداشت کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔[4]

[1] المرقات: ۴/۲۸۸، ۲۸۹ [2] اخرجه احمد: ۲/۵۳۰ [3] المرقات: ۴/۲۹۰ [4] المرقات: ۴/۲۹۰

﴿۲۱﴾ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ رَجُلٍ لَا يُؤَدِّيْ زَكٰوةَ مَالِهٖ إِلَّا جَعَلَ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيْ عُنُقِهٖ شُجَاعًا ثُمَّ قَرَأَ عَلَيْنَا مِصْدَاقَهٗ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَا آتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ الْآيَةَ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَه)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے نقل فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ''جو شخص بھی اپنے مال کی زکوۃ ادا نہیں کریگا قیامت کے دن اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی گردن میں ایک سانپ لٹکائے گا پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی (جو پہلی فصل کی حدیث میں پوری نقل کی جا چکی ہے) اور وہ لوگ جنہیں خدا نے اپنے فضل سے (مال) عطا فرمایا ہے اور وہ اس میں بخل کرتے ہیں یہ گمان نہ کریں۔ (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

زکوۃ ادا نہ کرنے سے مال تباہ ہو جاتا ہے

﴿۲۲﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا خَالَطَتِ الزَّكَاةُ مَالًا قَطُّ إِلَّا أَهْلَكَتْهُ رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ وَالْبُخَارِيُّ فِيْ تَارِيْخِهٖ وَالْحُمَيْدِيُّ وَزَادَ قَالَ يَكُوْنُ قَدْ وَجَبَ عَلَيْكَ صَدَقَةٌ فَلَا تُخْرِجُهَا فَيُهْلِكُ الْحَرَامُ الْحَلَالَ وَقَدِ احْتَجَّ بِهٖ مَنْ يَرَى تَعَلُّقَ الزَّكَاةِ بِالْعَيْنِ هٰكَذَا فِي الْمُنْتَقٰى وَرَوَى الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْإِيْمَانِ عَنْ أَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلٍ بِإِسْنَادِهٖ إِلٰى عَائِشَةَ وَقَالَ أَحْمَدُ فِيْ خَالَطَتْ تَفْسِيْرُهٗ أَنَّ الرَّجُلَ يَأْخُذُ الزَّكَاةَ وَهُوَ مُوْسِرٌ أَوْ غَنِيٌّ وَإِنَّمَا هِيَ لِلْفُقَرَاءِ۔[2]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس مال میں زکوۃ رل مل جاتی ہے وہ مال ضائع کر دیتی ہے۔ (شافعی، بخاری، حمیدی) حمیدی نے یہ مزید نقل کیا ہے (یعنی حدیث کی وضاحت بیان کی ہے) کہ بخاری نے فرمایا کہ ''جب تم پر زکوۃ واجب ہوتی ہے اور تم زکوۃ نہیں نکالتے (تو وہ زکوۃ مال میں رلی ملی ہوتی ہے) لہذا حرام مال حلال مال کو ضائع کر دیتا ہے جو حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ زکوۃ عین مال سے متعلق ہے نہ کہ ذمہ سے تو انہوں نے اسی حدیث کو (بخاری کی مذکورہ بالا وضاحت کے ساتھ) اپنی دلیل قرار دیا ہے (منتقی) بیہقی نے شعب الایمان میں اس روایت کو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تک سلسلۂ سند کے ساتھ نقل کیا ہے چنانچہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث کے لفظ خالطت (کے معنی یا اس کی تاویل) کے سلسلہ میں یہ وضاحت کی ہے کہ (مثلاً) ایک شخص مالدار اور غنی ہے مگر اس کے باوجود وہ زکوۃ لیتا ہے حالانکہ زکوۃ تو صرف فقراء (اور مستحقین) کے لئے جائز ہے۔

[1] اخرجه النسائي: ۵/۱۱ وابن ماجه: ۱/۵۶۸ والترمذي في تفسير ال عمران [2] اخرجه البخاري في التاريخ: ۱/۱۸۰ والحميدي: ۱/۵۲

توضیح: "**ماخالطت الزکوٰۃ**" اختلاط ملنے اور مخلوط ہونے کے معنی میں ہے یہاں زکوٰۃ کا مخلوط ہونا مراد ہے کسی شخص کے مال کے ساتھ زکوٰۃ کے مخلوط ہونے کے دو معنی ہیں اول مطلب یہ ہے کہ ایک شخص صاحب نصاب مالدار ہے مگر وہ اپنے مال کی زکوٰۃ الگ کر کے ادا نہیں کرتا تو زکوٰۃ اس کے مال کے ساتھ مخلوط رہ جاتی ہے تو جلد ہو یا بدیر یہ زکوٰۃ اس شخص کے مال کو ہلاک کر دیتی ہے وہ مال بے فائدہ اور بے برکت رہ جاتا ہے یا بالکل تباہ ہو جاتا ہے حدیث کا اوپر والا مطلب حضرت امام بخاری نے بیان کیا ہے اور آنے والا دوسرا مفہوم امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا ہے۔[1]

اس جملہ کا دوسرا مفہوم جو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ ایک شخص خود مالدار ہے مگر وہ لوگوں کی زکوٰۃ لیتا رہتا ہے اور اپنے اموال کے ساتھ ملاتا ہے اس اختلاط سے بھی اس شخص کا مال تباہ ہو جاتا ہے دیگر حرام اموال کا اثر بھی اسی طرح ہوتا ہے۔

"**واحتج من یری**" یعنی اس حدیث سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے جن کی رائے یہ ہے کہ زکوٰۃ کا تعلق مال کے عین سے ہے ذمہ سے نہیں ہے۔

صاحب مشکوٰۃ نے اس جملہ سے فقہاء کے ایک اختلاف کی طرف اشارہ کیا ہے وہ اختلاف اس طرح ہے کہ آیا زکوٰۃ کا تعلق عین مال سے ہے یا اس کا تعلق مالدار آدمی سے ہے اگر زکوٰۃ کا تعلق عین مال سے ہے۔ تو جس مال سے اس کا تعلق ہو گیا اسی مال سے زکوٰۃ دینی ہوگی کوئی قیمت وغیرہ ادا کرنا جائز نہ ہوگا اور اگر زکوٰۃ کا تعلق ذمہ سے ہو تو اس مال کے بدلے میں دوسرے اموال سے اس کی قیمت ادا کرنی جائز ہو جائے گی۔[2]

دوسری آسان تعبیر اس طرح ہے کہ آیا زکوٰۃ میں دفع القیم جائز ہے یا نہیں؟ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف:

امام مالک و امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں دفع القیم جائز نہیں ہے۔

ائمہ احناف فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ میں دفع القیم جائز ہے کہ مثلاً اونٹ واجب تھا مالک نے اس کی قیمت دیدی اور اونٹ کو اپنے پاس رکھا۔

دلائل:

امام مالک و شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے زیر بحث حدیث سے استدلال کیا ہے۔ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ اس حدیث کے دو مطلب ہیں تو ان حضرات نے حدیث کے پہلے مطلب کی بنیاد پر استدلال کیا ہے کہ خالطت کا مطلب یہ ہوا کہ زکوٰۃ عین مال کے ساتھ مخلوط ہے اب اسی کو دینا ہوگا بدل نہیں دے سکتے کیونکہ زکوٰۃ مال کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔

احناف کے دلائل بہت مضبوط ہیں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بخاری میں کئی دلائل احناف کے مسلک کے پیش نظر پیش

---

[1] المرقات: ۴/۲۹۱ [2] المرقات: ۴/۲۹۱

کئے ہیں کہ دفع القیم جائز ہے ادھر مشکوۃ میں بھی "باب ما یجب فیه الزکوة" کے تحت بہت ساری حدیثوں میں دفع القیم مذکور ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ۳ میں واضح طور پر مذکور ہے کہ اگر کسی شخص پر بنت لبون واجب ہو لیکن اس کے پاس وہ نہ ہو بلکہ بنت مخاض ہو تو ساعی اس سے بنت مخاض لے لے اور بیس درہم یا دو بکریاں بھی لے لے یہاں مالک نے جو درھم دیا ہے یہ آخر زکوۃ کی قیمت ہی تو ہے؟ لہٰذا زکوہ میں دفع القیم جائز ہے باقی زیر بحث حدیث سے جن حضرات نے استدلال کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کی تشریح دو طرح پر کی گئی ہے شوافع اس سے تب استدلال کر سکتے ہیں کہ اختلاط کا پہلا مفہوم اور پہلی شرح متعین ہو حالانکہ ایسا نہیں لہٰذا استدلال صحیح نہیں ہم اس حدیث کی وہ شرح لیتے ہیں جو امام احمد رحمہ اللہ نے کی ہے نیز رفع القیم میں فقراء کے لئے انتہائی سہولت ہے اور دفع العین میں بسا اوقات حرج ہوتا ہے۔ **والحرج مدفوع فی الشرع۔**

آج کل سعودی عرب میں عید الفطر کے موقع پر صدقۂ فطر ادا کرنے کے لئے سڑکوں پر تھیلیوں میں بند چاولوں کے ڈھیر لگے رہتے ہیں ایک دکاندار دو کلو چاول مثلاً پانچ ریال پر فروخت کرتا ہے لیکن غریب مسکین جب واپس وہی چاول اسی دکاندار کو دیتا ہے تو دکاندار دو ریال پر بھی خریدنے کے لئے تیار نہیں ہوتا، اگر دفع القیم کا ضابطہ اپنایا جاتا تو سڑکوں پر یہ بدمزگی بھی نہ ہوتی اور نقد ریال سے مساکین کا فائدہ بھی ہوتا۔

۹ جمادی الثانی ۱۴۱۰ھ

باب ما یجب فیہ الزکوۃ

جن چیزوں میں زکوۃ واجب ہوتی ہے ان کا بیان

قال اللہ تعالیٰ ﴿واٰتوا حقہ یوم حصادہ﴾[1]

وقال اللہ تعالیٰ ﴿یاایھا الذین اٰمنوا انفقوا من طیبات ما کسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض﴾[2]

شریعت اسلامیہ نے جن مالوں پر زکوۃ واجب کی ہے وہ چار قسم کے اموال ہیں
① اکثر سال چرنے والے جانور ② سونا چاندی ③ تجارتی اموال ④ کھیتی اور درختوں کی پیداوار۔
تفصیلات اور فقہاء کے اختلافات اپنے اپنے مقامات پر آرہے ہیں۔

الفصل الاول

نصاب زکوۃ کی تفصیل

﴿۱﴾ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ مِنَ التَّمْرِ صَدَقَةٌ وَلَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسِ أَوَاقٍ مِنَ الْوَرِقِ صَدَقَةٌ وَلَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسِ ذُودٍ مِنَ الْإِبِلِ صَدَقَةٌ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[3]

ترجمہ: حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ راوی ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "پانچ وسق سے کم کھجوروں میں زکوۃ واجب نہیں پانچ اوقیہ سے کم چاندی میں زکوۃ واجب نہیں اور پانچ راس سے کم اونٹوں میں زکوۃ واجب نہیں۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "خمسة اوسق" اس حدیث میں ہر قسم مال کے نصاب کا ذکر کیا گیا ہے اور نصاب سے کم مال میں زکوۃ کی نفی کی گئی ہے چنانچہ وسق میں زکوۃ کی نفی کا ذکر ہے ایک وسق ساٹھ صاع کے برابر ہوتا ہے اور ایک صاع ۲۷۰ تولہ کے برابر ہوتا ہے کسی شاعر نے کہا

صاع کوفی ہست اے مردے سلیم ۔۔۔ دو صد و ہفتاد تولہ مستقیم[4]

مد کے اعتبار سے ایک صاع چار مد پر مشتمل ہوتا ہے اور ایک مد دو رطل کے برابر ہوتا ہے اس حساب سے ایک صاع آٹھ

---
[1] الانعام الایہ: ۱۴۱ [2] بقرہ ۲۶۷ [3] اخرجہ البخاری: ۲/۱۳۳ ومسلم: ۵۳،۷/۴۸ [4] المرقات: ۴/۲۹۲

رطل پر مشتمل ہے یہ ائمہ احناف کی رائے کے مطابق ہے۔

"خمسة اواق" یہ اوقیہ کی جمع ہے ایک اوقیہ چالیس درھم کے برابر ہوتا ہے اس طرح پانچ اوقیہ دوسو دراہم کے برابر ہوئے دوسو درہم ساڑھے باون تولہ چاندی کے برابر ہے اور یہی چاندی کا نصاب ہے اس سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے ساڑے باون تولہ چاندی کی مارکیٹ قیمت کے مطابق پاکستانی روپوں سے زکوٰۃ ادا کی جائیگی ہر چالیس روپے میں ایک روپیہ زکوٰۃ ہے۔ سونے کا نصاب ۲۰ مثقال ہے جو ساڑے سات تولہ کے برابر ہے اس سے کم سونے میں زکوٰۃ نہیں ہے ساڑے سات تولہ مارکیٹ قیمت کے اعتبار سے پاکستانی روپوں سے زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔ اگر کسی شخص کے پاس کچھ سونا ہے اور کچھ چاندی ہے مثلاً سوا چھبیس تولہ چاندی ہے اور سوا چھبیس تولہ چاندی کی قیمت کے برابر سونا ہے تو یہ ساڑے باون تولہ چاندی کا نصاب ہے اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی۔[1]

"ذود" یہ لفظ ذال کے فتحہ کے ساتھ ہے اپنے مادہ سے اس کا مفرد نہیں ہے دو سے لیکر ۹ تک اونٹوں کی جماعت کو ذود کہتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ تین سے لیکر دس تک اونٹوں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے بہر حال پانچ سے کم اونٹوں میں زکوٰۃ نہیں ہے اس حدیث میں زکوٰۃ کے تین نصابوں کا ذکر کیا گیا ہے ① کھجور ② چاندی ③ اونٹ۔ مؤخر الذکر دو نصابوں کی تفصیل وتشریح واضح بھی ہے اور اس میں قابل ذکر اختلاف بھی نہیں ہے۔ البتہ اول الذکر نصاب کی تشریح وتفصیل میں اختلاف ہوا ہے جس کو نصاب عشر کہتے ہیں۔[2]

عشر کا نصاب:

زرعی پیداوار سے جو عشر وصول کیا جاتا ہے آیا اس کے لئے کوئی متعین مقدار ہے یا کوئی تعین اور حد بندی نہیں ہے۔ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف:

جمہور اور صاحبین کے نزدیک عشر کا نصاب مقرر ومعین ہے پانچ وسق غلہ میں زکوٰۃ ہے اس سے کم میں نہیں ہے غلہ سے مراد وہ غلہ ہے جو ایک سال تک رکھنے سے خراب نہ ہوتا ہو اگر خراب ہوتا ہے تو اس میں زکوٰۃ نہیں ہے خواہ وہ پانچ وسق سے زیادہ کیوں نہ ہو جیسے سبزیاں وغیرہ۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک زرعی پیداوار کے لئے کوئی نصاب نہیں قلیل ہو یا کثیر ہو پائیدار ہو یا ناپائیدار ہو سب میں عشر واجب ہے۔[3]

دلائل:

جمہور نے زیر بحث حدیث سے استدلال کیا ہے جو اپنے مقصود پر واضح دلیل ہے نیز جمہور نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث

---

[1] المرقات: ۴/۲۹۳ [2] المرقات: ۴/۲۹۳ [3] المرقات: ۴/۱۹۲، ۱۹۳

سے بھی استدلال کیا ہے کہ "انه علیه السلام قال لیس فی الخضروات صدقة"۔
امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن کریم کی آیت ﴿واتو: حقه یوم حصادہ﴾[1] سے استدلال کیا ہے کہ فصل کے کاٹنے کے دن اس کا حق ادا کرو حق سے مراد عشر ہے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن کریم کی ایت ﴿ومما اخرجنا لکم﴾[2] سے استدلال کیا ہے اور کہا ہے کہ اس آیت سے زرعی پیداوار مراد ہے اور یہی اس کا عشر ہے۔
امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری دلیل مشکوۃ ص ۱۵۹ پر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث[4] ہے جس کے الفاظ اس طرح ہیں۔

عن عبداللہ بن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال فیما سقت السماء والعیون او کان عثریا العشر وما سقی بالنضح نصف العشر۔ (بخاری)[3]

اس حدیث میں ماسقت السماء عام ہے کہ پانی جس چیز کو بھی سیراب کرے وہ قلیل ہو یا کثیر ہو اس میں عشر ہے نصب الرایہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فرمان بھی مذکور ہے آپ نے حکم دیا۔

"ان یاخذ والعشر من کل قلیل و کثیر فلم یعترض علیه احد"۔

امت کے فقراء کے لئے مصلحت بھی اسی میں ہے کہ ہر قلیل و کثیر پیداوار میں عشر ہو تا کہ مستحقین زکوٰۃ کے لئے آسانی اور فائدہ ہو۔

جواب: زیر بحث حدیث کا جواب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے یہ دیا گیا ہے کہ اس حدیث کا تعلق اموال تجارت سے ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے نصاب کی طرف اشارہ فرمایا ہے کیونکہ پانچ وسق غلہ اس وقت دوسو درہم کے برابر ہوتا تھا تو حدیث میں صدقہ سے مراد عشر نہیں بلکہ زکوٰۃ ہے۔ (کذا قال صاحب الهدایه والعینی)
بہر حال یہ تو دلائل کی بات تھی مگر اس مسئلہ میں آج کل پاکستان میں حکومت نے جمہور کے قول کے مطابق عشر کا حکم جاری کیا ہے کہ پانچ وسق کے حساب سے عشر لیا جائے کم میں نہ لیا جائے۔

غلام اور گھوڑوں کی زکوٰۃ کا مسئلہ

﴿۲﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ عَلَى الْمُسْلِمِ صَدَقَةٌ فِيْ عَبْدِهٖ وَلَا فِيْ فَرَسِهٖ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ لَيْسَ فِيْ عَبْدِهٖ صَدَقَةٌ اِلَّا صَدَقَةُ الْفِطْرِ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[4]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کسی مسلمان پر اس کے غلام اور اس کے گھوڑوں میں زکوٰۃ (واجب نہیں) ہے"۔ ایک اور روایت کے الفاظ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کسی مسلمان پر اس کے غلام میں

[1] العنام الایه ۱۴۱ [2] سورة بقرہ ۲۶۷ [3] المرقات: ۴/۲۹۳ [4] اخرجه البخاری: ۲/۱۴۹ ومسلم: ۷/۵۵

زکوٰۃ تو (واجب) نہیں ہے ہاں صدقۂ فطر (واجب) ہے۔ (بخاری و مسلم)

توضیح: "فی عبدہ" اس سے خدمت کے غلام مراد ہیں کیونکہ غلام اگر تجارت کے لئے ہوں تو اس میں زکوٰۃ فرض ہے اور خدمت کے غلاموں میں کسی کے نزدیک زکوٰۃ نہیں ہے۔[1]

"ولا فی فرسہ" فرس تین قسم پر ہیں۔ اول سواری کے لئے، دوم تجارت کے لئے، سوم افزائش نسل کے لئے۔[2]
اول قسم میں کسی کے نزدیک زکوٰۃ نہیں ہے دوسری قسم میں سب کے نزدیک زکوٰۃ فرض ہے تیسری قسم میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف:

جمہور مع صاحبین گھوڑوں میں زکوٰۃ کے قائل نہیں ہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر افراس سائمہ صرف ذُکور ہوں تو اصح قول کے مطابق اس میں زکوٰۃ نہیں ہے اور اگر صرف اُناث ہوں تو اصح قول کے مطابق اس میں زکوٰۃ واجب ہے اور اگر مخلوط ہوں یعنی گھوڑے اور گھوڑیاں ملی ہوئی ہوں اور اکثر سال جنگل کی گھاس پر گذارہ کرتی ہوں تو اس میں یقیناً زکوٰۃ ہے ان اقوال کی وجہ یہ ہے کہ صرف ذکور میں احتمال نسل نہیں تو نمو نہیں تو زکوٰۃ نہیں اور اگر صرف اُناث ہوں یا مخلوط ہوں تو احتمال نسل ہے تو نمو ہے تو زکوٰۃ ہے۔[3]

دلائل:

جمہور اور صاحبین نے زیر بحث حدیث سے استدلال کیا ہے جو اپنے مقصود پر واضح تر دلیل ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ایک فیصلہ کو مستدل بنایا ہے قصہ اس طرح پیش آیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں گھوڑے کثیر بھی ہوئے اور قیمتی بھی ہوئے چنانچہ ایک شخص نے ایک گھوڑا اسو اونٹوں کے بدلے فروخت کیا اور پھر بھی خوش نہیں تھا اسی زمانہ میں شام کے علاقہ سے لوگ آئے اور گھوڑوں کی زکوٰۃ کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مسئلہ پوچھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کی شوریٰ بلائی اس میں تمام صحابہ نے گھوڑوں کی زکوٰۃ کا مشورہ دیا حتی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی مشورہ دیا تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گھوڑے کی زکوٰۃ کا حکم دیدیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے گھوڑوں کی زکوٰۃ کی اس روایت کی تخریج بہت سارے محدثین نے کی ہے چنانچہ مسند احمد طبرانی، طحاوی دارقطنی اور مستدرک حاکم میں یہ اثر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے مذکور ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس طویل حدیث سے بھی استدلال کیا ہے جس میں "**ثم لم ینس حق الله فی ظهورها ولا رقابها**" کے الفاظ آئے ہیں۔ (مشکوٰۃ ص ۱۵۵)[4]

جواب: زیر بحث حدیث کا جواب یہ ہے کہ اس سے فرس غازی یا فرس خدمت مراد ہے جس طرح غلام سے خدمت کے غلام مراد ہیں۔ بہرحال فتاویٰ قاضی خان اور فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے کہ اس مسئلہ میں فتویٰ صاحبین اور جمہور کے قول پر ہے۔

---

[1] المرقات: ۴/۲۹۵　[2] المرقات: ۴/۲۹۵　[3] المرقات: ۴/۲۹۵　[4] المرقات: ۴/۲۹۵

اونٹوں کی زکوٰۃ کی تفصیل

﴿۲﴾ وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ أَبَابَكْرٍ كَتَبَ لَهُ هٰذَا الْكِتَابَ لَمَّا وَجَّهَهُ إِلَى الْبَحْرَيْنِ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ هٰذِهٖ فَرِيْضَةُ الصَّدَقَةِ الَّتِيْ فَرَضَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ وَالَّتِيْ أَمَرَ اللهُ بِهَا رَسُوْلَهُ فَمَنْ سُئِلَهَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ عَلٰى وَجْهِهَا فَلْيُعْطِهَا وَمَنْ سُئِلَ فَوْقَهَا فَلَا يُعْطِ فِيْ أَرْبَعٍ وَعِشْرِيْنَ مِنَ الْإِبِلِ فَمَا دُوْنَهَا مِنَ الْغَنَمِ مِنْ كُلِّ خَمْسٍ شَاةٌ فَإِذَا بَلَغَتْ خَمْسًا وَعِشْرِيْنَ إِلٰى خَمْسٍ وَثَلَاثِيْنَ فَفِيْهَا بِنْتُ مَخَاضٍ أُنْثٰى فَإِذَا بَلَغَتْ سِتًّا وَثَلَاثِيْنَ إِلٰى خَمْسٍ وَأَرْبَعِيْنَ فَفِيْهَا بِنْتُ لَبُوْنٍ أُنْثٰى فَإِذَا بَلَغَتْ سِتًّا وَأَرْبَعِيْنَ إِلٰى سِتِّيْنَ فَفِيْهَا حِقَّةٌ طَرُوْقَةُ الْجَمَلِ فَإِذَا بَلَغَتْ وَاحِدَةً وَسِتِّيْنَ إِلٰى خَمْسٍ وَسَبْعِيْنَ فَفِيْهَا جِذْعَةٌ فَإِذَا بَلَغَتْ سِتًّا وَسَبْعِيْنَ إِلٰى تِسْعِيْنَ فَفِيْهَا بِنْتَا لَبُوْنٍ فَإِذَا بَلَغَتْ إِحْدٰى وَتِسْعِيْنَ إِلٰى عِشْرِيْنَ وَمِائَةٍ فَفِيْهَا حِقَّتَانِ طَرُوْقَتَا الْجَمَلِ فَإِذَا زَادَتْ عَلٰى عِشْرِيْنَ وَمِائَةٍ فَفِيْ كُلِّ أَرْبَعِيْنَ بِنْتُ لَبُوْنٍ وَفِيْ كُلِّ خَمْسِيْنَ حِقَّةٌ وَمَنْ لَمْ يَكُنْ مَعَهُ إِلَّا أَرْبَعٌ مِنَ الْإِبِلِ فَلَيْسَ فِيْهَا صَدَقَةٌ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ رَبُّهَا فَإِذَا بَلَغَتْ خَمْسًا فَفِيْهَا شَاةٌ وَمَنْ بَلَغَتْ عِنْدَهُ مِنَ الْإِبِلِ صَدَقَةَ الْجَذَعَةِ وَلَيْسَتْ عِنْدَهُ جَذَعَةٌ وَعِنْدَهُ حِقَّةٌ فَإِنَّهَا تُقْبَلُ مِنْهُ الْحِقَّةُ وَيَجْعَلُ مَعَهَا شَاتَيْنِ إِنِ اسْتَيْسَرَتَا لَهُ أَوْعِشْرِيْنَ دِرْهَمًا وَمَنْ بَلَغَتْ عِنْدَهُ صَدَقَةَ الْحِقَّةِ وَلَيْسَتْ عِنْدَهُ الْحِقَّةُ وَعِنْدَهُ الْجَذَعَةُ فَإِنَّهَا تُقْبَلُ مِنْهُ الْجَذَعَةُ وَيُعْطِيْهِ الْمُصَدِّقُ عِشْرِيْنَ دِرْهَمًا أَوْشَاتَيْنِ وَمَنْ بَلَغَتْ عِنْدَهُ صَدَقَةَ الْحِقَّةِ وَلَيْسَتْ عِنْدَهُ إِلَّا بِنْتُ لَبُوْنٍ فَإِنَّهَا تُقْبَلُ مِنْهُ بِنْتُ لَبُوْنٍ وَيُعْطِيْ شَاتَيْنِ أَوْ عِشْرِيْنَ دِرْهَمًا وَمَنْ بَلَغَتْ صَدَقَتُهُ بِنْتَ لَبُوْنٍ وَعِنْدَهُ حِقَّةٌ فَإِنَّهَا تُقْبَلُ مِنْهُ الْحِقَّةُ وَيُعْطِيْهِ الْمُصَدِّقُ عِشْرِيْنَ دِرْهَمًا أَوْشَاتَيْنِ وَمَنْ بَلَغَتْ صَدَقَتُهُ بِنْتَ لَبُوْنٍ وَلَيْسَتْ عِنْدَهُ وَعِنْدَهُ بِنْتُ مَخَاضٍ فَإِنَّهَا تُقْبَلُ مِنْهُ بِنْتُ مَخَاضٍ وَيُعْطِيْ مَعَهَا عِشْرِيْنَ دِرْهَمًا أَوْشَاتَيْنِ وَمَنْ بَلَغَتْ صَدَقَتُهُ بِنْتَ مَخَاضٍ وَلَيْسَتْ عِنْدَهُ وَعِنْدَهُ بِنْتُ لَبُوْنٍ فَإِنَّهَا تُقْبَلُ مِنْهُ وَيُعْطِيْهِ الْمُصَدِّقُ عِشْرِيْنَ دِرْهَمًا أَوْ شَاتَيْنِ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ عِنْدَهُ بِنْتُ مَخَاضٍ عَلٰى وَجْهِهَا وَعِنْدَهُ ابْنُ لَبُوْنٍ فَإِنَّهُ يُقْبَلُ مِنْهُ وَلَيْسَ مَعَهُ شَيْءٌ وَفِيْ صَدَقَةِ الْغَنَمِ فِيْ سَائِمَتِهَا إِذَا كَانَتْ أَرْبَعِيْنَ إِلٰى عِشْرِيْنَ

وَمِائَةَ شَاةٌ فَإِذَا زَادَتْ عَلَى عِشْرِيْنَ وَمِائَةٍ إِلَى مِائَتَيْنِ فَفِيْهَا شَاتَانِ فَإِذَا زَادَتْ عَلَى مِائَتَيْنِ إِلَى ثَلَاثِ مِائَةٍ فَفِيْهَا ثَلَاثُ شِيَاهٍ فَإِذَا زَادَتْ عَلَى ثَلَاثِمِائَةٍ فَفِيْ كُلِّ مِائَةٍ شَاةٌ فَإِذَا كَانَتْ سَائِمَةُ الرَّجُلِ نَاقِصَةً مِنْ أَرْبَعِيْنَ شَاةً وَاحِدَةً فَلَيْسَ فِيْهَا صَدَقَةٌ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ رَبُّهَا وَلَا تُخْرَجُ فِي الصَّدَقَةِ هَرِمَةٌ وَلَا ذَاتُ عَوَارٍ وَلَا تَيْسٌ إِلَّا مَاشَاءَ الْمُصَدِّقُ وَلَا يُجْمَعُ بَيْنَ مُتَفَرِّقٍ وَلَا يُفَرَّقُ بَيْنَ مُجْتَمِعٍ خَشْيَةَ الصَّدَقَةِ وَمَا كَانَ مِنْ خَلِيْطَيْنِ فَإِنَّهُمَا يَتَرَاجَعَانِ بَيْنَهُمَا بِالسَّوِيَّةِ وَفِي الرِّقَةِ رُبُعُ الْعُشْرِ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ إِلَّا تِسْعِيْنَ وَمِائَةٍ فَلَيْسَ فِيْهَا شَيْءٌ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ رَبُّهَا (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ جب امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں بحرین (جو بصرہ کے قریب ایک جگہ کا نام ہے) بھیجا تو انہیں یہ ہدایت نامہ تحریر فرمایا: اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو رحمٰن ورحیم ہے، یہ اس صدقۂ فرض (زکوٰۃ) کے بارے میں (ہدایت نامہ) ہے جسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم سے) مسلمانوں پر فرض کیا اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کے (نافذ کرنے کے) بارے میں اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو حکم فرمایا۔ لہٰذا جس شخص سے قاعدہ کے مطابق زکوٰۃ کا مطالبہ کیا جائے تو وہ ادائیگی کرے اور جس شخص سے (شرعی مقدار سے) زیادہ مطالبہ کیا جائے وہ (زائد مطالبہ کی) ادائیگی نہ کرے (زکوٰۃ کا نصاب یہ ہے کہ) چوبیس اور چوبیس سے کم اونٹوں کی زکوٰۃ میں بکری ہے اس طرح کہ ہر پانچ اونٹ پر ایک بکری ہے (یعنی پانچ اونٹوں سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے اور پانچ سے نو تک ایک بکری، دس سے چودہ تک دو بکریاں، پندرہ سے انیس تک تین بکریاں اور بیس سے چوبیس تک چار بکریاں واجب ہوں گی) جب تعداد پچیس سے پینتیس تک میں ایک ایسی اونٹنی جو ایک سال کی ہو چھتیس سے پینتالیس تک میں ایک ایسی اونٹنی جو دو سال کی ہو چھیالیس سے ساٹھ تک میں ایک ایسی اونٹنی جو چار سال کی ہو اور اونٹ سے جفتی کے قابل ہو، اکسٹھ سے پچھتر تک میں ایک ایسی اونٹنی جو اپنی عمر کے چار سال ختم کر کے پانچویں سال میں داخل ہو گئی اور چھہتر سے نوے تک میں دو ایسی اونٹنیاں جو تین تین سال کی ہوں اور اونٹ سے جفتی کے قابل ہوں اور جب تعداد ایک سو بیس سے زائد ہو تو اس کا طریقہ یہ ہوگا کہ ان زائد اونٹنیوں میں ہر چالیس کی زیادتی پر دو برس کی اونٹنی اور ہر پچاس کی زیادتی پر پورے تین برس کی اونٹنی واجب ہوگی اور جس کے پاس صرف چار ہی اونٹ ہوں تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہاں اگر وہ شخص چاہے تو صدقہ نفل کے طور پر کچھ دیدے جب پانچ اونٹ ہونگے تو اس پر زکوٰۃ کے طور پر ایک بکری واجب ہو جائے گی۔ اور جس شخص کے پاس اتنے اونٹ ہوں کہ ان میں زکوٰۃ کے طور پر ایسی اونٹنی واجب ہوتی ہو جو چار برس پورے کر کے پانچویں سال میں لگ گئی ہو (یعنی اکسٹھ سے پچھتر تک کی تعداد میں) اور اس کے پاس چار برس کی اونٹنی نہ ہو (کہ جسے وہ زکوٰۃ کے طور پر دے سکے) بلکہ تین برس کی اونٹنی موجود ہو تو اس سے تین ہی برس کی اونٹنی زکوٰۃ میں قبول کی جاسکتی ہے مگر زکوٰۃ دینے والا اس تین برس کی اونٹنی کے ساتھ ساتھ اگر اس کے پاس موجود ہوں تو دو بکریاں ورنہ بصورت دیگر تیس درہم ادا کرے اور

[1] اخرجه البخاري: ۱۴۴، ۲/۱۴۵، ۱۴۶

کسی شخص کے پاس اونٹوں کی تعداد ہو جس میں تین برس کی اونٹنی واجب ہوتی ہو (یعنی چھیالیس سے ساٹھ تک کی تعداد) اور اس کے پاس تین برس کی کوئی اونٹنی (زکوٰۃ میں دینے کے لئے) نہ ہو بلکہ چار برس کی اونٹنی ہو تو اس سے چار برس والی اونٹنی ہی لے لی جائے مگر زکوٰۃ وصول کرنے والا اسے دو بکریاں یا بیس درہم واپس کردے اور اگر کسی شخص کے پاس اونٹوں کی ایسی تعداد ہو جس میں تین برس کی اونٹنی واجب ہوتی ہو اور اس کے پاس تین برس کی کوئی اونٹنی نہ ہو بلکہ دو برس کی اونٹنی ہو تو اس سے دو برس کی اونٹنی ہی لے لی جائے البتہ زکوٰۃ دینے والا دو بکریاں یا بیس درہم (بھی اس کے ساتھ) دیدے اور اگر کسی شخص کے پاس اتنی تعداد میں اونٹ ہوں کہ جن میں دو برس کی اونٹنی واجب ہوتی ہو (جیسے چھتیس سے پینتالیس تک کی تعداد) اور اس کے پاس (دو برس کی اونٹنی کے بجائے) تین برس کی اونٹنی ہو تو اس سے تین برس کی اونٹنی ہی لے لی جائے مگر زکوٰۃ وصول کرنے والا اسے بیس درہم یا دو بکریاں واپس کردے اور اگر کسی شخص کے پاس اتنی تعداد میں اونٹ ہوں جن میں دو برس کی اونٹنی واجب ہوتی ہو اور وہ اس کے پاس نہ ہو بلکہ ایک برس کی اونٹنی ہو تو اس سے ایک برس کی اونٹنی ہی لے لی جائے اور وہ زکوٰۃ دینے والا اس کے ساتھ بیس درہم یا دو بکریاں بھی دے۔ اور اگر کسی شخص کے پاس اتنی تعداد میں اونٹ ہوں کہ جن میں ایک برس کی اونٹنی واجب ہوتی ہو (جیسے بیس سے پچیس تک کی تعداد) اور ایک برس کی اونٹنی اس کے پاس نہ ہو بلکہ دو برس کی اونٹنی اس کے پاس ہو تو اس سے وہی دو برس والی اونٹنی لے لی جائے مگر زکوٰۃ وصول کرنے والا اس کو دو بکریاں یا بیس درہم واپس کردے اور اگر اس کے پاس دینے کے قابل ایک برس کی اونٹنی نہ ہو (اور نہ ہی دو برس کی اونٹنی ہو) بلکہ دو برس کا اونٹ ہو تو وہ اونٹ ہی لے لیا جائے مگر اس صورت میں کوئی اور چیز واجب نہیں (نہ تو زکوٰۃ لینے والا کچھ واپس کرے گا اور نہ زکوٰۃ دینے والا کچھ دے گا) اور چرنے والی بکریوں کی زکوٰۃ کا نصاب یہ ہے کہ جب بکریوں کی تعداد چالیس سے ایک سو بیس تک ہو تو ایک بکری واجب ہوتی ہے اور ایک سو بیس سے زائد ہوں تو دو سو تک کی تعداد پر دو بکریاں واجب ہوتی ہیں اور جب دو سو سے زائد ہوں تو تین سو تک تین بکریاں واجب ہوتی ہیں اور جب تین سو سے زائد ہو جائیں تو پھر یہ حساب ہوگا کہ ہر سو بکری میں ایک بکری واجب ہوگی۔ جس شخص کے پاس چرنے والی بکریاں چالیس سے ایک بھی کم ہوں گی تو ان میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی ہاں اگر بکریوں کا مالک چاہے تو صدقہ نفل کے طور پر کچھ دے سکتا ہے۔ (اس بات کا خیال رکھا جائے کہ) زکوٰۃ میں (خواہ اونٹ ہو یا گائے اور بکری) بڑھیا اور عیب دار نہ دیا جائے اور نہ بوک (بکرا) دیا جائے ہاں اگر زکوٰۃ وصول کرنے والا (کسی مصلحت کے تحت) بوک لینا چاہے (تو درست ہے) اور متفرق جانوروں کو یکجا نہ کیا جائے اور نہ زکوٰۃ کے خوف سے جانوروں کو علیحدہ علیحدہ کیا جائے، نیز جس نصاب میں دو آدمی شریک ہوں تو انہیں چاہیئے کہ وہ دونوں برابر برابر تقسیم کرلیں اور چاندی میں چالیسواں حصہ زکوٰۃ کے طور پر دینا فرض ہے اگر کسی کے پاس صرف ایک سو نوے درہم ہوں (یعنی نصاب شرعی کا مالک نہ ہو) تو اس پر کچھ فرض نہیں ہے ہاں اگر وہ صدقہ نفل کے طور پر کچھ دینا چاہے تو دے سکتا ہے۔ (بخاری)

توضیح: "بنت مخاض" اونٹوں کی عمروں کے لئے چند اصطلاحی الفاظ کا سمجھنا ضروری ہے۔

بنت مخاض۔ یہ وہ اونٹنی ہے جو ایک سال کی ہو کر دوسرا سال شروع کر چکی ہو۔ [1]

[1] المرقات: ۴/۲۹۷

بنت لبون۔ یہ وہ اونٹنی ہے جو دو سال کی ہو کر تیسرا سال شروع کر چکی ہو۔[1]

حِقّه۔ یہ وہ اونٹنی ہے جو تین سال کی ہو کر چوتھا سال شروع کر چکی ہو، اس کو **طروقة الجمل** بھی کہتے ہیں۔[2] یعنی یہ اونٹنی اونٹ سے جفتی کے قابل ہو گئی ہے۔

جَذَعه۔ یہ وہ اونٹنی ہے جو چار سال کی ہو کر پانچواں سال شروع کر چکی ہو۔[3]

طریقہ زکوۃ ابل:

اونٹوں کی نصاب پانچ عدد ہے اس سے کم میں زکوۃ نہیں ہے پانچ سے لیکر چوبیس تک ہر پانچ اونٹوں پر ایک بکری ہے پچیس سے لیکر پینتیس تک ایک بنت مخاض ہے چھتیس سے لیکر پینتالیس تک ایک بنت لبون ہے چھیالیس سے لیکر ساٹھ تک ایک حقہ ہے اکسٹھ سے لیکر پچھتر تک ایک جذعہ ہے چھہتر سے لیکر نوے تک دو بنت لبون ہیں اکانوے سے لیکر ایک سوبیس تک دو حقے ہیں یہاں تک زکوۃ کے حساب میں کسی کا اختلاف نہیں ہے اس کے بعد کے حساب میں ائمہ اربعہ کا اختلاف ہے۔[4]

فقہاء کا اختلاف:

ائمہ ثلاثہ کے ہاں ایک سوبیس کے بعد استیناف نہیں ہوگا بلکہ مدار اربعینات اور خمسینات پر ہوگا چنانچہ حنابلہ وشوافع کے ہاں ایک سو اکیس اور مالکیہ کے ہاں ایک سو اکتیس سے اربعینات اور خمسینات کا سلسلہ شروع ہو جائے گا کہ ہر چالیس میں ایک بنت لبون اور ہر پچاس میں ایک حقہ واجب ہوگا۔ مثلاً ایک سو اکیس میں تین اربعینات ہیں تو تین بنت لبون واجب ہیں ایک سوتیس میں دو بنت لبون اور ایک حقہ ہے اور ۱۴۰ میں دو حقے ایک بنت لبون ہے۔

ائمہ احناف کے نزدیک ایک سوبیس کے بعد استیناف یعنی نئے سرے سے حساب شروع ہو جائے گا کہ ہر پانچ اونٹوں میں ایک بکری ہوگی اور ۲۵ پر ایک بنت مخاض ہے یہ استیناف اول ہے یہ استیناف ایک سو اونچاس تک چلے گا جب اونٹ ایک سو پچاس ہو جائیں گے تو تین حقے واجب ہو جائیں گے ہر پچاس پر ایک حقہ ہے یہاں استیناف اول ختم ہو جائے گا پچاس سے زائد ہو جائیں تو ہر پانچ پر ایک بکری کا اضافہ شروع ہو جائے گا اور ۲۵ پر بنت مخاض کا اضافہ ہو جائے گا **وقس علی هذا** یہ استیناف ثانی کہلاتا ہے۔[5]

دلائل:

جمہور نے زیر بحث حدیث سے استدلال کیا ہے جو اپنے مدعیٰ پر واضح دلیل ہے اس میں اربعینات وخمسینات کا ذکر موجود ہے۔

ائمہ احناف نے اس روایت سے استدلال کیا جس کو ابوداؤد نے مراسیل میں، اسحق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مسند میں اور طحاوی نے **مشکل الآثار** میں نقل کیا ہے جس میں آنحضرت ﷺ نے عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کے نام صدقات پر مشتمل ایک فرمان جاری فرمایا ہے الفاظ یہ ہیں۔

[1] المرقات: ۴/۲۹۸ [2] المرقات: ۴/۲۹۸ [3] المرقات: ۴/۲۹۸ [4] المرقات: ۴/۲۹۸ [5] المرقات: ۴/۲۹۸

"فاذا كانت اكثر من عشرين ومأة يعاد الى اول فريضة الابل وما كان اقل من خمس وعشرين ففيه الغنم فى كل خمس شاة"۔ (مراسیل ابوداؤد)

احناف کی دوسری دلیل مصنف بن ابی شیبہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اثر ہے جو مرفوع حدیث کا حکم ہے الفاظ یہ ہیں "فاذا زادت الابل على عشرين ومأة يستقبل بها الفريضة"۔ (ص ۳۸۵)

جواب: احناف فرماتے ہیں کہ زیر بحث جس حدیث سے جمہور نے استدلال کیا ہے اس پر بھی ہمارا عمل ہے لیکن عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کی روایت میں جو اضافہ ہے ہم اس کو بھی مانتے ہیں جب حضور اکرم ﷺ نے اس اضافی صدقہ کا حکم دیا ہے تو اس حدیث کے ساتھ اس پر بھی عمل کرنا چاہئے ہم جس طرح دونوں حدیثوں پر عمل کرتے ہیں جمہور کو بھی اسی طرح کرنا چاہئے اور اس میں فقراء کا فائدہ بھی ہے باقی اس حدیث کے کئی مقامات ایسے ہیں جس میں جانور کے بجائے قیمت ادا کرنے کا ذکر ہے یہ بھی ائمہ احناف کے لئے **دفع القيم** پر مضبوط دلیل ہے جس کا اختلاف گذر چکا ہے۔

مورخہ ۱۰ جمادی الثانی ۱۴۱۰ھ

خلطة الشيوع اور خلطة الجوار کا مسئلہ

"ولا يجمع بين متفرق ولا يفرق بين مجتمع خشية الصدقة"

ان جملوں کے سمجھنے کے لئے پہلے خلطہ کا سمجھنا ضروری ہے خلطہ اختلاط سے ہے اشتراک کے معنی میں ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں اول قسم **خلطة الشيوع** ہے دوسری قسم **خلطة الجوار** ہے۔

خلطة الشيوع کا مطلب یہ ہے کہ دو آدمیوں کا مال ملکیت کے اعتبار سے مشترک ہو سب مال دونوں میں مشاع ہو خلط الجوار کا مطلب یہ ہے کہ دو آدمیوں کا مال ملکیت کے اعتبار سے الگ الگ ہو صرف انتظامی سہولت کے پیش نظر مال میں اشتراک کیا گیا ہو، اب **خلطة الجوار** یا **خلطة الشيوع** زکوٰۃ میں مؤثر ہے یا نہیں اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف:

احناف کے نزدیک زکوٰۃ کی ادائیگی میں صرف مالک کی ملکیت کا اعتبار ہے کسی قسم خلطہ کا اعتبار نہیں ہے۔

جمہور کے نزدیک ادائیگی زکوٰۃ میں دونوں قسم خلطہ کا اعتبار ہے۔

ہاں ان کے نزدیک خلطۂ جوار کے اشتراک کے لئے چند شرائط ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں

① ۔ دونوں آدمیوں کے مال کے لئے چراگاہ میں اتحاد ضروری ہے۔ ② ۔ مبیت میں اتحاد ہو۔ ③ ۔ فحل میں اتحاد۔ ④ ۔ راعی میں اتحاد۔ ⑤ ۔ مشرب میں اتحاد۔ ⑥ ۔ محلب میں اتحاد۔ ⑦ ۔ حالب میں اتحاد۔ ⑧ ۔ کلب الحراسہ میں اتحاد۔ ⑨ ۔ آمد و رفت کے طریقوں میں اتحاد۔[1]

جمہور کے ہاں جب اس اختلاط پر سال گذر جائے تو یہ دونوں خلیطین کہلاتے ہیں اور دونوں کا مال ایک ہو جاتا ہے۔ خلاصۂ بحث یہ کہ جمہور کے نزدیک زکوٰۃ کا مدار بکریوں کے ریوڑ اور اشتراک و اتحاد پر ہے اور احناف کے نزدیک زکوٰۃ کا مدار مال کی ملکیت پر ہے۔

دلائل:

زیر بحث حدیث میں دو چیزوں سے نہی وارد ہے ایک **جمع بين المتفرق** سے دوسری **تفريق بين المجتمع** سے نہی وارد ہے احناف کے نزدیک دونوں چیزوں میں نہی مالک کو بھی ہے اور ساعی کو بھی ہے دو صورتیں جمع کرنے کی ہیں اور دو متفرق کرنے کی ہیں کل چار صورتیں ہیں احناف کی تشریح کے مطابق چاروں صورتوں کی مثالیں پیش خدمت ہیں اس میں معمولی تامل سے جمہور کی تشریح بھی سمجھ میں آسکتی ہے۔ پہلے **ولا يجمع بين متفرق** کی تشریح مثالوں سے سمجھ لیجئے۔[2]

---

[1] المرقات: ۴/۳۰۴ [2] المرقات: ۴/۳۰۳

مثال ❶:

فرض کرلو دو آدمیوں کی مشترکہ اَسّی (۸۰) بکریاں ہیں ہر ایک کی چالیس چالیس ہیں جس میں ہر ایک پر ایک ایک بکری واجب ہے اب دونوں مالکوں نے یہ تدبیر کی کہ دونوں حصوں کو جمع کر کے ایک نصاب بنا دیا جس میں ایک بکری واجب ہے تو حدیث میں اس طرح ممانعت آئی "**لا یجمع بین متفرق خشیة زیادة الصدقة**" اس جملہ میں خطاب مالک کو ہے۔

مثال ❷:

فرض کرلو دو آدمیوں کی ملکیت میں چالیس بکریاں تھیں بیس ایک کی اور بیس دوسرے کی یہ بکریاں جدا جدا ملک میں ہیں اس میں نصاب نہ ہونے کی وجہ سے کسی مالک پر بھی زکوۃ نہیں مگر ساعی نے یہ تدبیر کی کہ اس جدا جدا ملکیت کو اکٹھا کر کے ایک ملکیت قرار دیا اور اس سے ایک بکری بطور زکوۃ وصول کی، یہ **جمع بین المتفرق** ہے جس سے ممانعت آئی ہے کہ "**ولا یجمع الساعی بین متفرق خشیة فوت الصدقة**" اس جملہ میں خطاب ساعی کو ہے، اب جملہ "**ولا یفرق بین مجتمع**" کی مثال سمجھنے کے لئے فرض کرلو۔

مثال ❸:

کہ ایک آدمی کی ملکیت میں چالیس بکریاں تھیں اصول کے مطابق اس میں ایک بکری واجب ہے مگر اس نے یہ تدبیر کی کہ ان بکریوں کو بیس بیس کر کے الگ کر دیا اور ساعی کو کہا کہ یہ دو آدمیوں کا مال ہے لہٰذا اس میں زکوۃ نہیں ہے یہ "**تفریق بین المجتمع**" جس کی ممانعت آئی ہے۔ "**ای لا یفرق المالك بین مجتمع خشیة وجوب الصدقة**" اس جملہ میں بھی خطاب مالک کو ہے۔

مثال ❹:

فرض کرلو ایک آدمی کی ملکیت میں اَسّی (۸۰) بکریاں جمع تھیں اصول کے مطابق اس میں صرف ایک بکری واجب تھی لیکن ساعی نے اس کو تنگ کیا اور کہا کہ یہ دو آدمیوں کی ہیں جس میں دو بکریاں واجب ہیں یہاں ساعی نے **تفریق بین المجتمع** کیا اس سے منع کیا گیا "**ای ولا یفرق الساعی بین مجتمع خشیة قلة الصدقة**" اس جملہ میں بھی خطاب ساعی کو ہے۔ "**خشیة الصدقة**" حدیث کا یہ جملہ مفعول لہ واقع ہے اس کا تعلق اوپر چاروں صورتوں کے ساتھ ہے جیسا کہ مثالوں میں واضح کیا گیا ہے۔[1]

"وما کان من خلیطین فإنهما یتراجعان بالسویة"

یعنی اگر دو آدمیوں نے مال میں اختلاط اور شرکت کر رکھی ہو اور ساعی نے آکر اس مخلوط مال سے زکوۃ وصول کی تو ہر شریک دوسرے سے اپنی ملکیت کے تناسب کے مطابق قیمت میں رجوع کریگا خلطہ کی بحث وشرائط کا بیان گذر چکا ہے

[1] المرقات: ۴/۳۰۳

یہاں جمہور کے نزدیک دونوں قسم خلطہ مراد ہے۔ لیکن ائمہ احناف کے ہاں یہاں صرف خلطۃ الشیوع مراد ہے۔ [1]

"بالسویۃ" اس تراجع بالسویۃ کو احناف کے ذوق کے مطابق اس طرح سمجھ لینا چاہئے کہ مثلاً دو آدمیوں کے درمیان خلطۃ الشیوع کے طور پر ایک سو بیس بکریاں مشترکہ تھیں اس طور پر کہ ایک شریک کی اَسّی (۸۰) بکریاں تھیں اور دوسرے کی چالیس بکریاں تھیں بکریوں میں الگ ملکیت کی کوئی نشانی نہیں تھی ساعی نے آکر دو بکریاں زکوٰۃ میں لے لیں، اب دیکھنا یہ ہے کہ اَسّی (۸۰) بکریوں کے مالک پر زکوہ کا کتنا حصہ آئے گا اور چالیس بکریوں کے مالک پر کتنا آئے گا۔ تو ظاہر ہے کہ اسی بکریوں کا مالک دو ثلث مال والے پر دو ثلث کے اعتبار سے زکوٰۃ آئے گی دو ثلث مال کا مالک ہے اور چالیس بکریوں کا مالک ایک ثلث مال کا مالک ہے اب دونوں بکریوں کی قیمت لگا کر ایک ثلث مال کے حساب سے ثلث کے مالک سے زکوٰۃ لی جائے گی اور زکوٰۃ آئیگی اس میں جو کمی رہ گئی ہے کہ ایک ثلث مال والے سے بکریوں کا زیادہ حصہ زکوٰۃ میں چلا گیا ہے وہ اس میں دو ثلث والے کی طرف رجوع کریگا کہ میرا حصہ پورا کر دو وہ برابر سرابر اس کا حصہ ادا کریگا یہ "یتراجعان بالسویۃ" کا مطلب ہے شارحین نے یہاں بہت کچھ لکھا ہے مگر یہ آسان صورت ہے اسی پر قناعت کافی ہے۔ [2]

مورخہ ۱۱ جمادی الثانی ۱۴۱۰ھ

مکیل وموزون میں عشر کی مزید تفصیل

﴿۴﴾ وَعَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِيمَا سَقَتِ السَّمَاءُ وَالْعُيُونُ أَوْ كَانَ عَثَرِيًّا اَلْعُشْرُ وَمَا سُقِيَ بِالنَّضْحِ نِصْفُ الْعُشْرِ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ) [3]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جس چیز کو آسمان نے یا چشموں نے سیراب کیا ہو یا خود زمین سرسبز وشاداب ہو تو اس میں دسواں حصہ واجب ہوتا ہے اور جس زمین کو بیلوں یا اونٹوں کے ذریعہ کنویں سے سیراب کیا گیا ہو اس (کی پیداوار) میں بیسواں حصہ واجب ہے۔ (بخاری)

توضیح: "او کان عثریا" عثری اور عاثور سرسبز وشاداب زمین کو کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ جو زمین بارش سے یا چشموں اور نالوں سے سیراب ہوئی ہو یا خود سرسبز وشاداب ہو اس میں چونکہ مالک پر بوجھ کم پڑتا ہے اس لئے اس میں دسواں حصہ زکوٰۃ کا ہے اور جو زمین رہٹ یا اونٹ وغیرہ کے ذریعہ سے سیراب ہوتی ہو یا ٹیوب ویل لگایا گیا ہو تو اس میں مالک پر بوجھ زیادہ آتا ہے لہٰذا شریعت نے اس کی زکوٰۃ میں تخفیف کر کے بیسواں حصہ فرض قرار دیا ہے۔ اب ذرا یہ تفصیل بھی سمجھ لیں کہ "ماخرج من الارض" یا از قسم **مکیلات** ہوگا یا از قسم موزونات ہوگا **مکیلات** کے عشر کے لئے جمہور کے ہاں پانچ وسق کا ہونا شرط ہے جس کی تفصیل گذر چکی ہے اور موزونات میں اختلاف ہے۔ [4]

[1] المرقات: ۴/۳۰۳ [2] المرقات: ۴/۳۰۳ [3] اخرجہ البخاری: ۲/۱۵۵ [4] المرقات: ۴/۳۰۶

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ موزون اکثر سال باقی رہتا ہے اور ادنی مکیل کے پانچ وسق کی قیمت تک پہنچ گیا ہو تو پھر اس موزون میں عشر ہے ورنہ نہیں مثلاً ادنی مکیل شعیر ہے یعنی جو ہے اس کے پانچ وسق کی قیمت تک زعفران یا چائے اگر پہنچ گیا تو اس میں عشر ہے ورنہ نہیں۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ موزون جب اپنے آلہ وزن کے پانچ امثال تک پہنچ گیا اس میں عشر ہے ورنہ نہیں مثلاً زعفران موزونی ہے اس کا آلہ وزن ایک پونڈ ہے جب پانچ پونڈ تک پہنچ جائے تو زکوۃ واجب ہوگی ورنہ نہیں اسی طرح چائے کی ایک پیٹی آلہ موزون ہے جب پانچ پیٹی تک پہنچ جائے تو عشر ہوگی ورنہ نہیں اسی طرح روئی کی گانٹھ اس کا آلۂ وزن ہے جب پانچ گانٹھ ہو جائے تو عشر ہے ورنہ نہیں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ و مالک رحمۃ اللہ علیہ ماخرج من الارض کے لئے دو شرطیں لگاتے ہیں اول یہ کہ **مکیلات** میں سے ہو دوم یہ کہ اس میں اقتیات وادخار ہو سکتا ہو اب اگر **ماخرج من الارض** میں اقتیات وادخار نہ ہو یا **مکیلات** میں سے نہ ہو یا پانچ وسق سے کم ہو تو اس میں عشر نہیں ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ صرف پانچ وسق کی شرط لگاتے ہیں مکیل و موزون ہونے کو نہیں دیکھتے۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ **ماخرج من الارض** میں عشر ہے **"قلیلاً کان او کثیراً مکیلاً او کان موزوناً یبقی اکثر السنة ام لا"۔**

اس مسئلہ میں دلائل اور جواب وغیرہ تفصیلات اس باب کی حدیث نمبر ا میں گذر چکی ہیں۔

گاڑی اور حیوان کے نقصان کا مسئلہ

﴿۵﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْعَجْمَاءُ جُرْحُهَا جُبَارٌ وَالْبِئْرُ جُبَارٌ وَالْمَعْدِنُ جُبَارٌ وَفِي الرِّكَازِ الْخُمُسُ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اگر جانور کسی کو زخمی کر دے تو معاف ہے، اگر کنواں کھدوانے میں کوئی مرجائے تو معاف ہے، اگر کان کھدوانے میں کوئی مرجائے تو معاف ہے اور رکاز میں پانچواں حصہ واجب ہوتا ہے"۔ (بخاری و مسلم)

توضیح: **"العجماء جرحها جبار" العجماء** عجم کی تانیث ہے عجم کا لغوی معنی گونگا ہے۔

یہاں جانور مراد ہے کیونکہ وہ بولنے پر قادر نہیں گویا گونگے ہیں عرب لوگ عجم کو بھی اسی وجہ سے عجم کہتے ہیں کہ ان کے نزدیک یہ گونگے ہیں۔[2]

---

[1] اخرجه البخاری: ۲/۱۶۰ و مسلم: ۲۲۴/۱۱، ۲۲۵ [2] المرقات: ۳۰۶/۴، ۳۰۷

"جرح" زخم کو کہتے ہیں "جبار" ای ھدر یعنی جانوروں کا نقصان کرنا کسی کو کچل دینا یا فصل خراب کرنا رائیگاں ہے مالک پر کوئی تاوان اور ضمان نہیں ہے لیکن یہ حکم اس وقت ہے جب کہ جانور کے ساتھ نہ راکب ہو نہ سائق ہو نہ قائد ہو اگر ان میں سے کوئی ان کے ساتھ ہو اور جانور نے اس کی لاپرواہی سے نقصان کیا تو ضمان و تاوان آئے گا اب جانور کا یہ نقصان اگر دن میں ہو یا رات میں ہو تو کیا اس کا کوئی اثر ضمان پر پڑیگا یا نہیں؟۔[1]

اس میں ائمہ احناف کے ہاں کوئی فرق نہیں ہے اصل مدار مالک کے وجود و عدم پر ہے دن اور رات سے کوئی فرق نہیں پڑتا، جمہور علماء کے ہاں اگر جانور نے دن کو نقصان کیا ہے تو مالک پر ضمان نہیں ہے کیونکہ دن کے وقت کھیت وغیرہ کی حفاظت کی ذمہ داری اس کے مالک کی ہے جانور کے مالک پر نہیں ہے اور اگر نقصان رات کو کیا تو مالک حیوان پر ضمان آئے گا اس لئے کہ رات کو حیوان کی حفاظت کی ذمہ داری اس کے مالک کی تھی اس نے غفلت سے کام لیا۔[2]

دلائل:

زیر بحث حدیث سے احناف نے استدلال کیا ہے کہ حیوان کا نقصان رائیگاں ہے جمہور نے ابوداؤد شریف کی ایک کمزور روایت سے استدلال کیا ہے جس میں دن اور رات کا فرق بیان کیا گیا ہے۔ بہرحال بعض علماء نے اس اختلاف کو عرف کا اختلاف قرار دیا ہے کیونکہ بعض مقامات میں دن اور رات کا نقصان فرق ہوتا ہے اور بعض مقامات میں نہیں ہوتا ہے حیوان کے نقصان کے ضمان آنے نہ آنے کے قاعدہ سے آج کل موجودہ دور کے ٹریفک کے قوانین کے لئے اور گاڑی کے ایکسیڈنٹ اور پھر تاوان وضمان کے لئے ایک جامع ضابطہ ملتا ہے۔[3]

"والبئر جبار" یعنی اپنی مملوکہ زمین یا غیر آباد زمین میں کسی شخص نے کنواں کھودلیا اس میں کوئی شخص آکر گر گیا تو اس میں کنویں کے مالک پر ضمان نہیں بشرطیکہ عام گذرگاہ میں کنواں نہ ہو۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے کنواں کھدوانے کے لئے مزدور مقرر کیا وہ کنواں کھودتے ہوئے نیچے دب گیا تو مالک پر ضمان نہیں ہے یہ دوسرا مفہوم حدیث سے زیادہ قریب ہے۔[4]

"والمعدن جبار" معدن معدنیات کی کان کو کہتے ہیں یعنی ایک شخص نے اپنی مملوکہ غیر آباد زمین میں معدن کھودلیا ہو اور گڑھا رہ گیا ہو اس میں کوئی شخص آکر گرا اور ہلاک ہو گیا تو اس میں مالک پر کوئی تاوان نہیں دوسرا مفہوم یہ کہ کان کھودتے وقت مزدور ملبہ کے نیچے دب گیا اور مر گیا اس کا خون رائیگاں ہے مالک پر تاوان نہیں ہے یہ دوسرا مفہوم حدیث کے زیادہ قریب ہے۔ یہ چیزیں اگر کسی نے طریق المسلمین میں کھودلیں یا دوسرے کی زمین میں بنالیں اور پھر اس میں کوئی گر کر مر گیا تو ضمان مالک پر آئے گا اس کی طرف سے دیت عاقلہ ادا کرے گی۔[5]

---

[1] المرقات: ۴/۳۰۷ [2] لمرقات: ۴/۳۰۷ [3] المرقات: ۴/۳۰۷ [4] المرقات: ۴/۳۰۷ [5] المرقات: ۴/۳۰۷

رکاز کا حکم:

"**وفی الرکاز الخمس**" اگر کسی کو رکاز کا مال مل جائے تو اس میں پانچواں حصہ بیت المال کا ہے اور چار حصے پانے والے کے ہیں۔

رکاز کے لفظ کی تفسیر و تعیین سے پہلے بطور تمہید یہ سمجھ لینا چاہئے کہ یہاں تین ملتے جلتے الفاظ ہیں یعنی جو مال زمین سے نکالا جائے اس کی تین قسمیں ہیں۔ ① کنز ② معدن ③ رکاز۔ کنز وہ مال اور خزانہ ہے جس کو انسان نے خود زمین میں دبا کر رکھا ہو۔ معدن وہ مال ہے جس کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے تخلیق زمین کے وقت زمین میں پیدا کیا ہو جس کو قدرتی معدن کہتے ہیں یعنی اول دفینہ مخلوق ہے دوم دفینہ خالق ہے۔[1]

رکاز کے لفظ کی تفسیر و تشریح اور اس کے تعیین میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف:

شوافع حضرات کے نزدیک رکاز کا مصداق صرف کنز ہے کنز اور رکاز دونوں مترادف الفاظ ہیں اس میں خمس ہے اور معدنیات میں خمس نہیں ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک رکاز کا لفظ گاڑنے اور ثابت کرنے کے معنی میں ہے یہ لفظ کنز اور معدن دونوں کو شامل ہے کنز دفینۂ مخلوق ہے اور معدن دفینۂ خالق ہے لہٰذا کنز کی طرح معدن میں بھی خمس واجب ہے اصل اختلاف معدنیات میں ہے احناف کے نزدیک اس میں خمس ہے شوافع کے ہاں نہیں ہے ہاں اگر معدن میں سونا چاندی مل گیا تو شوافع کے ہاں اس میں زکوۃ واجب ہے ایک قول میں حولان حول شرط ہے دوسرے قول میں حولان حول شرط نہیں ہے۔[2]

دلائل:

شوافع حضرات کی دلیل زیر بحث حدیث ہے کیونکہ یہاں رکاز کا معدن پر عطف ہوا ہے جو تغایر چاہتا ہے لہٰذا معدن دوسری چیز ہے اور رکاز دوسری چیز ہے۔

ائمہ احناف کے دلائل اس مسئلہ میں بہت ہیں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے مؤطا محمد میں ایک حدیث نقل فرمائی ہے۔

① **قال محمد الحدیث المعروف ان النبی صلی اللہ علیه وسلم قال وفی الرکاز الخمس قیل یارسول اللہ! وما الرکاز؟ قال المال الذی خلقه اللہ فی الارض یوم خلق السموات والارض فی هذه المعادن ففیها الخمس۔** (موطا محمد)

---

[1] المرقات: ۴/۳۰۷ [2] المرقات: ۴/۳۰۷

❷ امام بیہقی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب المعرفۃ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک مرفوع حدیث نقل فرمائی چند الفاظ یہ ہیں "الرکاز الذی ینبت فی الارض" (بیہقی)

❸ جوہر النقی میں لکھا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے "الرکاز ھو المعدن"۔

❹ امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے کتاب الخراج میں ایک حدیث نقل فرمائی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں "وفی الرکاز الخمس فقیل ما الرکاز یارسول اللہ! فقال الذهب والفضة الذی خلقه الله تعالیٰ فی الارض یوم خلقت"۔ (کتاب الخراج)

❺ لغت کی کتاب المغرب میں لکھا ہے "الرکاز ھو المعدن والکنز لان کلا منھما مرکوز فی الارض وان اختلف الراکز"۔

ان تمام حوالہ جات واستدلالات سے ثابت ہوا کہ رکاز معدن کو بھی شامل ہے لہٰذا معدن میں بھی خمس ہے پھر معدن تین قسم پر ہے۔

❶ وہ معدنیات جو آگ کے ذریعہ سے پگھل جاتے ہیں جیسے الذھب والفضۃ والجص والنورہ۔

❷ وہ معدنیات جو پہاڑوں میں یاقوت وزمرد اور عقیق وغیرہ کی قسم سے احجار ہیں۔

❸ وہ معدنیات جو مائع ہوں جیسے تیل پٹرول وغیرہ۔[1]

اب امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک ان تینوں میں خمس واجب ہے۔ امام مالک وشافعی رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف سونے چاندی کی کان میں خمس ہے باقی میں نہیں احناف کے نزدیک صرف قسم اول میں خمس ہے باقی دو میں نہیں ہے۔[2]

جواب: اس حدیث کا مصداق جو شوافع نے بیان کیا ہے اس سے وہ مصداق زیادہ واضح ہے جو احناف نے بیان کیا ہے لہٰذا یہ حدیث احناف کی دلیل ہے تو جواب کی ضرورت نہیں ہے۔ نیز احناف کے پاس مرفوع احادیث بھی ہیں جس کے مقابلے میں شوافع کا استدلال صحیح نہیں ہے نیز اس حدیث میں تین ایسی اشیاء کا ذکر ہے جن میں تاوان وضمان معاف ہے لہٰذا معدن سے مراد خالی گڑھا لینا زیادہ مناسب ہے جب خالی گڑھا مراد ہوا تو وفی الرکاز کا عطف بھی صحیح ہو گیا دونوں میں مغایرت آگئی۔ گویا ایک جملہ میں ظرف کے حکم کا ذکر کیا گیا جو معدن کے نام سے یاد کیا گیا کہ اس میں کچھ نہیں اور آخری جملہ وفی الرکاز میں مظروف کے حکم کا ذکر کیا گیا جو ماخرج من المعدن خزانہ ہے کہ اس میں خمس ہے یہ بیان بہت مناسب اور ضروری تھا، اس لئے عطف کے ساتھ لایا گیا۔

---

[1] المرقات: ۴/۳۰۸ [2] المرقات: ۴/۳۰۸

مورخہ ۱۲ جمادی الثانی ۱۴۱۰ھ

الفصل الثانی

سونے اور چاندی کا نصاب

﴿۶﴾ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ عَفَوْتُ عَنِ الْخَيْلِ وَالرَّقِيْقِ فَهَاتُوْا صَدَقَةَ الرِّقَةِ مِنْ كُلِّ أَرْبَعِيْنَ دِرْهَماً دِرْهَمٌ وَلَيْسَ فِيْ تِسْعِيْنَ وَمِائَةٍ شَيْءٌ فَإِذَا بَلَغَتْ مِائَتَيْنِ فَفِيْهَا خَمْسَةُ دَرَاهِمَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ.وَفِيْ رِوَايَةٍ لِأَبِيْ دَاوُدَ عَنِ الْحَارِثِ الْأَعْوَرِ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ زُهَيْرٌ أَحْسِبُهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ هَاتُوْا رُبُعَ الْعُشْرِ مِنْ كُلِّ أَرْبَعِيْنَ دِرْهَمًا دِرْهَمٌ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ شَيْءٌ حَتّٰى تَتِمَّ مِائَتَيْ دِرْهَمٍ فَإِذَا كَانَتْ مِائَتَيْ دِرْهَمٍ فَفِيْهَا خَمْسَةُ دَرَاهِمَ فَمَازَادَ فَعَلٰى حِسَابِ ذٰلِكَ وَفِي الْغَنَمِ فِيْ كُلِّ أَرْبَعِيْنَ شَاةً شَاةٌ إِلٰى عِشْرِيْنَ وَمِائَةٍ فَإِنْ زَادَتْ وَاحِدَةٌ فَشَاتَانِ إِلٰى مِائَتَيْنِ فَإِنْ زَادَتْ فَثَلَاثُ شِيَاهٍ إِلٰى ثَلَاثِمِائَةٍ فَإِذَا زَادَتْ عَلٰى ثَلَاثِمِائَةٍ فَفِيْ كُلِّ مِائَةٍ شَاةٌ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ إِلَّا تِسْعٌ وَثَلَاثُوْنَ فَلَيْسَ عَلَيْكَ فِيْهَا شَيْءٌ وَفِي الْبَقَرِ فِيْ كُلِّ ثَلَاثِيْنَ تَبِيْعٌ وَفِي الْأَرْبَعِيْنَ مُسِنَّةٌ وَلَيْسَ عَلَى الْعَوَامِلِ شَيْءٌ۔[1]

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میں نے گھوڑوں اور غلاموں میں زکوۃ معاف رکھی ہے (یعنی اگر غلام تجارت کے لئے نہ ہوں تو ان میں نہیں ہے۔اور گھوڑوں کی زکوۃ کے بارے میں ائمہ کا جو اختلاف ہے اسے بیان کیا جاچکا ہے) تم چاندی کی زکوۃ ہر چالیس درہم میں سے ایک درہم کے حساب سے ادا کرو (جب کہ چاندی بقدر نصاب یعنی دوسو درہم ہو کیونکہ) ایک سونوے درہم (یعنی دوسو درہم سے کم) چاندی میں زکوۃ واجب نہیں ہے جب دوسو درہم چاندی ہو تو اس میں سے پانچ درہم زکوۃ کے طور پر دینا واجب ہے۔(ترمذی،ابوداؤد) ابوداؤد نے حارث اعور سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ زبیر رضی اللہ عنہ نے (جو حارث رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں) کہا کہ میرا گمان ہے کہ حارث رضی اللہ عنہ نے یہ کہا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ''تم (ہر سال) چالیس درہم میں سے ایک درہم (یعنی) چالیسواں حصہ ادا کرو اور تم پر اس وقت تک کچھ واجب نہیں جب تک کہ تمہارے پاس دوسو درہم پورے نہ ہوں، جب دوسو درہم پورے ہوں تو ان میں (بطور زکوۃ) پانچ درہم واجب ہوں گے اور جب دوسو درہم سے زائد ہوں گے تو ان میں اسی حساب سے زکوۃ واجب ہوگی۔اور بکریوں کا نصاب یہ ہے کہ ہر چالیس بکریوں میں ایک بکری واجب ہوتی ہے (اور یہ ایک بکری) ایک سوبیس تک (کی

[1] اخرجہ ابوداؤد: ۲/۱۰۳ والترمذی: ۵/۳۷

تعداد کے لئے) ہے اور جب اس تعداد سے ایک بکری بھی زائد ہو جائے تو دو سو تک دو بکریاں واجب ہوں گی اور جب دو سو سے ایک بکری بھی زائد ہوگی تو تین سو تک تین بکریاں واجب ہوں گی اور جب تین سو سے زائد ہوں (یعنی چار سو ہو جائیں) تو ہر سو بکری میں ایک بکری واجب ہوگی، اور اگر تمہارے پاس بقدر نصاب بکریاں نہ ہوں (یعنی) انتالیس بکریاں ہوں تو پھر ان میں تمہارے ذمہ کچھ بھی واجب نہیں ہوگا اور گائے کا نصاب یہ ہے کہ ہر تیس میں ایک سال کی عمر کا ایک بچھڑا اور چالیس میں دو سال کی عمر کی ایک گائے واجب ہے نیز کام کاج کے جانوروں میں کچھ بھی واجب نہیں۔

توضیح: "صدقة الرقة" چاندی کو رقہ کہتے ہیں۔[1]

"**فعلی حساب ذلك**" سونے چاندی کا نصاب بلا اختلاف متعین ہے کہ چاندی کا نصاب دو سو درہم ہے جس میں پانچ درہم زکوٰۃ ہے ہر چالیس پر ایک درہم واجب ہے اور سونے کا نصاب بیس مثقال ہے جس میں نصف مثقال زکوٰۃ واجب ہے۔ تولوں کے حساب سے ساڑے باون تولہ چاندی نصاب ہے اور ساڑھے سات تولہ سونے کا نصاب ہے اب اگر سونا اور چاندی مقدار نصاب سے کچھ زائد ہو جائے تو اس کا کیا حکم ہے اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔[2]

فقہاء کا اختلاف:

جمہور مع صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ نصاب سے اگر ایک درہم بھی زیادہ ہو گیا اس کا حساب کیا جائے گا اور اس کا چالیسواں زکوٰۃ میں دیا جائے گا۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سفیان ثوری رحمہ اللہ اور امام شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس زائد حصہ پر زکوٰۃ نہیں ہے ہاں اگر یہ زائد حصہ چالیس درہم تک پہنچ جائے پھر زکوٰۃ واجب ہوگی اس میں ایک درہم دیا جائے گا اسی طرح بیس مثقال سے زائد حصہ کا حکم ہے۔[3]

دلائل:

جمہور کی دلیل زیر بحث حدیث ہے جس میں "**فما زاد فعلی حسابه**" کے واضح الفاظ موجود ہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سفیان ثوری رحمہ اللہ اور امام شعبی رحمہ اللہ کی دلیل بیہقی اور دارمی کی وہ روایت ہے جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کے نام خط میں لکھا ہے الفاظ یہ ہیں "**ان فی کل خمس اواق من الورق خمسة دراهم فما زاد ففی کل اربعین درهما درهم**"۔ (کذا فی زجاجۃ المصابیح ج ۱ ص ۵۱۰)

اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو کسور سے زکوٰۃ لینے سے منع فرمایا تھا نیز کسور کی زکوٰۃ کے حساب میں حرج عظیم ہے **والحرج مدفوع فی الشرع**۔

جواب: **فما زاد فبحسابه** سے جمہور نے جو استدلال کیا ہے احناف اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اس میں زیادت سے چالیس تک کی زیادت مراد ہے کہ جب چالیس تک زیادہ ہو جائے تو پھر زکوٰۃ ہے یہ مطلب مراد لینا اس لئے ضروری ہے کہ دیگر احادیث میں چالیس کے عدد کی تصریح موجود ہے اس سے تمام احادیث میں تطبیق بھی آجائے گی۔[4]

---

[1] المرقات: ۴/۳۰۸ [2] المرقات: ۴/۳۰۹ [3] المرقات: ۴/۳۰۹ [4] المرقات: ۴/۳۰۹

گائے بیل کا نصاب

﴿۷﴾ وَعَنْ مُعَاذٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا وَجَّهَهُ إِلَى الْيَمَنِ أَمَرَهُ أَنْ يَأْخُذَ مِنَ الْبَقَرِ مِنْ كُلِّ ثَلَاثِينَ تَبِيعاً أَوْ تَبِيعَةً وَمِنْ كُلِّ أَرْبَعِينَ مُسِنَّةً (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَالدَّارِمِيُّ) [۱]

ترجمہ: اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جب انہیں (عامل بنا کر) یمن بھیجا تو انہیں یہ حکم دیا کہ وہ زکوٰۃ کے طور پر ہر تیس گائے میں سے ایک برس کا بیل یا ایک برس کی گائے لیں اور ہر چالیس گائے میں سے دو برس کی گائے (یا دو برس کا ایک بیل) وصول کریں۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، دارمی)

توضیح: "تبیع او تبیعة" گائے بیل کی زکوٰۃ کے بارے میں اس بات پر اتفاق ہے کہ اس کا نصاب تیس ہے تیس سے کم پر زکوٰۃ نہیں تیس پر ایک تبیع یا ایک تبیعہ واجب ہے تبیع وہ بچھڑا ہے جو ایک سال کا ہو کر دوسرا سال شروع کر چکا ہو۔ [۲]

جب گائیں چالیس ہو جائیں تو اس میں ایک مسنہ ہے مسنہ وہ بچھڑا بچھڑی ہے جو دو سال مکمل کر کے تیسرے سال میں قدم رکھ چکا ہو۔ اس کے بعد اسی ترتیب سے حساب چلتا رہے گا کہ ہر تیس پر ایک تبیعہ اور ہر چالیس پر ایک مسنہ آئے گا اس میں تمام فقہاء کا اتفاق ہے البتہ اس میں اختلاف ہے کہ تیس اور چالیس کے درمیان جو زائد اعداد ہیں ان پر کچھ واجب ہے یا نہیں؟ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس میں کچھ نہیں ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے اس بارے میں روایات مختلف ہیں مشہور یہی ہے کہ ان اعداد کا حساب لگا کر زکوٰۃ ادا کرنی چاہئے مثلاً چالیس پر ایک گائے سے زائد ہو تو ایک مسنہ اور دوسرے مسنہ کا چالیسواں حصہ ادا کر دیا جائے گا۔

﴿۸﴾ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمُعْتَدِيْ فِي الصَّدَقَةِ كَمَانِعِهَا۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ) [۳]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "زکوٰۃ لینے میں (مقدار واجب سے) زیادتی کرنے والا زکوٰۃ نہ دینے والے کی مانند ہے (یعنی جس طرح زکوٰۃ نہ دینا گناہ ہے اسی طرح زکوٰۃ میں مقدار واجب سے زیادہ وصول کرنا بھی گناہ ہے) (ابوداؤد، ترمذی)

﴿۹﴾ وَعَنْ أَبِيْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيْسَ فِيْ حَبٍّ وَلَا تَمْرٍ صَدَقَةٌ حَتّٰى يَبْلُغَ خَمْسَةَ أَوْسُقٍ (رَوَاهُ النَّسَائِيُّ) [۴]

---

[۱] اخرجه ابوداؤد: ۲/۱۰۳ والترمذی: ۲/۱۲۵ والنسائی: ۵/۲۵ [۲] المرقات: ۴/۳۱۱

[۳] اخرجه ابوداؤد: ۲/۱۰۷ والترمذی: ۲/۱۳۷ [۴] اخرجه النسائی: ۵/۳۹

ترجمہ: اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”غلہ اور کھجور میں اس وقت تک زکوٰۃ واجب نہیں جب تک کہ ان کی مقدار پانچ وسق نہ ہو۔ (نسائی)

﴿۱۰﴾ وَعَنْ مُوسَى بْنِ طَلْحَةَ قَالَ عِنْدَنَا كِتَابُ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ إِنَّمَا أَمَرَهُ أَنْ يَأْخُذَ الصَّدَقَةَ مِنَ الْحِنْطَةِ وَالشَّعِيْرِ وَالزَّبِيْبِ وَالتَّمْرِ مُرْسَلٌ. (رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت موسیٰ ابن طلحہ رحمۃ اللہ علیہ (تابعی) کہتے ہیں کہ ہمارے پاس حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ کا وہ مکتوب گرامی ہے جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پاس بھیجا تھا، چنانچہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں گیہوں، جو، انگور، اور کھجوروں کی زکوٰۃ وصول کروں۔ (یہ حدیث مرسل ہے اور شرح السنہ میں نقل کی گئی ہے)

توضیح: ”الحنطة“ اس حدیث میں چار اشیاء سے صدقہ لینے کا جو حکم دیا گیا ہے یہ اس علاقہ کی حالت کے پیش نظر تھا کہ وہاں یہی چار قسم کے غلے تھے کوئی اور غلہ نہیں تھا اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان چار اشیاء کے علاوہ غلوں میں زکوٰۃ نہیں ہے یہاں امر واقعی کا بیان ہے دیگر اشیاء کی نفی مقصود نہیں ہے۔[2]

درختوں پر انگور اور کھجور کا اندازہ کر کے زکوٰۃ دینے کا حکم

﴿۱۱﴾ وَعَنْ عَتَّابِ بْنِ أَسِيْدٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي زَكَاةِ الْكُرُوْمِ أَنَّهَا تُخْرَصُ كَمَا تُخْرَصُ النَّخْلُ ثُمَّ تُؤَدَّى زَكَاتُهُ زَبِيْبًا كَمَا تُؤَدَّى زَكَاةُ النَّخْلِ تَمْرًا (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْ دَاوُدَ)[3]

ترجمہ: اور حضرت عتاب ابن اسید رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انگور کی زکوٰۃ کے بارے میں فرمایا کہ ”انگوروں کا اسی طرح اندازہ کیا جائے جیسا کھجوروں کا اندازہ کیا جاتا ہے پھر ان انگوروں کی زکوٰۃ اس وقت ادا کی جائے جب وہ خشک ہو جائیں جس طرح کے خشک ہو جانے کے بعد کھجوروں کی زکوٰۃ ادا کی جاتی ہے۔ (ترمذی، ابوداؤد)

توضیح: ”الکروم“ یہ کرم کی جمع ہے انگور مراد ہے ”تخرص“ یہ خرص سے ہے اندازہ کرنے اور تخمینہ کر کے حساب لگانے کے معنی میں ہے اس وقت اس خرص کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ خیبر کے یہود سے جب ان کی زمینیں مسلمانوں کے ہاتھوں میں آئیں تو یہود نے مزارعت پر ان زمینوں کو آباد کرنا شروع کر دیا آدھا غلہ ان کا آدھا غلہ مسلمانوں کا طے ہو گیا لیکن ان کے دلوں میں یہ بات تھی کہ حقیقت میں یہ زمینیں ہماری ہیں مسلمانوں نے فتح کر کے ہم سے چھین لیں ہیں اس لئے وہ پھلوں میں خیانت کرنے کو جائز سمجھتے تھے اور پھلوں کے پکنے تک انتظار سے پہلے اس کے ضائع ہونے کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خرص کا نظام قائم فرمایا وہ اس طرح کہ ایک ماہر آدمی باغ میں جا کر درخت پر کھجور کا اندازہ کر لیتا تھا اور پھر حکم دیتا تھا کہ یہ اتنے من کھجوریں ہیں خشک ہونے پر اس میں اتنی زکوٰۃ ہے

[1] اخرجه شرح السنه [2] المرقات: ۴/۳۱۵ [3] اخرجه الترمذی: ۲/۱۳۶ و ابوداؤد: ۲/۱۱۲

آگے ذمہ داری مزارع کی ہے کہ وہ اس کی حفاظت کرے یا نہ کرے اس طرح غلہ محفوظ ہو جاتا تھا اب یہ مسئلہ ہے کہ کیا تخمینہ اور خرص کا عمل شرعی طور پر حجت مُلزمہ ہے یا نہیں ہے؟[۱]

ائمہ احناف خرص کے اس عمل کے جائز ہونے کے قائل ہیں لیکن اس کو حجت مُلزمہ نہیں مانتے کہ دوسرے پر یہ حساب قطعی حجت بن جائے بعض دیگر فقہاء کے ہاں خرص کا یہ عمل حجت ملزمہ ہے بعد میں آنے والی دونوں حدیثوں کو بھی اسی توضیح کی روشنی میں سمجھنا چاہئے۔ بہر حال شوافع حضرات اور صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے ہاں تخمینہ شدہ غلہ پانچ وسق تک پہنچنا چاہئے اگر اس سے کم ہو تو اس میں عشر نہیں ہے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں قلیل و کثیر سب میں عشر ہے۔

زکوٰۃ میں مالک مال کی سہولت کا خیال رکھنا چاہئے

﴿۱۲﴾وَعَنْ سَهْلِ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ حَدَّثَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ إِذَا خَرَصْتُمْ فَخُذُوا وَدَعُوا الثُّلُثَ فَإِنْ لَمْ تَدَعُوا الثُّلُثَ فَدَعُوا الرُّبُعَ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ)[۲]

ترجمہ: اور حضرت سہل ابن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث بیان کرتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب تم انگوروں اور کھجوروں کی زکوٰۃ کا اندازہ کرلو تو اس میں سے (دو تہائی) لے لو اور ایک تہائی چھوڑ دو، اگر ایک تہائی نہ چھوڑ سکو تو چوتھائی تو چھوڑ ہی دو۔ (ترمذی، ابو داؤد، نسائی)

توضیح: "اذا خرصتم" اس حدیث میں تخمینہ لگانے والوں کو مالکوں کے ساتھ نرمی کرنے کی ہدایت کی گئی ہے اس حدیث کے مفہوم کے سمجھنے کے لئے اس سے پہلی حدیث کی توضیح کا پڑھنا ضروری ہے تاکہ حدیث کے پورے پس منظر کا اندازہ ہو جائے۔[۳]

"فدعوا الثلث" اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ساعی اور خرص و تخمینہ لگانے والا اس تخمینہ کے دوران زکوٰۃ و عشر میں کچھ تخفیف کر کے معاف کر سکتا ہے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اس ظاہری حدیث کی وجہ سے اس تخفیف کے قائل ہیں لیکن ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ خارص و ساعی کو یہ حق نہیں کہ وہ زکوٰۃ کا کچھ حصہ معاف کرلے کیونکہ عشر و زکوٰۃ حقوق اللہ اور فرائض اسلام میں سے ہیں جن میں کمی بیشی جائز نہیں ہے لہٰذا جمہور اس حدیث کا مفہوم یہ بیان کرتے ہیں کہ یہاں زکوٰۃ کے معاف کرنے کا حکم نہیں ہے بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ زکوٰۃ کا کچھ حصہ مالک کے پاس چھوڑا جائے تاکہ وہ اپنے مستحقین اقارب پر تقسیم کرے تو یہ ثلث یا ربع مالک مال اپنی صواب دید پر تقسیم کرے گا یہ توجیہ امام شافعی رحمہ اللہ نے کی ہے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ساعی اور خارص کو چاہئے کہ وہ حساب لگانے کے وقت پھلوں پر آنے والے حادثات کا بھی خیال کرے کہ پھل چوری بھی ہو سکتا ہے ضائع بھی ہو سکتا ہے کوئی

[۱] المرقات: ۴/۳۱۶ [۲] اخرجه الترمذی: ۲/۱۳۵ وابو داؤد: ۲/۱۱۳ والنسائی ۵/۴۲ [۳] المرقات: ۴/۳۱۷

مانگنے والا مانگنے کے لئے بھی آسکتا ہے اس لئے خارص ایک ثلث یا ایک ربع پھلوں کو اصل پھلوں میں شمار ہی نہ کرے تا کہ مالک اس کو ضرورت کے موقع پر خرچ کرے۔[1]

﴿۱۳﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبْعَثُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ رَوَاحَةَ إِلَى يَهُودَ فَيَخْرُصُ النَّخْلَ حِيْنَ تَطِيْبُ قَبْلَ أَنْ يُؤْكَلَ مِنْهُ (رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ)[2]

ترجمہ: اور ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ عبد اللہ ابن رواحہ رضی اللہ عنہ کو (خیبر کے) یہودیوں کے پاس بھیجا کرتے تھے وہ وہاں جا کر کھجوروں کی مقدار کا اس وقت اندازہ کیا کرتے تھے جب کہ ان میں شیرینی پیدا ہو جاتی تھی مگر کھانے کے قابل نہیں ہوتی تھیں۔ (ابوداؤد)

شہد میں عشر کا مسئلہ

﴿۱۴﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْعَسَلِ فِي كُلِّ عَشَرَةِ أَزُقٍّ زِقٌّ

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ فِي إِسْنَادِهِ مَقَالٌ وَلَا يَصِحُّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي هٰذَا الْبَابِ كَبِيْرُ شَيْءٍ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے شہد کی زکوٰۃ کے بارے میں فرمایا کہ "ہر دس مشک میں ایک مشک (بطور زکوٰۃ واجب) ہے۔ (ترمذی) اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اس حدیث کی اسناد میں کلام کیا گیا ہے نیز اس بارے میں آنحضرت ﷺ کی اکثر احادیث (جو نقل کی جاتی ہیں وہ) صحیح نہیں ہیں۔

توضیح: "فی العسل" عشری زمین میں اگر شہد حاصل ہو جائے تو کیا اس میں عشر ہے یا نہیں؟ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔[4]

فقہاء کا اختلاف:

امام شافعی رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک شہد میں عشر نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے نزدیک شہد میں عشر البتہ پھر احناف کا آپس میں اختلاف ہے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس کا کوئی نصاب نہیں قلیل وکثیر میں عشر ہے امام ابویوسف رحمہ اللہ کے نزدیک دس مشکیزہ تک پہنچنے میں عشر ہے کم میں نہیں ہے۔[5]

دلائل:

امام مالک رحمہ اللہ وامام شافعی رحمہ اللہ کے پاس کوئی مرفوع حدیث نہیں ہے صرف حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے ایک قول سے استدلال کرتے ہیں وہ قول اس طرح ہے "انه سئل عن العسل فی الیمن فقال لم اومر فیه بشیء"۔

---

[1] المرقات: ۴/۳۱۷ [2] اخرجه ابوداؤد: ۲/۱۱۳ [3] اخرجه الترمذی: ۲/۱۲۸

[4] المرقات: ۴/۳۱۸ [5] المرقات: ۴/۳۱۸

احناف وحنابلہ کے پاس اس سلسلہ میں کافی روایات ہیں ایک تو مذکورہ زیر بحث حدیث ہے جس میں واضح طور پر زکوٰۃ کا حکم ہے کہ ہر دس مشکیزوں میں ایک مشکیزہ ادا کیا جائے یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے لیکن تائید مسلک کے لئے کافی ہے۔

وَعَنْ عبدالله بن عمرو عن النبی صلی الله علیه وسلم انه اخذ من العسل العشر۔

(رواه ابن ماجه وابوداود)[1]

ابوداؤد نے اس حدیث کو نقل کیا اور اس پر سکوت فرمایا جو کم از کم حسن کے حکم میں آ گئی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے **ماسقت السماء الخ** اور **مااخرجت الارض ففیه العشر** سے بھی استدلال کیا ہے۔

جواب: امام مالک وامام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ کے پاس کوئی مرفوع حدیث نہیں ہے صرف قیاس سے استدلال کرتے ہیں جو مرفوع احادیث کے مقابلے میں کچھ نہیں ہے باقی حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا کہ ہمیں حکم نہیں دیا گیا تو عدم حکم سے عدم وجوب ثابت نہیں ہوتا زیر بحث روایت میں کثیر احادیث کی نفی ہے جس سے معلوم ہوا کہ قلیل احادیث کا وجود ہے جو وجوب کے لئے کافی ہے۔

عورتوں کے زیورات میں زکوٰۃ کا حکم

﴿۱۵﴾ وَعَنْ زَيْنَبَ اِمْرَأَةِ عَبْدِ اللهِ قَالَتْ خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ تَصَدَّقْنَ وَلَوْ مِنْ حُلِيِّكُنَّ فَإِنَّكُنَّ أَكْثَرُ أَهْلِ جَهَنَّمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[2]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے خطبہ ارشاد کرتے ہوئے فرمایا کہ "اے عورتوں کی جماعت: تم اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کیا کرو اگرچہ وہ زیور ہی کیوں نہ ہو اس لئے کہ قیامت کے دن تم" میں اکثریت دوزخیوں کی ہوگی۔ (ترمذی)

توضیح: "**ولو من حلیکن**" عورتوں کے زیورات جو ان کے استعمال میں ہو کیا اس میں زکوٰۃ ہے یا نہیں اس بارہ میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف:

کچھ معمولی فرق کے ساتھ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک عورتوں کے قابل استعمال زیورات میں زکوٰۃ نہیں ہے ائمہ احناف کے نزدیک مطلقاً زیورات میں زکوٰۃ واجب ہے خواہ استعمال میں ہو یا نہ ہو۔[3]

دلائل:

جمہور کے پاس کوئی قوی مستند دلیل نہیں ہے صرف احناف کی دلائل کی تضعیف کر کے اپنی دلیل بناتے ہیں ان کے پاس

[1] المرقات: ۴/۳۱۸ [2] اخرجه الترمذی: ۲/۱۳۱ ح ۶۳۵، ۶۳۶ [3] المرقات: ۴/۳۱۹

ایک روایت ہے جو مصنف عبد الرزاق میں ان الفاظ کے ساتھ منقول ہے "لیس فی الحلی زکوۃ"۔

احناف کے پاس کئی مرفوع احادیث ہیں ایک زیر بحث حدیث ۱۵ ہے دوسری حدیث ۱۶ ہے اور تیسری ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث ۱۷ ہے یہ تمام احادیث اپنے مدعا پر نہایت واضح دلائل ہیں۔

جواب: "ولا یصح فی هذا الباب" امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ان روایات کو ضعیف قرار دینے کی کوشش کی ہے اس پر علامہ منذری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "لا یصح فی هذا الباب مؤل والا فخطأ"۔ یعنی یا امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے قول میں تاویل کی جائے گی ورنہ اس کو خطا قرار دیا جائے گا کیونکہ اس باب میں بہت ساری روایات ثابت ہیں محدثین نے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول پر تعجب کا اظہار کیا ہے کیونکہ ان میں سے بعض احادیث کی توثیق کی گئی ہے جمہور نے نفی زکوۃ پر جو بعض روایات سے استدلال کیا ہے تو وہاں موتیوں کے زیورات کی نفی مقصود ہے سونے چاندی کے زیورات میں زکوۃ کا صریح حکم موجود ہے حدیث نمبر ۱۶ اور حدیث نمبر ۱۷ کو ملاحظہ کرو۔

﴿۱۶﴾وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ امْرَأَتَيْنِ أَتَتَا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِي أَيْدِيهِمَا سِوَارَانِ مِنْ ذَهَبٍ فَقَالَ لَهُمَا تُؤَدِّيَانِ زَكَاتَهُ قَالَتَا لَا فَقَالَ لَهُمَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتُحِبَّانِ أَنْ يُسَوِّرَكُمَا اللهُ بِسِوَارَيْنِ مِنْ نَارٍ قَالَتَا لَا قَالَ فَأَدِّيَا زَكَاتَهُ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيثٌ قَدْ رَوَى الْمُثَنَّى بْنُ الصَّبَّاحِ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ نَحْوَ هٰذَا وَالْمُثَنَّى بْنُ الصَّبَّاحِ وَابْنُ لَهِيعَةَ يُضَعَّفَانِ فِي الْحَدِيثِ وَلَا يَصِحُّ فِي هٰذَا الْبَابِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْءٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت عمرو بن شعیب رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد مکرم سے اور وہ اپنے جد محترم سے نقل کرتے ہیں کہ (ایک دن) دو عورتیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں، ان دونوں نے اپنے ہاتھوں میں سونے کے کڑے پہنے ہوئے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (ان کڑوں کو دیکھ کر) فرمایا کہ کیا تم ان کی زکوۃ ادا کرتی ہو؟ ان دونوں نے کہا کہ نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو کیا تم یہ بات پسند کرتی ہو کہ (کل قیامت کے دن) اللہ تبارک وتعالیٰ تمہیں آگ کے دو کڑے پہنائے؟ انہوں نے عرض کیا کہ نہیں۔ آپ نے فرمایا تو پھر اس (سونے) کی زکوۃ ادا کیا کرو۔ ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس حدیث کو اسی طرح مثنی بن صباح نے عمرو ابن شعیب سے نقل کیا ہے اور مثنی بن صباح نیز ابن لہیعہ (جو اس حدیث کے ایک دوسرے راوی ہیں) دونوں (روایت حدیث کے بارے) ضعیف شمار کئے جاتے ہیں اور اس بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی صحیح حدیث منقول نہیں ہے۔

﴿۱۷﴾وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كُنْتُ أَلْبَسُ أَوْضَاحًا مِنْ ذَهَبٍ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ أَكَنْزٌ هُوَ فَقَالَ مَا بَلَغَ أَنْ تُؤَدَّى زَكَاتُهُ فَزُكِّيَ فَلَيْسَ بِكَنْزٍ (رَوَاهُ مَالِكٌ وَأَبُو دَاوُدَ)[2]

[1] اخرجه الترمذی: ۲/۱۳۲ ح ۶۳۷ [2] اخرجه ابو داؤد: ۲/۹۷ ح ۱۵۶۴

ترجمہ: اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں سونے کا وضح (جو ایک زیور کا نام ہے) پہنا کرتی تھی (ایک دن) میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ: کیا اس کا شمار بھی جمع کرنے میں ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا جو چیز اتنی مقدار میں ہو کہ اس کی زکوٰۃ ادا کی جائے (یعنی حد نصاب کو پہنچتی ہو) تو زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد اس کا شمار جمع کرنے میں نہیں ہوتا۔ (مالک، ابوداؤد)

﴿۱۸﴾ وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَأْمُرُنَا أَنْ نُخْرِجَ الصَّدَقَةَ مِنَ الَّذِيْ نُعِدُّ لِلْبَيْعِ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)[1]

ترجمہ: اور حضرت سمرۃ ابن جندب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ ہمیں حکم دیا کرتے تھے کہ ہم تجارت کے لئے جو مال تیار کریں اس کی زکوٰۃ نکالا کریں۔ (ابوداؤد)

کانوں میں زکوٰۃ کا حکم

﴿۱۹﴾ وَعَنْ رَبِيْعَةَ بْنِ أَبِيْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنْ غَيْرِ وَاحِدٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقْطَعَ لِبِلَالِ بْنِ الْحَارِثِ الْمُزَنِيِّ مَعَادِنَ الْقَبَلِيَّةِ وَهِيَ مِنْ نَاحِيَةِ الْفُرْعِ فَتِلْكَ الْمَعَادِنُ لَا تُؤْخَذُ مِنْهَا إِلَّا الزَّكَاةُ إِلَى الْيَوْمِ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ربیعہ ابن ابو عبدالرحمٰن رحمہ اللہ (تابعی) بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے حضرت بلال ابن حارث مزنی رضی اللہ عنہ کو نواح فرع میں قبل کی کانیں بطور جاگیر عطا فرمادی تھیں چنانچہ ان کانوں میں سے اب تک صرف زکوٰۃ لی جاتی ہے۔ (ابوداؤد)

توضیح: "اقطع" جدا کردینے کے معنی میں ہے۔[3]

"القبلية" قبلیہ "قَبَل" کی طرف منسوب ہے[4] جو "فرع" کے اطراف میں ایک جگہ کا نام ہے مدینہ اور مکہ کے درمیان ایک معروف مقام ہے جس کا نام "فرع" ہے معادن جمع معدن کی ہے معدن وہی خزانہ ہوتا ہے جس کی تفصیل گذر چکی ہے۔[5] یہاں ایک سوال ہے کہ معدن کا اس طرح اقطاع جائز نہیں ہے پھر آنحضرت ﷺ نے بلال بن حارث رضی اللہ عنہ کے لئے کیسے جدا کیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے بلال رضی اللہ عنہ کو خالی زمین دی تھی خزانہ بعد میں ظاہر ہوگیا دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ معادن عام مسلمانوں کے کام نہیں آسکتے تھے اس لئے ان کو دیدیا اس کے علاوہ ایک جواب یہ بھی ہے کہ امیر الجیش کو اتنا حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ اپنی صوابدید کے مطابق کسی کو معادن میں سے کچھ دیدے اب رہ گیا مسئلہ کہ معادن میں زکوٰۃ واجب ہے یا خمس واجب ہے تو شوافع اور مالکیہ کے نزدیک زکوٰۃ واجب ہے خمس نہیں ہے احناف کے نزدیک معدن میں خمس واجب ہے تفصیل گذر چکی ہے۔

---

[1] اخرجہ ابوداؤد: ۲/۹۷ ح ۱۵۶۲ [2] اخرجہ ابوداؤد: ۳/۱۷۰ ح ۳۰۶۱ [3] المرقات: ۴/۳۲۲ [4] المرقات: ۴/۳۲۲ [5] المرقات: ۴/۳۲۳

الفصل الثالث

ترکاریوں اور عرایا کی کھجوروں میں زکوٰۃ نہیں

﴿۲۰﴾عَنْ عَلِيٍّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيْسَ فِي الْخَضْرَاوَاتِ صَدَقَةٌ وَلاَ فِي الْعَرَايَا صَدَقَةٌ وَلاَ فِي أَقَلَّ مِنْ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ صَدَقَةٌ وَلاَ فِي الْعَوَامِلِ صَدَقَةٌ وَلاَ فِي الْجَبْهَةِ صَدَقَةٌ قَالَ الصَّقْرُ الْجَبْهَةُ الْخَيْلُ وَالْبِغَالُ وَالْعَبِيْدُ (رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ)[۱]

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ترکاریوں میں، عاریت کے درختوں میں، پانچ وسق سے کم میں، کام کاج کے جانوروں میں اور جبہہ میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے صقر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جبہہ سے گھوڑا، خچر اور غلام مراد ہے۔ (دارقطنی)

توضیح: عرایا عریۃ کی جمع ہے عریہ عطیہ کو کہتے ہیں اس کی تفصیل کتاب البیوع میں ان شاء اللہ آئے گی۔

"الخضروات" سبزیوں اور ترکاریوں کو کہتے ہیں۔ اس سے متعلق بحث گذر چکی ہے کہ جمہور کے نزدیک اس میں عشر نہیں ہے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس میں عشر واجب ہے۔[۲]

"عوامل" عاملۃ کی جمع ہے وہ جانور مراد ہیں جو کام کاج کے لئے رکھے گئے ہوں۔[۳]

"الجبهة" حقیقت میں جبهہ محاذ جنگ کو کہتے ہیں لیکن یہاں راوی نے جس کا نام صقر ہے جبهہ سے خچر گھوڑے اور غلام مراد لیے ہیں کیوں کہ وہ محاذ پر لڑتے ہیں۔[۴]

وقص جانوروں میں زکوٰۃ کا حکم

﴿۲۱﴾وَعَنْ طَاوُسٍ أَنَّ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ أُتِيَ بِوَقْصِ الْبَقَرِ فَقَالَ لَمْ يَأْمُرْنِي فِيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَيْءٍ (رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ وَالشَّافِعِيُّ وَقَالَ الْوَقْصُ مَالَمْ يَبْلُغِ الْفَرِيْضَةَ)[۵]

ترجمہ: اور حضرت طاؤس رحمہ اللہ (تابعی) کہتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے پاس وقص گائیں لائی

[۱] اخرجه الدار قطنی: ۲/۹۴، ۹۵ [۲] المرقات: ۴/۲۲۳ [۳] المرقات: ۴/۲۲۴

[۴] المرقات: ۴/۲۲۴ [۵] اخرجه الدار قطنی: ۲/۹۹

گئیں (تا کہ وہ ان میں سے زکوٰۃ وصول کریں) مگر انہوں نے فرمایا کہ رسول کریم ﷺ نے ان میں سے مجھے کچھ لینے کا حکم نہیں فرمایا (یعنی آپ ﷺ نے ان کی زکوٰۃ کے طور پر کچھ واجب نہیں فرمایا) (دارقطنی اور شافعی) اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ وقص وہ جانور کہلاتے ہیں جو (ابتدائی طور پر یا پہلے دوسرے نصاب کے بعد) حد نصاب کو نہ پہنچیں۔

توضیح: "بوقص" وقص کی جمع اوقاص ہے نصاب سے کم عدد مثلاً چار اونٹوں اسی طرح دو اونٹوں پر بھی وقص کا اطلاق ہوتا ہے اور فریضہ کے درمیان اعداد پر بھی وقص کا اطلاق ہوتا ہے یہاں دو نصابوں کے درمیان مثلاً پانچ سے دس اونٹوں کے درمیان اور تیس سے چالیس گائیوں کے درمیانی اعداد پر وقص کا اطلاق ہوا ہے اس عدد میں صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی زکوٰۃ نہیں ہے البتہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حساب کے ساتھ زکوٰۃ ہے تفصیل گذر چکی ہے۔[1]

[1] المرقات: ۴/۳۲۴

۱۳ جمادی الثانی ۱۴۱۰ھ

باب صدقة الفطر

صدقہ فطر کا بیان

صدقۃ الفطر کا دوسرا نام صدقۃ الصوم ہے تیسرا نام زکوٰۃ الصوم ہے چوتھا نام زکوٰۃ رمضان ہے پانچواں نام صدقۃ الرؤس ہے اس میں اضافت الی السبب ہے وکیع بن الجراح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صدقۃ الفطر نماز میں سجدہ سہو کے مانند ہے لہٰذا روزوں کے نقصانات کی تلافی کے لئے صدقہ فطر ہے۔

صدقہ فطر فرض ہے یا واجب ہے؟ پہلا مسئلہ

الفصل الاول

﴿۱﴾ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ فَرَضَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَكَاةَ الْفِطْرِ صَاعاً مِنْ تَمْرٍ أَوْ صَاعاً مِنْ شَعِيْرٍ عَلَى الْعَبْدِ وَالْحُرِّ وَالذَّكَرِ وَالْأُنْثٰى وَالصَّغِيْرِ وَالْكَبِيْرِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَأَمَرَ بِهَا أَنْ تُؤَدّٰى قَبْلَ خُرُوْجِ النَّاسِ إِلَى الصَّلَاةِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۱]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں میں سے ہر غلام، آزاد، مرد، عورت اور چھوٹے بڑے پر زکوٰۃ فطر (صدقہ فطر) کے طور پر ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو فرض قرار دیا ہے نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ فطر کے بارے میں یہ بھی حکم فرمایا ہے کہ وہ لوگوں کو (عید الفطر کی) نماز کے لئے جانے سے پہلے دید یا جائے۔ (بخاری و مسلم)

توضیح: "فرض" صدقۃ الفطر فرض ہے یا واجب ہے یا سنت ہے اس میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف:

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ و احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صدقۃ الفطر فرض ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سنت ہے ائمہ احناف کے نزدیک صدقۃ الفطر واجب ہے۔[۲]

دلائل:

شوافع و حنابلہ نے زیر بحث حدیث کے لفظ "فرض" سے استدلال کیا ہے جو اپنے حقیقی معنی پر واضح دلیل ہے۔

ائمہ احناف نے حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ کی حدیث ۵ سے استدلال کیا ہے جس میں **الا ان صدقة الفطر واجبة** کے واضح الفاظ موجود ہیں نیز ائمہ احناف فرماتے ہیں کہ فرض کے لئے قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ نص کی ضرورت ہے جو

[۱] اخرجه البخاری: ۲/۱۶۱، ۱۶۲ [۲] المرقات: ۴/۳۲۵ الکاشف: ۴/۵۰

یہاں نہیں ہے لہٰذا صدقہ فرض نہیں بلکہ واجب ہے جو عملاً فرض کے حکم میں ہے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فرض کو قدَّ رَ کے معنی میں لیا لیکن انہوں نے قدر کو سنت پر حمل کیا۔[۱]

جوابِ: شوافع وحنابلہ نے جو لفظ فرض سے استدلال کیا ہے تو جواب یہ ہے کہ یہ خبر واحد ہے اس سے فرض ثابت نہیں کیا جا سکتا لہٰذا فرض بمعنی قدر مقرر کرنا پڑیگا پھر شریعت نے اس تقدیر کو واجب کی طرف منتقل کر دیا جیسا کہ احادیث میں ہے لہٰذا سنت نہ رہا تو مالکیہ استدلال نہیں کر سکتے ہیں۔

صدقہ فطر میں کل چار مسائل ہیں۔

① ماذا الحکم ② علی من تجب؟ ③ ممن یجب ④ کم تجب، پہلا مسئلہ ماذا الحکم مکمل ہوگیا اب یہاں دوسرا مسئلہ بیان کیا جا رہا ہے۔

دوسرا مسئلہ علی من تجب:

یعنی صدقہ فطر کس پر واجب ہوتا ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صدقہ فطر صرف مالک نصاب پر واجب ہوتا ہے یعنی صاحب یسار پر واجب ہے غریب پر نہیں کیونکہ غریب تو لینے والا ہے یہ صدقہ غربت کو ختم کرنے کے لئے ہے غریب کے ختم کرنے کے لئے نہیں ہے۔

شوافع کے نزدیک صدقہ فطر ہر اس شخص پر فرض ہے جس کے پاس ایک دن رات سے زائد کا خرچ موجود ہو۔[۲]

احناف نے ''لا صدقة الا عن ظهر غني'' سے استدلال کیا ہے اور شوافع نے حضرت عبداللہ بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث نمبر ۵ سے استدلال کیا ہے اس میں یہ لفظ ہے ''اما فقيركم فيرد الله عليه اكثر مما اعطاه''۔[۳]

تیسرا مسئلہ ممن تجب؟

یعنی صدقہ فطر کس کس کی جانب سے ادا کیا جائے گا۔ اس میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے اور اختلاف کی بنیاد حدیث میں من المسلمین کا لفظ ہے کہ یہ کس سے متعلق ہے۔

فقہاء کا اختلاف:

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک صرف مسلمان مملوک کی جانب سے مولیٰ پر صدقہ واجب ہے کافر کی طرف سے نہیں ائمہ احناف کے نزدیک ہر قسم کے غلام کی طرف سے مولیٰ پر صدقہ دینا واجب ہے۔[۴]

دلائل

جمہور نے زیر بحث حدیث سے استدلال کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ یہاں من المسلمین کا جملہ علی الحر والعبد سے حال ہے جو اس کے لئے قید ہے لہٰذا حر کا مسلمان ہونا بھی شرط ہے اور عبد کا مسلمان ہونا بھی شرط ہے۔

[۱] المرقات: ۴/۳۲۵ [۲] المرقات: ۴/۳۲۶ [۳] المرقات: ۴/۳۲۶ [۴] المرقات: ۴/۳۲۷

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل مصنف عبد الرزاق اور دارقطنی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جس کے الفاظ یہ ہیں "یخرج زکوٰۃ الفطر عن کل مملوك وان کان یهودیا اونصرانیا" اسی طرح یہ الفاظ بھی منقول ہیں "ادوا عن کل حر وعبد یهودی او نصرانی او مجوسی"۔

جواب: "من المسلمین" کے کلمات کا تعلق ائمہ احناف کے ہاں حر اور عبد کے ساتھ نہیں بلکہ صدقہ ادا کرنے والے کے ساتھ ہے کہ صدقہ ادا کرنے والا مسلمان ہونا چاہئے اب مسلمان جس کی طرف سے ادا کرنا چاہتا ہے جائز ہے خواہ وہ مجوسی غلام ہو یا ہندو غلام ہو یا عیسائی ہو یہاں غلام مطلق مذکور ہے خواہ مسلمان ہو یا کافر ہو اس کو مقید کرنا مناسب نہیں ہے اور دوسری احادیث میں اس کی تائید ہے کیونکہ وہاں حال وذو الحال کی قید سے آزاد ہو کر احادیث میں مطلق غلام کا ذکر آیا ہے۔[1]

چوتھا مسئلہ صدقہ فطر کی مقدار

﴿۲﴾ وَعَنْ أَبِي سَعِيْدِ ن الْخُدْرِيِّ قَالَ كُنَّا نُخْرِجُ زَكَاةَ الْفِطْرِ صَاعاً مِنَ الطَّعَامِ أَوْ صَاعاً مِنْ شَعِيْرٍ أَوْ صَاعاً مِنْ تَمْرٍ أَوْ صَاعاً مِنْ أَقِطٍ أَوْ صَاعاً مِنْ زَبِيْبٍ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم کھانے میں سے ایک صاع یا جو میں سے ایک صاع یا کھجوروں میں سے ایک صاع اور یا خشک انگوروں میں سے ایک صاع صدقہ فطر نکالا کرتے تھے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "او صاعا من طعام" صدقہ فطر میں جتنے غلوں کا ذکر کیا گیا ہے ان میں کسی میں کوئی اختلاف نہیں ہے سب اشیاء میں ایک صاع صدقہ فطر ہے صرف گندم میں اختلاف ہے کہ آیا اس میں نصف صاع ہے یا ایک صاع ہے۔[3]

فقہاء کا اختلاف:

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جس طرح باقی اشیاء میں ایک صاع صدقہ فطر ہے اسی طرح گندم میں بھی ایک صاع واجب ہے ائمہ احناف کے نزدیک گندم میں نصف صاع صدقہ فطر ہے۔

دلائل:

جمہور نے زیر بحث حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال کیا ہے جس میں "صاعا من طعام" کے الفاظ آئے ہیں اور طعام سے گندم مراد ہے کیونکہ دیگر اشیاء کا ذکر گندم کے بعد ہے جو اس پر عطف ہیں لہٰذا تغایر ضروری ہے۔

ائمہ احناف نے کئی احادیث سے استدلال کیا ہے مثلاً فصل ثانی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث ۳ میں "او نصف صاع من قمح" کے الفاظ صریح موجود ہے کیونکہ قمح کا لفظ گندم کے لئے خاص ہے۔ اسی طرح فصل ثالث میں حضرت

[1] المرقات: ۴/۳۲۷ [2] اخرجه البخاری: ۲/۱۶۱، ۱۶۲ ومسلم: ۶۱/۷، ۶۳ [3] المرقات: ۴/۳۲۸

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی حدیث ۵ میں **"مدان من قمح"** کے الفاظ آئے ہیں جو صراحت سے گندم پر اور پھر نصف صاع پر دلالت کرتے ہیں پھر عطف کے ذریعہ سے طعام کو الگ ذکر کیا گیا ہے اسی طرح **فصل ثالث** میں حضرت عبداللہ بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ۶ میں **"صاع من بر"** کے صریح الفاظ آئے ہیں احادیث کی دیگر کتابوں میں بھی کثرت کے ساتھ نصف صاع گندم کا ذکر موجود ہے۔[1]

پہلا جواب: جمہور نے زیر بحث ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث سے جو استدلال کیا ہے یہ محتمل ہے کیونکہ طعام کا لفظ گندم کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ دیگر غلوں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے خاص کر کئی اس سے مراد لیا جاتا اس حدیث میں صاع کے بعد کا جو عطف کیا گیا ہے یہ عطف خاص علی العام کی قبیل سے ہے بہر حال لفظ طعام میں کئی احتمالات ہیں اور لفظ **"قمح"** یا لفظ **"بر"** گندم کے ساتھ خاص ہے لہٰذا محتمل کے بجائے متعین سے استدلال کرنا چاہئے۔ جوہری نے لکھا ہے کہ طعام کا اطلاق ہر ماکول پر ہوتا ہے گندم کے ساتھ خاص نہیں ہے ویسے بھی عرب میں گندم نایاب تھی ان کے ہاں طعام کا اطلاق دیگر غلّوں پر ہوتا تھا۔

دوسرا جواب: یہ ہے کہ چلو ہم کچھ وقت کے لئے مان لیتے ہیں کہ طعام سے مراد گندم ہی ہے اور یہاں ایک صاع گندم ہی دی گئی ہے لیکن ہم کہتے ہیں کہ نصف صاع صدقہ فطر میں دیا اور نصف صاع بطور تطوع و تبرع تھا تو یہ اب بھی جائز ہے کہ آدمی زیادہ صدقہ کرے خود حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے الفاظ **"کنا نخرج"** سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم نہیں تھا بلکہ وہ خود ایسا کیا کرتے تھے۔

"اقط" اس کو قرط بھی کہتے ہیں پنیر کو کہتے ہیں۔ اس کے بنانے کا طریقہ اس طرح ہے کہ تازہ لسی کو ابالا جائے اس کا پانی الگ ہو جائے اور اقط الگ ہو جائے پھر اس کو کپڑے میں دبا کر رکھا جائے تا کہ خشک ہو جائے۔ مظاہر حق جدید میں غلط لکھا ہے۔[2]

الفصل الثانی

صدقہ فطر میں نصف صاع گندم مقرر ہے

﴿۲﴾ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ فِيْ آخِرِ رَمَضَانَ أَخْرِجُوْا صَدَقَةَ صَوْمِكُمْ فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذِهِ الصَّدَقَةَ صَاعًا مِنْ تَمْرٍ أَوْ شَعِيْرٍ أَوْ نِصْفَ صَاعٍ مِنْ قَمْحٍ عَلٰى كُلِّ حُرٍّ أَوْ مَمْلُوْكٍ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثٰى صَغِيْرٍ أَوْ كَبِيْرٍ. (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ)[3]

---

[1] المرقات: ۴/۳۲۹ [2] المرقات: ۴/۳۲۹ [3] اخرجہ ابوداؤد: ۲/۱۱۷ والنسائی: ۵/۵۰، ۵۲

ترجمہ: روایت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے رمضان کے آخری دنوں میں (لوگوں سے) کہا کہ "تم اپنے روزوں کی زکوٰۃ نکالو یعنی صدقہ فطر ادا کرو رسول کریم ﷺ نے یہ صدقہ ہر (مسلمان) آزاد، غلام، لونڈی، مرد، عورت اور چھوٹے بڑے پر کھجوروں اور جو میں سے ایک صاع اور گیہوں میں سے نصف صاع فرض (یعنی واجب) قرار دیا ہے۔ (ابوداؤد، نسائی)

صدقہ فطر کا وجوب کیوں؟

﴿۳﴾ وَعَنْهُ قَالَ فَرَضَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَكَاةَ الْفِطْرِ طُهْرَ الصِّيَامِ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ وَطُعْمَةً لِلْمَسَاكِيْنِ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے روزوں کو بیہودہ باتوں اور لغو کلام سے پاک کرنے کے لئے نیز مساکین کو کھلانے کے لئے صدقہ فطر لازم قرار دیا ہے۔ (ابوداؤد)

توضیح: "طعمة للمساكين" اسلام عدل ومساوات کا علمبردار مذہب ہے عید الفطر کے موقع پر اغنیاء خوشی منائیں گے اور فقراء دیکھ کر جلیں گے اور تڑپیں گے اس لئے اسلام نے اغنیاء پر واجب قرار دیا کہ تم عید الفطر کے موقع پر صدقہ فطر ادا کیا کرو تاکہ غریب لوگ بھی عید کی خوشیوں میں تمہارے ساتھ شریک ہوسکیں یہی وجہ ہے کہ صدقہ فطر عید الفطر کی نماز سے پہلے پہلے ادا کرنا چاہئے اور یہی وجہ ہے کہ فطرہ کو اتنا عام کیا گیا ہے کہ معمولی مالدار پر بھی واجب کیا گیا اور چھوٹے بڑے مرد و عورت غلام و آزاد سب پر واجب قرار دیا یہاں تک کہ عید الفطر کی رات صبح صادق سے پہلے جو بچہ پیدا ہوجائے اس کی طرف سے بھی واجب ہے زیر بحث حدیث میں اسی حکمت کی طرف مندرجہ بالا الفاظ میں اشارہ کیا گیا ہے دوسری حکمت یہ کہ روزوں میں جو کمزوریاں رہ گئیں ہوں ان تمام کوتاہیوں کے ازالے کے لئے صدقہ فطر مقرر کیا گیا ہے نماز عید سے پہلے اور بعد دونوں وقتوں میں صدقہ فطر ادا کیا جاسکتا ہے البتہ پہلے ادا کرنا زیادہ بہتر ہے شیخ وکیع رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جس طرح نماز کی کوتاہی کے ازالہ کے لئے سجدہ مقرر ہے اسی طرح روزوں کے نقصان کے ازالہ کے لئے صدقہ فطر مقرر ہے۔[2]

الفصل الثالث

صدقہ فطر نصف صاع گندم ہے

﴿۴﴾ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ مُنَادِيًا فِيْ فِجَاجِ مَكَّةَ أَلَا إِنَّ صَدَقَةَ الْفِطْرِ وَاجِبَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثٰى حُرٍّ أَوْ عَبْدٍ صَغِيْرٍ أَوْ كَبِيْرٍ مُدَّانِ مِنْ

---

[1] اخرجه ابوداؤد: ۲/۱۱۴ [2] المرقات: ۴/۲۳۰

قَمْحٍ أَوْ سِوَاهُ أَوْ صَاعٌ مِنْ طَعَامٍ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[1]

ترجمہ: حضرت عمرو ابن شعیب رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے گلی کوچوں میں یہ منادی کرائی کہ سن لو: صدقہ ہر مسلمان پر واجب ہے خواہ مرد ہو یا عورت، آزاد ہو یا غلام اور چھوٹا ہو یا بڑا (اور اس کی مقدار) گیہوں یا اس کی مانند چیزوں (مثلاً خشک انگور وغیرہ) میں سے دو مد اور (گیہوں کے علاوہ دوسرے غلوں میں سے ایک صاع ہے۔ (ترمذی)

﴿۵﴾ وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ ثَعْلَبَةَ أَوْ ثَعْلَبَةَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي صُعَيْرٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَاعٌ مِنْ بُرٍّ أَوْ قَمْحٍ عَنْ كُلِّ اثْنَيْنِ صَغِيرٍ أَوْ كَبِيرٍ حُرٍّ أَوْ عَبْدٍ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثٰى أَمَّا غَنِيُّكُمْ فَيُزَكِّيهِ اللهُ وَأَمَّا فَقِيرُكُمْ فَيَرُدُّ عَلَيْهِ أَكْثَرَ مِمَّا أَعْطَاهُ۔ (رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ)[2]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن ثعلبہ یا حضرت ثعلبہ ابن عبداللہ ابن ابی صعیر اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (صدقہ فطر واجب ہے) گیہوں میں سے ایک صاع دو آدمیوں کی طرف سے (کہ ہر ایک کی طرف سے نصف صاع ہوگا) خواہ چھوٹے ہوں یا بڑے آزاد ہوں یا غلام، مرد ہوں یا عورت، غنی کی بات یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ (صدقہ فطر دینے کی وجہ سے) اسے پاکیزہ بنا دیتا ہے اور فقیر کا معاملہ یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو اس سے زیادہ دیتا ہے جتنا اس نے (صدقہ فطر کے طور پر) دیا۔ (ابوداؤد)

[1] اخرجہ الترمذی: ۲/۱۵۱ [2] اخرجہ ابوداؤد: ۲/۱۱۶، ۱۱۷

باب من لا تحل له الصدقة

جن لوگوں کے لئے صدقات حلال نہیں

❶ بطور تمہید یہ سمجھ لینا چاہئے کہ اس باب میں وہ احادیث نقل کی جائیں گی جن سے معلوم ہو جائے گا کہ کن لوگوں کو زکوٰۃ لینا جائز ہے اور کن کے لئے ناجائز ہے۔

چنانچہ اغنیاء کے لئے زکوٰۃ لینا جائز نہیں اغنیاء کی تین قسمیں ہیں۔

❶ ایک غنی وہ ہے جس کے پاس مال نامی میں سے نصاب موجود ہے ان پر زکوٰۃ صدقہ فطر اور قربانی کرنا واجب ہے اور اس کو ہر قسم صدقہ لینا جائز نہیں ہے۔

❷ دوسرا غنی وہ ہے جس کے پاس ضرورت اصلیہ سے زائد مال موجود ہے مگر وہ مال نامی نہیں ہے اور اس میں تجارت کی نیت بھی نہیں ایسے شخص پر زکوٰۃ دینا تو واجب نہیں لیکن قربانی اور صدقہ فطر اس پر واجب ہے اور اس کے لئے ہر قسم زکوٰۃ وصدقات لینا حرام ہے۔

❸ تیسرا وہ شخص ہے جس کے پاس حاجت اصلیہ سے زائد نہ مال نامی ہے نہ غیر نامی ہے یعنی مالک نصاب نہیں ہے لیکن اس کی ضرورت پوری ہو رہی ہے کوئی ضرورت اس کی رکی ہوئی نہیں ہے اس پر نہ زکوٰۃ فرض ہے نہ صدقہ فطر نہ قربانی واجب ہے مگر اس کے لئے سوال کرنا جائز نہیں ہے ہاں اگر کسی نے اس کو زکوٰۃ دیدی تو اسے قبول کر سکتا ہے۔

❶ بہر حال جو شخص صاحب نصاب ہو وہ اپنی زکوٰۃ اپنے فروع اور اصول میں نہیں دے سکتا۔ امام صاحب کے نزدیک شوہر اپنی بیوی کو یا بیوی اپنے شوہر کو زکوٰۃ نہیں دے سکتی ہے۔ مگر صاحبین فرماتے ہیں کہ بیوی اپنے شوہر کو زکوٰۃ دے سکتی ہے۔

❷ زکوٰۃ کا مال اپنے غلام لونڈی وغیرہ کو نہیں دیا جا سکتا ہے۔

❸ سسرالی رشتہ میں زکوٰۃ دینا درست ہے جب لینے والا مستحق ہو۔

❹ زکوٰۃ کا مال کسی غنی کو دینا جائز نہیں کچھ اغنیا مستثنیٰ ہیں تفصیل آئندہ آرہی ہے۔

❺ ہاشمی کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں سید کو ہاشمی کہتے ہیں۔

❻ کافر کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔

❼ مسجد ومدرسہ کی تعمیر ومرمت کے لئے یا کسی میت کے کفن دفن کے لئے زکوٰۃ دینا درست نہیں۔

الفصل الاول

﴿۱﴾ عَنْ أَنَسٍ قَالَ مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِتَمْرَةٍ فِي الطَّرِيْقِ فَقَالَ لَوْ لَا أَنِّيْ أَخَافُ أَنْ تَكُوْنَ مِنَ الصَّدَقَةِ لَأَكَلْتُهَا. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک کھجور کے پاس سے گذرے جو راستہ میں پڑی ہوئی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اسے دیکھ کر) فرمایا کہ "اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ یہ کھجور زکوٰۃ کی ہوگی تو میں (اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمت کی تعظیم کے پیش نظر) اسے اٹھا کر ضرور کھالیتا۔ (بخاری ومسلم)

بچوں کی تربیت والدین پر لازم ہے

﴿۲﴾ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ أَخَذَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ تَمْرَةً مِنْ تَمْرِ الصَّدَقَةِ فَجَعَلَهَا فِيْ فِيْهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَخْ كَخْ لِيَطْرَحَهَا ثُمَّ قَالَ أَمَا شَعَرْتَ أَنَّا لَا نَأْكُلُ الصَّدَقَةَ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ (ایک مرتبہ) حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے زکوٰۃ کی رکھی ہوئی کھجوروں میں سے ایک کھجور اٹھا کر منہ میں ڈال لی (یہ دیکھ کر) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اسے نکالو، نکالو (اور اس طرح فرمایا تا کہ) وہ اسے (منہ سے نکال کر) پھینک دیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ "کیا تم جانتے نہیں کہ ہم (بنی ہاشم) صدقہ کا مال نہیں کھاتے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "کخ کخ" کاف پر فتحہ ہے اور کسرہ بھی جائز ہے اور خا پر سکون ہے کسی برے اور نامناسب کام سے بچوں کو روکنے کے لئے یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمۃ الباب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ فارسی ہے عربی میں استعمال ہوتا ہے اس حدیث اور اس سے پہلے والی حدیث سے چند فوائد حاصل ہوتے ہیں۔[3]

۱. حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے زکوٰۃ کا مال کھانا حرام تھا۔
۲. بنو ہاشم کے لئے صدقہ واجبہ لینا حرام ہے مگر صدقہ نافلہ کھانا جائز ہے۔
۳. راستہ میں پڑی ہوئی چیز کو اٹھا کر کھایا جا سکتا ہے جبکہ قلیل مقدار میں ہو۔
۴. جس چیز میں حرمت کا ذرا بھی شائبہ ہو مومن کے لئے اس کے قریب جانا مناسب نہیں ہے۔
۵. والدین پر فرض ہے کہ وہ اپنی اولاد کی صحیح تربیت کریں اور منکرات سے اولاد کو بچائیں۔ اور کسی منکر میں ان کی مدد نہ کریں جیسے بچوں کو ریشم پہنانا یا سونے چاندی کے زیورات چھوٹے لڑکوں کو پہنانا ناجائز ہے۔

---

[1] اخرجه البخاری: ۳/۷۱ ومسلم: ۷/۱۷۷ [2] اخرجه البخاری: ۲/۱۵۶ ومسلم: ۷/۱۷۵، ۱۷۶ [3] المرقات: ۴/۳۳۴

بنو ہاشم کے لئے زکوٰۃ کھانا حرام ہے

﴿۳﴾ وَعَنْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ بْنِ رَبِيْعَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ هٰذِهِ الصَّدَقَاتِ اِنَّمَا هِيَ أَوْسَاخُ النَّاسِ وَاِنَّهَا لَا تَحِلُّ لِمُحَمَّدٍ وَلَا لِآلِ مُحَمَّدٍ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت عبدالمطلب ابن ربیعہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا یہ صدقہ یعنی زکوٰۃ تو انسانوں کے میل ہیں صدقہ نہ تو محمد (ﷺ) کے لئے حلال ہے اور نہ آل محمد ﷺ (بنی ہاشم) کے لئے حلال ہے۔ (مسلم)

توضیح: "اوساخ" یہ وسخ کی جمع ہے میل کچیل کے معنی میں ہے "انها لا تحل لمحمد ولا لآل محمد" ہاشمی یعنی سادات اور آل رسول کو صدقات واجبہ دینا بھی جائز نہیں اور ان کو لینا بھی جائز نہیں زیر بحث حدیث واضح طور پر اس پر دلالت کرتی ہے اسی طرح سادات کے غلاموں اور لونڈیوں کو بھی صدقات لینا دینا جائز نہیں ہے کیونکہ زکوٰۃ لوگوں کے اموال کا میل کچیل ہے اور بنو ہاشم کی بنیاد پاک ہے کہیں وہ اس سے آلودہ نہ ہو جائیں اسی لئے حضور اکرم ﷺ صدقہ قبول نہیں فرماتے تھے اور تحفہ قبول کرتے تھے کیونکہ تحفہ میں اکرام واعزاز مقصود ہوتا ہے صدقہ میں مصدق لہ کے اکرام واعزاز کا پہلو نہیں ہوتا ہے۔[۲]

بہرحال حدیث کا فیصلہ یہی ہے لیکن بعض فقہاء نے اس زمانہ میں سادات کو صدقہ لینے دینے کے جواز کی بات کی ہے کیونکہ پہلے زمانہ میں ان حضرات کے لئے بیت المال سے خمس الخمس مقرر تھا اب وہ نظام ختم ہو گیا ہے تو کیا سادات پر زکوٰۃ بھی بند کر کے ان کی موت کا سامان مہیا کرنا ہے؟ تاہم اس پر جواز کا فتویٰ نہیں دیا جا سکتا فتویٰ تو ممانعت ہی کا ہے ہاں مسلمانوں کو چاہئے اور حکومت وقت پر لازم ہے کہ وہ ایسا ادارہ قائم کرے جس سے سادات کی خبر گیری ہوتی رہتی ہو۔

بنو ہاشم کون لوگ ہیں:

پانچ بزرگوں کی اولاد کو ہاشمی کہتے ہیں۔ ① حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد خواہ فاطمہ سے ہو یا دوسری بیوی سے ہو۔ ② حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اولاد ③ عقیل رضی اللہ عنہ کی اولاد ④ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی اولاد ⑤ حارث بن عبدالمطلب کی اولاد۔[۳]

بنو ہاشم کی علو مرتبت کی وجہ سے بعض احکام ان کے لئے ناجائز قرار دیئے گئے اگرچہ امت کے لئے وہ جائز ہوں۔

﴿۴﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا أُتِيَ بِطَعَامٍ سَأَلَ عَنْهُ أَهَدِيَّةٌ أَمْ صَدَقَةٌ فَاِنْ قِيْلَ صَدَقَةٌ قَالَ لِأَصْحَابِهِ كُلُوْا وَلَمْ يَأْكُلْ وَاِنْ قِيْلَ هَدِيَّةٌ ضَرَبَ بِيَدِهِ فَأَكَلَ مَعَهُمْ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۴]

---

[۱] اخرجه مسلم: ۱۸۱،۷/۱۷۷ [۲] المرقات: ۴/۳۳۵ [۳] المرقات: ۴/۳۳۵ [۴] اخرجه البخاری: ۳/۲۰۳ ومسلم: ۷/۱۸۳

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کا یہ معمول تھا کہ جب آپ ﷺ کے کھانے کی کوئی چیز لائی جاتی تو پہلے آپ ﷺ اس کے بارے میں پوچھتے کہ "یہ ہدیہ (تحفہ) ہے یا صدقہ؟ اگر بتایا جاتا کہ یہ صدقہ ہے تو آپ ﷺ (بنی ہاشم کے علاوہ اپنے دوسرے) صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرماتے کہ کھالو لیکن آپ ﷺ خود نہ کھاتے، اور اگر بتایا جاتا کہ یہ ہدیہ ہے تو آپ ﷺ اپنا دست مبارک بڑھاتے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ تناول فرماتے۔ (بخاری ومسلم)

تملیک کا مسئلہ

﴿۵﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ فِيْ بَرِيْرَةَ ثَلَاثُ سُنَنٍ إِحْدَى السُّنَنِ أَنَّهَا عَتَقَتْ فَخُيِّرَتْ فِيْ زَوْجِهَا وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ وَدَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْبُرْمَةُ تَفُوْرُ بِلَحْمٍ فَقُرِّبَ إِلَيْهِ خُبْزٌ وَأُدْمٌ مِنْ أُدْمِ الْبَيْتِ فَقَالَ أَلَمْ أَرَ بُرْمَةً فِيْهَا لَحْمٌ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنَّ ذٰلِكَ لَحْمٌ تُصُدِّقَ بِهِ عَلٰى بَرِيْرَةَ وَأَنْتَ لَا تَأْكُلُ الصَّدَقَةَ قَالَ هُوَ عَلَيْهَا صَدَقَةٌ وَلَنَا هَدِيَّةٌ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ بریرہ کے متعلق تین احکام سامنے آئے پہلا حکم تو یہ کہ جب وہ آزاد ہوئی تو اسے اپنے خاوند کے بارے میں اختیار دیا گیا (دوسرا حکم یہ کہ) آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میراث کا حق اس شخص کے لئے جس نے آزاد کیا (تیسرا حکم یہ کہ ایک دن) رسول کریم ﷺ (گھر میں) تشریف لائے تو گوشت کی ہانڈی پک رہی تھی، آپ ﷺ کے سامنے روٹی اور گھر کا سالن لایا گیا آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا میں نے وہ ہانڈی نہیں دیکھی جس میں گوشت ہے؟ (یعنی جب گوشت پک رہا ہے تو وہ مجھے کیوں نہیں دیا گیا ہے عرض کیا گیا کہ بے شک (ہانڈی میں گوشت پک رہا ہے) لیکن وہ گوشت بریرہ کو بطور صدقہ دیا گیا ہے اور آپ ﷺ تو صدقہ نہیں کھاتے، آپ نے فرمایا: وہ گوشت بریرہ کے لئے صدقہ ہے اور ہمارے لئے ہدیہ ہے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "ثلاث سنن" یعنی بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وجہ سے اسلام کے تین مسئلے واضح ہوگئے۔ اول[۲] "خیار عتق" دوم "الولاء لمن اعتق" یعنی میراث آزاد کرنے والے کو ملے گی۔ سوم یہ کہ تبدل ید سے ملکیت میں تبدیلی آئے گی کہ ایک کے لئے ایک چیز زکوٰۃ ہے مگر اس نے جب دوسرے کو دیا تو اس کے لئے ہدیہ ہے اصطلاح فقہاء میں اس تبدیلی کو تملیک کہتے ہیں جو جائز ہے بشرطیکہ ناجائز حیلہ نہ ہو۔[۳]

﴿۶﴾ وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْبَلُ الْهَدِيَّةَ وَيُثِيْبُ عَلَيْهَا. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[۴]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ تحفہ قبول فرماتے تھے اور اس کا بدلہ دے دیا کرتے تھے۔ (بخاری)

---

[۱] اخرجه البخاری: ۳/۲۰ ومسلم: ۷/۱۸۳ [۲] المرقات: ۴/۳۳۷ [۳] المرقات: ۴/۳۳۷ [۴] اخرجه البخاری: ۳/۲۰۶

﴿۷﴾ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ دُعِيْتُ إِلَى كُرَاعٍ لَأَجَبْتُ وَلَوْ أُهْدِيَ إِلَيَّ ذِرَاعٌ لَقَبِلْتُ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر میری کراع کی بھی دعوت کی جائے تو میں قبول کروں گا اور اگر میرے پاس بطور تحفہ ایک دست بھی بھیجا جائے تو میں اسے قبول کروں گا۔ (بخاری)

اصل مسکین کون؟

﴿۸﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ الْمِسْكِيْنُ الَّذِيْ يَطُوْفُ عَلَى النَّاسِ تَرُدُّهُ اللُّقْمَةُ وَاللُّقْمَتَانِ وَالتَّمْرَةُ وَالتَّمْرَتَانِ وَلٰكِنَّ الْمِسْكِيْنَ الَّذِيْ لَا يَجِدُ غِنًى يُغْنِيْهِ وَلَا يُفْطَنُ بِهٖ فَيُتَصَدَّقُ عَلَيْهِ وَلَا يَقُوْمُ فَيَسْأَلُ النَّاسَ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسکین وہ شخص نہیں ہے جو لوگوں سے مانگتا پھرتا ہے اور لوگ اسے ایک لقمہ یا دو لقمہ اور کھجور یا دو کھجوریں دیدیتے ہیں، بلکہ مسکین شخص وہ ہے جو اتنا بھی مال نہیں رکھتا کہ وہ اس کی وجہ سے مستغنی ہو اور (اس کے ظاہری حالات کی وجہ سے) لوگ یہ بھی نہیں جانتے کہ وہ محتاج و ضرورت مند ہے اسے صدقہ دیا جائے نیز لوگوں کے آگے دست سوال دراز کرنے کے لئے گھر سے نہیں نکلتا۔ (بخاری و مسلم)

الفصل الثانی

﴿۹﴾ عَنْ أَبِيْ رَافِعٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ رَجُلًا مِنْ بَنِيْ مَخْزُوْمٍ عَلَى الصَّدَقَةِ فَقَالَ لِأَبِيْ رَافِعٍ اصْحَبْنِيْ كَيْ مَا تُصِيْبَ مِنْهَا فَقَالَ لَا حَتّٰى اٰتِيَ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَسْأَلَهُ فَانْطَلَقَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَهُ فَقَالَ إِنَّ الصَّدَقَةَ لَا تَحِلُّ لَنَا وَإِنَّ مَوَالِيَ الْقَوْمِ مِنْ أَنْفُسِهِمْ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ)[3]

ترجمہ: حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی مخزوم کے ایک شخص کو زکوٰۃ لینے کے لئے بھیجا۔ اس نے ابورافع رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم بھی میرے ساتھ چلو تاکہ اس میں سے تمہیں بھی کچھ حصہ مل جائے ابورافع رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں ابھی نہیں جاؤں گا پہلے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جاکر پوچھتا ہوں (کہ میں اس شخص کے ساتھ زکوٰۃ لینے جاؤں یا نہیں؟ چنانچہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے جانے کے بارے میں پوچھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

---

[1] اخرجه البخاری: ۳/۲۰۶ [2] اخرجه البخاری: ۲/۱۵۳ ومسلم: ۷/۱۲۹

[3] اخرجه الترمذی: ۲/۱۴۲ وابوداؤد: ۲/۲۱۶ والنسائی: ۵/۱۰۷

کہ صدقہ ہمارے (یعنی بنی ہاشم) کے لئے حلال نہیں ہے اور مولیٰ (یعنی آزاد کردہ غلام زکوٰۃ لینے کے معاملہ میں) اسی آزاد قوم کے حکم میں ہے۔ (ترمذی ابوداؤد، نسائی)

غنی کے لئے صدقہ لینا جائز نہیں

﴿۱۰﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِغَنِيٍّ وَلَا لِذِيْ مِرَّةٍ سَوِيٍّ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ وَرَوَاهُ أَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَه عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: نہ تو غنی کے لئے زکوٰۃ کا مال لینا حلال ہے اور نہ تندرست وتوانا کے لئے (جو محنت مزدوری کرنے کے قابل ہو) ترمذی ابوداؤد دارمی اور احمد نسائی وابن ماجہ نے اس روایت کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔

﴿۱۱﴾ وَعَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَدِيِّ بْنِ الْخِيَارِ قَالَ أَخْبَرَنِيْ رَجُلَانِ أَنَّهُمَا أَتَيَا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ وَهُوَ يَقْسِمُ الصَّدَقَةَ فَسَأَلَاهُ مِنْهَا فَرَفَعَ فِيْنَا النَّظَرَ وَخَفَضَهُ فَرَآنَا جَلْدَيْنِ فَقَالَ إِنْ شِئْتُمَا أَعْطَيْتُكُمَا وَلَا حَظَّ فِيْهَا لِغَنِيٍّ وَلَا لِقَوِيٍّ مُكْتَسِبٍ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ)[۲]

ترجمہ: اور حضرت عبید اللہ بن عدی بن خیار کہتے ہیں کہ مجھے دو آدمیوں نے بتایا کہ وہ دونوں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں اس وقت حاضر ہوئے جب کہ آپ ﷺ حجۃ الوداع کے موقعہ پر لوگوں کو زکوٰۃ کا مال تقسیم فرمارہے تھے ان دونوں نے بھی آپ ﷺ کے سامنے اس مال میں سے کچھ مال لینے کی خواہش کا اظہار کیا، وہ دونوں کہتے تھے کہ آپ ﷺ نے (ہماری خواہش طلب کو دیکھ کر) ہم پر سر سے پاؤں تک نظر دوڑائی اور ہمیں تندرست وتوانا دیکھ کر فرمایا "کہ اگر تم لینا ہی چاہتے ہو تو میں تمہیں دیدوں (لیکن یاد رکھو کہ) صدقات وزکوٰۃ کے مال میں سے نہ تو غنی کا کوئی حصہ ہے اور نہ اس شخص کا جو تندرست وتوانا ہو اور کمانے پر قادر ہو۔ (ابوداؤد، نسائی)

بعض صورتوں میں غنی بھی زکوٰۃ لے سکتا ہے

﴿۱۲﴾ وَعَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ مُرْسَلًا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِغَنِيٍّ إِلَّا لِخَمْسَةٍ لِغَازٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أَوْ لِعَامِلٍ عَلَيْهَا أَوْ لِغَارِمٍ أَوْ لِرَجُلٍ اشْتَرَاهَا بِمَالِهِ أَوْ لِرَجُلٍ كَانَ لَهُ جَارٌ مِسْكِيْنٌ فَتُصُدِّقَ عَلَى الْمِسْكِيْنِ فَأَهْدَى الْمِسْكِيْنُ لِلْغَنِيِّ۔

(رَوَاهُ مَالِكٌ وَأَبُوْدَاوُدَ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِأَبِيْ دَاوُدَ عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ أَوِ ابْنِ السَّبِيْلِ)[۳]

---

[۱] اخرجه ابوداؤد: ۲/۱۲۱ والترمذی: ۲/۱۳۹ والدارمی: ۲/۳۸۶ وابن ماجه: ۱/۵۸۹ واحمد

[۲] اخرجه ابوداؤد: ۲/۱۲۱ والنسائی: ۵/۹۹ [۳] اخرجه ابوداؤد: ۲/۱۲۲

ترجمہ: اور حضرت عطاء ابن یسار بطریق ارسال روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: غنی کے لئے زکوٰۃ کا مال حلال نہیں ہے ہاں پانچ صورتوں میں (غنی کے لئے بھی زکوٰۃ کا مال حلال ہوتا ہے) ① خدا کی راہ میں جہاد کرنے والے غنی کے لئے (جب کہ اس کے پاس سامان جہاد نہ ہو) ② زکوٰۃ وصول کرنے والے غنی کے لئے ③ تاوان بھرنے والے غنی کے لئے ④ زکوٰۃ کا مال اپنے مال کے بدلہ میں خریدنے والے غنی کے لئے (یعنی کسی شخص نے ایک مفلس کو زکوٰۃ کا کوئی مال دیدیا پھر غنی اس مفلس سے زکوٰۃ کے مال کو خرید لے اور اسے اس کا بدل دیدے تو اس صورت میں غنی کے لئے وہ مال جائز وحلال ہوگا) ⑤ اور اس غنی کے لئے کہ جس کے پڑوس میں کوئی مفلس رہتا ہو اور کسی شخص نے اسے زکوٰۃ کا کوئی مال دیا اور وہ مفلس اپنے پڑوسی مالدار وغنی کو اس میں سے کچھ حصہ تحفہ کے طور پر بھیجے (تو وہ غنی کے لئے جائز وحلال ہوگا۔ (مالک وابوداؤد)

توضیح: "لخمسة" یعنی پانچ اغنیاء ایسے ہیں جو زکوٰۃ لے سکتے ہیں۔[1]

❶ اول غازی اور مجاہد ہے جس کے لئے زکوٰۃ لینا حلال ہے اس کی تفصیل ان شاء اللہ کتاب الجہاد میں آئے گی۔

❷ دوم عامل یعنی زکوٰۃ وصول کرنے پر مقرر کارکن اپنی تنخواہ اور سفرخرچ زکوٰۃ کے اموال سے لے سکتا ہے۔

❸ سوم غارم یعنی تاوان بھرنے والا شخص اگرچہ غنی ہے مگر اس نے تاوان بھر کر اس کے نیچے دبا پڑا ہے وہ زکوٰۃ لے سکتا ہے تاوان کی دو صورتیں ہیں اول یہ کہ اس غنی اور مالدار شخص نے کسی کی طرف سے دیت کی ضمانت لے لی اس تاوان کو پورا کرنے کے لئے زکوٰۃ لے سکتا ہے تاوان کی دوسری صورت یہ ہے کہ دو فریق کے درمیان صلح کرادی اس میں اپنا ذاتی مال خرچ کیا اب اس قرض کو زکوٰۃ کے اموال سے پورا کرسکتا ہے۔ غارم عام مقروض کو بھی کہتے ہیں وہ بھی فقر وفاقہ کی وجہ سے مستحق زکوٰۃ ہے۔

❹ چہارم مشتری کے لئے زکوٰۃ کا مال کسی سے خرید لینا جائز ہے یعنی کسی نے غریب کو زکوٰۃ میں کوئی چیز دیدی اس غریب نے زکوٰۃ کے اس مال کو کسی مالدار پر فروخت کردیا مالدار کے لئے اس کو خریدنا جائز ہے کیونکہ تبدل ملک آگیا۔

❺ پنجم مسکین کو کسی نے زکوٰۃ دیدی اب وہ کسی غنی کو دے رہا ہے تو غنی کے لئے جائز ہے۔ ان پانچ صورتوں میں سب میں اتفاق ہے البتہ غازی میں اتنا اختلاف ہے کہ احناف فقیر غازی کو زکوٰۃ دینا افضل کہتے ہیں۔ شوافع کے ہاں سب جائز ہے۔[2]

﴿۱۳﴾ وَعَنْ زِيَادِ بْنِ الْحَارِثِ الصُّدَائِيِّ قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَايَعْتُهُ فَذَكَرَ حَدِيثاً طَوِيلاً فَأَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ أَعْطِنِي مِنَ الصَّدَقَةِ فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللهَ لَمْ يَرْضَ بِحُكْمِ نَبِيٍّ وَلَا غَيْرِهِ فِي الصَّدَقَاتِ حَتّٰى حَكَمَ فِيهَا هُوَ فَجَزَّأَهَا ثَمَانِيَةَ أَجْزَاءٍ فَإِنْ

[1] المرقات ۴/۳۴۲ [2] المرقات ۴/۳۴۳

كُنْتَ مِنْ تِلْكَ الْأَجْزَاءِ أَعْطَيْتُكَ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)[1]

ترجمہ: اور حضرت زیاد ابن حارث رضی اللہ عنہ صدائی کہتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی۔اس کے بعد زیاد رضی اللہ عنہ نے ایک طویل حدیث بیان کرتے ہوئے کہا کہ ''ایک شخص نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ مجھے زکوٰۃ کا مال عطا فرمائیے آپ ﷺ نے فرمایا کہ زکوٰۃ (تقسیم کرنے) کے بارے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نہ کسی نبی نہ نبی کے علاوہ کسی دوسرے (یعنی علماء ومجتہدین) کے حکم پر راضی ہوا بلکہ اس کا حکم حق تبارک وتعالیٰ نے خود ارشاد فرمایا (یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ نے مستحقین زکوٰۃ کے تعین کی ذمہ داری نبی یا علماء مجتہدین پر نہیں ڈالی بلکہ اس کا تعین خود فرمایا) چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے زکوٰۃ کے آٹھ مصرف (مستحقین) ذکر کئے ہیں اگر تم ان آٹھ میں سے ہوگے تو میں تمہیں زکوٰۃ کا مال دوں گا۔ (ابوداؤد)

الفصل الثالث

حضرت عمر کی احتیاط

﴿۱۴﴾ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ قَالَ شَرِبَ عُمَرُبْنُ الْخَطَّابِ لَبَنًا فَأَعْجَبَهُ فَسَأَلَ الَّذِيْ سَقَاهُ مِنْ أَيْنَ هٰذَا اللَّبَنُ فَأَخْبَرَهُ أَنَّهُ وَرَدَ عَلٰى مَاءٍ قَدْ سَمَّاهُ فَإِذَا نَعَمٌ مِنْ نَعَمِ الصَّدَقَةِ وَهُمْ يَسْقُوْنَ فَحَلَبُوْا مِنْ أَلْبَانِهَا فَجَعَلْتُهُ فِيْ سِقَائِيْ فَهُوَ هٰذَا فَأَدْخَلَ عُمَرُ يَدَهُ فَاسْتَقَاءَ۔ (رَوَاهُ مَالِكٌ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْإِيْمَانِ)[2]

ترجمہ: حضرت زید ابن اسلم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دودھ نوش فرمایا تو انہیں بہت اچھا لگا، جس شخص نے انہیں دودھ پلایا تھا اس سے انہوں نے پوچھا کہ ''یہ دودھ کہاں کا ہے؟ اس نے انہیں بتایا کہ ''ایک پانی پر (یعنی نام لے کر بتایا کہ فلاں جگہ جہاں پانی تھا) میں گیا وہاں کیا دیکھتا ہوں کہ زکوٰۃ کے بہت سے اونٹ موجود ہیں اور انہیں پانی پلایا جارہا ہے، پھر اونٹ والوں نے اونٹوں کا تھوڑا سا دودھ نکالا اس میں سے تھوڑا سا دودھ میں نے (بھی لے کر) اپنی مشک میں ڈال لیا یہ وہی دودھ ہے۔ (یہ سنتے ہی) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا ہاتھ اپنے منہ میں ڈالا اور قے کر دی۔ (مالک، بیہقی)

[1] اخرجه ابو داؤد ۲/۱۲۰ ح ۱۶۲۰ [2] اخرجه مالك: ۲۶۹ ح ۳۱

مورخہ ۱۴ جمادی الثانی ۱۴۱۰ھ

باب من لا تحل له المسألة ومن تحل له

کن لوگوں کو سوال کرنا جائز اور کن کے لئے ناجائز ہے

اس باب میں سوال کرنے اور لوگوں سے مانگنے کے متعلق کئی احادیث ذکر کی گئی ہیں اسی لئے علماء لکھتے ہیں کہ جس شخص کے پاس ایک دن کے لئے نہ غذا ہو اور نہ ستر چھپانے کے لئے کپڑا ہو اور نہ کمانے پر وہ قادر ہو تو ایسے شخص کے لئے بقدر حاجت سوال کرنا جائز ہے۔ اور جو شخص ایک دن کی غذا کا مالک ہو اور وہ کمانے کی قدرت بھی رکھتا ہو تو اس کے لئے زکوٰۃ لینا تو جائز ہے لیکن سوال کرنا اور بھیک مانگنا جائز نہیں ہے۔ بحر الرائق میں لکھا ہے کہ جس شخص کے پاس ایک دن یا رات کی ضرورت کے مطابق مال ہو تو اس کے لئے سوال کرنا جائز نہیں۔ شوافع کی بعض کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص کے پاس پچاس درہم موجود ہوں اس کے لئے سوال کرنا حرام ہے بعض نے چالیس درہم کا ذکر کیا ہے احادیث میں بھی اس کا ذکر ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو شخص اہل وعیال نہیں رکھتا تو اس کے لئے ایک دن رات کی غذا نصاب ہے اور اگر اہل وعیال والا ہے تو پھر پچاس درہم نصاب ہے اس باب میں مذکورہ احادیث میں بعض میں اس طرح حکم ہے کہ جب قبیلہ کے تین آدمی گواہی دیدیں کہ فلاں فقیر اور مفلس ہے تب سوال جائز ہے ورنہ نہیں بعض روایات میں اس طرح مذکور ہے کہ اگر صبح وشام کا کھانا ہو تو سوال کرنا جائز نہیں بعض میں ہے کہ اگر مانگنا ہے تو وقت کے بادشاہ سے مانگو بعض میں ہے کہ اگر مانگنا ہے تو کسی نیک آدمی سے مانگو ان تمام روایات کی تطبیق کے لئے امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لوگوں کی مختلف صورتیں اور مختلف حالات ہوتے ہیں کسی کے حال کے مطابق پچاس درہم کی ضرورت ہوگی کسی کو اس سے زائد کی ضرورت ہوگی کسی کو اس سے کم کی ضرورت ہوگی ہر آدمی کی معروضی حالت کے تحت اس کے سوال کے جواز وعدم جواز کا فیصلہ کیا جائے گا۔

کن لوگوں کے لئے سوال کرنا جائز ہے

﴿۱﴾ عَنْ قَبِيصَةَ بْنِ مُخَارِقٍ قَالَ تَحَمَّلْتُ حَمَالَةً فَأَتَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَسْأَلُهُ فِيهَا فَقَالَ أَقِمْ حَتّٰى تَأْتِيَنَا الصَّدَقَةُ فَنَأْمُرَلَكَ بِهَا ثُمَّ قَالَ يَا قَبِيصَةُ إِنَّ الْمَسْأَلَةَ لَا تَحِلُّ إِلَّا لِأَحَدِ ثَلَاثَةٍ رَجُلٍ تَحَمَّلَ حَمَالَةً فَحَلَّتْ لَهُ الْمَسْأَلَةُ حَتّٰى يُصِيبَهَا ثُمَّ يُمْسِكُ وَرَجُلٍ أَصَابَتْهُ جَائِحَةٌ اجْتَاحَتْ مَالَهُ فَحَلَّتْ لَهُ الْمَسْأَلَةُ حَتّٰى يُصِيبَ قِوَامًا مِنْ عَيْشٍ أَوْقَالَ سِدَادًا مِنْ عَيْشٍ وَرَجُلٌ أَصَابَتْهُ فَاقَةٌ حَتّٰى يَقُومَ ثَلَاثَةٌ مِنْ ذَوِي الْحِجٰى مِنْ قَوْمِهِ لَقَدْ أَصَابَتْ فُلَانًا فَاقَةٌ فَحَلَّتْ لَهُ الْمَسْأَلَةُ

حَتّٰى يُصِيبَ قِوَامًا مِنْ عَيْشٍ أَوْ قَالَ سِدَادًا مِنْ عَيْشٍ فَمَا سِوَاهُنَّ مِنَ الْمَسْأَلَةِ يَا قَبِيصَةُ سُحْتٌ يَأْكُلُهَا صَاحِبُهَا سُحْتاً۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: حضرت قبیصہ رضی اللہ عنہ ابن مخارق کہتے ہیں کہ میں نے ایک ایسے قرضے کی ضمانت لی جو دیت کی وجہ سے تھا چنانچہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ادائیگی قرض کے لئے (کچھ رقم یا مال) کا سوال کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "(کچھ دن) ٹھہرے رہو، جب ہمارے پاس زکوٰۃ کا مال آئے گا تو اس میں سے تمہیں دینے کے لئے کہہ دیں گے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قبیصہ: صرف تین طرح کے لوگوں کے لئے سوال کرنا جائز ہے ایک تو اس شخص کے لئے جو کسی کے قرض کا ضامن بن گیا ہو (بشرطیکہ مانگنے میں مبالغہ نہ کرے بلکہ اتنے ہی مال یا رقم کا سوال کرے) کہ اس سے قرضہ کو ادا کردے اور اس کے بعد پھر نہ مانگے۔ دوسرے اس شخص کے لئے جو کسی آفت و مصیبت (مثلاً قحط و سیلاب وغیرہ) میں مبتلا ہو جائے اور اس کا تمام مال ہلاک و ضائع ہو جائے، چنانچہ اس کو صرف اس قدر مانگنا جائز ہے جس سے اس کی (غذا و لباس کی) ضرورت پوری ہو جائے یا فرمایا کہ (اس قدر مانگے کہ) اس کی محتاجگی دور ہو جائے اور اس کی زندگی کے لئے سہارا ہو جائے، تیسرے اس شخص کے لئے کہ (جو غنی ہو مگر) اس کو کوئی (ایسی) سخت حاجت پیش آجائے جسے اہل محلہ بھی جانتے ہوں مثلاً گھر کا تمام مال و اسباب چوری ہو جائے یا اور کسی مصیبت و حادثہ سے دو چار ہونے کی وجہ سے ضرورت مند بن جائے) اور قوم (محلہ و بستی) کے تین صاحب عقل و فراست لوگ اس بات کی شہادت دیں کہ واقعی اسے سخت حاجت پیش آگئی ہے تو اس کے لئے اس قدر مانگنا جائز ہے جس سے اس کی ضرورت پوری ہو جائے، فرمایا کہ اس کی وجہ سے اس کی محتاجگی دور ہو جائے اور اس کی زندگی کا سہارا ہو جائے؛ اے قبیصہ ان تین کے علاوہ کسی اور کو سوال کرنا حرام ہے (اگر کوئی شخص ان تین مجبوریوں کے علاوہ دست سوال دراز کر کے کسی سے کچھ لے کر کھاتا ہے تو) وہ حرام کھاتا ہے۔ (مسلم)

توضیح: "حمالة" بوجھ اٹھانے کو کہا جاتا ہے اس جملہ سے مراد وہ شخص ہے جس نے کسی کی دیت کو اپنے ذمہ لیا اور مقروض ہو کر دیوالیہ بن گیا یہ ضرورت کی حد تک سوال کر سکتا ہے۔[2]

"جائحة" آسمانی آفت و مصیبت کو جائحہ کہتے ہیں۔ "اجتاحت" تباہ و برباد ہونے کے معنی میں ہے۔[3]

"ذوی الحجی" یعنی قبیلہ کے تین عقلمند اور صاحب حیثیت آدمی گواہی دیدیں کہ فلاں فقیر دیوالیہ ہو چکا ہے۔[4]

مال بڑھانے کے لئے سوال کرنا حرام ہے

﴿۲﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَأَلَ النَّاسَ أَمْوَالَهُمْ تَكَثُّراً فَإِنَّمَا يَسْأَلُ جَمْراً فَلْيَسْتَقِلَّ أَوْ لِيَسْتَكْثِرْ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[5]

[1] اخرجه مسلم: ۱۳۳/۷ [2] المرقات: ۳۳۶/۴ [3] المرقات: ۳۳۷/۴ [4] المرقات: ۳۳۷/۴ [5] اخرجه مسلم: ۱۳۰/۷

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص محض اضافۂ مال کی خاطر لوگوں کے مال میں سے (کچھ) مانگتا ہے تو وہ گویا آگ کا انگارا مانگتا ہے اب وہ چاہے کم مانگے یا زیادہ مانگے۔ (مسلم)

قیامت کے روز بھیک مانگنے والوں کا حشر

﴿۳﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَايَزَالُ الرَّجُلُ يَسْأَلُ النَّاسَ حَتّٰى يَأْتِيَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَيْسَ فِيْ وَجْهِهٖ مُزْعَةُ لَحْمٍ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص ہمیشہ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلاتا رہے تو وہ قیامت کے دن اس حال میں ہوگا کہ اس کے منہ پر گوشت کی بوٹی نہ ہوگی۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "مزعة لحم" مزعۃ ٹکڑے کو کہتے ہیں لحم گوشت کو کہتے ہیں یعنی دنیا میں ناجائز سوال کرنے والا آدمی میدان محشر میں اس طرح ذلیل وخوار ہوکر آئے گا کہ اس کے چہرے پر گوشت نہیں ہوگا گویا یہ ایک تعبیر اور کنایہ ہے اس شخص کی ذلت ورسوائی سے، لیکن بعض شارحین نے اس کو حقیقت پر حمل کیا ہے کہ قیامت کے روز سوال کرنے والوں کے چہروں پر گوشت نہیں ہوگا جس کی وجہ سے ان لوگوں کے چہرے ہڈیوں کے ڈھانچے ہونگے اور اہل محشر کے لئے نمونہ عبرت بنیں گے۔[2]

چمٹ کر مانگنا جائز نہیں ہے

﴿۴﴾ وَعَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُلْحِفُوْا فِي الْمَسْأَلَةِ فَوَاللّٰهِ لَا يَسْأَلُنِيْ أَحَدٌ مِنْكُمْ شَيْئًا فَتُخْرِجُ لَهٗ مَسْأَلَتُهٗ مِنِّيْ شَيْئًا وَأَنَالَهٗ كَارِهٌ فَيُبَارَكُ لَهٗ فِيْمَا أَعْطَيْتُهٗ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[3]

ترجمہ: اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا مانگنے میں مبالغہ نہ کرو، خدا کی قسم: تم میں سے جو بھی شخص مجھ سے (مبالغہ کے ساتھ) کچھ مانگتا ہے تو میں اسے اس حال میں کچھ نکال کر دیتا ہوں کہ میں اسے دینا برا سمجھتا ہوں اور ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں یہ کیسے ممکن ہے کہ جو چیز میں نے اسے دی ہے اس میں برکت ہو۔ (مسلم)

محنت ومزدوری کرنا ہاتھ پھیلانے سے بہتر ہے

﴿۵﴾ وَعَنِ الزُّبَيْرِ بْنِ الْعَوَّامِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَأَنْ يَأْخُذَ أَحَدُكُمْ حَبْلَهٗ فَيَأْتِيَ بِحُزْمَةِ حَطَبٍ عَلٰى ظَهْرِهٖ فَيَبِيْعَهَا فَيَكُفَّ اللّٰهُ بِهَا وَجْهَهٗ خَيْرٌ لَهٗ مِنْ أَنْ يَسْأَلَ النَّاسَ أَعْطَوْهُ

[1] اخرجه البخاری: ۲/۱۵۳ ومسلم: ۱۳۰/۷ [2] المرقات: ۴/۳۳۸، ۳۳۹ الکاشف: ۴/۶۸ [3] اخرجه مسلم: ۱۲۸/۷

أَوْ مَنَعُوْهُ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "تم میں سے کوئی شخص ایک رسی اور لکڑیوں کا ایک گٹھا (باندھ کر) پشت پر لاد کر لائے اور اسے فروخت کرے اور اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی وجہ سے اس کی عزت وآبرو کو برقرار رکھے (جو مانگنے سے جاتی تھی) تو یہ اس کے لئے اس سے بہتر ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلائے اور لوگ اسے دیں یا نہ دیں۔ (بخاری)

توضیح: "حزمة حطب" لکڑی کے گھٹے کو کہتے ہیں مطلب یہ کہ کندھوں پر لکڑی وغیرہ کا بوجھ اٹھا کر مزدوری کرنا اس سے بہتر ہے کہ آدمی لوگوں سے مانگتا پھرے اور ہر ایک کے سامنے ہاتھ پھیلاتا رہے کوئی اس کو کچھ دے یا نہ دے اسلام ایک مسلمان کو عزت نفس اور جفاکشی کا درس دیتا ہے یہ اسی کا حصہ ہے۔[۲]

دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے

﴿۶﴾ وَعَنْ حَكِيْمِ بْنِ حِزَامٍ قَالَ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَعْطَانِيْ ثُمَّ سَأَلْتُهُ فَأَعْطَانِيْ ثُمَّ قَالَ لِيْ يَا حَكِيْمُ إِنَّ هٰذَا الْمَالَ خَضِرٌ حُلْوٌ فَمَنْ أَخَذَهُ بِسَخَاوَةِ نَفْسٍ بُوْرِكَ لَهُ فِيْهِ وَمَنْ أَخَذَهُ بِإِشْرَافِ نَفْسٍ لَمْ يُبَارَكْ لَهُ فِيْهِ وَكَانَ كَالَّذِيْ يَأْكُلُ وَلَا يَشْبَعُ وَالْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلٰى قَالَ حَكِيْمٌ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ لَا أَرْزَأُ أَحَدًا بَعْدَكَ شَيْئًا حَتّٰى أُفَارِقَ الدُّنْيَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۳]

ترجمہ: اور حضرت حکیم ابن حزام رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے (ایک مرتبہ) رسول کریم ﷺ سے (کچھ) مانگا تو آپ ﷺ نے عنایت فرمادیا، میں نے پھر (دوبارہ) مانگا تو آپ ﷺ نے اس وقت بھی عطا کیا اور پھر مجھ سے فرمایا کہ "حکیم: یہ مال سبز وشیریں ہے (یعنی نظر میں خوشنما اور دل کو لذت دینے والا ہے) لہٰذا جو شخص اس مال کو بے پروائی سے (یعنی بغیر ہاتھ پھیلائے اور بغیر طمع وحرص کے) حاصل کرتا ہے تو اس میں برکت عطا فرمائی جاتی ہے اور جو شخص اسے نفس کے طمع وحرص کے ساتھ حاصل کرتا ہے تو اس میں برکت نہیں ہوتی اور اس کی حالت اس شخص کی مانند ہوتی ہے جو کھانا تو کھاتا ہے مگر اس کا پیٹ نہیں بھرتا اور (یاد رکھو کہ) اوپر کا ہاتھ (یعنی دوسروں کو دینے والا) نیچے کے ہاتھ (یعنی دوسروں سے مانگنے والے) سے بہتر ہوتا ہے۔ حکیم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (یہ سن کر) میں نے عرض کیا کہ "یارسول اللہ ﷺ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، میں اب آپ کے بعد کسی کو پریشان نہیں کروں گا (یعنی آج آپ سے سوال کے بعد آئندہ کبھی بھی کسی سے سوال نہیں کروں گا) یہاں تک کہ میں اس دنیا سے جدا ہوں (یعنی موت کی آغوش میں پہنچ جاؤں)۔ (بخاری ومسلم)

[۱] اخرجه البخاري: ۲/۱۵۲ [۲] المرقات: ۴/۳۵۰ [۳] اخرجه البخاري: ۲/۹ ومسلم: ۱۲۵/۷، ۱۲۶

توضیح: "سخاوۃ نفس" یہ بے نیازی سے کنایہ ہے کہ دل میں کسی سے کوئی غرض نہیں رکھتا۔[۱]

"اشراف نفس" یہ حرص ولالچ سے کنایہ ہے کہ سینہ کے اندر گویا اس کا دل جھانک جھانک کر طمع ولالچ رکھتا ہے۔[۲]

"لا ارزء" رزء یرزء فتح یفتح سے ہے کسی کو تکلیف دینا پریشان کرنا اور سوال کر کے کسی کا مال لینا۔[۳]

﴿۷﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ وَهُوَ يَذْكُرُ الصَّدَقَةَ وَالتَّعَفُّفَ عَنِ الْمَسْأَلَةِ اَلْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلٰى وَالْيَدُ الْعُلْيَا هِيَ الْمُنْفِقَةُ وَالسُّفْلٰى هِيَ السَّائِلَةُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۴]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تھے اور صدقہ کا ذکر بیان کر رہے تھے اور سوال سے بچنے کے بارے میں خطبہ دے رہے تھے یہ ارشاد فرمایا کہ "اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے، اوپر کا ہاتھ خرچ کرنے والا (اور لوگوں کو دینے والا) ہاتھ ہے اور نیچے کا ہاتھ مانگنے والے (یعنی سائل) کا ہاتھ ہو۔
(بخاری ومسلم)

سوال نہ کرنے کی فضیلت

﴿۸﴾ وَعَنْ أَبِيْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ قَالَ إِنَّ أُنَاساً مِنَ الْأَنْصَارِ سَأَلُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَعْطَاهُمْ ثُمَّ سَأَلُوْهُ فَأَعْطَاهُمْ حَتّٰى نَفِدَ مَا عِنْدَهُ فَقَالَ مَا يَكُوْنُ عِنْدِيْ مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ أَدَّخِرَهُ عَنْكُمْ وَمَنْ يَسْتَعِفَّ يُعِفَّهُ اللّٰهُ وَمَنْ يَسْتَغْنِ يُغْنِهِ اللّٰهُ وَمَنْ يَتَصَبَّرْ يُصَبِّرْهُ اللّٰهُ وَمَا أُعْطِيَ أَحَدٌ عَطَاءً هُوَ خَيْرٌ وَأَوْسَعُ مِنَ الصَّبْرِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۵]

ترجمہ: اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) انصار میں سے چند لوگوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ مانگا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں عطا فرمایا، انہوں نے پھر مانگا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بھی دیدیا یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جو کچھ تھا سب ختم ہو گیا، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس جو کچھ بھی مال ہوگا میں تم سے بچا کر اس کا ذخیرہ نہیں کروں گا (اور یاد رکھو) کہ جو شخص لوگوں سے سوال کرنے سے بچتا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ اسے بچاتا ہے اور جو شخص بے پرواہی ظاہر کرتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اسے بے پرواہ بنا دیتا ہے اور جو شخص صبر کا طالب ہوتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اسے صبر عطا فرماتا ہے (یعنی جو شخص اللہ تبارک وتعالیٰ سے صبر کی توفیق طلب کرتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے لئے صبر کو آسان کر دیتا ہے اور یاد رکھو کہ) صبر سے زیادہ بہتر اور وسیع کوئی دوسری چیز عطا نہیں کی گئی ہے (یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کی تمام عطاء و بخشش میں صبر سب سے بہتر عطا ہے)۔ (بخاری ومسلم)

[۱] المرقات: ۴/۳۵۰ [۲] المرقات: ۴/۳۵۱ [۳] المرقات: ۴/۳۵۱

[۴] اخرجه البخاری: ۲/۱۳۹، ۱۴۰ ومسلم: ۷/۱۲۴ [۵] اخرجه البخاری: ۲/۱۵۱ ومسلم: ۷/۱۴۴، ۱۴۵

﴿۹﴾ وَعَنْ عُمَرَبْنِ الْخَطَّابِ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْطِيْنِي الْعَطَاءَ فَأَقُوْلُ أَعْطِهِ أَفْقَرَ إِلَيْهِ مِنِّيْ فَقَالَ خُذْهُ فَتَمَوَّلْهُ وَتَصَدَّقْ بِهِ فَمَا جَاءَكَ مِنْ هٰذَا الْمَالِ وَأَنْتَ غَيْرُ مُشْرِفٍ وَلَا سَائِلٍ فَخُذْهُ وَمَالَا فَلَا تُتْبِعْهُ نَفْسَكَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت عمرابن خطاب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (جب) نبی کریم ﷺ مجھے (زکوۃ وصول کرنے کی اجرت) عطا فرماتے تو میں عرض کرتا کہ "یہ اس شخص کو دیدیجئے جو مجھ سے زیادہ محتاج ہو۔ آپ ﷺ (اس کے جواب میں) فرماتے کہ (اگر تمہیں حاجت وضرورت ہوتو) اسے لے کر اپنے مال میں شامل کرلو اور (اگر حاجت وضرورت سے زیادہ ہوتو خود) خدا کی راہ میں خیرات کردو (نیز یہ بھی فرماتے کہ) جو چیز تمہیں بغیر طمع وحرص اور بغیر مانگے حاصل ہو اسے قبول کرلو اور جو چیز اس طرح (یعنی بغیر طمع وحرص اور بغیر سوال کے) ہاتھ نہ لگے تو اس کے پیچھے مت پڑو۔ (بخاری ومسلم)

الفصل الثانی

اگر سوال کرنا ہی ہے تو حاکم سے کرو

﴿۱۰﴾ عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمَسَائِلُ كُدُوْحٌ يَكْدَحُ بِهَا الرَّجُلُ وَجْهَهُ فَمَنْ شَاءَ أَبْقٰى عَلٰى وَجْهِهِ وَمَنْ شَاءَ تَرَكَهُ إِلَّا أَنْ يَسْأَلَ الرَّجُلُ ذَا سُلْطَانٍ أَوْ فِيْ أَمْرٍ لَا يَجِدُ مِنْهُ بُدًّا۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ)[2]

ترجمہ: حضرت سمرہ ابن جندب رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: سوال کرنا ایک زخم ہے کہ جس کے ذریعہ انسان اپنا منہ زخمی کرتا ہے (بایں طور کہ کسی کے آگے ہاتھ پھیلانا اپنی عزت وآبرو کو خاک میں ملانا ہے کہ یہ اپنے منہ کو زخمی کرنے ہی کے مترادف ہے) لہٰذا جو شخص (اپنی عزت وآبرو) باقی رکھنا چاہے تو وہ (سوال سے شرم کرے اور کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلا کر اپنی عزت وآبرو کو) باقی رکھے اور کوئی شخص (اپنی آبرو) باقی رکھنا ہی نہیں چاہتا تو وہ (لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلا کر اپنی عزت خاک میں ملالے یعنی اسے) باقی نہ رکھے (یہ گویا سوال کرنے والے کے لئے تہدید اور تنبیہ ہے کہ کسی سے سوال نہ کرنا چاہیے) ہاں (اگر سوال ہی کرنا ہے تو پھر) حاکم سے سوال کرے یا ایسی صورت میں سوال کرے کہ اس کے لئے کوئی واقعی ضرورت اور مجبوری ہو۔
(ابوداؤد، ترمذی، نسائی)

توضیح: "کدوح" یہ کدح یکدح فتح یفتح سے چہرے کی خراش کو کہتے ہیں اپنے ہاتھوں کے ناخنوں سے اپنے چہرہ کو چھیل کر زخمی کرنا مراد ہے۔[3]

---

[1] اخرجه البخاری: ۲/۱۵۲ ومسلم: ۷/۱۳۴ [2] اخرجه ابوداؤد: ۲/۱۲۳ والترمذی: ۲/۱۵۴ والنسائی: ۵/۱۰۰ [3] المرقات: ۴/۳۵۵

"ذا سلطان" اس سے ملک کا بڑا حاکم بھی مراد ہو سکتا ہے اور بڑے حاکم کے نائب چھوٹے حکمران مثلاً گورنر یا وزیر یا قاضی بھی مراد لیا جاسکتا ہے حدیث کا مطلب یہ ہے اگر تم سوال کرنا ہی چاہو تو پھر کم از کم ایسے شخص سے کرو جن پر تمہارا حق بھی ہو اور وہ حاکم یا اس کے نائب لوگ ہیں جن کے تصرف میں بیت المال ہوتا ہے اور بیت المال میں ہر مسلمان کا حق ہے اگر وہ تم کو مستحق سمجھیں گے تو دیدیں گے حکام کے عطایا کو قبول کرنے میں دو باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے پہلی بات یہ کہ بیت المال میں اگر حرام مال زیادہ ہو تو اس سے مانگنا یا اس کا عطیہ قبول کرنا حرام ہے اور اگر حلال مال زیادہ ہو تو پھر قبول کرنا جائز ہے دوسری بات یہ کہ اس عطیہ سے آدمی کی مذہبی آزادی اور حق کی آواز بلند کرنے پر کوئی قدغن نہ لگتا ہو۔[۱]

"لا یجد منه بداً" یعنی حالت اضطراری میں سوال کرنا جائز ہے مگر بقدر حاجت۔[۲]

مستغنی سائل کے لئے شدید وعید

﴿۱۱﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَأَلَ النَّاسَ وَلَهُ مَا يُغْنِيْهِ جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَسْأَلَتُهُ فِيْ وَجْهِهٖ خُمُوْشٌ أَوْ خُدُوْشٌ أَوْ كُدُوْحٌ قِيْلَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا يُغْنِيْهِ قَالَ خَمْسُوْنَ دِرْهَمًا أَوْ قِيْمَتُهَا مِنَ الذَّهَبِ۔

(رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَه وَالدَّارِمِيُّ)[۳]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص لوگوں سے ایسی چیز کی موجودگی میں سوال کرے جو اسے مستغنی بنا دینے والی ہو تو وہ قیامت کے دن اس حال میں پیش ہوگا کہ اس کے منہ پر اس کا سوال بصورت خموش یا خدوش یا کدوح ہوگا۔ عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مستغنی بنانے والی کیا چیز ہوتی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پچاس درہم یا اس قیمت کا سونا۔ (ابوداود، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، دارمی)

توضیح: "خموش" بضم "خ" خمش کی جمع ہے اور خدوش بضم خ خدش کی جمع ہے اور کدوح بضم الکاف کدح کی جمع ہے۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ یہ تمام الفاظ قریب المعنی مترادف الفاظ ہیں سب کا معنی زخم ہے تو ممکن ہے کہ راوی کو شک ہوا ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تینوں الفاظ میں سے ایک لفظ ارشاد فرمایا تھا۔ لیکن بعض علماء نے ان الفاظ میں اس طرح فرق بیان کیا ہے کہ خموش کا معنی لکڑی کے ساتھ کھال چھیلنا ہے اور خدوش کا معنی ناخن کے ذریعہ سے کھال چھیلنا ہے اور کدح کا معنی دانتوں کے ذریعہ سے کھال چھیلنا ہے تو قیامت کے روز سائلین کے احوال کے تفاوت کی وجہ سے ان کے یہ مختلف احوال ہونگے۔[۴]

---

۱ المرقات: ۴/۳۵۵ ۲ المرقات: ۴/۳۵۵

۳ اخرجه الترمذی: ۲/۱۳۸، ۱۳۹ وابوداؤد: ۲/۱۱۹ والنسائی: ۵/۹۷ وابن ماجه: ۱/۵۸۹ والدارمی: ۱/۳۸۶ ۴ المرقات: ۴/۳۵۵، ۳۵۶

"مایغنیه" یعنی جو مال اس کے لئے کافی ہو اور سوال کرنا حرام ہو اس کی مقدار کتنی ہے اس کی تفسیر آنحضرت ﷺ نے پچاس درہم سے فرمائی اس کی تفصیل باب کی ابتدا میں گذر چکی ہے۔[1]

﴿۱۲﴾ وَعَنْ سَهْلِ بْنِ الْحَنْظَلِيَّةِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَأَلَ وَعِنْدَهُ مَا يُغْنِيْهِ فَإِنَّمَا يَسْتَكْثِرُ مِنَ النَّارِ قَالَ النُّفَيْلِيُّ وَهُوَ أَحَدُ رُوَاتِهِ فِيْ مَوْضِعٍ آخَرَ وَمَا الْغِنٰى الَّذِيْ لَا تَنْبَغِيْ مَعَهُ الْمَسْأَلَةُ قَالَ قَدْرَ مَا يُغَدِّيْهِ وَيُعَشِّيْهِ وَقَالَ فِيْ مَوْضِعٍ آخَرَ أَنْ يَكُوْنَ لَهُ شِبْعُ يَوْمٍ أَوْ لَيْلَةٍ وَيَوْمٍ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)[2]

ترجمہ: اور حضرت سہل ابن حنظلیہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جس شخص کے پاس اتنا مال ہو جو اس کو مستغنی کردے مگر وہ اس کے باوجود لوگوں سے سوال کرتا ہے تو گویا وہ زیادہ آگ مانگتا ہے (یعنی جو شخص بغیر ضرورت وحاجت کے لوگوں سے مانگ مانگ کر مال وزر جمع کرتا ہے تو وہ گویا دوزخ کی آگ جمع کرتا ہے) نفیلی رحمہ اللہ جو اس حدیث کے راویوں میں سے ایک راوی ہیں ایک اور جگہ (یعنی ایک دوسری روایت میں) نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ "مستغنی ہونے کی حد کیا ہے؟ کہ اس کی موجودگی میں دوسرے لوگوں سے مانگنا ممنوع ہے آپ ﷺ نے فرمایا "صبح اور شام کے بقدر" نفیلی رحمہ اللہ نے اور جگہ (آنحضرت ﷺ کا جواب اس طرح) نقل کیا ہے کہ اس کے پاس ایک دن یا ایک رات وایک دن کے بقدر خوراک ہو (راوی کو شک ہو رہا ہے کہ آپ ﷺ نے صرف ایک دن فرمایا ہے یا ایک رات وایک دن فرمایا ہے)۔ (ابوداؤد)

توضیح: "مایغدّیه ویعشیه" یعنی صبح وشام کے کھانے کے بقدر سامان موجود ہو تو سوال کرنا حرام ہے جیسا کہ پہلے لکھا جاچکا ہے کہ لوگوں کے احوال کے مختلف ہونے کی وجہ سے احادیث میں غنی اور فقیر کے بیان میں فرق آگیا ہے یہ کوئی حقیقی تضاد یا تعارض نہیں ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں مستغنی ہونے کے لئے پچاس دراہم کا ذکر ہے۔[3] امام احمد بن حنبل، عبداللہ بن مبارک اور اسحاق بن راہویہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسی روایت پر عمل کیا ہے اور اس کو اپنا مسلک بنالیا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے زیر بحث سہل بن حنظلیہ رضی اللہ عنہ کی روایت پر اپنا مسلک قائم کیا ہے۔ بعض علماء نے عطاء بن یسار کی روایت کو معمول بہ بنایا ہے جس میں چالیس دراہم کا ذکر ہے۔

﴿۱۳﴾ وَعَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ رَجُلٍ مِنْ بَنِيْ أَسَدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَأَلَ مِنْكُمْ وَلَهُ أُوْقِيَّةٌ أَوْ عِدْلُهَا فَقَدْ سَأَلَ إِلْحَافًا۔ (رَوَاهُ مَالِكٌ وَأَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ)[4]

ترجمہ: اور حضرت عطاء ابن یسار قبیلہ بنی اسد کے ایک شخص سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے

[1] المرقات: ۴/۳۵۶ [2] اخرجه ابوداؤد: ۲/۱۲۰ [3] المرقات: ۴/۳۵۷ [4] اخرجه ابوداؤد: ۲/۱۱۹ والنسائی: ۵/۹۸

فرمایا ”تم میں سے جو شخص ایک اوقیہ (یعنی چالیس درہم) کا یا اس کی قیمت (کے بقدر سونا وغیرہ) کا مالک ہو اور اس کے باوجود وہ لوگوں سے مانگے تو اس نے گویا بطریق الحاح سوال کیا۔ (مالک، ابوداؤد، نسائی)

حالت اضطراری میں سوال جائز ہے

﴿۱۴﴾ وَعَنْ حُبْشِيِّ بْنِ جُنَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْمَسْأَلَةَ لَا تَحِلُّ لِغَنِيٍّ وَلَا لِذِيْ مِرَّةٍ سَوِيٍّ إِلَّا لِذِيْ فَقْرٍ مُدْقِعٍ أَوْ غُرْمٍ مُفْظِعٍ وَمَنْ سَأَلَ النَّاسَ لِيُثْرِيَ بِهِ مَالَهُ كَانَ خُمُوْشاً فِيْ وَجْهِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَرَضْفاً يَأْكُلُهُ مِنْ جَهَنَّمَ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُقِلَّ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْثِرْ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت حبشی بن جنادہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”نہ تو غنی کے لئے اور نہ تندرست و توانا اور صحیح الاعضاء کے لئے مانگنا حلال ہے، ہاں اس فقیر کے لئے مانگنا حلال ہے جسے (فقر و فاقہ نے) زمین پر ڈال دیا ہو، اسی طرح قرضدار کے لئے بھی مانگنا حلال ہے جو بھاری قرض کے نیچے دبا ہو (یاد رکھو) جو شخص صرف اس لئے لوگوں سے مانگے کہ اپنے مال وزر میں زیادتی ہو تو قیامت کے دن اس کا مانگنا اس کے منہ پر زخم کی صورت میں ہوگا، نیز دوزخ میں اسے گرم پتھر اپنی خوراک بنائے گا، اب چاہے کوئی کم سوال کرے چاہے کوئی زیادہ سوال کرے۔ (ترمذی)

توضیح: ”مِرّة“ قوت اور طاقت کو کہتے ہیں مراد یہ ہے کہ بیماری سے خالی ہو[2] ”سوی“ یعنی صحیح الاعضاء ہو[3] ”مدقع“ باب افعال سے ہے دقعاء مٹی کو کہتے ہیں یعنی اتنا شدید فقیر ہو کہ اس کے فقر نے اس کو مٹی میں ملا دیا ہو[4] ”غرم“ یعنی مقروض ہو ”مفظع“ تباہ کن قرض ہو۔[5] ”یثری“ ”ای لیکثر ماله“ یعنی ذخیرہ کرنے اور مال بڑھانے کے لئے سوال کرتا رہتا ہے۔[6] ”رضفا“ را پر فتحہ ہے ض ساکن ہے وہ پتھر جو آگ میں خوب گرم کیا ہوا ہو یعنی گرم سنگریزے کھائے گا۔[7]

اپنے ہاتھ کی کمائی میں برکت ہے

﴿۱۵﴾ وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَجُلاً مِنَ الْأَنْصَارِ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْأَلُهُ فَقَالَ أَمَا فِيْ بَيْتِكَ شَيْءٌ فَقَالَ بَلٰى حِلْسٌ نَلْبَسُ بَعْضَهُ وَنَبْسُطُ بَعْضَهُ وَقَعْبٌ نَشْرَبُ فِيْهِ مِنَ الْمَاءِ قَالَ ائْتِنِيْ بِهِمَا فَأَتَاهُ بِهِمَا فَأَخَذَهُمَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهِ وَقَالَ مَنْ يَشْتَرِيْ هٰذَيْنِ قَالَ

[1] اخرجه الترمذی: ۲/۱۴۰ [2] المرقات: ۴/۳۵۸ [3] المرقات: ۴/۳۵۸ [4] المرقات: ۴/۳۵۸
[5] المرقات: ۴/۳۵۸ [6] المرقات: ۴/۳۵۸ [7] المرقات: ۴/۳۵۹

رَجُلٌ أَنَا آخُذُهُمَا بِدِرْهَمٍ قَالَ مَنْ يَزِيْدُ عَلَى دِرْهَمٍ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثاً قَالَ رَجُلٌ أَنَا آخُذُهُمَا بِدِرْهَمَيْنِ فَأَعْطَاهُمَا إِيَّاهُ فَأَخَذَ الدِّرْهَمَيْنِ فَأَعْطَاهُمَا الْأَنْصَارِيَّ وَقَالَ اشْتَرِ بِأَحَدِهِمَا طَعَاماً فَانْبِذْهُ إِلَى أَهْلِكَ وَاشْتَرِ بِالْآخَرِ قَدُوماً فَأْتِنِي بِهِ فَأَتَاهُ بِهِ فَشَدَّ فِيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُوْداً بِيَدِهِ ثُمَّ قَالَ اِذْهَبْ فَاحْتَطِبْ وَبِعْ وَلَا أَرَيَنَّكَ خَمْسَةَ عَشَرَ يَوْمًا فَذَهَبَ الرَّجُلُ يَحْتَطِبُ وَيَبِيْعُ فَجَاءَهُ وَقَدْ أَصَابَ عَشَرَةَ دَرَاهِمَ فَاشْتَرَى بِبَعْضِهَا ثَوْبًا وَبِبَعْضِهَا طَعَاماً فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا خَيْرٌ لَكَ مِنْ أَنْ تَجِيْءَ الْمَسْأَلَةُ نُكْتَةً فِيْ وَجْهِكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّ الْمَسْأَلَةَ لَا تَصْلُحُ إِلَّا لِثَلَاثَةٍ لِذِيْ فَقْرٍ مُدْقِعٍ أَوْ لِذِيْ غُرْمٍ مُفْظِعٍ أَوْ لِذِيْ دَمٍ مُوْجِعٍ۔

(رَوَاهُ أَبُوْ دَاوٗدَ وَرَوَى ابْنُ مَاجَه إِلٰى قَوْلِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) انصار میں سے ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آیا اور کسی چیز کا سوال کیا، آپ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ "کیا تمہارے گھر میں کچھ بھی نہیں ہے؟ اس نے عرض کیا کہ "صرف ایک موٹی سی کملی ہے جس میں سے کچھ حصہ اوڑھتا ہوں اور کچھ حصہ بچھالیتا ہوں، اس کے علاوہ ایک پیالہ بھی ہے جس میں پانی پیتا ہوں آپ ﷺ نے فرمایا ان دونوں چیزوں کو لے آؤ۔ وہ دونوں چیزیں لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آنحضرت ﷺ نے دونوں چیزیں اپنے ہاتھ میں لے کر فرمایا کہ "ان چیزوں کو کون خریدتا ہے؟ ایک شخص نے کہا کہ "میں ان دونوں چیزوں کو ایک درہم میں خریدنے کے لئے تیار ہوں" آپ ﷺ نے فرمایا "ان چیزوں کو ایک درہم سے زیادہ میں کون خریدنے والا ہے؟ آپ ﷺ نے یہ دو یا تین بار فرمایا ایک شخص نے کہا کہ میں ان چیزوں کو دو درہم میں خریدتا ہوں۔ آپ نے وہ دونوں چیزیں اس شخص کو دیدیں اور اس سے دو درہم لے کر انصاری کو دیئے اور اس سے فرمایا کہ اس میں سے (ایک درہم کا) کھانے (کا سامان) خرید کر اپنے گھر والوں کو دے دو اور دوسرے درہم کی کلہاڑی خرید کر میرے پاس لے آؤ، وہ شخص کلہاڑی خرید کر آپ ﷺ کے پاس لایا، آپ ﷺ نے اس کلہاڑی میں اپنے دست مبارک سے ایک مضبوط لکڑی لگادی، اور پھر اس سے فرمایا کہ (اسے لے کر) جاؤ، لکڑیاں (کاٹ کر) جمع کرو اور انہیں فروخت کرو، اب اس کے بعد میں تمہیں پندرہ دن تک یہاں نہ دیکھوں (یعنی اب یہاں نہ رہو جاکر اپنے کام میں مشغول ہو جاؤ اور محنت کرو) چنانچہ وہ شخص چلا گیا اور لکڑیاں جمع کر کے فروخت کرنے لگا، (کچھ دنوں کے بعد) جب وہ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں آیا تو وہ دس درہم کا مالک تھا، اس نے ان درہموں میں سے کچھ کا کپڑا خریدا اور کچھ کا غلہ خریدلیا، آنحضرت ﷺ نے (اس کی حالت کی تبدیلی کو دیکھ کر) فرمایا کہ یہ صورت حال تمہارے لئے بہتر ہے بہ نسبت اس چیز کے کہ (کل) قیامت کے دن تم اس حالت میں آؤ کہ تمہارا سوال تمہارے منہ پر برے نشان (یعنی زخم) کی صورت میں ہو اور (یہ بات یاد رکھو کہ) صرف تین طرح کے لوگوں کو سوال کرنا مناسب ہے ایک تو اس محتاج کے لئے کہ

[1] اخرجہ ابوداؤد: ۲/۱۳۳ وابن ماجہ: ۲/۷۴۰

جس کو مفلسی نے زمین پر گرادیا ہو، دوسرے اس قرضدار کے لئے جو بھاری اور ذلیل کرنے والے قرض کے بوجھ سے دبا ہو، اور تیسرے صاحب خون کے لئے جو درد پہنچائے۔ ابوداؤد، اور ابن ماجہ نے اس روایت کو یوم القیامۃ تک نقل کیا ہے۔

توضیح: "حلس" ٹاٹ کو کہتے ہیں یہاں موٹی چادر کو کہا گیا ہے 'حا' پر کسرہ ہے۔[1]

"قعب" پیالہ کو کہتے ہیں قاف پر فتحہ ہے[2] "من یشتری هذین" بیع بالمزایدہ کے لئے یعنی نیلام اور بولی لگانے کے لئے یہ حدیث اصل ہے[3] "قدوما" قاف پر فتحہ ہے کلہاڑی اور تیشہ کو کہا جاتا ہے۔[4]

"نکته" ای علامة قبیحة" بدنما رسوا کن داغ ہوگا[5] "لذی غرم" قرض کو بھی کہتے ہیں اور کسی کی وجہ سے تاوان برداشت کرنے کو بھی کہتے ہیں[6] "مفظع" ای ثقیل قبیح، یعنی تباہ کن قرض۔[7]

"دم موجع" یعنی کسی نے قتل کیا ہو اس کا خون بہا کسی نے اپنے ذمہ لے لیا ہو اور اب اس کو پورا نہیں کرسکتا ہو اس کی وجہ سے تکلیف میں ہو وہ سوال کرسکتا ہے تاکہ خون بہا کا پیسہ ادا کرے، موجع وجع سے درد کے معنی میں ہے۔

﴿۱۶﴾ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَصَابَتْهُ فَاقَةٌ فَأَنْزَلَهَا بِالنَّاسِ لَمْ تُسَدَّ فَاقَتُهُ وَمَنْ أَنْزَلَهَا بِاللّٰهِ أَوْشَكَ اللّٰهُ لَهُ بِالْغِنٰى إِمَّا بِمَوْتٍ عَاجِلٍ أَوْ غِنًى آجِلٍ۔
(رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ)[8]

ترجمہ: اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص فاقہ (یعنی سخت حاجت) سے دوچار ہو اور اس کو لوگوں کے سامنے (بطور شکایت) بیان کر کے ان سے حاجت روائی کی خواہش کرے تو اس کی حاجت پوری نہیں کی جائے گی اور جس شخص نے صرف اپنے اللہ تبارک وتعالیٰ سے اپنی حاجت کو بیان کیا تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو جلد فائدہ اور اطمینان عطا فرمائے گا بایں طور کہ اسے جلد ہی یا تو موت سے ہمکنار کردے گا (تاکہ وہ دنیا کی مشقتوں اور تکلیفوں سے نجات پا کر رحمت خداوندی سے ہم کنار ہو) یا اسے کچھ دنوں میں مالدار بنادے گا (تاکہ وہ اپنی حاجت پوری کر کے اطمینان محسوس کرے۔
(ابوداؤد، ترمذی)

الفصل الثالث

مجبوری کے وقت صالحین سے سوال کرو

﴿۱۷﴾ عَنِ ابْنِ الْفِرَاسِيِّ أَنَّ الْفِرَاسِيَّ قَالَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَسْأَلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

[1] المرقات: ۴/۳۵۹ [2] المرقات: ۴/۳۵۹ [3] المرقات: ۴/۳۵۹ [4] المرقات: ۴/۳۵۹ [5] المرقات: ۴/۳۶۰
[6] المرقات: ۴/۳۶۰ [7] المرقات: ۴/۳۶۰ [8] اخرجه ابوداؤد: ۲/۱۲۵ والترمذی: ۲/۱۳۶

فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا وَإِنْ كُنْتَ لَا بُدَّ فَسَلِ الصَّالِحِيْنَ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت ابن فراسی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ (میرے والد مکرم) حضرت فراسی رضی اللہ عنہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یارسول اللہ: کیا میں لوگوں سے مانگ سکتا ہوں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "نہیں (بلکہ ہر حالت میں خدا ہی پر بھروسہ رکھو) ہاں اگر (کسی شدید ضرورت اور سخت حاجت کی وجہ سے) مانگنا ضروری ہی ہو تو پھر نیک بختوں سے مانگو۔
(ابوداؤد، نسائی)

توضیح: "الصالحین" اس سے نیک صالح اور خیر خواہ لوگ مراد ہیں کہ اگر کوئی شخص مجبور ہو گیا تو بدرجہ مجبوری وہ نیک لوگوں سے پیسہ مانگے اس میں ایک فائدہ یہ ہے کہ نیک آدمی اس سائل کو رسوا نہیں کریگا اور حلال کمائی سے مدد کریگا۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ وہ مسلسل اس مجبور کے لئے وسعت کی دعا کریگا۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ بغداد کے فقراء امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا کرتے تھے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے کا یہ عالم تھا کہ وہ محتاجین کی سہولت کے لئے گھر کے دروازہ کے پاس سویا کرتے تھے۔[۲]

نیکی پر اجرت لینا جائز ہے

﴿۱۸﴾ وَعَنِ ابْنِ السَّاعِدِيِّ قَالَ اسْتَعْمَلَنِيْ عُمَرُ عَلَى الصَّدَقَةِ فَلَمَّا فَرَغْتُ مِنْهَا وَأَدَّيْتُهَا إِلَيْهِ أَمَرَ لِيْ بِعُمَالَةٍ فَقُلْتُ إِنَّمَا عَمِلْتُ لِلّٰهِ وَأَجْرِيْ عَلَى اللهِ قَالَ خُذْ مَا أُعْطِيْتَ فَإِنِّيْ قَدْ عَمِلْتُ عَلَى عَهْدِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَمَّلَنِيْ فَقُلْتُ مِثْلَ قَوْلِكَ فَقَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أُعْطِيْتَ شَيْئًا مِنْ غَيْرِ أَنْ تَسْأَلَهُ فَكُلْ وَتَصَدَّقْ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)[۳]

ترجمہ: اور حضرت ابن ساعدی کہتے ہیں کہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مجھے زکوۃ وصول کرنے پر مقرر فرمایا چنانچہ جب میں زکوۃ کی وصولی سے فارغ ہو گیا اور زکوۃ کا مال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچادیا تو انہوں نے مجھے زکوۃ وصول کرنے کی اجرت دیئے جانے کا حکم فرمایا میں نے عرض کیا کہ "میں نے یہ کام صرف اللہ تبارک وتعالیٰ (کی رضاء وخوشنودی) کے لئے کیا ہے لہٰذا میرے لئے اس کا ثواب بھی اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کے ذمہ ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "جو چیز تمہیں مل رہی ہے اسے قبول کرلو کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں جب میں نے زکوۃ وصول کرنے کا کام کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس کی اجرت عطا فرمانی چاہی تو میں نے بھی یہی عرض کیا جواب تم کہہ رہے ہو چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ جب تمہیں کوئی چیز بغیر طلب (اور بغیر طمع کے) دی جائے تو تم اسے لے کر کھاؤ اور (جو کچھ تمہاری ضرورت وحاجت سے زائد ہو) اسے خدا کی راہ میں خیرات کردو۔ (ابوداؤد)

[۱] اخرجہ ابوداؤد: ۲/۱۵۲ والنسائی: ۵/۹۵ [۲] المرقات: ۴/۱۶۲ [۳] اخرجہ ابوداؤد: ۲/۱۲۵

مقدس مقامات میں سوال کرنا منع ہے

﴿۱۹﴾ وَعَنْ عَلِيٍّ أَنَّهُ سَمِعَ يَوْمَ عَرَفَةَ رَجُلاً يَسْأَلُ النَّاسَ فَقَالَ أَفِي هٰذَا الْيَوْمِ وَفِي هٰذَا الْمَكَانِ تَسْأَلُ مِنْ غَيْرِ اللهِ فَخَفَقَهُ بِالدِّرَّةِ۔ (رَوَاهُ رَزِيْنٌ)

ترجمہ: اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے عرفہ کے دن ایک شخص کو لوگوں سے مانگتے دیکھا تو اس سے فرمایا کہ (بدنصیب) آج کے دن اور اس جگہ پر تو خدا کے علاوہ دوسروں سے مانگ رہا ہے پھر انہوں نے اس شخص کو درّہ مارا۔ (رزین)

توضیح: "فخفقه بالدّرّة" خفق مارنے کو کہتے ہیں درہ میں دال پر شد اور کسرہ ہے را پر بھی شد ہے کوڑے کو کہتے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو اس لئے کوڑا مارا کہ وہ بے ہمت میدان عرفات میں اللہ تبارک وتعالیٰ کو چھوڑ کر لوگوں سے مانگتا پھرتا تھا اس سے معلوم ہوا کہ حرمین شریفین اور مساجد اور مقدس مقامات میں صرف اللہ تبارک وتعالیٰ سے سوال کرنا چاہئے قبولیت دعا کے موقع پر غیر اللہ سے مانگنا کتنی بری بات ہے۔[1]

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ شیخ بہاؤالدین نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ حج کے لئے گئے کسی نے آپ سے پوچھا کہ سفر حج میں آپ نے کونسی عجیب بات دیکھی؟ فرمانے لگے کہ میں نے منیٰ میں ایک نوجوان کو دیکھا جو خرید وفروخت میں لگا ہوا تھا لیکن مسلسل اللہ تبارک وتعالیٰ کی یاد اور ذکر اللہ میں مشغول تھا ایک لمحہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے غافل نہیں تھا پھر میں نے بیت اللہ کے پاس ملتزم کے ساتھ چمٹے ہوئے ایک بڑے عالم فاضل شیخ کو دیکھا کہ وہ وہاں دنیا کا سوال کررہا تھا۔[2]

بندہ نے ایک قاری صاحب کو دیکھا جو ہر سال حج وعمرہ کے لئے جاتا ہے نومسلم نیک آدمی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ ملتزم کے اوپر دونوں ہاتھ رکھ کر مجبوری کے تحت اللہ تبارک وتعالیٰ سے نسوار مانگ لی میں نے دیکھا کہ دو پڑیاں میرے دونوں ہاتھوں میں آکر لگیں میں نے اس کو استعمال کیا اور کچھ بزرگوں کو بھی دیا۔

﴿۲۰﴾ وَعَنْ عُمَرَ قَالَ تَعْلَمُوْنَ أَيُّهَا النَّاسُ أَنَّ الطَّمَعَ فَقْرٌ وَأَنَّ الْإِيَاسَ غِنًى وَأَنَّ الْمَرْءَ إِذَا يَئِسَ عَنْ شَيْءٍ اِسْتَغْنٰى عَنْهُ۔ (رَوَاهُ رَزِيْنٌ)

ترجمہ: اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے (لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے) فرمایا کہ: لوگو! جان لو: طمع محتاجگی ہے اور آدمیوں سے ناامید ہونا تونگری و بے پرواہی ہے انسان جب کسی چیز سے مایوس ہوجاتا ہے تو اس سے بے پرواہ ہوجاتا ہے۔ (رزین)

[1] المرقات: ۴/۳۶۴ [2] المرقات: ۴/۳۶۴

سوال نہ کرنے والوں کے لئے بشارت

﴿۲۱﴾ وَعَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَكْفُلُ لِيْ أَنْ لَا يَسْأَلَ النَّاسَ شَيْئًا فَأَتَكَفَّلُ لَهُ بِالْجَنَّةِ فَقَالَ ثَوْبَانُ أَنَا فَكَانَ لَا يَسْأَلُ أَحَدًا شَيْئًا۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص میرے ساتھ اس بات کا عہد کرے کہ وہ لوگوں کے آگے دست سوال دراز نہیں کرے گا تو میں اس کے لئے جنت کا ضامن ہوں (ثوبان کہتے ہیں کہ) میں نے عہد کیا کہ میں (کبھی بھی) کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلاؤں گا چنانچہ ثوبان رضی اللہ عنہ کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلاتے تھے (خواہ وہ کتنی ہی تنگیوں میں کیوں نہ مبتلاء رہے ہوں)۔ (ابوداود، نسائی)

﴿۲۲﴾ وَعَنْ أَبِيْ ذَرٍّ قَالَ دَعَانِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَشْتَرِطُ عَلَيَّ أَنْ لَا تَسْأَلَ النَّاسَ شَيْئًا قُلْتُ نَعَمْ قَالَ وَلَا سَوْطَكَ إِنْ سَقَطَ مِنْكَ حَتّٰى تَنْزِلَ إِلَيْهِ فَتَأْخُذَهُ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ)[۲]

ترجمہ: اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا اور اس بات کا اقرار کرایا کہ (کبھی بھی) کسی سے کوئی چیز نہیں مانگو گے چنانچہ میں نے اس بات کا اقرار کیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تمہارا کوڑا بھی گر جائے تو کسی سے نہ مانگو (یعنی کسی سے اٹھانے کے لئے نہ کہو) بلکہ تم خود سواری سے اتر کر اسے اٹھا لو۔ (احمد)

توضیح: "وهو يشترط علي" حالت اضطراری میں جان بچانے کے لئے سوال کر کے مانگنا اور جان بچانا ضروری ہے اوپر دونوں حدیثوں میں جو سوال نہ کرنے کی بات کہی گئی ہے یہ حالت اضطراری کے علاوہ صورت ہے حالت اضطراری میں تو "الضرورات تبيح المحظورات" پر عمل ہوگا اور جان بچانے کی حد تک مانگنا پڑیگا ذخیرہ کرنے کے لئے نہیں۔[۳]

[۱] اخرجه ابوداؤد: ۲/۱۲۲ والنسائی: ۵/۹۶ [۲] اخرجه احمد: ۵/۱۷۲ [۳] المرقات: ۴/۳۶۵

مورخہ ۱۵ جمادی الثانی ۱۴۱۰ھ

باب الانفاق وكراهية الامساك

خرچ کرنے اور کنجوسی نہ کرنے کا بیان

قال اللہ تعالیٰ ﴿وانفقوا مما رزقناکم من قبل ان یاتی احدکم الموت فیقول رب لولا اخرتنی الی اجل قریب فاصّدق واکن من الصالحین﴾[1]

اسلام انسان کو اعلیٰ اخلاق سکھاتا ہے اور ہر مسلمان کو اعلیٰ معیار کا انسان بنانا چاہتا ہے انہیں اخلاق حمیدہ میں سے یہ ہے کہ ایک آسودہ حال انسان دوسرے مفلوک الحال انسان کی ہمدردی اور مدد کرے اور وسعت وراحت کے وقت اپنے مصیبت زدہ بھائیوں کو نہ بھولے اسراف سے کنارہ کش ہو کر راہ حق میں انصاف کا دامن تھام لے نہ ایسا کنجوس بنے کہ مخلوق ان سے نفرت کرنے لگے اور نہ اتنا مبذر بنے کہ خالق ان سے ناراض ہو جائے۔

یہاں یہ بات خوب ذہن نشین کریں کہ آنحضرت ﷺ نے انفاق فی سبیل اللہ اور اپنے آپ پر خرچ کرنے کے بارہ میں ایک معیار اپنے اور اپنے اہل بیت کے لئے بنایا اور ایک معیار امت کے عام افراد کے لئے وضع فرمایا ہے ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ اس میں فرق کرے جو معیار حضور اکرم ﷺ نے اپنی ذات کے لئے مقرر فرمایا ہے اس میں جانے کی کوشش نہ کرے بلکہ اپنے معیار کی پابندی کرے تفصیل آرہی ہے۔

الفصل الاول

﴿۱﴾ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كَانَ لِي مِثْلُ أُحُدٍ ذَهَبًا لَسَرَّنِي أَنْ لَا يَمُرَّ عَلَيَّ ثَلَاثُ لَيَالٍ وَعِنْدِي مِنْهُ شَيْءٌ إِلَّا شَيْءٌ أُرْصِدُهُ لِدَيْنٍ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[2]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "اگر میرے پاس احد کے پہاڑ کے برابر بھی سونا ہوتا تو مجھے یہ گوارا نہ ہوتا کہ تین راتیں گذر جاتیں اور وہ تمام سونا یا اس کا کچھ حصہ علاوہ بقدر ادائے قرض کے میرے پاس موجود رہتا"۔ (بخاری)

سخی کے لئے فرشتوں کی دعا اور بخیل کے لئے بددعا

﴿۲﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ يَوْمٍ يُصْبِحُ الْعِبَادُ فِيْهِ إِلَّا مَلَكَانِ

[1] سورۃ منافقون آیت ۱۰ [2] اخرجہ البخاری: ۳/۱۵۲

يَنْزِلاَنِ فَيَقُوْلُ أَحَدُهُمَا اَللّٰهُمَّ أَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا وَيَقُوْلُ الْاٰخَرُ اَللّٰهُمَّ أَعْطِ مُمْسِكًا تَلَفًا۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْه)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "روزانہ صبح کے وقت دو فرشتے اترتے ہیں ان میں سے ایک فرشتہ تو (سخی کے لئے) یہ دعاء کرتا ہے کہ "اللہ تبارک وتعالیٰ: خرچ کرنے والے کو بدل عطا فرما (یعنی جو شخص جائز جگہ اپنا مال خرچ کرتا ہے اس کو بہت زیادہ بدلہ عطا فرما بایں طور کہ یا تو دنیا میں اسے خرچ کرنے سے کہیں زیادہ مال دے یا آخرت میں اجر وثواب عطا فرما) اور دوسرا فرشتہ (بخیل کے لئے یہ) بددعاء کرتا ہے کہ اے اللہ: بخیل کو تلف (نقصان) دے (یعنی جو شخص مال ودولت جمع کرتا ہے اور جائز جگہ خرچ نہیں کرتا بلکہ بے محل اور بے مصرف خرچ کرتا ہے تو اس کا مال تلف وضائع کردے)۔
(بخاری ومسلم)

توضیح: "منفقا" ای من محله فی محله یعنی صحیح طریقہ پر کما کر لایا اور صحیح جگہ میں خرچ کیا "خلفا" ای عوضا فی الدنیا وبدلا فی العقبی" یعنی دنیا میں اس کا عوض ان کو دیدے اور آخرت میں اس کا ثواب ان کو دیدے۔[2]
"ممسکا" ای من خیرہ لغیرہ" یعنی وہ کنجوس وبخیل اپنی ہر بھلائی سے لوگوں کو محروم رکھتا ہے۔[3]
"تلفا" ای هلاکا لماله حسا او معنی" یعنی ظاہری طور پر اس کے مال کو ہلاک کردے یا معنوی باطنی طور پر ہلاک کردے کہ اس میں کوئی برکت نہ رہے۔ یہ فرشتوں کی دعا اور بددعاء ہے تو ہر انسان کو سوچنا چاہئے خوب غور کے ساتھ سوچ لے کہ وہ کس دعا کا مستحق بن رہا ہے۔ اس حدیث میں قرآن کریم کی اس ایت کی طرف اشارہ ہے[4] ﴿وما انفقتم من شیء فهو یخلفه﴾[5]

سخاوت کا فائدہ

﴿۳﴾ وَعَنْ أَسْمَاءَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْفِقِيْ وَلاَ تُحْصِيْ فَيُحْصِيَ اللهُ عَلَيْكِ وَلاَ تُوْعِيْ فَيُوْعِيَ اللهُ عَلَيْكِ ارْضَخِيْ مَا اسْتَطَعْتِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْه)[6]

ترجمہ: اور حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ اپنا مال خرچ کرو اور یہ شمار نہ کرو کہ کتنا خرچ کروں اور کیا خرچ کروں ورنہ اللہ تبارک وتعالیٰ تمہارے بارہ میں شمار کریگا اور جو مال تمہاری ضرورت سے زائد ہو اسے حاجتمندوں سے نہ روکو ورنہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی عطاء تم سے روک لیگا نیز تم سے جتنا ہو سکے اللہ تبارک وتعالیٰ کے راستے میں خرچ کرتی رہو۔ (بخاری ومسلم)

---

[1] اخرجه البخاری: ۲/۱۴۲ ومسلم: ۷/۹۵ [2] المرقات: ۴/۳۶۶ [3] المرقات: ۴/۳۶۶
[4] المرقات: ۴/۳۶۶ [5] سورۃ سبا ۳۹ [6] اخرجه البخاری: ۲/۱۴۰ ومسلم: ۷/۱۱۸

توضیح: "ولا تحصی" یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضا میں خرچ کرو اور اپنے پاس گننے کے لئے کچھ نہ چھوڑو کیونکہ اس سے اللہ تبارک وتعالیٰ بھی گنتی کا معاملہ شروع کریگا، اس لفظ کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ خرچ کر کے شمار نہ کرو کہ میں نے اتنا خرچ کیا اس سے تم خیال کروگی کہ میں نے بہت خرچ کرلیا تو خرچ کرنے سے رک جاؤ گی تو اللہ تبارک وتعالیٰ اپنا عطیہ روک لیگا یہ معنی حدیث کے دونوں جملوں کے لئے زیادہ مناسب ہے۔[1]

"ولا توعی" یہ باب افعال سے ہے ایعاء محفوظ کرنے کے معنی میں ہے کہ کسی چیز کو کسی برتن میں محفوظ کر کے رکھ لیا جائے ایک حدیث میں "یوکی" کے الفاظ آئے ہیں یعنی کسی تھیلی میں رکھ کر تسمہ سے باندھ کر نہ رکھو ورنہ اللہ تبارک وتعالیٰ بھی اسی طرح کردیگا مطلب یہ کہ وسعت کے مطابق مال کو کسی فقیر سے منع نہ کرو ورنہ اللہ تبارک وتعالیٰ تم پر مزید عطایا کا دروازہ بند کردیگا۔[2]

"ارضخی" رضخ قلیل عطیہ کو کہتے ہیں۔ یعنی جتنا تم سے ہوسکے خرچ کیا کرو خواہ وہ معمولی چیز کیوں نہ ہو۔

﴿۴﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالَى أَنْفِقْ يَا ابْنَ آدَمَ أُنْفِقْ عَلَيْكَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ اے آدم کے بیٹے تم خرچ کرو میں تم پر خرچ کروں گا۔

﴿۵﴾ وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا ابْنَ آدَمَ أَنْ تَبْذُلَ الْفَضْلَ خَيْرٌ لَكَ وَأَنْ تُمْسِكَهُ شَرٌّ لَكَ وَلَا تُلَامُ عَلَى كَفَافٍ وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُولُ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[4]

ترجمہ: اور حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے اولاد آدم: جو مال تمہاری حاجت وضرورت سے زائد ہو اسے (خدا کی خوشنودی کے لئے) خرچ کرنا تمہارے لئے (دنیا وآخرت میں) بہتر ہے اور اسے روکے رکھنا (یعنی خرچ نہ کرنا) اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک بھی اور بندوں (کے نزدیک بھی) تمہارے لئے برا ہے۔ بقدر کفایت مال پر کوئی ملامت نہیں ہے اور (جو مال تمہاری حاجت سے زائد ہو اسے خرچ کرنے کے سلسلہ میں) اپنے اہل وعیال سے ابتداء کرو"۔ (مسلم)

توضیح: "ولا تلام علی کفاف" یعنی زندگی کی بقاء کے لئے بقدر حاجت مال جمع کرنے پر کوئی ملامت نہیں ہے مطلب یہ ہے کہ بقدر بقاء حیات کچھ مال جمع کرنا منع نہیں ہے اس میں یہ دیکھنا چاہئے کہ ہر آدمی کی حالت الگ ہوتی ہے تو تمام اشخاص کے اپنے اپنے احوال کے مطابق بقاء زندگی کے مطابق مال کو بچائے رکھنے میں مضایقہ نہیں ہے۔[5]

[1] المرقات: ۴/۳۶۶ [2] المرقات: ۴/۳۶۶ [3] اخرجه البخاری: ۶/۹۳ ومسلم: ۷/۷۹ [4] اخرجه مسلم: ۷/۱۶۶، ۱۶۷ [5] المرقات: ۴/۳۶۸

"وابدأ بمن تعول" یعنی خرچ کرنے میں ان لوگوں کو مقدم رکھنا چاہئے جو کسی کی کفالت میں ہوں جیسے بیوی بچے ہیں یہ بات اچھی نہیں ہے کہ اپنے اہل وعیال تو محتاج وفقیر ہوں اور یہ شخص دوسروں پر خرچ کر رہا ہے۔[۱]

کنجوس اور سخی کی مثال

﴿۶﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الْبَخِيْلِ وَالْمُتَصَدِّقِ كَمَثَلِ الرَّجُلَيْنِ عَلَيْهِمَا جُنَّتَانِ مِنْ حَدِيْدٍ قَدِ اضْطُرَّتْ أَيْدِيْهِمَا إِلَى ثُدِيِّهِمَا وَتَرَاقِيْهِمَا فَجَعَلَ الْمُتَصَدِّقُ كُلَّمَا تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ انْبَسَطَتْ عَنْهُ وَجَعَلَ الْبَخِيْلُ كُلَّمَا هَمَّ بِصَدَقَةٍ قَلَصَتْ وَأَخَذَتْ كُلُّ حَلْقَةٍ بِمَكَانِهَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بخیل اور صدقہ دینے والے کی مثال ایسے دو شخصوں کی سی ہے جن کے جسم پر لوہے کی زرہیں ہوں اور (ان زرہوں کے تنگ ہونے کی وجہ سے) ان دونوں کے ہاتھ ان کی چھاتیوں اور گردن کی (ہنسلی کی) طرف چمٹے ہوئے ہوں چنانچہ جب صدقہ دینے والا صدقہ دینے کا قصد کرتا ہے تو اس کی زرہ کھل جاتی ہے۔ اور جب بخیل صدقہ دینے کا قصد کرتا ہے تو اس کی زرہ کے حلقے اور تنگ ہو جاتے ہیں اور اپنی جگہ پر ایک دوسرے سے مل جاتے ہیں"۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "مثل البخیل والمتصدق" اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ سخی آدمی جب اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضا کے لئے مال خرچ کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی توفیق ومدد اس کی شامل حال ہو جاتی ہے تو اس شخص کا سینہ صدقہ کے لئے کھل جاتا ہے تو خوب صدقہ کرتا ہے گویا اس نے کنجوسی کی زرہ کی کڑیاں توڑ کر رکھدیں اور آزاد ہو کر صدقہ کیا۔ اس کے برعکس کنجوس مکھی چوس آدمی جب صدقہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو چونکہ اس کے دل میں جذبہ صادق نہیں ہوتا تو صدقہ کا ارادہ کرتے ہی اس کا سینہ تنگ ہو جاتا ہے اور صدقہ کرنے سے ہاتھ سمٹ کر رک جاتے ہیں اس لئے وہ صدقہ نہیں کر پاتا گویا کنجوسی کی زرہ کی کڑیاں یہ شخص توڑ نہ سکا بلکہ وہ کڑیاں مزید اس کے جسم کے ساتھ چپک گئیں اور یہ شخص صدقہ کی بھلائی سے محروم رہا۔ "جنتان" یہ تثنیہ ہے اس کا مفرد جنة ہے زرہ کو کہتے ہیں جیم پر ضمہ ہے۔[۳]

ظلم اور کنجوسی نے قوموں کو تباہ کر کے رکھدیا

﴿۷﴾ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اتَّقُوا الظُّلْمَ فَإِنَّ الظُّلْمَ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَاتَّقُوا الشُّحَّ فَإِنَّ الشُّحَّ أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ حَمَلَهُمْ عَلَى أَنْ سَفَكُوْا دِمَاءَهُمْ

[۱] المرقات: ۴/۳۶۸ [۲] اخرجه البخاری: ۱۷۵/۲، ومسلم: ۱۰۷/۲، ۱۱۰ [۳] المرقات: ۴/۳۶۸، ۳۶۹

وَاسْتَحَلُّوا مَحَارِمَهُمْ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ظلم سے بچو کیونکہ قیامت کے روز ظلم اندھیروں کی شکل میں ہوگا (جس میں ظالم بھٹکتا پھرے گا) اور بخل سے بچو کیونکہ بخل نے ان لوگوں کو ہلاک کیا ہے جو تم سے پہلے گذرے ہیں، بخل ہی کے باعث انہوں نے خونریزی کی اور حرام کو حلال جانا۔ (مسلم)

﴿۸﴾ وَعَنْ حَارِثَةَ بْنِ وَهْبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَصَدَّقُوْا فَإِنَّهُ يَأْتِي عَلَيْكُمْ زَمَانٌ يَمْشِي الرَّجُلُ بِصَدَقَتِهِ فَلَا يَجِدُ مَنْ يَقْبَلُهَا يَقُوْلُ الرَّجُلُ لَوْجِئْتَ بِهَا بِالْأَمْسِ لَقَبِلْتُهَا فَأَمَّا الْيَوْمَ فَلَا حَاجَةَ لِي بِهَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت حارثہ ابن وہب رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کی خوشنودی کے لئے اپنا مال خرچ کرو، کیونکہ انسانی زندگی میں ایک ایسا زمانہ بھی آئے گا جب ایک شخص صدقہ کا مال لے کر نکلے گا مگر وہ کسی ایسے شخص کو نہ پائے گا جو اس کا صدقہ قبول کرلے بلکہ ہر شخص یہی کہے گا کہ اگر تم صدقہ کے اس مال کو کل لے کر آتے تو میں قبول کر لیتا، آج تو مجھے اس کی حاجت وضرورت نہیں ہے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "تصدقوا" یعنی خدا کا شکرادا کرو کہ اب صدقہ لینے والے موجود ہیں بہترین مصارف موجود ہیں اس میں تم اللہ تبارک وتعالیٰ کی خوشنودی کو آسانی سے صدقہ کر کے حاصل کر سکتے ہو۔ اس وقت کیا کروگے جب صدقہ کرنے کی کوشش کروگے لیکن موقع ومحل نہیں ملے گا لوگوں میں کوئی شخص اسے قبول نہیں کریگا اس کی وجہ یہ ہوگی کہ یا سب لوگ مالدار ہونگے یا دل کے اس طرح مستغنی ہونگے کہ مال کی رغبت دلوں میں نہیں ہوگی، علماء لکھتے ہیں کہ اس سے حضرت مہدی علیہ السلام کے ظہور کے زمانہ کی طرف اشارہ ہے۔[3]

موت سے پہلے صدقہ کا بہت بڑا اجر ہے

﴿۹﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَيُّ الصَّدَقَةِ أَعْظَمُ أَجْرًا قَالَ أَنْ تَصَدَّقَ وَأَنْتَ صَحِيْحٌ شَحِيْحٌ تَخْشَى الْفَقْرَ وَتَأْمُلُ الْغِنَى وَلَا تُمْهِلْ حَتَّى إِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ قُلْتَ لِفُلَانٍ كَذَا وَلِفُلَانٍ كَذَا وَقَدْ كَانَ لِفُلَانٍ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[4]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ: ثواب کے اعتبار سے کونسا بڑا صدقہ اور

[1] اخرجه البخاری: ح۴۸۳، ۴۸۸ ومسلم: ۱۶/۱۳۴
[2] اخرجه البخاری: ۲/۱۳۵ ومسلم: ۷/۹۵
[3] المرقات: ۴/۲۷۰
[4] اخرجه البخاری: ۲/۱۳۷ ومسلم: ۷/۱۲۳، ۱۲۴

افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''(افضل صدقہ وہ ہے کہ) تم خدا کی راہ میں اس وقت اپنا مال خرچ کرو جب کہ تم تندرست و توانا ہو اور مال جمع کرنے کی حرص رکھتے ہو، فقر و افلاس سے ڈرتے ہو، اور حصول دولت کے امیدوار ہو (یادرکھو صدقہ خیرات کے معاملہ میں) ڈھیل نہ دو، یہاں تک کہ جب تمہاری جان حلق میں آجائے تو کہنے لگو کہ اتنا مال فلاں کے لئے ہے اور اتنا مال فلاں کے لئے ہے۔ حالانکہ وہ مال فلاں ہی کا ہے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "**وانت صحیح شحیح**" یعنی سب سے افضل صدقہ وہ ہے کہ تم اس حال میں صدقہ کرو جب تم تندرست ہو اور خوب بخیل ہو مطلب یہ کہ صحت مند آدمی کو درازئ عمر کی امید ہوتی ہے اور درازی عمر کی امید اور طول عمر کی امید سے آدمی مال جمع کرنے پر خوب حریص ہو جاتا ہے ایسی حالت میں خرچ کرنا بڑا باعث اجر ہوتا ہے [1] "**و تخشی الفقر**" یعنی شیطان ہر وقت فقر و فاقہ اور محتاجگی سے ڈراتا رہتا ہو اور نفس بھی وسوسہ ڈالتا ہو ایسی حالت میں بھی خرچ کرنا باعث اجر عظیم ہے یہ جملہ "**خبر بعد خبر**" بھی ہو سکتا ہے اور یہ حال بھی بن سکتا ہے [2] "**وتأمل الغنی**" میم مضموم ہے ای تطمع وترجو، یعنی دل وجان سے مالدار بننے اور مالدار رہنے کو چاہتے ہو ایسی حالت میں خرچ کرنا باعث اجر عظیم ہے [3] "**ولا تمهل**" یہ ماقبل پر عطف ہے اور مستقل کلام ہے کہ صدقہ کرنے کو اس طرح مؤخر نہ کرو کہ موت قریب آجائے تب تمہیں ہوش آجائے اور مرض وفات میں وصیتیں کرنے لگ جاؤ اب تو تیرے ورثہ کا حق تیرے مال کے ساتھ وابستہ ہو گیا اب یہ کہنا کہ یہ مال فلاں اور فلاں کا ہے حالانکہ وہ فلاں ہی کا ہے۔ [4]

خدا کی راہ میں اندھا دھند خرچ کرنے والا کامیاب ہے

﴿۱۰﴾ وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ انْتَهَيْتُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ جَالِسٌ فِي ظِلِّ الْكَعْبَةِ فَلَمَّا رَآنِي قَالَ هُمُ الْأَخْسَرُونَ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ فَقُلْتُ فِدَاكَ أَبِي وَأُمِّي مَنْ هُمْ قَالَ هُمُ الْأَكْثَرُونَ أَمْوَالاً إِلَّا مَنْ قَالَ هٰكَذَا وَهٰكَذَا وَهٰكَذَا مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ وَعَنْ يَمِيْنِهِ وَعَنْ شِمَالِهِ وَقَلِيْلٌ مَا هُمْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) [5]

ترجمہ: اور حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں اس وقت پہنچا جبکہ آپ ﷺ کعبہ کے سایہ میں تشریف فرما تھے۔ جب آپ ﷺ کی نظر مبارک مجھ پر پڑی تو فرمایا ''رب کعبہ کی قسم وہ لوگ بہت ٹوٹے میں ہیں'' میں نے عرض کیا کہ میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں کون ہیں وہ لوگ؟ آپ نے فرمایا ''وہ لوگ جو زیادہ مال جمع کرتے ہیں، ہاں (وہ لوگ مستثنیٰ ہیں) جو اپنے ادھر ادھر اور اس طرف یعنی اپنے آگے پیچھے، اپنے دائیں بائیں (غرضیکہ ہر طرح اور ہر جگہ خدا کی خوشنودی کی خاطر) اپنا مال خرچ کرتے ہیں مگر ایسے لوگ کم ہی ہیں''۔ (بخاری ومسلم)

---

[1] المرقات: ۴/۳۷۰ [2] المرقات: ۴/۳۷۰ [3] المرقات: ۱/۳۷۱ [4] المرقات: ۱/۳۷۱ [5] اخرجه البخاری: ۲/۱۴۸ ومسلم

توضیح: "الامن قال" احادیث میں اوراسی طرح محاورۂ عرب میں "قال" کالفظ اشارہ کے لئے بولا جاتا ہے یعنی جولوگ کثیر مال رکھتے ہوں اور بڑے سرمایہ دار ہوں وہ نقصان اور خسارہ میں ہیں ہاں جوسرمایہ دار اپنامال اندھادھند دائیں بائیں اورآگے پیچھے خرچ کرتے ہوں وہ اس خسارہ سے مستثنیٰ ہیں "قال" کالفظ اشارہ کے معنی میں استعمال ہوتا رہتا ہے۔[1]

الفصل الثانی

عابد بخیل پر جاہل سخی کی فضیلت

﴿۱۱﴾ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السَّخِيُّ قَرِيْبٌ مِنَ اللهِ قَرِيْبٌ مِنَ الْجَنَّةِ قَرِيْبٌ مِنَ النَّاسِ بَعِيْدٌ مِنَ النَّارِ وَالْبَخِيْلُ بَعِيْدٌ مِنَ اللهِ بَعِيْدٌ مِنَ الْجَنَّةِ بَعِيْدٌ مِنَ النَّاسِ قَرِيْبٌ مِنَ النَّارِ وَلَجَاهِلٌ سَخِيٌّ أَحَبُّ إِلَى اللهِ مِنْ عَابِدٍ بَخِيْلٍ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[2]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "سخی اللہ کی رحمت کے نزدیک ہے، بہشت کے قریب ہے، لوگوں کے قریب ہے (یعنی سب ہی اسے عزیز ودوست رکھتے ہیں) اور آگ سے دور ہے مگر بخیل (جو کہ اپنے اوپر واجب حقوق کی بھی ادائیگی نہ کرے) اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت سے دور ہے، بہشت سے دور ہے لوگوں سے دور ہے اور آگ سے نزدیک ہے۔ بلاشک اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک عابد بخیل سے جاہل سخی بہت پیارا ہے"۔ (ترمذی)

توضیح: "السخی" اس سے مراد وہ شخص ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضا میں اپنا مال خرچ کرتا ہو برے کاموں میں سخاوت مقصود نہیں۔[3]

"**قریب من اللہ**" یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت کے قریب ہوتا ہے "**قریب من الناس**" کیونکہ وہ فقراء وغیرہ پر خرچ کرتا ہے تو وہ لوگ اس کو پسند کرتے ہیں یا ویسے سخی آدمی عوام الناس کے نزدیک محبوب رہتا ہے خواہ اس نے ان پر خرچ نہ بھی کیا ہو۔[4]

"**والبخیل**" اس بخیل سے مراد وہ شخص ہے جو حق واجب بھی ادا نہیں کرتا اور نہ زکوٰۃ ادا کرتا ہے۔[5]

"**ولجاھل سخی**" یہاں جاہل عالم کے مقابلے میں نہیں بلکہ جاہل سخی سے مراد وہ شخص ہے جو فرائض تو ادا کرتا ہو لیکن زیادہ نوافل نہیں پڑھتا ہو اسی طرح عابد بخیل سے مراد وہ شخص ہے جو فرائض کے علاوہ کثرت سے نوافل بھی ادا کرتا ہو لیکن کنجوس ہو تو اس کثیر النوافل کنجوس عابد سے وہ تارک النوافل سخی افضل وبہتر ہے جو مسلسل سخاوت کر رہا ہو۔[6]

---

[1] المرقات: ۴/۳۷۲ [2] اخرجہ الترمذی: ۳/۳۸۷ [3] المرقات: ۴/۳۷۲
[4] المرقات: ۴/۳۷۳ [5] المرقات: ۴/۳۷۳ [6] المرقات: ۴/۳۷۳

تندرستی کے وقت اور موت کے وقت صدقہ میں تفاوت

﴿۱۲﴾ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَأَنْ يَتَصَدَّقَ الْمَرْءُ فِي حَيَاتِهِ بِدِرْهَمٍ خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَتَصَدَّقَ بِمِائَةٍ عِنْدَ مَوْتِهِ۔ (رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "کسی شخص کا اپنی تندرستی کی حالت میں ایک درہم خدا کی راہ میں خرچ کرنا اپنے مرنے کے وقت راہ خدا میں ایک سو درہم خرچ کرنے سے بہتر ہے"۔ (ابوداؤد)

﴿۱۳﴾ وَعَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الَّذِي يَتَصَدَّقُ عِنْدَ مَوْتِهِ أَوْ يُعْتِقُ كَالَّذِي يُهْدِي إِذَا شَبِعَ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَالتِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهُ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "اس شخص کی مثال جو اپنی موت کے وقت خیرات کرتا ہے یا (غلام) آزاد کرتا ہے اس شخص کی مانند ہے جو کسی کو ایسے وقت تحفہ (یعنی کھانا) بھیجتا ہے جبکہ اس کا پیٹ بھر چکا ہوتا ہے"۔ (ترمذی، نسائی، دارمی اور امام ترمذی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے)

مؤمن بدخلق اور بخیل نہیں ہوسکتا

﴿۱۴﴾ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَصْلَتَانِ لَا تَجْتَمِعَانِ فِي مُؤْمِنٍ الْبُخْلُ وَسُوءُ الْخُلُقِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "مؤمن میں دو خصلتیں جمع نہیں ہوتیں ایک تو بخل دوسری بدخلقی"۔ (ترمذی)

توضیح: "لا یجتمعان" یعنی بدخلقی اور کنجوسی یہ دونوں بری خصلتیں کسی مؤمن میں جمع نہیں ہوسکتیں۔

سوال: یہاں سوال یہ ہے کہ بہت سارے مسلمانوں میں یہ دونوں خصلتیں یا ان میں سے کوئی ایک خصلت پائی جاتی ہے پھر کیا وہ مؤمن نہیں رہے؟[4]

جواب: اس اعتراض کا ایک جواب یہ ہے کہ مومن سے کامل مومن مراد ہے ان خصلتوں والا آدمی کامل مؤمن نہیں ہوسکتا۔ دوسرا جواب یہ کہ ان خصلتوں کے پائے جانے کا مطلب یہ ہے کہ یہ خصلتیں اس مومن کی طبیعت ثانیہ بن چکی ہوں اگر بتقاضائے بشریت کسی مومن میں یہ خصلتیں آجائیں اور پھر نکل جائیں اور وہ پشیمان ہوجائے تو یہ کمال ایمان کے

---

[1] اخرجه ابوداؤد: ۲/۱۱۲ ح ۲۸۶۶ [2] اخرجه والترمذی: ۴/۴۴ والدارمی: ۲/۴۱۳ والنسائی: ۶/۲۳۸

[3] اخرجه الترمذی: ۳/۳۸۷ [4] المرقات: ۴/۳۰۲

منافی نہیں ہے۔ خلق حسن سے مراد وہ امور ہیں جن کی شریعت نے تعلیم دی ہے اور ''بد خلقی'' سے مراد یہ ہے کہ ان امور کی خلاف ورزی کی جائے جس کی اسلام نے تعلیم دی ہے۔ بہرحال باب النفاق میں پہلے بتایا گیا ہے کہ نفاق والے اخلاق کا کسی مسلمان میں پایا جانا اس کو تب منافق بنا سکتا ہے کہ جب یہ اخلاق اس میں بطور طبیعت موجود ہوں صرف پایا جانا کافی نہیں ہے۔ یہ اس طرح ہے کہ باب فتح کے لئے حرف حلقی کا ہونا ضروری ہے لیکن اگر حرف حلقی کسی باب میں پایا جائے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ باب فتح بن گیا۔[1]

بخیل کے لئے سخت وعید

﴿۱۵﴾ وَعَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيْقِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ خَبٌّ وَلَا بَخِيْلٌ وَلَا مَنَّانٌ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[2]

ترجمہ: اور امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا ''جنت میں نہ تو مکار داخل ہوگا نہ بخیل نہ خدا کی راہ میں کسی کو مال دے کر احسان جتلانے والا۔ (ترمذی)

توضیح: ''لایدخل الجنة'' دخول سے مراد دخول اوّلی ہے کہ بغیر سزا کے جنت میں داخل نہیں ہوگا۔[3]

''خب'' بفتح الخاء وتشدید الباء سخت دھوکہ باز اور مکار عیار اور شطار کو کہا جاتا ہے۔ بخیل سے مراد وہ ہے جو حق واجب ادا کرنے میں بخل کرتا ہو منان احسان جتلانے والے کو کہتے ہیں دوسرا معنی یہ کہ صلہ رحمی توڑنے والا ہو یہاں بھی جنت میں داخل نہ ہونے سے دخول اولی مراد ہے۔[4]

﴿۱۶﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَرُّ مَا فِي الرَّجُلِ شُحٌّ هَالِعٌ وَجُبْنٌ خَالِعٌ۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَسَنَذْكُرُ حَدِيْثَ أَبِي هُرَيْرَةَ لَا يَجْتَمِعُ الشُّحُّ وَالْإِيْمَانُ فِي كِتَابِ الْجِهَادِ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالَى)[5]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''انسان میں جو خصلتیں ہوتی ہیں ان میں سے دو خصلتیں سب سے بدتر ہیں۔ ایک تو انتہائی درجہ کا بخل اور دوسری انتہائی درجہ کی نامردی۔ (ابوداؤد)

(وسنذ کر حدیث ابی ہریرۃ لایجتمع الشح والایمان فی کتاب الجہاد ان شاء اللہ تعالی)

الفصل الثالث

﴿۱۷﴾ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ بَعْضَ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْنَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

[1] المرقات: ۴/۳۷۴ [2] اخرجه الترمذی: ۳/۳۸۸ ح ۱۹۷۰ [3] المرقات: ۴/۳۷۵
[4] المرقات: ۴/۳۷۵ [5] اخرجه ابوداؤد: ۲/۱۲

أَيُّنَا أَسْرَعُ بِكَ لُحُوقاً قَالَ أَطْوَلُكُنَّ يَداً فَأَخَذُوا قَصَبَةً يَذْرَعُونَهَا وَكَانَتْ سَوْدَةُ أَطْوَلَهُنَّ يَداً فَعَلِمْنَا بَعْدُ إِنَّمَا كَانَ طُولُ يَدِهَا الصَّدَقَةَ وَكَانَتْ أَسْرَعَنَا لُحُوقًا بِهِ زَيْنَبُ وَكَانَتْ تُحِبُّ الصَّدَقَةَ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ، وَفِي رِوَايَةِ مُسْلِمٍ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَسْرَعُكُنَّ لُحُوقاً بِي أَطْوَلُكُنَّ يَداً قَالَتْ وَكَانَتْ يَتَطَاوَلْنَ أَيَّتُهُنَّ أَطْوَلُ يَدًا قَالَتْ كَانَتْ أَطْوَلُنَا يَداً زَيْنَبُ لِأَنَّهَا كَانَتْ تَعْمَلُ بِيَدِهَا وَتَتَصَدَّقُ۔[1]

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات میں سے بعض نے آپ ﷺ سے کہا کہ ہم میں سے کون سی بیوی آپ سے جلد ملاقات کرے گی؟ (یعنی آپ ﷺ کے وصال کے بعد ہم میں سے سب سے پہلے کس بیوی کا انتقال ہوگا) آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ''جس کے ہاتھ سب سے لمبے ہوں گے''۔ (حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد سن کر) آپ ﷺ کی ازواج مطہرات نے بانس یا سرکنڈے کا ایک ٹکڑا لے کر اپنے ہاتھ ناپنے شروع کئے (ان سب میں) حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاتھ (جو آپ ﷺ کی ایک زوجۂ مطہرہ تھیں) سب سے لمبے تھے مگر پھر بعد میں ہمیں معلوم ہوا کہ ہاتھ کی لمبائی سے مراد ''صدقہ'' تھا اور ہم میں سے جس نے سب سے پہلے آپ ﷺ سے ملاقات کی (یعنی آپ ﷺ کے بعد سب سے پہلے جس کا انتقال ہوا) وہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں اور وہ صدقہ وخیرات کرنے کو بہت پسند کرتی تھیں''۔ (بخاری) اور مسلم کی ایک روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے منقول ہے کہ آپ نے (ازواج مطہرات کے سوال کے جواب میں) فرمایا کہ ''تم میں سے مجھ سے جلد ملنے والی وہ ہوگی جس کے ہاتھ لمبے ہونگے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ (یہ سن کر) آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات آپس میں اپنے ہاتھوں کی لمبائی ناپتی تھیں کہ ان میں سے کون سی لمبے ہاتھوں والی ہے، چنانچہ ہم میں سب سے لمبے ہاتھ والی حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں کیونکہ وہ اپنے ہاتھ سے سب کام کرتی تھیں اور صدقہ وخیرات کیا کرتی تھیں۔

توضیح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اہل لسان بھی قرآن وحدیث میں بعض دفعہ کلام کی اصلی حقیقت کو نہیں پاسکتے اس لئے ضروری ہے کہ شرعی اصطلاحات اور اس کے اطلاقات کو کسی ماہر استاد سے سمجھ لیا جائے صرف قوت لغت دانی پر اعتماد نہ کیا جائے دیکھیں یہاں طول ید کو امہات المؤمنین نے ظاہری معنی پر حمل کر کے اعضاء کا ناپنا شروع کیا حالانکہ شارع نے اس سے سخاوت کا ارادہ کیا تھا حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا ام المساکین کے لقب سے یاد کی جاتی تھیں کیونکہ بڑی فیاض تھیں ہاتھوں سے چمڑوں کی دباغت کا کام کرتی تھیں اور پھر ان کھالوں کو فروخت کرتی تھیں اور اس کی رقم کو فی سبیل اللہ خیرات کیا کرتی تھیں۔ ''**فاخذو قصبة**'' یعنی ازواج مطہرات نے بانس لیا اور اس کے ذریعہ سے اپنے ہاتھ ناپنا شروع

[1] اخرجه مسلم: ۱۶/۸ البخاری: ۲/۱۳۷

کیا یہاں اخذن کا صیغہ ہونا چاہئے تھا کیونکہ مؤنث کا صیغہ ہے مگر تعظیم و اکرام کے طور پر مذکر کا صیغہ لایا گیا ہے اور اس طرح ہوتا ہے۔ جیسے زملونی میں ہے۔

زکوٰۃ ادا کرنے میں بنی اسرائیل کے ایک آدمی کا قصہ

﴿۱۸﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ رَجُلٌ لَأَتَصَدَّقَنَّ بِصَدَقَةٍ فَخَرَجَ بِصَدَقَتِهِ فَوَضَعَهَا فِي يَدِ سَارِقٍ فَأَصْبَحُوا يَتَحَدَّثُونَ تُصُدِّقَ اللَّيْلَةَ عَلَى سَارِقٍ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ عَلَى سَارِقٍ لَأَتَصَدَّقَنَّ بِصَدَقَةٍ فَخَرَجَ بِصَدَقَتِهِ فَوَضَعَهَا فِي يَدِ زَانِيَةٍ فَأَصْبَحُوا يَتَحَدَّثُونَ تُصُدِّقَ اللَّيْلَةَ عَلَى زَانِيَةٍ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ عَلَى زَانِيَةٍ لَأَتَصَدَّقَنَّ بِصَدَقَةٍ فَخَرَجَ بِصَدَقَتِهِ فَوَضَعَهَا فِي يَدِ غَنِيٍّ فَأَصْبَحُوا يَتَحَدَّثُونَ تُصُدِّقَ اللَّيْلَةَ عَلَى غَنِيٍّ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ عَلَى سَارِقٍ وَزَانِيَةٍ وَغَنِيٍّ فَأُتِيَ فَقِيلَ لَهُ أَمَّا صَدَقَتُكَ عَلَى سَارِقٍ فَلَعَلَّهُ أَنْ يَسْتَعِفَّ عَنْ سَرِقَتِهِ وَأَمَّا الزَّانِيَةُ فَلَعَلَّهَا أَنْ تَسْتَعِفَّ عَنْ زِنَاهَا وَأَمَّا الْغَنِيُّ فَلَعَلَّهُ يَعْتَبِرُ فَيُنْفِقُ مِمَّا أَعْطَاهُ اللهُ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَلَفْظُهُ لِلْبُخَارِيِّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا (ایک مرتبہ بنی اسرائیل میں سے) ایک شخص نے (اپنے دل میں یا کسی اپنے دوست) سے کہا کہ میں (آج رات میں) خدا کی راہ میں کچھ مال خرچ کروں گا چنانچہ اس نے (اپنے قصد وارادہ کے مطابق) خیرات کے لئے کچھ مال نکالا (تا کہ اسے کسی مستحق کو دیدے) اور وہ مال اس نے ایک چور کے ہاتھ میں دیدیا (اسے یہ معلوم نہ تھا کہ یہ چور ہے کہ جس کی وجہ سے خیرات کے مال کا مستحق نہیں ہے) جب صبح ہوئی (اور لوگوں کو الہام خداوندی کے سبب یا خود اس چور کی زبانی معلوم ہوا تو بطریق تعجب) لوگ چہ میگوئیاں کرنے لگے کہ آج کی رات ایک چور کو صدقہ کا مال دیا گیا ہے (جب صدقہ دینے والے کو بھی صورت حال معلوم ہوئی تو) وہ کہنے لگا کہ اے اللہ: تیرے ہی لئے تعریف ہے۔ (باوجودیکہ) صدقہ کا مال ایک چور کے ہاتھ لگا، اور پھر کہنے لگا کہ (آج کی رات) پھر صدقہ دونگا (تا کہ وہ مستحق کو مل جائے) چنانچہ اس نے صدقہ کی نیت سے پھر کچھ مال نکالا اور (اس مرتبہ بھی غلط فہمی میں) وہ مال ایک زانیہ کے ہاتھ میں دیدیا، جب صبح ہوئی تو پھر لوگ چہ میگوئیاں کرنے لگے کہ آج تو ایک زانیہ صدقہ کا مال لے اڑی وہ شخص کہنے لگا کہ ''اے اللہ: تیرے ہی لئے تعریف ہے (اگرچہ اس مرتبہ) صدقہ کا مال ایک زانیہ کے ہاتھ لگ گیا اور پھر کہنے لگا کہ ''(آج کی رات) پھر صدقہ دونگا'' چنانچہ اس نے پھر کچھ مال صدقہ کی نیت سے نکالا اور (اس مرتبہ پھر غلط فہمی میں) وہ مال ایک غنی کے ہاتھ میں دے دیا، جب صبح ہوئی پھر لوگ چہ میگوئیاں کرنے لگے کہ آج کی رات تو ایک دولت مند ہی کو صدقہ کا مال مل گیا۔ وہ شخص کہنے لگا ''اے اللہ تیرے ہی لئے

[1] اخرجه البخاری: ۲/۲۳۶ ومسلم: ۷/۱۱۰

تعریف ہے (اگر چہ) صدقہ کا مال چور زانیہ اور دولتمند کو مل گیا"۔ (جب وہ شخص سویا تو) خواب میں اس سے کہا گیا (کہ تو نے جتنے صدقے دیئے ہیں سب قبول ہو گئے) کیونکہ صدقہ کا جو مال تو نے چور کو دیا ہے (وہ بے فائدہ اور خالی از ثواب نہیں ہے) ممکن ہے وہ اس کی وجہ سے چوری سے باز رہے اور صدقہ کا جو مال تو نے زانیہ کو دیا ہے ممکن ہے وہ اس کی وجہ سے زنا سے باز رہے اور صدقہ کا جو مال تو نے دولتمند کو دیا ہے ممکن ہے وہ اس کی وجہ سے عبرت حاصل کرے اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسے جو کچھ دیا ہے۔ اس میں خرچ کرے۔ الفاظ بخاری کے ہیں۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "اللهم لك الحمد على السارق؟" اس شخص کے حق میں لوگوں نے تبصرے شروع کئے اور کہا لو بھائی کسی صدقہ کرنے والے نے کیا ہی اچھا صدقہ کیا کہ چور کو دیا، اس پر اس شخص نے خود بھی تعجب کیا مگر پہلے اللہ تبارک وتعالیٰ کی تعریف ساتھ لگا دیا تا کہ شکر بھی ادا ہو، اور پھر فرمایا کہ اچھا چور کے ہاتھ میں صدقہ لگا؟ چلو میں پھر دوں گا، اسی طرح ہر دفعہ کہتا رہا۔

"فاتی" خواب میں اس کو کسی فرشتہ وغیرہ نے کہا کہ تم نے جو صدقے دیئے وہ بیکار نہیں گئے اگر چہ زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی وہ پھر ادا کر لو گے لیکن جن لوگوں کو دیا ہے اس کا بہر صورت کوئی نہ کوئی فائدہ ہے۔ [1]

زکوٰۃ سے مال میں برکت آتی ہے

﴿۱۹﴾ وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَيْنَا رَجُلٌ بِفَلَاةٍ مِنَ الْأَرْضِ فَسَمِعَ صَوْتاً فِيْ سَحَابَةٍ أَسْقِ حَدِيْقَةَ فُلَانٍ فَتَنَحّٰى ذٰلِكَ السَّحَابُ فَأَفْرَغَ مَاءَهُ فِيْ حَرَّةٍ فَإِذَا شَرْجَةٌ مِنْ تِلْكَ الشِّرَاجِ قَدِ اسْتَوْعَبَتْ ذٰلِكَ الْمَاءَ كُلَّهُ فَتَتَبَّعَ الْمَاءَ فَإِذَا رَجُلٌ قَائِمٌ فِيْ حَدِيْقَتِهٖ يُحَوِّلُ الْمَاءَ بِمِسْحَاتِهٖ فَقَالَ لَهُ يَا عَبْدَ اللهِ مَا اسْمُكَ قَالَ فُلَانٌ الْإِسْمُ الَّذِيْ سَمِعَ فِي السَّحَابَةِ فَقَالَ لَهُ يَا عَبْدَ اللهِ لِمَ تَسْأَلُنِيْ عَنِ اسْمِيْ فَقَالَ إِنِّيْ سَمِعْتُ صَوْتاً فِي السَّحَابِ الَّذِيْ هٰذَا مَاؤُهُ وَيَقُوْلُ إِسْقِ حَدِيْقَةَ فُلَانٍ لِاسْمِكَ فَمَا تَصْنَعُ فِيْهَا قَالَ أَمَّا إِذَا قُلْتَ هٰذَا فَإِنِّيْ أَنْظُرُ إِلٰى مَا يَخْرُجُ مِنْهَا فَأَتَصَدَّقُ بِثُلُثِهٖ وَآكُلُ أَنَا وَعِيَالِيْ ثُلُثاً وَأَرُدُّ فِيْهَا ثُلُثَهُ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) [2]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ایک شخص زمین کے ایک حصہ جنگل میں کھڑا تھا کہ اس نے ابر میں سے ایک آواز سنی کہ کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے کہ فلاں شخص کے باغ کو سیراب کر" پھر وہ ابر ایک طرف کو چلا اور (ایک جگہ) پتھریلی زمین پر پانی برسانے لگا۔ اور وہ تمام پانی ان نالیوں میں سے (کہ جو اس زمین میں تھیں) ایک نالی میں جمع ہونے لگا پھر (وہ پانی اس نالی کے ذریعہ ایک طرف بہنے لگا تو) وہ شخص بھی اس پانی کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ (تا کہ یہ دیکھے کہ جس شخص کے باغ میں یہ پانی جا رہا ہے وہ کون ہے؟) ناگہاں اس شخص نے ایک آدمی کو دیکھا جو اپنے کھیت

[1] المرقات: ۴/۳۶۸ [2] اخرجہ مسلم: ۱/۱۱۴

میں کھڑا بیلچہ کے ذریعہ اس پانی کو (باغ کے درختوں میں) پھیلا رہا تھا اس شخص نے باغ والے سے پوچھا کہ "اے خدا کے بندے تمہارا نام کیا ہے؟ اس نے کہا کہ میرا فلاں نام ہے اور اس نے وہی نام بتایا جو اس نے ابر میں سے سنا تھا۔ پھر باغ والے نے اس شخص سے پوچھا کہ 'بندۂ خدا! تم میرا نام کیوں پوچھ رہے ہو؟ اس شخص نے کہا کہ "میں اس لئے پوچھ رہا ہوں کہ جس ابر کا یہ پانی ہے اس ابر میں سے میں نے ایک آواز سنی کہ کوئی کہنے والا (اس ابر سے) کہہ رہا تھا کہ فلاں شخص کے باغ کو سیراب کر اور وہ نام تمہارا ہی تھا اور (اب مجھے یہ بتاؤ کہ) تم اس باغ میں کیا (بھلائی) کرتے ہو (جس کی وجہ سے تم اس فضیلت اور بزرگی سے نوازے گئے ہو) باغ والے نے کہا کہ "چونکہ اس وقت تم پوچھ رہے ہو اس لئے میں بھی تم سے بتائے دیتا ہوں کہ اس باغ کی جو کچھ پیداوار ہوتی ہے (پہلے) میں اسے دیکھتا ہوں پھر اس میں سے ایک تہائی تو خدا کی راہ میں خرچ کر دیتا ہوں ایک تہائی میں اور میرے اہل وعیال کھاتے ہیں اور ایک تہائی اسی باغ میں لگا دیتا ہوں۔ (مسلم)

توضیح: "فلاۃ" صحرا اور دشت کو کہتے ہیں [1] "فلان" بادل سے اس شخص کا نام بتایا گیا تھا مگر آنحضرت ﷺ نے نام نہیں لیا اور فلاں کے لفظ سے کنایہ فرمایا اسی طرح بادل سے آواز سننے والے شخص نے بھی اس شخص کا نام سنا تھا لیکن اس نے باغ والے کا نام اسی سے دوبارہ پوچھا تاکہ یقین واطمینان حاصل ہو جائے۔ [2]

"لاسمك" یعنی بادل سے تیرا نام لیا تھا اس سے معلوم ہوا کہ اس شخص نے اپنا نام اس پوچھنے والے کو بتا دیا تھا۔ [3]

"اذاقلت هذا" یعنی یہ راز کی بات تھی لیکن جب تجھ پر یہ راز کھل گیا تو اب میں حقیقت بتا دیتا ہوں۔ [4]

خلاصہ یہ کہ ہاتف غیبی نے باغ والے کا نام صراحت کے ساتھ لیا تھا سننے والے نے سنا تھا لیکن باغ والے کے سامنے چھپا دیا تاکہ یقین حاصل کرلے پھر حضور اکرم ﷺ نے بھی اسی طریقہ پر لفظ فلاں سے اس شخص کا تذکرہ کیا۔

دو ناشکروں اور ایک شکر گذار کا عجیب قصہ

﴿۲۰﴾ وَعَنْهُ أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِنَّ ثَلَاثَةً مِنْ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ أَبْرَصَ وَأَقْرَعَ وَأَعْمٰى فَأَرَادَ اللّٰهُ أَنْ يَبْتَلِيَهُمْ فَبَعَثَ إِلَيْهِمْ مَلَكًا فَأَتَى الْأَبْرَصَ فَقَالَ أَيُّ شَيْءٍ أَحَبُّ إِلَيْكَ قَالَ لَوْنٌ حَسَنٌ وَجِلْدٌ حَسَنٌ وَيَذْهَبُ عَنِّي الَّذِيْ قَدْ قَذِرَنِي النَّاسُ قَالَ فَمَسَحَهُ فَذَهَبَ عَنْهُ قَذَرُهُ وَأُعْطِيَ لَوْنًا حَسَنًا وَجِلْدًا حَسَنًا قَالَ فَأَيُّ الْمَالِ أَحَبُّ إِلَيْكَ قَالَ الْإِبِلُ أَوْ قَالَ الْبَقَرُ شَكَّ إِسْحَاقُ إِلَّا أَنَّ الْأَبْرَصَ أَوِ الْأَقْرَعَ قَالَ أَحَدُهُمَا الْإِبِلُ وَقَالَ الْآخَرُ الْبَقَرُ قَالَ فَأُعْطِيَ نَاقَةً عُشَرَاءَ فَقَالَ بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ فِيْهَا قَالَ فَأَتَى الْأَقْرَعَ فَقَالَ أَيُّ شَيْءٍ أَحَبُّ إِلَيْكَ قَالَ شَعْرٌ حَسَنٌ وَيَذْهَبُ عَنِّيْ هٰذَا الَّذِيْ قَدْ قَذِرَنِي النَّاسُ قَالَ فَمَسَحَهُ فَذَهَبَ عَنْهُ قَالَ وَأُعْطِيَ شَعْرًا حَسَنًا قَالَ فَأَيُّ

[1] المرقات: ۴/۳۷۹ [2] المرقات: ۴/۳۸۰ [3] المرقات: ۴/۳۸۰ [4] المرقات: ۴/۳۸۰

الْمَالِ أَحَبُّ إِلَيْكَ قَالَ الْبَقَرُ فَأُعْطِيَ بَقَرَةً حَامِلاً قَالَ بَارَكَ اللهُ لَكَ فِيهَا قَالَ فَأَتَى الْأَعْمٰى فَقَالَ أَيُّ شَيْئٍ أَحَبُّ إِلَيْكَ قَالَ أَنْ يَّرُدَّ اللهُ إِلَيَّ بَصَرِيْ فَأُبْصِرُ بِهِ النَّاسَ قَالَ فَمَسَحَهُ فَرَدَّ اللهُ إِلَيْهِ بَصَرَهُ قَالَ فَأَيُّ الْمَالِ أَحَبُّ إِلَيْكَ قَالَ الْغَنَمُ فَأُعْطِيَ شَاةً وَالِداً فَأُنْتِجَ هٰذَانِ وَوَلَّدَ هٰذَا فَكَانَ لِهٰذَا وَادٍ مِنَ الْإِبِلِ وَلِهٰذَا وَادٍ مِنَ الْبَقَرِ وَلِهٰذَا وَادٍ مِنَ الْغَنَمِ قَالَ ثُمَّ إِنَّهُ أَتَى الْأَبْرَصَ فِيْ صُوْرَتِهِ وَهَيْئَتِهِ فَقَالَ رَجُلٌ مِسْكِيْنٌ قَدِ انْقَطَعَتْ بِيَ الْحِبَالُ فِيْ سَفَرِيْ فَلَا بَلَاغَ لِيَ الْيَوْمَ إِلَّا بِاللهِ ثُمَّ بِكَ أَسْأَلُكَ بِالَّذِيْ أَعْطَاكَ اللَّوْنَ الْحَسَنَ وَالْجِلْدَ الْحَسَنَ وَالْمَالَ بَعِيْراً أَتَبَلَّغُ بِهِ فِيْ سَفَرِيْ فَقَالَ الْحُقُوْقُ كَثِيْرَةٌ فَقَالَ إِنَّهُ كَأَنِّيْ أَعْرِفُكَ أَلَمْ تَكُنْ أَبْرَصَ يَقْذَرُكَ النَّاسُ فَقِيْراً فَأَعْطَاكَ اللهُ مَالاً فَقَالَ إِنَّمَا وَرِثْتُ هٰذَا الْمَالَ كَابِراً عَنْ كَابِرٍ فَقَالَ إِنْ كُنْتَ كَاذِباً فَصَيَّرَكَ اللهُ إِلٰى مَا كُنْتَ قَالَ وَأَتَى الْأَقْرَعَ فِيْ صُوْرَتِهِ فَقَالَ لَهُ مِثْلَ مَا قَالَ لِهٰذَا وَرَدَّ عَلَيْهِ مِثْلَ مَا رَدَّ عَلٰى هٰذَا فَقَالَ إِنْ كُنْتَ كَاذِباً فَصَيَّرَكَ اللهُ إِلٰى مَا كُنْتَ قَالَ وَأَتَى الْأَعْمٰى فِيْ صُوْرَتِهِ وَهَيْئَتِهِ فَقَالَ رَجُلٌ مِسْكِيْنٌ وَابْنُ سَبِيْلٍ انْقَطَعَتْ بِيَ الْحِبَالُ فِيْ سَفَرِيْ فَلَا بَلَاغَ لِيَ الْيَوْمَ إِلَّا بِاللهِ ثُمَّ بِكَ أَسْأَلُكَ بِالَّذِيْ رَدَّ عَلَيْكَ بَصَرَكَ شَاةً أَتَبَلَّغُ بِهَا فِيْ سَفَرِيْ فَقَالَ قَدْ كُنْتُ أَعْمٰى فَرَدَّ اللهُ إِلَيَّ بَصَرِيْ فَخُذْ مَا شِئْتَ وَدَعْ مَا شِئْتَ فَوَاللهِ لَا أَجْهَدُكَ الْيَوْمَ بِشَيْئٍ أَخَذْتَهُ لِلّٰهِ فَقَالَ أَمْسِكْ مَالَكَ فَإِنَّمَا ابْتُلِيْتُمْ فَقَدْ رَضِيَ عَنْكَ وَسَخِطَ عَلٰى صَاحِبَيْكَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ بنی اسرائیل میں تین شخص تھے ان میں سے ایک تو کوڑھی تھا دوسرا گنجا اور تیسرا اندھا اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں آزمانا چاہا (کہ یہ نعمت الٰہی کا شکر ادا کرتے ہیں یا نہیں) چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کے پاس ایک فرشتہ (مسکین وفقیر کی صورت میں) بھیجا، وہ فرشتہ (پہلے) کوڑھی کے پاس آیا اور اس سے پوچھا کہ تمہیں کون سی چیز سب سے زیادہ پسند ہے؟ کوڑھی نے کہا کہ "اچھا رنگ اور جسم کی بہترین جلد نیز یہ کہ مجھے اس چیز (یعنی کوڑھ) سے نجات مل جائے جس کی وجہ سے لوگ مجھ سے گھن کرتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ فرماتے تھے کہ (یہ سن کر) فرشتہ نے کوڑھی کے بدن پر ہاتھ پھیرا، چنانچہ اس کا کوڑھ جاتا رہا اسے بہترین رنگ وروپ اور بہترین جلد عطا کر دی گئی۔ پھر فرشتہ نے پوچھا کہ (اب) تمہیں کون سا مال سب سے زیادہ پسند ہے؟ اس شخص نے کہا کہ اونٹ یا کہا گائیں (حدیث کے ایک راوی اسحق رحمۃ اللہ علیہ کو شک ہے کہ (گائے کے لئے) کوڑھی نے کہا تھا یا گنجے نے کہا تھا (بہر حال یہ طے

[1] اخرجه البخاری: ۴/۲۰۸ ومسلم: ۱۸/۹۷، ۹۹

ہے کہ) ان میں سے ایک نے تو اونٹ کے لئے کہا تھا اور دوسرے نے گائے کے لئے، آنحضرت ﷺ فرماتے تھے کہ اس شخص کو حاملہ اونٹنیاں عطا کردی گئیں پھر فرشتے نے یہ دعا دی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ تمہارے اس مال میں برکت عطا فرمائے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا پھر فرشتہ گنجے کے پاس آیا اور اس سے پوچھا کہ تمہیں کون سی چیز سب سے زیادہ پسند ہے؟ گنجے نے کہا کہ بہترین قسم کے بال اور یہ کہ یہ چیز (یعنی گنج) سے میں نجات پا جاؤں جس کی وجہ سے لوگ مجھ سے گھن کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا فرشتے نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اس کا گنج جاتا رہا نیز اسے بہترین قسم کے بال عطا کردیئے گئے۔ پھر فرشتہ نے اس سے پوچھا کہ (اب) تمہیں کون سا مال سب سے زیادہ پسند ہے؟ اس شخص نے کہا کہ گائیں چنانچہ اسے حاملہ گائیں عطا کردی گئیں، اور فرشتہ نے اسے بھی دعا دی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ تمہارے اس مال میں برکت عطا فرمائے۔ آنحضرت ﷺ فرماتے تھے کہ اس کے بعد پھر فرشتہ اندھے کے پاس آیا اور اس سے پوچھا کہ تمہیں کون سی چیز سب سے زیادہ پسند ہے؟ اندھے نے کہا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے میری بینائی دیدے تا کہ اس کے ذریعہ لوگوں کو دیکھوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا فرشتہ نے اس پر ہاتھ پھیرا اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسے اس کی بینائی عطا فرمادی، پھر فرشتہ نے اس سے پوچھا کہ (اب) تمہیں کون سا مال سب سے زیادہ پسند ہے؟ اس نے کہا بکریاں چنانچہ اسے بہت سی بچے دینے والی بکریاں عنایت فرمادی گئیں (اس کے کچھ عرصہ کے بعد) کوڑھی اور گنجے نے اونٹنیوں اور گائیوں کے ذریعہ اور اندھے نے بکریوں کے ذریعہ بچے حاصل کئے (گویا خدا نے تینوں کے مال میں بے انتہا برکت دی) یہاں تک کہ کوڑھی کے اونٹوں سے ایک جنگل بھر گیا گنجے کی گائیوں سے ایک جنگل بھر گیا اور اندھے کی بکریوں سے ایک جنگل بھر گیا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا (اس کے بعد) فرشتہ پھر کوڑھی کے پاس اپنی اسی (پہلی) شکل وصورت میں آیا۔ اور اس سے کہنے لگا کہ میں ایک مسکین شخص ہوں، میرا تمام سامان سفر کے دوران جاتا رہا ہے اس لئے آج (منزل مقصود تک) میرا پہنچنا ممکن نہیں ہے ہاں اگر اللہ تبارک وتعالیٰ کی عنایت ومہربانی ہو جائے اور اسکے بعد تم ذریعہ بن جاؤ (تو یہ میری مشکل آسان ہو جائیگی) لہٰذا میں تم سے اس ذات کا واسطہ دیکر جس نے تمہیں اچھا رنگ، بہترین جلد، اور مال عطا کیا ہے ایک اونٹ مانگتا ہوں تا کہ اس کے ذریعہ میرا سفر پورا ہو جائے اور میں اپنی منزل مقصود تک پہنچ جاؤں اس کوڑھی نے کہا کہ میرے اوپر حق بہت زیادہ ہیں (یعنی اس نے فرشتہ کو ٹالنے کے لئے جھوٹ کہا کہ میرے اس مال کے حقدار بہت ہیں اس لئے تمہیں کوئی اونٹ نہیں مل سکتا) فرشتہ نے کہا کہ میں تمہیں پہچانتا ہوں، کیا تم وہی کوڑھی نہیں ہو جس سے لوگوں کو گھن آتی تھی؟ اور تم محتاج وقلاش تھے مگر اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمہیں (بہترین رنگ وروپ کے ساتھ) صحت عطا فرمائی اور مال سے نوازا۔ کوڑھی نے کہا کہ یہ بات نہیں ہے بلکہ یہ مال تو مجھے اپنے باپ دادا کی طرف سے وراثت میں ملا ہے۔ فرشتہ نے کہا کہ تم جھوٹے ہو، تو اللہ تبارک وتعالیٰ تمہیں اسی حالت کی طرف پھیر دے جس میں تم پہلے مبتلا تھے (یعنی تمہیں پھر کوڑھی اور مفلس بنادے) آنحضرت ﷺ فرماتے تھے کہ پھر فرشتہ گنجے کے پاس اپنی اسی پہلی شکل وصورت میں آیا اور اس سے بھی وہی کہا جو اس نے کوڑھی سے کہا تھا، چنانچہ گنجے نے بھی وہی جواب دیا۔ جو جواب کوڑھی نے دیا تھا فرشتہ نے گنجے سے بھی یہی کہا کہ اگر تم جھوٹے ہو تو خدا تمہیں ویسا ہی کردے جیسا کہ تم پہلے (گنجے اور محتاج) تھے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اس کے بعد فرشتہ اندھے کے پاس اپنی اسی پہلی شکل وصورت میں آیا اور اس سے بھی یہی

کہا کہ میں ایک مسکین انسان اور مسافر ہوں میرا تمام سامان سفر کے دوران جا تا رہا ہے۔ اس لئے آج (منزل مقصود تک) پہنچنا اس شکل میں ممکن ہوسکتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی مہربانی میرے شامل حال ہو جائے اور اس کے بعد تم اس کا ذریعہ بن جاؤ۔ لہٰذا میں اس ذات کا واسطہ دے کر جس نے تمہاری بینائی واپس کر دی تم سے ایک بکری مانگتا ہوں تاکہ اس کے ذریعہ میں اپنا سفر پورا کرسکوں۔ اندھے نے (بڑی خندہ پیشانی کے ساتھ) کہا کہ بے شک پہلے میں ایک اندھا تھا اللہ تبارک وتعالیٰ نے میری بینائی واپس کر دی ہے لہٰذا (میری تمام بکریاں حاضر ہیں) اس میں تم جو چاہو لے لو اور جو نہ چاہو اسے چھوڑ دو، تم جو کچھ بھی لو گے خدا کی قسم ہے تمہیں اس کو واپس کرنے کی تکلیف نہیں دوں گا۔ (یہ سن کر) فرشتہ نے کہا کہ (تمہیں تمہارا مال مبارک) تم اپنا مال (اپنے پاس رکھو (مجھے تمہارے مال کی قطعاً ضرورت نہیں ہے) اس وقت تو صرف تمہیں آزمائش میں مبتلا کیا گیا۔ (یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمہارا امتحان لیا ہے کہ آیا تمہیں اپنا پرانا حال یاد بھی ہے یا نہیں؟ سو تم آزمائش میں پورے اترے) چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ تم سے راضی اور خوش ہوا اور تمہارے وہ دونوں (بدبخت) ساتھی (یعنی کوڑھی اور گنجا ناشکرے ثابت ہوئے اس لئے وہ) اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک مبغوض قرار پائے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "بنی اسرائیل" معلوم ہوا قصہ سابقہ امتوں میں سے تین آدمیوں کا تھا۔[1] "اقرع" اس کا ترجمہ اردو میں گنجے کے ساتھ کیا جاتا ہے لیکن اس کی حقیقت شہری لوگ نہیں جانتے ہیں دیہاتوں میں پہلے یہ مرض ہوتا تھا کہ لڑکوں کے سر میں اس طرح پھوڑے پھنسیوں کی بیماری ہو جاتی تھی کہ سر کے پورے بال اکھڑ جاتے اور کھال بھی اتر جاتی اور زخم رہ جاتے جس سے بدبو اٹھتی رہتی تھی اور کبھی بلوغ کے بعد تک یہ بیماری رہتی اور لوگ اس سے دور بھاگتے اور اس سے نفرت کرتے اور اس کو گنجے کے نام سے یاد کرتے تھے آج کل انگریزیت کا دور ہے جو لوگ سر منڈا دیتے ہیں اس سے مزاق کرتے ہوئے اسے گنجا پٹیل کہتے ہیں، یہ گنجا اور ہے وہ گنجا اور ہے۔[2]

"ملکًا" یعنی انسانی شکل میں ان کے پاس فرشتہ آ گیا سابقہ امتوں میں ایسا ہوتا تھا اور عام تھا اس امت میں یہ سلسلہ نہیں ہے[3] "الحبال" یعنی سفر کے تمام اسباب اور ذرائع کٹ گئے؟ حبل رسی کو کہتے ہیں۔[4]

"فلا بلاغ" یعنی کفایت اور پہنچنے کا کوئی ذریعہ نہیں "الا باللہ" یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کی حقیقی مدد سے۔[5]

"ثم بك" یا پھر سبب کے طور پر تیری مدد کے ذریعہ سے، یہاں ثم لاکر ادب کا خوب خیال رکھا گیا ہے کیونکہ ثم تراخی کے لئے ہے جس سے کلام الگ ہوا اگر "وبك" ہوتا تو اس میں اشتراک فعل کا شبہ آسکتا تھا جس میں سوء ادب کا خطرہ تھا۔[6]

"ناقة عشراء؟" عشراء بضم العین دس ماہ کی گابھن اونٹنی کو کہتے ہیں "شاة والدا" یعنی حاملہ بکری۔[7]

﴿۲۱﴾ وَعَنْ أُمِّ بُجَيْدٍ قَالَتْ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللهِ إِنَّ الْمِسْكِيْنَ لَيَقِفُ عَلٰى بَابِيْ حَتّٰى أَسْتَحْيِيَ فَلَا

---

[1] المرقات: ۴/۳۸۰ [2] المرقات: ۴/۳۸۱ [3] المرقات: ۴/۳۸۱ [4] المرقات: ۴/۳۸۲

[5] المرقات: ۴/۳۸۲ [6] المرقات: ۴/۳۸۳ [7] المرقات: ۴/۳۸۱

أَجِدُ فِي بَيْتِي مَا أَدْفَعُ فِي يَدِهِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِدْفَعِي فِي يَدِهِ وَلَوْ ظِلْفاً مُحَرَّقاً۔
(رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ام بجید رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ: جب کوئی سائل میرے دروازے پر کھڑا ہوتا ہے (اور مجھ سے کچھ مانگتا ہے) تو مجھے بڑی شرم محسوس ہوتی ہے کیونکہ میں اپنے گھر میں کوئی ایسی چیز نہیں پاتی جو اس کے ہاتھ میں دیدوں رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ ''اس کے ہاتھ میں کچھ نہ کچھ دیدو خواہ وہ جلا ہوا کھر ہی کیوں نہ ہو۔ (احمد، ابوداؤد، ترمذی) اور امام ترمذی نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

ایک سبق آموز واقعہ

﴿۲۲﴾ وَعَنْ مَوْلَى لِعُثْمَانَ قَالَ أُهْدِيَ لِأُمِّ سَلَمَةَ بِضْعَةٌ مِنْ لَحْمٍ وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْجِبُهُ اللَّحْمُ فَقَالَتْ لِلْخَادِمِ ضَعِيهِ فِي الْبَيْتِ لَعَلَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْكُلُهُ فَوَضَعَتْهُ فِي كُوَّةِ الْبَيْتِ وَجَاءَ سَائِلٌ فَقَامَ عَلَى الْبَابِ فَقَالَ تَصَدَّقُوا بَارَكَ اللهُ فِيكُمْ فَقَالُوا بَارَكَ اللهُ فِيكَ فَذَهَبَ السَّائِلُ فَدَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا أُمَّ سَلَمَةَ هَلْ عِنْدَكُمْ شَيْءٌ أَطْعَمُهُ فَقَالَتْ نَعَمْ قَالَتْ لِلْخَادِمِ اذْهَبِي فَأْتِي رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِذٰلِكَ اللَّحْمِ فَذَهَبَتْ فَلَمْ تَجِدْ فِي الْكُوَّةِ إِلَّا قِطْعَةَ مَرْوَةٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِنَّ ذٰلِكَ اللَّحْمَ عَادَ مَرْوَةً لِمَا لَمْ تُعْطُوهُ السَّائِلَ۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي دَلَائِلِ النُّبُوَّةِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام کہتے ہیں (ایک مرتبہ) ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں (پکے ہوئے) گوشت کا ٹکڑا تحفہ کے طور پر آیا، نبی کریم ﷺ کو چونکہ گوشت بہت مرغوب تھا اس لئے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنی لونڈی سے فرمایا۔ کہ اس گوشت کو گھر میں (حفاظت سے) رکھ دو، شاید نبی کریم ﷺ اسے تناول فرمائیں، چنانچہ لونڈی نے وہ گوشت گھر کے ایک طاق میں رکھ دیا (اتفاق کہ اسی وقت) ایک سائل نے دروازے پر کھڑے ہوکر صدا بلند کی کہ ''اے گھر والو: خدا کی راہ میں کچھ عنایت کرو، اللہ تبارک وتعالیٰ تمہیں برکت دے۔ گھر والوں نے کہا کہ ''اللہ تبارک وتعالیٰ تمہیں برکت دے'' (یعنی سائل کو جواب دیا، جیسا کہ ہمارے یہاں جب کسی سائل کو کچھ دینا نہیں ہوتا تو کہہ دیتے ہیں کہ بابا معاف کرو) سائل واپس چلا گیا جب نبی کریم ﷺ (گھر میں) تشریف لائے تو فرمایا کہ ''ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تمہارے پاس کھانے کے لئے کوئی چیز بھی ہے؟ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ ہاں، پھر انہوں نے لونڈی سے کہا کہ جاؤ اور رسول اللہ ﷺ کے واسطے وہ گوشت لے آؤ، لونڈی (گوشت لانے) چلی گئی، مگر طاق کے پاس پہنچ کر اس کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی

[1] اخرجه ابوداؤد: ۲/۱۳۰ والترمذي: ۳/۵۲ [2] اخرجه البيهقي: ۶/۳۰۰

جب اس نے دیکھا کہ) وہاں گوشت کا کہیں نام نہیں تھا۔ بلکہ (گوشت کی جگہ) سفید پتھر کا ٹکڑا رکھا ہوا تھا، آنحضرت ﷺ نے (یہ دیکھ کر) فرمایا کہ تم نے سائل کو کچھ نہ دیا (اور اسے خالی ہاتھ واپس کر دیا) اس لئے یہ گوشت سفید پتھر کی شکل اختیار کر گیا، بیہقی نے اس روایت کو دلائل النبوۃ میں نقل کیا ہے۔

توضیح: "بارك الله" یہ اصل میں سائل کے سوال کا جواب ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ تجھ پر برکت فرمادے کچھ دینے کے لئے نہیں ہے ہمیں معاف فرما،[۱] "الكوة" طاق اور دریچہ کو کہتے ہیں[۲] "رخام" مرمر کا سفید پتھر۔[۳]

﴿۲۳﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِشَرِّ النَّاسِ مَنْزِلاً قِيلَ نَعَمْ قَالَ الَّذِيْ يُسْئَلُ بِاللّٰهِ وَلَا يُعْطِيْ بِهٖ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ)[۴]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کیا میں تمہیں نہ بتلاؤں کہ خدا کے نزدیک باعتبار مرتبہ کے بدترین شخص کون ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ ہاں یارسول اللہ ﷺ (ضرور بتائیے) آپ ﷺ نے فرمایا وہ شخص جس سے خدا کے نام پر سوال کیا جائے اور وہ اس سوال کو پورا نہ کرے۔ (احمد)

توضیح: "يسئل الله" اس جملہ کا مفہوم یہ ہے کہ جس شخص سے اللہ تبارک وتعالیٰ کے نام پر سوال کیا جائے اور وہ اسے پورا کرنے کی طاقت رکھتا ہو اور پورا نہ کرے وہ بدترین شخص ہے بہرحال یعطی معروف کا صیغہ ہے اور یُسْئَل مجہول کا صیغہ ہے۔[۵]

مال اکٹھا کرنے میں حضرت ابوذر غفاری کا منفرد مسلک

﴿۲۴﴾ وَعَنْ أَبِيْ ذَرٍّ أَنَّهُ اِسْتَأْذَنَ عَلٰى عُثْمَانَ فَأَذِنَ لَهُ وَبِيَدِهٖ عَصَاهُ فَقَالَ عُثْمَانُ يَا كَعْبُ إِنَّ عَبْدَالرَّحْمٰنِ تُوُفِّيَ وَتَرَكَ مَالاً فَمَا تَرٰى فِيْهِ فَقَالَ إِنْ كَانَ يَصِلُ فِيْهِ حَقَّ اللّٰهِ فَلَا بَأْسَ عَلَيْهِ فَرَفَعَ أَبُوْذَرٍّ عَصَاهُ فَضَرَبَ كَعْبًا وَقَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا أُحِبُّ لَوْ أَنَّ لِيْ هٰذَا الْجَبَلَ ذَهَبًا أُنْفِقُهُ وَيُتَقَبَّلُ مِنِّيْ أَذَرُ خَلْفِيْ مِنْهُ سِتَّ أَوَاقِيَّ أَنْشُدُكَ بِاللّٰهِ يَا عُثْمَانُ أَسَمِعْتَهُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ قَالَ نَعَمْ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ)[۶]

ترجمہ: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ (ایک مرتبہ) انہوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے حاضری کی اجازت چاہی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں اجازت دی (جب وہ حاضر ہوئے تو) اس وقت ان کے ہاتھ میں عصا تھا (اسی موقع پر) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے (حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے جو اس وقت وہاں موجود تھے) فرمایا کہ کعب: حضرت

[۱] المرقات: ۴/۳۸۵ [۲] المرقات: ۴/۳۸۵ [۳] المرقات: ۴/۳۸۶
[۴] اخرجه احمد: ۱/۳۱۹ [۵] المرقات: ۴/۳۸۶ [۶] اخرجه احمد: ۱/۶۳

عبدالرحمٰن ابن عوف رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوگیا اور انہوں نے (اپنے پیچھے) بہت زیادہ مال چھوڑا ہے آپ ان کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ (آیا ان کے مال کی بے انتہا کثرت وزیادتی ان کے کمال ایمان کے لئے مضر تھی یا نہیں؟) حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ اس مال میں سے اللہ تبارک وتعالیٰ کا حق (یعنی زکوٰۃ صدقات وغیرہ) ادا کرتے تھے تو ان کے بارے میں کسی خوف کی گنجائش نہیں۔ (یہ سنتے ہی) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے اپنا عصا اٹھا کر حضرت کعب رضی اللہ عنہ کو مارا اور کہا کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اگر میرے پاس سونے کا یہ پہاڑ (احد) ہو اور میں اسے (خدا کی راہ میں) خرچ کردوں تو باوجودیکہ وہ مقبول بھی ہوجائے میں اسے پسند نہیں کروں گا کہ میں اس میں چھ اوقیہ (یعنی دوسو چالیس درہم) بھی (اپنے پیچھے) چھوڑ جاؤں۔ پھر حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ) عثمان: میں تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تم نے یہ ارشاد گرامی نہیں سنا ہے؟ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے یہ تین مرتبہ فرمایا: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہاں (میں نے بھی یہ ارشاد گرامی سنا ہے)۔ (احمد)

توضیح: "فضرب کعبا" یہاں کعب سے مراد کعب احبار ہے جو صحابی نہیں بلکہ تابعی ہیں عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ شان والے صحابی ہیں جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں بعد میں بڑے مالدار ہوگئے تھے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ اس امت میں مثالی زاہد تھے اگر یوں کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ وہ زہد میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ایک قسم مشابہت رکھتے تھے ان کا مسلک تھا کہ جو شخص صبح کھانا کھائے اور شام کے لئے ذخیرہ رکھے تو اس نے گناہ کا ارتکاب کیا دور صحابہ میں لوگ آپ رضی اللہ عنہ کی قدر کرتے تھے اور ہر بات قبول کرتے تھے لیکن جب تابعین پیدا ہوگئے تو لوگ ان کی بات کو زیادہ برداشت نہیں کرتے تھے تو روزانہ کوئی نہ کوئی جھگڑا اٹھ کھڑا ہوجاتا اس وجہ سے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے ان کو مدینہ سے جلاوطن کر کے مدینہ کے قریب "ربذہ" کے مقام میں ٹھہرادیا وہ وہیں پر ٹھہرے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کے مطابق وہیں پر ان کا انتقال ہوگیا وہیں پر دفن ہوئے۔

"اذر" یہ احب کا مفعول ہے اور اس سے پہلے "ان" کا حرف محذوف ہے اَیْ بِاَنْ اَذَرَ۔[1]

"انشدك" قسم کھلانے کے معنی میں ہے یعنی میں تجھے خدا کی قسم کھلا کر پوچھتا ہوں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح فرمایا تھا یا نہیں۔[2]

﴿۲۵﴾ وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ صَلَّيْتُ وَرَاءَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِيْنَةِ الْعَصْرَ فَسَلَّمَ ثُمَّ قَامَ مُسْرِعاً فَتَخَطَّى رِقَابَ النَّاسِ إِلٰى بَعْضِ حُجَرِ نِسَائِهٖ فَفَزِعَ النَّاسُ مِنْ سُرْعَتِهٖ فَخَرَجَ عَلَيْهِمْ فَرَأٰى أَنَّهُمْ قَدْ عَجِبُوْا مِنْ سُرْعَتِهٖ قَالَ ذَكَرْتُ شَيْئاً مِنْ تِبْرٍ عِنْدَنَا فَكَرِهْتُ أَنْ

---

[1] المرقات: ۳۸۶،۳۸۷/۴ [2] المرقات: ۳۸۷/۴

يَحْبِسَنِي فَأَمَرْتُ بِقِسْمَتِهِ.

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ، وَفِي رِوَايَةٍ لَهُ قَالَ كُنْتُ خَلَّفْتُ فِي الْبَيْتِ تِبْرًا مِنَ الصَّدَقَةِ فَكَرِهْتُ أَنْ أُبَيِّتَهُ) [1]

ترجمہ: اور حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ ابن حارث بیان کرتے ہیں۔ کہ (ایک دن کا واقعہ ہے کہ) میں نے مدینہ میں نبی کریم ﷺ کے پیچھے عصر کی نماز پڑھی چنانچہ جب آنحضرت ﷺ سلام پھیر چکے تو بڑی سرعت کے ساتھ کھڑے ہوئے اور لوگوں کی گردنیں پھلانگتے ہوئے اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے بعض حجروں کی طرف چلے گئے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کی سرعت سے گھبرا گئے، پھر جب آپ ﷺ حجرے سے باہر تشریف لائے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو اپنی سرعت پر متعجب دیکھا تو فرمایا کہ (اچانک) مجھے یاد آیا کہ ہمارے پاس سونے کی ایک چیز موجود ہے اور میں نے اسے ناپسند کیا کہ وہ مجھے (مقام قرب سے) روکے لہٰذا (فوراً جا کر اہل بیت کو) میں نے حکم دیا کہ سونے کی وہ چیز تقسیم کردی جائے۔ (بخاری) اور بخاری ہی کی ایک دوسری روایت میں الفاظ ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "میں زکوٰۃ میں آیا ہوا سونے کا ایک ڈلا گھر میں چھوڑ آیا تھا (جو تقسیم کرنے کے بعد بچ گیا تھا) لہٰذا میں نے یہ پسند نہیں کیا کہ میں اسے ایک رات کے لئے بھی اپنے پاس رکھوں۔

توضیح: "تبر" سونے کے ڈھلے کو کہتے ہیں۔ "یحبسنی" کا مطلب یہ ہے کہ مجھے کہیں یہ سونا مقام قرب سے نہ روکے یہ اہل اللہ کی خاص شان ہے۔ [2] "ابیته" یعنی وہ سونا میرے گھر میں رات گذارے اور میں اس کو اپنے گھر رات گذارنے کے لئے رکھوں۔ [3]

﴿۲۶﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ كَانَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدِيْ فِيْ مَرَضِهِ سِتَّةُ دَنَانِيْرَ أَوْ سَبْعَةٌ فَأَمَرَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ أُفَرِّقَهَا فَشَغَلَنِيْ وَجَعُ نَبِيِّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ سَأَلَنِيْ عَنْهَا مَا فَعَلَتِ السِّتَّةُ أَوِ السَّبْعَةُ قُلْتُ لَا وَاللّٰهِ لَقَدْ كَانَ شَغَلَنِيْ وَجَعُكَ فَدَعَا بِهَا ثُمَّ وَضَعَهَا فِيْ كَفِّهِ فَقَالَ مَا ظَنُّ نَبِيِّ اللّٰهِ لَوْ لَقِيَ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ وَهٰذِهِ عِنْدَهُ. (رَوَاهُ أَحْمَدُ) [4]

ترجمہ: اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی بیماری کے دوران میرے پاس آپ ﷺ کی چھ یا سات اشرفیاں تھیں، لہٰذا آپ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ میں انہیں تقسیم کردوں لیکن آپ ﷺ کی بیماری نے ان (کو تقسیم کرنے سے) باز رکھا (یعنی آپ ﷺ کی بیماری کی وجہ سے مجھے ان کو تقسیم کرنے کی مہلت ہی نہ ملی) چنانچہ مجھ سے آنحضرت ﷺ نے پھر دریافت فرمایا کہ ان چھ یا سات اشرفیوں کا کیا ہوا؟ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (کہتی ہیں کہ میں) نے عرض کیا کہ میں نے انہیں ابھی تقسیم نہیں کیا ہے، خدا کی قسم (آپ ﷺ کی بیماری نے اسے تقسیم کرنے سے) مجھے باز رکھا ہے (یہ سن کر) آنحضرت ﷺ نے ان اشرفیوں کو منگوایا اور انہیں اپنے ہاتھوں پر رکھ کر فرمایا کہ "کیا یہ گمان (کیا جاسکتا ہے) کہ خدا کا

[1] اخرجه البخاری: ۱/۲۱۵　[2] المرقات: ۴/۳۸۸　[3] المرقات: ۴/۳۸۸　[4] اخرجه احمد: ۶/۱۰۴

نبی اللہ عزوجل سے اس حال میں ملاقات کرے کہ یہ اشرفیاں اس کے پاس ہوں۔ (احمد)

﴿۲۷﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَى بِلَالٍ وَعِنْدَهُ صُبْرَةٌ مِنْ تَمْرٍ فَقَالَ مَا هٰذَا يَا بِلَالُ قَالَ شَيْءٌ ادَّخَرْتُهُ لِغَدٍ فَقَالَ أَمَا تَخْشَى أَنْ تَرَى لَهُ غَدًا بُخَارًا فِي نَارِ جَهَنَّمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَنْفِقْ بِلَالُ وَلَا تَخْشَ مِنْ ذِي الْعَرْشِ إِقْلَالًا۔

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائے تو (دیکھا کہ) ان کے نزدیک کھجوروں کا ڈھیر پڑا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ بلال: یہ کیا ہے؟ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ وہ چیز ہے جسے میں نے کل (یعنی آئندہ پیش آنے والی اپنی ضرورت) کے لئے جمع کیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ کل قیامت کے دن دوزخ کی آگ میں تم اس کا بخار دیکھو (پھر فرمایا) بلال اس ذخیرہ کو (خدا کی راہ میں) خرچ کردو اور صاحب عرش سے فقر وافلاس کا خوف نہ کرو۔

﴿۲۸﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السَّخَاءُ شَجَرَةٌ فِي الْجَنَّةِ فَمَنْ كَانَ سَخِيًّا أَخَذَ بِغُصْنٍ مِنْهَا فَلَمْ يَتْرُكْهُ الْغُصْنُ حَتّٰى يُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ وَالشُّحُّ شَجَرَةٌ فِي النَّارِ فَمَنْ كَانَ شَحِيحًا أَخَذَ بِغُصْنٍ مِنْهَا فَلَمْ يَتْرُكْهُ الْغُصْنُ حَتّٰى يُدْخِلَهُ النَّارَ۔ (رَوَاهُمَا الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيْمَانِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "سخاوت" بہشت میں ایک درخت ہے لہٰذا جو شخص سخی ہوگا وہ اس کی ٹہنی پکڑ لے گا چنانچہ وہ ٹہنی اسے نہیں چھوڑے گی یہاں تک کہ اسے بہشت میں داخل نہ کرادے (اگر چہ وہ آخر الامر ہو) اسی طرح بخل دوزخ میں ایک درخت ہے لہٰذا جو شخص بخیل ہوگا وہ اس کی ٹہنی پکڑ لے گا چنانچہ وہ ٹہنی اسے نہیں چھوڑے گی۔ یہاں تک کہ اسے دوزخ میں داخل نہ کرادے یہ دونوں روایتیں بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کی ہیں۔

﴿۲۹﴾ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَادِرُوْا بِالصَّدَقَةِ فَإِنَّ الْبَلَاءَ لَا يَتَخَطَّاهَا۔ (رَوَاهُ رَزِيْنٌ)

ترجمہ: اور حضرت علی رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "خدا کی راہ میں خرچ کرنے میں جلدی کرو (یعنی موت یا بیماری سے پہلے صدقہ دو) کیونکہ صدقہ دینے سے بلا نہیں بڑھتی (یعنی خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے بلائیں ٹلتی ہیں)۔

(رزین)

[1] اخرجه البيهقي: ۷/۴۳۵

مورخہ ۱۶ جمادی الثانی ۱۴۱۰ھ

باب فضل الصدقة

صدقہ کی فضیلت

ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقات میں لکھا ہے کہ صدقہ ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو کوئی انسان اپنے مال میں سے قرب الٰہی کے حصول کے لئے نکال کر دیتا ہے خواہ یہ صدقہ فرض ہو یا واجب ہو یا نفل ہو اس کو صدقہ اس لئے کہا گیا ہے کہ صدقہ دینے والے کے صدق ایمان پر دلالت کرتا ہے یا جنت کی نعمتوں کی سچی رغبت پر دلالت کرتا ہے۔[1]

الفصل الاول

اللہ تعالیٰ مصدق کے صدقہ کو بڑھاتا ہے

﴿۱﴾ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَصَدَّقَ بِعِدْلِ تَمْرَةٍ مِنْ كَسْبٍ طَيِّبٍ وَلَا يَقْبَلُ اللّٰهُ إِلَّا الطَّيِّبَ فَإِنَّ اللّٰهَ يَتَقَبَّلُهَا بِيَمِينِهِ ثُمَّ يُرَبِّيهَا لِصَاحِبِهَا كَمَا يُرَبِّي أَحَدُكُمْ فُلُوَّهُ حَتّٰى تَكُونَ مِثْلَ الْجَبَلِ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کھجور برابر (خواہ صورت میں خواہ قیمت میں) حلال کمائی میں خرچ کرے (اور یہ جان لو) کہ اللہ تبارک وتعالیٰ صرف مال حلال قبول کرتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اسے اپنے داہنے ہاتھ سے قبول کرتا ہے اور پھر اس (صدقہ) کو صدقہ دینے والے کے لئے اسی طرح پالتا ہے۔ جیسا کہ تم میں سے کوئی اپنا بچھیرا پالتا ہے یہاں تک کہ وہ (صدقہ یا اس کا ثواب) پہاڑ کی مانند ہو جاتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "الا الطیب" یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ حلال مال کے علاوہ کسی حرام مال کا صدقہ قبول نہیں فرماتا، شاعر کہتا ہے ؎

مایقبل اللہ الا کل طیبة ماکل من حج بیت اللہ مبرور

وقیل یحجون بالمال الذی یجمعونه حراما الی البیت العتیق المحرم

فقہاء نے لکھا ہے کہ جو شخص حرام مال کا صدقہ ثواب کے حصول کی نیت سے کرتا ہے تو اس کے کافر ہو جانے کا خطرہ ہے فقہاء لکھتے ہیں کہ اگر کوئی حرام مال کسی کے پاس ہو اور وہ شخص کسی غریب فقیر کو دینا چاہتا ہو تو ثواب کی نیت نہ کرے بلکہ فراغ ذمہ

[1] المرقات: ۴/۳۹۰ [2] اخرجه البخاری: ۲/۱۳۴ ومسلم: ۹۷/۷، ۹۹

کی نیت سے دیدیا کرے۔

"بیمینہ" داہنے ہاتھ کا ذکر اعزاز واکرام کی طرف اشارہ ہے کیونکہ قابل احترام چیز کو دائیں ہاتھ سے لیا اور دیا جاتا ہے۔

"یربی" تربیۃ سے ہے بڑھانے کے معنی میں ہے۔ [۱]

"فلوہ" گھوڑے کے بچے کو فلوہ کہتے ہیں جس طرح شوق واہتمام سے ایک آدمی اپنے گھوڑے کے بچھڑے کو پالتا ہے اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ اس شخص کے صدقہ کو بڑھاتا ہے یربی سے [۲] {ویربی الصدقات} [۳] آیت کی طرف اشارہ ہے ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقات میں شیخ علی متقی رحمۃ اللہ علیہ کا حلال مال صدقہ کرنے سے متعلق عجیب قصہ لکھا ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔

صدقہ کرنے سے مال کم نہیں ہوتا

﴿۲﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِنْ مَالٍ وَمَا زَادَ اللّٰهُ عَبْداً بِعَفْوٍ إِلَّا عِزًّا وَمَا تَوَاضَعَ أَحَدٌ لِلّٰهِ إِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) [۴]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "صدقہ دینا مال میں کمی نہیں کرتا، اور جو شخص کسی کی خطا معاف کر دیتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی عزت میں اضافہ کرتا ہے نیز جو شخص محض خدا کے لئے تواضع وعاجزی اختیار کرتا ہے، تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کا مرتبہ بلند کرتا ہے۔ (مسلم)

توضیح: "مانقصت" اس حدیث میں تین چیزوں کا ذکر ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور ضمانت یہ ارشاد فرمایا ہے اول یہ کہ صدقہ سے مال گھٹتا نہیں حالانکہ لوگ عام طور پر یہی سمجھتے ہیں کہ مال گھٹتا ہے۔ دوم یہ کہ کسی مجرم کے معاف کرنے سے معاف کرنے والے کی عزت بڑھتی ہے حالانکہ لوگ سمجھتے ہیں کہ عزت گھٹ جائے گی۔ سوم یہ کہ تواضع کرنے سے اللہ تبارک وتعالیٰ متواضع آدمی کو بلندی عطا کرتا ہے حالانکہ بظاہر اس نے اپنے درجہ کو نیچے گرا دیا ہے۔ [۵]

جنت ایک ہے دروازے آٹھ ہیں

﴿۳﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَنْفَقَ زَوْجَيْنِ مِنْ شَيْءٍ مِنَ الْأَشْيَاءِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ دُعِيَ مِنْ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ وَلِلْجَنَّةِ أَبْوَابٌ فَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الصَّلَاةِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الصَّلَاةِ وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الْجِهَادِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الْجِهَادِ وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الصَّدَقَةِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الصَّدَقَةِ وَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الصِّيَامِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الرَّيَّانِ فَقَالَ أَبُوْبَكْرٍ مَا عَلَى مَنْ دُعِيَ مِنْ تِلْكَ الْأَبْوَابِ

---

[۱] المرقات: ۴/۳۹۱ [۲] المرقات: ۴/۳۹۱ [۳] بقرۃ الآیہ ۲۷۶ [۴] المرقات: ۴/۳۹۱ [۵] اخرجہ مسلم: ۱۶/۱۴۱

مِنْ ضَرُوْرَةٍ فَهَلْ يُدْعٰى أَحَدٌ مِنْ تِلْكَ الْأَبْوَابِ كُلِّهَا قَالَ نَعَمْ وَأَرْجُوْ أَنْ تَكُوْنَ مِنْهُمْ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو شخص (اپنی) چیزوں میں دوہری (دوگنی) چیز اللہ تبارک وتعالیٰ کی راہ میں (یعنی اس کی رضاء وخوشنودی کی خاطر) خرچ کرے گا تو اسے جنت کے دروازوں سے بلایا جائیگا۔ اور جنت کے کئی (یعنی آٹھ) دروازے ہیں، چنانچہ جو شخص اہل نماز (یعنی بہت زیادہ نماز پڑھنے والا) ہوگا اسے جنت کے ''باب الصلاۃ'' (نماز کے دروازہ) سے بلایا جائے گا (جو اہل نماز ہی کے لئے مخصوص ہوگا اور اس سے کہا جائے گا کہ اے بندے: اس دروازہ کے ذریعہ جنت میں داخل ہو جاؤ) اور جو شخص جہاد کرنے والا (یعنی خدا کی راہ میں بہت زیادہ لڑنے والا) ہوگا اسے ''باب الجہاد'' (جہاد کے دروازہ) سے بلایا جائے گا۔ جو شخص صدقہ دینے والا (یعنی خدا کی راہ میں بہت زیادہ اپنا مال خرچ کرنے والا) ہوگا اسے ''باب الصدقہ'' (یعنی صدقہ کے دروازہ) سے بلایا جائے گا۔ اور جو شخص (بہت زیادہ) روزے رکھنے والا ہوگا اسے ''باب الریان'' (یعنی باب الصیام سے کہ جنت میں روزہ کے دروازہ کا یہی نام ہے) بلایا جائے گا (یہ سن کر) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ''(اگرچہ) جو شخص ان دروازوں میں سے کسی ایک دروازہ سے بھی بلایا جائے گا اس کو تمام دروازوں سے بلائے جانے کی ضرورت نہیں ہے (کیونکہ ایک دروازہ سے بلایا جانا بھی کافی ہوگا۔ بایں طور کہ مقصد تو جنت میں داخل ہونا ہوگا اور یہ ایک ہی دروازے سے بھی حاصل ہو جائے گا پھر میں صرف علم کی خاطر جاننا چاہتا ہوں کہ) کیا کوئی ایسا (خوش نصیب وباسعادت) شخص بھی ہوگا، جسے ان تمام دروازوں سے بلایا جائے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں: اور مجھے امید ہے کہ تم انہیں لوگوں میں سے ہو گے (جنہیں تمام دروازوں سے بلایا جائے گا)۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: ''من انفق زوجین'' زوجین جوڑے کو کہتے ہیں اس سے مراد یہ ہے کہ ایک جنس میں سے دو چیزیں دیدی مثلاً دو درہم دیئے یا دو دینار دیئے دو سیر گندم دیئے دو غلام یا دو کپڑے دیئے یا دو اونٹ دیئے الگ الگ انواع دینا مراد نہیں ہے۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ زوجین مسلسل صدقہ کرنے سے تعبیر ہے کہ ایک دفعہ صدقہ کرنے کے بعد پھر دیا

''ابواب'' یعنی جنت کے آٹھ دروازے ہیں جیسا کہ صریح صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ (مرقات)[2]

''باب الریان'' چونکہ روزہ سے آدمی کو پیاس لگتی ہے اور وہ سیراب ہونے کو نہایت شوق سے چاہتا ہے اس لئے اس کے داخل ہونے والے دروازہ کا نام ریان رکھا گیا جو سیراب کرنے کے معنی میں ہے۔[3]

''من ضرورۃ'' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا سوال یہ تھا کہ جنت میں داخل ہونا مقصود ہے خواہ ایک ہی دروازہ سے کوئی داخل ہو جائے تمام دروازوں سے بلایا جانا اور داخل ہونا کوئی ضروری نہیں لیکن یا رسول اللہ! کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ کسی شخص کو ان

[1] اخرجہ البخاری: ۳/۳۲ ومسلم: ۱۱۵/۷، ۱۱۸ [2] المرقات: ۴/۳۹۲ [3] المرقات: ۴/۳۹۳

تمام دروازوں سے بلایا جائے؟ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہاں ایسا ہو سکتا ہے اور مجھے امید ہے کہ تم انہیں لوگوں میں سے ہونگے۔ [۱]

"فهل يدعى" کے لئے ما على من دعى الخ کلام بطور تمہید کہا گیا ہے۔ [۲]

کسی دن چار کام کرو اور جنت کماؤ

﴿۴﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَصْبَحَ مِنْكُمُ الْيَوْمَ صَائِمًا قَالَ أَبُوْبَكْرٍ أَنَا قَالَ فَمَنْ تَبِعَ مِنْكُمُ الْيَوْمَ جِنَازَةً قَالَ أَبُوْبَكْرٍ أَنَا قَالَ فَمَنْ أَطْعَمَ مِنْكُمُ الْيَوْمَ مِسْكِيْنًا قَالَ أَبُوْبَكْرٍ أَنَا قَالَ فَمَنْ عَادَ مِنْكُمُ الْيَوْمَ مَرِيْضًا قَالَ أَبُوْبَكْرٍ أَنَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اجْتَمَعْنَ فِيْ إِمْرِيءٍ إِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) [۳]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ (ایک دن صحابہ رضی اللہ عنہم کو مخاطب کرتے ہوئے) رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ آج تم میں سے کون شخص روزہ سے ہے؟ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں روزہ سے ہوں آپ ﷺ نے فرمایا آج تم میں سے کون شخص جنازہ کے ساتھ (نماز جنازہ کے لئے یا قبرستان) گیا ہے؟ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "میں" آپ ﷺ نے فرمایا "آج تم میں سے کس شخص نے مسکین کو کھانا کھلایا ہے" حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "میں نے" آنحضرت ﷺ نے فرمایا "آج تم میں سے کس شخص نے بیمار کی عیادت کی ہے؟" حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "(سن لو)" جس شخص میں یہ باتیں جمع ہوتی ہیں وہ جنت میں داخل ہوگا۔ (مسلم)

توضیح: "انا" یعنی میں نے ایسا کیا ہے کسی کے پوچھنے پر اپنے پوشیدہ اعمال کا تذکرہ کرنا جائز ہے مگر بقدر سوال جواب ہو ایسا نہیں کہ منبر پر بیٹھ کر پورے چلّے کے نیک کاموں کو گننا شروع کر دیا اس سے سارے اعمال ضائع ہو جائیں گے یہاں صدیق اکبر نے چار باتوں کو بتا دیا ہے لیکن ہر بات کے متعلق حضور ﷺ کی طرف سے سوال ہوا ہے از خود نہیں بتایا یہ عجیب نسخہ ہے اگر آج بھی کسی شخص کو اسکی توفیق ہو جائے تو آج بھی جنت کا وعدہ ہے اس کو تلاش کرنا کوئی مشکل نہیں ہے حرمین شریفین میں رمضان میں روزہ ہوتا ہے جنازہ ضرور آتا ہے ساتھیوں میں سے مسکین ہوتے ہیں اور مریضوں کی بھی کمی نہیں ہوتی ہے عجیب دولت ہے جو کم خرچ بالا نشین کے انداز میں مل جاتی ہے۔ [۴]

کم تر چیز کے تحفہ کو بھی حقیر نہ سمجھا جائے

﴿۵﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَانِسَاءَ الْمُسْلِمَاتِ لَاتَحْقِرَنَّ جَارَةٌ لِجَارَتِهَا

---

[۱] المرقات: ۴/۳۹۳ [۲] المرقات: ۴/۳۹۴ [۳] اخرجه مسلم: ۱۵/۱۵۶ [۴] المرقات: ۴/۳۹۴

وَلَوْ فِرْسِنَ شَاةٍ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے مسلمان عورتوں: کوئی پڑوسن اپنی پڑوسن کو (تحفہ بھیجنے یا صدقہ دینے کو) حقیر نہ جانے اگر چہ وہ بکری کا کھر ہی کیوں نہ ہو۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "یانساء المسلمات" اس کلام کے دو مفہوم ہیں پہلا مفہوم یہ کہ ایک پڑوسن کے پاس جو کچھ ہو خواہ وہ چیز حقیر سے حقیر کیوں نہ ہوں اسے دوسری پڑوسن کے لئے بطور تحفہ بھیجنا چاہئے اس طرح اس کلام میں عطیہ کرنے والی عورتوں کو خطاب ہے۔

دوسرا مفہوم یہ ہے کہ ایک پڑوسن کو دوسری پڑوسن نے کوئی حقیر تحفہ بھیجا تو وہ اسے حقیر جان کر قبول کرنے سے انکار نہ کرے بلکہ حقیر سے حقیر چیز کو بھی قبول کرنا چاہئے اس طرح اس کلام میں ان عورتوں کو خطاب ہے جن کی طرف عطیہ بھیجا گیا ہو، اور عورتوں کے مزاج میں چونکہ قلیل چیز قبول کرنے کی جرأت اور برداشت کم ہوتی ہے اس لئے ان کو خطاب کیا گیا ہے "فرسن" بکری کے کھروں کے درمیان ایک بیکار سا چپڑا نما گوشت ہوتا ہے اسی کو فرسن کہا گیا ہے اس سے بطور مبالغہ شئ قلیل کا ارادہ کیا گیا ہے، عام طور پر اس کا ترجمہ کھر سے کیا جاتا ہے۔[2]

﴿۶﴾ وَعَنْ جَابِرٍ وَحُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ مَعْرُوْفٍ صَدَقَةٌ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[3]

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ وحضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہر نیکی صدقہ ہے"۔ (بخاری ومسلم)

﴿۷﴾ وَعَنْ أَبِيْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ شَيْئًا وَلَوْ أَنْ تَلْقٰى أَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلِيْقٍ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[4]

ترجمہ: اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم کسی بھی نیک کام کو حقیر (کم تر) نہ جانو اگر چہ تم اپنے بھائی سے خوش روئی کے ساتھ ملو۔

نیکی حاصل کرنے کے مختلف مراتب

﴿۸﴾ وَعَنْ أَبِيْ مُوْسَى الْأَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ صَدَقَةٌ قَالُوْا فَإِنْ لَمْ يَجِدْ قَالَ فَلْيَعْمَلْ بِيَدَيْهِ فَيَنْفَعُ نَفْسَهُ وَيَتَصَدَّقُ قَالُوْا فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ أَوْ لَمْ يَفْعَلْ

[1] اخرجه البخاری: ۳/۲۰۱ ومسلم: ۷/۱۱۹ [2] المرقات: ۴/۳۹۵، ۳۹۶

[3] اخرجه البخاری: ۸/۱۳ ومسلم: ۷/۹۰، ۹۱ [4] اخرجه مسلم: ۱۶/۱۷۷

قَالَ فَيُعِينُ ذَا الْحَاجَةِ الْمَلْهُوفَ قَالُوا فَإِنْ لَمْ يَفْعَلْهُ قَالَ فَيَأْمُرُ بِالْخَيْرِ قَالُوا فَإِنْ لَمْ يَفْعَلْ قَالَ فَيُمْسِكُ عَنِ الشَّرِّ فَإِنَّهُ لَهُ صَدَقَةٌ۔ (مُتفقٌ عَلَيْه)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا (نعمت الٰہی کے شکر کے پیش نظر) ہر مسلمان پر صدقہ لازم ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے (یہ سن کر) عرض کیا کہ "اگر کسی کے پاس صدقہ کرنے کے لئے کچھ ہو ہی نہ؟ (تو وہ کیا کرے) آپ ﷺ نے فرمایا "ایسے شخص کو چاہیئے کہ وہ اپنے دونوں ہاتھوں کے ذریعہ مال وزر کمائے اور (اس طرح) اپنی ذات کو (فائدہ) پہنچائے اور صدقہ وخیرات بھی کرے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا "اگر وہ اس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو (کہ محنت مزدوری کر کے کما ہی سکے) یا کہا کہ اگر وہ یہ بھی نہ کر سکتا ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا اسے چاہیئے کہ وہ (جس طرح بھی ہو سکے) غمگین وحاجتمند داد خواہ کی مدد کرے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ اگر وہ یہ بھی نہ کر سکے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اسے چاہیئے کہ وہ (دوسروں کو) نیکی وبھلائی کی ہدایت کرے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ اگر وہ یہ بھی نہ کر سکے؟ آپ ﷺ نے فرمایا پھر اسے چاہیئے کہ وہ (خود اپنے تئیں یا دوسروں کو) برائی (تکلیف) پہنچانے سے روکے اس کے لئے یہی صدقہ ہے (یعنی اسے صدقہ کا ثواب ملے گا)۔
(بخاری ومسلم)

جسم کے ہر جوڑ پر ہر روز صدقہ واجب ہے

﴿۹﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ سُلَامَى مِنَ النَّاسِ عَلَيْهِ صَدَقَةٌ كُلَّ يَوْمٍ تَطْلُعُ فِيهِ الشَّمْسُ يَعْدِلُ بَيْنَ الِاثْنَيْنِ صَدَقَةٌ وَيُعِينُ الرَّجُلَ عَلَى دَابَّتِهِ فَيَحْمِلُ عَلَيْهَا أَوْ يَرْفَعُ عَلَيْهَا مَتَاعَهُ صَدَقَةٌ وَالْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ صَدَقَةٌ وَكُلُّ خَطْوَةٍ يَخْطُوهَا إِلَى الصَّلَاةِ صَدَقَةٌ وَيُمِيطُ الْأَذَى عَنِ الطَّرِيقِ صَدَقَةٌ۔ (مُتفقٌ عَلَيْه)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "انسان کے بدن میں مفاصل (جوڑ) ہیں ان پر (یعنی ان کی طرف) ہر روز صدقہ دینا لازم ہے اور دو آدمیوں کے درمیان عدل کرنا بھی صدقہ ہے کسی انسان کی بایں طور مدد کرنا کہ اس کے جانور پر اسے سوار کرا دینا یا اس کا مال واسباب رکھوا دینا یہ بھی صدقہ ہے اچھی بات بھی صدقہ ہے ہر وہ قدم جو نماز کے لئے رکھا جائے وہ بھی صدقہ ہے اور راستہ سے تکلیف دہ چیز کو ہٹا دینا بھی صدقہ ہے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "سلامی" سین پر ضمہ ہے اور میم پر فتحہ ہے جس کے بعد الف مقصورہ ہے۔ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "سلامی جمع ہے اس کا مفرد سُلامیۃ ہے جو انگلیوں کے پوروں پر بولا جاتا ہے۔ لیکن بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس لفظ کا مفرد اور جمع ایک جیسے ہے یعنی سلامی مفرد بھی ہے اور جمع بھی ہے اور سلامیات بھی جمع آتی ہے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ

---

[1] اخرجه البخاری: ۲/۱۴۳ ومسلم: ۷/۹۵ [2] اخرجه البخاری: ۳/۲۲۵ ومسلم: ۷/۹۳

فرماتے ہیں کہ "**وھو عظم الاصبع**" یعنی انگلی کے جوڑ اور ہڈی کو سلامی کہتے ہیں لیکن یہاں انسان کے جسم کے سارے جوڑ مراد ہیں۔ اور جسم چونکہ جوڑوں پر گھومتا پھرتا ہے اس لئے جوڑوں پر صدقہ کا ذکر کیا گیا اصل میں انسان پر بطور شکر یہ صدقہ واجب کیا گیا ہے کہ صدقہ صرف اس کا نام نہیں ہے کہ خدا کے راستہ میں کوئی مال خرچ کیا جائے بلکہ دو آدمیوں کے درمیان عدل وانصاف کے ساتھ فیصلہ [1] کرنا بھی صدقہ ہے۔

"**وکل خطوۃ**" قدم اٹھانے سے صرف وہ قدم مراد نہیں جو نماز کے لئے اٹھائے جائیں بلکہ ہر نیک کام کیلئے اٹھایا جانے والا قدم بھی اس میں شامل ہے مثلاً طواف کے لئے یا بیمار کی عیادت کے لئے یا جنازہ میں شرکت کے لئے جو قدم اٹھائے جائیں وہ صدقہ ہے جس سے جوڑوں پر واجب صدقہ کا حق ادا ہو جاتا ہے۔ [2]

انسان کے جسم میں تین سو ساٹھ جوڑ ہیں

﴿۱۰﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُلِقَ كُلُّ إِنْسَانٍ مِنْ بَنِيْ آدَمَ عَلٰى سِتِّيْنَ وَثَلَاثَمِائَةَ مَفْصِلٍ فَمَنْ كَبَّرَ اللّٰهَ وَحَمِدَ اللّٰهَ وَهَلَّلَ اللّٰهَ وَسَبَّحَ اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ اللّٰهَ وَعَزَلَ حَجَراً عَنْ طَرِيْقِ النَّاسِ أَوْ شَوْكَةً أَوْ عَظْماً أَوْ أَمَرَ بِمَعْرُوْفٍ أَوْ نَهٰى عَنْ مُنْكَرٍ عَدَدَ تِلْكَ السِّتِّيْنَ وَالثَّلَاثَمِائَةَ فَإِنَّهُ يَمْشِيْ يَوْمَئِذٍ وَقَدْ زَحْزَحَ نَفْسَهُ عَنِ النَّارِ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) [3]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "اولاد آدم میں سے ہر انسان تین سو ساٹھ مفاصل (جوڑوں) کے ساتھ پیدا کیا گیا ہے۔ لہٰذا جو کوئی **اللہ اکبر الحمد للہ، لا الہ الا اللہ** اور **سبحان اللہ** کہے اور خدا سے استغفار کرے نیز لوگوں کے راستہ سے پتھر، کانٹا اور ہڈی (یعنی ہر تکلیف دہ چیز) ہٹادے یا نیک کام کرنے کا حکم دے یا برے افعال واقوال سے روکے اور یہ (سب یا بعض اقوال وافعال) جوڑوں کی تین سو ساٹھ تعداد کے مطابق کرے تو وہ اس دن اس حالت میں چلتا ہے گویا اس نے اپنے آپ کو آگ سے بچا رکھا ہے۔ (مسلم)

صدقہ کا مفہوم عام ہے

﴿۱۱﴾ وَعَنْ أَبِيْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ بِكُلِّ تَسْبِيْحَةٍ صَدَقَةً وَكُلِّ تَكْبِيْرَةٍ صَدَقَةً وَكُلِّ تَحْمِيْدَةٍ صَدَقَةً وَكُلِّ تَهْلِيْلَةٍ صَدَقَةً وَأَمْرٍ بِالْمَعْرُوْفِ صَدَقَةً وَنَهْيٍ عَنِ الْمُنْكَرِ صَدَقَةً وَفِيْ بُضْعِ أَحَدِكُمْ صَدَقَةً قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَيَأْتِيْ أَحَدُنَا شَهْوَتَهُ وَيَكُوْنُ لَهُ فِيْهَا أَجْرٌ قَالَ

[1] الکاشف: ۴/۱۱۸ المرقات: ۴/۳۹۷ [2] المرقات: ۴/۳۹۸ [3] اخرجه مسلم: ۲/۹۲، ۹۳

أَرَأَيْتُمْ لَوْ وَضَعَهَا فِي حَرَامٍ أَكَانَ عَلَيْهِ فِيهِ وِزْرٌ فَكَذٰلِكَ إِذَا وَضَعَهَا فِي الْحَلَالِ كَانَ لَهُ أَجْرًا.

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہر تسبیح یعنی سبحان اللہ کہنا صدقہ ہے ہر تکبیر یعنی اللہ اکبر کہنا صدقہ ہے ہر تحمید یعنی الحمد للہ کہنا صدقہ ہے، ہر تہلیل یعنی لا الٰہ الا اللہ کہنا صدقہ ہے، نیکی کا حکم کرنا صدقہ ہے ہر برائی سے روکنا بھی صدقہ ہے اور اپنی بیوی یا اپنی لونڈی سے صحبت کرنا صدقہ ہے صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ہم میں سے کوئی اپنی شہوت پوری کرے اور اسے اس میں ثواب ملے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مجھے بتاؤ کہ اگر کوئی شخص حرام ذریعہ (یعنی زنا) سے اپنی شہوت پوری کرے تو آیا اسے گناہ ملے گا یا نہیں؟ (ظاہر ہے کہ یقینا اسے گناہ ملے گا) لہٰذا اسی طرح جب وہ حلال ذریعہ (یعنی اپنی بیوی اور اپنی لونڈی) سے شہوت پوری کرے گا، تو اسے ثواب ملے گا۔ (مسلم)

بہترین صدقہ

﴿۱۲﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِعْمَ الصَّدَقَةُ اللِّقْحَةُ الصَّفِيُّ مِنْحَةً وَالشَّاةُ الصَّفِيُّ مِنْحَةً تَغْدُوا بِإِنَاءٍ وَتَرُوحُ بِآخَرَ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بہت دودھ والی اونٹنی کسی کو دودھ پینے کے لئے عاریۃ دینا بہترین صدقہ ہے بہت دودھ دینے والی بکری کسی کو دودھ پینے کے لئے عاریۃ دینا بہترین صدقہ ہے۔ وہ صبح کو باسن بھر دودھ دیتی ہے اور شام کو باسن بھر دودھ دیتی ہے۔ (بخاری و مسلم)

توضیح: "اللقحة" اس اونٹنی کو لقحۃ کہتے ہیں جس میں دودھ زیادہ ہو اور کچھ عرصہ پہلے اس نے بچہ دیا ہو، [3] "الصفی" یہ لقحۃ کی صفت ہے اس سے مراد کثیر دودھ والی اونٹنی ہے۔ [4] "منحة" میم پر کسرہ ہے عطیۃ کے معنی میں ہے **منحة** کا لفظ عرب میں بہت مشہور و معروف تھا کیونکہ اس پر عرب معاشرہ میں عام عمل ہوتا تھا طریقہ یہ تھا کہ کسی شخص کے پاس دودھ والی اونٹنی یا گائے بکری ہوتی تو وہ اس کو عاریت کے طور پر اپنے خاندان وغیرہ کے کسی ایسے آدمی کو دیتا تھا جس کے پاس دودھ کا انتظام نہیں ہوتا تھا۔ تاکہ وہ اس کے دودھ سے فائدہ اٹھائے اور پھر واپس کرے۔ [5]

"**تغدو باناء**" یہ جملہ منحۃ کے لئے صفت مادحہ اور صفت کاشفہ ہے یعنی اس شخص کے اس فعل کی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تعریف و تحسین فرمائی ہے کہ ایسا منحہ ہے کہ اس سے صبح و شام برتن بھر بھر کر دودھ حاصل کیا جاتا ہے۔ [6]

[1] اخرجه البخاری: ح ۲۳۷ و مسلم: ۷/۹۱ [2] اخرجه البخاری: ۳/۲۶۱ و مسلم: ۷/۱۰۶ [3] المرقات: ۴/۴۰۰
[4] المرقات: ۴/۴۰۰ [5] المرقات: ۴/۴۰۰ [6] المرقات: ۴/۴۰۰

کھیت میں فصل اگانے کا ثواب

﴿۱۳﴾ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَامِنْ مُسْلِمٍ يَغْرِسُ غَرْسًا أَوْ يَزْرَعُ زَرْعًا فَيَأْكُلُ مِنْهُ إِنْسَانٌ أَوْ طَيْرٌ أَوْ بَهِيْمَةٌ إِلَّا كَانَتْ لَهُ صَدَقَةٌ.

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ عَنْ جَابِرٍ وَمَا سُرِقَ مِنْهُ لَهُ صَدَقَةٌ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو مسلمان کوئی درخت لگاتا ہے یا کھیت بوتا ہے اور پھر انسان یا پرند اور چرند (مالک کی مرضی کے بغیر) اس میں سے کچھ کھاتے ہیں تو (یہ نقصان) مالک کے لئے صدقہ ہو جاتا ہے۔ (بخاری و مسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں، جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، یہ الفاظ بھی ہیں کہ اور اس میں سے جو کچھ چوری ہو جاتا ہے وہ مالک کے لئے صدقہ ہے۔

توضیح: "اوبھیمۃ" یعنی کھیتی کرنے والے نے جب فصل اگائی اور اس سے کسی جانور یا کسی پرند چرند نے کھایا اور یا کسی انسان نے چوری کیا، یہ سب کسان اور کھیتی اگانے والے کے حق میں صدقہ ہے اس سے کاشتکاری کی عمومی فضیلت کا خوب اندازہ ہو گیا فصل کا عمومی فائدہ یہ بھی ہے کہ ایک طرف غلہ ہے جس سے انسان فائدہ اٹھاتا ہے تو دوسری طرف بھوسہ ہے جس سے جانور فائدہ اٹھاتا ہے نیز فصل کے زوائد سے لکڑیوں کا کام بھی لیا جاتا ہے بہر حال فصل اور زراعت کے بہت زیادہ فوائد ہیں "اویزرع" میں او تنویع کے لئے ہے۔[۲]

سوال: یہاں پر اعتراض ہے کہ پرند چرند اور چور کے چوری سے مالک کو کیسے ثواب ملے گا حالانکہ اس نے زمین میں کاشت کے وقت اس کی نیت نہیں کی تھی بغیر نیت کے ثواب کیسے ملے گا؟

جواب: حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کھیتی کا مقصود اصلی مطلقاً نوع انسانی وحیوانی کی بقاء ہے یہ اجمالی نیت ہے جو کسان کے دل و دماغ میں ہوتی ہے اب اگر کسی جانور نے اس فصل سے کھایا یا کسی انسان نے کھایا خواہ جائز طریقہ سے ہو یا ناجائز طریقہ سے ہو اس اجمالی نیت کا اس سے تعلق ہو جاتا ہے اس لئے ثواب حاصل ہوتا ہے امام بخاری رحمہ اللہ اور بعض دیگر علماء کی رائے یہ ہے کہ یہاں نیت کے بغیر ثواب حاصل ہو جاتا ہے یہ رائے زیادہ واضح ہے۔

جانوروں کے ساتھ حسن سلوک باعث ثواب ہے

﴿۱۴﴾ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُفِرَ لِامْرَأَةٍ مُوْمِسَةٍ مَرَّتْ بِكَلْبٍ عَلَى رَأْسِ رَكِيٍّ يَلْهَثُ كَادَ يَقْتُلُهُ الْعَطَشُ فَنَزَعَتْ خُفَّهَا فَأَوْثَقَتْهُ بِخِمَارِهَا فَنَزَعَتْ لَهُ مِنَ الْمَاءِ فَغُفِرَ لَهَا بِذٰلِكَ قِيْلَ إِنَّ لَنَا فِي الْبَهَائِمِ أَجْرًا قَالَ فِيْ كُلِّ ذَاتِ كَبِدٍ رَطْبَةٍ أَجْرٌ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۳]

---

[۱] اخرجہ البخاری: ۳/۳۵ و مسلم: ۱۰/۲۱۵، ۲۱۳، ۲۱۳ [۲] المرقات: ۴/۳۰۱ ح [۳] اخرجہ البخاری: ۴/۱۵۸ و مسلم: ۱۴/۲۴۲

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے (ایک دن) فرمایا کہ "ایک بدکار عورت کی بخشش کردی گئی کیونکہ (ایک مرتبہ) اس کا گزر ایک ایسے کتے پر ہوا جو کنویں کے قریب کھڑا پیاس کی وجہ سے اپنی زبان نکال رہا تھا قریب تھا کہ پیاس کی شدت اسے ہلاک کردے، چنانچہ اس عورت نے اپنا چرمی موزہ اتار کر اسے اپنی اوڑھنی سے باندھا اور (اس کے ذریعہ) کتے کے لئے پانی نکالا (اور اسے پلا دیا) چنانچہ اس کے اس فعل کی بناء پر اس کی بخشش کردی گئی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے (یہ سن کر) عرض کیا کہ "کیا جانوروں کے ساتھ حسن سلوک کرنے میں ہمارے لئے ثواب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں ہر صاحب جگر تر (یعنی ہر جاندار) کے ساتھ حسن سلوک کرنے میں ثواب ہے (خواہ انسان ہو یا جانور)۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "مومسة" میم اول مضموم ہے اور میم ثانی پر فتحہ اور کسرہ دونوں جائز ہے فاسقہ فاجرہ عورت کو کہتے ہیں۔ علامہ طیبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ شائید اس لفظ کا مادہ ومس ہو جو خارش کے معنی میں ہے۔[1] "الركية" یہ اس کنوئیں کو کہتے ہیں جس کے کنارے نہیں بنائے گئے ہوں اس کی جمع "ركايا" آتی ہے۔[2]

"يلهث" پیاس اور تھکان کی وجہ سے جب کتے کی زبان نکل جائے اس کیفیت کو "لهث" کہتے ہیں۔[3] "خمارها" دوپٹہ کو خمار کہتے ہیں چونکہ رسی وغیرہ نہیں تھی تو دوپٹہ سے باندھ لیا[4] "كبد" جگر کو کہتے ہیں[5] "رطبة" تروتازہ کے معنی میں ہے۔ کیونکہ جس چیز میں جگر ہوتا ہے وہ جانور ہوتا ہے اور جب تک جگر تازہ ہوتا ہے وہ زندہ رہتا ہے ورنہ مرجاتا ہے۔[6]

جانور کے ساتھ بے رحمی گناہ ہے

﴿۱۵﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ وَأَبِي هُرَيْرَةَ قَالَا قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُذِّبَتِ امْرَأَةٌ فِي هِرَّةٍ أَمْسَكَتْهَا حَتّٰى مَاتَتْ مِنَ الْجُوْعِ فَلَمْ تَكُنْ تُطْعِمُهَا وَلَا تُرْسِلُهَا فَتَأْكُلَ مِنْ خَشَاشِ الْأَرْضِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[7]

ترجمہ: حضرت ابن عمر اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "ایک عورت کو (محض) اس لئے عذاب میں مبتلا کیا گیا کہ اس نے ایک بلی باندھے رکھی یہاں تک کہ وہ بھوک کی وجہ سے مرگئی، وہ عورت نہ تو اس بلی کو کچھ کھلاتی پلاتی تھی اور نہ ہی اسے چھوڑتی تھی کہ وہ زمین کے جانوروں میں سے کچھ (یعنی چوہا وغیرہ) کھاتی۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "في هرة" یہاں فی کلمہ تعلیل اور علت بیان کرنے کے لئے ہے یعنی بلی کی وجہ سے ایک عورت دوزخ میں چلی گئی[8] "خشاش" بضم الخاو كسرها، حشرات الارض کو کہا جاتا ہے یعنی اس بلی کو اس عورت نے نہ چھوڑا کہ وہ زمین میں جا کر کیڑے مکوڑے کھا کر گذارہ کرلیتی۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صغیرہ گناہ پر بھی مؤاخذہ ہوسکتا ہے

---

[1] المرقات: ۴/۴۰۱ الکاشف: ۴/۱۲۳ [2] المرقات: ۴/۴۰۱ [3] المرقات: ۴/۴۰۱ [4] المرقات: ۴/۴۰۱

[5] المرقات: ۴/۴۰۲ [6] المرقات: ۴/۴۰۲ [7] اخرجه البخاری: ۳/۱۴۷ ومسلم: ۶۱/۱۷۲ [8] المرقات: ۴/۴۰۲

کیونکہ اس عورت کا یہ فعل بظاہر صغیرہ گناہ تھا لیکن بعض علماء کہتے ہیں کہ اس گناہ پر بھی اصرار کرنے سے یہ کبیرہ بن گیا۔[1]
بہرحال حدیث سے اس گناہ کا جو پس منظر معلوم ہوتا ہے وہ یقیناً کبیرہ گناہ کی طرف اشارہ کرتا ہے کیونکہ بلی اگر مضر ہے یا اس نے فی الحال کوئی نقصان پہنچایا ہو تو قتل موذی جائز ہے لیکن ایک بے گناہ بلی کو قتل کرنا اور قتل بھی اس انداز سے جس کا تصور کر کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اس کو صغیرہ کہنا باعث تعجب ہے۔ لہٰذا زیر بحث حدیث میں اس عورت کا فعل کبیرہ گناہ تھا اس لئے دوزخ میں چلی گئی۔

راستہ سے تکلیف دہ چیز دور کرنے کا ثواب

﴿۱۶﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ رَجُلٌ بِغُصْنِ شَجَرَةٍ عَلَى ظَهْرِ طَرِيقٍ فَقَالَ لَأُنَحِّيَنَّ هٰذَا عَنْ طَرِيقِ الْمُسْلِمِينَ لَا يُؤْذِيهِمْ فَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ایک شخص درخت کی ایک ٹہنی کے پاس سے گزرا جو راستہ کے اوپر تھی (اور جو راہ گیروں کو تکلیف پہنچاتی تھی) اس شخص نے اپنے دل میں کہا کہ اس ٹہنی کو مسلمانوں کے راستہ سے صاف کردوں گا تاکہ انہیں تکلیف نہ پہنچے، چنانچہ وہ شخص جنت میں داخل کیا گیا۔ (بخاری ومسلم)

﴿۱۷﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ رَأَيْتُ رَجُلاً يَتَقَلَّبُ فِي الْجَنَّةِ فِي شَجَرَةٍ قَطَعَهَا مِنْ ظَهْرِ الطَّرِيقِ كَانَتْ تُؤْذِي النَّاسَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں نے ایک شخص کو دیکھا جو جنت میں پھرتا تھا اور سیر کرتا تھا کیونکہ اس نے ایک ایسے درخت کو کاٹ ڈالا تھا جو راستہ پر تھا اور لوگوں کو تکلیف پہنچاتا تھا۔ (مسلم)

﴿۱۸﴾ وَعَنْ أَبِي بَرْزَةَ قَالَ قُلْتُ يَا نَبِيَّ اللهِ عَلِّمْنِي شَيْئًا أَنْتَفِعُ بِهِ قَالَ اعْزِلِ الْأَذٰى عَنْ طَرِيقِ الْمُسْلِمِينَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَسَنَذْكُرُ حَدِيثَ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ اتَّقُوا النَّارَ فِي بَابِ عَلَامَاتِ النُّبُوَّةِ إِنْ شَاءَ اللهُ۔[4]

ترجمہ: اور حضرت ابوبرزہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ "یارسول اللہ: مجھے کوئی ایسی بات بتا دیجئے جس کی وجہ سے میں (آخرت میں) فائدہ حاصل کروں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمانوں کے راستہ سے تکلیف دہ چیزیں ہٹا دیا کرو۔ (بخاری ومسلم) اور عدی بن حاتم کی روایت "اتقوا النار الخ" ان شاء اللہ ہم باب علامات النبوۃ میں نقل کریں گے۔

---

[1] المرقات: ۴/۴۰۲ [2] اخرجہ البخاری: ۱/۱۶۷ ومسلم: ۱۶/۱۷۰،۱۷۱ [3] اخرجہ مسلم: ۱۶/۱۷۰،۱۷۱ [4] اخرجہ مسلم: ۱۶/۱۷۲

الفصل الثانی

﴿۱۹﴾ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ قَالَ لَمَّا قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ جِئْتُ فَلَمَّا تَبَيَّنْتُ وَجْهَهُ عَرَفْتُ أَنَّ وَجْهَهُ لَيْسَ بِوَجْهِ كَذَّابٍ فَكَانَ أَوَّلَ مَا قَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَفْشُوا السَّلَامَ وَأَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَصِلُوا الْأَرْحَامَ وَصَلُّوا بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَه وَالدَّارِمِيُّ)[۱]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب مدینہ میں تشریف لائے تو میں آپ ﷺ کی خدمت میں خاضر ہوا، چنانچہ میں نے آپ ﷺ کا روئے منور دیکھا، تو مجھے یقین ہو گیا، کہ آپ ﷺ کا یہ چہرۂ اقدس کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں ہو سکتا، پھر آپ ﷺ کا ارشاد جو سب سے پہلے آپ ﷺ نے فرمایا، یہ تھا کہ لوگوں: سلام کو ظاہر کرو (یعنی السلام علیکم" باآواز بلند کہو تاکہ جس کو سلام کیا جا رہا ہے وہ سن لے نیز یہ کہ ہر ایک سے سلام کرو چاہے وہ آشنا ہو یا بیگانہ) اور (بھوکوں کو) کھانا کھلاؤ، رشتہ داروں سے حسن سلوک کرو نیز رات میں اس وقت (تہجد) کی نماز پڑھو جبکہ لوگ سوتے ہوں (اگر یہ کرو گے) تو جنت میں سلامتی کے ساتھ (بغیر عذاب کے) داخل ہو گے۔ (ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)

﴿۲۰﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اعْبُدُوا الرَّحْمٰنَ وَأَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَأَفْشُوا السَّلَامَ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَه)[۲]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "اللہ رب العزت کی بندگی کرو (غریبوں کو) کھانا کھلاؤ، اور سلام کو عام کرو جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو گے۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

صدقہ کرنے سے خاتمہ بالخیر ہوتا ہے

﴿۲۱﴾ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الصَّدَقَةَ لَتُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ وَتَدْفَعُ مِيتَةَ السُّوْءِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[۳]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "صدقہ کرنا اللہ تبارک وتعالیٰ کے غضب کو ٹھنڈا کرتا ہے اور بری موت سے بچاتا ہے۔ (ترمذی)

---

[۱] اخرجه الترمذی: ۲/۲۱۹ وابن ماجه: ۱/۴۲۳ والدارمی: ۱/۳۴۰ [۲] اخرجه الترمذی: ۳/۳۳۸ وابن ماجه: ۲/۱۲۱۸

[۳] اخرجه الترمذی: ۲/۱۳۶

﴿۲۲﴾ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ مَعْرُوْفٍ صَدَقَةٌ وَإِنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ أَنْ تَلْقٰى أَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلْقٍ وَأَنْ تُفْرِغَ مِنْ دَلْوِكَ فِيْ إِنَاءِ أَخِيْكَ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''ہر نیکی صدقہ ہے اور نیکیوں میں سے ایک نیکی یہ بھی ہے کہ تم اپنے مسلمان بھائی سے چہرہ کی بشاشت کے ساتھ ملاقات کرو اور اپنے کسی بھائی کے برتن میں اپنے ڈول سے پانی ڈال دو۔ (احمد، ترمذی)

﴿۲۳﴾ وَعَنْ أَبِيْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَبَسُّمُكَ فِيْ وَجْهِ أَخِيْكَ صَدَقَةٌ وَأَمْرُكَ بِالْمَعْرُوْفِ صَدَقَةٌ وَنَهْيُكَ عَنِ الْمُنْكَرِ صَدَقَةٌ وَإِرْشَادُكَ الرَّجُلَ فِيْ أَرْضِ الضَّلَالِ لَكَ صَدَقَةٌ وَنَصْرُكَ الرَّجُلَ الرَّدِيْءَ الْبَصَرِ لَكَ صَدَقَةٌ وَإِمَاطَتُكَ الْحَجَرَ وَالشَّوْكَ وَالْعَظْمَ عَنِ الطَّرِيْقِ لَكَ صَدَقَةٌ وَإِفْرَاغُكَ مِنْ دَلْوِكَ فِيْ دَلْوِ أَخِيْكَ لَكَ صَدَقَةٌ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''اپنے (مسلمان) بھائی کے سامنے مسکرانا (یعنی کسی سے خندہ پیشانی کے ساتھ پیش آنا) صدقہ ہے۔ نیک کام کے لئے حکم کرنا صدقہ ہے۔ بری بات سے روکنا صدقہ ہے بے نشان زمین میں کسی کو راستہ بتانا صدقہ ہے (یعنی جہاں راستہ کا کوئی نشان اور کوئی علامت نہ ہونے کی وجہ سے لوگ اپنا راستہ بھول جاتے ہیں وہاں کسی راستہ بھولے ہوئے مسافر کو اس کا راستہ بتا دینے سے صدقہ جیسا ثواب ملتا ہے) کسی اندھے یا کمزور نظر شخص کی مدد کرنی (بایں طور کہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے لے جانا) صدقہ ہے، راستہ سے پتھر، کانٹا اور ہڈی ہٹا دینا صدقہ ہے اور اپنے ڈول سے اپنے بھائی کے ڈول میں پانی بھر دینا صدقہ ہے۔ (امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے)

کنواں کھود کر صدقہ کرنا بہترین صدقہ ہے

﴿۲۴﴾ وَعَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّ أُمَّ سَعْدٍ مَاتَتْ فَأَيُّ الصَّدَقَةِ أَفْضَلُ قَالَ الْمَاءُ فَحَفَرَ بِئْرًا وَقَالَ هٰذِهٖ لِأُمِّ سَعْدٍ۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ)[3]

ترجمہ: اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ (میں نے) رسول کریم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ ''یا رسول اللہ ﷺ! ام سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہا (یعنی میری ماں) کا انتقال ہو گیا ہے (ان کے ایصال ثواب کے لئے) کون سا صدقہ بہتر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''پانی'' چنانچہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے (آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد سن کر) کنواں کھودا اور کہا کہ یہ ام سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہا (یعنی میری ماں) کے لئے صدقہ ہے۔ (ابوداود، نسائی)

[1] اخرجه الترمذی: ۳/۳۹۱ واحمد: ۳/۳۴۴ [2] اخرجه الترمذی: ۳/۳۸۴ [3] اخرجه ابوداود: ۲/۱۳۳ والنسائی: ۲/۲۵۶، ۲۵۵

توضیح: "هذه لام سعد" پانی کا فائدہ عام ہوتا ہے اس لئے اس کو افضل صدقہ قرار دیا گیا اہل بدعت اس سے تیجہ اور چالیسواں وغیرہ ثابت کرتے ہیں حالانکہ یہاں عام صدقہ کا ذکر ہے اس کا تیجہ اور چالیسویں سے کیا تعلق ہے حضور اکرم ﷺ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو ایک جاری صدقہ بتادیا کہ کنواں کھود کر اس کو وقف کردو اور ثواب اپنی ماں کو بخش دو یہ صدقہ جاریہ بن جائے گا نہ معلوم بریلوی حضرات اس سے تیجہ کیسے ثابت کرتے ہیں؟ شاید ان کے پاس یہ دلیل ہو: [1]

یااللہ میری پیری میں زور رہنے دے چشم عالم کو کور رہنے دے [2]

﴿۲۵﴾ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّمَا مُسْلِمٍ كَسَا مُسْلِمًا ثَوْبًا عَلَى عُرْيٍ كَسَاهُ اللهُ مِنْ خُضْرِ الْجَنَّةِ وَأَيُّمَا مُسْلِمٍ أَطْعَمَ مُسْلِمًا عَلَى جُوعٍ أَطْعَمَهُ اللهُ مِنْ ثِمَارِ الْجَنَّةِ وَأَيُّمَا مُسْلِمٍ سَقَى مُسْلِمًا عَلَى ظَمَأٍ سَقَاهُ اللهُ مِنَ الرَّحِيقِ الْمَخْتُومِ

(رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ) [2]

ترجمہ: اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو مسلمان کسی ننگے مسلمان کو کپڑا پہنائے گا تو اللہ تبارک وتعالیٰ اسے جنت کے سبز لباسوں میں سے لباس پہنائے گا جو مسلمان کسی بھوکے مسلمان کو کھانا کھلائے گا تو اللہ تبارک وتعالیٰ اسے جنت کے میوے کھلائے گا، اور جو مسلمان کسی پیاسے مسلمان کی پیاس بجھائے گا تو اللہ تبارک وتعالیٰ اسے مہر بند شراب سے سیراب کرے گا۔ (ابوداؤد، ترمذی)

زکوۃ کے علاوہ بھی مال میں حقوق ہیں

﴿۲۶﴾ وَعَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ فِي الْمَالِ لَحَقًّا سِوَى الزَّكَاةِ ثُمَّ تَلَا لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ الْآيَةَ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَه وَالدَّارِمِيُّ) [3]

ترجمہ: اور حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا مال وزر میں زکوۃ کے علاوہ اور "حق" بھی ہیں پھر آپ ﷺ نے یہ پوری آیت کریمہ تلاوت فرمائی "نیکی یہی نہیں ہے کہ اپنے منہ کو مشرق ومغرب کی طرف متوجہ کرو الخ۔ (ترمذی، ابن ماجہ، داری)

[1] المرقات: ۴/۳۰۷ [2] اخرجه ابوداؤد: ۲/۲۳۳ والترمذی: ۴/۲۰۴

[3] اخرجه الترمذی: ۲/۱۴۳، ۱۴۴ ابن ماجه: ۱/۵۷۰ والدارمی: ۱۰/۳۸۵

پانی اور نمک دینے سے انکار نہ کرو

﴿۲۷﴾ وَعَنْ بُهَيْسَةَ عَنْ أَبِيهَا قَالَتْ قَالَ يَارَسُولَ اللهِ مَا الشَّيْئُ الَّذِي لَا يَحِلُّ مَنْعُهُ قَالَ الْمَاءُ قَالَ يَا نَبِيَّ اللهِ مَا الشَّيْئُ الَّذِي لَا يَحِلُّ مَنْعُهُ قَالَ الْمِلْحُ قَالَ يَا نَبِيَّ اللهِ مَا الشَّيْئُ الَّذِي لَا يَحِلُّ مَنْعُهُ قَالَ أَنْ تَفْعَلَ الْخَيْرَ خَيْرٌ لَكَ۔ (رَوَاهُ أَبُودَاوُدَ)[1]

ترجمہ: حضرت بہیسہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے والد مکرم سے نقل کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ انہوں نے (یعنی ان کے والد نے) عرض کیا کہ ''یارسول اللہ: وہ کون سی چیز ہے جس سے منع کرنا اور اس کے دینے سے انکار کرنا حلال نہیں ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''پانی'' انہوں نے عرض کیا کہ ''یارسول اللہ: اور کون سی چیز ہے جس کو دینے سے انکار کرنا حلال نہیں ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''نمک'' انہوں نے پھر عرض کیا کہ ''یارسول اللہ: وہ کون سی چیز ہے جس سے منع کرنا حلال نہیں ہے'' آپ ﷺ نے فرمایا ''بھلائی کرنا، جو تمہارے لئے بہتر ہے۔ (ابوداود)

بنجر زمین کو قابل کاشت بنانا باعث ثواب ہے

﴿۲۸﴾ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَحْيَى أَرْضًا مَيْتَةً فَلَهُ فِيهَا أَجْرٌ وَمَا أَكَلَتِ الْعَافِيَةُ مِنْهُ فَهُوَ لَهُ صَدَقَةٌ۔ (رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَالدَّارِمِيُّ)[2]

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''جو شخص خشک زمین کو آباد کرے (یعنی افتادہ و بنجر زمین کو قابل کاشت بنائے) تو اس کے لئے اس کام میں ثواب ہے اور اگر اس کی کھیتی میں سے جانور یا آدمی کچھ کھالیں تو اس کے لئے وہ صدقہ ہے (بشرطیکہ وہ اس پر صابر و شاکر ہو)۔ (دارمی)

توضیح: ''احیا ارضا میتة'' میتة سوکھی زمین کو کہتے ہیں جس کو بنجر زمین کہتے ہیں کسی کی اپنی زمین غیر آباد ہے یا کسی دوسرے کی زمین غیر آباد ہے اور کسی شخص نے اس کو کاشت کر کے آباد کیا تو اس کو ثواب ملے گا کہ اللہ تعالیٰ کی زمین کو بیکار ہونے سے بچالیا۔[3]

''عافیة'' کسی رزق کو تلاش کرنے والے حیوان کو عافیہ کہتے ہیں خواہ انسان ہو یا پرندہ چرندہ درندہ ہو۔[4]

''صدقة'' بشرطیکہ مالک زمین اس سے راضی بھی ہو خوش بھی ہو اور شکر بھی ادا کر رہا ہو۔[5]

[1] اخرجه ابوداؤد: ۲/۱۳۰ [2] اخرجه النسائي: ح ۳۳۵۸ والدارمي: ۲/۲۶۷

[3] المرقات: ۴/۳۰۹ [4] المرقات: ۴/۳۰۹ [5] المرقات: ۴/۳۰۹

قرض دینے میں ثواب ہے

﴿۲۹﴾ وَعَنِ الْبَرَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَنَحَ مِنْحَةَ لَبَنٍ أَوْ وَرِقٍ أَوْ هَدٰى زُقَاقًا كَانَ لَهُ مِثْلُ عِتْقِ رَقَبَةٍ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت براء رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص دودھ کا جانور عاریۃ دے یا چاندی (یعنی روپیہ وغیرہ) قرض دے یا کسی راستہ بھولے ہوئے اور اندھے کو کوچہ وراستہ میں راہ بتائے تو اس کو ایک غلام آزاد کرنے کی مانند ثواب ہوگا۔ (ترمذی)

توضیح: "اوورق" یعنی کسی کو چاندی اور روپیہ پیسہ دیا تا کہ وہ مجبور اپنا کام بنا سکے۔[2]

"اوھدی" یعنی کسی اندھے کو راستہ بتادیا یا گلی سیدھا کیا زقاق گلی کو کہتے ہیں۔[3]

﴿۳۰﴾ وَعَنْ أَبِيْ جُرَيٍّ جَابِرِ بْنِ سُلَيْمٍ قَالَ أَتَيْتُ الْمَدِيْنَةَ فَرَأَيْتُ رَجُلًا يَصْدُرُ النَّاسُ عَنْ رَأْيِهِ لَا يَقُوْلُ شَيْئًا إِلَّا صَدَرُوْا عَنْهُ قُلْتُ مَنْ هٰذَا قَالُوْا هٰذَا رَسُوْلُ اللّٰهِ قَالَ قُلْتُ عَلَيْكَ السَّلَامُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَرَّتَيْنِ قَالَ لَا تَقُلْ عَلَيْكَ السَّلَامُ ، عَلَيْكَ السَّلَامُ تَحِيَّةُ الْمَيِّتِ قُلِ السَّلَامُ عَلَيْكَ قُلْتُ أَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَقَالَ أَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ الَّذِيْ إِنْ أَصَابَكَ ضُرٌّ فَدَعَوْتَهُ كَشَفَهُ عَنْكَ وَإِنْ أَصَابَكَ عَامُ سَنَةٍ فَدَعَوْتَهُ أَنْبَتَهَا لَكَ وَإِذَا كُنْتَ بِأَرْضٍ قَفْرٍ أَوْ فَلَاةٍ فَضَلَّتْ رَاحِلَتُكَ فَدَعَوْتَهُ رَدَّهَا عَلَيْكَ قُلْتُ اعْهَدْ إِلَيَّ قَالَ لَا تَسُبَّنَّ أَحَدًا قَالَ فَمَا سَبَبْتُ بَعْدَهُ حُرًّا وَلَا عَبْدًا وَلَا بَعِيْرًا وَلَا شَاةً قَالَ وَلَا تَحْقِرَنَّ شَيْئًا مِنَ الْمَعْرُوْفِ وَأَنْ تُكَلِّمَ أَخَاكَ وَأَنْتَ مُنْبَسِطٌ إِلَيْهِ وَجْهُكَ إِنَّ ذٰلِكَ مِنَ الْمَعْرُوْفِ وَارْفَعْ إِزَارَكَ إِلَى نِصْفِ السَّاقِ فَإِنْ أَبَيْتَ فَإِلَى الْكَعْبَيْنِ وَإِيَّاكَ وَإِسْبَالَ الْإِزَارِ فَإِنَّهَا مِنَ الْمَخِيْلَةِ وَإِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمَخِيْلَةَ وَإِنِ امْرُؤٌ شَتَمَكَ وَعَيَّرَكَ بِمَا يَعْلَمُ فِيْكَ فَلَا تُعَيِّرْهُ بِمَا تَعْلَمُ فِيْهِ فَإِنَّمَا وَبَالُ ذٰلِكَ عَلَيْهِ۔

(رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ مِنْهُ حَدِيْثَ السَّلَامِ ، وَفِيْ رِوَايَةٍ فَيَكُوْنُ لَكَ أَجْرُ ذٰلِكَ وَوَبَالُهُ عَلَيْهِ)[4]

ترجمہ: اور حضرت ابی جری رضی اللہ عنہ کہ جن کا نام، جابر ابن سلیم ہے کہتے ہیں کہ جب میں مدینہ آیا تو میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ لوگ ان کی عقل پر بھروسہ کرتے ہیں (یعنی ان کے کہنے پر لوگ عمل کرتے ہیں چنانچہ خود راوی اس کی وضاحت کررہے ہیں کہ) وہ کچھ بھی فرماتے ہیں لوگ اس پر عمل کرتے ہیں میں نے پوچھا کہ "یہ کون ہیں؟ لوگوں نے کہا کہ "یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے

[1] اخرجہ الترمذی: ۳/۳۸۵ [2] المرقات: ۴/۴۱۰ [3] المرقات: ۴/۴۱۰ [4] اخرجہ ابو داؤد: ۴/۵۳، والترمذی: ۴/۳۳۱

رسول ﷺ ہیں راوی کہتے ہیں کہ میں نے (آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر) دومرتبہ یہ کہا "علیک السلام" (آپ ﷺ پر سلام اے رسول خدا) رسول کریم ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا کہ "علیک السلام" نہ کہو کیونکہ "علیک السلام" کہنا میت کے لئے دعاء ہے "البتہ السلام علیک" کہو: (کیونکہ اس طرح افضل ہے) اس کے بعد میں نے عرض کیا کہ "آپ ﷺ اللہ تبارک وتعالیٰ کے رسول ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ (ہاں) میں اللہ کا رسول ہوں، وہ اللہ کہ اگر تمہیں کوئی تکلیف ومصیبت پہنچے اور تم اسے پکارو تو وہ تمہاری تکلیف ومصیبت کو دور کرے اگر تمہیں قحط سالی اپنی لپیٹ میں لے اور تم اسے پکارو تو زمین میں تمہارے لئے سبزہ (غلہ وغیرہ) اگا دے اور اگر تم زمین کے کسی ایسے حصہ میں اپنی سواری گم کر بیٹھو کہ جہاں نہ پانی کا نام ونشان ہو نہ درخت کا، یا کہ کوئی ایسا جنگل ہو جو آبادی سے دور ہو اور پھر تم اسے پکارو تو وہ تمہاری سواری تمہارے پاس واپس بھیج دے۔ جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ "مجھے کوئی نصیحت فرما دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا "کسی کو برا نہ کہو" حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے کسی کو برا نہیں کہا، نہ آزاد کو، نہ غلام کو، نہ اونٹ کو اور نہ بکری کو (یعنی کسی انسان کو برا کہنا کیسا، حیوانات کو بھی کبھی برا نہ کہا جیسا کہ عام لوگوں کی عادت ہوتی ہے) آنحضرت ﷺ نے فرمایا "کسی بھی نیکی کو حقیر نہ جانو، (یعنی اگر تم کسی کے ساتھ نیکی کرو یا کوئی دوسرا تمہارے ساتھ کوئی نیکی کرے اور وہ نیکی کتنے ہی کم تر درجہ کی کیوں نہ ہو اسے حقیر نہ جانو بلکہ اگر کوئی تمہارے ساتھ کم تر درجہ کی بھی نیکی کرے تو اسے بہت جانو اور اس کا شکریہ ادا کرو اور خود تم سے جو بھی نیکی ہو سکے اس کے کرنے کو غنیمت جانو) اور جب تم اپنے کسی بھائی سے ملاقات کرو تو خندہ پیشانی اختیار کرو (یعنی جب تم کسی سے ملو، تو اس سے تواضع اور خوش کلامی سے پیش آؤ تا کہ تمہارے اس حسن خلق کی وجہ سے اس کا دل خوش ہو) کیونکہ یہ بھی ایک نیکی ہے اور تم اپنی ازار (یعنی پاجامہ ولنگی وغیرہ) کو نصف پنڈلی تک اونچا رکھو، اگر اتنا اونچا رکھنا تم پسند نہ کرسکو تو ٹخنوں تک رکھو مگر (ٹخنوں سے نیچے) لٹکانے سے بچو: اس لئے کہ (ٹخنوں سے نیچے) ازار لٹکانا تکبر (کی علامت) ہے اور اللہ تعالیٰ تکبر کو پسند نہیں کرتا، نیز اگر کوئی شخص تمہیں گالی دے اور تمہارے کسی ایسے عیب پر تمہیں عار دلائے جسے وہ جانتا ہے تو تم (انتقاماً) اس کے کسی عیب پر کہ جسے تم جانتے ہو اسے عار نہ دلاؤ کیونکہ اس کا گناہ اسے ہی ملے گا۔ (ابوداؤد) ترمذی نے اس روایت کا صرف ابتدائی حصہ نقل کیا ہے جس میں "سلام" کا ذکر ہے (باقی روایت نقل نہیں کی ہے) اور (ترمذی کی) ایک دوسری روایت میں "اس کا گناہ اسے ہی ملے گا"۔ کے بجائے یہ الفاظ ہیں کہ تمہارے لئے اس کا ثواب ہوگا۔ اور اس کے لئے اس کا گناہ۔

توضیح: **"یصدر الناس"** یعنی لوگ ان کی رائے کو کافی سمجھ کر مطمئن ہو کر واپس لوٹ آتے تھے۔ [1]

"مرتین" یعنی حضور ﷺ نے پہلی بار سلام نہیں سنا اس لئے حضرت جابر بن سلیم رضی اللہ عنہ نے دو دفعہ سلام کہدیا۔ [2]

"تحیۃ المیت" یعنی علیک السلام کے الفاظ سے سلام نہ کیا کرو اس لئے کہ یہ طریقہ جاہلیت میں مُردوں کے سلام میں اختیار کیا جاتا تھا جس طرح حماسہ کے باب المراثی میں ایک شاعر اپنے مُردے کے لئے اس طرح دعا کرتا ہے۔ [3]

[1] المرقات: ۴/۴۱۰ [2] المرقات: ۴/۴۱۱ [3] المرقات: ۴/۴۱۱

عليك سلام الله قيس بن عاصم ورحمته ماشاء ان يترحما

لہٰذا اب اس طرح سلام کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔

سوال: یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قبرستان میں جا کر مردوں کو "عليك السلام" کہنا سنت طریقہ ہے حالانکہ امت کا عمل اس پر نہیں ہے بلکہ جس طرح دیگر احادیث میں آیا ہے وہی الفاظ کہے جاتے ہیں جیسے السلام عليكم يا اهل القبور الخ؟

جواب: حضورِ اکرم ﷺ کی مراد یہ نہ تھی کہ علیک السلام مُردوں کے لئے استعمال کرو بلکہ آنحضرت ﷺ نے اہل جاہلیت کی ایک عادت کا تذکرہ فرمایا کہ وہ مردوں کے لئے اس طرح الفاظ سے سلام کیا کرتے تھے اصل سلام کا طریقہ السلام علیکم ہے اس کو رائج کرو۔[1]

"انا رسول الله" یعنی میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں وہ اللہ الخ۔

سوال: یہاں یہ اعتراض ہے کہ جابر بن سلیم رضی اللہ عنہ نے سوال کیا حضور اکرم ﷺ کو جواب دینا تھا یہاں سوال اور جواب میں مطابقت کیا ہے؟

جواب: علامہ طیبی رحمہ اللہ نے اس سوال کا جواب یہ دیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اسلوب حکیم کے طرز پر جواب دیا ہے یعنی یہ سوال نہ کرو کہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا رسول ہوں وہ تو ثابت اور طے شدہ معاملہ ہے بلکہ یہ سوال کرو کہ میرے پروردگار نے کس مقصد کے لئے مجھے مبعوث فرمایا ہے تو وہ میرا "رحمة للعالمين" ہونا ہے کہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی ایسی رحمت ہوں کہ میرے وسیلے سے اگر کوئی اللہ تبارک وتعالیٰ سے سوال کرتا ہے یا میں خود کسی کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ سے سوال کرتا ہوں تو مشکل سے مشکل کام میں اللہ تبارک وتعالیٰ اس سوال کو قبول کرتا ہے اور اس مشکل کو حل کر دیتا ہے۔[2]

"الذی" یہ لفظ صفت واقع ہے اس کا موصوف لفظ اللہ ہے جو انا رسول الله میں مضاف الیہ کے طور پر مذکور ہے اور آئندہ دعوته میں جو ضمیر لوٹتی ہے وہ ہر جگہ لفظ اللہ کی طرف لوٹتی ہے اور مطلب یہ ہے کہ میں اس اللہ کا رسول ہوں کہ جب تجھے کوئی مصیبت پہنچ جائے اور تم اس کو میرے وسیلہ سے پکارو یا میں اس کو پکاروں تو وہ اس مصیبت کو تم سے دور فرما دیتا ہے، یاد رہے یہ کلام آخر تک اسی طرح ہے لیکن بدعتی لوگ "الذی" کو رسول کی صفت بناتے ہیں وہ آگے کلام کے مطلب میں سخت غلطی کرتے ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفات حضور اکرم ﷺ پر چسپاں کرتے ہیں ایسا نہیں کرنا چاہئے۔[3]

"عام سنة" سنة سے قحط والا سال مراد ہے گویا خود وہ سال قحط ہے اس لئے اس کی طرف لفظ عام کی اضافت درست ہوگئی یہ اضافت شیء الی نفسہ نہیں ہے۔[4]

---

[1] المرقات: ۴/۴۲۱ [2] الکاشف: ۴/۱۳۳ [3] المرقات: ۴/۴۱۱ [4] المرقات: ۴/۴۱۲

"المخیلة" یہ خیلاء سے ہے تکبر کے معنی میں ہے۔[۱]

جو خدا کے نام پر دیا وہی باقی ہے

﴿۳۱﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ أَنَّهُمْ ذَبَحُوا شَاةً فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَابَقِيَ مِنْهَا قَالَتْ مَابَقِيَ إِلَّا كَتِفُهَا قَالَ بَقِيَ كُلُّهَا غَيْرُ كَتِفِهَا۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهُ)[۲]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا راوی ہیں کہ (ایک مرتبہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے یا اہل بیت رضی اللہ عنہم نے) ایک بکری ذبح کی، (جب اس کا گوشت تقسیم ہو چکا تو) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اس میں سے کیا باقی رہ گیا ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا کہ بجز شانہ کے اور کچھ باقی نہیں رہا ہے (یعنی اس کا سب گوشت تقسیم کر دیا ہے۔ صرف شانہ باقی رہ گیا ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بجز شانہ کے اور سب باقی ہے۔ (امام ترمذی رحمہ اللہ علیہ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے)۔

توضیح: "غیر کتفها" مطلب یہ ہے کہ جو خدا کے نام پر دیا وہی گوشت اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہاں باقی ہے جو ثواب کے لئے جمع ہو گیا اور جس کو تم لوگ باقی کہتے ہو جو اللہ تبارک وتعالیٰ کے نام پر نہیں دیا گیا تو حقیقت میں یہی باقی نہیں رہا بلکہ ضائع ہو گیا کیونکہ تم نے جب کھا لیا تو ثواب کے لئے کچھ بھی نہیں بچا اس میں قرآن کی ایت[۳] {ماعندکم ینفد وماعند اللہ باق} کی طرف اشارہ ہے۔[۴]

کسی کو لباس پہنانے کی فضیلت

﴿۳۲﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَامِنْ مُسْلِمٍ كَسَا مُسْلِمًا ثَوْبًا إِلَّا كَانَ فِي حِفْظٍ مِنَ اللهِ مَادَامَ عَلَيْهِ مِنْهُ خِرْقَةٌ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ)[۵]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو مسلمان کسی دوسرے مسلمان کو کپڑا (یعنی پاجامہ، کرتہ اور چادر وغیرہ) پہناتا ہے تو وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے زبردست حفاظت میں رہتا ہے۔ جب تک کہ اس مسلمان کے بدن پر اس کے کپڑے کا ایک ٹکڑا بھی ہوتا ہے۔ (احمد وترمذی)

تین قسم کے لوگ اللہ تعالیٰ کو محبوب ہیں

﴿۳۳﴾ وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ يَرْفَعُهُ قَالَ ثَلَاثَةٌ يُحِبُّهُمُ اللهُ رَجُلٌ قَامَ مِنَ اللَّيْلِ يَتْلُو كِتَابَ

[۱] المرقات: ۴/۴۱۳ [۲] اخرجه الترمذی: ۴/۲۱۲ ح ۲۴۷۸ [۳] المرقات: ۴/۴۱۳
[۴] نحل الایه ۹۶ [۵] اخرجه الترمذی ۴/۲۱۸، واحمد

اللّٰهِ وَرَجُلٌ يَتَصَدَّقُ بِصَدَقَةٍ بِيَمِينِهٖ يُخْفِيهَا أُرَاهُ قَالَ مِنْ شِمَالِهٖ وَرَجُلٌ كَانَ فِي سَرِيَّةٍ فَانْهَزَمَ أَصْحَابُهٗ فَاسْتَقْبَلَ الْعَدُوَّ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَيْرُ مَحْفُوْظٍ أَحَدُ رُوَاتِهٖ أَبُوْبَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ كَثِيْرُ الْغَلَطِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بطریق مرفوع (یعنی آنحضرت ﷺ) سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "تین شخص ایسے ہیں جنہیں اللہ تبارک وتعالیٰ دوست رکھتا ہے ایک تو وہ شخص ہے جو رات کو نماز میں کھڑے ہو کر اللہ کی کتاب پڑھتا ہے اور دوسرا وہ شخص جو (نفل) صدقہ اپنے داہنے ہاتھ سے دے اور اسے چھپائے" راوی کہتے ہیں کہ میرا گمان ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا (اور اسے) دائیں ہاتھ سے (چھپائے) اور تیسرا وہ شخص جو میدان جنگ میں اس وقت دشمن کے سامنے ڈٹ گیا جبکہ اس کے ساتھیوں کو شکست ہوگئی۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ روایت غیر محفوظ (ضعیف) ہے اس کے ایک راوی ابوبکر ابن عیاش ہیں جو بہت زیادہ غلطی کرتے ہیں۔

﴿۳۴﴾ وَعَنْ أَبِيْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةٌ يُحِبُّهُمُ اللّٰهُ وَثَلَاثَةٌ يُبْغِضُهُمُ اللّٰهُ فَأَمَّا الَّذِيْنَ يُحِبُّهُمُ اللّٰهُ فَرَجُلٌ أَتٰى قَوْمًا فَسَأَلَهُمْ بِاللّٰهِ وَلَمْ يَسْأَلْهُمْ لِقَرَابَةٍ بَيْنَهٗ وَبَيْنَهُمْ فَمَنَعُوْهُ فَتَخَلَّفَ رَجُلٌ بِأَعْيَانِهِمْ فَأَعْطَاهُ سِرًّا لَا يَعْلَمُ بِعَطِيَّتِهٖ إِلَّا اللّٰهُ وَالَّذِيْ أَعْطَاهُ وَقَوْمٌ سَارُوْا لَيْلَتَهُمْ حَتّٰى إِذَا كَانَ النَّوْمُ أَحَبَّ إِلَيْهِمْ مِمَّا يُعْدَلُ بِهٖ فَوَضَعُوْا رُؤُوْسَهُمْ فَقَامَ يَتَمَلَّقُنِيْ وَيَتْلُوْ آيَاتِيْ وَرَجُلٌ كَانَ فِيْ سَرِيَّةٍ فَلَقِيَ الْعَدُوَّ فَهُزِمُوْا فَأَقْبَلَ بِصَدْرِهٖ حَتّٰى يُقْتَلَ أَوْ يُفْتَحَ لَهٗ وَالثَّلَاثَةُ الَّذِيْنَ يُبْغِضُهُمُ اللّٰهُ الشَّيْخُ الزَّانِيْ وَالْفَقِيْرُ الْمُخْتَالُ وَالْغَنِيُّ الظَّلُوْمُ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَلَمْ يَذْكُرِ الثَّلَاثَةُ الَّذِيْنَ يُبْغِضُهُمُ اللّٰهُ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "تین شخص ایسے ہیں جنہیں اللہ تبارک وتعالیٰ دوست رکھتا اور تین شخص ایسے ہیں جنہیں اللہ تبارک وتعالیٰ دشمن رکھتا ہے، چنانچہ وہ اشخاص کہ جنہیں اللہ تبارک وتعالیٰ دوست رکھتا ہے ان میں سے ایک تو وہ شخص ہے کہ جس نے ایسے شخص کو صدقہ دیا جو ایک جماعت کے پاس آیا اور اس سے خدا کا واسطہ دے کر کچھ مانگا اس نے جماعت والوں سے حق قرابت کی وجہ سے سوال نہیں کیا مگر جماعت والوں نے اسے کچھ بھی نہیں دیا، چنانچہ ایک شخص نے (یعنی صدقہ دینے والے نے) جماعت کو پس پشت ڈالا اور آگے بڑھ کر سائل کو پوشیدہ طور پر دے دیا، سوائے خدا کے اور اس شخص کے کہ جسے اس نے دیا اور کسی نے اس کے عطیہ کو نہیں جانا، اور دوسرا وہ شخص ہے، جو جماعت کے ساتھ تمام رات چلا یہاں تک کہ جب ان کے لئے نیند ان تمام چیزوں سے زیادہ جو نیند کے برابر ہیں پیاری ہوئی تو جماعت کے تمام افراد سو گئے، مگر وہ شخص کھڑا ہوا

[1] اخرجه الترمذی: ۴/۲۵۵ [2] اخرجه الترمذی: ۴/۲۵۶ والنسائی: ۳۰۷،۳/۳۰۸

(اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے) اور میرے سامنے گڑگڑانے لگا اور میری آیتیں (یعنی قرآن کریم) پڑھنے لگا (یعنی میری عبادت ومناجات میں مشغول ہوگیا) اور تیسرا وہ شخص ہے جو لشکر میں تھا، جب دشمن سے مقابلہ ہوا تو اس کے لشکر کو شکست ہوگئی مگر وہ شخص دشمن کے مقابلہ پر سینہ سپر ہوگیا یہاں تک کہ شہید ہوگیا یا فتحیاب۔ اور وہ تین شخص جو اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک مبغوض ہیں ان میں سے ایک تو وہ شخص ہے جو بوڑھا ہونے کے باوجود زنا کرے، دوسرا شخص تکبر کرنے والا فقیر ہے اور تیسرا شخص دولتمند ظلم کرنے والا ہے (یعنی وہ شخص دولتمند ہوتے ہوئے قرض دینے والے کو قرض کی ادائیگی نہ کرے یا دوسروں کے ساتھ اور کسی ظلم کا معاملہ کرے)۔ (ترمذی)

توضیح: "ثلاثة" اس حدیث میں چھ آدمیوں کا ذکر ہے جو درحقیقت چھ قسم کے لوگ ہیں۔ تین محبوب اور تین مبغوض ہیں۔[۱]

"فتخلف رجل باعیانهم" یعنی پوری جماعت نے سائل کو کچھ دینے سے انکار کیا سائل نے صرف خدا کے نام پر سوال کیا تھا کوئی قرابت نہیں تھی نہ کوئی رشتہ تھا انکار کے بعد اسی قوم میں سے ایک آدمی ادھر ادھر چلا گیا اور پھر اس نے پوشیدہ طور پر اس سائل کو صدقہ دیدیا یہ صدقہ اتنا پوشیدہ دیا کہ صرف دینے والے اور لینے والے اور اللہ کو اس کا علم تھا **"اعیانهم"** سے ان لوگوں کے اشخاص مراد ہیں۔[۲]

"یتملقنی" چاپلوسی کرنے کے معنی میں ہے یہاں گڑگڑانا تواضع اور عاجزی کرنا مراد ہے **"یعدل به"** یعنی نیند کے مساوی اگر کوئی چیز ہوسکتی تھی تو ان تمام چیزوں سے نیند اس وقت زیادہ محبوب تھی۔[۳]

"الشیخ الزانی" اس سے مراد شادی شدہ آدمی ہے لیکن ظاہر کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ بوڑھا آدمی مراد ہے اور بوڑھا شادی شدہ ہوتا ہی ہے اس کا گناہ اس لئے قبیح تر ہے کہ تمام قُویٰ جواب دے چکے ہیں مستی کا زمانہ گذر چکا ہے اس وقت جبکہ وہ خود قابل رحم ہے وہ زنا جیسے قبیح گناہ کا ارتکاب کرتا ہے یہ اس کے باطن کی خباثت کی نشانی ہے اسی طرح ایک آدمی فقیر تر ہے اور قابل رحم ہے جب اس کو کوئی شخص کچھ صدقہ وخیرات دیتا ہے تو وہ تکبر کر کے لینے سے انکار کرتا ہے اس طرح وہ اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو ہلاکت میں ڈالتا ہے اور فقر کو چھپا کر تکبر کرتا ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ طمع کے بغیر جو چیز آجائے اسکو رد نہ کرو کیونکہ یہ اللہ نے بھیجا ہے۔[۴]

"الظلوم" اس سے ایسا مالدار آدمی مراد ہے جو غنی ہے قرض دینے کی طاقت رکھتا ہے اور قرض ادا نہیں کرتا ہے تو ایسے ظالم مالدار کو اللہ تبارک وتعالیٰ مبغوض رکھتا ہے کیونکہ قدرت کے باوجود قرض ادا نہیں کرتا ہے یہ اس کی شرارت وخباثت کی علامت ہے یا مالداری کے نشہ میں دوسروں پر ظلم کرتا ہے۔[۵]

[۱] المرقات: ۴/۴۱۶ [۲] المرقات: ۴/۴۱۶ [۳] المرقات: ۴/۴۱۶ [۴] المرقات: ۴/۴۱۷ [۵] المرقات: ۴/۴۱۷

انسان کا صدقہ کائنات کی ہر طاقت سے بڑھ کر ہے

﴿۳۵﴾ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا خَلَقَ اللهُ الْأَرْضَ جَعَلَتْ تَمِيْدُ فَخَلَقَ الْجِبَالَ فَقَالَ بِهَا عَلَيْهَا فَاسْتَقَرَّتْ فَعَجِبَتِ الْمَلَائِكَةُ مِنْ شِدَّةِ الْجِبَالِ فَقَالُوْا يَارَبِّ هَلْ مِنْ خَلْقِكَ شَيْءٌ أَشَدُّ مِنَ الْجِبَالِ قَالَ نَعَمْ الْحَدِيْدُ فَقَالُوْا يَارَبِّ هَلْ مِنْ خَلْقِكَ شَيْءٌ أَشَدُّ مِنَ الْحَدِيْدِ قَالَ نَعَمْ النَّارُ فَقَالُوْا يَارَبِّ هَلْ مِنْ خَلْقِكَ شَيْءٌ أَشَدُّ مِنَ النَّارِ قَالَ نَعَمْ الْمَاءُ فَقَالُوْا يَارَبِّ هَلْ مِنْ خَلْقِكَ شَيْءٌ أَشَدُّ مِنَ الْمَاءِ قَالَ نَعَمْ الرِّيْحُ فَقَالُوْا يَارَبِّ هَلْ مِنْ خَلْقِكَ شَيْءٌ أَشَدُّ مِنَ الرِّيْحِ قَالَ نَعَمْ ابْنُ آدَمَ تَصَدَّقَ صَدَقَةً بِيَمِيْنِهٖ يُخْفِيْهَا مِنْ شِمَالِهٖ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَذُكِرَ حَدِيْثُ مُعَاذٍ الصَّدَقَةُ تُطْفِئُ الْخَطِيْئَةَ فِيْ كِتَابِ الْإِيْمَانِ) [1]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے زمین پیدا کی تو وہ ہلنے لگی پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے پہاڑوں کو پیدا فرما کر انہیں زمین پر کھڑا کیا، چنانچہ زمین ٹھہر گئی فرشتوں کو پہاڑ کی سختی سے بڑا تعجب ہوا، وہ کہنے لگے کہ ہمارے پروردگار: کیا تیری مخلوقات میں کوئی چیز پہاڑوں سے بھی زیادہ سخت ہے؟ پروردگار نے فرمایا ہاں لوہا ہے (کہ وہ پتھر کو بھی توڑ ڈالتا ہے) انہوں نے پوچھا کہ ہمارے پروردگار کیا تیری مخلوقات میں کوئی چیز لوہے سے بھی زیادہ سخت ہے؟ پروردگار نے فرمایا ہاں: آگ ہے (کہ وہ لوہے کو بھی پگھلا دیتی ہے) پھر انہوں نے عرض کیا کہ ہمارے پروردگار: کیا تیری مخلوقات میں کوئی چیز آگ سے بھی زیادہ سخت ہے؟ پروردگار نے فرمایا: ہاں پانی ہے (کہ وہ آگ کو بھی بجھا دیتا ہے) پھر انہوں نے پوچھا کہ: ہمارے پروردگار کیا تیری مخلوقات میں کوئی چیز پانی سے بھی زیادہ سخت ہے؟ پروردگار نے فرمایا: ہاں ہوا ہے (کہ وہ پانی کو بھی خشک کر دیتی ہے) پھر انہوں نے عرض کیا کہ ہمارے پروردگار: کیا تیری مخلوقات میں کوئی چیز ہوا سے بھی زیادہ سخت ہے؟ پروردگار نے فرمایا: ہاں اور وہ ابن آدم کا صدقہ دینا ہے کہ وہ خدا کی راہ میں اپنے دائیں ہاتھ سے (اس طرح) مال خرچ کرتا ہے (کہ) اسے بائیں ہاتھ سے (بھی) چھپاتا ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

الفصل الثالث

﴿۳۶﴾ وَعَنْ أَبِيْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ عَبْدٍ مُسْلِمٍ يُنْفِقُ مِنْ كُلِّ مَالٍ لَهٗ زَوْجَيْنِ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ إِلَّا اسْتَقْبَلَتْهُ حَجَبَةُ الْجَنَّةِ كُلُّهُمْ يَدْعُوْهُ إِلٰى مَا عِنْدَهٗ قُلْتُ وَكَيْفَ ذٰلِكَ قَالَ إِنْ كَانَتْ إِبِلًا فَبَعِيْرَيْنِ وَإِنْ كَانَتْ بَقَرَةً فَبَقَرَتَيْنِ۔ (رَوَاهُ النَّسَائِيُّ) [2]

---

[1] المرقات: ۴/۴۲۰ الکاشف: ۴/۱۳۱ [2] اخرجه النسائي

ترجمہ: حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو مسلمان بندہ اپنے ہر مال میں سے دو دو چیزیں اللہ تبارک وتعالیٰ کی راہ میں خرچ کرے تو بہشت کے تمام دربان اس کا استقبال کریں گے اور اسے اپنے پاس کی چیزوں کی طرف بلائیں گے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے (یہ سن کر) عرض کیا کہ دو دو چیزیں خرچ کرنے کا مطلب کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا "اگر اس کے پاس اونٹ ہوں تو دو اونٹ دے اور اگر گائیں ہوں تو دو گائیں دے۔ (نسائی)

قیامت کے دن صدقہ آدمی کے اوپر سائبان بنے گا

﴿۳۷﴾ وَعَنْ مَرْثَدِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ حَدَّثَنِيْ بَعْضُ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِنَّ ظِلَّ الْمُؤْمِنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ صَدَقَتُهُ۔

(رَوَاهُ أَحْمَدُ)[1]

ترجمہ: اور حضرت مرثد بن عبداللہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی ﷺ کے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے مجھ سے یہ حدیث بیان کی کہ انہوں نے آپ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا "قیامت کے دن مؤمن کا سایہ اس کا صدقہ ہوگا"۔ (احمد)

اس حدیث میں تشبیہ مقلوب ہے اصل عبارت اس طرح ہونی چاہئے "ان الصدقة كالظل فی انه يحميه عن اذى الحر يوم القيامة"۔ (کذافی الشرح)[2]

عاشورہ کے دن زیادہ خرچ کرنے کا حکم

﴿۳۸﴾ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ وَسَّعَ عَلٰى عِيَالِهٖ فِي النَّفَقَةِ يَوْمَ عَاشُوْرَاءَ وَسَّعَ اللّٰهُ عَلَيْهِ سَائِرَ سَنَتِهٖ قَالَ سُفْيَانُ إِنَّا قَدْ جَرَّبْنَاهُ فَوَجَدْنَاهُ كَذٰلِكَ رَوَاهُ رَزِيْنٌ وَرَوَى الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْإِيْمَانِ عَنْهُ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ وَأَبِيْ سَعِيْدٍ وَجَابِرٍ وَضَعَّفَهٗ۔

ترجمہ: اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص عاشورہ کے دن اپنے اہل وعیال کے خرچ میں وسعت اختیار کرے تو اللہ تبارک وتعالیٰ سارے سال (اس کے مال وزر میں) وسعت عطا فرمائے گا۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہم نے اس کا تجربہ کیا تو ایسا ہی پایا۔ (رزین رحمۃ اللہ علیہ) اس روایت کو بیہقی نے شعب الایمان میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے نیز انہوں نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔[3]

توضیح: "وضعفه" یعنی امام بیہقی نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔

ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقات میں اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اشعۃ اللمعات میں حدیث توسع علی

[1] اخرجه احمد: ۲۲۳/۴ [2] المرقات: ۲۲۰/۴، الكاشف: ۱۲۱/۴ [3] المرقات: ۲۲۰/۴

العیال یوم عاشوراء پر کلام کیا ہے کہ آیا واقعی یہ حدیث نا قابل استدلال ہے یا قابل عمل وقابل استدلال ہے۔
چنانچہ ملا علی قاری رحمہ اللہ مرقات ج ۴ ص ۴۲۰ پر لکھتے ہیں۔

"ونقل میرك رحمہ اللہ عن المنذری فی الترغیب ان هذا الحدیث رواه البیهقی من طرق، ومن جماعة من الصحابة وقال (ای البیهقی) هذه الاسانید وان كانت ضعیفة فهی اذاضم بعضها الی بعض احدث قوة. قال العراقی رحمہ اللہ له طرق صحیح بعضها وبعضها علی شرط مسلم، واما حدیث الاكتحال یوم عاشوراء فلااصل له و كذاسائر الاشیاء العشرة ماعداالصوم والتوسیع". [1]

اس عبارت کا خلاصہ یہ نکلا کہ امام بیہقی رحمہ اللہ نے اگرچہ اس حدیث کو ضعیف کہا ہے لیکن متعدد طرق جمع کرنے کے بعد فیصلہ یہ سنادیا کہ یہ اسانید اگرچہ انفرادی طور پر کمزور ہیں لیکن جب متعدد طرق اکٹھے ہوجائیں تو حدیث میں قوت پیدا ہوجائے گی۔

اصحاب جرح وتعدیل کے امام علامہ عراقی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس حدیث کے مختلف طرق ہیں بعض کو صحیح قرار دیا گیا ہے اور بعض تو امام مسلم رحمہ اللہ کی شرط پر ہیں۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عاشوراء کے دن سرمہ لگانے کا ذکر جس حدیث میں ہے وہ بے بنیاد ہے اسی طرح عاشورا کے دن کے لئے دس اشیاء کا ذکر کیا جاتا ہے سب بے بنیاد ہیں۔ صرف عاشورا کے دن روزہ رکھنے اور توسع علی العیال کی حدیث صحیح ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے بھی اسی طرح کلام فرمایا ہے مگر اس کے کلام میں کچھ اضافہ ہے اس کو ان کی عبارت میں نقل کیا جاتا ہے۔

بدانکہ آنچہ ثبوت رسیدہ است نزد محدثین از اعمال روز عاشورا صوم است وتوسیع طعام، وحدیث صوم صحیح است وحدیث توسع ضعیف ولیکن بتعدد طرق وکثرت آن بمرتبہ حسن رسیدہ۔

ودر کتاب "ماثبت بالسنة فی ایام السنه" احادیث وارده درروز عاشورا از صحاح وحسان وضعاف وموضوعات بتفصیل ذکر کردہ ایم اشعة اللمعات ج ۲ ص ٦٦۔ [2]

جان لو کہ عاشورا کے دن سے متعلق جو احادیث محدثین کے ہاں پایہ ثبوت کو پہنچی ہیں وہ صرف روزہ کی حدیث اور توسع طعام والی حدیث ہے۔

ان دونوں حدیثوں میں بھی روزے والی حدیث صحیح ہے اور توسع طعام والی حدیث ضعیف ہے لیکن طرق کی کثرت اور اس

---

[1] المرقات: ۴/۴۲۰ [2] اشعة المعات:

کے تعدد نے اس حدیث کو درجہ حسن تک پہنچادیا ہے اور میں نے اپنی کتاب "ماثبت بالسنة فی ایام السنه" میں یوم عاشورا سے متعلق تمام احادیث کو تفصیل سے ذکر کیا ہے اس میں کچھ احادیث صحیح کے درجہ میں ہیں کچھ حسن کے درجہ میں ہیں کچھ ضعیف ہیں اور کچھ موضوعات ہیں۔

میں نے اس حدیث کے متعلق یہ تفصیل اس لئے لکھ دی کہ بعض سخت گیر موقف کے لوگ یوم عاشورا کی تمام چیزوں کا انکار کرتے ہیں اور پھر فوراً تمام احادیث کو موضوعات کی فہرست میں جمع کردیتے ہیں جو عاشورا سے متعلق وارد ہیں حالانکہ ان میں بعض احادیث صحیح علی شرط المسلم ہیں تو اتنا غلو نہیں کرنا چاہئے جس طرح کہ بعض بدعت پسند حضرات عاشورا کی تمام روایات کو من وعن لیکر موضوعات کو بھی گلے کا ہار بنادیتے ہیں اس طرح افراط وتفریط مناسب نہیں ہے۔

﴿۳۹﴾ وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ قَالَ أَبُوذَرٍّ يَانَبِيَّ اللّٰهِ أَرَأَيْتَ الصَّدَقَةَ مَاذَا هِيَ قَالَ أَضْعَافٌ مُّضَاعَفَةٌ وَعِنْدَاللّٰهِ الْمَزِيْدُ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ: مجھے بتایئے کہ صدقہ کا ثواب کتنا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا "اس کا ثواب چند در چند (یعنی کئی کئی گنا) ہے بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک اس سے بھی زیادہ ہے۔ (احمد)

---

[1] اخرجه احمد: ۵/۱۷۹

باب افضل الصدقة

بہترین صدقہ کا بیان

اس باب میں جو افضل اور بہترین صدقہ کا بیان ہو رہا ہے اس کی بنیاد اس پر ہے کہ صدقہ دینے میں سب سے پہلے یا اس امر کو دیکھا گیا ہے کہ اس قسم کا صدقہ فی حد ذاتہ مفید تر ہے اور اس کے فوائد بہت عام ہیں اور اس کی طرف انسانوں کا احتیاج بہت زیادہ ہے یا صدقہ اس اعتبار سے افضل ہو جاتا ہے کہ صدقہ کرنے والے میں کچھ خاص امتیازی صفات ہوتی ہیں مثلاً اس کا اخلاص زیادہ ہوتا ہے یا حالت احتیاج میں صدقہ کرتا ہے یا عن ظہر غنی ہو کہ بے پرواہی سے صدقہ کرتا ہے یا اس اعتبار سے صدقہ افضل تر ہو جاتا ہے کہ جس پر صدقہ کیا گیا ہے وہ زیادہ قابل احسان تھا یا زیادہ مستحق تھا یا زیادہ عیالدار تھا یا اس نے خالص اللہ تبارک وتعالیٰ کے نام سے سوال کیا تھا انہیں وجوہات کی بنیاد پر صدقہ افضل ترین بن جاتا ہے افضلیت کے انہیں اسباب کا بیان ہے۔

بہترین صدقہ

الفصل الاول

﴿۱﴾ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ وَحَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ قَالَا قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُ الصَّدَقَةِ مَا كَانَ عَنْ ظَهْرِ غِنًى وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُولُ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَرَوَاهُ مُسْلِمٌ عَنْ حَكِيمٍ وَحْدَهُ)[1]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ دونوں راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بہترین صدقہ وہ ہے جو بے پروائی کے ساتھ دیا ہے اور صدقہ دینے کی ابتداء اس شخص سے کرو جس کا نفقہ تم پر لازم ہے" (بخاری) اور امام مسلم رحمہ اللہ نے اس روایت کو صرف حضرت حکیم بن حزام رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے۔

توضیح: "عن ظهر غنى" یعنی جو صدقہ بے پرواہی کے ساتھ دیا جائے" اس لفظ کے دو مفہوم ہیں پہلا مفہوم یہ ہے کہ صدقہ کرنے والے کو نفس غنا حاصل ہو وہ اس طرح کہ وہ از راہ سخاوت اپنا مال خدا کی راہ میں اس طرح خرچ کرتا ہے کہ اس کو خدا کی ذات پر کامل و مکمل بھروسہ ہے وہ اس بات سے مستغنی اور بے پرواہ ہے کہ خرچ کرنے کے بعد میرے اہل وعیال کیا کھائیں گے جیسے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ گھر میں اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نام چھوڑا۔[2] دوسرا مفہوم یہ ہے کہ اگر صدقہ کرنے والے کو نفس کی غنا حاصل نہ ہو لیکن ان کو مال و دولت کی غنا حاصل ہو کہ خرچ کرنے کے بعد بھی ان کے پاس اتنا مال باقی ہے جو ان کے اہل وعیال کے لئے کافی ہو جاتا ہے۔ پہلا مفہوم زیادہ مناسب ہے[3]۔ "وابدأ بمن تعول" یعنی جو لوگ تمہاری عیالداری میں اس صدقہ کرنے میں ہیں ان سے شروع کرو جیسے اول

[1] اخرجه البخاري: ۲/۱۳۹ ومسلم: ۱۲۶،۷/۱۲۵ [2] المرقات: ۴/۳۲۲ الكاشف: ۴/۱۴۳ [3] المرقات: ۴/۳۲۲، ۳۲۳ الكاشف: ۴/۱۴۳

جان پھر جہاں۔[۱]

اہل وعیال پر خرچ کرنا صدقہ ہے

﴿۲﴾ وَعَنْ أَبِي مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَنْفَقَ الْمُسْلِمُ نَفَقَةً عَلَى أَهْلِهِ وَهُوَ يَحْتَسِبُهَا كَانَتْ لَهُ صَدَقَةً۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۲]

ترجمہ: اور حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''جو مسلمان اپنے اہل (یعنی بیوی اور اقرباء) پر کچھ خرچ کرتا ہے اور اس میں ثواب کی توقع رکھتا ہے تو اس کا یہ خرچ اس کے حق میں (بڑا مقبول) صدقہ ہو جاتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

﴿۳﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دِيْنَارٌ أَنْفَقْتَهُ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ وَدِيْنَارٌ أَنْفَقْتَهُ فِي رَقَبَةٍ وَدِيْنَارٌ تَصَدَّقْتَ بِهِ عَلَى مِسْكِيْنٍ وَدِيْنَارٌ أَنْفَقْتَهُ عَلَى أَهْلِكَ أَعْظَمُهَا أَجْرًا الَّذِيْ أَنْفَقْتَهُ عَلَى أَهْلِكَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[۳]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''ایک دینار تو وہ ہے جسے تم خدا کی راہ میں (یعنی حج یا جہاد یا طلب علم میں خرچ کرو ایک دینار تو وہ ہے جسے تم غلام کو آزاد کرنے میں خرچ کرو ایک دینار وہ ہے جسے تم مسکین پر خرچ کرو ایک دینار وہ ہے جسے تم اپنے اہل وعیال پر خرچ کرو تو ان تمام دیناروں میں ازروئے ثواب سب سے بڑا دینار وہ ہے جسے تم نے اپنے اہل وعیال پر خرچ کیا ہے۔ (مسلم)

﴿۴﴾ وَعَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْضَلُ دِيْنَارٍ يُنْفِقُهُ الرَّجُلُ دِيْنَارٌ يُنْفِقُهُ عَلَى عِيَالِهِ وَدِيْنَارٌ يُنْفِقُهُ عَلَى دَابَّتِهِ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ وَدِيْنَارٌ يُنْفِقُهُ عَلَى أَصْحَابِهِ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[۴]

ترجمہ: اور حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''بہتر دینار وہ ہے جو کوئی شخص اپنے اہل وعیال پر خرچ کرے اور بہتر دینار وہ ہے جو کوئی شخص اپنے اس جانور پر خرچ کرے جو جہاد کے لئے پالا گیا ہو اور بہتر دینار وہ ہے جو کوئی شخص اپنے ان دوستوں پر خرچ کرے جو خدا کی راہ میں جہاد کرنے والے ہوں۔ (مسلم)

﴿۵﴾ وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ أَلِيَ أَجْرٌ إِنْ أُنْفِقَ عَلَى بَنِي أَبِي سَلَمَةَ إِنَّمَا هُمْ بَنِيَّ

[۱] المرقات: ۴/۴۲۳ [۲] اخرجه البخاری: ۱/۲۱ ومسلم: ۷/۸۸۸ [۳] اخرجه مسلم: ۷/۸۲ [۴] اخرجه مسلم: ۷/۸۱

فَقَالَ أَنْفِقِيْ عَلَيْهِمْ فَلَكِ أَجْرُ مَا أَنْفَقْتِ عَلَيْهِمْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ (ایک دن) میں نے عرض کیا یا رسول اللہ: ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے بیٹوں پر خرچ کرنے میں میرے لئے ثواب ہے کہ نہیں؟ درآنحالیکہ وہ میرے ہی بیٹے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان پر خرچ کرو، جو چیز تم ان پر خرچ کروگی اس کا تمہیں ثواب ملے گا۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "انما هم بنی" حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ ایک صحابی تھے ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پہلے ان کے نکاح میں تھیں ان کا انتقال ہوا تو ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیوہ ہوگئیں ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے ان کی اولاد تھی، جب ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نکاح میں آئیں تو یہ یتیم بچے بھی ساتھ آئے ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان پر کچھ خرچ کیا کرتی تھیں لیکن خیال یہ تھا کہ اپنی اولاد ہے ان پر خرچ کرنے میں کیا ثواب ملے گا جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان پر خرچ کرو ثواب ملے گا۔[2]

اپنی بیوی یا اپنے شوہر کو زکوٰۃ دینے کا مسئلہ

﴿۶﴾ وَعَنْ زَيْنَبَ امْرَأَةِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَصَدَّقْنَ يَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ وَلَوْ مِنْ حُلِيِّكُنَّ قَالَتْ فَرَجَعْتُ إِلٰى عَبْدِاللّٰهِ فَقُلْتُ إِنَّكَ رَجُلٌ خَفِيْفُ ذَاتِ الْيَدِ وَإِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ أَمَرَنَا بِالصَّدَقَةِ فَأْتِهِ فَاسْأَلْهُ فَإِنْ كَانَ ذٰلِكَ يُجْزِئُ عَنِّيْ وَإِلَّا صَرَفْتُهَا إِلٰى غَيْرِكُمْ قَالَتْ فَقَالَ لِيْ عَبْدُاللّٰهِ بَلِ ائْتِيْهِ أَنْتِ قَالَتْ فَانْطَلَقْتُ فَإِذَا امْرَأَةٌ مِنَ الْأَنْصَارِ بِبَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَاجَتِيْ حَاجَتُهَا قَالَتْ وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ أُلْقِيَتْ عَلَيْهِ الْمَهَابَةُ فَقَالَتْ فَخَرَجَ عَلَيْنَا بِلَالٌ فَقُلْنَا لَهُ ائْتِ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبِرْهُ أَنَّ امْرَأَتَيْنِ بِالْبَابِ تَسْأَلَانِكَ أَتُجْزِئُ الصَّدَقَةُ عَنْهُمَا عَلٰى أَزْوَاجِهِمَا وَعَلٰى أَيْتَامٍ فِيْ حُجُوْرِهِمَا وَلَا تُخْبِرْهُ مَنْ نَحْنُ قَالَتْ فَدَخَلَ بِلَالٌ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَهُ فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ هُمَا قَالَ امْرَأَةٌ مِنَ الْأَنْصَارِ وَزَيْنَبُ فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ الزَّيَانِبِ قَالَ امْرَأَةُ عَبْدِاللّٰهِ

[1] اخرجه البخاری: ۱۵۱/۲، ومسلم: ۸۸/۷ [2] المرقات: ۲/۴۲۲

فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَھُمَا أَجْرَانِ أَجْرُ الْقَرَابَۃِ وَأَجْرُ الصَّدَقَۃِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ)[1]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ (ایک مرتبہ مجلس ذکر ونصیحت میں عورتوں کو مخاطب کرتے ہوئے) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے عورتوں کی جماعت: صدقہ وخیرات کرو، اگر چہ وہ تمہارے زیورات ہی میں سے کیوں نہ ہو، حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ (یہ سن کر) میں (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس سے) عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اور ان سے کہنے لگی کہ ''آپ خالی ہاتھ (یعنی مفلس) مرد ہیں۔ اور چونکہ رسول اللہ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں صدقہ وخیرات کرنے کا حکم فرمایا ہے، اس لئے آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا کر یہ معلوم کریں (کہ اگر میں آپ پر اور آپ کی اولاد پر بطور صدقہ خرچ کروں تو آیا یہ صدقہ میرے لئے کافی ہوگا یا نہیں؟) اگر آپ کو اور آپ کی اولاد کو میرا صدقہ دینا میرے لئے کافی ہو جائے تو پھر میں آپ ہی کو صدقہ دے دوں اور اگر یہ میرے لئے کافی نہ ہو تو پھر آپ کے علاوہ دوسرے لوگوں پر بطور صدقہ خرچ کروں، حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا کہ ''تم ہی جاؤ چنانچہ میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی وہاں کیا دیکھتی ہوں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ پر انصار کی ایک عورت کھڑی ہے اور (وہاں آنے کی) ہماری دونوں کی حاجت یکساں تھی۔ (یعنی وہ بھی یہی معلوم کرنے آئی تھی کہ آیا میں اپنے صدقہ کا مال اپنے خاوند اور اس کے متعلقین کو دے سکتی ہوں یا نہیں؟) حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ (چونکہ) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہیبت وعظمت کا پیکر تھی اس لئے ہم وہاں سے نکل کر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں اور ان سے کہا کہ آپ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا کر کہئے کہ دروازے پر کھڑی ہوئی دو عورتیں آپ سے پوچھتی ہیں کہ کیا اپنے شوہروں اور ان یتیموں کو جو ان کی پرورش میں ہیں ان کا صدقہ دینا ان کے لئے کافی ہو جائے گا، مگر دیکھئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ نہ بتائیے گا کہ ہم کون ہیں؟ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ ''حضرت بلال رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ مسئلہ دریافت کیا (پہلے تو) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ دو عورتیں کون ہیں؟ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کہا ایک تو انصار میں سے کوئی عورت ہے اور دوسری زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ کون سی زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا؟ (کیونکہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نام کی کئی عورتیں ہیں) حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (ان سے جا کر کہدو کہ اس صورت) ان کے لئے دوہرا ثواب ہے ایک تو حق قرابت (کی ادائیگی) کا اور دوسرا صدقہ دینے کا۔ (بخاری ومسلم الفاظ مسلم کے ہیں)

توضیح: ''ولو من حلیکن'' اس سے واضح طور پر احناف کا مسلک ثابت ہوتا ہے جن کے ہاں عورتوں کے زیورات میں زکوٰۃ ہے مسئلہ پہلے گذر چکا ہے۔[2]

''خفیف ذات الید'' یعنی ہاتھ میں جو کچھ ہے وہ ہلکا ہے اور کم ہے یعنی فقیر آدمی ہو۔[3]

[1] اخرجہ البخاری: ۲/۱۵۰ ومسلم: ۷/۸۶، ۸۸ [2] المرقات: ۴/۳۲۲ [3] المرقات: ۴/۳۲۲

"بل اثنتیه انت" حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بہت اچھا جواب دیا جس سے مرد کی فوقیت برقرار رہی اللہ تبارک وتعالیٰ ان پر کروڑھا رحمتیں نازل فرمائے۔ مطلب یہ کہ میں تیری زکوٰۃ لینے کے لئے دارالافتاء سے یہ مسئلہ نہیں پوچھ سکتا کہ میری بیوی کی زکوٰۃ مجھ پر لگتی ہے یا نہیں، تم خود جاؤ اور معلوم کرو۔[1] "حاجتی حاجتها" یعنی جس مسئلہ کے متعلق معلوم کرنے کے لئے میں گئی تھی اسی طرح کا مسئلہ اس عورت کو بھی درپیش تھا۔[2]

"المهابة" یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو رعب ودبدبہ اور ہیبت عطا فرمائی تھی اس لئے اچانک اور بے دھڑک کوئی آدمی آنحضرت ﷺ پر داخل نہیں ہوسکتا تھا۔[3]

"واجر للصدقة" یعنی دو اجر ملیں گے ایک اجر صدقہ کا ملے گا اور دوسرا اجر قرابت وصلہ کا ملے گا اب اس میں ائمہ احناف کا آپس میں اختلاف ہے کہ آیا شوہر اپنی بیوی کو یا بیوی اپنے شوہر کو زکوٰۃ دے سکتی ہے یا نہیں۔[4]

فقہاء کا اختلاف:

اس میں تمام فقہاء احناف کا اتفاق ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو زکوٰۃ کا مال نہیں دے سکتا ہے کیونکہ دونوں میں مفادات مشترک ہیں جس سے آدمی اپنے مال سے خود فائدہ اٹھا سکتا ہے جو نا جائز ہے۔

البتہ اس میں اختلاف ہے کہ بیوی اپنے شوہر کو زکوٰۃ دے سکتی ہے یا نہیں اس میں اختلاف ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بیوی بھی اپنے شوہر کو زکوٰۃ نہیں دے سکتی کیونکہ یہاں بھی مفادات میں اشتراک ہے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بیوی اپنے شوہر کو زکوٰۃ دے سکتی ہے کیونکہ مفادات میں اشتراک نہیں ہے اور زیر بحث صریح حدیث بھی موجود ہے جس میں واجبی صدقہ مراد ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو زکوٰۃ کے علاوہ کسی اور صدقہ وخیرات اور نفلی معاملات پر حمل کرتے ہیں۔[5]

اپنے قرابت والوں کو زکوٰۃ دینے میں بڑا ثواب ہے

﴿۷﴾ وَعَنْ مَيْمُوْنَةَ بِنْتِ الْحَارِثِ أَنَّهَا أَعْتَقَتْ وَلِيْدَةً فِيْ زَمَانِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَتْ ذٰلِكَ لِرَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَوْ أَعْطَيْتِهَا أَخْوَالَكِ كَانَ أَعْظَمَ لِأَجْرِكِ.

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[6]

ترجمہ: اور ام المؤمنین حضرت میمونہ بنت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے (ایک مرتبہ) رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں ایک لونڈی آزاد کی اور سرکار دوعالم سے اس کا تذکرہ کیا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ "اگر تم وہ لونڈی

[1] المرقات: ۴/۲۲۴ [2] المرقات: ۴/۲۲۵ [3] المرقات: ۴/۲۲۵
[4] المرقات: ۴/۲۲۵ [5] المرقات: ۴/۲۲۶ [6] اخرجه البخاری: ۳/۲۰۷، ۲۰۰۸ ومسلم: ۷/۸۵، ۸۶

اپنے ماموں کو دے دیتیں تو تمہیں بہت زیادہ ثواب ملتا۔ (بخاری و مسلم)

اپنے پڑوسیوں کا عام عطیہ میں خیال رکھنا چاہئے

﴿۸﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ يَارَسُولَ اللّٰهِ إِنَّ لِي جَارَيْنِ فَإِلٰى أَيِّهِمَا أُهْدِي قَالَ إِلٰى أَقْرَبِهِمَا مِنْكِ بَابًا. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[۱]

ترجمہ: اور ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے عرض کیا ''یارسول اللہ! میرے دو پڑوسی ہیں ان میں سے کسے تحفہ بھیجوں؟ (یعنی پہلے یا زیادہ کسے دوں؟) آپ ﷺ نے فرمایا ''اس پڑوسی کو جس کا دروازہ تم سے زیادہ قریب ہو۔ (بخاری)

﴿۹﴾ وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا طَبَخْتَ مَرَقَةً فَأَكْثِرْ مَاءَهَا وَتَعَاهَدْ جِيْرَانَكَ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[۲]

ترجمہ: اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''جب تم شوربا پکاؤ تو اس میں پانی زیادہ ڈالو اور اپنے ہمسایہ کا خیال رکھو۔ (مسلم)

الفصل الثانی

کم مال رکھنے والے کا صدقہ افضل ہے

﴿۱۰﴾ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ يَارَسُولَ اللّٰهِ أَيُّ الصَّدَقَةِ أَفْضَلُ قَالَ جُهْدُ الْمُقِلِّ وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُولُ. (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)[۳]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے عرض کیا ''یارسول اللہ: کون سا صدقہ زیادہ ثواب کا باعث ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''کم مال رکھنے والے کی زیادہ سعی و کوشش، اور صدقہ کا مال پہلے اس شخص کو دو جس کی ضروریات زندگی تمہاری ذات سے وابستہ ہوں۔ (ابوداؤد)

توضیح: ''جهد المقل'' جہد تو محنت و مزدوری کو کہتے ہیں یہاں صدقہ کرنے میں جدوجہد کرنا اور پوری کوشش کرنا مراد ہے کہ کم مال ہے مگر اپنے دل پر پتھر رکھ کر راہ خدا میں مال دیتا ہے۔[۴]

''المقل'' یہ قلیل اور قلت سے ہے مراد وہ لوگ ہیں جن کے پاس صدقہ کے لئے مال بالکل کم ہو عربی محاورہ ہے[۵]
''جهد المقل دموعه'' یعنی کسی کے پاس مال نہیں تو وہ رونے کے سوا کیا کرسکتا ہے۔

---

[۱] اخرجه البخاری: ۳/۱۱۵ [۲] اخرجه مسلم: ۱۷۶، ۶۱/۱۷۶ [۳] اخرجه ابوداؤد: ۲/۱۳۲ ح ۱۶۷۷

[۴] المرقات: ۴/۲۲۷ [۵] المرقات: ۴/۲۲۷

﴿۱۱﴾ وَعَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّدَقَةُ عَلَى الْمِسْكِيْنِ صَدَقَةٌ وَهِيَ عَلَى ذِي الرَّحِمِ ثِنْتَانِ صَدَقَةٌ وَصِلَةٌ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَه وَالدَّارِمِيُّ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت سلیمان بن عامر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''کسی مسکین کو صدقہ دینا ایک صدقہ ہے (یعنی اس کو دینے میں صرف صدقہ ہی کا ثواب ملتا ہے) مگر اپنے اقرباء میں سے کسی کو صدقہ دینا دوہرے ثواب کا باعث ہے، ایک ثواب تو صدقہ کا اور دوسرا ثواب صلۂ رحمی (رشتہ داروں سے حسن سلوک) کا ہوتا ہے۔ (احمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، دارمی)

خرچ کرنے کی ترتیب

﴿۱۲﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ عِنْدِي دِيْنَارٌ قَالَ أَنْفِقْهُ عَلَى نَفْسِكَ قَالَ عِنْدِي آخَرُ قَالَ أَنْفِقْهُ عَلَى وَلَدِكَ قَالَ عِنْدِي آخَرُ قَالَ أَنْفِقْهُ عَلَى أَهْلِكَ قَالَ عِنْدِي آخَرُ قَالَ أَنْفِقْهُ عَلَى خَادِمِكَ قَالَ عِنْدِي آخَرُ قَالَ أَنْتَ أَعْلَمُ۔ (رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ)[۲]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور اس نے کہا کہ (یارسول اللہ) میرے پاس ایک دینار ہے (جسے میں خرچ کرنا چاہتا ہوں سو اس کو کہاں خرچ کروں؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو اپنے نفس پر خرچ کرو اس شخص نے کہا ایک اور ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اسے اپنی اولاد پر خرچ کرو'' اس نے عرض کیا میرے پاس ایک اور دینار ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اسے اپنے اہل (یعنی بیوی اور ماں باپ اور دوسرے اقرباء) پر خرچ کرو۔ اس نے کہا کہ میرے پاس ایک اور دینار ہے۔ فرمایا کہ اسے اپنے خادم پر خرچ کرو پھر اس نے کہا کہ میرے پاس ایک اور دینار ہے فرمایا کہ اب تم اس بارے میں زیادہ جان سکتے ہو۔ (یعنی اب اس کے بعد کے مستحق کو تم ہی بہتر جان سکتے ہو جسے اس کا مستحق سمجھو اسے دے دو)۔ (ابوداؤد، نسائی)

بدترین سائل کون ہے؟

﴿۱۳﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِ النَّاسِ رَجُلٌ مُمْسِكٌ بِعِنَانِ فَرَسِهِ فِي سَبِيْلِ اللهِ أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِالَّذِي يَتْلُوهُ رَجُلٌ مُعْتَزِلٌ فِي غُنَيْمَةٍ لَهُ يُؤَدِّي حَقَّ اللهِ فِيْهَا أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِشَرِّ النَّاسِ رَجُلٌ يُسْأَلُ بِاللهِ وَلَا يُعْطِي بِهِ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَالدَّارِمِيُّ)[۳]

---

[۱] اخرجه احمد: ۴/۱۷، ۱۸ والترمذی: ۳/۴۲ والنسائی: ۵/۹۲

[۲] اخرجه ابوداؤد: ۲/۱۳۶، ح ۱۶۹۱، والنسائی: ۵/۶۲

[۳] اخرجه الترمذی: ۳/۲۳۶، والنسائی: ۵/۸۳ والدارمی ۲/۲۰۱، ۲۰۲

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''کیا میں تمہیں بتاؤں کہ بہتر آدمی کون ہے؟ وہ شخص ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی راہ میں اپنے گھوڑے کی لگام پکڑے کھڑا ہے (یعنی میدانِ جنگ میں گھوڑے پر سوار ہو کر کافروں کے ساتھ جنگ کا منتظر ہو) کیا میں تمہیں بتاؤں کہ وہ کون شخص ہے جو مذکورہ بالا شخص (یعنی مجاہد) کے مرتبہ کے قریب ہے؟ وہ شخص ہے جس نے اپنی چند بکریوں کے ساتھ گوشہ نشینی اختیار کر لی ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کا حق ادا کرتا ہے (یعنی وہ چند بکریاں لے کر لوگوں سے دور ہو کر جنگل میں جا بسا اور وہاں اپنی بکریوں پر گزر بسر کرتا ہے اور ان کی بروقت زکوٰۃ ادا کرتا رہتا ہے) کیا میں تمہیں بتاؤں کہ بدترین آدمی کون ہے؟ وہ شخص ہے جس سے خدا کے نام کے ساتھ سوال کیا جاتا ہے مگر وہ سائل کا سوال پورا نہیں کرتا۔

(ترمذی، نسائی، دارمی)

توضیح: "بخیر الناس" یعنی تمام لوگوں میں سے افضل وہ غازی اور مجاہد ہے جو ہر وقت گھوڑے کو تیار رکھتا ہے اور جہاد کا منتظر رہتا ہے جب بھی کسی طرف سے کافروں کا شور شرابہ سنتا ہے دوڑ کر اس کی طرف جاتا ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے راستہ میں موت کو تلاش کرتا ہے۔ [1]

یہاں تمام شارحین نے کلمۂ تمریض کے ساتھ یہ کلام کیا ہے کہ اس حدیث میں اس طرح عبارت محذوف ہے۔ "ای ممن ھو من خیر الناس" یعنی ایسا شخص جو دیگر اچھے لوگوں میں سے ایک اچھا آدمی ہو یعنی سب سے افضل نہ ہو بلکہ افضل لوگوں میں سے ایک ہو۔ شارحین فرماتے ہیں کہ یہ محذوف اس لئے لینا پڑتا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ اس غازی ومجاہد سے کوئی دوسرا آدمی زیادہ بہتر ہو۔ شارحین کا یہ کلام اور یہ احتمال اپنی جگہ سر آنکھوں قبول ہے لیکن اس سے حضور اکرم ﷺ کے کلام میں محذوف عبارت لگانے کا بے جا تکلف لازم آتا ہے جب حدیث میں مجاہد کو تمام لوگوں سے افضل قرار دیا ہے اور قرآن کا اعلان ﴿وفضل اللہ المجاھدین علی القاعدین اجرا عظیما﴾ اس کے بعد کونسی مجبوری ہے کہ مجاہد افضل نہیں ہے؟؟

"یسئل باللہ" یعنی اللہ تعالیٰ کے نام کا واسطہ دے کر اس سے سوال کیا جائے مگر وہ کچھ نہ دے۔

"یسئل باللہ ولا یعطی بہ" ان دونوں صیغوں کے مجہول ومعروف پڑھنے سے معنی بدل جاتے ہیں اور مطلب بھی بدل جاتا ہے۔ [2]

شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

❶ "یسئل باللہ" مجہول کا صیغہ ہے اور لا یعطی معلوم کا صیغہ ہے ترجمہ اس طرح ہے کہ لوگوں میں سے بدترین آدمی وہ شخص ہے کہ اس سے اللہ تبارک وتعالیٰ کے نام سے سوال کیا جاتا ہے مگر وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے نام پر دیتا نہیں ہے یہ اس

[1] المرقات: ۴/۴۲۹ [2] المرقات: ۴/۴۲۹

شخص کا حال بیان کیا گیا ہے جس سے سوال کیا جاتا ہے سائل نہیں بلکہ مسئول ہے اس نے اللہ تبارک وتعالیٰ کے نام کے احترام میں کچھ نہ دیا۔[1]

❷ "یسأل" معلوم کا صیغہ ہے اور "لایعطی" مجہول کا صیغہ ہے یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کے نام پر سوال کرتا پھرتا ہے مگر کوئی شخص اس کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے نام پر نہیں دیتا یہ اس شخص کا حال ہے جو خود سائل ہے اس نے اللہ تبارک وتعالیٰ کے نام کی بے حرمتی کی کہ متاع قلیل کے لئے ہر جگہ پیش کیا اور کسی نے کچھ نہ دیا۔[2]

❸ یسأل معلوم کا صیغہ ہے اور لایعطی بھی معلوم کا صیغہ ہے مطلب یہ ہے کہ خود اللہ تبارک وتعالیٰ کے نام پر اللہ تبارک وتعالیٰ کا واسطہ دیکر مانگتا ہے لیکن جب اسی اللہ تبارک وتعالیٰ کے نام پر اس سے کوئی مانگے تو یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے نام پر کچھ نہیں دیتا یہ اس شخص کا حال ہے جو خود سائل بھی ہے اور مسئول بھی ہے اس نے اللہ تبارک وتعالیٰ کے نام سے اپنا کام نکالا لیکن دوسرے کا کام اللہ تبارک وتعالیٰ کے نام سے نہیں کیا یہ تیسرا احتمال ہے۔ اور ممکن ہے کہ اس حدیث میں اس احتمال کی گنجائش ہو میں نے کسی شارح کے کلام میں یہ احتمال نہیں دیکھا ممکن ہے کسی نے لکھا ہو میں نے حدیث میں غور کرنے کے بعد یہ لکھا ہے اگر صحیح ہے تو قبول کیجئے ورنہ چھوڑ دیجئے۔[3]

سائل کو خالی ہاتھ نہ لوٹاؤ

﴿۱۴﴾ وَعَنْ أُمِّ بُجَيْدٍ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُدُّوا السَّائِلَ وَلَوْ بِظِلْفٍ مُحْرَقٍ۔ (رَوَاهُ مَالِكٌ وَالنَّسَائِيُّ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ مَعْنَاهُ)[4]

ترجمہ: اور حضرت ام بجید رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "سائل کو کچھ دے کر واپس کرو، اگر چہ وہ جلا ہوا کھر ہی کیوں نہ ہو۔ (مالک، نسائی) ترمذی اور ابوداؤد نے اس کے ہم معنی روایت نقل کی ہے۔

توضیح: "ظلف محرق" جلا ہوا کھر کسی مطلب کا نہیں ایک بے فائدہ چیز ہے حضور اکرم ﷺ نے اس کا تذکرہ بطور مبالغہ کیا ہے مراد یہ ہے کہ قلیل سے قلیل اور کم تر سے کم تر چیز کیوں نہ دو مگر سائل کو خالی ہاتھ نہ لوٹاؤ۔[5]

احسان کرنے والے کا بدلہ چکاؤ

﴿۱۵﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اسْتَعَاذَ بِاللهِ فَأَعِيْذُوْهُ وَمَنْ سَأَلَ بِاللهِ فَأَعْطُوْهُ وَمَنْ دَعَاكُمْ فَأَجِيْبُوْهُ وَمَنْ صَنَعَ إِلَيْكُمْ مَعْرُوْفًا فَكَافِئُوْهُ فَإِنْ لَمْ تَجِدُوْا

[1] المرقات: ۴/۴۳۹ اشعة اللمعات: [2] المرقات: ۴/۴۳۹ [3] المرقات: ۴/۴۳۹
[4] المرقات: ۴/۴۳۹ اشعة اللمعات: [5] المرقات: ۴/۴۳۹

مَا تُكَافِئُوْهُ فَادْعُوا لَهُ حَتّٰى تُرَوْا أَنْ قَدْ كَافَأْتُمُوْهُ. (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص تم سے بواسطۂ خدا پناہ مانگے اسے پناہ دو۔ اور جو شخص تم سے خدا کے نام پر کچھ مانگے اس کا سوال پورا کرو اور جو شخص تمہیں (کھانے) کے لئے بلائے (یعنی تمہاری دعوت کرے) تو اس کی دعوت قبول کرو (بشرطیکہ کوئی حسی یا شرعی مانع نہ ہو) اور جو شخص تمہارے ساتھ کوئی احسان کرے تو تم بھی اس کا بدلہ دو (یعنی تم بھی اس کے ساتھ ویسا ہی احسان کرو) اور اگر تم مال وزر نہ پاؤ کہ اس کا بدلہ چکا سکو تو پھر اپنے محسن کے لئے دعاء کرو جب تک کہ تم یہ جان لو کہ تم نے اس کا بدلہ چکا دیا۔ (احمد، ابوداؤد، والنسائی)

توضیح: "فکافئوہ" یہ مکافات سے ہے بدلہ دینے کے معنی میں ہے۔

"دعاکم" یعنی کھانے کی دعوت پر بلایا اگر کوئی مانع شرعی نہ ہو تو اس کو قبول کیا کرو۔[2]

"ماتکافئوہ" یہ مکافات سے ہے بدلہ دینے کے معنی میں ہے یعنی تمہارے ساتھ جو احسان کیا ہے تم بھی احسان کرو۔

"لم تجدوا تکافئوہ" یعنی اگر مال نہیں ہے اور تم بدلہ نہیں دے سکتے ہو تو احسان کرنے والے کے لئے اتنی دعا کرو کہ تم خود خیال کرو کہ تم نے اس کے حقِ احسان کا بدلہ چکا دیا ایک روایت میں ہے کہ جس نے احسان کرنے والے سے کہا جزاك الله خیرًا تو اس نے بدلہ دینے میں مبالغہ کیا یعنی خوب حق ادا کر دیا۔[3]

اللہ کے نام کو دنیا کمانے کے لئے استعمال نہ کرو

﴿۱۶﴾ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُسْأَلُ بِوَجْهِ اللّٰهِ إِلَّا الْجَنَّةُ.

(رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)[4]

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "خدا کی ذات کے واسطہ سے جنت کے علاوہ اور کوئی چیز نہ مانگو۔ (ابوداؤد)

توضیح: "الا الجنة" اس جملہ کے دو مفہوم ہیں پہلا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات کو واسطہ بنا کر لوگوں سے کچھ بھی نہ مانگا کرو کیونکہ جب یہ کہا گیا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے نام سے صرف جنت مانگا کرو اور ظاہر ہے کہ جنت ایسی چیز ہے جو لوگوں سے نہیں مانگی جا سکتی اس کا مطلب یہ نکلا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے نام سے کچھ بھی نہ مانگو۔[5]

دوسرا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے نام سے دنیا کی کوئی چیز نہیں مانگی جا سکتی ہے کیونکہ دنیا ایک فانی اور حقیر چیز ہے اس کے حصول کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ کے اتنے بڑے نام کو استعمال نہیں کرنا چاہئے اگر کوئی شخص اس بڑے نام کو کسی

---

[1] المرقات: ۴/۴۲۹ اشعة المعات: [2] المرقات: ۴/۴۲۹
[3] المرقات: ۴/۴۲۹ اشعة المعات: [4] اخرجه ابوداؤد: ۲/۱۳۰ والترمذی: ۳/۵۲ [5] المرقات: ۴/۴۳۰

مقصد کے لئے استعمال کرنا چاہتا ہے تو جنت مانگنے کے لئے اس طرح استعمال کرے "اللهم انی اسألك الجنة باسمك الكريم وبوجهك العظيم" کہ اے اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے اپنے نام وعظمت کے واسطہ سے جنت عطا فرما حدیث کا یہ مفہوم زیادہ واضح ہے۔

الفصل الثالث

سب سے عمدہ چیز کا صدقہ کرنا چاہئے

﴿۱۷﴾ عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ أَبُوْطَلْحَةَ أَكْثَرَ الْأَنْصَارِ بِالْمَدِيْنَةِ مَالاً مِنْ نَخْلٍ وَكَانَ أَحَبُّ أَمْوَالِهِ إِلَيْهِ بَيْرُحَاءَ وَكَانَتْ مُسْتَقْبِلَةَ الْمَسْجِدِ وَكَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْخُلُهَا وَيَشْرَبُ مِنْ مَاءٍ فِيْهَا طَيِّبٍ قَالَ أَنَسٌ فَلَمَّا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ قَامَ أَبُوْطَلْحَةَ إِلٰى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللهِ إِنَّ اللهَ تَعَالٰى يَقُوْلُ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ وَإِنَّ أَحَبَّ مَالِيْ إِلَيَّ بَيْرُحَاءَ وَإِنَّهَا صَدَقَةٌ لِلّٰهِ تَعَالٰى أَرْجُوْ بِرَّهَا وَذُخْرَهَا عِنْدَ اللهِ فَضَعْهَا يَارَسُوْلَ اللهِ حَيْثُ أَرَاكَ اللهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَخٍ بَخٍ ذٰلِكَ مَالٌ رَابِحٌ وَقَدْ سَمِعْتُ مَاقُلْتَ وَإِنِّيْ أَرٰى أَنْ تَجْعَلَهَا فِي الْأَقْرَبِيْنَ فَقَالَ أَبُوْطَلْحَةَ أَفْعَلُ يَارَسُوْلَ اللهِ فَقَسَمَهَا أَبُوْطَلْحَةَ فِيْ أَقَارِبِهٖ وَبَنِيْ عَمِّهٖ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۱]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ مدینہ کے انصار میں کھجوروں کے اعتبار سے بہت زیادہ مال دار تھے، اپنے مال میں انہیں سب سے زیادہ پسندیدہ اپنا باغ بیرحاء (نامی) تھا جو مسجد نبوی کے بالکل سامنے تھا، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اکثر اس باغ میں تشریف لے جاتے تھے۔ اور وہاں کا پانی پیتے تھے جو بہت اچھا (یعنی شیریں یا یہ کہ بلا کسی شک وشبہ کے حلال وپاک) تھا، حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی "تم نیکی" (یعنی جنت) کو اس وقت تک ہرگز نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ تم وہ چیز (خدا کی راہ میں) خرچ نہ کرو جو تمہارے نزدیک پسندیدہ ہے۔ تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ چونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ نیکی (یعنی جنت) تک نہیں پہنچ سکتے تاوقتیکہ اپنی اس چیز کو خرچ نہ کرو جو تمہارے نزدیک پسندیدہ ہے۔ لہٰذا بیرحاء جو تمام مال میں مجھے سب سے زیادہ پسندیدہ ہے میں اسے اللہ تبارک وتعالیٰ کے واسطے صدقہ کرتا ہوں اور (اس آیت کریمہ کے پیش نظر) اس سے نیکی کی امید رکھتا ہوں اور امیدوار ہوں کہ خدا کے نزدیک میرے لئے ذخیرۂ آخرت ہوگا۔ پس یا رسول اللہ اسے قبول فرمایئے (اور) جہاں اللہ تبارک وتعالیٰ آپ کو بتائے (یعنی جس جگہ آپ مناسب سمجھیں اسے خرچ فرمایئے) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شاباش، شاباش: یہ (باغ) نفع پہنچانے والا ہے، جو

[۱] اخرجه البخاری ۲/۱۴۸ ومسلم ۷/۸۴، ۸۵

کچھ تم نے کہا ہے میں نے سن لیا ہے میرے نزدیک مناسب ہے کہ تم اس باغ کو اپنے (محتاج) اقرباء میں تقسیم کر دو (تا کہ صدقہ کے ثواب کے ساتھ صلہ رحمی کا ثواب بھی مل جائے) ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (آپ کے ارشاد کے مطابق ہی) عمل کروں گا۔ چنانچہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے اس باغ کو اپنے اقرباء اور چچا کے بیٹوں میں تقسیم کر دیا۔

(بخاری ومسلم)

توضیح: "بیرحا" با پر فتحہ ہے "ی" ساکن ہے را مفتوح ہے اور "ح" پر فتحہ اور مد ہے قصر بھی جائز ہے را پر ضمہ بھی جائز ہے یہ ایک باغ کا نام ہے یا جگہ کا نام ہے۔[1]

"بخ بخ" با پر فتحہ اور خا پر تنوین کی شکل میں کسرہ ہے سکون بھی جائز ہے یہ کلمہ کسی چیز پر تعجب کرنے یا خوش ہونے کے وقت بولا جاتا ہے تکرار مبالغہ کے لئے ہے اس کا ترجمہ اس طرح ہے شاباش شاباش، واہ واہ۔[2]

"**مال رابح**" یعنی یہ بہت فائدہ مند اور نفع بخش مال ہے "**ای مال ذوربح**" ایک روایت میں **رائح** لفظ ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس مال کا فائدہ تجھ پر لوٹنے والا ہے۔[3]

"**وقد سمعت ماقلت**" یعنی تم نے جو کہا میں نے وہ سن لیا۔[4]

بھوکا پیٹ بھر دینا بہترین صدقہ ہے

﴿۱۸﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْضَلُ الصَّدَقَةِ أَنْ تُشْبِعَ كَبِدًا جَائِعًا۔

(رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيْمَانِ)[5]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''بہترین صدقہ (یہ بھی) ہے کہ کسی جاندار کا جو بھوکا ہو پیٹ بھرا جائے۔ (بیہقی)

توضیح: "کبدا جائعا" ای ذو کبد جائع، اس سے جاندار مراد ہے خواہ انسان ہو خواہ حیوان ہو انسانوں میں مسلمان ہو یا کافر ہو سب مراد ہیں البتہ جانوروں میں وہ حیوان مستثنیٰ ہے جو ایذا پہنچانے والا ہے کیونکہ اس کے ختم کرنے کا حکم ہے بعض لوگ صبح صبح کوؤں کو گوشت کھلاتے ہیں اور ثواب کی نیت کرتے ہیں لیکن اس کے پڑوس میں انسان بھوکا پڑا ہے یہ اس کی فکر نہیں کرتے ہیں یہ صدقہ نہیں بلکہ اپنے آپ کو خوش کرنا ہے۔[6]

[1] المرقات: ۴/۴۳۲ [2] المرقات: ۴/۴۳۳ [3] المرقات: ۴/۴۳۳ [4] المرقات: ۴/۴۳۳، ۴/۴۳۴
[5] اخرجه البیهقی: ۳/۲۱۷ ح ۳۳۶۷ [6] المرقات: ۴/۴۳۴ الکاشف: ۴/۱۵۲

باب

مشکوۃ شریف میں بعض مقامات میں بلاعنوان کچھ باب قائم کیے گئے ہیں یہ درحقیقت پچھلے ابواب سے ملحق ہوتے ہیں اوراسی کی تکمیل کے لئے ہوتے ہیں اس میں اسی مضمون کی احادیث ہوتی ہیں جو پہلے باب میں تھیں۔

علامہ طیبی عشائیہ نے اپنی شرح طیبی میں یہ عنوان رکھا ہے "باب صدقة المرأة من مال الزوج"۔

بہرحال اس باب میں صرف بیوی کے صدقہ کا ذکر نہیں بلکہ وہ احادیث بھی اس باب میں ہیں جس میں خادم وخازن اور غلام کے صدقہ کا ذکر بھی ہے۔[1]

الفصل الاول

شوہر کے مال سے بیوی کو صدقہ کا ثواب

﴿۱﴾ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَنْفَقَتِ الْمَرْأَةُ مِنْ طَعَامِ بَيْتِهَا غَيْرَ مُفْسِدَةٍ كَانَ لَهَا أَجْرُهَا بِمَا أَنْفَقَتْ وَلِزَوْجِهَا أَجْرُهُ بِمَا كَسَبَ وَلِلْخَازِنِ مِثْلُ ذٰلِكَ لَا يَنْقُصُ بَعْضُهُمْ أَجْرَ بَعْضٍ شَيْئًا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جب کوئی عورت اپنے گھر کے کھانے میں سے صدقہ دیتی ہے بشرطیکہ وہ اسراف نہیں کرتی تو اسے اس کے خرچ کرنے سے ثواب ملتا ہے اور اس کے شوہر کو مال کمانے کی وجہ سے ثواب ملتا ہے اور داروغہ (مطبخ کے نگران) کو بھی ایسا ہی ثواب ملتا ہے (جیسا کہ مالک کو ثواب ملتا ہے) اور ان میں سے کسی کے ثواب میں دوسرے کے ثواب کی وجہ سے کمی نہیں ہوتی۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "لھا اجرھا" بعض شارحین نے لکھا ہے کہ اہل حجاز کا یہ معمول تھا کہ وہ اپنے اموال میں سے کچھ مال اپنی بیویوں کے پاس رکھواتے تھے تاکہ وہ بوقت ضرورت اس سے صدقہ وضیافت کرسکیں حضور اکرم ﷺ نے اسی اچھی عادت کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے تاہم ایک شرط یہ رکھی گئی ہے کہ

"غیر مفسدة" یعنی شوہر کے مال کو خراب کرنے کا ارادہ نہ ہو نہ بیجا خرچ ہو نہ اسراف ہو، اس مسئلہ کی پوری تفصیل توضیحات جلد ۴ ص ۲۸۳ پر موجود ہے وہاں دیکھنا چاہئے۔ یہاں تین قسم کی احادیث ہیں بعض میں خرچ کرنے کا حکم ہے بعض میں ممانعت ہے اور بعض میں شیء قلیل کی اجازت ہے بہتر یہ ہے کہ عورت اجازت لے کیونکہ مقام وزمان اور شوہر

[1] المرقات: ۴/۳۳۴ الکاشف: ۴/۳۳۴ [2] اخرجه البخاری: ۲/۱۴۱ ومسلم: ۲/۱۴۲

کے مزاج کی وجہ سے مسئلہ بدل جاتا ہے۔[۱]

﴿۲﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَنْفَقَتِ الْمَرْأَةُ مِنْ كَسْبِ زَوْجِهَا مِنْ غَيْرِ أَمْرِهِ فَلَهَا نِصْفُ أَجْرِهِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۲]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''جب کوئی عورت اپنے شوہر کی کمائی (کے مال) میں سے اس کی اجازت کے بغیر صدقہ وخیرات دیتی ہے تو اسے آدھا ثواب ملتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "من غیر امرہ" اس کا مطلب یہ نہیں کہ شوہر کے منع کرنے پر بیوی صدقہ کرتی ہے اور اس کو ثواب ملتا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ معمولی سی چیز ہے جس کی اجازت دلالۃً یا اشارۃً یا صراحۃً شوہر کی طرف سے ہوتی ہے جیسے ماچس کی تیلی نمک یا آٹے کی چٹکی روٹی کا ٹکڑا یا معمولی پیسہ عورت شوہر کے حکم کے بغیر دیدیتی ہے یہ جائز ہے۔ بہر حال مجموعی احادیث کو دیکھ کر بعض سے اجازت بعض سے ممانعت معلوم ہوتی ہے شوہروں کے مزاج بھی مختلف ہوتے ہیں مقام وزمان کی وجہ سے کبھی معمولی چیز قیمتی ہوجاتی ہے اس لئے بیویوں کو چاہئے کہ وہ کسی بھی قسم کے صدقہ کرنے سے پہلے شوہروں سے اجازت لیں جبکہ مال شوہر کا ہو۔[۳]

خادم کو بھی آقا کے صدقہ میں ثواب ملتا ہے

﴿۳﴾ وَعَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْخَازِنُ الْمُسْلِمُ الْأَمِينُ الَّذِي يُعْطِي مَا أُمِرَ بِهِ كَامِلاً مُوَفَّراً طَيِّبَةً بِهِ نَفْسُهُ فَيَدْفَعُهُ إِلَى الَّذِي أُمِرَ لَهُ بِهِ أَحَدُ الْمُتَصَدِّقِينَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۴]

ترجمہ: اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''جو دیانت دار مسلمان داروغہ (یعنی ملازم جیسے خزانچی وغیرہ) وہ چیز کہ جسے دینے کا مالک نے حکم کیا ہو بغیر کسی نقصان کے خوشدلی کے ساتھ اس شخص کو دے کہ جس کے لئے مالک نے حکم کیا ہو تو وہ صدقہ کرنے والے دواشخاص میں سے ایک ہے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "الخازن" خازن خزانچی کو کہا جاتا ہے اس کے مفہوم میں ہر ملازم سیکرٹری اور خادم آتا ہے غلام بھی اس میں داخل ہے یعنی جب مالک مال صدقہ کرتا ہے اور یہ لوگ اس صدقہ کے دینے میں ذریعہ بن جائیں تو ان کو بھی ثواب ملے گا لیکن زیر بحث حدیث میں اس خزانچی اور خادم کے ثواب کے لئے چار شرائط لگائی گئی ہیں۔[۵]

❶ پہلی شرط یہ ہے کہ جتنا مال مالک نے الگ کیا اور دینے کا حکم دیا یہ ملازم اس مال کو پورا پورا ادا کرے کوئی کمی نہ کرے۔

---

[۱] المرقات: ۴/۴۳۵ [۲] اخرجه البخاری: ۳/۷۳ ومسلم: ۷/۱۱۵ [۳] المرقات: ۴/۴۳۵

[۴] اخرجه البخاری: ۲/۱۴۲ ومسلم: ۷/۱۱۱ [۵] المرقات: ۴/۱۳۶

❷ دوسری شرط یہ ہے کہ مالک نے جس طرح خوشدلی سے اپنا مال صدقہ کیا ہے ملازم بھی اسی طرح فراخدلی اور خوشدلی سے دیدے یہ نہیں کہ مالک نے دیا اور ملازم گالیاں دے رہا ہے کہ اس کو کیوں دیا یا اتنا کیوں دیا۔

❸ تیسری شرط یہ ہے کہ جس شخص کو دینے کے لئے مالک نے کہا ہے اسی کو دیا یہ نہیں کہ کسی اور غریب یا مستحق کو دیا۔

❹ چوتھی شرط یہ ہے کہ مالک کا حکم موجود ہو اس کے حکم کے بغیر نہ ہو۔[۱]

"المتصدقین" یا یہ صیغہ تثنیہ کا ہے کہ ایک صدقہ کرنے والا مالک ہے اور دوسرا اس کا ملازم ہے مشکوۃ شریف کے بعض نسخوں میں یہ لفظ جمع کے صیغہ کے ساتھ آیا ہے یعنی "متصدقون" کا لفظ ہے۔ مطلب یہ کہ یہ ملازم بھی صدقہ کرنے والوں میں سے ایک ہو گیا۔[۲]

میت کو ایصال ثواب کرنے کے لئے صدقہ

﴿۴﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ رَجُلاً قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ أُمِّيْ اُفْتُلِتَتْ نَفْسَهَا وَأَظُنُّهَا لَوْ تَكَلَّمَتْ تَصَدَّقَتْ فَهَلْ لَهَا أَجْرٌ اِنْ تَصَدَّقْتُ عَنْهَا قَالَ نَعَمْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۳]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میری والدہ کا اچانک انتقال ہو گیا اور میرا خیال ہے کہ اگر (وہ مرنے سے پہلے) کچھ کہہ پاتیں تو صدقہ دینے کی (ضرور) وصیت کرتیں لہٰذا اگر میں ان کی طرف سے صدقہ دوں تو انہیں اس صدقہ کا ثواب مل جائے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہاں"۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "افتلتت" یہ مجہول کا صیغہ ہے افتلات اچانک مرجانے کو کہتے ہیں گویا کسی نے اچک لیا ہو۔[۴]

"نفسها" ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ لفظ اکثر نسخوں میں منصوب ہے تو یہ "افتلتت" کے لئے مفعول ثانی ہے اور مفعول اول افتلتت کی ضمیر ہے جو نائب فاعل ہوگا اور اگر "نفسها" منصوب کے بجائے مرفوع ہو تو یہ افتلتت کے لئے نائب فاعل ہوگا۔ اہل سنت والجماعت کے نزدیک نفلی صدقات کا ثواب اموات کو پہنچتا ہے معتزلہ کہتے ہیں کچھ نہیں پہنچتا احناف کے ہاں عبادات مالی وبدنی دونوں کا ثواب پہنچتا ہے شوافع حضرات کے ہاں بدنی عبادت کے ایصال ثواب میں کچھ اختلاف ہے۔[۵]

الفصل الثانی

بیوی شوہر کی اجازت کے بغیر خرچ نہ کرے

﴿۵﴾ عَنْ أَبِيْ أُمَامَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فِيْ خُطْبَتِهٖ عَامَ حَجَّةِ

[۱] المرقات: ۴/۱۳۶ [۲] المرقات: ۴/۱۳۶ [۳] اخرجه البخاری: ۲/۲۷ ومسلم: ۸/۹۰-۸۹ [۴] المرقات: ۴/۱۳۶ [۵] المرقات: ۴/۱۳۶

الْوَدَاعِ لَا تُنْفِقُ امْرَأَةٌ شَيْئًا مِنْ بَيْتِ زَوْجِهَا إِلَّا بِإِذْنِ زَوْجِهَا قِيلَ يَا رَسُولَ اللهِ وَلَا الطَّعَامَ قَالَ ذٰلِكَ أَفْضَلُ أَمْوَالِنَا۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[1]

ترجمہ: حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے سنا رسول کریم ﷺ سے کہ حجۃ الوداع کے سال اپنے خطبہ میں فرماتے تھے "کوئی عورت اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر گھر میں سے کچھ خرچ نہ کرے (خواہ صراحۃ اجازت ہو یا دلالۃ) عرض کیا گیا کہ "یارسول اللہ: کیا کھانے میں سے بھی خرچ نہ کرے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کھانا ہمارے اموال میں نفیس ترین چیز ہے۔
(ترمذی)

بیوی معمولی چیز خرچ کرسکتی ہے

﴿۶﴾ وَعَنْ سَعْدٍ قَالَ لَمَّا بَايَعَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النِّسَاءَ قَامَتِ امْرَأَةٌ جَلِيلَةٌ كَأَنَّهَا مِنْ نِسَاءِ مُضَرَ فَقَالَتْ يَا نَبِيَّ اللهِ إِنَّا كَلٌّ عَلَى آبَائِنَا وَأَزْوَاجِنَا فَمَا يَحِلُّ لَنَا مِنْ أَمْوَالِهِمْ قَالَ الرَّطْبُ تَأْكُلْنَهُ وَتُهْدِينَهُ۔ (رَوَاهُ أَبُو دَاوُد)[2]

ترجمہ: اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب رسول کریم ﷺ نے عورتوں سے بیعت لی (یعنی ان سے احکام شریعت پر عمل کرنے کا عہد لیا) تو ان میں سے ایک بڑے قد کی یا بڑے مرتبہ کی عورت کھڑی ہوئی جو غالباً قبیلہ مضر سے معلوم ہوتی تھی اور اس نے عرض کیا کہ "یارسول اللہ: ہمارا بار اپنے والدین اور اپنے شوہروں پر ہے کیا ان کا مال ہمارے لئے (ان کی اجازت کے بغیر) حلال ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا جو تازہ مال ہوا سے کھاؤ اور بطور تحفہ بھیجو۔ (ابوداؤد)

"کل" بوجھ اور عیال کو کہتے ہیں[3] "الرطب" ہر وہ چیز مراد ہے جو سریع الفساد ہو جلدی خرابی کی وجہ سے بیوی اس کا صدقہ کرسکتی ہے۔[4]

الفصل الثالث

غلام مولیٰ سے اجازت لیکر خرچ کرے

﴿۷﴾ عَنْ عُمَيْرٍ مَوْلَى آبِي اللَّحْمِ قَالَ أَمَرَنِي مَوْلَايَ أَنْ أُقَدِّدَ لَحْمًا فَجَاءَنِي مِسْكِينٌ فَأَطْعَمْتُهُ مِنْهُ فَعَلِمَ بِذٰلِكَ مَوْلَايَ فَضَرَبَنِي فَأَتَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لَهُ فَدَعَاهُ فَقَالَ لِمَ ضَرَبْتَهُ قَالَ يُعْطِي طَعَامِي بِغَيْرِ أَنْ آمُرَهُ فَقَالَ الْأَجْرُ بَيْنَكُمَا وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ كُنْتُ

[1] اخرجه الترمذی: ۲/۱۳۹ [2] اخرجه ابوداؤد: ۲/۱۳۲ [3] المرقات: ۲/۱۳۷ [4] المرقات: ۲/۱۳۷

مَمْلُوكًا فَسَأَلْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَصَدَّقُ مِنْ مَالِ مَوَالِيَّ بِشَيْءٍ قَالَ نَعَمْ وَالْأَجْرُ بَيْنَكُمَا نِصْفَانِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[۱]

ترجمہ: حضرت آبی اللحم رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام عمیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) میں اپنے آقا کے حکم کے مطابق گوشت (سکھانے کے لئے اس) کے پارچے بنا رہا تھا کہ میرے پاس ایک مسکین وفقیر آیا میں نے اسے اس میں سے کھانے کے لئے دیدیا۔ جب میرے آقا کو اس کا علم ہوا تو اس نے مجھے مارا میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پورا ماجرا کہہ سنایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے آقا کو بلایا اور اس سے پوچھا کہ تم نے اسے کیوں مارا ہے؟ اس نے کہا کہ یہ میرے کھانے میں سے بغیر میری اجازت کے دے دیتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (اگر تم صدقہ کرنے کا حکم دیدیتے یا اس کے صدقہ کرنے سے تم راضی وخوش ہوتے تو) تم دونوں ثواب کے حقدار ہوتے۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ عمیر رضی اللہ عنہ نے کہا میں ایک شخص کا غلام تھا چنانچہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا میں اپنے مالک کے مال میں کچھ (یعنی کوئی قلیل وکمتر درجہ کی چیز جس کے خرچ کرنے کی عام طور پر اجازت ہوتی ہے) بطور صدقہ خرچ کرسکتا ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں اور اس کا ثواب تم دونوں کو آدھا آدھا ملے گا۔ (مسلم)

توضیح: "ابی اللحم" لحم گوشت کو کہتے ہیں اور آبی اسم فاعل کا صیغہ ہے ابا یابی سے انکار کے معنی میں ہے یہ صحابی رضی اللہ عنہ چونکہ گوشت نہیں کھایا کرتے تھے اس لئے ان کا لقب آبی اللحم گوشت کا انکار کرنے والا پڑ گیا۔ صاحب مظاہر حق جدید نے ترجمہ میں بھی اور تشریح میں بھی اس کو ابو اللحم لکھا ہے یہ غلطی ہے اس صحابی کا نام عبداللہ تھا اور عمیر ان کا آزاد کردہ غلام تھا۔[۲]

"الاجر بینکما نصفان" علامہ طیبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلوب حکیم کے طور پر ایسا جواب دیا ہے کہ ابی اللحم کو ترغیب دی کہ اس غلام کے مارنے اور اجازت نہ دینے سے بہتر کام یہ تھا کہ ان کو خرچ کرنے کی اجازت دیتے کیونکہ ثواب میں تم دونوں برابر کے شریک ہو تو جب تمہیں ثواب مل رہا ہے تو تم نے اس کو کیوں مارا اس نے کوئی نقصان تو نہیں کیا ہے تمہیں تو ثواب مل رہا ہے اس کلام سے آبی اللحم کو سمجھانا مقصود تھا یہ مطلب نہیں کہ مولیٰ کی اجازت کے بغیر غلام اس کے مال میں مطلق تصرف شروع کردے۔[۳]

نصفان کے بارے میں بعض علماء فرماتے کہ اس سے مراد حصہ ہے برابر نصف مراد نہیں ہے کیونکہ اصل مالک کو زیادہ حصہ ملتا ہے تو مطلب یہ ہوا کہ دونوں کے درمیان ثواب تقسیم ہوگا یہ نہیں کہ آدھا آدھا ہوگا حدیث نمبر ۲ میں بھی نصف کا لفظ آیا ہے وہاں بھی یہی مطلب ہوگا لیکن احادیث میں نصف کا صریح لفظ موجود ہے اس لئے یہ تاویلات صرف تاویلات ہی ہیں۔

---

[۱] اخرجہ مسلم: ۷/۱۱۳ [۲] المرقات: ۴/۱۳۷ [۳] المرقات: ۴/۱۳۷

باب من لا یعود فی الصدقۃ

صدقہ میں رجوع کرنے کا مسئلہ

الفصل الاول

﴿۱﴾ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ حَمَلْتُ عَلٰى فَرَسٍ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ فَأَضَاعَهُ الَّذِيْ كَانَ عِنْدَهُ فَأَرَدْتُّ أَنْ أَشْتَرِيَهُ وَظَنَنْتُ أَنَّهُ يَبِيْعُهُ بِرُخْصٍ فَسَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَا تَشْتَرِهِ وَلَا تَعُدْ فِيْ صَدَقَتِكَ وَإِنْ أَعْطَاكَهُ بِدِرْهَمٍ فَإِنَّ الْعَائِدَ فِيْ صَدَقَتِهِ كَالْكَلْبِ يَعُوْدُ فِيْ قَيْئِهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَا تَعُدْ فِيْ صَدَقَتِكَ فَإِنَّ الْعَائِدَ فِيْ صَدَقَتِهِ كَالْعَائِدِ فِيْ قَيْئِهِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۱]

ترجمہ: امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے کہا (ایک مرتبہ) میں نے ایک شخص کو خدا کی راہ میں سواری کے لئے گھوڑا دیا (یعنی ایک مجاہد کے پاس گھوڑا نہیں تھا اس لئے میں نے اسے گھوڑا دیدیا) اس شخص نے اس گھوڑے کو جو اس کے پاس تھا ضائع کر دیا (یعنی اس نے گھوڑے کی دیکھ بھال نہیں کی جس کی وجہ سے گھوڑا دبلا ہو گیا) میں نے سوچا کہ میں وہ گھوڑا اس سے خرید لوں اور خیال تھا کہ وہ اس گھوڑے کو سستے داموں بیچ دے گا۔ مگر (خریدنے سے پہلے) میں نے اس بارے میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اسے نہ خریدو اور نہ اپنا دیا ہوا صدقہ واپس کرو اگرچہ وہ تمہیں ایک درہم میں ہی کیوں نہ دے (گویا یہ حقیقۃً نہیں بلکہ صورۃً واپس لینا ہے) کیونکہ اپنا دیا ہوا صدقہ واپس لینے والا شخص کتے کے مانند ہے جو اپنی قے چاٹتا ہے۔ ایک روایت میں یہ الفاظ موجود ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنا دیا ہوا صدقہ واپس نہ لو (خواہ واپس لینا صورۃً ہی کیوں نہ ہو) کیونکہ اپنا دیا ہوا صدقہ واپس لینے والا اس شخص کے مانند ہے جو قے کرے اور اسے چاٹ لے۔ (بخاری و مسلم)

توضیح: "ولا تشترہ" حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک عمدہ گھوڑا ایک صحابی رضی اللہ عنہ کو صدقہ کر کے دیا تھا اس شخص نے گھوڑے کی اچھی طرح دیکھ بھال نہیں کی اس لئے گھوڑا لاغر قابل رحم ہو گیا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے چاہا کہ اب اس گھوڑے کو اس شخص سے خرید لیں مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھنا مناسب سمجھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا کہ اگر وہ شخص ایک درہم کا بھی دیتا ہے تم مت خریدو اور اپنے صدقہ میں رجوع نہ کرو۔[۲]

اب یہاں دو مسئلے ہیں ایک مسئلہ ہبہ میں رجوع کا ہے وہ الگ مسئلہ ہے۔

[۱] اخرجہ البخاری: ۲/۱۵۷ و مسلم: ۱۱/۶۲۔ ۶۳ [۲] المرقات: ۴/۳۳۸۔ ۳۳۹

دوسرا رجوع فی الصدقہ ہے یہ الگ مسئلہ ہے اگرچہ صدقہ اور ہبہ کی شرائط میں اتحاد ہے لیکن اس کے حکم میں اتحاد نہیں ہے حکم الگ الگ ہے۔ (کذا فی العنایہ)

بہر حال حضور اکرم ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس لئے اس گھوڑے کے خریدنے سے روکا کہ بہت ممکن تھا کہ وہ شخص یہ خیال کرتا کہ اس نے مجھے خیرات کر کے دیا تھا اب میں جب فروخت کر رہا ہوں تو مروت کا تقاضا ہے کہ کچھ سستا دینا چاہئے اور شاید حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دل میں بھی یہی خیال آجاتا اس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صدقہ کردہ گھوڑے کے ثواب میں فرق آجاتا۔ مثلاً گھوڑا دو ہزار کا تھا مگر مروت کے تحت اس شخص نے پندرہ سو کا دیدیا اس طرح پانچ صد درہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بچ گئے گویا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پانچ سو درہم میں رجوع کیا اسی سے حضور اکرم ﷺ نے منع فرمادیا۔

اب حدیث کو سمجھنے کے بعد اس میں فقہاء کرام کا معمولی سا اختلاف ملاحظہ کریں۔

فقہاء کا اختلاف:

بعض اہل ظواہر اور بعض دیگر علماء کے نزدیک کسی آدمی کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنا صدقہ کیا ہوا مال واپس خرید لے اگر کسی نے ایسا کیا تو یہ حرام بھی ہے اور یہ بیع قابل فسخ ہے۔

جمہور علماء فرماتے ہیں کہ اس طرح خریدنا مناسب نہیں ہے یہ ایک قبیح حرکت ہے لیکن اگر کسی نے خرید لیا تو بیع مکروہ تنزیہی ہے۔[1]

دلائل:

اہل ظواہر اور دیگر حضرات نے زیر بحث حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے استدلال کیا ہے جو اپنے مدعا پر واضح تر ہے۔

جمہور نے قواعد شرعیہ اصولیہ سے استدلال کیا ہے کہ یہاں شرعی ضابطہ کے تحت کوئی ایسا مانع نہیں ہے جس کی وجہ سے بیع فسخ ہو جائے صدقہ کرنے کے بعد مصدق علیہ اس مال کا مالک ہو جاتا ہے اب وہ اس کو جس طرح فروخت کرنا چاہتا ہے کر سکتا ہے اب اگر صدقہ کرنے والا ہی خرید لے تو تبدل ید کی وجہ سے وہ مال اس وقت اس کا صدقہ نہیں رہا لیکن چونکہ حدیث میں اس خریدنے کی بڑی قبیح مثال دی گئی ہے اس لئے مصدق کے لئے خریدنا مناسب نہیں ہے کیونکہ اس میں قباحت لغیرہ آگئی ہے لہٰذا یہ بیع مکروہ تنزیہی ہے اس سے بچنا ہی بہتر ہے۔

علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی تشریحات کا یہی خلاصہ ہے۔ (زجاجۃ المصابیح ج ۱ ص ۵۳۹)

جواب: جمہور زیر بحث حدیث کو مکروہ تنزیہی پر حمل کرتے ہیں تاکہ قواعد شرعیہ کا تحفظ ہو جائے۔

[1] المرقات: ۴/۴۳۹

صدقہ کردہ مال کی واپسی کی ایک صورت

﴿۲﴾ وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ كُنْتُ جَالِسًا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ أَتَتْهُ اِمْرَأَةٌ فَقَالَتْ يَارَسُولَ اللّٰهِ إِنِّي تَصَدَّقْتُ عَلٰى أُمِّي بِجَارِيَةٍ وَإِنَّهَا مَاتَتْ قَالَ وَجَبَ أَجْرُكِ وَرَدَّهَا عَلَيْكِ الْمِيْرَاثُ قَالَتْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّهُ كَانَ عَلَيْهَا صَوْمُ شَهْرٍ أَفَأَصُوْمُ عَنْهَا قَالَ صُوْمِيْ عَنْهَا قَالَتْ إِنَّهَا لَمْ تَحُجَّ قَطُّ أَفَأَحُجُّ عَنْهَا قَالَ نَعَمْ حُجِّيْ عَنْهَا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ (ایک دن) میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک ایک عورت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کرنے لگی کہ یارسول اللہ: میں نے ایک لونڈی اپنی ماں کو بطور صدقہ دی تھی اب میری ماں مرگئی ہے (کیا میں اسے واپس لے لوں اور اس طرح وہ لونڈی دوبارہ میری ملکیت میں آجائے گی یا نہیں؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (صدقہ دینے کی وجہ سے) تمہارا ثواب تو ثابت ہوگیا (یعنی اس کا ثواب تمہیں یقیناً مل گیا) اور اب میراث نے اس لونڈی کو تمہیں واپس کردیا اس عورت نے عرض کیا کہ یارسول اللہ: میری ماں کے ذمہ مہینہ بھر کے روزے تھے تو میں اس کی طرف سے روزے رکھ سکتی ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کی طرف سے روزے رکھ لو پھر اس عورت نے عرض کیا کہ یارسول اللہ: میری ماں نے کبھی حج نہیں کیا تو کیا میں اس کی طرف سے حج کرلوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہاں اس کی طرف سے حج کرلو"۔ (مسلم)

توضیح: "ردها عليك الميراث" میراث کی طرف نسبت اسناد الی غیر ما ھو له کے قبیل سے مجازی ہے اس لئے کہ حقیقت میں لوٹانے والا اللہ تبارک وتعالیٰ ہے اس جملہ کے حقیقی معنی اس طرح ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے میراث کے ذریعہ سے تمہاری لونڈی تمہاری طرف واپس کردی، یاد رہے صدقہ میں دیئے ہوئے مال کے واپس کرنے کی جو ممانعت آئی ہے یہ صورت اس سے بالکل الگ ہے کیونکہ اس میں کسی کو کوئی اختیار نہیں ہے غیر اختیاری طور پر مال واپس آگیا نیز اس میں خرید وفروخت کی کوئی صورت بھی نہیں ہے۔[۲]

نیابت صوم کا مسئلہ:

"قال صومی عنها" یہاں دو مسئلے ہیں پہلا مسئلہ نیابت کا ہے کہ مثلاً کوئی شخص مرگیا اور اس کے ذمہ کچھ روزے رہ گئے تو ان کے ورثاء میں سے کوئی شخص اس کی طرف سے روزہ رکھ سکتا ہے یا نہیں۔ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔[۳]

فقہاء کا اختلاف:

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فرض روزہ میں تو نیابت جائز نہیں لیکن نذر روزہ میں فدیہ

---

[۱] اخرجه مسلم: ۹/۲۵ [۲] المرقات: ۴/۴۴۰ [۳] المرقات: ۴/۴۴۰

کے بجائے روزہ کی قضا بھی درست ہے۔

ائمہ ثلاثہ اور جمہور علماء فرماتے ہیں کہ جس طرح فرض روزہ میں نیابت جائز نہیں بلکہ فدیہ دینا لازم ہے اسی طرح نذر روزہ میں بھی قضاء جائز نہیں ہے فدیہ دینا لازم ہے۔

دلائل:

حنابلہ نے حدیث الباب کے اس جملہ سے استدلال کیا ہے "**صومی عنها**"۔ [1]

ائمہ ثلاثہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ و مالک رحمہ اللہ و شافعی رحمہ اللہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی موقوف حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح فرمایا "**من مات وعليه صيام شهر رمضان فَلْيُطْعَمْ عنه مكان كل يوم مِسْكِيْنٌ**"۔　(مشکوۃ ص ۱۷۸)

ائمہ ثلاثہ کی دوسری دلیل:

"**عن مالك بلغه ان ابن عمر كان يسأل هل يصوم احد عن احد اويصلي احد عن احد فقال لا يصوم احد عن احد ولا يصلي احد عن احد**"۔　(مشکوۃ ص ۱۷۸)

پہلا جواب: زیر بحث حدیث سے صوم حکمی مراد ہے جو فدیہ ہے مذکورہ بالا حدیث کی وجہ سے یہ تاویل ضروری ہے۔

دوسرا جواب: یہ کہ مندرجہ بالا احادیث سے زیر بحث حدیث منسوخ ہے۔

تیسرا جواب: یہ کہ نفلی روزہ رکھ کر ثواب کا ایصال کیا جائے۔ یہاں نیابت صوم کا مسئلہ لکھا گیا ہے۔ اور نیابت حج کا مسئلہ ان شاء اللہ اپنے مقام پر آئے گا۔

اظہار تشکر:

میں اپنے رب کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھے کتاب الزکوٰۃ کے ابواب کی توضیحات اور اس کی تکمیل وتشریح کی توفیق عطا فرمائی **الحمد لله حمدًا كثيرًا**۔

[1] المرقات: ۴/۴۴۰

مورخہ ۷ اجمادی الثانی ۱۴۱۰ھ

کتاب الصوم

روزے کا بیان

قال الله تعالیٰ ﴿یاایها الذین امنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون﴾[1]

وقال تعالیٰ ﴿فمن شهد منکم الشهر فلیصمه﴾[2]

صوم مصدر ہے لغت میں مطلقا رکنے اور امساک کے معنی میں آتا ہے خواہ کھانے پینے سے رکنا ہو یا کلام سے ہو قرآن کریم میں ہے {انی نذرت للرحمن صوماً فلن اکلم الیوم انسیا} یہ کلام سے امساک تھا۔[3]

ایک عربی شاعر اپنے گھوڑوں کو کھانا پینا نہ ملنے کی وجہ سے اسے روزہ دار قرار دیکر کہتا ہے۔

خیل صیام وخیل غیر صائمة   تحت العجاج واخری تعلك اللجما

کچھ گھوڑے روزہ سے ہیں کچھ روزہ سے نہیں۔ سب میدان جنگ کے غبار میں ہیں اور کچھ لگاموں کو چبا رہے ہیں۔

لبید شاعر گدھے اور گدھی کو پانی چارہ نہ ملنے کی وجہ سے اسے روزہ دار قرار دیتا ہے۔

حتی اذاً سلخا جمادی ستة   جزءً وطال صیامه وصیامها

یہاں تک کہ جب جمادی الثانی کا مہینہ گذر گیا تو پانی کے بغیر گدھے اور گدھی کا روزہ لمبا ہو گیا۔

صوم کی شرعی تعریف اس طرح ہے۔

"الصوم هو الامساك عن الاکل والشرب والجماع نهارا مع النیة"

یعنی طلوع فجر سے لیکر غروب آفتاب تک کھانے پینے جماع اور منافی صوم اشیاء سے نیت کے ساتھ رکنے کا نام "صوم" ہے۔

رمضان کے روزے ۲ھ ماہ شعبان میں فرض ہوئے تھے اس سے پہلے بعض علماء کے خیال میں ایام بیض اور یوم عاشورہ کے روزے فرض تھے رمضان کے روزوں سے وہ منسوخ ہو گئے اب وہ صرف سنت مؤکدہ کے درجہ میں ہیں اس پر اتفاق ہے۔ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ رمضان سے پہلے کوئی روزہ فرض نہیں تھا البتہ خود رمضان کے روزوں پر مختلف ادوار آئے ہیں ابتداء میں روزہ رکھنے یا فدیہ مالی دینے کا اختیار دیا گیا تھا پھر وہ حکم منسوخ ہو گیا اسی طرح ابتداء میں غروب آفتاب کے

---

[1] بقرہ: الایہ ۱۸۳ [2] البقرہ: الایہ ۱۸۵ [3] مریم: الایہ ۲۶

بعد آنکھ لگنے کی وجہ سے رات بھر کا روزہ فرض تھا پھر وہ بھی منسوخ ہو گیا۔[1]
رمضان کے مہینے میں کسی وقت کسی بھی حالت میں جماع کی ممانعت تھی پھر وہ منسوخ ہو کر رات میں جماع کی اجازت مل گئی اب رمضان کے روزے فرض ہیں اور یہ اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں سے چوتھا رکن ہے اس کا منکر کافر ہے رمضان کے روزوں کی فضیلت خود احادیث میں بڑے پیمانے پر بیان کی گئی ہے وہ کافی شافی ہے۔ البتہ روزہ کے چند فوائد پیش خدمت ہیں۔[2]

روزہ کے فوائد:

رمضان کے روزے فرض ہیں یہ ہر عاقل بالغ تندرست مسلمان کی ذمہ داری ہے خواہ اس میں دنیوی کوئی فائدہ ہو یا نہ ہو اللہ تبارک وتعالیٰ کا حکم ہے اس کا بجالانا ضروری ہے تاہم چند فوائد کی طرف اشارہ کرنا بھی فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔

(۱) روزہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل ہو جاتی ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ آدمی کو جنت مل جاتی ہے۔

(۲) روزہ رکھنے سے انسانی جذبات واحساسات اور شہوت کنٹرول ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے آدمی تمام گناہوں سے بچتا ہے کیونکہ پیٹ بھرنے سے تمام اعضا گناہ کے خواہشمند ہو جاتے ہیں اسی لئے عارفین نے کہا ہے۔ کہ

إِذَا جَاعَتِ النَّفْسُ شَبِعَتْ جَمِيْعُ الْأَعْضَاءِ
وَإِذَا شَبِعَتْ جَاعَتْ كُلُّهَا

(۳) روزہ رکھنے سے فقراء اور غرباء ومساکین کے ساتھ ہمدردی پیدا ہو جاتی ہے ایک مالدار آدمی کو یہ احساس پیدا ہو جاتا ہے کہ میں نے جس طرح سال کے ایک مہینہ میں بھوک وپیاس کی مشقت اٹھائی ہے مساکین وفقراء سال بھر اسی طرح محنت ومشقت میں پڑے رہتے ہیں لہٰذا وہ ان کا ہمدرد بن جاتا ہے۔

چنانچہ بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھا ہے کہ وہ بغداد میں سخت سرد موسم میں گرم کپڑے اتار کر کھونٹے پر لٹکا دیتے تھے اور ہلکے لباس میں کھلے عام ٹھنڈ میں بیٹھ جاتے تھے کسی نے وجہ معلوم کی تو فرمایا کہ بغداد میں بہت فقراء ہیں جو ٹھنڈ کی مشقت برداشت کرتے ہیں میں ان سب کو گرم کپڑے نہیں دے سکتا تو کم از کم ان کی مشقت میں بطور ہمدردی ان کے ساتھ شریک ہو جاتا ہوں۔

یہی وجہ ہے کہ بعض عارفین پیٹ بھر کر کھانا کھانے کے بعد اس طرح دعا کیا کرتے تھے۔ "اَللّٰهُمَّ لَا تُؤَاخِذْنِيْ بِحَقِّ الْجَائِعِيْنَ"۔[2]

(۴) روزہ رکھنے سے آدمی جفاکش بن جاتا ہے چنانچہ اگر میدان جہاد میں یا کسی اور میدان میں کئی روز تک کھانا نہ ملے تو روزہ

---

[1] المرقات: ۴/۴۴۱، ۴۴۲ [2] المرقات: ۴/۴۴۲

کا عادی شخص اس مصیبت کو زیادہ دیر تک برداشت کر لیتا ہے گویا روزہ دیگر عبادات کے لئے مُمِد و معاون ہے اور آدمی کی ذاتی زندگی کے لئے کارآمد ہے۔

❺ روزہ رکھنے سے آدمی کے مزاج میں ٹھہراؤ پیدا ہوتا ہے لہٰذا وہ صبر کا عادی ہو جاتا ہے اس طرح روزہ دار ازدواجی اور معاشرتی زندگی میں بہتر طریقہ سے زندگی گذار سکتا ہے۔[1]

الفصل الاول

ماہ رمضان میں سرکش شیاطین قید کر دیئے جاتے ہیں

﴿۱﴾ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ رَمَضَانُ فُتِحَتْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَفِي رِوَايَةٍ فُتِحَتْ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ وَغُلِّقَتْ أَبْوَابُ جَهَنَّمَ وَسُلْسِلَتِ الشَّيَاطِينُ وَفِي رِوَايَةٍ فُتِحَتْ أَبْوَابُ الرَّحْمَةِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جب ماہ رمضان شروع ہوتا ہے۔ تو آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں"۔ ایک دوسری روایت میں یہ ہے کہ "جنت کے دروازے کھولے جاتے ہیں۔ اور دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں نیز شیاطین کو قید کر دیا جاتا ہے"۔ ایک اور روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ "رحمت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں"۔ (بخاری و مسلم)

توضیح: "فتحت ابواب السماء" یہ جملہ یا حقیقت پر محمول ہے کہ واقعی آسمان کے دروازے کھولے جاتے ہیں اس سے عظمت رمضان مقصود ہوتی ہے۔ قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں جو مذکور ہے کہ آسمان کے دروازے کھولے جاتے ہیں یا جنت کے کھولے جاتے ہیں جہنم کے بند کر دیئے جاتے ہیں اور سرکش شیاطین کو باندھا جاتا ہے یہ سب حقیقت پر محمول ہے اس سے رمضان کی تعظیم و عظمت مقصود ہوتی ہے۔

بعض علماء نے ان تمام واقعات کو کنایہ اور مجاز پر حمل کیا ہے اور کہا ہے کہ آسمان کے دروازے کھلنا رحمت کے عام ہونے سے کنایہ ہے جنت کے دروازے کھلنا نیکیاں عام ہونے سے کنایہ ہے دوزخ کے دروازے بند کیا جانا برے کاموں کے کم ہونے سے کنایہ ہے کیونکہ روزہ برائیوں سے بچاتا رہتا ہے اور سرکش شیاطین کا بندھا جانا اس سے کنایہ ہے کہ ان کو اغوا انسانی اور تزئین بالشہوات کے میدان میں عاجز کر کے رکھا جاتا ہے۔[3]

"وسلسلت الشیاطین" یعنی شیاطین کو زنجیروں میں جکڑ کر پکڑا جاتا ہے اور ان کو رمضان میں قید کر دیا جاتا ہے اور ان سے وہ قوت سلب کر لی جاتی ہے جس کے ذریعہ سے وہ مخلوق خدا کو گمراہ کرتے ہیں یا گناہوں پر آمادہ کرتے ہیں ایک

[1] المرقات: ۴/۴۴۱ [2] اخرجہ البخاری: ۳/۲۳، ۳۳ و مسلم: ۱۸۶/۷، ۱۸۷ [3] المرقات: ۴/۴۴۲

روایت میں صفدت الشیاطین کا لفظ آیا ہے اس کا بھی یہی معنی ہے۔

سوال: یہاں یہ سوال اٹھتا ہے کہ جب تمام شیاطین کو قید کر دیا جاتا ہے تو رمضان میں یہ گناہ کیوں ہوتے ہیں؟

جواب: اس سوال کے کئی جوابات ہیں اور وہی جوابات اس جملہ کے سمجھنے کے لئے کئی مفہوم بھی ہیں۔

❶ بڑے اور سرکش شیاطین کو باندھا جاتا ہے اس کے چھوٹے کارکن کام چلاتے ہیں چنانچہ ایک روایت میں "مردۃ الجن" کے الفاظ بھی اس کی تائید کرتے ہیں اور مشاہدہ گواہ ہے کہ رمضان میں بڑے بڑے معاصی کم ہوجاتے ہیں۔

❷ شیاطین واقعی سارے باندھے جاتے ہیں لیکن گیارہ ماہ تک شیاطین نے جو نفس امارہ کو تیار کیا ہے ایک ماہ تک خود وہ نفس کام چلاتا ہے جیسے گاڑی بند کرنے کے بعد بھی آگے کی طرف کچھ حرکت کرتی ہے۔

❸ ہوسکتا ہے کہ شیاطین کے باندھنے کے بعد بھی وہ اپنے اپنے مقامات سے انسانوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالنے کا سلسلہ جاری رکھتے ہوں۔

بہر حال زیر بحث حدیث اور آنحضرت ﷺ کا فرمان بے غبار ہے ہر آدمی رمضان میں شرارتوں کی کمی کو محسوس کرتا ہے۔

❹ یہ بھی ممکن ہے کہ جو لوگ روزہ رکھتے ہیں اور وہ نیک دیندار ہیں روزہ کے شرائط بھی پورا کرتے ہیں فقط ایسے لوگوں کے شیاطین باندھے جاتے ہوں اور اشرار و کفار کے کھلے رہتے ہوں۔

خلاصہ یہ کہ رمضان میں خیر کے راستے کھول دیئے جاتے ہیں اور شر کے بند کر دیئے جاتے ہیں۔[1]

دخول جنت کے لئے روزہ داروں کا مخصوص دروازہ

﴿۲﴾ وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْجَنَّةِ ثَمَانِيَةُ أَبْوَابٍ مِنْهَا بَابٌ يُسَمَّى الرَّيَّانَ لَا يَدْخُلُهُ إِلَّا الصَّائِمُوْنَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جنت کے آٹھ دروازے ہیں جن میں سے ایک وہ دروازہ ہے جس کا نام "ریان" رکھا گیا ہے اور اس دروازے سے صرف روزہ داروں ہی کا داخلہ ہوسکے گا۔ (بخاری و مسلم)

توضیح: "ثمانیة ابواب" جنت ایک ہے اس کے دروازے آٹھ ہیں جو درحقیقت جنت کے درجات ہیں ہر دروازہ کا الگ الگ نام ہے ایک اس میں سے باب الریان ہے اور دوزخ بھی ایک ہے مگر اس کے طبقات و درکات کے الگ الگ نام ہیں اس کے سات دروازے ہیں۔[3]

باب الریان کے معنی سیراب ہونے کے ہیں جو روزہ داروں کے لئے ہے ایک پیاسے روزہ دار کے لئے یہ نام کس قدر پرکشش ہے۔

[1] المرقات: ۴۴۳ [2] اخرجہ البخاری: ۳/۳۲ و مسلم: ۸/۳۳ [3] المرقات: ۳/۴۴۳

سارے گناہ معاف

﴿۳﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِيْمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَلَهُ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيْمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَلَهُ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ إِيْمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَلَهُ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''جس شخص نے ایمان کے ساتھ (یعنی شریعت کو سچ جانتے ہوئے اور فرضیت رمضان کا اعتقاد رکھتے ہوئے) اور طلب ثواب کی خاطر (یعنی کسی خوف یا ریاء کے طور پر نہیں بلکہ خالصۃ للہ) رمضان کا روزہ رکھا تو اس کے وہ گناہ بخش دیئے جائیں گے جو اس نے پہلے کئے تھے نیز جو شخص ایمان کے ساتھ اور طلب ثواب کی خاطر رمضان میں کھڑا ہوا تو اس کے وہ گناہ بخش دیئے جائیں گے جو اس نے پہلے کئے تھے اسی طرح جو شخص شب قدر میں ایمان کے ساتھ اور طلب ثواب کی خاطر کھڑا ہوا تو اس کے وہ گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ جو اس نے پہلے کئے تھے''۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: ''ایمانا'' جس شخص کا ایمان نہ ہو اور وہ مسلمان نہ ہو تو اس کے روزہ کا کوئی فائدہ نہیں اس لئے ایمان کی قید لگائی۔[2]

''احتسابا'' یعنی ثواب کی نیت سے روزہ رکھتا ہو، اس سے ان لوگوں پر رد ہے جو صرف شرم کے مارے یا قرابت داری اور عزیز داری کی وجہ سے روزہ رکھتے ہیں تاکہ معاشرہ میں ان کی رسوائی نہ ہو جس طرح صوبہ سرحد میں کمیونسٹ نوجوان بھی علاقائی رسم ورواج کی وجہ سے روزہ رکھتے ہیں اور ثواب کو نہیں مانتے۔[3]

''ماتقدم من ذنبہ'' یعنی صغائر گناہ سارے معاف ہو جاتے ہیں اور کبائر کمزور پڑ جاتے ہیں لیکن اگر کبائر سے توبہ کیا تو پھر سارے گناہ معاف ہو جائیں گے یہی فضیلت تراویح اور لیلۃ القدر کے تہجد کی ہے[4] ''قام رمضان'' یہ ایک اصطلاحی لفظ ہے جو صرف تراویح پر بولا جاتا ہے تہجد کے لئے قیام اللیل کے الفاظ آتے ہیں۔[5]

روزہ کی جامع فضیلت

﴿۴﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ يُضَاعَفُ الْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا إِلَى سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ قَالَ اللهُ تَعَالَى إِلَّا الصَّوْمَ فَإِنَّهُ لِي وَأَنَا أَجْزِي بِهٖ يَدَعُ شَهْوَتَهُ وَطَعَامَهُ مِنْ أَجْلِي لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ فَرْحَةٌ عِنْدَ فِطْرِهٖ وَفَرْحَةٌ عِنْدَ لِقَاءِ رَبِّهٖ وَلَخُلُوْفُ فَمِ الصَّائِمِ

[1] اخرجہ البخاری: ۳/۳۲ ومسلم: ۳۹/۱،۶ [2] المرقات: ۴/۴۴۴ [3] المرقات: ۴/۴۴۴ [4] المرقات: ۴/۴۴۴ [5] المرقات: ۴/۴۴۴

أَطْيَبُ عِنْدَاللهِ مِنْ رِيْحِ الْمِسْكِ وَالصِّيَامُ جُنَّةٌ وَإِذَا كَانَ يَوْمُ صَوْمِ أَحَدِكُمْ فَلَا يَرْفُثْ وَلَا يَصْخَبْ فَإِنْ سَابَّهُ أَحَدٌ أَوْ قَاتَلَهُ فَلْيَقُلْ إِنِّيْ امْرُءٌ صَائِمٌ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''بنی آدم کے ہر نیک عمل کا ثواب زیادہ کیا جاتا ہے بایں طور کہ ایک نیکی کا ثواب دس سے سات سو گنا تک ہوتا ہے''۔ اور اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ ''مگر روزہ کہ وہ میرے ہی لئے ہے اور میں ہی اس کا اجر دوں گا (یعنی روزہ کی جو جزاء ہے اسے میں ہی جانتا ہوں اور وہ روزہ دار کو میں خود ہی دونگا اس بارہ میں کوئی دوسرا یعنی فرشتہ بھی واسطہ نہیں ہوگا کیونکہ روزہ دار) اپنی خواہش اور اپنا کھانا صرف میرے ہی لئے چھوڑتا ہے روزہ دار کے لئے دو خوشیاں ہیں ایک خوشی تو روزہ کھولنے کے وقت اور دوسری خوشی (ثواب ملنے کی وجہ سے) اپنے پروردگار سے ملاقات کے وقت، یاد رکھو روزہ دار کے منہ کی بو اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے زیادہ لطیف اور پسندیدہ ہے۔ اور روزہ سپر ہے (کہ اس کی وجہ سے بندہ دنیا میں شیطان کے شر وفریب سے اور آخرت میں دوزخ کی آگ سے محفوظ رہتا ہے) لہٰذا جب تم میں سے کوئی شخص روزہ دار ہو تو وہ نہ فحش باتیں کرے اور نہ بیہودگی کے ساتھ اپنی آواز بلند کرے اور اگر کوئی (نادان جاہل) اسے برا کہے یا اس سے لڑنے جھگڑنے کا ارادہ کرے تو اسے چاہیئے کہ وہ کہہ دے کہ ''میں روزہ دار ہوں''۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "الا الصوم" یعنی پہلے جو ضابطہ مقرر کیا گیا ہے یہ باقی عبادات کے لئے ہے روزہ کے لئے نہیں۔[۲]

"فانہ لی" یعنی ہر نیکی کا قاعدہ یہ ہے کہ ایک پر دس بلکہ سات سو تک ثواب بڑھ جاتا ہے مگر روزہ کی جو نیکی ہے اس کا قاعدہ اس طرح نہیں کیونکہ روزہ میرے لئے ہے اس لئے اس کا بدلہ میں خود دوں گا۔[۳]

سوال: عبادات جتنی بھی ہیں سب کی سب اللہ کے لئے ہیں یہاں اس تخصیص کی وجہ کیا ہے؟

جواب: اس سوال اور اس تخصیص کے کئی جواب ہیں۔

❶ یہ ہے کہ ہر عبادت میں ریاکاری کا خطرہ ہوتا ہے مگر صوم میں نہیں کیونکہ جب تک روزہ دار خود نہ بتائے کسی کو پتہ نہیں چلتا کہ کون روزے سے ہے اور کون نہیں ہے اس لئے فرمایا روزہ میرے لئے ہے۔

❷ جاہلیت کے دور میں ہر عبادت غیر اللہ کے لئے کی گئی ہے مگر روزہ کی عبادت کبھی غیر اللہ کے لئے نہیں ہوئی ہے۔ اس لئے فرمایا کہ روزہ میرے لئے ہے۔

❸ بعض نے یہ جواب دیا ہے کہ اشیاء ثلاثہ کا ترک کرنا اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفات میں سے ہے جو آدمی روزہ رکھتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفات سے مشابہت آتی ہے اس لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے روزہ کی عبادت اپنی طرف منسوب فرمادی۔

❹ کسی وجہ اور تاویل کی ضرورت نہیں بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے روزہ کی شان وتکریم وعظمت کے بڑھانے کے لئے فرمایا کہ یہ تو خاص میرا ہے۔[۴]

---

[۱] اخرجہ البخاری: ۹/۱۷۵ ومسلم: ۳/۱۵۷ [۲] المرقات: ۴/۴۳۶ [۳] المرقات: ۴/۴۳۶ [۴] المرقات: ۴/۴۳۶

"وانا اجزی بہ" یعنی روزہ دار کو روزہ کا ثواب میں دوں گا۔ [۱]

سوال: اس تخصیص کا کیا مطلب ہے حالانکہ ثواب اللہ تبارک وتعالیٰ ہی دیتا ہے؟

پہلا جواب: شارحین نے پہلا جواب یہ دیا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر عبادت کے ثواب دینے پر فرشتوں کو مقرر فرمایا ہے لیکن روزہ کا ثواب اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے دست قدرت سے دیگا پھر اس کی کیا شان ہوگی سبحان اللہ۔

دوسرا جواب: یہ ہے کہ ہر عمل کی محنت و مشقت کا اندازہ فرشتوں کو ہو جاتا ہے مگر روزہ دار کی پیاس اور اس کی بھوک اور باطنی سوزش و تکلیف کا اندازہ صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کو ہے اس لئے ثواب بھی وہی دیتا ہے۔

تیسرا جواب: علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے دیا ہے کہ ہر عبادت کا ثواب متعین ہے اور اس کے لئے ایک حد مقرر ہے یا دس گنا ہے یا سات سو گنا ہے یا ایک لاکھ گنا ہے یا سات لاکھ تک ہے۔ مگر روزہ کے ثواب کی کوئی حد مقرر نہیں اللہ تبارک وتعالیٰ جتنا زیادہ دینا چاہے گا عطا کریگا بعض علماء نے ''اجزی'' کے لفظ کو مجہول کے صیغہ کے ساتھ پڑھا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ روزہ میرے لئے ہے اس کے بدلے میں روزہ دار کو ثواب کے بجائے میری ذات ملے گی یہ توجیہ بہت عمدہ ہے لیکن کسی معتمد شرح میں مجھے نہیں ملی، ایک شاذ روایت میں مجہول کا صیغہ ہے۔

"**ولخلوف فم الصائم**" لام ابتدائیہ تاکید یہ مفتوح ہے اور خا پر ضمہ ہے فتحہ پڑھنا غلط ہے بھوک اور پیاس کی وجہ سے پیٹ کے اندر سے جو بخارات اٹھتے ہیں اسی کو خلوف کہا گیا ہے اور وہی بُو اللہ تبارک وتعالیٰ کو محبوب ہے جو صرف روزہ کی وجہ سے ہوتی ہے منہ کی گندہ دہنی کی جو بدبو ہوتی ہے وہ مراد نہیں ہے البتہ شارحین نے سمجھانے کے لئے لکھا ہے کہ کھانے کے بعد منہ میں جو بدبو رہ جاتی ہے خلوف سے مراد وہی ہے بہرحال روزہ کی وجہ سے جو اثر پڑتا ہے اسی کی قدر اور تعریف کی جارہی ہے اور تعریف اسی کی ہونی چاہئے۔ وہ بھوک و پیاس ہے نہ کہ کوئی اور چیز۔ [۲]

"**فلا یرفث**" عورتوں کے سامنے عورتوں کے محاسن کا تذکرہ رفث کہلاتا ہے مراد فحش گفتگو ہے۔ [۳]

''**ولا یصخب**'' چیخنے اور چلانے اور شور شرابہ کرنے کو ''**صخب**'' کہتے ہیں۔ [۴]

"**امرأ صائم**" یعنی ہر روزہ دار کو چاہئے کہ وہ روزہ کے دن ہر قسم کے احساسات و جذبات کو قابو میں رکھے حتی کہ گالی کو بھی ٹال دے کہ بھائی میرا روزہ ہے۔ [۵]

"**الصوم جنة**" یعنی روزہ ہر گناہ کے لئے باطنی ڈھال ہے بشرطیکہ یہ ڈھال صحیح سالم ہو پھٹ نہ گئی ہو، شیطان بھی باطنی دشمن ہے اور روزہ بھی باطنی ڈھال۔ [۶]

بدعتیوں کے منہ پر طمانچہ:

الصوم لی کے جملہ کی توضیح و تشریح سے معلوم ہوا کہ مشرکین مکہ نے بھی روزہ غیر اللہ کے لئے نہیں رکھا لیکن افسوس کا مقام ہے

---

[۲] المرقات: ۴/۴۴۶ [۳] المرقات: ۴/۴۴۷ [۴] المرقات: ۴/۴۴۷ [۵] المرقات: ۴/۴۴۷ [۶] المرقات: ۴/۴۴۸ [۷] المرقات: ۴/۴۴۷

کہ آج کل بدعتی اور بریلوی حضرات اولیاء کے نام کے با قاعدہ روزے رکھتے ہیں

بسوخت عقل زحیرت کہ این چہ بوالعجمی است
زندگی اس کی ہے ملت کے لئے پیغام موت
کر رہا ہو جو بجائے کعبہ قبروں کا طواف

الفصل الثانی

اے شر کے بیوپاری شر سے باز آ

﴿۵﴾ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ أَوَّلُ لَيْلَةٍ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ صُفِّدَتِ الشَّيَاطِيْنُ وَمَرَدَةُ الْجِنِّ وَغُلِّقَتْ أَبْوَابُ النَّارِ فَلَمْ يُفْتَحْ مِنْهَا بَابٌ وَفُتِحَتْ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ فَلَمْ يُغْلَقْ مِنْهَا بَابٌ وَيُنَادِيْ مُنَادٍ يَابَاغِيَ الْخَيْرِ أَقْبِلْ وَيَابَاغِيَ الشَّرِّ أَقْصِرْ وَلِلّٰهِ عُتَقَاءُ مِنَ النَّارِ وَذٰلِكَ كُلَّ لَيْلَةٍ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَه وَرَوَاهُ أَحْمَدُ عَنْ رَجُلٍ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)[۱]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جب ماہ رمضان کی پہلی رات آتی ہے تو شیاطین اور سرکش جنات قید کر دیئے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں پھر اس کا کوئی دروازہ کھلا نہیں رہتا اور جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں پھر اس کا کوئی دروازہ بند نہیں رہتا اور اعلان کرنے والا (فرشتہ) یہ اعلان کرتا ہے کہ اے بھلائی کے طلب گار: (اللہ کی طرف) متوجہ ہو جا اور اے برائی کا ارادہ رکھنے والے: برائی سے باز آجا کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ لوگوں کو آگ سے آزاد کرتا ہے اور یہ اعلان (رمضان کی) ہر رات میں ہوتا ہے۔ (ترمذی ابن ماجہ) امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس روایت کو ایک شخص سے نقل کیا ہے اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

الفصل الثالث

﴿۶﴾ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَاكُمْ رَمَضَانُ شَهْرٌ مُبَارَكٌ فَرَضَ اللهُ عَلَيْكُمْ صِيَامَهُ تُفْتَحُ فِيْهِ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَتُغْلَقُ فِيْهِ أَبْوَابُ الْجَحِيْمِ وَتُغَلُّ فِيْهِ مَرَدَةُ الشَّيَاطِيْنِ لِلّٰهِ فِيْهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ شَهْرٍ مَنْ حُرِمَ خَيْرَهَا فَقَدْ حُرِمَ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ)[۲]

---

[۱] اخرجه الترمذی: ۲/۱۵۵ واحمد: ۲/۳۱۱ ابن ماجه ح ۱۶۴۲ [۲] اخرجه احمد: ۲/۲۳۰ والنسائی: ۴/۱۲۹

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "تمہارے لئے رمضان کا بابرکت مہینہ آ گیا ہے جس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمہارے اوپر روزے فرض کئے ہیں اس مہینہ میں آسمان کے دروازے کھولے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کردیئے جاتے ہیں نیز اسی مہینہ میں سرکش شیطانوں کو طوق پہنایا جاتا ہے۔ اور اس میں (یعنی پورے ماہ رمضان کی راتوں میں یا آخری عشرۂ رمضان کی راتوں میں) خدا کی ایک خاص رات ہے جو (باعتبار ثواب کے) ہزار مہینوں سے بہتر ہے (یعنی اس ایک رات میں عمل کرنا ان ہزار مہینوں میں عمل کرنے سے کہ جن میں لیلۃ القدر نہ ہو، کہیں زیادہ افضل و بہتر ہے) لہٰذا جو شخص اس (رات) کی بھلائی سے محروم رہا وہ ہر بھلائی سے محروم رہا۔ (احمد ونسائی)

توضیح: "مردة الشياطين" اس سے پہلے جو حدیث گذری ہے اس میں بھی مردۃ الجن کے الفاظ آئے ہیں اور اس حدیث میں بھی مردۃ الشیاطین کے الفاظ ہیں پہلے تو یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ شیاطین کے بعد مردۃ الجن کے یہ الفاظ تخصیص بعد تعمیم کے قبیل سے ہے مردۃ مارد کی جمع ہے اور مارد سرکش کو کہتے ہیں اس روایت سے اس باب کی پہلی حدیث کا مسئلہ بھی حل ہوا کہ وہاں دیگر جوابات کے علاوہ ایک جواب یہ بھی دیا گیا تھا کہ شیاطین کے باندھنے سے مراد سرکش شیاطین کا باندھا جانا ہے اور چھوٹے شیاطین انسانوں میں کام کرتے رہتے ہیں۔[1]

روزہ اور قرآن شفاعت کریں گے

﴿۷﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الصِّيَامُ وَالْقُرْآنُ يَشْفَعَانِ لِلْعَبْدِ يَقُوْلُ الصِّيَامُ أَيْ رَبِّ إِنِّيْ مَنَعْتُهُ الطَّعَامَ وَالشَّهَوَاتِ بِالنَّهَارِ فَشَفِّعْنِيْ فِيْهِ وَيَقُوْلُ الْقُرْآنُ مَنَعْتُهُ النَّوْمَ بِاللَّيْلِ فَشَفِّعْنِيْ فِيْهِ فَيُشَفَّعَانِ۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْإِيْمَانِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "روزہ اور قرآن دونوں بندہ کے لئے شفاعت کریں گے"۔ چنانچہ روزہ کہے گا کہ "اے میرے پروردگار: میں نے اس کو کھانے اور دوسری خواہشات (مثلاً پانی، جماع اور غیبت وغیرہ) سے دن میں روکے رکھا لہٰذا میری طرف سے (بھی) اس کے حق میں شفاعت قبول فرما"۔ قرآن کہے گا کہ میں نے اسے رات میں سونے سے روکے رکھا، لہٰذا میری طرف سے (بھی) اس کے حق میں شفاعت قبول فرما۔ چنانچہ ان دونوں کی شفاعت قبول کی جائے گی"۔ (بیہقی)

﴿۸﴾ وَعَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ دَخَلَ رَمَضَانُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ هٰذَا الشَّهْرَ قَدْ حَضَرَكُمْ وَفِيْهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ شَهْرٍ مَنْ حُرِمَهَا فَقَدْ حُرِمَ الْخَيْرَ كُلَّهُ وَلَا يُحْرَمُ خَيْرَهَا إِلَّا كُلُّ مَحْرُوْمٍ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه)[3]

[1] المرقات: ۴/۴۴۸ [2] اخرجہ البیہقی: [3] اخرجہ ابن ماجہ: ۱/۵۲۶

ترجمہ: اور حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب رمضان کا مہینہ آیا تو رسول کریم ﷺ نے فرمایا "تمہارے لئے یہ مہینہ آیا ہے جس میں ایک رات (یعنی شب قدر) ہزار مہینوں سے بہتر ہے، لہٰذا جو شخص اس رات (کی سعادت) سے محروم رہا (کہ اسے پوری رات یا کم سے کم رات کے کچھ حصوں میں بھی جاگنے اور عبادت خداوندی میں مشغول ہونے کی توفیق نہ ہوئی) تو وہ ہر سعادت و بھلائی سے محروم رہا۔ اور (یاد رکھو) شب قدر کی سعادت سے حرمان نصیب ہی محروم ہوتا ہے۔ (ابن ماجہ)

رمضان کا مہینہ ہر قسم برکات سے مالا مال ہے

﴿۹﴾ وَعَنْ سَلْمَانَ الْفَارِسِيِّ قَالَ خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ آخِرِ يَوْمٍ مِنْ شَعْبَانَ فَقَالَ يَاأَيُّهَا النَّاسُ قَدْ أَظَلَّكُمْ شَهْرٌ عَظِيْمٌ شَهْرٌ مُبَارَكٌ شَهْرٌ فِيْهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ شَهْرٍ جَعَلَ اللّٰهُ صِيَامَهُ فَرِيْضَةً وَقِيَامَ لَيْلِهِ تَطَوُّعًا مَنْ تَقَرَّبَ فِيْهِ بِخَصْلَةٍ مِنَ الْخَيْرِ كَانَ كَمَنْ أَدّٰى فَرِيْضَةً فِيْمَا سِوَاهُ وَمَنْ أَدّٰى فَرِيْضَةً فِيْهِ كَانَ كَمَنْ أَدّٰى سَبْعِيْنَ فَرِيْضَةً فِيْمَا سِوَاهُ وَهُوَ شَهْرُ الصَّبْرِ وَالصَّبْرُ ثَوَابُهُ الْجَنَّةُ وَشَهْرُ الْمُوَاسَاةِ وَشَهْرٌ يُزَادُ فِيْهِ رِزْقُ الْمُؤْمِنِ مَنْ فَطَّرَ فِيْهِ صَائِمًا كَانَ لَهُ مَغْفِرَةً لِذُنُوْبِهِ وَعِتْقَ رَقَبَتِهِ مِنَ النَّارِ وَكَانَ لَهُ مِثْلَ أَجْرِهِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْتَقِصَ مِنْ أَجْرِهِ شَيْءٌ قُلْنَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ لَيْسَ كُلُّنَا نَجِدُ مَانُفَطِّرُ بِهِ الصَّائِمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْطِي اللّٰهُ هٰذَا الثَّوَابَ مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا عَلٰى مَذْقَةِ لَبَنٍ أَوْ تَمْرَةٍ أَوْ شَرْبَةٍ مِنْ مَاءٍ وَمَنْ أَشْبَعَ صَائِمًا سَقَاهُ اللّٰهُ مِنْ حَوْضِيْ شَرْبَةً لَايَظْمَأُ حَتّٰى يَدْخُلَ الْجَنَّةَ وَهُوَ شَهْرٌ أَوَّلُهُ رَحْمَةٌ وَأَوْسَطُهُ مَغْفِرَةٌ وَآخِرُهُ عِتْقٌ مِنَ النَّارِ وَمَنْ خَفَّفَ عَنْ مَمْلُوْكِهِ فِيْهِ غَفَرَ اللّٰهُ لَهُ وَأَعْتَقَهُ مِنَ النَّارِ۔

ترجمہ: اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے شعبان کے آخری دن ہمارے سامنے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ "اے لوگو: باعظمت مہینہ تمہارے اوپر سایہ فگن ہو رہا ہے (یعنی ماہ رمضان مبارک آیا ہی چاہتا ہے) یہ بڑا ہی بابرکت اور مقدس مہینہ ہے، یہ وہ مہینہ ہے جس میں وہ رات (لیلۃ القدر) ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے، اللہ تعالیٰ نے اس مہینہ کے روزے فرض کئے ہیں اور اس کی راتوں میں قیام (عبادت خداوندی کے لئے جاگنا) نفل قرار دیا ہے جو شخص اس ماہ مبارک میں نیکی (یعنی نفل) کے طریقہ اور عمل کے ذریعہ بارگاہ حق میں تقرب کا طلب گار ہوتا ہے تو وہ اس شخص کی مانند ہوتا ہے جس نے رمضان کے علاوہ کسی دوسرے مہینہ میں فرض ادا کیا ہو اور جس شخص نے ماہ رمضان میں (بدنی یا مالی) فرض ادا کیا تو وہ اس شخص کی مانند ہوگا جس نے رمضان کے علاوہ کسی دوسرے مہینہ میں ستر فرض ادا کئے ہوں اور ماہ رمضان صبر کا مہینہ ہے (کہ روزہ دار کھانے، پینے اور دوسری خواہشات سے رکا رہتا ہے) وہ صبر جس کا ثواب بہشت ہے ماہ رمضان غمخواری کا مہینہ ہے (لہٰذا اس ماہ میں محتاج و فقراء

کی خبر گیری کرنی چاہیئے)اور یہ وہ مہینہ ہے جس میں (دولتمند اور مفلس ہر طرح کے) مؤمن کا (ظاہری ومعنوی) رزق زیادہ کیا جاتا ہے۔ جو شخص رمضان میں کسی روزہ دار کو (اپنی حلال کمائی سے) افطار کرائے گا تو اس کا یہ عمل اس کے گناہوں کی بخشش ومغفرت کا ذریعہ اور دوزخ کی آگ سے اس کی حفاظت کا سبب ہوگا اور اس کو روزہ دار کے ثواب کی مانند ثواب ملے گا بغیر اس کے کہ روزہ دار کے ثواب میں کوئی کمی ہو۔ ہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ: ہم میں سب تو ایسے نہیں ہیں جو روزہ دار کی افطاری کے بقدر انتظام کرنے کی قدرت رکھتے ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ’’یہ ثواب اللہ تبارک وتعالیٰ اس شخص کو بھی عنایت فرماتا ہے جو کسی روزہ دار کو ایک گھونٹ دودھ یا ایک کھجور اور یا ایک گھونٹ پانی ہی کے ذریعہ افطار کرادے اور جو شخص کسی روزہ دار کو پیٹ بھر کھلائے گا تو اللہ تبارک وتعالیٰ اسے میرے حوض (یعنی حوض کوثر) سے اس طرح سیراب کرے گا کہ وہ (اس کے بعد) پیاسا نہیں ہوگا۔ یہاں تک کہ وہ بہشت میں داخل ہوجائے گا۔ اور ماہ رمضان وہ مہینہ ہے جس کا ابتدائی حصہ رحمت ہے، درمیانی حصہ میں بخشش ہے اور اس کے آخری حصہ میں دوزخ کی آگ سے نجات ہے (مگر یہ تینوں چیزیں مؤمنین ہی کے لئے مخصوص ہیں کافروں کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے) اور جو شخص اس مہینہ میں اپنے غلام ولونڈی کا بوجھ ہلکا کرے گا تو اللہ تبارک وتعالیٰ اسے بخش دے گا اور اسے آگ سے نجات دے گا۔

رمضان میں قیدیوں کی رہائی

﴿۱۰﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ شَهْرُ رَمَضَانَ أَطْلَقَ كُلَّ أَسِيْرٍ وَأَعْطَى كُلَّ سَائِلٍ۔

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رمضان کا ماہ مقدس شروع ہوتا تو رسول کریم ﷺ ہر قیدی کو رہائی بخشتے اور ہر سائل کی مراد پوری فرماتے۔

توضیح: ’’**کل اسیر**‘‘ یہاں عام طور پر دماغ میں یہ شبہ گذرتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے پاس کفار کے علاوہ کوئی قیدی نہیں ہوتا تھا اور کفار قیدیوں کا الگ ضابطہ مقرر ہے جو فدیہ وغیرہ ہے یہاں رمضان کی وجہ سے قیدی کیسے چھوڑ دیا؟[1] اس کا جواب ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ میں دیا ہے ’’**ای ممن یستحق الحبس لحق اللّٰہ اولحق العبد بتخلیصہ منہ**‘‘۔ یعنی قیدی سے مراد وہ لوگ بھی ہوسکتے ہیں جو حقوق اللہ کی وجہ سے قید ہوتے تھے اور قیدی سے وہ لوگ بھی مراد لئے جاسکتے ہیں جو حقوق العباد کی وجہ سے قید کئے جاتے تھے حقوق العباد کی وجہ سے جو لوگ قید ہوتے تھے ان کی رہائی کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ صاحب حق سے کہہ کر آزاد فرمایا کرتے تھے تو **اطلق کل اسیر** سے مراد خاص اسیر ہے جو لوگوں کے حقوق کی وجہ سے لوگوں کے پاس قید تھے آنحضرت ﷺ کے پاس نہیں تھے۔

[1] المرقات: ۴/۴۵۷

رمضان کا استقبال اور اہتمام

﴿۱۱﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ الْجَنَّةَ تُزَخْرَفُ لِرَمَضَانَ مِنْ رَأْسِ الْحَوْلِ إِلَى حَوْلٍ قَابِلٍ قَالَ فَإِذَا كَانَ أَوَّلُ يَوْمٍ مِنْ رَمَضَانَ هَبَّتْ رِيحٌ تَحْتَ الْعَرْشِ مِنْ وَرَقِ الْجَنَّةِ عَلَى الْحُوْرِ الْعِيْنِ فَيَقُلْنَ يَا رَبِّ اجْعَلْ لَنَا مِنْ عِبَادِكَ أَزْوَاجًا تَقِرُّ بِهِمْ أَعْيُنُنَا وَتَقِرُّ أَعْيُنُهُمْ بِنَا۔

(رَوَى الْبَيْهَقِيُّ الْأَحَادِيْثَ الثَّلَاثَةَ فِي شُعَبِ الْإِيْمَانِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''رمضان (کے استقبال کے لئے) جنت شروع سال سے آخر سال تک اپنی زیب وزینت کرتی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' چنانچہ جب رمضان کا پہلا دن ہوتا ہے تو عرش کے نیچے جنت کے درختوں کے پتوں سے حورعین کے سر پر ہوا چلتی ہے، پھر حوریں کہتی ہیں کہ اے ہمارے پروردگار: اپنے بندوں میں سے ہمارے لئے شوہر بنا دے کہ ان (کی صحبت وہمنشینی کے سرور وکیف) سے ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور ان کی آنکھیں ہمارے (دیدار ووصل) سے ٹھنڈک پائیں'' (یہ تینوں روایتیں بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کی ہیں)۔

﴿۱۲﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ يُغْفَرُ لِأُمَّتِهِ فِي آخِرِ لَيْلَةٍ فِي رَمَضَانَ قِيلَ يَا رَسُولَ اللهِ أَهِيَ لَيْلَةُ الْقَدْرِ قَالَ لَا وَلٰكِنَّ الْعَامِلَ إِنَّمَا يُوَفَّى أَجْرَهُ إِذَا قَضَى عَمَلَهُ۔

(رَوَاهُ أَحْمَدُ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ان کی (یعنی میری) امت (کے روزہ دار افراد) کی رمضان کی آخری رات میں بخشش ہو جاتی ہے۔ عرض کیا گیا کہ ''یارسول اللہ: کیا وہ لیلۃ القدر ہے؟ (جس میں بخشش کی جاتی ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''نہیں بلکہ کام کرنے والا جب اپنا کام کر چکتا ہے تو اسے اسی وقت اس کی پوری مزدوری دیدی جاتی ہے۔ (احمد)

[1] اخرجه البيهقي: ۳/۳۱۲ [2] اخرجه احمد: ۲/۲۹۲

باب رؤية الهلال
چاند دیکھنے کے مسائل

﴿يسئلونك عن الاهلة قل هي مواقيت للناس والحج﴾ [1]

ہماری اسلامی شریعت نے چاند کے ثبوت کے لئے اور مہینہ کی ابتدا کا مدار چاند کے دیکھنے پر رکھا ہے یا تیس دن پورے ہونے پر رکھا ہے اگر ۲۹ تاریخ کو چاند دیکھا گیا تو اگلا دن اسلامی مہینہ کا پہلا دن شمار ہوگا اور اگر ۲۹ کو چاند نظر نہیں آیا تو تیس دن پورے ہو جانے پر اگلا مہینہ شروع ہو جائے گا اسلامی مہینہ کی ابتداء کا مدار چاند کے افق پر موجود ہونے پر نہیں ہے بلکہ اس کے دیکھنے پر مدار ہے لہٰذا اگر مطلع صاف ہے اور چاند کسی صورت میں نظر نہیں آتا تو افق پر چاند کے پیدا ہونے اور موجود رہنے کے باوجود اگلا اسلامی مہینہ شروع نہیں ہوگا۔ یہی فرق ہے اہل شرع علماء اور اہل نجوم ماہرین کے درمیان کہ علماء چاند کے نظر آنے پر مہینہ کی ابتداء کا مدار رکھتے ہیں لیکن اہل نجوم چاند کے افق پر پیدا ہونے پر مدار رکھتے ہیں وہ چاند دیکھنے سے پہلے حکم لگاتے ہیں کہ کل مہینہ کا پہلا دن ہے مسلمان شریعت کے حکم کے پابند ہیں اہل نجوم کے قیاسات وتخیلات اور تجربات کے پابند نہیں ہیں۔

اسلامی شریعت میں چاند کے ثبوت کے لئے چند قواعد ہیں۔

❶ ''الشهادة على رؤية الهلال'' یعنی دیکھنے والے کی گواہی سے چاند کا ثبوت ہوگا۔

❷ ''الشهادة على الشهادة'' یعنی کسی آدمی نے قاضی کی عدالت میں چاند دیکھنے کی گواہی دی دوسرے کسی آدمی نے سن لیا اور جا کر کسی اور جگہ میں اس گواہی پر گواہی دیدی تو اس سے چاند کا ثبوت ہو جائے گا۔

❸ ''الشهادة على القضاء'' یعنی محکمۂ عدالت میں قاضی نے ثبوت ہلال کا فیصلہ سنا دیا اس عدالت کے کسی آدمی نے جا کر دوسری جگہ گواہی دیدی اس سے بھی چاند کا ثبوت ہو جائے گا۔

❹ ''استفاضة الخبر'' یعنی مختلف اطراف میں یہ خبر مشہور ہو کر پھیل جائے کہ چاند نظر آ گیا اس سے بھی چاند کا ثبوت ہو جاتا ہے۔ بہر حال ائمہ احناف کی کتابوں میں لکھا ہے کہ اگر مطلع صاف نہ ہو تو ایک عادل شخص کی گواہی چاند دیکھنے کے لئے کافی ہے لیکن اگر مطلع صاف ہو تو پھر ایک عادل کی گواہی معتبر نہیں بلکہ جم غفیر یعنی اچھی خاصی بڑی جماعت کی گواہی سے چاند کا ثبوت ہوگا۔

---

[1] بقرہ الآیہ: ۱۸۹

یہ تو رمضان کے روزوں کے لئے گواہی کا مسئلہ ہے عید کے لئے کیا حکم ہے؟ تو اس کے بارے میں احناف فرماتے ہیں کہ مطلع صاف ہو تو ایک بڑی جماعت کی گواہی درکار ہوگی لیکن اگر مطلع گردآلود ہو تو دو آدمیوں کی گواہی کی ضرورت پڑیگی۔ درمختار وغیرہ میں لکھا ہے کہ اگر ایک شخص کسی بلند مقام پر رہتا ہو شہر سے باہر ہو خود عادل ہو وہ آکر رمضان کے چاند دیکھنے کی گواہی دے تو مطلع اگرچہ صاف ہو اس کی گواہی قبول کی جائے گی اور چاند کا ثبوت ہو جائے گا امام طحاوی رحمہ اللہ کا رجحان بھی اس کی طرف ہے کہ اس پر فتویٰ دینا زیادہ بہتر ہے عام تار اور خط سے چاند کا ثبوت نہیں ہو سکتا ہے اسی طرح ریڈیو کی خبر سے بھی چاند کا ثبوت نہیں ہو سکتا ہاں اگر قاضی کا خط قاضی کو آجائے یا ریڈیو پر رؤیت ہلال کمیٹی کا چیرمین خود اپنی آواز میں اعلان کرے تو اس کا اعتبار ہوگا۔

الفصل الاول

روزہ رکھنے کا مدار چاند پر ہے

﴿۱﴾ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَصُوْمُوْا حَتّٰى تَرَوُا الْهِلَالَ وَلَا تُفْطِرُوْا حَتّٰى تَرَوْهُ فَاِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَاقْدِرُوْا لَهٗ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ الشَّهْرُ تِسْعٌ وَعِشْرُوْنَ لَيْلَةً فَلَا تَصُوْمُوْا حَتّٰى تَرَوْهُ فَاِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَاَكْمِلُوا الْعِدَّةَ ثَلَاثِيْنَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۱]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" (شعبان کی تیسویں تاریخ کو رمضان کی نیت سے) روزہ نہ رکھو یہاں تک کہ چاند دیکھ لو، اسی طرح روزہ اس وقت ختم نہ کرو جب تک کہ (عید کا) چاند نہ دیکھ لو لہٰذا (تیسویں شب یعنی انتیسویں تاریخ کو) اگر (گردو غبار اور ابر وغیرہ یا کسی اور سبب سے) چاند نظر نہ آئے تو اس کا اعتبار کرو یعنی اس مہینہ کو تیس دن کا سمجھ لو) ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" مہینہ کبھی تیس رات کا بھی ہوتا ہے اس لئے جب تک چاند نہ دیکھ لو (رمضان کی نیت سے) روزہ نہ رکھو اور اگر (انتیس تاریخ کو ابر وغیرہ ہو (اور چاند نظر نہ آئے) تو تیس دن پورے کرو (یعنی تیس دن کا مہینہ سمجھو)۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "لاتصوموا" یعنی جب تک چاند نظر نہیں آتا تم شعبان میں روزہ رکھنا شروع نہ کرو اور جب تک چاند نظر نہ آئے تم عید کے لئے روزہ نہ کھولو، تمہارا روزہ رکھنا یا افطار کرنا چاند کے دیکھنے پر موقوف ہے۔[۲]

"فان غم" یعنی اگر غیم اور بادل کی وجہ سے تم پر چاند پوشیدہ ہو جائے۔[۳]

"فاقدروا" ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس صیغہ میں دال پر ضمہ ہے اس پر کسرہ پڑھنا غلط ہے مطلب یہ کہ اگر چاند نظر نہیں آیا تو تم رمضان کے تیس دن پورے کرو۔[۴]

---

[۱] اخرجه البخاری: ۳/۳۴ ومسلم: ۱/۴۳۶ [۲] المرقات: ۴/۳۶۱ [۳] المرقات: ۴/۳۶۲ [۴] المرقات: ۴/۳۶۳

بہر حال اسلامی مہینہ کبھی ۲۹ کے اور کبھی تیس کے آتے ہیں تو اصل مدار تو چاند پر ہے اگر وہ نہیں تو پھر تیس دن ہے۔

﴿۲﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صُومُوا لِرُؤْيَتِهِ وَأَفْطِرُوا لِرُؤْيَتِهِ فَإِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَأَكْمِلُوا عِدَّةَ شَعْبَانَ ثَلَاثِينَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "چاند دیکھنے کے بعد روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر ہی افطار (یعنی عید) کرو، لہٰذا (انتیسویں تاریخ کو) اگر ابر (وغیرہ) ہو جائے (اور رؤیت ہلال ثابت نہ ہو) تو شعبان کے مہینہ کو تیس دن کا قرار دو (اسی طرح رمضان کے مہینہ کا بھی اعتبار کرو)۔ (بخاری ومسلم)

چاند کے بارہ میں نجومیوں کا قول معتبر نہیں

﴿۳﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّا أُمَّةٌ أُمِّيَّةٌ لَا نَكْتُبُ وَلَا نَحْسُبُ اَلشَّهْرُ هٰكَذَا وَهٰكَذَا وَهٰكَذَا وَعَقَدَ الْإِبْهَامَ فِي الثَّالِثَةِ ثُمَّ قَالَ اَلشَّهْرُ هٰكَذَا وَهٰكَذَا وَهٰكَذَا يَعْنِي تَمَامَ الثَّلَاثِينَ يَعْنِي مَرَّةً تِسْعًا وَعِشْرِينَ وَمَرَّةً ثَلَاثِينَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہم (اہل عرب) امی قوم ہیں کہ حساب کتاب نہیں جانتے مہینہ اتنا اور اتنا ہوتا ہے (لفظ "اتنا" تین مرتبہ کہتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں دو مرتبہ بند کیں اور پھر کھول دیں) اور تیسری مرتبہ میں (ہاتھوں کی انگلیاں بند کر کے پھر نو انگلیاں تو کھول دیں اور) انگوٹھا بند کئے رکھا (جس کا مطلب یہ تھا کہ کبھی تو مہینہ میں ایک کم تیس دن ہوتے ہیں یعنی انتیس کا مہینہ ہوتا ہے) اور پھر فرمایا "مہینہ اتنا اور اتنا اور اتنا (اور اس مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیس کا عدد بتانے کے لئے پہلے کی طرح تیسری مرتبہ میں انگوٹھا بند نہیں رکھا) یعنی پورے تیس دن کا ہوتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلب یہ تھا کہ کبھی تو مہینہ انتیس دن کا ہوتا ہے اور کبھی تیس دن کا ہوتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "انا امة امية" امیۃ کی طرف نسبت کرنے کے مطلب میں تین اقوال ہیں۔

❶ پہلا قول یہ ہے کہ امیۃ امت عرب کی طرف نسبت ہے **ای نحن امة العرب** یعنی ہم عرب قوم ہے کیونکہ عرب کے لوگ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔

❷ یا یہ نسبت "ام" کی طرف ہے یعنی ہم لکھنا پڑھنا نہیں جانتے ہیں جس طرح ماں سے پیدا ہیں اسی طرح ہیں۔

❸ یا یہ نسبت ام القراء کی طرف ہے جو مکہ کا نام ہے **ای نحن امة مكية** اہل مکہ میں بھی خط و کتابت کا رواج نہیں تھا[3] اس حدیث میں جو **لا نكتب ولا نحسب** آیا ہے یہ اکثر عرب کے اعتبار سے ہے ورنہ ان میں حساب دان کاتب ہوتے تھے مگر قلیل تھے۔

[1] اخرجه البخاري: ۳/۳۴ ومسلم: ۱/۴۳۸ [2] اخرجه البخاري: ۳/۳۵ ومسلم: ۱/۴۳۷ [3] المرقات: ۴/۳۶۴

''الشهر هكذا'' حضور اکرم ﷺ نے دونوں ہاتھوں کی دس انگلیوں سے مہینہ کے دن گنائے ہیں مگر پہلی بار گنتی کرنے کے جو انگلیوں سے اشارہ فرمایا اس کے آخر میں انگوٹھے کو گنتی سے خارج کرنے کے لئے ہتھیلی کے ساتھ جوڑ دیا جس سے اشارہ فرمایا کہ کبھی مہینہ ناقص ہو کر ۲۹ دن ہوتا ہے علامہ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تسلسل کے ساتھ چار مہینوں سے زیادہ ۲۹ دن کے نہیں آسکتے ہیں صرف چار ماہ آسکتے ہیں۔[1]

بہر حال نبی مکرم ﷺ نے پھر دس انگلیوں سے دوبارہ گنتی شروع فرمادی اور اس بار آپ نے انگوٹھے کو کھلا رکھا جس سے اشارہ ہوا کہ کبھی مہینہ تیس دن کا ہوتا ہے۔[2]

حدیث کے آخر میں اس اجمال کی تفصیل راوی نے بیان کی ہے کہ کبھی مہینہ ۲۹ کا ہوتا ہے کبھی ۳۰ کا ہوتا ہے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقات ج ۴ ص ۴۶۲ میں اہل نجوم پر سخت رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ابن سریج نے لکھا ہے کہ حدیث میں جو ''فاقدروا'' کا حکم ہے اس سے مراد اہل نجوم ہیں لہٰذا جو لوگ علم نجوم جانتے ہیں وہ اسی سے حساب کریں اور جو لوگ علم نجوم نہیں جانتے وہ ''فاكملوا'' پر عمل کریں یعنی تیس دن پورے کریں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''وهو مردود'' یہ قول مردود ہے۔

❶ کیونکہ ''انا امة امية'' صریح حدیث ہے جو حکم دیتی ہے کہ مہینہ جاننے کے لئے اہل نجوم کے یہ دقیق حساب و کتاب کی ضرورت نہیں ہے۔

❷ اور امت کا اس پر اجماع ہے کہ چاند کے بارہ میں نجومیوں کے قول کا کوئی اعتبار نہیں ہے اگرچہ تمام نجومی اس پر متفق ہو جائیں کہ اس طرح چاند دیکھا جاسکتا ہے۔[3]

❸ قرآن عظیم کا اعلان ہے ﴿فمن شهد منكم الشهر فليصمه﴾[4] اس میں چاند کا ذکر ہے نجومیوں کے حساب کا نہیں (گویا مہینہ چاند کی وجہ سے حاضر ہوتا ہے نجومیوں کے حساب کتاب سے نہیں)۔

❹ اور حضور اکرم ﷺ کی واضح حدیث ہے ''صوموا الرؤيته وافطروا الرؤيته'' اور یہ بھی واضح حدیث ہے لاتصوموا حتى تروه (ان احادیث میں چاند دیکھنے سے مہینہ کی ابتدا اور انتہاء کو مربوط کیا گیا ہے کسی نجومی کے قول سے نہیں)۔

''بل اقول'' ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ اگر کسی نجومی نے چاند دیکھنے سے پہلے چاند کے پیدا ہونے پر روزہ رکھا تو وہ گناہ گار ہوگا اور یہ روزہ رمضان کے روزوں میں شمار نہیں ہوگا۔ اور اگر نجومی نے اپنے باطل حساب کتاب کی بنیاد پر عید الفطر کا فیصلہ کر کے روزہ کھولا تو اس سے وہ فاسق ہو جائے گا اور روزہ کا کفارہ

[1] المرقات: ۴/۴۶۳ [2] المرقات: ۴/۴۶۵ [3] المرقات: ۴/۸۶۵-۴۶۲ [4] بقرہ الآیۃ ۱۸۵

ہوگا (یعنی دو ماہ روزے رکھے گا)۔

اور اگر نجومی نے اپنے حساب کی بنیاد پر روزہ کے افطار کو فرض اور واجب کہہ کر کھولا تو کافر ہو جائے گا۔
(مرقاۃ ج ۴ ص ۴۶۲)[1]

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ چند صفحات بعد مزید لکھتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی اہتمام سے ہاتھوں سے اشارہ کر کے اس مسئلہ کو اس لئے بیان فرمایا ہے تا کہ نجومیوں کے حساب کتاب کی طرف رجوع کرنا باطل ہو جائے۔

باقی نجومی لوگ جو **وبالنجم هم يهتدون** سے استدلال کرتے ہیں وہ غلط ہے کیونکہ یہ آیت قبلہ کی سمت معلوم کرنے اور سفر کے رخ معلوم کرنے کے لئے ہے نجومیوں کے حساب کتاب کے لئے نہیں ہے۔ (مرقات ج ۴ ص ۴۶۶)[2]

رمضان اور ذوالحجہ کے مہینے ناقص نہیں ہوتے

﴿۴﴾ وَعَنْ أَبِي بَكْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَهْرَا عِيْدٍ لَا يَنْقُصَانِ رَمَضَانُ وَذُوالْحِجَّةِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابی بکرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "عید کے دونوں مہینے یعنی رمضان اور ذی الحجہ ناقص نہیں ہوتے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "**شهرا عيد**" یعنی عید کے دو مہینے، رمضان کا مہینہ اگرچہ عید کا نہیں لیکن چونکہ اس کے خاتمہ پر عید الفطر آتی ہے اس لئے اس کو بوجہ قرب، عید کا مہینہ کہہ دیا گیا ویسے بھی عید کا چاند رمضان کے آخری دن میں پیدا ہوتا ہے اور مغرب کے بعد ظاہر ہوتا ہے اس وجہ سے بھی رمضان کو عید کا مہینہ کہا جا سکتا ہے۔[4]

"**لا ينقصان**" یعنی رمضان اور ذوالحجہ کے دو مہینے کبھی ناقص نہیں ہوتے ہیں بلکہ ہمیشہ پورے تیس دن کے ہوتے ہیں اس جملہ کے مفہوم ومطلب میں علماء کرام کے کئی اقوال ہیں۔[5]

❶ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دونوں مہینے ایک سال کے اندر ناقص نہیں آتے اگر ایک ناقص ہے یعنی ۲۹ دن کا ہے تو دوسرا کامل ہوگا یعنی تیس دن کا ہوگا۔

❷ یہ ضابطہ ہمیشہ کے لئے نہیں فرمایا گیا بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں جتنی بار یہ دونوں مہینے آئے تھے تو پورے تھے ان میں کوئی ناقص نہیں تھا۔

❸ اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس نقصان سے حسّی نقصان مراد نہیں بلکہ معنوی نقصان مراد ہے جو ثواب ہے مطلب یہ کہ یہ دونوں مہینے ثواب کے اعتبار سے تیس دن سے کبھی کم نہیں ہوتے اگرچہ ظاہری طور پر انتیس دن کے

[1] المرقات: ۴/۴۶۲ ـ ۴۶۵ [2] المرقات: ۴/۴۶۶ [3] اخرجه البخاری: ۳/۳۵ ومسلم: ۳/۳۰۷ [4] المرقات: ۴/۴۶۶ [5] المرقات: ۴/۴۶۶

ہو جائیں لیکن ثواب تیس ہی دن کا پورا پورا ملے گا یہ توجیہ سب سے واضح ہے۔[۱]

رمضان سے ایک یا دو دن پہلے روزہ رکھنے کی ممانعت

﴿۵﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَتَقَدَّمَنَّ أَحَدُكُمْ رَمَضَانَ بِصَوْمِ يَوْمٍ أَوْ يَوْمَيْنِ إِلَّا أَنْ يَكُوْنَ رَجُلٌ كَانَ يَصُوْمُ صَوْمًا فَلْيَصُمْ ذٰلِكَ الْيَوْمَ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۲]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "تم میں سے کوئی شخص رمضان سے ایک دن یا دو دن قبل روزہ نہ رکھے ہاں جو شخص روزہ رکھنے کا عادی ہو وہ اس دن روزہ رکھ سکتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "لایتقدمن" یعنی رمضان کی آمد سے قبل شعبان کے آخر میں ایک دن یا دو دن یا زیادہ روزے نہ رکھے جائیں ہاں جو شخص پہلے سے ہر ماہ کے آخر میں روزہ رکھنے کا عادی ہو یا جمعرات جمعہ یا پیر وغیرہ کے روزوں کا عادی ہو وہ رکھ سکتا ہے۔[۳]

علماء لکھتے ہیں کہ اس ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ اہل کتاب سے مشابہت نہ آئے کیونکہ اہل کتاب فرض روزوں کے ساتھ نفل روزوں کو خلط ملط کر کے رکھتے ہیں۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس سے آدمی سست پڑ جائے گا اور رمضان کے روزوں کے لئے جس چستی کی ضرورت ہے وہ نہیں رہے گی۔ علامہ مظہر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رمضان سے پہلے اور شعبان کے آخر میں اس طرح روزہ رکھنا مکروہ ہے۔ علماء کا کہنا ہے کہ کراہت سے مکروہ تنزیہی مراد ہے۔ مولانا اسحق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں جس روزہ سے ممانعت آئی ہے یہ یوم الشک کا روزہ نہیں بلکہ شعبان کے آخری ایام کے روزے ہیں ہاں جو شخص ان ایام میں روزہ رکھنے کا عادی ہو اسکے لئے رکھنے میں کوئی حرج نہیں حضور اکرم ﷺ نے خود شعبان کے روزے رکھے ہیں جہاں ممانعت ہے وہ ان لوگوں کے لئے ہے جو ضعیف ہوں روزہ رکھنے سے کمزور پڑ جاتے ہوں جس کی وجہ سے رمضان میں خلل واقع ہو سکتا ہو، بہر حال یہ نہی ارشادی ہے شفقت کے طور پر آپ نے منع کر دیا۔[۴]

﴿۶﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا انْتَصَفَ شَعْبَانُ فَلَا تَصُوْمُوْا. (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَه وَالدَّارِمِيُّ)[۵]

---

[۱] المرقات: ۴/۳۶۶، ۳۶۷ [۲] اخرجه البخاری: ۳/۳۵ ومسلم: ۱/۴۴۰ [۳] المرقات: ۴/۳۶۸

[۴] المرقات: ۴/۳۶۸ [۵] اخرجه ابوداؤد: ۲/۳۱۰ وابن ماجه: ۱/۵۲۸ اخرجه الترمذی: ۳/۱۱۵

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''جب شعبان کا آدھا مہینہ گزر جائے تو روزے نہ رکھو۔ (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)

چاند دیکھنے کا اہتمام ضروری ہے

﴿۷﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحْصُوا هِلَالَ شَعْبَانَ لِرَمَضَانَ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''رمضان کے لئے شعبان کا مہینہ شمار کرو۔ (ترمذی)

توضیح: اس حدیث میں امت کو واضح تعلیم دی گئی ہے کہ مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے شعائر اسلام اور اسلامی احکام کی پابندی کا اہتمام کریں احکام پر عمل کریں اور احکام کے لئے جو اسباب و ذرائع ہیں اس کو تلاش کریں چنانچہ رمضان کے لئے ضروری ہے کہ شعبان کے ایام کی گنتی کو خوب محفوظ کرلیا جائے تا کہ رمضان کی ابتدا میں کوئی خلل نہ پڑے، معلوم ہوا چاند دیکھنا جس طرح حکومت کی ذمہ داری ہے عام مسلمانوں کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ اس کے دیکھنے میں دلچسپی لیں۔[2]

آنحضرت ﷺ ماہ شعبان کے پورے روزے رکھتے تھے

﴿۸﴾ وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ مَارَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُوْمُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ إِلاَّ شَعْبَانَ وَرَمَضَانَ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَه)[3]

ترجمہ: اور ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو صرف دو مہینوں یعنی شعبان اور رمضان میں متواتر روزے رکھتے دیکھا ہے۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

توضیح: ''الا شعبان'' اس حدیث کا بظاہر ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی سابق حدیث نمبر ۶ سے تعارض ہے نیز باب صیام التطوع میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث اس سے بھی تعارض ہے۔ اس تعارض کے کئی جوابات ہیں۔

پہلا جواب: یہ کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت کے بعض طرق میں اکثر شعبان کا لفظ آیا ہے اور اکثر شعبان کی روایت سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت کا تعارض نہیں ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کامل شعبان

[1] اخرجه الترمذي: ۳/۷۱ [2] اخرجه المرقات: ۴/۴۷۰

[3] اخرجه ابوداؤد: ۲/۳۱۰ والترمذي: ۳/۳۱۰ والترمذي: ۳/۳۱۳ والنسائي: ۴/۱۵۰

کے روزوں کی نفی فرماتی ہیں اسی طرح ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے تعارض ختم ہوجاتا ہے۔

دوسرا جواب: یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور شفقت امت کو شعبان کے روزوں سے روکا ہے اور خود بوجہ قوت وطاقت رکھے ہیں۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی قولی حدیث ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اس فعلی حدیث کے لئے ناسخ ہو۔ چوتھا جواب یہ ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے علم کے مطابق اپنی باری میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کو دیکھا اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنی باری میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کو بیان کیا ہے۔[1]

یوم الشک کا روزہ رکھنا باعث گناہ ہے

﴿۹﴾ وَعَنْ عَمَّارِبْنِ يَاسِرٍ قَالَ مَنْ صَامَ الْيَوْمَ الَّذِيْ يُشَكُّ فِيْهِ فَقَدْ عَصٰى أَبَاالْقَاسِمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَه وَالدَّارِمِيُّ)[2]

ترجمہ: اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ "جس شخص نے "یوم الشک" کو روزہ رکھا اس نے ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی"۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، دارمی)

توضیح: "یوم الشک" یوم الشک کے تعین میں علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر فقہاء کے درمیان کچھ اختلاف ہے مگر ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کا یہاں اعتبار نہیں کیا گیا اس لئے عام فقہاء کی بات لکھتا ہوں۔

شعبان کی انتیس تاریخ میں مثلاً مغرب کے وقت مطلع صاف نہ ہو آسمان پر خوب بادل ہوں تو اس کے بعد تیس شعبان کا جو دن آنے والا ہے وہ شک کا دن ہے اس میں احتمال ہے کہ یہ یکم رمضان ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ تیس شعبان ہو اس حدیث میں یہی بتایا گیا ہے کہ یوم الشک میں رمضان کا فرض روزہ رکھنا مکروہ ہے رہ گیا نفل روزہ تو اس میں علماء کے اقوال کی روشنی میں اس طرح تفصیل ہے۔[3]

علماء کے اقوال

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یوم شک کے روزہ کے بارہ میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے کہ شک کے دن روزہ نہ رکھا جائے اس دن روزہ رکھنا مکروہ ہے اور اگر کوئی رکھنا ہی چاہتا ہے تو وہ نفل کی نیت کرے پھر اگر یوم شک رمضان کا ثابت ہوگیا تو یہ نفل روزہ رمضان کا فرض بن جائے گا اور احناف کے نزدیک اگر کسی شخص کو اس دن روزہ رکھنے کی پہلے سے عادت ہو مثلاً جمعرات

---

[1] المرقات: ۴/۴۷۰ [2] اخرجہ ابوداؤد: ۲/۳۱۰ والترمذی: ۳/۷۰ والنسائی: ۴/۱۵۰ [3] المرقات: ۴/۴۷۰، ۴۷۱

یا جمعہ کا دن یوم الشک پڑ گیا تو اس کے لئے یہ روزہ رکھنا مستحب ہے اسی طرح خواص مثلاً مفتی یا عالم یا قوم کے بڑے کے لئے یہ روزہ رکھنا مستحب ہے۔ اور عوام الناس یوم الشک کا روزہ زوال تک رکھیں اگر چاند کی خبر نہیں آئی تو وہ روزہ توڑ دیں اور اگر چاند کی خبر آئی تو رمضان کا روزہ مکمل کرلیں۔ عوام اور خواص کی یہ اصطلاح نیت کی وجہ سے ہے جو لوگ اس روزہ کی صحیح نیت کر سکتے ہیں وہ خواص ہیں اور جو لوگ صحیح نیت نہیں کر سکتے وہ عوام ہیں۔

صحیح نیت اس طرح ہے کہ ایک آدمی صرف نفل کی نیت کرے اس میں یہ خیال اور تردد نہ ہو کہ اگر رمضان کا دن ہو گیا تو یہ روزہ رمضان کا ہو جائے گا اور غلط نیت اس طرح ہے کہ ایک شخص اس طرح نیت کرے کہ اگر کل رمضان کا دن ہو گیا تو میرا روزہ فرض ہوگا اور اگر کل کا دن رمضان کا نہیں ہوا تو میرا روزہ نفل ہوگا اس طرح تردد میں نہ نیت صحیح ہوگی نہ عبادت صحیح ہوگی۔

بعض شارحین نے یوم الشک کے روزہ میں ائمہ احناف کے کچھ مربوط اور منضبط اقوال نقل کئے ہیں فرماتے ہیں کہ صوم یوم الشک کی احناف کے ہاں چند صورتیں ہیں۔

❶ خالص رمضان کی نیت سے روزہ رکھے یہ مکروہ ہے کیونکہ زیر بحث حدیث میں صریح ممانعت ہے۔

❷ رمضان کے علاوہ کسی فرض یا واجب کی قضاء کی نیت کرے یہ بھی مکروہ ہے مگر پہلی صورت سے کراہت کچھ کم ہے۔

❸ نفل کی نیت سے روزہ رکھے یہ مکروہ نہیں ہے بلکہ خواص کے لئے افضل ہے کما قال ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ۔

❹ اصل نیت میں تردد کرے کہ اگر رمضان ہو گیا تو یہ روزہ اس کا ہوگا اور اگر رمضان نہیں ہوا تو نفل ہوگا یہ نیت معتبر ہی نہیں نہ اس سے کوئی عبادت معتبر ہے۔

بہرحال حدیث شریف کا حکم واضح ہے کہ یوم الشک میں روزہ نہ رکھو یہ باعث گناہ ہے۔[1]

چاند کی گواہی میں ایک عادل کافی ہے

﴿۱۰﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ جَاءَ أَعْرَابِيٌّ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنِّي رَأَيْتُ الْهِلَالَ يَعْنِي هِلَالَ رَمَضَانَ فَقَالَ أَتَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ قَالَ نَعَمْ قَالَ أَتَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ قَالَ نَعَمْ قَالَ يَا بِلَالُ أَذِّنْ فِي النَّاسِ أَنْ يَصُومُوا غَدًا۔

(رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَه وَالدَّارِمِيُّ)[2]

---

[1] المرقات: ۴/۴۷۱ اشعۃ اللمعات [2] اخرجہ ابوداؤد والترمذی: ۳/۷۴ والنسائی: ۴/۱۳۱

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک اعرابی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ میں نے رمضان کا چاند دیکھا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ "کیا تم اس بات کی گواہی دیتے ہو کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے؟ اس نے کہا کہ ہاں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "کیا تم اس بات کی گواہی دیتے ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تبارک وتعالیٰ کے پیغمبر ہیں؟ اس نے کہا کہ ہاں (اس کے بعد) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے) فرمایا کہ بلال رضی اللہ عنہ لوگوں میں اعلان کردو کہ کل روزہ رکھیں۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، داری)

توضیح: "تشهد" اس لفظ سے معلوم ہوا کہ جو شخص مستور الحال ہو اس کی شہادت رمضان کے چاند کے بارہ میں معتبر ہے۔ نیز حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ ہلال رمضان میں ایک آدمی کی گواہی معتبر ہے خواہ وہ عادل ہو یا مستور الحال ہو بشرطیکہ مطلع غبار آلود ہو اگر مطلع صاف ہو تو دو گواہ ضروری ہیں خواتین کی گواہی بھی معتبر ہے کہ ایک مرد ہو دو خواتین ہوں، اس حدیث میں دیہات کے رہنے والے اس صحابی نے رأیت کا لفظ استعمال کیا ہے جس سے علماء نے یہ بات نکالی ہے کہ ہلال رمضان کی گواہی میں شہادت کے الفاظ استعمال کرنا ضروری نہیں ہے باب کی ابتدا میں تفصیل گذر چکی ہے۔[1]

﴿۱۱﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ تَرَا أَى النَّاسُ الْهِلَالَ فَأَخْبَرْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنِّي رَأَيْتُهُ فَصَامَ وَأَمَرَ النَّاسَ بِصِيَامِهِ۔ (رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ)[2]

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ (ایک مرتبہ) چاند دیکھنے کے لئے لوگ جمع ہوئے چنانچہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ میں نے چاند دیکھا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ رکھ لیا اور دوسرے لوگوں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم فرمایا۔

(ابوداؤد، نسائی)

الفصل الثالث

﴿۱۲﴾ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَحَفَّظُ مِنْ شَعْبَانَ مَالَا يَتَحَفَّظُ مِنْ غَيْرِهِ ثُمَّ يَصُومُ لِرُؤْيَةِ رَمَضَانَ فَإِنْ غُمَّ عَلَيْهِ عَدَّ ثَلَاثِيْنَ يَوْمًا ثُمَّ صَامَ۔ (رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ)[3]

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم شعبان کے دنوں کو اس قدر احتیاط سے شمار کرتے تھے کہ وہ کسی مہینے پر اتنی توجہ مبذول نہیں فرماتے تھے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کا چاند دیکھ کر روزہ رکھتے، اگر (انتیس تاریخ کو) مطلع ابر آلود ہوتا (اور چاند کی رویت ثابت نہ ہوتی) تو تیس دن پورے کرنے کے بعد روزہ شروع کرتے تھے۔ (ابوداؤد)

[1] المرقات: ۴/۴۷۲، ۴۷۳ [2] اخرجه ابوداؤد: ۲/۳۱۲ والدارمی: ۱۶۹۸ [3] اخرجه ابوداؤد: ۲/۳۰۷

چاند کے بڑے یا چھوٹے ہونے کا اعتبار نہیں

﴿۱۳﴾ وَعَنْ أَبِي الْبُخْتَرِيِّ قَالَ خَرَجْنَا لِلْعُمْرَةِ فَلَمَّا نَزَلْنَا بِبَطْنِ نَخْلَةَ تَرَائَيْنَا الْهِلَالَ فَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ هُوَابْنُ ثَلَاثٍ وَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ هُوَابْنُ لَيْلَتَيْنِ فَلَقِيْنَا ابْنَ عَبَّاسٍ فَقُلْنَا اِنَّا رَأَيْنَا الْهِلَالَ فَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ هُوَابْنُ ثَلَاثٍ وَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ هُوَابْنُ لَيْلَتَيْنِ فَقَالَ أَيَّ لَيْلَةٍ رَأَيْتُمُوْهُ قُلْنَا لَيْلَةَ كَذَا وَكَذَا فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَدَّهُ لِلرُّؤْيَةِ فَهُوَ لِلَيْلَةٍ رَأَيْتُمُوْهُ وَفِيْ رِوَايَةٍ عَنْهُ قَالَ أَهْلَلْنَا رَمَضَانَ وَنَحْنُ بِذَاتِ عِرْقٍ فَأَرْسَلْنَا رَجُلًا اِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ يَسْأَلُهُ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللهَ تَعَالَى قَدْ أَمَدَّهُ لِرُؤْيَتِهِ فَاِنْ أُغْمِيَ عَلَيْكُمْ فَأَكْمِلُوا الْعِدَّةَ ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوالبختری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں (ایک مرتبہ) ہم لوگ عمرہ کرنے کی غرض سے (اپنے شہر کوفہ سے) نکلے جب ہم لوگ بطن نخلہ میں (جو مکہ اور طائف کے درمیان ایک مقام کا نام ہے) ٹھہرے تو چاند دیکھنے کیلئے ایک جگہ جمع ہوئے (چاند دیکھنے کے بعد) بعض لوگوں نے کہا کہ یہ چاند تیسری شب کا ہے اور دوسرے بعض لوگوں نے کہا کہ دوسری شب کا ہے اس کے بعد جب ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہماری ملاقات ہوئی تو ہم نے ان سے لوگوں کا بیان عرض کیا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "تم نے چاند کس رات میں دیکھا تھا؟ ہم نے کہا کہ ایسی اور ایسی رات (یعنی پیر یا منگل کی رات) میں دیکھا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کی مدت کو چاند دیکھنے پر موقوف کیا ہے (یعنی جب چاند دیکھا جائے گا تو رمضان کی ابتداء ہوگی) لہٰذا چاند اسی رات کا ہے کہ جس رات میں تم نے اسے دیکھا ہے۔ ابوالبختری رحمۃ اللہ علیہ ہی کی ایک روایت یوں ہے کہ "ہم نے ذات عرق میں (مذکورہ بالا بطن نخلہ کے قریب ایک مقام ہے) چاند دیکھا، چنانچہ ہم نے ایک شخص کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ان سے یہ پوچھنے کے لئے بھیجا کہ یہ چاند کس رات کا ہے؟ (کیونکہ ہمارے درمیان مذکورہ بالا اختلاف پیدا ہوگیا تھا) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے شعبان کی مدت کو رمضان کا چاند دیکھنے کے وقت تک دراز کیا ہے۔ لہٰذا اگر (انتیس تاریخ کو) مطلع ابر آلود ہو تو گنتی پوری کرو۔ (یعنی شعبان کے تیس دن پورے کرو) اور اس کے بعد روزہ رکھو۔ (مسلم)

توضیح: "ترأینا الهلال" یعنی ہم سب ملکر چاند دیکھنے کے لئے ایک جگہ اکٹھے ہوئے۔[2]

"هو ابن ثلاث" یعنی یہ چاند اتنا بڑا ہے کہ تین دن کا لگ رہا ہے۔ بعض نے کہا کہ دو راتوں کا معلوم ہو رہا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم لوگوں نے جس رات میں چاند کو دیکھا ہے یہ اسی رات کا ہے یعنی اگر پہلے ہوتا تو نظر آجاتا لہٰذا

---

[1] اخرجه مسلم: ۱/۴۴۰ [2] المرقات: ۴/۴۷۲

اس کے بڑے ہونے کا کوئی اعتبار نہیں۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ پہلی رات کے چاند کا بڑا ہونا قیامت کی علامات میں سے ہے کہ قرب قیامت کے وقت چاند کا حجم بڑھ جائے گا۔[۱]

یہاں دو روایتوں میں کچھ تضاد معلوم ہو رہا ہے اس کو مربوط کرنے کے لئے آپ یوں سمجھ لیں کہ پہلے لوگ ذات عرق میں جمع ہو کر چاند دیکھنے لگے پھر دیکھنے کے بعد اختلاف ہوا بعض نے کہا ایک دن کا ہے بعض نے کہا دو دن کا ہے۔ اس پر انہوں نے ایک آدمی کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا پھر یہ سب لوگ بطن نخلہ میں اکٹھے ہو گئے۔ وہاں ایک بار پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بلا واسطہ سوال کیا آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ بطن نخلہ مکہ اور طائف کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے اور ذات عرق بھی اسی کے قریب ایک اور مقام کا نام ہے۔[۲]

مسئلہ:

اگر شعبان کی تیس تاریخ کو دن مین چاند نظر آ گیا تو یہ آئندہ شب کا چاند مانا جائے گا لہٰذا دن کے وقت روزہ کا حکم نہیں ہوگا اور اگر رمضان کی تیس ۳۰ تاریخ کو دن میں چاند نظر آ گیا تو اس دن نہ روزہ کھولا جائے گا اور نہ عید منائی جائے گی بلکہ یہ چاند آئندہ کل کے لئے ہوگا۔[۳]

مسئلہ:

چاند کا دیکھنا واجب علی الکفایہ ہے۔ جس شخص نے خود چاند دیکھ لیا لیکن کسی وجہ سے اس کی گواہی رد ہو گئی تو خود اس پر روزہ رکھنا لازم ہے۔

اختلاف مطالع کا مسئلہ:

اختلاف مطالع کا اعتبار ہے یا نہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً ایک شہر یا ایک ملک میں چاند نظر آ گیا آیا دوسرے شہر یا دوسرے ملک پر اس چاند دیکھنے کا اثر پڑیگا یا نہیں جو فقہاء کہتے ہیں کہ اثر پڑیگا تو وہ کہتے ہیں کہ اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں ہے پورے اسلامی ممالک کے لئے کسی ایک اسلامی ملک کا چاند دیکھنا کافی ہو جاتا ہے۔ احناف اسی کے قائل ہیں لیکن شوافع کہتے ہیں کہ ہر ملک کا اپنا اپنا مطلع ہے لہٰذا ایک ملک کا چاند دوسرے ملک پر حجت و دلیل نہیں ہے شوافع حضرات کا یہی مسلک ہے شوافع نے ترمذی کی حضرت کریب رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال کیا کہ شام میں روزہ تھا مدینہ میں نہیں تھا۔ احناف نے ''**صوموا الرؤیته وافطروا الرؤیته**'' سے استدلال کیا ہے۔

علماء احناف میں سے علامہ زیلعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر مطلع کے اختلاف کا اعتبار نہ کیا گیا تو بہت پیچیدہ مسائل

---

[۱] المرقات: ۴/۴۷۴ [۲] المرقات: ۴/۴۷۵ [۳] المرقات: ۴/۴۷۶

پیدا ہو جائیں گے لہٰذا بلاد قریبہ میں اگر اختلاف مطالع کا اعتبار نہ ہو تو نہ سہی لیکن ممالک بعیدہ میں اختلاف مطالع کا اعتبار کرنا پڑیگا یعنی ان کا چاند الگ ہمار چاند الگ۔

حضرت علامہ شاہ انور شاہ کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ زیلعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول صحیح ہے ورنہ اگر پہلے قول کو اختیار کیا گیا اور پوری دنیا کے لئے چاند معتبر مانا گیا تو یا ۲۷، ۲۸ میں اور یا ۳۱، ۳۲ میں عید کرنی پڑیگی لہٰذا فتوی اس دوسرے قول پر دینا چاہئے۔

اب یہ بات رہ گئی کہ کونسا شہر قریب کہلائے گا اور کونسا بعید شمار ہوگا اس میں تفصیل ہے۔

❶ بعض علماء فرماتے ہیں کہ عرف کا اعتبار ہوگا شوافع نے تین دن مسافت کا اعتبار کیا ہے۔

❷ بعض علماء فرماتے ہیں کہ ایک اقلیم میں رہنے والے لوگ قریب شمار ہوں گے لیکن دو اقلیموں کے لوگ بعید شمار ہونگے اقلیم ایک براعظم ہوتا ہے۔

❸ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسائل میں لکھا ہے کہ ایک ماہ کی مسافت پر واقع شہر بعید میں شمار ہے اور اس سے کم مسافت والا شہر قریب شمار ہوگا، بعض علماء نے پانچ سو میل کی مسافت کو بعید قرار دیا ہے۔

❹ آسان اور واضح قول یہ ہے کہ جہاں رات کی تاریخ بدل جاتی ہے وہ بعید ہے اور جہاں تاریخ نہیں بدلتی وہ قریب ہے مثلاً امریکہ و برطانیہ میں دن ہوتا ہے لیکن پاکستان میں رات ہوتی ہے تاریخ الگ الگ بدل جاتی ہے۔

باب فی فضل السحور

سحری کا بیان

قال الله تبارک وتعالیٰ ﴿کلو واشربوا حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود من الفجر ثم اتموا الصیام الی اللیل﴾ [۱]

یہاں باب بلاعنوان رکھا گیا ہے یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس باب کے مسائل سابق باب کے ساتھ ملحق ہیں ملا علی قاریؒ نے اس کے ساتھ "فی السحور" کا جملہ لگایا ہے۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے "فی مسائل متفرعه من کتاب الصوم" کا عنوان بڑھایا ہے۔ اس باب میں واقعی رمضان کے متفرق مسائل بیان کئے گئے ہیں سحری اور افطاری کے متعلق زیادہ تر احادیث کا بیان ہے اور نیت کرنے سے متعلق بھی احادیث ہیں۔ [۲]

الفصل الاول

سحری کرنے کی برکت

﴿۳﴾ عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسَحَّرُوْا فَإِنَّ فِي السَّحُوْرِ بَرَكَةً۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْه) [۳]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "سحری کھاؤ، کیونکہ سحری کھانے میں برکت ہے۔" (بخاری ومسلم)

توضیح: "فی السحور برکة" سَحُور سین کے فتحہ اور ح پر ضمہ کے ساتھ سحری کے طعام کو کہتے ہیں احادیث میں زیادہ تر یہ لفظ اسی طرح منقول ہے اور یہی محفوظ ہے اور یہ اسم ہے لیکن بعض علماء نے اس لفظ کو سین کے ضمہ کے ساتھ نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ سُحور مصدر ہے جو سحری کے فعل کو کہتے ہیں اور یہ زیادہ مناسب ہے اس لئے کہ برکت کا تعلق فعل سحور سے ہے صرف طعام سے نہیں۔ بہر حال یہ بہت معمولی فرق ہے۔ [۴]

سحری میں برکت کی ایک وجہ تو روحانی ہے کیونکہ اس وقت اللہ تبارک وتعالیٰ آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے لہٰذا اس مبارک وقت میں جو شخص بیدار ہوتا ہے تو یہ بیدار ہونا خود باعث برکت ہے پھر زبان سے نیکی کا کوئی کلمہ ادا ہوگا یہ الگ برکت ہے پھر اگر نماز پڑھ لی یہ الگ برکت ہے سحری کے اس عمل سے سنت پر عمل ہوگیا یہ الگ برکت ہے سحری کی برکت کی دوسری

[۱] بقرۃ الایہ ۱۸۷ [۲] الکاشف: ۴/۱۶۸ [۳] اخرجہ البخاری: ۳/۳۷ ومسلم: ۱/۴۴۳ [۴] المرقات: ۴/۴۷۷

وجہ مادی ہے وہ اس طرح کہ آدمی رات کے بالکل آخر میں اور دن کے آغاز سے کچھ پہلے خوب کھا پی لیتا ہے لہٰذا دن بھر وہ بھوک اور پیاس سے محفوظ رہتا ہے۔[۱]

سحری کرنا اہل اسلام اور اہل کتاب کے درمیان امتیاز ہے

﴿۲﴾ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصْلُ مَا بَيْنَ صِيَامِنَا وَصِيَامِ أَهْلِ الْكِتَابِ أَكْلَةُ السَّحَرِ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[۲]

ترجمہ: اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہمارے روزے اور اہل کتاب (یعنی یہود ونصاریٰ) کے روزے کے درمیان فرق سحری کھانا ہے۔ (مسلم)

توضیح: "اکلة السحر" اہل کتاب یہود ونصاریٰ روزہ کے لئے سحری نہیں کرتے ہیں ان کے روزوں میں رات کا روزہ بھی شامل ہے کہ افطار کے بعد سوجانے سے رات کا روزہ لازم ہوجاتا ہے ابتداء اسلام میں مسلمانوں کے لئے بھی یہی حکم تھا پھر یہ حکم منسوخ ہوگیا اب مسلمان رات کو سحری کا کھانا کھاتے ہیں اہل کتاب نہیں کھاتے، اہل کتاب سے مشابہت نہ رکھنا اپنے دین کے ساتھ وفاداری بھی ہے اور اس دین کی عظیم نعمت کا شکر بجالانا بھی ہے۔[۳]

افطار میں جلدی کرنا ہدایت پر قائم رہنے کی نشانی

﴿۳﴾ وَعَنْ سَهْلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزَالُ النَّاسُ بِخَيْرٍ مَا عَجَّلُوا الْفِطْرَ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۴]

ترجمہ: اور حضرت سہل رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک لوگ افطار میں جلدی کرتے رہیں گے بھلائی کے ساتھ رہیں گے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "ما عجلوا الفطر" افطار میں جلدی کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جب غروب آفتاب ہوجائے اور افطار کا وقت آجائے تو افطار میں دیر کرنا مناسب نہیں کیونکہ اس طرح تاخیر کرنا یہود ونصاریٰ کا شعار ہے وہ اس وقت تک افطار نہیں کرتے جب تک تارے آسمان پر نظر نہیں آتے یہی طریقہ روافض اور شیعہ کا ہے دیگر اہل بدعت بھی احتیاط کے نام سے اس طرح تاخیر کرتے ہیں جبکہ سنت طریقہ یہ ہے کہ مغرب کی نماز سے پہلے روزہ افطار کرے اور پھر مغرب کی نماز پڑھے۔[۵]

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع سیدھا راستہ ہے جو شخص اس راہ

[۱] المرقات: ۴/۴۷۷ [۲] اخرجه مسلم: ۱/۳۴ [۳] المرقات: ۴/۴۷۸ [۴] اخرجه البخاري: ۳/۴۷ ومسلم: ۱/۳۴۴ [۵] المرقات: ۴/۴۷۸

راست سے ادھر ادھر ہو گیا اس نے ٹیڑھا راستہ اختیار کیا اگر چہ وہ عبادت میں کیوں نہ ہو۔[۱]

افطار کا وقت

﴿۴﴾ وَعَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَقْبَلَ اللَّيْلُ مِنْ هٰهُنَا وَأَدْبَرَ النَّهَارُ مِنْ هٰهُنَا وَغَرَبَتِ الشَّمْسُ فَقَدْ أَفْطَرَ الصَّائِمُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۲]

ترجمہ: اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب ادھر سے رات آئے (یعنی مشرق کی جانب سے رات کی سیاہی بلند ہو) اور ادھر (مغرب) سے دن جائے اور سورج (پورا) ڈوب جائے تو (سمجھو کہ) روزہ دار نے افطار کیا۔
(بخاری ومسلم)

توضیح: "غربت الشمس" یہ جملہ ماقبل کلام کے لئے بطور تاکید ہے ماقبل کلام میں دو دفعہ ھٰھنا کا لفظ آیا ہے اس سے اشارہ کرنا مقصود ہے یعنی جب مشرق کی طرف سے رات آجائے مطلب یہ کہ مشرقی افق پر سیاہی بلند ہو جائے اور مغرب کی جانب سے دن چلا جائے سورج پورا ڈوب جائے۔[۳]

"فقد افطر الصائم" یعنی پھر سمجھ لو کہ روزہ دار نے روزہ کھول دیا مطلب یہ ہے کہ اب روزہ کھولنے کا وقت ہو گیا ہے اس سے زیادہ انتظار نہیں کرنا چاہیے۔[۴]

علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔"ای اقبل ظلمة اللیل من جانب المشرق وادبر ضوء النهار من المغرب فقد افطر الصائم حکمًا وان لم یفطر حسًا او دخل فی وقت الافطار"۔[۵]

صوم وصال کی ممانعت اور مطلب

﴿۵﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْوِصَالِ فِي الصَّوْمِ فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ إِنَّكَ تُوَاصِلُ يَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ وَأَيُّكُمْ مِثْلِي إِنِّي أَبِيْتُ يُطْعِمُنِي رَبِّي وَيَسْقِيْنِي۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۶]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ پر روزہ رکھنے سے منع فرمایا تو ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ: آپ تو روزہ پر روزہ رکھتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم میں سے کون شخص میری طرح ہے، میں تو اس طرح رات گزارتا ہوں کہ مجھے میرا پروردگار کھلاتا ہے اور میری پیاس بجھاتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

[۱] الکاشف: ۴/۱۶۹ [۲] اخرجه البخاری: ۳/۳۶ ومسلم: ۱/۴۴۴ [۳] المرقات: ۴/۴۶۹
[۴] المرقات: ۴/۴۶۹ [۵] الکاشف: ۴/۱۸۰ [۶] اخرجه البخاری: ۳/۴۸ ومسلم: ۱/۴۴۵

توضیح: "الوصال" روزہ پر روزہ رکھنے کو وصال کہتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص مثلاً دو یا تین روزے اس طرح مسلسل رکھے کہ بیچ میں رات کے وقت کوئی افطار نہ کرے حدیث میں اس کی اس لئے ممانعت آئی ہے کہ اس سے آدمی ضعیف ہو جاتا ہے تو دیگر عبادات کے قابل نہیں رہتا نہ نماز پڑھ سکتا ہے نہ جہاد کر سکتا ہے اور نہ نیکی کا کوئی کام کر سکتا ہے اب اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا حضور اکرم ﷺ کے علاوہ امت کے کسی فرد کے لئے روزہ پر روزہ رکھنا جائز ہے یا نہیں کچھ علماء اس طرف گئے ہیں کہ امت کے جو افراد اس کی نوت رکھتے ہیں وہ رکھ سکتے ہیں وہ حضرات اس حدیث کی ممانعت کو شفقت ورحمت پر حمل کرتے ہیں چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ وغیرہ اس پر عمل کرتے تھے۔ اور روزہ پر روزہ رکھتے تھے بعض تابعین بھی صوم وصال پر عمل کرتے تھے۔[1]

لیکن اکثر علماء صوم وصال کو ناجائز قرار دیتے ہیں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صوم وصال مکروہ ہے ظاہری حدیث اسی پر دلالت کرتی ہے البتہ اس میں بحث ہے کہ اس کراہت سے مکروہ تحریمی مراد ہے یا مکروہ تنزیہی ہے صحیح قول یہی ہے کہ صوم وصال مکروہ تحریمی ہے۔

''**یطعمنی**'' اس جملہ سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ صوم وصال حضور اکرم ﷺ کی خصوصیات میں سے تھا آپ میں وہ روحانی قوت تھی جو کسی اور میں ممکن نہیں ہے۔[2]

آنحضرت ﷺ اللہ تبارک وتعالیٰ کی محبت میں مستغرق تھے کسی اور کھانے کی کیا ضرورت تھی۔ جیسے کسی نے کہا ہے

وذكرك للمشتاق خير شراب وكل شراب دونه كسراب

الفصل الثانی

روزہ کی نیت کا مسئلہ

﴿۶﴾ عَنْ حَفْصَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَمْ يُجْمِعِ الصِّيَامَ قَبْلَ الْفَجْرِ فَلَا صِيَامَ لَهُ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَقَالَ أَبُوْدَاوُدَ وَقَفَهُ عَلَى حَفْصَةَ مَعْمَرٌ وَالزُّبَيْدِيُّ وَابْنُ عُيَيْنَةَ وَيُوْنُسُ الْأَيْلِيُّ كُلُّهُمْ عَنِ الزُّهْرِيِّ)[3]

ترجمہ: حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''جو شخص روزے کی نیت فجر سے پہلے نہ کرے تو اس کا روزہ (کامل) نہیں ہوتا۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی) اور امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

[1] المرقات: ۴/۴۸۰ [2] المرقات: ۴/۴۸۰ [3] اخرجہ الترمذی: ۳/۱۰۸ وابوداؤد: ۲/۳۴۱ والنسائی: ۴/۱۹۶

معمر زبیدی ابن عینیہ اور یونس ایلی رحمہم اللہ تعالیٰ ان تمام نے اس روایت کو زہری سے نقل کیا ہے اور حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر موقوف کیا ہے یعنی اس حدیث کو حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قول کہا ہے۔

توضیح: "من لم یجمع الصیام" یہ صیغہ شد کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے اور بغیر شد کے بھی پڑھا گیا ہے اجماع اور تجمیع پکے ارادے اور عزم کامل کو کہتے ہیں یہاں رات سے روزہ کی پکی نیت کرنے کو کہا گیا ہے۔ حدیث سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ روزہ کی نیت رات کے وقت میں کرنا ضروری ہے ورنہ روزہ صحیح نہیں ہوگا لیکن دیگر روایات کو دیکھتے ہوئے فقہاء کرام کا آپس میں اختلاف ہے۔[1]

فقہاء کا اختلاف:

اس پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ روزہ کی صحت کے لئے نیت شرط ہے لیکن اس نیت کا وقت کونسا ہونا چاہئے اس بارہ میں اختلاف ہے چنانچہ امام مالک رحمہ اللہ تو فرماتے ہیں کہ ہر قسم کے روزہ کے لئے رات سے نیت کرنا شرط ہے خواہ روزہ نفل ہو یا واجب ہو یا فرض ہو رات سے نیت کرنے کو تبییت نیت کہتے ہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے نزدیک نفل روزوں کے علاوہ ہر قسم کے روزوں کے لئے رات سے نیت ضروری ہے نفل میں ضروری نہیں ہے بلکہ زوال سے پہلے تک نیت ہو سکتی ہے ائمہ احناف کے ہاں کچھ تفصیل ہے۔[2]

❶۔ قضا شدہ روزہ نذر مطلق کا روزہ اور کفارہ کا روزہ اگر کوئی رکھتا ہے تو رات سے نیت کرنا شرط ہے اس کے علاوہ رمضان اور نذر معین اور نفل روزوں میں رات سے نیت ضروری نہیں بلکہ مستحب ہے۔[3]

اب اختلاف درحقیقت احناف اور شوافع و حنابلہ کے درمیان بیان کرنا ہے کیونکہ مالکیہ تو ہر صورت میں تبییت نیت کو ضروری قرار دیتے ہیں ان کا اختلاف سب کے ساتھ ہے۔

دلائل:

امام مالک رحمہ اللہ حدیث زیر بحث سے استدلال کرتے ہیں اور اس کو مطلق مان کر ہر قسم روزہ کے لئے تبییت نیت ضروری قرار دیتے ہیں۔

شوافع و حنابلہ یعنی جمہور بھی اسی زیر بحث حدیث سے استدلال کرتے ہیں لیکن نفل روزہ کو اس حدیث سے خاص کرتے ہیں کیونکہ ان کے ہاں نفل روزہ متجزی ہو سکتا ہے یعنی جب سے نیت کی اسی وقت سے روزہ کا ثواب شروع ہو جائے گا لہٰذا رات سے نیت ضروری نہیں۔

---

[1] المرقات: ۴/۴۸۰ [2] المرقات: ۴/۴۸۱ [3] المرقات: ۴/۴۸۱

ائمہ احناف کی پہلی دلیل قرآن کریم کی ایت ہے ﴿کلوا واشربوا حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود من الفجر﴾[1] اب یہاں صبح صادق تک کھانے پینے کی اجازت ہے اور جب صبح صادق ہو جائے نیت اس کے بعد ہوگی تو ایت میں یہ اشارہ ہو گیا کہ رمضان کے روزہ کی نیت صبح صادق کے بعد جائز ہے اس دلیل کا تعلق فرض روزہ کی نیت سے ہے۔

ائمہ احناف کی دوسری دلیل مسلم و بخاری میں حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

"عن سلمة بن اكوع انه قال بعث رسول الله صلى الله عليه وسلم رجلا من اسلم يوم عاشوراء فامره ان يؤذن في الناس من كان لم يصم فليصم ومن كان اكل فليتم صيامه الى الليل"۔ (متفق عليه)[2]

طرز استدلال اس طرح ہے کہ رمضان کے روزے فرض ہونے سے پہلے عاشوراء کا روزہ فرض تھا یہاں عاشوراء کے فرض روزہ کی نیت دن کے وقت کی گئی ہے معلوم ہوا فرض روزہ کی نیت دن کے وقت ہو سکتی ہے جبکہ فرض معین ہو، احناف کی تیسری دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے جس کے الفاظ یہ ہیں "عن عائشة قالت دخل على رسول الله صلى الله عليه وسلم ذات يوم فقال هل عندكم شيئ فقلنا لا فقال فاني اذا صائم۔ (رواہ مسلم مشکوۃ ص ۱۸۱)[3]

یہ دلیل نوافل کے لئے ہے:

احناف کی چوتھی دلیل عقلی ہے وہ اس طرح ہے کہ جن روزوں کے لئے دن اور وقت متعین ہے اس کے لئے رات سے نیت کی ضرورت نہیں کیونکہ اس وقت کے لئے وہی روزہ مقرر ہے اس کا کوئی مزاحم نہیں جیسے رمضان کے روزے ہیں یا نذر معین ہے اور اگر قضا روزے ہوں یا کفارہ کے روزے ہوں یا نذر مطلق کے روزے ہوں تو اس کے لئے کوئی دن اور وقت مقرر و معین نہیں ہے اور اس کا مزاحم بھی موجود ہے کہ اس دن کوئی دوسرا روزہ بھی ہو سکتا ہے اس لئے اس کو رات سے متعین کرنا پڑیگا لہٰذا رات سے نیت ضروری ہے۔

جواب: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور جمہور سب کو احناف کی طرف زیر بحث حدیث سے کا ایک جواب یہ ہے کہ اس حدیث کے مرفوع اور موقوف ہونے میں اضطراب ہے امام ابوداود رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔ دوسرا جواب یہ کہ "فلا صيام له" میں نفی کمال صوم کی ہے تبییت نیت کو ہم بھی مستحب مانتے ہیں۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ زیر بحث حدیث

---

[1] بقرۃ الآیہ ۱۸۷ [2] المرقات: ۴/۴۸۲ [3] المرقات: ۴/۴۸۱

کا تعلق ان روزوں سے ہے جن میں رات سے نیت سب کے نزدیک ضروری ہے جیسے نذر مطلق، کفارات اور قضائے مافات کے روزے ہوتے ہیں یہ حدیث اسی پر محمول ہے۔

اذان فجر کے وقت کھانے پینے کا مسئلہ

﴿۷﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَمِعَ النِّدَاءَ أَحَدُكُمْ وَالْإِنَاءُ فِي يَدِهِ فَلَا يَضَعْهُ حَتَّى يَقْضِيَ حَاجَتَهُ مِنْهُ۔ (رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''اگر تم میں سے کوئی شخص (فجر کی) اذان سنے اور اس کے ہاتھوں میں برتن ہو (کہ جس سے وہ پینے یا کچھ کھانے کا ارادہ رکھتا ہو) تو برتن نہ رکھ دے بلکہ اپنی ضرورت پوری کر لے۔ (ابوداؤد)

توضیح: ''اذا سمع النداء'' یعنی ایک شخص سحری کے وقت کچھ کھا پی رہا ہے اور اذان ہوگئی تو اس حدیث کی تعلیم یہ ہے کہ وہ کھانا پینا بند نہ کرے بلکہ اپنی ضرورت کو پورا کر لے۔[2]

اس حدیث کے ظاہری مطلب سے کچھ لوگوں کو غلط فہمی ہوگئی اور انہوں نے اپنے پیروکاروں کو فجر کی اذان کے وقت صبح صادق کے بعد کھانے پینے کی اجازت دیدی اور لوگوں کے روزوں کو خراب کر دیا حالانکہ زیر بحث حدیث کے صحیح مطلب کو شارحین نے اس طرح لکھا ہے کہ اس حدیث کا تعلق اس شخص سے ہے جو طلوع فجر کے محاذات میں سامنے بیٹھا ہے وہ فجر اور صبح صادق و کاذب کا خوب تجربہ رکھتا ہے اسی کے ہاتھ میں کھانا ہے یا پانی ہے وہ کھا پی بھی رہا ہے اور صبح صادق کو دیکھ بھی رہا ہے کسی نادان مؤذن نے وقت سے پہلے اذان دیدی اور یہ واقف کار تجربہ کار دیکھ رہا ہے کہ فجر ابھی تک طلوع نہیں ہوا ہے ایسے شخص کے لئے اس حدیث میں یہ حکم ہے کہ یہ شخص طلوع فجر کو دیکھے نادان کی اذان کو نہ دیکھے۔

اس حدیث کا دوسرا مطلب علامہ خطابی رحمہ اللہ نے یہ بیان کیا ہے کہ اس سے تہجد کی اذان مراد ہے چنانچہ اس طرح کی دیگر بہت ساری احادیث تہجد سے متعلق ہیں یہ جواب بہت واضح ہے۔

بہر حال طلوع فجر سے پہلے اذان جائز نہیں اور صبح صادق کے بعد قصداً کھانے پینے سے روزہ فاسد ہو کر کفارہ لازم آتا ہے خوف خدا رکھنے والوں کو سوچنا چاہئے۔[3]

﴿۸﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللهُ تَعَالَى أَحَبُّ عِبَادِي إِلَيَّ أَعْجَلُهُمْ فِطْرًا۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[4]

---

[1] اخرجه ابوداؤد: ۲/۳۱۵ [2] المرقات: ۴/۴۸۳ [3] المرقات: ۴/۴۸۵ [4] اخرجه الترمذي: ۳/۸۳

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میرے بندوں میں مجھے سب سے زیادہ پیارا وہ بندہ ہے جو (وقت ہوجانے پر) افطار میں جلدی کرے۔ (ترمذی)

کھجور سے افطار کرنا باعث برکت ہے

﴿۹﴾ وَعَنْ سَلْمَانَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَفْطَرَ أَحَدُكُمْ فَلْيُفْطِرْ عَلٰى تَمْرٍ فَإِنَّهٗ بَرَكَةٌ فَإِنْ لَّمْ يَجِدْ فَلْيُفْطِرْ عَلٰى مَاءٍ فَإِنَّهٗ طَهُوْرٌ

(رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَه وَالدَّارِمِيُّ وَلَمْ يَذْكُرْ فَإِنَّهٗ بَرَكَةٌ غَيْرُ التِّرْمِذِيِّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت سلمان بن عامر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''تم میں سے جو شخص روزہ افطار کرے تو اسے چاہیئے کہ وہ کھجور سے افطار کرے کیونکہ کھجور باعث برکت ہے اور اگر کوئی شخص کھجور نہ پائے تو پانی سے افطار کرے کیونکہ پانی پاک کرنے والا ہے اس روایت کو احمد وترمذی وابن ماجہ ودارمی نے نقل کیا ہے مگر لفظ **فانه بركة** ترمذی کے علاوہ کسی اور نے ذکر نہیں کیا ہے۔

توضیح: ''علی تمر'' کھجور اور پانی سے روزہ افطار کرنے کا حکم استحباب پر محمول ہے پانی تو سہل الحصول ہے اور کھجوریں برکت ہے کیونکہ کھجور ایک مبارک پھل ہے اور کھجور کا درخت مؤمن کے مشابہ ہے پھر اس میں مٹھاس اور عمدہ شیرینی ہے اور انسان کا معدہ جب روزہ کی وجہ سے خالی ہوتا ہے اور اس میں شیرینی پہنچ جاتی ہے تو معدہ اس کو بہت جلدی قبول کرتا ہے جس سے تمام اعضاء کی کمزوری کے بعد خاص قوت حاصل ہوجاتی ہے اور یہی قوت بدن کے لئے برکت ہے کھجور چونکہ پھل ہے اور اس کو آگ پر پکانے کی ضرورت نہیں تو آگ نے اس کو چھوا نہیں اس لئے بھی مبارک ہے۔ نیز عرب کے ہاں کھجور کا پھل سب سے زیادہ ہوتا ہے اور عرب کو کھجور سب سے زیادہ پسندیدہ بھی ہے اور پانی کا پاکیزہ ہونا تو ظاہر ہے اگر کھجور نہ ہو تو پھر پانی عمدہ افطاری ہے دیہاتوں میں مسلمان نمک کی ڈھلی کو چاٹ کر روزہ افطار کرتے ہیں یہ بھی آسان اور عمدہ چیز ہے۔[2]

﴿۱۰﴾ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُفْطِرُ قَبْلَ أَنْ يُّصَلِّيَ عَلٰى رُطَبَاتٍ فَإِنْ لَّمْ تَكُنْ رُطَبَاتٌ فَتُمَيْرَاتٌ فَإِنْ لَّمْ تَكُنْ تُمَيْرَاتٌ حَسَا حَسَوَاتٍ مِّنْ مَّاءٍ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ)[3]

[1] اخرجه احمد: ۴/۱۷ والدارمی: ۱۶۹۸ وابوداؤد: ۲/۳۱۵ وابن ماجه: ۱۶۹۹

[2] المرقات: ۴/۴۸۵ [3] اخرجه الترمذی: ۳/۷۹ وابوداؤد: ۲/۳۱۶

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز مغرب سے پہلے چند تازہ کھجوروں سے افطار فرمایا کرتے تھے اگر تازہ کھجوریں نہ ہوتیں تو خشک کھجوروں سے روزہ افطار فرماتے اور اگر خشک کھجوریں بھی نہ ہوتیں تو چند (یعنی تین) چلو پانی پی لیتے۔ (ترمذی، ابوداؤد) اور ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

روزہ افطار کرانے والے کو بڑا ثواب ملتا ہے

﴿۱۱﴾ وَعَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا أَوْ جَهَّزَ غَازِيًا فَلَهُ مِثْلُ أَجْرِهِ۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيْمَانِ وَمُحْيِ السُّنَّةِ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ وَقَالَ صَحِيْحٌ) [1]

ترجمہ: اور حضرت زید ابن خالد رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص روزہ دار کو افطار کراتا ہے یا کسی غازی کا سامان درست کرتا ہے تو اس کو اسی کے ثواب جیسا ثواب ملتا ہے۔ (اس روایت کو بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے، نیز محی السنۃ نے بھی اسے شرح السنۃ میں نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے)۔

﴿۱۲﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَفْطَرَ قَالَ ذَهَبَ الظَّمَأُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْأَجْرُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُد) [2]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب افطار کرتے تو یہ فرماتے "پیاس چلی گئی، رگیں تر ہو گئیں، اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے چاہا تو ثواب ثابت ہو گیا"۔ (ابوداؤد)

افطار کے وقت کی دعا

﴿۱۳﴾ وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ زُهْرَةَ قَالَ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا أَفْطَرَ قَالَ اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَعَلٰى رِزْقِكَ أَفْطَرْتُ۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ مُرْسَلًا) [3]

ترجمہ: اور حضرت معاذ بن زہرہ رحمۃ اللہ علیہ (تابعی) کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب افطار کرتے تو یہ فرماتے "اے اللہ میں نے تیرے ہی لئے روزہ رکھا اور اب تیرے ہی رزق سے افطار کرتا ہوں۔ (اس روایت کو ابوداؤد نے بطریق ارسال نقل کیا ہے)۔

توضیح: ابن ماجہ کی ایک روایت میں ہے کہ روزہ دار افطار کے وقت جو دعا مانگتا ہے وہ رد نہیں کی جاتی بلکہ قبول ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے افطار کے وقت دعا کا اہتمام فرمایا ہے اور امت کو اس کی تعلیم دی ہے اس حدیث میں اسی سلسلہ کی ایک دعا مذکور ہے ابن ملک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مذکورہ دعا میں لوگ "وبك آمنت وعليك

[1] اخرجه البيهقي: ۳/۴۱۸ والشرح السنهة: ۲/۵۴۱ [2] اخرجه ابوداؤد: ۲/۱۶ [3] اخرجه ابوداؤد: ۲/۳۱۶

توکلت" کے الفاظ کا اضافہ کرتے ہیں یہ الفاظ احادیث سے ثابت نہیں ہیں معنی کے اعتبار سے صحیح ہیں (ہاں حضور اکرم ﷺ سے منقول دعا کے بعد پڑھنا چاہئے) آنحضرت ﷺ سے بوقت افطار یہ دعا بھی منقول ہے۔ "**الحمد لله الذی اعانني فصمت ورزقني فافطرت**"۔ یہ بہت عمدہ دعا ہے۔ اس سے قبل حدیث میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں "**ذهب الظمأ وابتلت العروق وثبت الاجران شاء الله**" ان دعائیہ کلمات میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت مکمل کرنے پر اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر ادا کیا گیا ہے۔

الفصل الثالث

﴿۱۴﴾ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزَالُ الدِّيْنُ ظَاهِرًا مَا عَجَّلَ النَّاسُ الْفِطْرَ لِأَنَّ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى يُؤَخِّرُوْنَ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَه)[1]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "دین (اسلام) ہمیشہ غالب رہے گا جب تک کہ لوگ افطار کرنے میں جلدی کرتے رہیں گے کیونکہ یہود ونصاریٰ افطار میں دیر کرتے ہیں۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

افطار میں تعجیل سنت نبوی ہے

﴿۱۵﴾ وَعَنْ أَبِي عَطِيَّةَ قَالَ دَخَلْتُ أَنَا وَمَسْرُوْقٌ عَلٰى عَائِشَةَ فَقُلْنَا يَا أُمَّ الْمُؤْمِنِيْنَ رَجُلَانِ مِنْ أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَدُهُمَا يُعَجِّلُ الْإِفْطَارَ وَيُعَجِّلُ الصَّلَاةَ وَالْآخَرُ يُؤَخِّرُ الْإِفْطَارَ وَيُؤَخِّرُ الصَّلَاةَ قَالَتْ أَيُّهُمَا يُعَجِّلُ الْإِفْطَارَ وَيُعَجِّلُ الصَّلَاةَ قُلْنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ قَالَتْ هٰكَذَا صَنَعَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْآخَرُ أَبُوْ مُوْسٰى۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابوعطیہ کہتے ہیں کہ میں اور مسروق دونوں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے ام المؤمنین: آنحضرت ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں دو اشخاص ہیں ان میں سے ایک صاحب تو جلدی افطار کرتے ہیں اور جلدی نماز پڑھتے ہیں اور دوسرے صاحب دیر کر کے افطار کرتے ہیں اور دیر کر کے نماز پڑھتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا کہ جلدی افطار کرنے والے اور نماز پڑھنے والے کون صاحب ہیں؟ ہم نے کہا کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کا یہی معمول تھا۔ اور دوسرے صاحب جو افطار اور نماز میں دیر کرتے تھے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ تھے۔ (مسلم)

توضیح: "رجلان" ان دو آدمیوں میں سے ایک تو جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں جن کے

---

[1] اخرجه ابوداؤد: ۲/۳۱۵ وابن ماجه [2] اخرجه مسلم: ۱/۴۴۴

بارے میں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا "رضیت لامتی مارضی لها ابن ام عبد" یعنی میری امت کے لئے جو کچھ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے پسند کیا میں بھی اسے پسند کرتا ہوں، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا "کُنَیْفٌ مُلِئَی عِلْمًا" ابن مسعود علم کا خزانہ ہے۔ اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے افطار میں بھی اور نماز میں بھی حضور کی سنت کا اعلیٰ مقام اپنایا اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بھی شان والے صحابی ہیں اس حدیث میں مذکور ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے سنت کے آخری جواز پر عمل کیا ان کی تاخیر کا مطلب یہ نہیں کہ ممنوعہ وقت تک تاخیر کرتے تھے بلکہ مطلب یہ ہے کہ حد جواز میں آخری حد تک جاتے تھے شاید کسی عذر سے ایسا ہوگا یا بیان جواز کے لئے بطور تعلیم ایسا کیا ہوگا یا ایک آدھ مرتبہ ایسا کسی مجبوری سے ہوا ہوگا۔

﴿۱۶﴾ وَعَنِ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ قَالَ دَعَانِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى السَّحُوْرِ فِيْ رَمَضَانَ فَقَالَ هَلُمَّ إِلَى الْغَدَاءِ الْمُبَارَكِ۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت عرباض ابن ساریہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے مجھے رمضان میں سحری کھانے کے لئے بلایا اور فرمایا کہ بابرکت کھانے کے لئے آؤ۔ (ابوداؤد، نسائی)

﴿۱۷﴾ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِعْمَ سَحُوْرُ الْمُؤْمِنِ التَّمْرُ۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا مؤمن کے لئے سحری کا بہترین کھانا کھجور ہے۔ (ابوداؤد)

[1] اخرجه ابوداؤد: ۲/۳۱۳ والنسائی: ۴/۱۴۵ [2] اخرجه ابوداؤد: ۲/۳۱۳

باب تنزیہ الصوم

روزہ کے منافی اشیاء کا بیان

اس باب میں روزہ کے منافی اشیاء کا بیان ہوگا روزہ کے منافی بعض ایسی چیزیں ہیں جن سے روزہ بالکل فاسد ہوجاتا ہے جیسے عمداً کھانا پینا اور جماع کرنا اور بعض ایسی اشیاء کا بیان ہوگا جن سے روزہ فاسد تو نہیں ہوتا لیکن مکروہ ہوجاتا ہے جیسے بلاعذر کسی چیز کا صرف زبان سے چکھ لینا اور پھر تھوک لینا۔ اسی طرح جوان آدمی کے لئے اپنی بیوی کا بوسہ لینا اسی طرح مصطگی رومی کو روزہ کی حالت میں چبانا مکروہ ہے۔

قصداً روزہ توڑنے والے پر کفارہ لازم آتا ہے اور غلطی سے پانی حلق میں جانے سے کفارہ نہیں بلکہ قضاء لازم آتی ہے کفارہ کی مقدار اور ترتیب اس طرح ہے کہ اگر غلام میسر ہو تو ایک غلام کا آزاد کرنا ایک روزہ کا کفارہ ہے اگر غلام میسر نہیں تو پھر ساٹھ دن یعنی دوماہ کے روزے تسلسل کے ساتھ رکھنے ہیں اگر اس کی قدرت نہیں تو پھر ساٹھ مسکینوں کو دووقت کھانا کھلانا ہے کچھ اعذار اور مجبوریوں کی وجہ سے روزہ افطار کیا جاسکتا ہے۔ لیکن بعد میں اس کی قضاء لازم ہوگی یا فدیہ کی صورت ہوگی ان اعذار میں سے ایک سفر ہے سفر کی وجہ سے روزہ افطار کیا جاسکتا ہے اسی طرح حاملہ یا مرضعہ کے لئے بوقت مجبوری افطار جائز ہے، اکراہ کی صورت میں افطار کی اجازت ہے مرض شدید کی وجہ سے افطار کی اجازت ہے بڑھاپے کی وجہ سے افطار کی اجازت ہے۔ مریض اگر تندرست ہوگیا تو قضا کریگا ورنہ اس کی طرف سے فدیہ دینا ہوگا بوڑھے کے لئے بھی فدیہ کا حکم ہے ہر دن کے ایک روزہ کے بدلہ میں نصف صاع گندم بطور فدیہ دیا جائے گا۔

الفصل الاول

لغو اور باطل اور جھوٹ روزہ کے منافی ہیں

﴿۱﴾ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهِ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِي أَنْ يَدَعَ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِي)[1]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص (روزے کی حالت میں) لغو و باطل کلام اور بیہودہ افعال نہ چھوڑے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کو اس بات کی پرواہ نہیں ہوگی، کہ اس نے اپنا کھانا پینا چھوڑ دیا ہے۔ (بخاری)

توضیح: "من لم یدع" روزہ انسان کے جسم میں انقلاب لانے کی غرض سے فرض کیا گیا ہے کہ جس طرح اس عبادت سے انسان کے باطنی احساسات وخیالات اور اس کی کیفیات وجذبات میں نیک انقلاب آتا ہے اسی طرح انسان

[1] اخرجه البخاری: ۳/۳۳

کے ظاہری اعضاء میں بھی انقلاب آنا چاہئے لہٰذا اس کی نگاہ و شرمگاہ میں انقلاب آنا چاہئے اس کے ہاتھ پاؤں اور زبان اور کان میں انقلاب آنا چاہئے سوچنے کا مقام ہے کہ ایک طرف یہ انسان روزہ کی حالت میں حلال کھانے اور حلال پانی سے اجتناب کرتا ہے اور دوسری طرف حرام غیبت اور حرام جھوٹ اور لغو و باطل میں لگا ہوا ہے تو کھانے اور پانی سے اجتناب کا فائدہ کیا ہوا؟ اسی مضمون کو اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک شخص روزہ میں حرام اشیاء سے اجتناب نہیں کرتا تو حلال اشیاء سے پرہیز کرنے اور روزہ رکھنے کی اللہ تبارک وتعالیٰ کو کوئی پرواہ نہیں۔ اہل تصوف لکھتے ہیں کہ روزہ کی تین قسمیں ہیں ایک عوام کا روزہ ہے جس میں وہ لوگ صرف کھانے پینے اور جماع سے اجتناب کرتے ہیں۔ دوسرا خواص کا روزہ ہے جس میں وہ لوگ اپنے اعضاء اور اپنے احساسات و جذبات اور لذات اور مکروہات سے بچاتے ہیں تیسرا اخص الخواص کا روزہ ہے جس میں وہ لوگ اپنے آپ کو غیر اللہ کی طرف التفات سے بچاتے ہیں۔ [1]

روزہ میں بوس و کنار کا مسئلہ

﴿۲﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَبِّلُ وَيُبَاشِرُ وَهُوَ صَائِمٌ وَكَانَ أَمْلَكَكُمْ لِأَرْبِهِ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) [2]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے روزہ کی حالت میں (اپنی ازواج کا) بوسہ لیتے تھے اور (انہیں) اپنے بدن سے لپٹاتے تھے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حاجت پر تم سے زیادہ قابو یافتہ تھے۔ (بخاری و مسلم)

توضیح: "ارب" حاجت اور ضرورت کو ارب اور مارب کہتے ہیں یہاں حاجت سے مراد جماع اور شہوت ہے یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بعض ازواج مطہرات سے روزہ کی حالت میں بوس و کنار ہوتے تھے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جذبات پر مکمل قابو رکھتے تھے۔ [3]

بوس و کنار کے بارے میں ائمہ احناف فرماتے ہیں کہ اگر بوس و کنار کی وجہ سے جماع یا انزال کا خوف ہو تو یہ مکروہ ہے اور اگر اس کا خوف نہ ہو تو پھر مکروہ نہیں ہے بعض روایات میں جوان کے لئے ممانعت آئی ہے اور بوڑھے کے لئے اجازت کا ذکر ہے۔

جنابت منافی صوم نہیں

﴿۳﴾ وعنها قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُدْرِكُهُ الْفَجْرُ فِيْ رَمَضَانَ وَهُوَ جُنُبٌ مِنْ غَيْرِ حُلُمٍ فَيَغْتَسِلُ وَيَصُوْمُ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) [4]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ (کبھی ایسا ہوتا کہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جنابت کی حالت میں صبح کرتے

[1] المرقات: ۴/۴۹۱ [2] اخرجه البخاری: ۳/۳۸ ومسلم: ۱/۴۴۷ [3] المرقات: ۴/۴۹۳ [4] اخرجه البخاری: ۳/۳۸ ومسلم:

اور یہ جنابت احتلام کی وجہ سے نہیں ہوتی تھی چنانچہ (ایسی صورت میں) آپ ﷺ نہاتے اور روزہ رکھتے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بعض دفعہ آنحضرت ﷺ بوجہ جماع جنابت میں ہوتے تھے اور صبح صادق ہوجاتی تو آپ ﷺ روزہ سے بھی ہوتے اور جنابت میں بھی ہوتے اس حدیث سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ جنابت خواہ احتلام کی وجہ سے ہو یا جماع کی وجہ سے ہو وہ روزہ کے منافی نہیں ہے دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ جنابت کی حالت میں روزہ کی نیت کرنا جائز ہے کیونکہ حضور اکرم ﷺ صبح صادق سے پہلے روزہ کی نیت کر کے جنابت کی حالت میں سو گئے تھے۔ایک بات یہ بھی معلوم ہوگئی کہ جنابت کی حالت میں سحری کرنا جائز ہے ایک بات یہ بھی معلوم ہوگئی کہ اگر کسی کو دن کے وقت احتلام ہوگیا تو جنابت کی وجہ سے روزہ کو نقصان نہیں پہنچتا۔[1]

روزہ کی حالت میں سینگی کھنچوانا جائز ہے

﴿٤﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِحْتَجَمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ وَاحْتَجَمَ وَهُوَ صَائِمٌ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے احرام کی حالت میں بھری ہوئی سینگی کھچوائی نیز آپ ﷺ نے روزے کی حالت میں (بھی) بھری ہوئی سینگی کھنچوائی ہے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: احتجام اور حجامہ پچھنے لگوانے اور سینگی کھنچوانے کو کہتے ہیں۔اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ پہلے مریض کے جسم کو سوئی وغیرہ کسی چیز سے زخمی کیا جاتا ہے پھر اس پر گائے کے سینگ کو رکھ دیا جاتا ہے اور سینگ کی نوکیلی جانب میں چوٹا سا سوراخ کر دیا جاتا ہے اسی سوراخ کو منہ میں رکھ کر زور سے سانس کے ذریعہ مریض کے جسم سے خون کھینچا جاتا ہے اس میں مریض کو تکلیف نہیں ہوتی ہے یہ عمل کئی امراض کے لئے مفید ہے خاص کر بلڈ پریشر کے لئے بہت نافع ہے البتہ آدمی ہر سال اس کا عادی ہو جاتا ہے۔

ائمہ جمہور فرماتے ہیں کہ روزہ دار کے لئے سینگی کھنچوانا بلا کراہت جائز ہے مریض کے لئے بھی جائز ہے اور معالج کے لئے بھی جائز ہے۔امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مریض اور ڈاکٹر دونوں کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ قضا لازم ہے کفارہ نہیں۔

زیر بحث حدیث جمہور کی دلیل ہے امام احمد رحمہ اللہ کی دلیل آئندہ شداد بن اوس رضی اللہ عنہ کی حدیث نمبر ۱۴ ہے وہاں اس کا جواب ہوگا۔[3]

[1] المرقات: ۴/۴۹۳ [2] اخرجه البخاري: ۲/۳۲ ومسلم: ۱/۴۹۷ [3] المرقات: ۴/۴۹۳

بھول کر کچھ کھا پی لینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا

﴿۵﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَسِيَ وَهُوَ صَائِمٌ فَأَكَلَ أَوْ شَرِبَ فَلْيُتِمَّ صَوْمَهُ فَإِنَّمَا أَطْعَمَهُ اللهُ وَسَقَاهُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص روزہ دار ہو اور وہ بھول چوک سے کچھ کھا پی لے تو اسے چاہیئے کہ وہ اپنا روزہ پورا کرے کیونکہ وہ کھلانا پلانا اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ہے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "من نسی" یعنی بھول کر کسی صائم نے کچھ کھا پی لیا تو اس سے اس کا روزہ نہیں ٹوٹتا البتہ اس کے بعد کھانا منع ہے اسی طرح بھول کر جماع کرنا بھی معاف ہے۔ جمہور ائمہ کا یہی مسلک ہے البتہ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے بھول کر کچھ کھایا پیا تو اس کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور قضا لازم ہے کفارہ نہیں وہ روزہ کو نماز پر قیاس کرتے ہیں۔ جمہور فرماتے ہیں کہ یہ قیاس مع الفارق ہے کیونکہ نماز کی حالت حالت مذکرہ ہے اور روزہ کی حالت اس طرح نہیں۔[۲]

روزہ کے کفارہ کا مسئلہ

﴿۶﴾ وَعَنْهُ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ جُلُوسٌ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ جَاءَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ هَلَكْتُ قَالَ مَا لَكَ قَالَ وَقَعْتُ عَلَى امْرَأَتِي وَأَنَا صَائِمٌ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ تَجِدُ رَقَبَةً تُعْتِقُهَا قَالَ لَا قَالَ فَهَلْ تَسْتَطِيعُ أَنْ تَصُومَ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ قَالَ لَا قَالَ هَلْ تَجِدُ إِطْعَامَ سِتِّينَ مِسْكِينًا قَالَ لَا قَالَ اجْلِسْ وَمَكَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَيْنَا نَحْنُ عَلَى ذٰلِكَ أُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَرَقٍ فِيهِ تَمْرٌ وَالْعَرَقُ الْمِكْتَلُ الضَّخْمُ قَالَ أَيْنَ السَّائِلُ قَالَ أَنَا قَالَ خُذْ هٰذَا فَتَصَدَّقْ بِهِ فَقَالَ الرَّجُلُ أَعَلَى أَفْقَرَ مِنِّي يَا رَسُولَ اللهِ فَوَاللهِ مَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا يُرِيدُ الْحَرَّتَيْنِ أَهْلُ بَيْتٍ أَفْقَرُ مِنْ أَهْلِ بَيْتِي فَضَحِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى بَدَتْ أَنْيَابُهُ ثُمَّ قَالَ أَطْعِمْهُ أَهْلَكَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۳]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس وقت ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک ایک شخص (کہ جس کا نام سلمہ بن صخر الانصاری البیاضی رضی اللہ عنہ تھا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ یارسول اللہ (ایک گناہ سرزد ہو جانے کی وجہ سے) میں تباہ ہو گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہیں کیا ہوا؟ اس نے کہا کہ میں روزہ کی حالت میں اپنی بیوی سے جماع کر بیٹھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تمہارے پاس غلام ہے جسے تم (بطور کفارہ) آزاد کر سکو، اس نے کہا کہ نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم میں اتنی طاقت ہے کہ دو مہینے کے پے در پے روزے رکھ سکو؟ اس نے کہا کہ نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

[۱] اخرجه البخاری: ۳/۴۰ ومسلم: ۱/۳۶۷ [۲] المرقات: ۴/۴۹۵ [۳] اخرجه البخاری: ۳/۴۱ ومسلم: ۱/۴۵۰

کیا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے کی استطاعت رکھتے ہو؟ اس نے کہا کہ نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا اچھا تم بیٹھ جاؤ اور آپ ﷺ اس انتظار میں رہے کہ کوئی شخص کچھ لائے تو اسے دے دیں تا کہ وہ بطور کفارہ صدقہ کردے۔ چنانچہ ہم اسی طرح بیٹھے رہے یہاں تک کہ اسی وقت آپ ﷺ کی خدمت میں ایک عرق آیا جس میں کھجوریں تھیں اور عرق ایک بڑے تھیلے کو کہتے تھے (جو کھجور کے پٹھے کا بنا ہوتا تھا اور جس میں ساٹھ سیر سے لے کر اسی سیر تک کھجوریں آتی تھیں)۔ آپ ﷺ نے (اسے دیکھ کر) فرمایا کہ سائل کہاں ہے؟ اس نے کہا کہ میں یہیں حاضر ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا لو یہ کھجوریں پکڑو اور انہیں خدا کی راہ میں (محتاجوں کو) تقسیم کردو، اس شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ: کیا میں یہ کسی ایسے شخص کو دوں جو مجھ سے بھی زیادہ محتاج ہو؟ (یعنی میں تو خود سب سے زیادہ محتاج ہوں دوسرے لوگوں کو کیسے دوں؟) خدا کی قسم: مدینہ کے دونوں کناروں کے درمیان کوئی ایسا گھرانہ نہیں ہے جو میرے گھرانہ سے زیادہ محتاج ہو۔ اور مدینہ کے دونوں کناروں سے اس کی مراد وہ دونوں پہاڑیاں تھیں (جو مدینہ کے جانب شرق اور جانب غرب میں واقع ہیں)۔ نبی کریم ﷺ (اس کی بات سن کر) ہنسے یہاں تک کہ آپ ﷺ کی کچلیاں ظاہر ہوگئیں، پھر آپ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ اچھا یہ کھجوریں اپنے اہل وعیال کو کھلاؤ۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: ''جاء ہ الرجل'' اس صحابی کا نام سلمہ بن صخر بیاضی انصاری رضی اللہ عنہ ہے یہ عورتوں کے بارے میں مغلوب الحال تھے اس حدیث کے علاوہ دوسری روایت میں یہ تفصیل ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان سے پوچھا کہ آپ نے جماع کیوں کیا؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں نے اپنی بیوی کے پازیب کو جب دیکھا تو صبر نہ کر سکا حضور ﷺ نے فرمایا کہ گردن آزاد کرو انہوں نے اپنی گردن کی طرف اشارہ کیا کہ خدا کی قسم اپنی گردن کے علاوہ میں کسی گردن کا مالک نہیں ہوں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا دو ماہ روزے رکھو انہوں نے فرمایا کہ پہلے جو پھنس پڑا ہوں وہ تو اسی روزہ کی وجہ سے ہوا یعنی ایک ماہ کی طاقت وصبر نہیں تو دو ماہ تک کیسے صبر کروں گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا یہ غلہ مدینہ کے فقراء پر تقسیم کر آؤ یہ تیرا کفارہ ہے اس نے کہا خدا کی قسم مدینہ کے اطراف میں مجھ سے زیادہ کوئی فقیر نہیں حضور اکرم ﷺ ہنس پڑے اور فرمایا اپنے اہل وعیال کو کھلادو۔ اب یہاں دو بڑے اختلافی مسئلے ہیں۔[1]

پہلا اختلافی مسئلہ:

یہاں پہلا مسئلہ یہ ہے کہ آیا کفارہ صرف جماع کی وجہ سے لازم آتا ہے یا کھانے پینے کی وجہ سے بھی کفارہ آتا ہے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کفارہ صرف جماع سے واجب ہوتا ہے۔[2]

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نزدیک رمضان کے روزے میں جماع کی طرح عمداً کھانے پینے سے بھی کفارہ واجب ہوتا ہے۔

دلائل:

شوافع اور حنابلہ نے زیر بحث حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں کفارۂ جماع کا ذکر ہے۔

---

[1] المرقات: ۴/۴۹۶ [2] المرقات: ۴/۴۹۶، ۴۹۷

احناف و مالکیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت سے استدلال کیا ہے جس کو امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے سند صحیح کے ساتھ اس طرح نقل کیا ہے۔ عن عائشة انه علیه السلام سأله رجل فقال ﷺ افطرت فی رمضان فامره بالتصدق بالعروق ولم یساله بماذا افطر۔ (رواہ النسائی بسند صحیح)

جواب: شوافع اور حنابلہ کی دلیل کا پہلا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں جماع کا ذکر ہے لیکن اکل و شرب کی وجہ سے کفارہ کی کوئی نفی نہیں ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ جماع میں وجوب کفارہ کی وجہ اور سبب و علت جماع نہیں بلکہ افطار صوم ہے اور افطار اکل و شرب سے بھی ہوتا ہے۔

دوسرا اختلافی مسئلہ:

اس حدیث میں دوسرا اختلافی مسئلہ یہ ہے کہ آیا تنگدست اور فقیر آدمی سے بوجہ فقر کفارہ ساقط ہو جاتا ہے یا نہیں تو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور کچھ دیگر علماء کے نزدیک ساقط ہو جاتا ہے لیکن جمہور کے نزدیک ساقط نہیں ہوتا۔[1]

دلائل:

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے زیر بحث حدیث سے استدلال کیا کہ یہاں اس فقیر آدمی سے کفارہ ساقط ہو گیا بلکہ اس نے کفارہ خود کھالیا جمہور نے ان تمام نصوص سے استدلال کیا ہے جن میں تنگ دست اور مالدار کا کوئی فرق نہیں ہے۔

جواب: زیر بحث حدیث کا ایک جواب یہ ہے کہ یہ اس شخص کی خصوصیت تھی جس طرح کہ یہ بھی اس شخص کی خصوصیت تھی کہ ان سے کفارہ اطعام کا مطالبہ کیا گیا تھا حالانکہ ان پر کفارہ صوم یعنی دو ماہ روزے لازم تھے۔ دوسرا جواب یہ کہ یہ شخص چونکہ غریب تھا اس وقت ان کے پاس کفارہ کے لئے کچھ نہیں تھا اور خود محتاج تھا تو ان کے ذمہ کفارہ بالدین کی صورت میں مؤخر کر دیا گیا کہ بعد میں ادا کرلو۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث ابتداء اسلام کی حالت پر محمول ہے بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا اور کفارہ کا تعین ہو گیا۔[2]

الفصل الثانی

دوسرے کی تھوک نگلنے سے روزہ ٹوٹتا ہے

﴿۷﴾ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُقَبِّلُهَا وَهُوَ صَائِمٌ وَيَمَصُّ لِسَانَهَا۔

(رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)[3]

ترجمہ: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ روزہ کی حالت میں ان کا بوسہ لیتے

---

[1] المرقات: ۴/۴۹۶، ۴۹۹ [2] المرقات: ۴/۴۹۹ [3] اخرجه ابوداؤد: ۲/۲۲۲ ح ۲۳۸۶

تھے اور ان کی زبان اپنے دہن مبارک میں لیتے تھے۔ (ابوداؤد)

توضیح: "یمص لسانہا" مس لسان سے یہ قطعاً لازم نہیں آتا کہ ان کی تھوک بھی نگل لیا ہوگا بلکہ یا صرف زبان چوسنے سے یا تھوک ہی نہیں لگا یا اور اگر تھوک لگ بھی گیا تو اس کو اپنے منہ سے باہر پھینک دیا یہ توجیہ اس لئے ضروری ہے کہ تمام فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ دوسرے کے تھوک نگلنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے ویسے یہ حدیث ضعیف بھی ہے۔[1]

جوان روزہ کی حالت میں بوس و کنار نہ کرے

﴿۸﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَجُلاً سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمُبَاشَرَةِ لِلصَّائِمِ فَرَخَّصَ لَهُ وَأَتَاهُ آخَرُ فَسَأَلَهُ فَنَهَاهُ فَإِذَا الَّذِي رَخَّصَ لَهُ شَيْخٌ وَإِذَا الَّذِي نَهَاهُ شَابٌّ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے روزہ کی حالت میں بوس و کنار کے بارہ میں پوچھا (کہ آیا میں اپنی بیوی کو اپنے بدن سے لپٹا سکتا ہوں یا نہیں؟) تو آپ ﷺ نے اسے اجازت دے دی، اس کے بعد ایک اور شخص نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر بوس و کنار کے بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے اسے منع فرمایا جس شخص کو آپ ﷺ نے بوس و کنار کی اجازت دی تھی وہ بوڑھا اور جسے منع فرمایا تھا وہ جوان تھا۔ (ابوداؤد)

توضیح: جوان کو اس لئے روکا کہ وہ اپنے جذبات کو قابو میں نہیں رکھ سکتا تو وہ کہیں روزہ فاسد کر دیگا اور بوڑھے کے جذبات ہیجانی نہیں ہوتے اس لئے اس کو بوس و کنار کی اجازت دیدی جوان کے لئے یہ ممانعت بعض علماء کے نزدیک مکروہ تحریمی کے درجہ میں ہے اور بعض علماء کے نزدیک مکروہ تنزیہی ہے۔[3]

بہر حال آج کل بوڑھے حضرات بھی بوجہ کمزوری اپنی جنسی حرکت کو قابو نہیں رکھ سکتے اس لئے جوانوں کی طرح خطرہ ان کو بھی ہے لہٰذا اس شغل میں نہیں پڑنا چاہئے شریعت رمضان میں بوس و کنار کی ترغیب نہیں دے رہی ہے بلکہ شریعت اس مجبور آدمی کی بات بتا رہی ہے کہ اس طرح واقعہ ہو چکنے کے بعد روزہ خراب ہوا یا نہیں تو شارع نے بتایا کہ روزہ خراب نہیں ہوتا۔

روزہ کی حالت میں قے ہونے کا مسئلہ

﴿۹﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ ذَرَعَهُ الْقَيْءُ وَهُوَ صَائِمٌ فَلَيْسَ عَلَيْهِ قَضَاءٌ وَمَنِ اسْتَقَاءَ عَمْداً فَلْيَقْضِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَه وَالدَّارِمِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ عِيْسَى بْنِ يُوْنُسَ وَقَالَ مُحَمَّدٌ يَعْنِي الْبُخَارِيَّ لَا أُرَاهُ مَحْفُوْظاً)[4]

---

[1] المرقات: ۴/۵۰۱، ۵۰۲ [2] اخرجہ ابوداؤد: ۲/۳۲۱ والترمذی: ۱/۱۳۲ والدارمی: ۱۷۳۵

[3] المرقات: ۴/۵۰۲ [4] اخرجہ ابوداؤد: ۲/۳۲۱ والترمذی: ۳/۹۸۔ وابن ماجہ: ۱/۵۳۶

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جس شخص پر قے غالب آجائے (یعنی خود بخود قے آئے) اور وہ روزہ سے ہو تو اس پر قضا نہیں ہے اور جو شخص (حلق میں انگلی وغیرہ ڈال کر) قصداً قے کرے تو اسے چاہیئے کہ وہ اپنے روزے کی قضا کرے۔ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی) اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم اس حدیث کو عیسیٰ بن یونس کے علاوہ اور کسی سند سے نہیں جانتے، نیز محمد رحمۃ اللہ علیہ (یعنی امام بخاری) فرماتے ہیں کہ میں اس حدیث کو محفوظ نہیں سمجھتا (یعنی یہ حدیث منکر ہے)۔

توضیح: ''من استقاء'' بے اختیار قے ہوجانے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا خواہ قے منہ بھر کر ہو یا قلیل ہو بشرطیکہ روزہ دار اس قے کو فوراً باہر پھینک دے اگر واپس کیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا لیکن اگر قے حلق تک آئی ہو اور باہر آنے کے بجائے غیر اختیاری طور پر اندر چلی گئی اس سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا خلافاً لابی یوسف۔ اور اگر قصداً قے کرائی اور وہ منہ بھر کر ہو تو سب ائمہ کے نزدیک روزہ فاسد ہوجائے گا اور اگر منہ بھر کر نہ ہو تو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک پھر بھی روزہ فاسد ہوجائے گا لیکن امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک روزہ نہیں ٹوٹے گا اور یہی قول راجح ہے۔[1]

بہرحال قے کے مسئلہ میں اگر روزہ ٹوٹ بھی جائے کفارہ نہیں ہے صرف قضاء ہے۔

﴿۱۰﴾ وَعَنْ مَعْدَانَ بْنِ طَلْحَةَ أَنَّ أَبَا الدَّرْدَاءِ حَدَّثَهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاءَ فَأَفْطَرَ قَالَ فَلَقِيْتُ ثَوْبَانَ فِيْ مَسْجِدِ دِمَشْقَ فَقُلْتُ إِنَّ أَبَا الدَّرْدَاءِ حَدَّثَنِيْ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاءَ فَأَفْطَرَ قَالَ صَدَقَ وَأَنَا صَبَبْتُ لَهُ وَضُوْءَهُ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ)[2]

ترجمہ: اور حضرت معدان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے ان سے یہ حدیث بیان کی کہ رسول کریم ﷺ نے (روزہ کی حالت میں) قے کی اور پھر روزہ توڑ ڈالا، معدان کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں دمشق کی مسجد میں حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے ملا اور ان سے کہا کہ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے مجھ سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے قے کی اور پھر روزہ توڑ ڈالا، حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ابودرداء رضی اللہ عنہ نے بالکل سچ کہا اور (اس موقع پر) میں نے ہی آپ ﷺ کے وضو کے لئے پانی کا انتظام کیا تھا۔ (ابوداؤد، ترمذی، دارمی)

توضیح: ''قاء فافطر'' یعنی آنحضرت ﷺ نے قے کرائی اور اس کے ذریعہ سے روزہ توڑ ڈالا مطلب یہ کہ آنحضرت ﷺ نے کسی بیماری یا کمزوری یا کسی عذر کی وجہ سے نفل روزہ قے کے ذریعہ سے توڑ ڈالا آپ ﷺ کی عادت یہ نہیں تھی لیکن کسی مجبوری سے ایسا کیا ہوگا۔[3]

''قال ثوبان صدق'' یعنی ابودراداء رضی اللہ عنہ نے جو حدیث بیان فرمائی ہے یہ بالکل صحیح ہے میں نے ہی حضور اکرم ﷺ کے وضو کا پانی آپ ﷺ کے مبارک اعضا پر بہایا تھا اس سے معلوم ہوا کہ قے ناقض للوضوء ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ وضو

---

[1] المرقات: ۴/۵۰۱، ۵۰۲ [2] اخرجہ ابوداؤد: ۲/۳۲۱ والترمذی: ۱/۱۴۲ والدارمی: ۱۷۳۵ [3] المرقات: ۴/۵۰۲

میں استعانت من الغیر ایک حد تک جائز ہے کتاب الطہارۃ میں تفصیل گذر چکی ہے۔[1]

روزہ کی حالت میں مسواک کرنا جائز ہے

﴿۱۱﴾ وَعَنْ عَامِرِبْنِ رَبِيْعَةَ قَالَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَالاَ أُحْصِيْ يَتَسَوَّكُ وَهُوَصَائِمٌ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ)[2]

ترجمہ: اور حضرت عامر ابن ربیعہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو روزہ کی حالت میں اس قدر مسواک کرتے ہوئے دیکھا ہے کہ میں اس کو شمار نہیں کر سکتا۔ (ترمذی، ابوداؤد)

توضیح: "یتسوك وهوصائم" روزہ کی حالت میں مسواک کرنے پر یہ حدیث واضح دلالت کرتی ہے چنانچہ امام مالک اور امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ تعالیٰ کا مسلک اسی طرح ہے وہ فرماتے ہیں کہ مسواک خواہ تر ہو یا خشک ہو قبل الزوال ہو یا بعد الزوال ہو ہر طرح ہر وقت جائز ہے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ روزہ دار کے لئے زوال آفتاب کے بعد مسواک مکروہ ہے کیونکہ مسواک سے روزہ دار کے منہ کی خوشبو مٹ جاتی ہے۔ احناف فرماتے ہیں کہ وہ خوشبو منہ اور دانتوں میں نہیں بلکہ خالی پیٹ کے بخارات کی وجہ سے اٹھتی ہے مسواک کرنے نہ کرنے سے اس پر کوئی فرق نہیں پڑتا ہے۔[3]

روزہ میں سرمہ لگانا جائز ہے

﴿۱۲﴾ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِشْتَكَيْتُ عَيْنَيَّ أَفَأَكْتَحِلُ وَأَنَا صَائِمٌ قَالَ نَعَمْ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ لَيْسَ اِسْنَادُهُ بِالْقَوِيِّ وَأَبُوْعَاتِكَةَ الرَّاوِيْ يُضَعَّفُ)[4]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ میری آنکھیں دکھتی ہیں کیا میں روزہ کی حالت میں سرمہ لگا سکتا ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس حدیث کی سند قوی نہیں ہے اور اس کے ایک راوی ابو عاتکہ ضعیف شمار کئے جاتے ہیں۔

توضیح: "فأکتحل؟" یعنی میری آنکھیں دکھ رہی ہیں کیا میں روزہ کی حالت میں سرمہ لگا سکتا ہوں؟

"قال نعم" یعنی ہاں سرمہ لگا سکتے ہو۔[5]

یہاں اصل مسئلہ یہ ہے کہ روزہ کی حالت میں جسم کے باہر سے جو چیز اندر کی طرف پہنچتی ہے اس کے لئے دو قسم کے راستے

---

[1] المرقات: ۴/۵۰۲ [2] اخرجه الترمذی: ۳/۱۰۴ وابوداؤد: ۲/۳۱۸ [3] المرقات: ۴/۵۰۳

[4] اخرجه الترمذی: ۳/۱۰۵ [5] المرقات: ۴/۵۰۵

ہیں ایک راستہ منافذ اور سوراخ ہیں جیسے ناک منہ کان اور مقعد ہیں دوسرا راستہ جسم کے مسامات کا ہے اب جو چیز منافذ کے راستہ سے اندر چلی گئی اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔لیکن جو چیز جسم کے مسامات کے راستہ سے اندر چلی گئی اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا جیسے انجکشن ہے یا سرمہ ہے یا ٹھنڈے پانی کی ٹھنڈک ہے یہ سب اشیاء مسامات کے ذریعہ سے اندر جاتی ہیں جن سے روزہ نہیں ٹوٹتا چنانچہ علماء لکھتے ہیں کہ آنکھ میں سرمہ ڈالنے سے اگر چہ حلق میں اس کا اثر بھی محسوس ہو پھر بھی روزہ نہیں ٹوٹتا کیونکہ یہ مسامات کے ذریعہ سے اندر چلا گیا ہے۔

بہر حال جمہور کا یہی مسلک ہے لیکن امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ اور سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سرمہ لگانا مکروہ ہے بعض ڈاکٹر کہتے ہیں کہ آنکھوں سے پیٹ کی طرف منفذ اور سوراخ ہے اسی لئے حلق میں اثر محسوس ہوتا ہے اگر منفذ ہے تو پھر مسئلہ خطرناک ہے۔[1]

﴿۱۳﴾ وَعَنْ بَعْضِ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَقَدْ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْعَرْجِ يَصُبُّ عَلَى رَأْسِهِ الْمَاءَ وَهُوَ صَائِمٌ مِنَ الْعَطَشِ أَوْ مِنَ الْحَرِّ. (رَوَاهُ مَالِكٌ وَأَبُوْ دَاوُدَ)[2]

ترجمہ: اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے مقام عرج میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو روزہ کی حالت میں پیاس کے دفعیہ کے لئے یا کہا کہ گرمی کے دفعیہ کے لئے اپنے سر پر پانی ڈالتے ہوئے دیکھا ہے۔(مالک، ابوداؤد)

روزہ کی حالت میں پچھنے لگوانے کا حکم

﴿۱۴﴾ وَعَنْ شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَى رَجُلًا بِالْبَقِيْعِ وَهُوَ يَحْتَجِمُ وَهُوَ آخِذٌ بِيَدِيْ لِثَمَانِيْ عَشْرَةَ خَلَتْ مِنْ رَمَضَانَ فَقَالَ أَفْطَرَ الْحَاجِمُ وَالْمَحْجُوْمُ.

(رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَه وَالدَّارِمِيُّ قَالَ الشَّيْخُ الْإِمَامُ مُحْيِي السُّنَّةِ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَتَأَوَّلَهُ بَعْضُ مَنْ رَخَّصَ فِي الْحِجَامَةِ أَيْ تَعَرَّضَا لِلْإِفْطَارِ الْمَحْجُوْمُ لِلضَّعْفِ وَالْحَاجِمُ لِأَنَّهُ لَا يَأْمَنُ مِنْ أَنْ يَصِلَ شَيْءٌ إِلَى جَوْفِهِ بِمَصِّ الْمَلَازِمِ)[3]

ترجمہ: اور حضرت شداد ابن اوس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رمضان کی اٹھارہ تاریخ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم (مدینہ کے قبرستان) جنت البقیع میں ایک ایسے شخص کے پاس تشریف لائے جو بھری ہوئی سینگی کھنچوا رہا تھا۔اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے آپ نے فرمایا کہ سینگی کھینچنے اور کھنچوانے والے نے اپنا روزہ توڑ ڈالا۔(ابوداود، ابن ماجہ، دارمی) امام محی السنۃ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو علماء روزہ کی حالت میں سینگی کھینچنے اور کھنچوانے کی اجازت دیتے ہیں انہوں نے اس حدیث کی تاویل کی ہے یعنی یہ کہ (اس ارشاد گرامی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ ہے کہ) سینگی کھنچوانے والا تو ضعف کی وجہ سے روزہ توڑنے کے

---

[1] المرقات: ۵۰۵/۴، ۵۰۶ [2] اخرجه ابوداؤد: ۲/۳۱۸ ومالك: ۲۹۹۳ ح ۲۲ [3] اخرجه ابوداؤد: ۲/۳۱۸ وابن ماجه: ۱/۵۳۷

قریب ہوجاتا ہے اور سینگی کھینچنے والا اس سبب سے افطار کے قریب ہوجاتا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ سینگی کھینچنے کے عمل سے (خون کا) کوئی حصہ اس کے پیٹ میں پہنچ جائے۔

توضیح: ''افطر الحاجم'' یعنی سینگی کھینچنے اور کھنچوانے والے دونوں نے اپنا روزہ توڑ ڈالا اس حدیث کا اس سے پہلے اسی باب کے حدیث نمبر ۴ سے بظاہر واضح تعارض ہے اس میں صاف الفاظ میں مذکور ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے روزہ کی حالت میں سینگی کھنچوائی تھی چنانچہ جمہور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ سینگی کھنچوانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے البتہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے کہ سینگی کھنچوانے کے عمل سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل زیر بحث حدیث ہے اور جمہور کی دلیل اس باب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث نمبر ۴ ہے جو بخاری و مسلم نے نقل کی ہے اور بعد میں آنے والی حدیث نمبر ۱۷ بھی جمہور کی دلیل ہے دونوں کا مضمون ہے کہ سینگی کرانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔[1]

جواب: زیر بحث حدیث کا جمہور نے کئی وجوہ سے جواب دیا ہے۔

پہلا جواب: تو صاحب مصابیح محی السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح دیا ہے کہ دراصل افطر کا مطلب یہ ہے کہ ان دونوں نے اپنے روزے کو توڑنے پر پیش کر دیا سینگی کھنچوانے والا تو اس طرح روزہ توڑنے کے قریب ہوگیا کہ خون نکلنے سے کمزور ہوجائے گا پھر روزہ توڑ ڈالے گا اور سینگی کھینچنے والا روزہ توڑنے کا اس طرح قریب ہوگیا کہ ہوسکتا ہے کہ اس عمل میں خون کا کوئی قطرہ اس کے منہ میں چلا جائے۔

دوسرا جواب: یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ کلام اس وقت ارشاد فرمایا جب افطار کا وقت ہو چکا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ دونوں کا روزہ کھل گیا۔

تیسرا جواب: یہ ہے کہ روزہ کی حالت میں یہ عمل مفسد صوم تو نہیں البتہ مکروہ ہے تو زیر بحث حدیث کا تعلق کراہت سے ہے

چوتھا جواب یہ ہے کہ یہاں افطر سے مراد سقوط اجر ہے کہ ان کو روزہ کا ثواب نہیں ملے گا کیونکہ بوقت حجامت یہ دونوں کسی کی غیبت کر رہے تھے۔

پانچواں جواب یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے یہ حدیث منسوخ ہوگئی ہے تو ابتداء میں حکم ایسا ہی تھا پھر منسوخ ہوگیا۔[2]

بلا عذر رمضان کا روزہ توڑنا بہت بڑا جرم ہے

﴿۱۵﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَفْطَرَ يَوْمًا مِنْ رَمَضَانَ مِنْ

[1] المرقات: ۴/۵۰۷ [2] المرقات: ۴/۵۰۷

غَیْرِ رُخْصَةٍ وَلَا مَرَضٍ لَمْ يَقْضِ عَنْهُ صَوْمُ الدَّهْرِ كُلِّهِ وَإِنْ صَامَهُ.

(رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَه وَالدَّارِمِيُّ وَالْبُخَارِيُّ فِيْ تَرْجَمَةِ بَابٍ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ سَمِعْتُ مُحَمَّدًا يَعْنِي الْبُخَارِيَّ يَقُوْلُ أَبُو الْمُطَوِّسِ الرَّاوِيْ لَا أَعْرِفُ لَهُ غَيْرَ ذَا الْحَدِيْثِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص بلا رخصت اور بلا مرض رمضان کا کوئی روزہ قصداً نہ رکھے تو تمام عمر روزہ رکھنا بھی اس کا بدل نہیں ہوسکتا اگر چہ وہ تمام عمر روزہ رکھے۔ (احمد، ترمذی، ابوداود، ابن ماجہ، دارمی) امام بخاری رحمہ اللہ نے اس روایت کو (بخاری کے) ترجمۃ الباب میں نقل کیا ہے نیز امام ترمذی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ میں نے حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میں (اس روایت کے ایک راوی) ابوالمطوس کو اس حدیث کے علاوہ اور کسی حدیث کا راوی نہیں جانتا۔

توضیح: ''وان صامه'' یعنی رمضان کا روزہ بلا عذر توڑ ڈالا پھر بطور کفارہ زندگی بھر روزے رکھے پھر بھی یہ شخص رمضان کے روزے کا ثواب حاصل نہیں کرسکتا، اس حدیث میں رمضان کے روزوں کی عظمت بیان کی گئی ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ رمضان کے اوقات میں فرض روزہ رکھنے کا ثواب غیر رمضان میں نفل روزوں سے کیسے حاصل ہوسکتا ہے۔

''وان صامه'' کا جملہ ماقبل کلام کے لئے تاکید ہے۔ جہاں تک شرعی مسئلہ کا تعلق ہے تو علماء نے لکھا ہے کہ اگر کسی شخص نے رمضان کا روزہ عمداً توڑ ڈالا اور اس کے ذمہ کفارہ آگیا اس نے دو ماہ روزے رکھ کر کفارہ پورا کیا تو وہ بریٔ الذمہ ہوجائے گا یا روزہ توڑنے سے اس پر قضا لازم تھا اور اس نے قضا روزہ رکھ لیا تو رمضان کے روزہ سے یہ شخص بریٔ الذمہ ہوجائے گا رہ گیا اصل ثواب کا پانا تو رمضان کا وقت اور اس کی برکات تو حاصل نہیں ہوسکتی ہیں۔[2]

بلا روح اور بلا فائدہ روزہ

﴿۱۶﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمْ مِنْ صَائِمٍ لَيْسَ لَهُ مِنْ صِيَامِهِ إِلَّا الظَّمَأُ وَكَمْ مِنْ قَائِمٍ لَيْسَ لَهُ مِنْ قِيَامِهِ إِلَّا السَّهَرُ.

(رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ وَذُكِرَ حَدِيْثُ لَقِيْطِ ابْنِ صَبِرَةَ فِيْ بَابِ سُنَنِ الْوُضُوْءِ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''بہت سے روزہ دار ایسے ہوتے ہیں جنہیں ان کے روزے سے سوائے پیاسا رہنے کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا اور رات میں عبادت میں مشغول رہنے والے بہت سے ایسے ہیں۔ جنہیں ان کی عبادت سے سوائے بے خوابی کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ (دارمی)

[1] اخرجه احمد: ۲/۳۸۶، ۴۴۲ والترمذی: ۳/۱۰۱ وابو داؤد: ۲/۳۲۶ [2] المرقات: ۴/۵۰۹ [3] اخرجه الدارمی: ۲۷۲۳

توضیح: مطلب یہ ہے کہ ایک شخص روزہ رکھتا ہے لیکن نہ اس کی نیت صحیح ہے نہ اخلاص ہے نہ جھوٹ کو چھوڑا نہ بہتان اور جھوٹی گواہی سے باز آیا نہ اس کے باطن میں روزہ سے انقلاب آیا اور نہ اس کے ظاہری اعضا میں کوئی تبدیلی آئی تو اس شخص کو بھوک اور پیاس کے سوا کچھ بھی حاصل نہ ہوا گو فرض روزہ کی ذمہ داری سے یہ شخص عہدہ برآ ہوا لیکن روزہ کی روح سے یہ شخص محروم رہا تو اس نے بلا روح بلا فائدہ روزہ رکھا جس سے اس کو کچھ حاصل نہ ہوا اسی طرح کوئی شخص رات کو ریا کاری کی عبادت کرتا ہے اور دکھاوے کے لئے تہجد پڑھتا ہے اس کو سوائے بے خوابی کے اور کچھ نہیں ملتا ہے۔[1]

الفصل الثالث

احتلام سے روزہ نہیں ٹوٹتا

﴿۱۷﴾ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثٌ لَا يُفَطِّرْنَ الصَّائِمَ الْحِجَامَةُ وَالْقَيْءُ وَالْاِحْتِلَامُ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيثٌ غَيْرُ مَحْفُوظٍ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ زَيْدٍ الرَّاوِيُّ يُضَعَّفُ فِي الْحَدِيثِ)[2]

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تین چیزیں روزہ دار کے روزہ کو نہیں توڑتیں سینگی، قے (جواز خود آئے) اور احتلام۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث محفوظ نہیں ہے اس کے ایک راوی عبدالرحمٰن ابن زید روایت حدیث کے سلسلہ میں ضعیف شمار کئے جاتے ہیں۔

﴿۱۸﴾ وَعَنْ ثَابِتٍ الْبُنَانِيِّ قَالَ سُئِلَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ كُنْتُمْ تَكْرَهُونَ الْحِجَامَةَ لِلصَّائِمِ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا إِلَّا مِنْ أَجْلِ الضُّعْفِ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں روزے دار کے لئے سینگی کو مکروہ سمجھتے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ نہیں علاوہ خوف کی صورت کے۔

(بخاری)

﴿۱۹﴾ وَعَنِ الْبُخَارِيِّ تَعْلِيقًا قَالَ كَانَ ابْنُ عُمَرَ يَحْتَجِمُ وَهُوَ صَائِمٌ ثُمَّ تَرَكَهُ فَكَانَ يَحْتَجِمُ بِاللَّيْلِ۔[4]

ترجمہ: اور حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بطریق تعلیق نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ (پہلے تو) روزہ کی حالت میں سینگی لگوالیا کرتے تھے مگر بعد میں انہوں نے اسے ترک کر دیا البتہ رات میں سینگی لگوالیتے تھے۔

[1] المرقات: ۴/۵۱۰ [2] اخرجه الترمذی: ۳/۹۷ [3] اخرجه البخاری: ۳/۴۳ [4] اخرجه البخاری: ۳/۴۲

کلی کی تری اور مصطگی چبانے کا حکم

﴿۲۰﴾ وَعَنْ عَطَاءٍ قَالَ إِنْ مَضْمَضَ ثُمَّ أَفْرَغَ مَافِيْ فِيْهِ مِنَ الْمَاءِ لَايَضِيْرُهُ أَنْ يَزْدَرِدَ رِيْقَهُ وَمَابَقِيَ فِيْ فِيْهِ وَلَايَمْضَغُ الْعِلْكَ فَإِنِ ازْدَرَدَ رِيْقَ الْعِلْكِ لَاأَقُوْلُ إِنَّهُ يُفْطِرُ وَلٰكِنْ يُنْهٰى عَنْهُ.

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ فِيْ تَرْجَمَةِ بَابٍ)[1]

ترجمہ: اور حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ (تابعی) کہتے ہیں کہ اگر روزہ دار کلی کرے اور پھر پانی کو منہ سے (بالکل) نکال دے تو اس کے روزہ کو اس بات سے نقصان نہیں پہنچے گا کہ وہ اپنا تھوک اور وہ چیز جو منہ کے اندر باقی ہے نگل جائے اور روزہ دار مصطگی نہ چبائے اور اگر روزہ دار مصطگی کا تھوک نگل جائے تو میں یہ تو نہیں کہتا کہ اس کا روزہ ٹوٹ گیا لیکن اس سے منع کیا جاتا ہے۔ (یہ روایت بخاری کے ترجمۃ الباب میں نقل کی گئی ہے)

توضیح: ''ان یزدرد ریقه'' تھوک نگلنے اور وضو کے بعد پانی کی تری نگلنے کو ازدارد کہتے ہیں مطلب یہ ہے کہ ایک آدمی وضو کے لئے کلّی کرتا ہے اور پانی باہر پھینک دیتا ہے اتنا کافی ہے اس کے بعد منہ میں جو تری اور ٹھنڈک محسوس ہوتی ہے اس کے نگلنے سے روزہ کا نقصان نہیں ہوتا کیونکہ اس طرح مسلسل تھوکنے سے آدمی وہم کا شکار ہو جائے گا اور اس کا منہ سوکھ جائے گا جس طرح بعض شکّی مزاج لوگ ایسا کرتے ہیں۔[2]

''العلك'' پہاڑوں میں ایک درخت ہوتا ہے جس کو بعض علاقوں میں دیار کا درخت کہتے ہیں اس کے ساتھ گوند کی طرح ایک چیز لگی رہتی ہے جیسے دوسرے درختوں میں چیڑ ہوتی ہے اس طرح ایک گوند ہے جس کو مصطگی رومی بھی کہتے ہیں اس کو منہ میں ڈال کر چبایا جاتا ہے اس سے دانت صاف بھی ہو جاتے ہیں اور دانتوں کا درد اور کئی بیماریاں ختم ہو جاتی ہیں یہ بھوک لگاتی ہے پنساریوں کے ہاں یہ چیز ملتی ہے اس کو جب ابتدا میں چباتے ہیں تو یہ منہ میں ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے لیکن بعد میں چیونگم کی طرح بالکل جڑ جاتا ہے اور کھینچنے سے اس سے لمبا دھاگہ بھی نکل جاتا ہے یہ دو ڈھائی گھنٹہ کے بعد خراب ہو کر ختم ہو جاتا ہے اس کو لوگ پہاڑوں میں چباتے رہتے ہیں۔ منہ میں اس کا تھوک بنتا ہے جس میں معمولی قسم کی خوشبو بھی ہوتی ہے یہاں حدیث میں اسی کا ذکر ہے کہ یہ گوند جب بن جائے تو اس کا چبانا روزہ کی حالت میں مناسب نہیں ہے لیکن اگر کسی نے چبایا اور اس کا کوئی ریزہ اندر پیٹ میں نہیں گیا تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا تاہم احتیاط اسی میں ہے کہ اس سے روکا جائے پشتو میں اس چیز کو ''لاٹ'' کہتے ہیں۔[3]

[1] اخرجه البخاری: ۳/۴۱ [2] المرقات: ۴/۵۱۳ [3] المرقات: ۴/۵۱۳،۵۱۴

باب صوم المسافر

مسافر کا روزہ

قال اللہ تعالیٰ ﴿ومن کان منکم مریضًا او علی سفرٍ فعدۃ من ایام اخر﴾ [۱]

وقال اللہ تعالیٰ ﴿وان تصوموا خیر لکم﴾ [۲]

اس باب میں کل دس احادیث کا ذکر ہے ان تمام احادیث میں مسافر کے روزہ کے بارے میں مسائل واحکام کا ذکر ہے کہ آیا سفر کی حالت میں روزہ رکھنا جائز ہے یا نہیں اگر جائز ہے تو رکھنا افضل ہے یا نہیں۔ خلاصہ یہ ہے اگر مسافر کے سفر میں سہولت وراحت ہو اور وہ روزہ رکھنا چاہتا ہو تو رمضان کے اوقات کی برکات کی وجہ سے روزہ رکھنا افضل ہے اور اگر سفر میں سخت مشقت ہے پھر بھی مسافر روزہ رکھتا ہے اور افطار کو جائز نہیں سمجھتا ہے تو یہ شخص گناہ گار ہے سفر سے مراد شرعی سفر ہے۔

الفصل الاول

سفر میں روزہ رکھنے نہ رکھنے کا حکم

﴿۱﴾ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ حَمْزَةَ بْنَ عَمْرٍو الْأَسْلَمِيَّ قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَصُوْمُ فِي السَّفَرِ وَكَانَ كَثِيْرَ الصِّيَامِ فَقَالَ اِنْ شِئْتَ فَصُمْ وَاِنْ شِئْتَ فَأَفْطِرْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۳]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حمزہ ابن عمرو اسلمی رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا میں سفر کی حالت میں روزہ رکھوں؟ (یعنی اگر میں رمضان میں سفر کروں تو روزہ رکھوں یا نہ رکھوں اس بارے میں کیا حکم ہے؟ اور حمزہ رضی اللہ عنہ بہت زیادہ روزے رکھا کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "یہ تمہاری مرضی پر منحصر ہے چاہے رکھو اور چاہے نہ رکھو"۔
(بخاری ومسلم)

توضیح: "ان شئت فصم" اس پر علماء کا اتفاق ہے کہ حالت سفر میں روزہ رکھنا نہ رکھنا دونوں جائز ہے خواہ سفر راحت وآرام کے ساتھ ہو یا مشقت وصعوبت کے ساتھ ہو البتہ سہولت اگر ہو تو روزہ رکھنا افضل ہے بشرطیکہ روزہ نہ رکھنے کو جائز بھی سمجھتا ہو احناف کے ہاں یہ حکم ہر قسم سفر کے لئے ہے جائز امور کے لئے سفر ہو یا ناجائز امور کے لئے ہو اس سہولت کا تعلق محض سفر سے ہے۔

[۱] بقرہ الایہ ۱۸۵ [۲] مزمل: الایہ ۲۰ [۳] اخرجہ البخاری: ۳/۴۳ ومسلم: ۱/۴۵۴، ۴۵۵

امام شافعی عطاللہ فرماتے ہیں کہ اس سہولت کا تعلق صرف اس سفر سے ہے جو جائز سفر ہو معصیت والے سفر کے لئے یہ شرعی سہولت نہیں دی جاسکتی ہے لہٰذا جو مسافر چوری کے لئے جارہا ہو وہ اس سہولت سے محروم رہیگا۔[۱]

﴿۲﴾ وَعَنْ أَبِي سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ غَزَوْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِسِتَّ عَشْرَةَ مَضَتْ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ فَمِنَّا مَنْ صَامَ وَمِنَّا مَنْ أَفْطَرَ فَلَمْ يَعِبِ الصَّائِمُ عَلَى الْمُفْطِرِ وَلَا الْمُفْطِرُ عَلَى الصَّائِمِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[۲]

ترجمہ: اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) ہم رسول کریم ﷺ کے ہمراہ جہاد کے لیے روانہ ہوئے تو رمضان کی سولہویں تاریخ تھی، ہم میں سے کچھ لوگوں نے (جو قوی تھے) روزہ رکھا اور کچھ لوگوں نے (جو ضعیف تھے یا دوسروں کے خدمت گار تھے) روزہ نہ رکھا چنانچہ نہ تو روزہ داروں نے روزہ نہ رکھنے والوں کو معیوب جانا (کیونکہ انہوں نے رخصت پر عمل کیا یعنی اجازت پر عمل کیا تھا) اور نہ روزہ نہ رکھنے والوں نے روزہ داروں کو معیوب سمجھا (کیونکہ انہوں نے عزیمت پر عمل کیا تھا)۔ (مسلم)

حالت مشقت میں مسافر کے لئے روزہ نہ رکھنا بہتر ہے

﴿۳﴾ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ فَرَأَى زِحَامًا وَرَجُلًا قَدْ ظُلِّلَ عَلَيْهِ فَقَالَ مَا هٰذَا قَالُوْا صَائِمٌ فَقَالَ لَيْسَ مِنَ الْبِرِّ الصَّوْمُ فِي السَّفَرِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۳]

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) رسول کریم ﷺ حالت سفر میں تھے کہ (ایک جگہ) آپ ﷺ نے مجمع دیکھا اور ایک شخص کو دیکھا جس پر (دھوپ سے بچاؤ کے لئے) سایہ کیا گیا تھا آپ ﷺ نے پوچھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ انہوں نے کہا کہ یہ شخص روزہ دار ہے (جو ضعف کی وجہ سے گر پڑا ہے) آپ ﷺ نے فرمایا سفر کی حالت میں روزہ رکھنا نیکی نہیں ہے۔ (بخاری ومسلم)

﴿۴﴾ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي السَّفَرِ فَمِنَّا الصَّائِمُ وَمِنَّا الْمُفْطِرُ فَنَزَلْنَا مَنْزِلًا فِي يَوْمٍ حَارٍّ فَسَقَطَ الصَّوَّامُوْنَ وَقَامَ الْمُفْطِرُوْنَ فَضَرَبُوا الْأَبْنِيَةَ وَسَقَوُا الرِّكَابَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَهَبَ الْمُفْطِرُوْنَ الْيَوْمَ بِالْأَجْرِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۴]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں (ایک مرتبہ) ہم نبی کریم ﷺ کے ہمراہ سفر میں تھے، ہم میں سے کچھ لوگ تو

[۱] المرقات: ۴/۵۱۵ [۲] اخرجه مسلم: ۱/۳۵۳ [۳] اخرجه البخاری: ۳/۴۳ ومسلم: ۱/۳۵۲
[۴] اخرجه البخاری: ۳/۴۲ ومسلم: ۱/۳۵۳، ۳۵۴

روزہ دار تھے اور کچھ لوگ بغیر روزہ کے تھے، جب ہم ایک منزل پر اترے تو گرمی کا دن تھا جو لوگ روزہ سے تھے وہ تو گر پڑے (یعنی ضعف و ناتوانی کی وجہ سے کسی کام کے لائق نہیں رہے) اور جو لوگ روزہ سے نہیں تھے وہ مستعد رہے (یعنی اپنے کام کاج میں مشغول ہو گئے) چنانچہ انہوں نے خیمے کھڑے کئے اور اونٹوں کو پانی پلایا آنحضرت ﷺ نے (یہ دیکھ کر) فرمایا کہ روزہ نہ رکھنے والوں نے آج ثواب کا میدان جیت لیا۔ (بخاری و مسلم)

سفر جہاد میں حضور ﷺ نے روزہ توڑ ڈالا

﴿۵﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمَدِيْنَةِ إِلٰى مَكَّةَ فَصَامَ حَتّٰى بَلَغَ عُسْفَانَ ثُمَّ دَعَا بِمَاءٍ فَرَفَعَهُ إِلٰى يَدِهٖ لِيَرَاهُ النَّاسُ فَأَفْطَرَ حَتّٰى قَدِمَ مَكَّةَ وَذٰلِكَ فِيْ رَمَضَانَ فَكَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَقُوْلُ قَدْ صَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَفْطَرَ فَمَنْ شَاءَ صَامَ وَمَنْ شَاءَ أَفْطَرَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ عَنْ جَابِرٍ أَنَّهٗ شَرِبَ بَعْدَ الْعَصْرِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (فتح مکہ کے سال) نبی کریم ﷺ مدینہ سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے چنانچہ آپ ﷺ نے (اس سفر میں) روزہ رکھا یہاں تک کہ جب عسفان (جو مکہ سے دو منزل کے فاصلہ پر ایک جگہ کا نام ہے۔) پہنچے تو پانی منگوایا، پہلے تو آپ ﷺ نے اس پانی کو ہاتھ میں (لے کر بہت اونچا) اٹھایا (تا کہ لوگ دیکھ لیں) اور پھر آپ ﷺ نے روزہ توڑ ڈالا، اس طرح آپ ﷺ مکہ تشریف لائے اور یہ سفر رمضان میں ہوا تھا۔ چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ آنحضرت ﷺ نے (سفر کی حالت میں) روزہ رکھا بھی اور نہیں بھی رکھا، لہٰذا جو چاہے (سفر کی حالت میں) روزہ رکھ لے اور جو نہ چاہے نہ رکھے۔ (بخاری و مسلم) اور مسلم کی ایک اور روایت جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے اس میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے عصر کے بعد پانی پیا۔

توضیح: یہ فتح مکہ کا سفر تھا جہاد کا سفر تھا اس لئے حضور اکرم ﷺ نے رکھا ہوا روزہ توڑ ڈالا تا کہ امت کے لئے رہنما اصول مہیا ہو جائے کیونکہ جب آگے دشمن سے مقابلہ ہو اور مجاہد روزہ سے ہو تو وہ بہتر طور پر لڑائی نہیں لڑ سکے گا اس لئے روزہ توڑنے کا حکم دیا کیونکہ اگر کفار غالب آ گئے تو نہ روزہ رہے گا نہ روزہ دار رہے گا، لیکن یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ سفر میں جو روزہ کھایا جائے تو گھر پہنچنے کے بعد اسکی قضا لازم ہے۔[2]

الفصل الثانی

کچھ لوگوں کے لئے سفر میں سہولت

﴿۶﴾ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ الْكَعْبِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللّٰهَ وَضَعَ عَنِ

[1] اخرجه البخاری: ۳/۴۳ و مسلم: ۱/۳۵۲ [2] المرقات: ۴/۵۱۸، ۵۱۹

الْمُسَافِرِ شَطْرَ الصَّلَاةِ وَالصَّوْمَ عَنِ الْمُسَافِرِ وَعَنِ الْمُرْضِعِ وَالْحُبْلٰى ۔

(رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَه)[1]

ترجمہ: حضرت انس بن مالک کعبی رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تبارک وتعالیٰ نے مسافر کے لئے آدھی نماز موقوف کردی ہے اسی طرح مسافر اور دودھ پلانے والی اور حاملہ عورت کے لئے روزہ معاف کردیا ہے۔

(ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

اگر سفر میں آسانی ہو تو روزہ رکھ لینا افضل ہے

﴿۷﴾ وَعَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْمُحَبَّقِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ لَهٗ حَمُوْلَةٌ تَأْوِيْ إِلٰى شِبَعٍ فَلْيَصُمْ رَمَضَانَ حَيْثُ أَدْرَكَهٗ ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُد)[2]

ترجمہ: اور حضرت سلمہ ابن محبق رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے پاس ایسی سواری ہو جو اسے منزل تک آسانی اور آرام کے ساتھ پہنچادے (یعنی اس کا سفر با مشقت نہ ہو بلکہ پرسکون اور پرراحت ہو) تو اسے چاہیئے کہ جہاں بھی رمضان آئے روزہ رکھ لے۔ (ابوداؤد)

الفصل الثالث

مشقت کے باوجود روزہ نہ کھولنا گناہ ہے

﴿۸﴾ عَنْ جَابِرٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ عَامَ الْفَتْحِ إِلٰى مَكَّةَ فِيْ رَمَضَانَ فَصَامَ حَتّٰى بَلَغَ كُرَاعَ الْغَمِيْمِ فَصَامَ النَّاسُ ثُمَّ دَعَا بِقَدَحٍ مِنْ مَاءٍ فَرَفَعَهٗ حَتّٰى نَظَرَ النَّاسُ إِلَيْهِ ثُمَّ شَرِبَ فَقِيْلَ لَهٗ بَعْدَ ذٰلِكَ إِنَّ بَعْضَ النَّاسِ قَدْ صَامَ فَقَالَ أُولٰئِكَ الْعُصَاةُ أُولٰئِكَ الْعُصَاةُ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[3]

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے سال رمضان کے مہینہ میں مکہ کی طرف چلے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ رکھا۔ یہاں تک کہ **کراع الغمیم** (جو مکہ اور مدینہ کے درمیان عسفان کے قریب ایک جگہ کا نام ہے) پہنچے دوسرے لوگ بھی روزہ سے تھے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیالہ میں پانی منگوایا اور اسے (ہاتھ میں لے کر اتنا) اونچا اٹھایا کہ لوگوں نے دیکھ لیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ پانی پی لیا اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ بعض لوگوں نے روزہ رکھا (یعنی انہوں نے

[1] اخرجه ابوداؤد: ۲/۳۲۹ والترمذی: ۳/۹۴ وابن ماجه ۱/۵۳۳ والنسائی: ۴/۱۸۰

[2] اخرجه ابوداؤد: ۲/۳۲۹، ۳۳۰ [3] اخرجه مسلم: ۱/۳۵۲

آنحضرت ﷺ کی متابعت میں روزہ توڑا نہیں) آپ ﷺ نے فرمایا "وہ لوگ پکے گنہگار ہیں، وہ لوگ پکے گنہگار ہیں۔ (مسلم)

توضیح: "العصاۃ" ان لوگوں کو اس لئے گناہ گار قرار دیا کہ ان کا عقیدہ یہ نہیں تھا کہ سفر میں روزہ توڑنا جائز ہے بلکہ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ ہر حالت میں روزہ رکھنا ہی ہے اس طرح کرنے سے حضور اکرم ﷺ کی سنت کی خلاف ورزی ہوئی اس لئے حضور اکرم ﷺ ناراض ہوئے اور ان کو گناہ گار کہدیا۔[1]

سفر میں روزہ نہ رکھو

﴿۹﴾ وَعَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَائِمُ رَمَضَانَ فِي السَّفَرِ كَالْمُفْطِرِ فِي الْحَضَرِ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه)[2]

ترجمہ: اور حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا سفر میں رمضان کا روزہ رکھنے والا حضر میں روزہ نہ رکھنے والے کی طرح ہے۔ (ابن ماجہ)

سفر میں روزہ نہ رکھنا اولیٰ ہے

﴿۱۰﴾ وَعَنْ حَمْزَةَ بْنِ عَمْرٍو الْأَسْلَمِيِّ أَنَّهُ قَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ إِنِّي أَجِدُ بِي قُوَّةً عَلَى الصِّيَامِ فِي السَّفَرِ فَهَلْ عَلَيَّ جُنَاحٌ قَالَ هِيَ رُخْصَةٌ مِنَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ فَمَنْ أَخَذَ بِهَا فَحَسَنٌ وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يَصُوْمَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[3]

ترجمہ: اور حضرت حمزہ ابن عمرو اسلمی رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ: میں سفر کی حالت میں اپنے اندر روزہ رکھنے کی قوت پاتا ہوں کیا (روزہ رکھنے یا نہ رکھنے کی صورت میں) مجھ پر گناہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا یہ (یعنی سفر میں روزہ نہ رکھنا) اللہ رب العزت کی طرف سے رخصت (آسانی) ہے لہٰذا جس شخص نے یہ رخصت قبول کی اس نے اچھا کیا اور جو شخص روزہ رکھنا ہی چاہے تو اس پر کوئی گناہ بھی نہیں ہے۔ (مسلم)

توضیح: "فحسن" اس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ سفر میں روزہ رکھنا نہ رکھنا اگرچہ دونوں جائز ہے لیکن جو نہ رکھے وہ بہتر اور اولیٰ عمل ہے اور جو رکھے تو اس میں کوئی گناہ نہیں نتیجہ یہ نکلا کہ روزہ نہ رکھنا اولیٰ ہے۔[4]

[1] المرقات: ۴/۵۲۲، ۵۲۳ [2] اخرجہ ابن ماجہ: ۱/۵۳۲ ح ۱۶۶۶ [3] اخرجہ مسلم: ۱/۳۵۵ [4] المرقات: ۴/۵۲۵

مورخہ ۱۹ جمادی الثانی ۱۴۱۰ھ

باب القضاء

قضاروزہ کا بیان

قال الله تعالیٰ ﴿فمن کان منکم مریضا او علی سفر فعدة من ایام اخر﴾ [1]

روزہ نہ رکھنے یا توڑ ڈالنے سے متعلق تین حکم ہیں۔

❶ بھول چوک میں اگر کسی نے نسیانا روزہ افطار کیا تو اس میں نہ قضاء ہے نہ کفارہ ہے۔

❷ قصد وعمد کے ساتھ رمضان کا روزہ افطار کرنے کی صورت میں دوماہ مسلسل روزے رکھنے کا کفارہ واجب ہو جاتا ہے۔

❸ کسی شرعی عذر کی وجہ سے اگر روزہ افطار کیا تو اس میں قضا لازم آتی ہے۔اس باب میں زیادہ تر احادیث اسی مسئلہ کے ساتھ متعلق ہیں۔

شارحین لکھتے ہیں کہ راجح یہی ہے کہ یہاں قضا سے رمضان کے روزوں کی قضا مراد ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قضا روزے

﴿۱﴾ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ يَكُونُ عَلَيَّ الصَّوْمُ مِنْ رَمَضَانَ فَمَا أَسْتَطِيعُ أَنْ أَقْضِيَ إِلَّا فِي شَعْبَانَ قَالَ يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ تَعْنِي الشُّغْلَ مِنَ النَّبِيِّ أَوْ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. [2] (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میرے ذمہ رمضان کے جو روزے ہوتے ان کی قضا میں صرف شعبان ہی کے مہینہ میں رکھ سکتی تھی، یحیٰ ابن سعید کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مشغولیت یا کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے ساتھ مشغولیت حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو (شعبان کے علاوہ اور کسی مہینے میں) رمضان کے قضا روزے رکھنے سے باز رکھتی تھی۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: ''قالت کان یکون'' علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''یکون'' کا کلمہ زائد ہے ملا علی قاری رحمہ اللہ کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ ''کان'' شان کے معنی میں مستعمل ہے اور ''یکون'' اپنی جگہ پر قائم ہے ''ای کان الشان یکون علی الصوم'' یعنی معاملہ ایسا تھا کہ میرے ذمہ پر قضا روزے ہوتے تھے۔یعنی بوجہ ماہواری رمضان کے روزے قضا ہو جاتے تھے تو میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی وجہ سے روزوں کی قضاء کے

[1] بقرہ: ۱۸۴ [2] اخرجہ البخاری: ۳/۳۵ ومسلم: ۱/۳۶۳

لئے فارغ نہیں ہوسکتی تھی الایہ کہ شعبان کا مہینہ جب آتا تھا تو حضور اکرم ﷺ بھی روزے رکھتے تھے اور میں بھی رکھنے کے لئے فارغ ہو جاتی تھی۔[۱]

''من النبی اوبالنبی'' یہ راوی کا کلام ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے کلام کی تشریح وتفسیر کرنا چاہتے ہیں یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ''لااستطیع'' کے کلام سے مراد یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں مشغول رہتی تھیں یا حضور اکرم ﷺ کی خدمت کے ساتھ مشغول تھیں ملاعلی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہاں ''من'' تعلیل کے لئے ہے اور با سبب کے لئے ہے۔[۲]

عورت شوہر کی مرضی کے بغیر نفل روزہ نہ رکھے

﴿۲﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَحِلُّ لِلْمَرْأَةِ أَنْ تَصُوْمَ وَزَوْجُهَا شَاهِدٌ إِلَّا بِإِذْنِهِ وَلَا تَأْذَنَ فِي بَيْتِهِ إِلَّا بِإِذْنِهِ.[۳] (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کسی عورت کے لئے اپنے خاوند کی موجودگی میں اس کی اجازت کے بغیر نفل روزے رکھنا درست نہیں ہے نیز کوئی عورت اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر کسی کو اپنے گھر میں گھسنے کی اجازت نہ دے۔ (مسلم)

توضیح: اس حدیث میں دو حکم بیان ہوئے ہیں پہلا حکم یہ ہے کہ شوہر جب گھر پر موجود ہو تو عورت کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ شوہر کی مرضی اور اجازت کے بغیر روزہ رکھے ''لایحل'' سے اسی حکم کا بیان ہوا ہے۔ دوسرا حکم یہ ہے کہ کسی عورت کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر کسی بھی شخص کو گھر میں گھسنے دے خواہ وہ شخص اس کے خاندان کا کیوں نہ ہو اور رشتہ دار کیوں نہ ہو۔ تاہم یہاں اتنی گنجائش ہے کہ شوہر کی اجازت کبھی زبان سے صراحۃً ہوتی ہے اور کبھی دلالۃً اشارۃً ہوتی ہے کہ عورت جانتی ہے کہ شوہر اپنے فلاں رشتہ دار کے آنے سے ناگواری محسوس نہیں کرتا ہے۔ بہر حال شوہر کی اس اجازت میں مردوں کے ساتھ ساتھ عورتیں بھی شامل ہیں کہ شوہر کی مرضی کے بغیر کسی عورت کو اندر نہ آنے دے۔[۴]

حائضہ پر روزہ کی قضا واجب ہے نماز کی نہیں

﴿۳﴾ وَعَنْ مُعَاذَةَ الْعَدَوِيَّةِ أَنَّهَا قَالَتْ لِعَائِشَةَ مَا بَالُ الْحَائِضِ تَقْضِي الصَّوْمَ وَلَا تَقْضِي الصَّلَاةَ

[۱] الکاشف: ۴/۲۰۶ والمرقات: ۴/۵۲۵ [۲] المرقات: ۴/۵۲۶ [۳] اخرجہ مسلم: ۱/۴۱۰ [۴] المرقات: ۴/۵۲۷

قَالَتْ عَائِشَةُ كَانَ يُصِيبُنَا ذٰلِكَ فَنُؤْمَرُ بِقَضَاءِ الصَّوْمِ وَلَا نُؤْمَرُ بِقَضَاءِ الصَّلَاةِ۔ [1] (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

ترجمہ: اور حضرت معاذہ عدویہ رحمۃ اللہ علیہا (جن کی کنیت ام الصہبا ہے اور ایک جلیل القدر تابعیہ ہیں) کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا کہ یہ کیا وجہ ہے کہ حائضہ عورت پر روزہ کی قضاء واجب ہے مگر نماز کی قضاء واجب نہیں ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ مبارک میں جب ہمیں حیض آتا تو ہمیں روزہ کی قضاء کا حکم دیا جاتا تھا لیکن نماز کی قضا کا حکم نہیں دیا جاتا تھا۔ (مسلم)

توضیح: ''ولا تقضی الصلوۃ'' اس عورت نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نماز کی عدم قضا اور روزہ کی قضا کے فرق سے متعلق سوال کیا تھا لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس کو جواب نہیں دیا بلکہ اشارہ فرمایا کہ اس تفریق میں پڑنے سے کوئی فائدہ نہیں نہ کوئی اعلیٰ مقصد ہے بلکہ شانِ عبودیت کا تقاضا یہ ہے کہ شارع نے جو حکم دیا ہے بلا چون وچرا اس پر عمل کیا جائے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عادت یہی تھی کہ وہ لمبے چوڑے قصے نہ تو پوچھتے تھے اور نہ بیان کرتے تھے اور نہ احکام کی حکمتوں کے پیچھے پڑتے تھے بلکہ ادھر حکم آتا ادھر اس پر عمل کرتے چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی یہی جواب دیا کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں ماہواری میں ہم کو حکم ہوتا تھا کہ روزوں کی قضا کرو اس میں نمازوں کا ذکر نہیں تھا اس عورت نے شائید خوارج کی وجہ سے سوال کیا تھا جن کے نزدیک نماز کا چھوڑنا باعث کفر ہے بعض روایات میں حضرت عائشہ نے فرمایا ''احروریۃ انت'' یعنی کیا تم حرورا پارٹی سے تعلق رکھتی ہو یعنی خوارج میں سے ہو؟ [2]

بہر حال نمازوں کی قضاء کے حکم دینے میں بڑا حرج ہوتا کیونکہ نمازیں ہر روز ہوتی ہیں اور رمضان کا مہینہ تو بارہ ماہ میں ایک ہی بار آتا ہے اس دس دن کی قضاء کوئی مشکل نہیں ہے اس حدیث سے علماء کو بڑا سبق ملتا ہے کہ وہ اس بات کا التزام نہ کریں کہ ہر حکم کی حکمت عوام کے سامنے پیش کیا کریں عمل کرنے سے کام ہے مصلحت وحکمت کے ڈھونڈھنے سے مطلب نہیں۔

میت کی طرف سے روزوں کے فدیہ کا مسئلہ

﴿۴﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ صَوْمٌ صَامَ عَنْهُ وَلِيُّهُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) [3]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جس شخص کا انتقال ہو جائے اور اس کے ذمہ روزے ہوں تو اس کی طرف سے اس کے ورثاء روزہ رکھیں (یعنی فدیہ دیں)۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: ''من مات'' اگر کوئی شخص مر گیا اور اس کے ذمہ رمضان کے روزے ہوں تو اس کی قضا میں علماء کا اس

[1] اخرجہ مسلم: ۱/۱۵۰ [2] المرقات: ۴/۵۲۷ [3] اخرجہ البخاری: ۳/۳۵ ومسلم: ۱/۳۶۳

طرح اختلاف ہے کہ آیا فدیہ ادا کیا جائے یا میت کی جانب سے روزہ رکھا جائے۔علماء احناف اس طرح تفصیل فرماتے ہیں کہ اگر میت نے اپنے روزوں کے فدیہ کی وصیت کی ہو اور میت کے ترکہ میں اتنا مال بھی ہو جس سے فدیہ ادا ہو سکے تو ورثا پر واجب ہے کہ وہ میت کے قضاروزوں کا فدیہ دے۔اور اگر میت نے کوئی مال نہیں چھوڑا ہو تو ورثا پر لازم نہیں ہے کہ وہ اپنی طرف سے فدیہ ادا کریں ہاں اگر کوئی ادا کرتا ہے تو وہ تبرع واحسان ہے مقدار فدیہ ایک روزہ کے لئے نصف صاع گندم ہے۔

اب رہ گئی یہ صورت کہ اگر کوئی وارث اپنے مورث کی جانب سے نماز کا فدیہ ادا کرتا ہے۔تو اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟اس کے بارہ میں ائمہ احناف میں سے امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص میت کی طرف سے قضا شدہ نمازوں کا فدیہ ادا کرنا چاہتا ہے تو نمازوں کو روزوں پر قیاس کر کے کہا جا سکتا ہے کہ یہ فدیہ بھی جائز ہوگا اور ان شاء اللہ اس سے فائدہ بھی ہوگا احناف کے ہاں ہر نفلی عبادت کے ثواب کا ایصال بھی جائز ہے اب رہ گئی یہ صورت کہ ایک شخص اپنی میت کی طرف سے ان کے روزوں کے بدلے روزے رکھ کر فدیہ ادا کرنا چاہتا ہے تو کیا یہ جائز ہے یا نہیں اس میں علماء کا اختلاف ہے۔

فقہاء کا اختلاف:

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے نزدیک وارث اپنی میت کی طرف سے فدیہ میں روزہ رکھ سکتا ہے،لیکن امام مالک رحمہ اللہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام شافعی رحمہ اللہ جمہور فرماتے ہیں کہ کوئی شخص اپنے مورث کی طرف سے فدیہ میں روزہ نہیں رکھ سکتا۔[1]

دلائل:

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے زیر بحث حدیث سے استدلال کیا ہے جو بالکل واضح دلیل ہے۔

جمہور نے فصل ثالث کی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے استدلال کیا ہے جس میں یہ الفاظ ہیں "**لا یصوم احد عن احد الخ**" جمہور نے ساتھ والی حضرت نافع رحمہ اللہ کی حدیث نمبر ۵ سے بھی استدلال کیا ہے جس میں "**اطعام الطعام**" سے فدیہ ادا کرنے کا حکم ہے۔

جواب: جمہور کی طرف سے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی دلیل کے دو جواب دیے ہیں۔

پہلا جواب یہ ہے کہ "**صام عنه ولیه**" کا مطلب یہ نہیں کہ وارث اس کی طرف سے روزہ ہی رکھے بلکہ دیگر احادیث کو دیکھ کر تطبیق کی غرض سے یہی کہا جائے گا کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ورثا اس میت کے قضاروزوں کی ادائیگی

---

[1] المرقات: ۴/۵۲۸

کا کوئی انتظام کرے اور وہ انتظام فدیہ ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ دیگر احادیث کے پیش نظر زیر بحث حدیث منسوخ اور موقوف ہے۔ [۱]

الفصل الثانی

﴿۵﴾ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ صِيَامُ شَهْرِ رَمَضَانَ فَلْيُطْعَمْ عَنْهُ مَكَانَ كُلِّ يَوْمٍ مِسْكِيْنٌ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ وَالصَّحِيْحُ أَنَّهُ مَوْقُوْفٌ عَلَى ابْنِ عُمَرَ) [۱]

ترجمہ: حضرت نافع رحمہ اللہ (تابعی) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کا انتقال ہوجائے اور اس کے ذمہ رمضان کے روزے ہوں تو اس کی طرف سے ہر روزہ کے بدلہ ایک مسکین کو کھانا کھلانا چاہیئے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ یہ روایت ابن عمر رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے یعنی یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی نہیں ہے بلکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

الفصل الثالث

کسی کی جانب سے نہ نماز پڑھی جاسکتی ہے نہ روزہ رکھا جاسکتا ہے

﴿۶﴾ عَنْ مَالِكٍ بَلَغَهُ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يُسْئَلُ هَلْ يَصُوْمُ أَحَدٌ عَنْ أَحَدٍ أَوْ يُصَلِّيْ أَحَدٌ عَنْ أَحَدٍ فَيَقُوْلُ لَا يَصُوْمُ أَحَدٌ عَنْ أَحَدٍ وَلَا يُصَلِّيْ أَحَدٌ عَنْ أَحَدٍ. (رَوَاهُ فِي الْمُوَطَّأ) [۲]

ترجمہ: حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ ان تک یہ روایت پہنچی ہے کہ ''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا جاتا تھا کہ کیا کوئی شخص کسی دوسرے کی طرف سے نماز پڑھ سکتا ہے یا کسی دوسرے کی طرف سے روزہ رکھ سکتا ہے؟ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اس کے جواب میں فرمایا کرتے تھے کہ نہ تو کوئی شخص کسی دوسرے کی طرف سے نماز پڑھے اور نہ کسی دوسرے کی طرف سے روزہ رکھے۔ (موطأ)

توضیح: ''ولا یصلی احد عن احد'' یعنی کسی شخص کی جانب سے اس کی قضا شدہ نمازوں کو اس کے ورثاء میں سے کوئی شخص نہیں پڑھ سکتا ہے اور نہ کسی کی جانب سے کوئی روزہ رکھ سکتا ہے ہاں یہ بات احناف کے ہاں مسلم ہے کہ نفل نماز پڑھ کر یا نفل روزہ رکھ کر یا نفل حج کر کے اس کا ثواب میت کو ارسال وایصال کرسکتا ہے۔ [۳]

[۱] اخرجه الترمذی: ۳/۹۶ [۲] اخرجه مالك: ۳۰۳ ح ۴۳ [۳] المرقات: ۴/۵۳۰

باب صيام التطوع

نفل روزوں کا بیان

قال الله تعالى ﴿وما تقدموا لانفسكم من خير تجدوه عند الله﴾ [۱]

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر فرض عبادت کے ساتھ نفل عبادت بھی مشروع فرمادی ہے تاکہ اس نفل کے ذریعہ سے اس فرض کی تکمیل ہوجائے اور اگر کسی سے کوئی فریضہ رہ جائے تو نوافل سے اس کا تدارک ہوجائے اس باب میں حضور اکرم ﷺ کے نفلی روزوں کا بیان ہے پھر عام امت کے لئے ماہ وسال میں مختلف ایام اور مختلف تاریخوں میں خاص خاص نفل روزوں کا بیان ہے اور بعض ایام میں ممانعت کا بیان ہے زیادہ تر ایام بیض کا ذکر ہے یوم عاشورہ اور عرفہ کا ذکر ہے اور صوم داؤدی کا ذکر ہے۔

الفصل الاول

نفلی روزوں میں آنحضرت ﷺ کا معمول

﴿۱﴾ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُوْمُ حَتّٰى نَقُوْلَ لَا يُفْطِرُ وَيُفْطِرُ حَتّٰى نَقُوْلَ لَا يَصُوْمُ وَمَا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَكْمَلَ صِيَامَ شَهْرٍ قَطُّ إِلَّا رَمَضَانَ وَمَا رَأَيْتُهُ فِيْ شَهْرٍ أَكْثَرَ مِنْهُ صِيَامًا فِيْ شَعْبَانَ، وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَتْ كَانَ يَصُوْمُ شَعْبَانَ كُلَّهُ وَكَانَ يَصُوْمُ شَعْبَانَ إِلَّا قَلِيْلًا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) [۲]

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب (نفل) روزے رکھنے شروع کرتے تو ہم کہتے کہ اب آپ روزے رکھنا ختم نہیں کریں گے اور جب روزے نہ رکھنے پر آتے تو ہم کہتے کہ اب آپ ﷺ کبھی روزہ نہیں رکھیں گے۔ میں نے آنحضرت ﷺ کو رمضان کے علاوہ اور کسی مہینہ میں پورے ماہ روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا اور میں نے آپ ﷺ کو شعبان کے علاوہ اور کسی مہینہ میں زیادہ روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا (یعنی آپ ﷺ شعبان کے مہینے میں جتنے زیادہ روزے رکھتے تھے اتنے اور کسی مہینہ میں علاوہ رمضان کے نہیں رکھتے تھے) ایک اور روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا ''آنحضرت ﷺ شعبان کے پورے ماہ روزے رکھا کرتے تھے (یعنی) ماہ شعبان میں چند دن چھوڑ کر بقیہ دنوں میں روزے سے رہا کرتے تھے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: ''لایفطر'' یعنی آنحضرت ﷺ کا نفل روزوں میں یہ عادت مبارکہ تھی کہ کبھی آپ اس طرح تسلسل

[۱] بقرہ الایۃ ۱۸۳ [۲] اخرجه البخاری: ۳/۵۰ ومسلم: ۱/۳۶۸

کے ساتھ روزے رکھتے تھے کہ دیکھنے والا خیال کرتا تھا کہ آپ ﷺ کبھی بھی روزہ نہیں کھولیں گے اور کبھی آپ نفل روزے بند فرماتے تو دیکھنے والا سمجھتا کہ آنحضرت ﷺ کبھی نفل روزہ نہیں رکھیں گے۔ [1]

''کان یصوم شعبان الاقلیلا'' اس جملہ سے پہلے جو جملہ ہے وہ اسی طرح ہے لیکن اس میں **کُلَّهٗ** کا لفظ ہے اور یہاں وہی جملہ دہرایا گیا ہے لیکن **اِلَّا قَلِیْلًا** کا لفظ زائد ہے تو اس کلام میں تناقض بھی ہے اور تکرار بھی ہے۔ شارحین میں سے ملاعلی قاری رحمہ اللہ نے اس کلام کی دو توجیہات کی ہیں پہلی توجیہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کبھی تو پورے شعبان کے روزے رکھتے تھے اور کبھی پورے نہیں رکھتے تھے یعنی ایک سال مکمل رکھتے تھے اور دوسرے سال کچھ رکھتے تھے۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ یہاں اگرچہ حرف عطف نہیں ہے لیکن دوسرا جملہ پہلے جملے پر عطف ہے اور یہ عطف تفسیری ہے گویا دوسرا جملہ پہلے جملہ کی وضاحت ہے یعنی آپ ﷺ شعبان کے تھوڑے دن کے روزے رکھتے تھے۔ [2]

﴿۲﴾ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ شَقِيْقٍ قَالَ قُلْتُ لِعَائِشَةَ أَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُوْمُ شَهْرًا كُلَّهٗ قَالَتْ مَا عَلِمْتُهٗ صَامَ شَهْرًا كُلَّهٗ إِلَّا رَمَضَانَ وَلَا أَفْطَرَهٗ كُلَّهٗ حَتّٰى يَصُوْمَ مِنْهُ حَتّٰى مَضٰى لِسَبِيْلِهٖ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) [3]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ بن شقیق رحمہ اللہ (تابعی) کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا کہ کیا نبی کریم ﷺ پورے مہینہ روزہ رکھا کرتے تھے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ ''میں نہیں جانتی کہ آپ ﷺ نے کبھی کسی مہینہ میں پورے ماہ روزے رکھے ہوں علاوہ رمضان کے اور میں ایسا کوئی مہینہ بھی نہیں جانتی جس میں آپ ﷺ نے بالکل روزے نہ رکھے ہوں کیونکہ آپ ﷺ ہر مہینہ میں کچھ دن روزے سے رہا کرتے تھے (آپ ﷺ کا یہی معمول رہا) یہاں تک کہ آپ ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے۔ (مسلم)

﴿۳﴾ وَعَنْ عِمْرَانَ ابْنِ حُصَيْنٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهٗ سَأَلَهٗ أَوْ سَأَلَ رَجُلًا وَعِمْرَانُ يَسْمَعُ فَقَالَ يَا أَبَا فُلَانٍ أَمَا صُمْتَ مِنْ سَرَرِ شَعْبَانَ قَالَ لَا قَالَ فَإِذَا أَفْطَرْتَ فَصُمْ يَوْمَيْنِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) [4]

ترجمہ: اور حضرت عمران ابن حصین رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے عمران سے پوچھا یا کسی دوسرے شخص سے پوچھا اور عمران سنتے تھے کہ ''اے فلاں شخص کے باپ: کیا تم نے شعبان کے آخری دنوں کے روزے نہیں رکھے؟ انہوں نے کہا کہ نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا جب تم رمضان کے روزوں سے فارغ ہوجاؤ تو دو دن روزے رکھ لینا۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: ''سرر شعبان'' ہر چیز کے آخری حصہ کو ''سرر'' کہتے ہیں سرار کا لفظ بھی ایک روایت میں آیا ہے

[1] المرقات: ۴/۵۳۱ [2] المرقات: ۴/۵۳۱ [3] اخرجہ مسلم: ۱/۳۶۷ [4] اخرجہ البخاری: ۳/۵۳ ومسلم: ۱/۴۷۳

قاموس میں لکھا ہے کہ سرر اور سرار مہینے کے آخری رات کو کہتے ہیں۔ چونکہ اس رات میں چاند چھپ جاتا ہے اس لئے اس کو سرر کہد یا گیا شاعر کہتا ہے [1]

شُهُورٌ يَنْقَضِيْنَ وَمَا شَعَرْنَا لِانْصَافٍ لَهُنَّ وَلَاسِرَارٍ [2]

یہاں اس حدیث میں آنحضرت ﷺ سے یا تو عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے سوال کیا ہے یا کسی اور صحابی رضی اللہ عنہ نے پوچھا اور عمران رضی اللہ عنہ سن رہے تھے جو کچھ بھی ہو لیکن معلوم ایسا ہو رہا ہے کہ اس شخص نے شعبان کے آخری دو دن کے روزے اپنے اوپر بطور نذر واجب کر رکھے تھے تو حضور اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا کہ جب رمضان کا مہینہ گذر جائے تو تم اپنے واجب روزوں کے بدلے دو روزے رکھ لو۔

عاشورہ کے روزہ کی فضیلت

﴿۴﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْضَلُ الصِّيَامِ بَعْدَ رَمَضَانَ شَهْرُ اللّٰهِ الْمُحَرَّمُ وَأَفْضَلُ الصَّلَاةِ بَعْدَ الْفَرِيْضَةِ صَلَاةُ اللَّيْلِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) [3]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا رمضان کے روزے کے بعد بہترین روزے اللہ تبارک وتعالیٰ کے مہینے ماہ محرم کے روزے ہیں اور فرض نماز کے بعد سب سے بہتر نماز رات کی نماز ہے۔ (مسلم)

توضیح: حدیث کے ظاہری الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ محرم کے پورے مہینہ میں روزہ رکھنے کی فضیلت ہے لیکن عام علماء کہتے ہیں کہ زیر بحث حدیث میں محرم کے روزہ سے مراد یوم عاشورا کا روزہ ہے۔ محرم کی نسبت اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف کی گئی کہ یہ اللہ کا مہینہ ہے یہ شرف وعزت کی وجہ سے ہے ورنہ سارے مہینے اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہیں۔
''صلوۃ اللیل'' علماء نے لکھا ہے کہ سنن مؤکدہ تہجد سے افضل ہیں مگر یہاں تہجد کو سنن مؤکدہ سے افضل قرار دیا گیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں فرائض وسنن دونوں کے بعد تہجد کی فضیلت کا بیان کیا گیا ہے تو سنن مؤکدہ افضل ہیں۔ [4]

﴿۵﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَحَرّٰى صِيَامَ يَوْمٍ فَضَّلَهٗ عَلٰى غَيْرِهٖ إِلَّا هٰذَا الْيَوْمَ يَوْمَ عَاشُوْرَاءَ وَهٰذَا الشَّهْرَ يَعْنِيْ شَهْرَ رَمَضَانَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) [5]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نہیں دیکھا کہ رسول کریم ﷺ کسی دن روزہ کا ارادہ کرتے ہوں اور اس دن کو کسی دوسرے دن پر فضیلت دیتے ہوں۔ مگر اس دن یعنی یوم عاشوراء کو اور اس مہینہ یعنی ماہ رمضان (کو دوسرے دن اور دوسرے مہینہ پر فضیلت دیتے تھے۔ (بخاری ومسلم)

[1] المرقات: ۴/۵۳۳ [2] المرقات: ۴/۵۳۳ [3] اخرجہ مسلم: ۱/۳۶۳ [4] المرقات: ۴/۵۳۴ [5] اخرجہ البخاری: ۳/۵۷ ومسلم: ۱/۳۵۹

علماء فرماتے ہیں کہ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا فہم اور خیال ہے ورنہ یوم عرفہ کا روزہ یوم عاشورا سے افضل ہے۔

محرم کی نو اور دس کو روزہ رکھنا مستحب ہے

﴿۶﴾ وَعَنْهُ قَالَ حِيْنَ صَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ عَاشُوْرَاءَ وَأَمَرَ بِصِيَامِهِ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّهُ يَوْمٌ يُعَظِّمُهُ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَئِنْ بَقِيْتُ إِلٰى قَابِلٍ لَأَصُوْمَنَّ التَّاسِعَ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جس وقت رسول کریم ﷺ نے عاشوراء کے دن روزہ رکھا اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی اس دن روزہ رکھنے کا حکم دیا تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یارسول اللہ: یہ تو وہ دن ہے جو یہود و نصاریٰ کے ہاں بڑا باعظمت ہے (اور چونکہ یہود و نصاریٰ کی مخالفت ہمارا شیوہ ہے لہٰذا ہم روزہ رکھ کر اس دن کی عظمت کرنے میں یہود و نصاریٰ کی موافقت کیسے کریں) آپ ﷺ نے فرمایا اگر میں آئندہ سال زندہ رہا تو نویں تاریخ کو ضرور روزہ رکھوں گا۔ (مسلم)

یوم عرفہ کا روزہ

﴿۷﴾ وَعَنْ أُمِّ الْفَضْلِ بِنْتِ الْحَارِثِ أَنَّ نَاسًا تَمَارَوْا عِنْدَهَا يَوْمَ عَرَفَةَ فِيْ صِيَامِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ بَعْضُهُمْ هُوَ صَائِمٌ وَقَالَ بَعْضُهُمْ لَيْسَ بِصَائِمٍ فَأَرْسَلْتُ إِلَيْهِ بِقَدَحِ لَبَنٍ وَهُوَ وَاقِفٌ عَلٰى بَعِيْرِهٖ بِعَرَفَةَ فَشَرِبَهُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۲]

ترجمہ: اور حضرت ام فضل بنت حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ (ایک مرتبہ) عرفہ کے روز میرے سامنے کچھ لوگ نبی کریم ﷺ کے روزہ کے بارے میں بحث کرنے لگے بعض لوگ تو کہہ رہے تھے کہ آپ ﷺ (آج) روزہ سے ہیں۔ اور بعض لوگوں کا کہنا یہ تھا کہ آپ ﷺ روزہ سے نہیں ہیں (یہ دیکھ کر) میں نے دودھ کا ایک پیالہ آپ ﷺ کے پاس بھیجا آپ اس وقت میدان عرفات میں اپنے اونٹ پر کھڑے تھے چنانچہ آپ ﷺ نے وہ دودھ (لے کر) پی لیا۔ (بخاری ومسلم)

ذوالحجہ کے عشرۂ اوّل میں روزہ

﴿۸﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَائِمًا فِي الْعَشْرِ قَطُّ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[۳]

ترجمہ: اور ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو عشرہ میں روزہ رکھتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا۔ (مسلم)

[۱] اخرجه مسلم: ۱/۳۶۰ [۲] اخرجه البخاری: ۲/۱۹۸ ومسلم: ۱/۳۵۵ [۳] اخرجه مسلم: ۱/۳۸۰، ۱/۳۸۱

توضیح: ذوالحجہ کا پہلا عشرہ بہت ہی فضیلتوں والا ہے اس میں یوم عرفہ ہے جو بہت ہی برکتوں والا ہے علماء کا اس میں اختلاف ہوا ہے کہ آیا رمضان کا عشرۂ اخر زیادہ فضیلت والا ہے یا ذوالحجہ کا پہلا عشرہ زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔ علماء کہتے ہیں کہ اگر رمضان کے اخری عشرہ سے لیلۃ القدر کو ہٹا دیا جائے تو اس سے ذوالحجہ کا عشرہ افضل ہو جائے گا۔ بہر حال ہر مسلمان کو چاہئے کہ اس عشرہ میں خوب روزے رکھے حضور اکرم ﷺ نے اس میں روزے رکھے ہیں اور امت کو اس کی ترغیب دی ہے۔

ترمذی شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مذکور ہے جس میں یہ الفاظ آئے ہیں۔[1]

"ما من ایام احب الی اللہ ان یتعبد فیہا من عشر ذی الحجہ یعدل صیام کل یوم منہا بصیام سنۃ الخ"۔ (توضیحات ج۲ ص ۹۳۳)

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی سند کو ضعیف کہا ہے لیکن ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقات میں اس حدیث کو نقل کرنے سے پہلے لکھتے ہیں "**دل الحدیث المشہور وھو الخ**" اب سوال یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے زیر بحث حدیث میں یہ کیسے فرما دیا کہ میں نے کبھی بھی حضور اکرم ﷺ کو اس عشرہ میں روزہ رکھتے ہوئے نہیں دیکھا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے علم اور اپنے نہ دیکھنے کے اعتبار سے نفی فرمائی ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ حقیقت میں آنحضرت ﷺ نے روزہ نہیں رکھا ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے عدم علم سے عدم ثبوت لازم نہیں آتا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ چلو یہ فرض کرلو کہ آنحضرت ﷺ نے خود نہیں رکھے ہیں جیسے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں لیکن آپ نے امت کو اس کی ترغیب دی ہے یہ ترغیب کافی اور شافی ہے۔ جس طرح اوپر ترمذی شریف کی حدیث میں ہے نیز یوم عرفہ کے روزے کی ترغیب تو بہت ہی مشہور ہے ساتھ والی حدیث ۹ میں صوم عرفہ کی بہت بڑی فضیلت مذکور ہے۔

نفل روزوں کی عمدہ ترتیب

﴿۹﴾ وَعَنْ أَبِي قَتَادَةَ أَنَّ رَجُلاً أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كَيْفَ تَصُوْمُ فَغَضِبَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ قَوْلِهِ فَلَمَّا رَأَى عُمَرُ غَضَبَهُ قَالَ رَضِيْنَا بِاللهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِيْنًا وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا نَعُوْذُ بِاللهِ مِنْ غَضَبِ اللهِ وَغَضَبِ رَسُوْلِهِ فَجَعَلَ عُمَرُ يُرَدِّدُ هٰذَا الْكَلَامَ حَتّٰى سَكَنَ غَضَبُهُ فَقَالَ عُمَرُ يَارَسُوْلَ اللهِ كَيْفَ مَنْ يَصُوْمُ الدَّهْرَ كُلَّهُ قَالَ لَاصَامَ وَلَاأَفْطَرَ أَوْ قَالَ لَمْ

[1] المرقات: ۵۳۸/۴، ۵۳۹

يَصُمْ وَلَمْ يُفْطِرْ قَالَ كَيْفَ مَنْ يَصُوْمُ يَوْمَيْنِ وَيُفْطِرُ يَوْمًا قَالَ وَيُطِيْقُ ذٰلِكَ أَحَدٌ قَالَ كَيْفَ مَنْ يَصُوْمُ يَوْمًا وَيُفْطِرُ يَوْمًا قَالَ ذٰلِكَ صَوْمُ دَاوُدَ قَالَ كَيْفَ مَنْ يَصُوْمُ يَوْمًا وَيُفْطِرُ يَوْمَيْنِ قَالَ وَدِدْتُ أَنِّيْ طُوِّقْتُ ذٰلِكَ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثٌ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ وَرَمَضَانَ إِلٰى رَمَضَانَ فَهٰذَا صِيَامُ الدَّهْرِ كُلِّهٖ صِيَامُ يَوْمِ عَرَفَةَ أَحْتَسِبُ عَلَى اللهِ أَنْ يُكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِيْ قَبْلَهٗ وَالسَّنَةَ الَّتِيْ بَعْدَهٗ وَصِيَامُ يَوْمِ عَاشُوْرَاءَ أَحْتَسِبُ عَلَى اللهِ أَنْ يُكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِيْ قَبْلَهٗ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

ترجمہ: اور حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھنے لگا کہ آپ ﷺ روزہ کس طرح رکھتے ہیں؟ (یہ سن کر) رسول کریم ﷺ (کے چہرۂ مبارک پر) غصہ (کے آثار ظاہر) ہوگئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (جو اس وقت مجلس میں حاضر تھے) جب آپ ﷺ کے غصہ کی یہ کیفیت دیکھی تو فورا بول اٹھے کہ "ہم راضی ہوئے اللہ تبارک وتعالیٰ کے رب ہونے پر اسلام کے دین ہونے پر اور محمد ﷺ کے نبی ہونے پر اور ہم اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے غضب سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ جملے بار بار کہتے رہے یہاں تک کہ آپ ﷺ کا غصہ ٹھنڈا ہوا اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ "یا رسول اللہ: ہمیشہ روزہ رکھنے والے کے بارے میں آپ ﷺ کیا فرماتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس نے نہ روزہ رکھا اور نہ وہ بغیر روزہ رہا۔ یا فرمایا نہ روزہ رکھا اور نہ بغیر روزہ رہا۔ (اس موقع پر راوی کو شک ہے کہ آپ ﷺ نے **لَا صَامَ وَلَا أَفْطَرَ** فرمایا **لَمْ يَصُمْ وَلَمْ يُفْطِرْ**) پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے جو دو دن تو روزہ سے رہے اور ایک دن بغیر روزہ رہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا "کوئی اس کی طاقت رکھتا ہے؟ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ "اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے جو ایک دن روزہ رکھے اور ایک دن روزہ نہ رکھے؟ فرمایا "یہ حضرت داؤد علیہ السلام کا روزہ ہے" اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ اچھا اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے جو ایک دن تو روزہ رکھے اور دو دن بغیر روزہ رہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا "میں اسے پسند کرتا ہوں کہ مجھے اتنی طاقت میسر آجائے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ "ایک رمضان سے دوسرے رمضان تک ہر مہینے کے تین روزے ہمیشہ کے روزے کے برابر ہیں (یعنی ان کا ثواب ہمیشہ روزہ رکھنے کے ثواب کے برابر ہوتا ہے) اور (غیر حج کی حالت میں) عرفہ کا روزہ تو مجھے خدا سے امید ہے کہ وہ (اس روزہ کی وجہ سے) اس سے پہلے سال کے گناہ دور کردے گا اور اس کے بعد والے سال کے گناہ بھی دور کردے گا (یعنی یا تو اللہ تبارک وتعالیٰ آئندہ سال گناہوں سے محفوظ رکھے گا یا یہ کہ اگر گناہ سرزد ہوں گے تو معاف کردیئے جائیں گے، اور یوم عاشوراء کے روزہ کے بارے میں بھی مجھے خدا سے امید ہے کہ وہ (اس روزہ کی بناء پر) ایک سال پہلے کے گناہ دور کردے گا۔ (مسلم)

توضیح: **"کیف تصوم"** سائل کو اس طرح سوال نہیں کرنا چاہئے تھا کیونکہ اس نے نبی اکرم ﷺ کی عبادت کی کیفیت پوچھی حالانکہ ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا بلکہ ان کے لئے مناسب تھا کہ اپنے احوال کے مطابق روزہ رکھنے کا سوال کرتے کیونکہ حضور اکرم ﷺ کا معاملہ تو مہمانوں کے ساتھ بھی تھا اور عام مسلمانوں تک وحی کی امانت پہنچانے کا معاملہ بھی درپیش تھا وحی کا تحمل بھی کرنا تھا ازواج مطہرات کے معاملات بھی تھے الغرض آپ کی عبادت میں قلت بھی مصلحت کے تحت ہوتی تھی اور کثرت میں بھی مصلحت تھی تا کہ قلیل وکثیر عبادت میں امت کے ہر فرد کے لئے نمونہ قائم رہے اس وجہ سے حضور ﷺ ناراض ہوگئے۔ پھر اس سائل کا سوال آداب نبوت کے خلاف بھی تھا ان وجوہات کی وجہ سے حضور اکرم ﷺ سخت ناراض ہوگئے حالانکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ سے جو سوال کیا ہے وہ بالکل یہی سوال ہے جو اس شخص نے پوچھا لیکن سوال کا انداز بدلا ہوا تھا اسلوب مناسب تھا جس کا جواب حضور اکرم ﷺ نے دیا۔ **"ویردد هذا الكلام"** یعنی عمر نے جو اقرار دین اور تعوذ من الشیطان کی دعا مانگی اور اس کو مسلسل پڑھتے رہے یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ کا غصہ فرو ہوا یہی طریقہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور خاص کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اختیار فرماتے تھے۔

"لا صام ولا افطر" اس کا ایک مطلب تو بددعا ہے۔[1] دوسرا مطلب یہ ہے کہ یہ اس شخص کی حالت کے متعلق خبر ہے کہ نہ اس نے روزہ رکھا کیونکہ شریعت کے حکم کے مطابق نہ رکھنے کی وجہ سے اس کو ثواب نہیں ملے گا اور نہ افطار کیا کیونکہ فی الحقیقۃ تو اس نے روزہ رکھا ہے بظاہر نہ کچھ کھایا نہ پیا۔ شوافع حضرات فرماتے ہیں کہ عمل کا یہ ضیاع اس شخص کے لئے ہے جو سال بھر روزوں میں ایام ممنوعہ روزے بھی رکھے یعنی عیدین اور ایام تشریق کے روزے رکھے اگر ایسا نہ ہو تو سال بھر کے روزے جائز ہیں۔

احناف کے محقق ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سال بھر کے روزے مکروہ تنزیہی ہے کیونکہ اس سے ضعف بدنی آتا ہے جس سے آدمی دیگر عبادات اور جہاد سے رہ جاتا ہے جس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ اگر کوئی شخص کمزور نہیں پڑتا تو اس کے لئے یہ روزہ جائز ہے۔ چنانچہ بہت سارے صحابہ رضی اللہ عنہم سال بھر کے روزے رکھتے تھے صرف پانچ ممنوعہ ایام چھوڑتے تھے۔[2]

"ویطیق" ای او یطیق؟ کیا اس کی طاقت کسی میں ہے؟[3]

"ثلاث من كل شهر" اس سے مراد ایام بیض کے روزے ہیں جو چاند کی تیرہ چودہ اور پندرہ تاریخوں میں ہوتے ہیں بعض علماء نے لکھا ہے کہ ایام بیض کا ثواب انہیں تاریخوں میں ملتا ہے ورنہ نہیں لیکن بعض علماء فرماتے ہیں کہ تین دن کے یہ روزے مہینہ کے کسی بھی دن اور کسی بھی تاریخ میں رکھے جاسکتے ہیں آئندہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ایک روایت بھی اس پر دلالت کرتی ہے۔[4]

---

[1] اخرجه مسلم: ۱/۴۷۳ [2] المرقات: ۴/۵۴۰ [3] المرقات: ۴/۵۴۱، ۵۴۲ [4] المرقات: ۴/۵۴۱، ۵۴۲

پیر کے دن روزہ کی فضیلت

﴿۱۰﴾ وَعَنْهُ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صَوْمِ الْاِثْنَيْنِ فَقَالَ فِيْهِ وُلِدْتُّ وَفِيْهِ أُنْزِلَ عَلَيَّ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ سے پیر (دوشنبہ) کے دن روزہ رکھنے کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ "اس دن میری پیدائش ہوئی اور اسی دن مجھ پر کتاب (قرآن) کا نزول شروع ہوا۔ (مسلم)

ہر مہینہ میں تین دن نفل روزے صیام الدھر ہے

﴿۱۱﴾ وَعَنْ مُعَاذَةَ الْعَدَوِيَّةِ أَنَّهَا سَأَلَتْ عَائِشَةَ أَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُوْمُ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ قَالَتْ نَعَمْ فَقُلْتُ لَهَا مِنْ أَيِّ أَيَّامِ الشَّهْرِ كَانَ يَصُوْمُ قَالَتْ لَمْ يَكُنْ يُبَالِيْ مِنْ أَيِّ أَيَّامِ الشَّهْرِ يَصُوْمُ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت معاذہ عدویہ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھا کہ کیا رسول کریم ﷺ ہر مہینہ میں تین دن (نفل) روزے رکھا کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ "ہاں" (معاذہ کہتی ہیں کہ) پھر میں نے ان سے پوچھا کہ "آپ ﷺ مہینہ کے کون سے دنوں میں روزہ رکھتے تھے؟ انہوں نے فرمایا آپ ﷺ مہینہ کے کسی خاص دن روزہ رکھنے کا اہتمام نہیں کرتے تھے (یعنی جس دن چاہتے روزہ رکھ لیتے کوئی خاص دن متعین نہیں تھا۔ (مسلم)

توضیح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایام بیض کے لئے تاریخوں کا تعین مناسب نہیں ہے بلکہ مہینہ کی کسی بھی تاریخ میں روزہ رکھنے سے ایام بیض کا حق ادا ہوجائے گا۔ تاہم بہت ساری احادیث سے تعین بھی ثابت ہے ایام بیض کا نام بھی معروف ہے اور امت میں ایام بیض ایک پرانی اصطلاح بھی ہے لہٰذا اس کو عمل کے ساتھ زندہ رکھنا بہت ضروری ہے۔

شوال کے چھ روزے، عظیم ثواب

﴿۱۲﴾ وَعَنْ أَبِيْ أَيُّوْبَ الْأَنْصَارِيِّ أَنَّهُ حَدَّثَهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ صَامَ رَمَضَانَ ثُمَّ أَتْبَعَهُ سِتًّا مِنْ شَوَّالٍ كَانَ كَصِيَامِ الدَّهْرِ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے یہ حدیث بیان کی کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص رمضان کے روزے رکھے اور پھر اس کے بعد شوال کے مہینہ میں چھ روزے (بھی) رکھے تو وہ ہمیشہ روزہ رکھنے والے

[1] اخرجه مسلم: ۱/۳۶۸ [2] اخرجه مسلم: ۱/۳۶۷ [3] اخرجه مسلم: ۱/۳۶۹

کے مانند ہوگا۔ (مسلم)

توضیح: ''ستًا من شوال'' چھ شوال کے روزے اس صحیح اور صریح حدیث سے ثابت ہیں عیدالفطر کے بعد اس کو شوال میں متفرق طور پر بھی رکھا جا سکتا ہے اور متصلاً بھی رکھنا جائز ہے بعض فقہاء نے متفرق کو اولیٰ قرار دیا ہے بعض نے اتصال کو اولیٰ قرار دیا ہے تطبیق اس طرح ہوسکتی ہے کہ جہاں لوگ اتصال کو رمضان کے ساتھ اختلاط سمجھنے لگ جائیں اور نوبت یہاں تک پہنچ جائے کہ بعض نادان عیدالفطر کے دن کہہ رہا ہو۔ ''نحن الی الآن لم یأت عیدنا'' تو ایسی صورت میں افتراق اولیٰ ہے اگر اختلاط کی صورت پیدا نہیں ہورہی ہو اور لوگ شبہ میں واقع نہیں ہوتے ہوں تو اتصال اولیٰ ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے چھ شوال کے روزوں کو مکروہ لکھا ہے چنانچہ مؤطا میں فرماتے ہیں۔ [۱]

''ما رئیت احدا من اهل العلم یصومها'' یعنی عوام میں تو مشہور ہیں لیکن میں نے علماء کو یہ روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا ہے۔ علماء احناف میں سے علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے بحوالہ امام ابو یوسف وابوحنیفہ رحمہما اللہ تعالیٰ اس کو مکروہ لکھا ہے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس طرح فیصلہ فرماتے ہیں ''قالوا یکره لئلا یظن وجوبها''

(کذا فی المرقات ج۴ ص۵۲۵) [۲]

بہر حال صحیح اور صریح احادیث کی موجودگی میں شوال کے روزوں کا انکار کرنا تو بہت بڑی جرأت ہے جو کسی بھی عالم کے لئے مناسب نہیں لیکن عوام الناس نے ان روزوں کے ساتھ التزام کا معاملہ شروع کیا ہے جیسا کہ اوپر ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی نقل کردہ عبارت نقل کی گئی ہے کہ ایک نادان کہتا ہے۔ ''نحن الی الآن لم یأت عیدنا'' تو ایسے خارجی عوارض اور خارجی منکرات کی وجہ سے شاید امام مالک اور ابن ہمام رحمہما اللہ تعالیٰ نے اس کو مکروہ کہا ہے آج کل حرمین شریفین میں ان روزوں کا اتنا اہتمام ہوتا ہے کہ کسی آدمی کو خیال ہی نہیں آتا کہ رمضان کا مہینہ ختم ہوگیا ہے سحری اور افطار کا اسی طرح آرائش ونمائش اور اسی طرح اہتمام ہوتا ہے جس طرح رمضان میں ہوتا ہے اس کو دیکھ کر فقہاء احناف اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال سمجھ آجاتے ہیں بہر حال یہ غلو ایک عارضی خارجی معاملہ ہے صحیح اور صریح حدیث کا حکم اپنی جگہ پر ہے۔ [۳]

عیدین کے دن اور ایام تشریق میں روزے منع ہیں

﴿۱۳﴾ وَعَنْ أَبِي سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صَوْمِ يَوْمِ الْفِطْرِ وَالنَّحْرِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) [۴]

ترجمہ: اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فطر (عید) اور نحر (بقرعید) کے دن روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ (بخاری ومسلم)

[۱] المرقات: ۵۲۵/۴، ۵۲۴ [۲] المرقات: ۵۲۵/۴ [۳] المرقات: ۵۲۵/۴ [۴] اخرجه البخاری: ۵۵/۳، ومسلم: ۳۶۱/۱

﴿۱۴﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا صَوْمَ فِيْ يَوْمَيْنِ الْفِطْرِ وَالْأَضْحٰى۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''دو دن (یعنی دو موقعے) ایسے ہیں جن میں روزہ (جائز) نہیں ہے۔ عید کے دن اور بقر عید کے (چار) دن (یعنی ذی الحجہ کی دسویں تاریخ سے تیرھویں تاریخ تک)۔ (بخاری ومسلم)

﴿۱۵﴾ وَعَنْ نُبَيْشَةَ الْهُذَلِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيَّامُ التَّشْرِيْقِ أَيَّامُ أَكْلٍ وَشُرْبٍ وَذِكْرِ اللّٰهِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت نبیشہ ہذلی کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ایام تشریق کھانے پینے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کو یاد کرنے کے دن ہیں۔ (مسلم)

توضیح: عید الاضحیٰ اور عید الفطر میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے مسلمانوں کے لئے ضیافت کا انتظام فرمایا ہے لہذا اللہ تبارک وتعالیٰ کے دستر خوان سے کھانا کھانے سے اعراض کرنا انتہائی نامناسب ہے اس لئے شریعت نے اس دن روزہ رکھنا منع کر دیا ہے۔

''ایام تشریق'' یہ ذوالحجہ کی گیارھویں بارھویں اور تیرھویں تاریخ کو کہتے ہیں۔ شرق سورج کے طلوع ہونے کو کہتے ہیں عرب لوگ قربانی کے گوشت کے ٹکڑے بنا کر دھوپ میں ڈال کر اس کو سکھا دیتے تھے اسی مناسبت سے ان ایام کا نام ایام تشریق پڑ گیا۔ ایک روایت میں[3] ''وبعال'' کے الفاظ بھی ہیں جو جماع کے معنی میں ہے ایک روایت میں وذکر اللہ تعالیٰ کے الفاظ ہیں جس سے اشارہ ہوتا ہے کہ مسلمان کو چاہئے کہ وہ اپنی انتہائی خوشی میں بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کے ذکر سے غافل نہ ہو۔

نفلی روزہ کے لئے جمعہ کی تخصیص کا حکم

﴿۱۶﴾ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَصُوْمُ أَحَدُكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ إِلَّا أَنْ يَصُوْمَ قَبْلَهُ أَوْ يَصُوْمَ بَعْدَهُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[4]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تم میں سے کوئی شخص جمعہ کے روز روزہ نہ رکھے۔ ہاں اس طرح رکھ سکتا ہے کہ اس سے ایک دن پہلے یا ایک دن بعد بھی روزہ رکھے۔ (بخاری ومسلم)

[1] اخرجه البخاری: ۳/۵۵، ومسلم: ۱/۳۶۱ [2] اخرجه مسلم: ۱/۳۶۱

[3] المرقات: ۴/۵۴۷ [4] اخرجه البخاری: ۳/۵۴ ومسلم: ۱/۳۶۲

﴿۱۷﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَخْتَصُّوْا لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ بِقِيَامٍ مِنْ بَيْنِ اللَّيَالِيْ وَلَا تَخْتَصُّوْا يَوْمَ الْجُمُعَةِ بِصِيَامٍ مِنْ بَيْنِ الْأَيَّامِ اِلَّا أَنْ يَكُوْنَ فِيْ صَوْمٍ يَصُوْمُهُ أَحَدُكُمْ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تمام دنوں میں صرف جمعہ کی رات کو عبادت خداوندی کے لئے مخصوص نہ کرو اسی طرح تمام دنوں میں صرف جمعہ کے دن کو روزہ رکھنے کے لئے مخصوص نہ کرو ہاں اگر تم میں سے کسی کے روزہ کے درمیان کہ جو وہ پہلے سے رکھتا چلا آرہا ہو جمعہ پڑ جائے (تو پھر صرف جمعہ کے دن روزہ رکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے)۔ (مسلم)

توضیح: "لا تختصوا" یعنی کوئی شخص جمعہ کے دن کو روزہ کے لئے خاص نہ کرے ہاں اگر جمعہ سے پہلے یا بعد والے دن میں بھی روزہ رکھے تو پھر صحیح ہے کیونکہ اب تخصیص نہیں رہی۔

شیخ تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شریعت نے دو وجہوں سے جمعہ کو عبادت کے لئے مخصوص کرنے کی ممانعت کردی ہے۔

ممانعت کی پہلی وجہ میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ نصاریٰ نے ہفتہ کے دن کو بطور تعظیم عبادت اور صوم کے لئے خاص کر رکھا ہے اور یہود نے اتوار کے دن کو عبادت اور خاص کر صوم کے لئے خاص کر رکھا ہے۔ اسلام نے جمعہ کو روزہ کے لئے خاص کرنے کی ممانعت فرمادی تاکہ یہود و نصاریٰ سے مشابہت نہ آئے۔

ممانعت کی دوسری وجہ میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے جمعہ کو چند عبادات کے ساتھ خاص فرمادیا اور ہفتہ کے دیگر ایام کو بھی کچھ نہ کچھ خصوصی اعمال کے ساتھ خاص کردیا تو بالکل مناسب نہیں تھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی تخصیص کے ساتھ کوئی انسان بھی تخصیص کرنے لگے (یعنی تخصیص عبادات کا حق صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کو حاصل ہے)۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کلام کو نقل کیا اور اس کے بعد فرمایا کہ کسی حکم کی حکمت یا مصلحت کا ادراک بندے کا کام نہیں ہے بندہ کے شایان شان تو یہ اعتراف و اعلان ہے کہ ہمارا کام ہر حکم کو ماننا اور اس پر عمل کرنا ہے۔

"لیلة الجمعة" اس حدیث میں ہے کہ جمعہ کی رات کو کسی عبادت کے لئے خاص نہ کرو یہ حدیث صریح وصحیح بانگ دہل اعلان کرتی ہے کہ جمعہ کو کسی نیک کام کے لئے خاص نہ کرو، اس ممانعت کے باوجود اہل بدعت جمعہ کی رات کو عبادت کے لئے خاص کرتے ہیں اور خدا سے نہیں ڈرتے۔ چنانچہ اہل بدعت نے صلوۃ الرغائب کو ایجاد کر کے جمعہ کے تقدس کو پامال کیا ہے صلوۃ الرغائب رجب کے پہلے عشرہ میں پہلے جمعہ کی شب میں پڑھی جاتی ہے جس کا اہل بدعت اہتمام کرتے ہیں۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ شرح مسلم میں لکھتے ہیں۔ علماء نے صلوۃ الرغائب کو بدعت اور مکروہ قرار دینے کے لئے اس حدیث

[1] اخرجه مسلم: ۱/۳۶۲

کو بطور استدلال پیش کیا ہے۔ علماء نے اس نماز کی بدعت واختراع اور اس کے ایجاد کرنے والوں کی گمراہی پر مستقل کتابیں لکھی ہیں الخ۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ کے اس کلام سے تبلیغی جماعت والوں کی آنکھیں بھی کھل جانی چاہئے جو شب جمعہ اور سہ روزہ، چلہ وگشت کے امور میں غلو کی حد تک تخصیص وتعین کرتے ہیں۔

سوال: یہاں پر یہ سوال اٹھتا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے جو صاحب مشکوۃ نے فصل ثانی میں ذکر کیا ہے جو حدیث نمبر ۲۳ ہے اس میں واضح طور پر جمعہ کو روزہ رکھنے کی تخصیص کا بیان ہے "**وقلما کان یفطر یوم الجمعة**" اب ان دونوں حدیثوں میں تعارض ہے اس کا کیا جواب ہے۔

جواب: اس سوال کے دو جواب ہیں پہلا جواب یہ ہے کہ ائمہ احناف فرماتے ہیں کہ یہ سوال تو ان لوگوں پر ہے جو جمعہ کی تخصیص کے قائل نہیں ہیں احناف تو جمعہ کی تخصیص کو مانتے ہیں چنانچہ۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقات میں علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے یوں لکھتے ہیں۔"**قال ابن الهمام ولا بأس بصوم یوم الجمعة منفرداً عند ابی حنیفة ومحمد رحمهما الله**"۔ (مرقاۃ ج ۴ ص ۵۴۸)[1]

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ بھی لکھتے ہیں کہ یہ نہی تنزیہی ہے ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ جواب بھی دیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ممانعت فرمائی ہے یہ شفقت ورحمت کی بنیاد پر ہے کہ جمعہ میں دیگر عبادات مثلاً غسل ہے سعی ہے خطبہ وجمعہ ہے اب اگر روزہ کو بھی ان عبادات کے ساتھ ملا دیں گے تو مشقت میں پڑ جائیں گے ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ جواب بھی دیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لئے ممانعت فرمادی کہ کہیں لوگ یوم الجمعۃ کے روزے کو واجب نہ سمجھیں۔ (ص ۵۵۶ ج ۴)[2]

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کو ترجیح دیتے ہوئے اس میں تاویل کا انکار کر کے لکھتے ہیں کہ "**بل ظاهره الاطلاق المؤید لمذهبنا انه لایکره افراد صومه**"۔ (ج ۴ ص ۵۵۶)[3]

علماء احناف کے بعض علماء نے یہ جواب دیا ہے کہ عبادت کے لئے جمعہ کی تخصیص کی ممانعت اور کراہت اس صورت میں ہے کہ ایک آدمی کسی نیک عمل کو جمعہ کی فضیلت کے لئے مؤخر کرتا ہے مثلاً صدقہ ہے یا کوئی روزہ رکھتا ہے اس کو دوسرے ایام میں ٹال دیتا ہے اور جمعہ تک پہنچا کر اس نیک عمل کو جمعہ میں تکثیر ثواب کے لئے خاص کرتا ہے یہ اس لئے منع ہے کہ اس میں عقیدہ کی خرابی کا خطرہ ہے۔

شیخ عبد الحق رحمۃ اللہ علیہ نے اشعۃ اللمعات میں لکھا ہے کہ جمعہ کی تخصیص کی ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ دیگر ایام میں عبادت معطل نہ ہو جائے کیونکہ عبادت تو ہر وقت میں کرنا چاہئے صرف جمعہ تک خاص کرنا مناسب نہیں ہے۔[4]

---

[1] المرقات: ۴/۵۴۸ [2] المرقات: ۴/۵۵۶ [3] المرقات: ۴/۵۵۶ [4] اشعة المعات:

بہر حال دیگر ائمہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں تاویل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس میں تنہا جمعہ کا روزہ مراد نہیں بلکہ اس کے ساتھ دوسرے دن کا ملانا مراد ہے۔

سفر جہاد میں روزہ رکھنے کا عظیم ثواب

﴿۱۸﴾ وَعَنْ أَبِي سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَامَ يَوْماً فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بَعَّدَ اللّٰهُ وَجْهَهُ عَنِ النَّارِ سَبْعِيْنَ خَرِيْفًا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے خدا کی راہ میں (یعنی جہاد کے وقت یا یہ کہ خالص اللہ رب العزت کے لئے) ایک دن روزہ رکھا اللہ تبارک وتعالیٰ اس کا منہ یعنی اس کی ذات کو (دوزخ کی) آگ سے ستر برس کی مسافت کے بقدر دور کردے گا۔ (بخاری ومسلم)

اعمال میں اعتدال اختیار کرنا چاہئے

﴿۱۹﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِوبْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاعَبْدَاللّٰهِ أَلَمْ أُخْبَرْ أَنَّكَ تَصُوْمُ النَّهَارَ وَتَقُوْمُ اللَّيْلَ فَقُلْتُ بَلٰى يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ فَلاَ تَفْعَلْ صُمْ وَأَفْطِرْ وَقُمْ وَنَمْ فَإِنَّ لِجَسَدِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَإِنَّ لِعَيْنِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَإِنَّ لِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَإِنَّ لِزَوْرِكَ عَلَيْكَ حَقًّا لَاصَامَ مَنْ صَامَ الدَّهْرَ صَوْمُ ثَلاَثَةِ أَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ صَوْمُ الدَّهْرِ كُلِّهِ صُمْ كُلَّ شَهْرٍ ثَلاَثَةَ أَيَّامٍ وَاقْرَإِ الْقُرْآنَ فِيْ كُلِّ شَهْرٍ قُلْتُ إِنِّيْ أُطِيْقُ أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ قَالَ صُمْ أَفْضَلَ الصَّوْمِ صَوْمُ دَاوُدَ صِيَامُ يَوْمٍ وَإِفْطَارُ يَوْمٍ وَاقْرَأْ فِيْ كُلِّ سَبْعِ لَيَالٍ مَرَّةً وَلاَ تَزِدْ عَلٰى ذٰلِكَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن عاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ عبداللہ: کیا مجھے یہ اطلاع نہیں ملی ہے (یعنی مجھے یہ معلوم ہوا ہے) کہ تم (روزانہ) دن میں تو روزے رکھتے ہو اور (ہر رات میں) پوری شب اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت اور ذکر وتلاوت میں مشغول رہتے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ جی ہاں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ایسا ہی ہے"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا نہ کرو (بلکہ) روزہ بھی رکھو اور بغیر روزہ بھی رہو، رات میں عبادت خداوندی بھی کرو اور سویا بھی کرو کیونکہ تمہارے بدن کا بھی تم پر حق ہے (لہذا اپنے بدن کو زیادہ مشقت اور ریاضت میں مبتلا نہ کرو تاکہ بیماری یا ہلاکت میں نہ پڑ جاؤ) تمہاری آنکھوں کا بھی تم پر حق ہے (اس لئے رات میں سویا بھی کرو تاکہ آنکھیں آرام وسکون پائیں) تمہاری بیوی کا تم پر حق ہے (اس لئے اس کے ساتھ شب باشی اور صحبت ومباشرت کرو) اور تمہارے مہمان کا بھی تم پر حق ہے (لہذا ان کے ساتھ کلام

[1] اخرجه البخاري: ۴/۳۱ ومسلم: ۱/۳۶۶ [2] اخرجه البخاري: ۳/۵۱ ومسلم: ۱/۳۶۹، ۴۷۰

وگفتگو کرو، ان کی خاطر و مہمانداری کرو اور ان کے ساتھ کھانے پینے میں شریک رہو) جس شخص نے ہمیشہ روزہ رکھا اس نے (گویا) روزہ نہیں رکھا (البتہ) ہر مہینہ میں تین دن کے روزے ہمیشہ کے روزہ کے برابر ہیں لہٰذا ہر مہینہ میں تین دن (یعنی ایام بیض کے یا مطلقاً کسی بھی تین دن کے) روزے رکھ لیا کرو اور اسی طرح ہر مہینہ میں قرآن بھی پڑھا کرو (یعنی ایک مہینہ میں ایک قرآن ختم کرلیا کرو) میں نے عرض کیا کہ "میں تو اس سے بھی زیادہ کی ہمت رکھتا ہوں"۔ آپ ﷺ نے فرمایا (تو پھر) بہترین روزہ جو روزۂ داؤد ہے رکھ لیا کرو (جس کا طریقہ یہ ہے کہ) ایک دن روزہ رکھو اور ایک دن افطار کرو اور سات راتوں میں ایک قرآن ختم کرو اور اس میں اضافہ نہ کرو (یعنی نفل روزے رکھنے اور قرآن شریف ختم کرنے کی مذکورہ بالا تعداد ومقدار میں زیادتی نہ کرو)۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی جب شادی ہوئی تو کچھ عرصہ بعد ان کے والد حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اپنی بہو سے پوچھا کہ میرا بیٹا کیسا ہے؟ بہو نے جواب دیا کہ بہت اچھا نیک آدمی ہے دن بھر روزہ رکھتا ہے اور رات بھر تہجد پڑھتا ہے اس اشارہ سے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سمجھ گئے کہ حقوق زوجیت میں بیٹا کوتاہی کر رہا ہے آپ نے جا کر اس کی شکایت حضور اکرم ﷺ کے سامنے کی تا کہ حضور اکرم ﷺ ان کے بیٹے کو سمجھائیں چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ کیا مجھے اس کی اطلاع نہیں کہ تم دن بھر روزے رکھتے ہو اور رات بھر تہجد پڑھتے ہو؟ انہوں نے اقرار کرلیا اس پر حضور اکرم ﷺ نے ان کو اعتدال پر لانے کے لئے فرمایا کہ راہ اعتدال اختیار کرو کیونکہ تیرے ذمہ بہت سارے حقوق ہیں ان کی ادائیگی بھی ضروری ہے لہٰذا عبادت میں نہ اتنی کوتاہی چاہئے کہ عملی زندگی کو نقصان ہو اور نہ اتنی غلو اور تشدد چاہئے کہ انسان کے سارے قویٰ مفلوج ہو کر رہ جائیں، آنحضرت ﷺ نے ہر ہر چیز کا نام لیکر اس کی رہنمائی فرمائی سچ ہے۔ [1]

جہاں تک آپ کی تقلید ہے اسی حد تک — سلیقۂ بشریت بشر کو ملتا ہے

الفصل الثانی

پیر اور جمعرات کے روزوں کی فضیلت

﴿۲۰﴾ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُوْمُ الْاِثْنَيْنَ وَالْخَمِيْسَ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ) [2]

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ پیر اور جمعرات کے دن (نفل روزہ رکھا کرتے تھے)۔ (ترمذی، نسائی)

﴿۲۱﴾ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُعْرَضُ الْأَعْمَالُ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ

[1] المرقات: ۴/۵۵۲ [2] اخرجه الترمذی: ۳/۱۲۱ والنسائی: ۴/۱۵۲، ۱۵۳

وَالْخَمِيْسِ فَأُحِبُّ أَنْ يُعْرَضَ عَمَلِيْ وَأَنَا صَائِمٌ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ پیر اور جمعرات کے دن (اللہ رب العزت کی بارگاہ میں) عمل پیش کئے جاتے ہیں اس لئے میں پسند کرتا ہوں کہ میرے عمل پیش کئے جائیں تو میں روزہ سے ہوں۔ (ترمذی)

توضیح: فرشتے انسان کے روزانہ کے اعمال لکھ کر اوپر لے جاتے ہیں پھر جمعرات اور پیر کے دن رب تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں وہ اعمال پیش کئے جاتے ہیں۔ لہٰذا یہ حدیث اس حدیث سے معارض نہیں ہے جس میں کہا گیا ہے کہ انسان کے روزانہ کے اعمال اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں۔

ہر اسلامی مہینے کی تیرہ چودہ پندرہ تاریخ ایام بیض ہیں

﴿۲۲﴾ وَعَنْ أَبِيْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا أَبَا ذَرٍّ إِذَا صُمْتَ مِنَ الشَّهْرِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فَصُمْ ثَلَاثَ عَشْرَةَ وَأَرْبَعَ عَشْرَةَ وَخَمْسَ عَشْرَةَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ابوذر: اگر تم مہینہ میں تین دن روزہ رکھنا چاہو تو تیرہویں، چودہویں، اور پندرہویں کو روزہ رکھو۔ (ترمذی ونسائی)

توضیح: ہر مہینہ میں تین دن نفل روزے رکھنے کے کئی طریقے منقول ہیں لیکن بہتر اور افضل یہی ہے کہ وہ ایام بیض کے روزے ہو جن کا مصداق ہر ماہ کی تیرہ چودہ اور پندرہ تاریخ کے دن ہے جیسا کہ زیر بحث حدیث میں اس کی تصریح اور وضاحت کی گئی ہے، ایام بیض کا معنی ہے سفید اور روشن دن ہے چونکہ ہر مہینہ کی انہیں تاریخوں میں چاند عروج پر پہنچ کر خوب روشن ہوتا ہے اس لئے اس کو ایام بیض کہا گیا ہے لہٰذا ہر مسلمان کو چاہئیے کہ وہ بطور استحباب ان روزوں کا اہتمام کرے اہل تصوف اور ان کے خانقاہی نظام میں ان روزوں کا بڑا اہتمام ہوتا ہے مدارس میں طلباء وعلماء بھی یہ روزے رکھتے ہیں دیہاتوں میں گھروں میں عورتیں اس کا بہت اہتمام کرتی ہیں لیکن تبلیغی جماعت کے بڑے بڑے لوگ عموماً ان روزوں کو نہیں جانتے ہیں کیونکہ وہ اعمال کا ڈھنڈورہ زیادہ پیٹتے ہیں اور عمل کم کرتے ہیں۔

جمعہ کے دن نفل روزہ رکھنا جائز ہے

﴿۲۳﴾ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُوْمُ مِنْ غُرَّةِ كُلِّ شَهْرٍ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَقَلَّمَا كَانَ يُفْطِرُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَرَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ إِلَى ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ)[3]

[1] اخرجه الترمذی: ۳/۱۲۲　[2] اخرجه الترمذی: ۳/۱۳۴ والنسائی: ۲۲۲/۳، ۲۲
[3] اخرجه الترمذی: ۳/۱۱۸ والنسائی وابوداؤد: ۲/۲۴۰

ترجمہ: اور حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ (کبھی) مہینہ کے شروع کے تین دنوں میں (بھی) روزہ رکھا کرتے تھے اور ایسا کم ہی ہوتا تھا کہ آپ ﷺ جمعہ کے دن روزہ نہ رکھتے ہوں۔ (ترمذی، نسائی) ابوداؤد نے اس روایت کو ثلاثۃ ایام تک نقل کیا ہے۔

ہفتہ کے تمام دنوں میں روزہ رکھنا جائز ہے

﴿۲۴﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُوْمُ مِنَ الشَّهْرِ السَّبْتَ وَالْأَحَدَ وَالْاِثْنَيْنِ وَمِنَ الشَّهْرِ الْآخَرِ الثُّلاَثَاءَ وَالْأَرْبِعَاءَ وَالْخَمِيْسَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ کسی مہینہ میں ہفتہ، اتوار، پیر کے دن اور کسی مہینہ میں منگل، بدھ، جمعرات کے دن روزہ رکھا کرتے تھے۔ (ترمذی)۔

﴿۲۵﴾ وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْمُرُنِيْ أَنْ أَصُوْمَ ثَلاَثَةَ أَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ أَوَّلُهَا الْاِثْنَيْنِ وَالْخَمِيْسُ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ مجھے حکم فرماتے تھے کہ میں ہر مہینہ میں تین دن نفل روزے رکھوں اور ان کی ابتداء پیر یا جمعرات سے کروں۔ (ابوداؤد، نسائی)

خمیس جمعرات کو کہتے ہیں اور یہاں لفظ "واؤ" "او" کے معنی میں ہے یعنی ابتدا کسی بھی دن سے ہو خواہ پیر کے دن سے ہو یا جمعرات کے دن سے ہو مگر مہینہ میں تین دن روزہ رکھنا چاہئے۔

ضعف کے خوف سے صیام الدہر رکھنا منع ہے

﴿۲۶﴾ وَعَنْ مُسْلِمٍ الْقُرَشِيِّ قَالَ سَأَلْتُ أَوْ سُئِلَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صِيَامِ الدَّهْرِ فَقَالَ إِنَّ لِأَهْلِكَ عَلَيْكَ حَقًّا صُمْ رَمَضَانَ وَالَّذِيْ يَلِيْهِ وَكُلَّ أَرْبِعَاءَ وَخَمِيْسَ فَإِذَا أَنْتَ قَدْ صُمْتَ الدَّهْرَ كُلَّهُ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ)[3]

ترجمہ: اور حضرت مسلم قرشی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے یا کسی اور شخص نے رسول کریم ﷺ سے ہمیشہ روزہ رکھنے کے بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے اوپر تمہارے اہل وعیال کا بھی حق ہے (اس لئے) رمضان میں اور ان ایام میں جو رمضان سے متصل ہیں یعنی شش عید کے روزے رکھو نیز (زیادہ سے زیادہ) ہر بدھ اور جمعرات کو روزہ رکھ لیا کرو، اگر تم نے یہ روزے رکھ لئے تو سمجھو کہ ہمیشہ روزے رکھے۔ (ابوداؤد، ترمذی)

[1] اخرجہ الترمذی: ۳/۱۲۲ ح ۷۴۶ [2] ابوداؤد: ۲/۳۳۱ والنسائی: ۴/۲۲۱ [3] اخرجہ ابوداؤد: ۲/۳۳۶ والترمذی: ۳/۱۲۳

عرفات میں عرفہ کے دن روزہ مکروہ ہے

﴿۲۷﴾وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ صَوْمِ يَوْمِ عَرَفَةَ بِعَرَفَةَ۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفات میں عرفہ کے دن روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے۔ (ابوداؤد)

توضیح: عرفات کے میدان میں حاجی لوگ جمع ہوتے ہیں اس دن انتہائی محنت ومشقت کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے گڑگڑانا دعا کرنا ذکر اللہ اور تلبیہ میں مشغول رہنا اللہ تبارک وتعالیٰ کو بہت زیادہ محبوب ہے لہذا اس دن اگر حاجی روزہ رکھے گا تو ان اعمال کو نقصان پہنچ جائے گا حاجی کمزور ہو کر اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے تضرع والحاح وزاری نہیں کر پائے گا اس لئے حاجیوں کے لئے اس دن روزہ رکھنا مکروہ تنزیہی ہے حاجیوں کے علاوہ دیگر مسلمانوں کے لئے عرفہ کے روزے میں بہت بڑا ثواب ہے اس میں سستی نہیں کرنی چاہئے۔ تاہم حاجی کے لئے یہ کراہت تنزیہی ہے۔[۲]

صرف ہفتہ کے دن روزہ نہ رکھو

﴿۲۸﴾وَعَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ بُسْرٍ عَنْ أُخْتِهِ الصَّمَّاءِ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَاتَصُوْمُوْا يَوْمَ السَّبْتِ إِلَّا فِيْمَا افْتُرِضَ عَلَيْكُمْ فَإِنْ لَمْ يَجِدْ أَحَدُكُمْ إِلَّا لِحَاءَ عِنَبَةٍ أَوْ عُوْدَ شَجَرَةٍ فَلْيَمْضَغْهُ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْ دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَه وَالدَّارِمِيُّ)[۳]

ترجمہ: اور حضرت عبد اللہ بن بسر رضی اللہ عنہ اپنی ہمشیرہ عزیزہ سے کہ جن کا نام اصماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھا نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم لوگ (تنہا) ہفتہ کے دن روزہ نہ رکھوالا یہ کہ اس دن روزہ رکھنا ضروری ہی ہو، لہٰذا اگر تم میں سے کوئی شخص انگور کے درخت کی چھال یا درخت کی لکڑی کے علاوہ کچھ نہ پائے تو وہی چبالے۔ (احمد، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)

توضیح: اس سے پہلے روایت نمبر ۲۴ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہفتہ کے دن روزہ منع نہیں ہے بلکہ آئندہ آنے والی حدیث نمبر ۳۲ میں تو روزہ رکھنے کا حکم ہے تا کہ یہود کی مخالفت ہو جائے۔ لیکن یہاں اس روایت میں ممانعت کا ذکر ہے جو بظاہر تعارض ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ نہی اور کراہت مکروہ تنزیہی پر محمول ہے جو در حقیقت اولیٰ غیر اولیٰ کی بات ہے یعنی ہفتہ کے دن روزہ رکھنا خلاف اولیٰ ہے اگر کوئی رکھے تو جائز ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ ممانعت امت کے لئے ہے

[۱] اخرجه ابوداؤد: ۲/۳۳۸ [۲] المرقات: ۴/۵۵۸ [۳] اخرجه احمد: ۶/۳۶۸ وابوداؤد: ۲/۳۲۲ والترمذی: ۳/۱۳۰ والدارمی ۱۷۵۶ وابن ماجه: ۱/۵۵۰

کہ روزہ رکھنے سے اس دن کی تعظیم کا احتمال ہے کیونکہ یہ یہود کی عبادت کا دن ہے یہود اگر چہ اس میں عبادت نہیں کرتے ہیں بلکہ اس دن عید مناتے ہیں لیکن پھر بھی ممانعت اس لئے ہے کہ روزہ رکھنے سے اس دن کی تعظیم کا احتمال ہے اور یہ احتمال حضور کے روزہ رکھنے میں نہیں تھا تو روزہ رکھنا حضور ﷺ کی خصوصیت ہے اور نہ رکھنا امت کی خصوصیت ہے۔[1]

''الالحاء'' درخت کے چھلکے کو لحاء کہتے ہیں جس کو چھال بھی کہتے ہیں **عنبة** انگور کا درخت مراد ہے۔[2]

''**عود**'' لکڑی کے معنی میں ہے۔[3]

﴿۲۹﴾ وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَامَ يَوْمًا فِي سَبِيلِ اللهِ جَعَلَ اللهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّارِ خَنْدَقًا وَبَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[4]

ترجمہ: اور حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''جو شخص خدا کی راہ میں ایک دن روزہ رکھے گا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے اور (دوزخ کی) آگ کے درمیان ایک ایسی خندق حائل کردے گا جو آسمان وزمین کے درمیانی فاصلہ کی برابر ہوگی۔ (ترمذی)

فی سبیل اللہ کا لفظ حج کے سفر پر بولا جاسکتا ہے سفر علم پر بھی اس کا اطلاق ہوسکتا ہے۔ لیکن اس کا پہلا مصداق جہاد ہے۔ ''ای فی سبیل الجهاد''۔[5]

کم خرچ بالانشین عبادت

﴿۳۰﴾ وَعَنْ عَامِرِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْغَنِيمَةُ الْبَارِدَةُ الصَّوْمُ فِي الشِّتَاءِ.

(رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ قَالَ هٰذَا حَدِيثٌ مُرْسَلٌ وَذُكِرَ حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ مَا مِنْ أَيَّامٍ أَحَبُّ إِلَى اللهِ فِي بَابِ الْأُضْحِيَّةِ)[6]

ترجمہ: اور حضرت عامر ابن مسعود رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ٹھنڈی غنیمت (یعنی بلا تعب ومشقت ثواب پانا) جاڑے میں روزہ رکھنا ہے (احمد، ترمذی) امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مرسل ہے (کیونکہ بعض حضرات کے نزدیک حضرت عامر ابن مسعود رحمۃ اللہ علیہ صحابی نہیں بلکہ تابعی ہیں) اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت مامن ایام احب الی اللہ قربانی کے باب میں ذکر کی جاچکی ہے۔

توضیح: غنیمت باردہ سے مراد یہی ہے کہ محنت کم ہے اور ثواب زیادہ ہے کیونکہ سردیوں میں پیاس کم لگتی ہے تو روزہ آسانی سے رکھا جاسکتا ہے دن بھی چھوٹے ہوتے ہیں تو کم خرچ بالانشین روزہ ہے۔[7]

---

[1] المرقات: ۴/۵۵۹ [2] المرقات: ۴/۵۵۹ [3] المرقات: ۴/۵۵۹ [4] اخرجه الترمذی: ۴/۱۶۷ ح ۱۶۲۴
[5] المرقات: ۴/۵۶۰ [6] اخرجه احمد: ۴/۳۳۵ والترمذی: ۳/۱۶۲ [7] المرقات: ۴/۵۶۱

یوم عاشورہ کے روزہ کا پس منظر

﴿۳۱﴾عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ فَوَجَدَ الْيَهُوْدَ صِيَامًا يَوْمَ عَاشُوْرَاءَ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا هٰذَا الْيَوْمُ الَّذِيْ تَصُوْمُوْنَهُ فَقَالُوْا هٰذَا يَوْمٌ عَظِيْمٌ أَنْجَى اللّٰهُ فِيْهِ مُوْسٰى وَقَوْمَهُ وَغَرَّقَ فِرْعَوْنَ وَقَوْمَهُ فَصَامَهُ مُوْسٰى شُكْرًا فَنَحْنُ نَصُوْمُهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَحْنُ أَحَقُّ وَأَوْلٰى بِمُوْسٰى مِنْكُمْ فَصَامَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَمَرَ بِصِيَامِهِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ (جب) مدینہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے یہودیوں کو عاشورہ کے دن کا روزہ رکھتے ہوئے دیکھا، رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ اس دن کی کیا خصوصیت ہے کہ تم روزہ رکھتے ہو؟ یہودیوں نے کہا کہ یہ بڑا عظیم دن ہے اسی دن اللہ تبارک وتعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کی جماعت کو نجات دی اور فرعون اور اس کی قوم کو ڈبویا چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بطور شکر اس دن روزہ رکھا اس لئے ہم بھی اس دن روزہ رکھتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''تمہارے مقابلہ میں ہم موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ قریب اور (ان کی طرف سے بطور شکر روزہ رکھنے کے) زیادہ حقدار ہیں چنانچہ آپ ﷺ نے یوم عاشورہ کو خود بھی روزہ رکھا اور دوسروں کو روزہ رکھنے کا حکم فرمایا۔ (بخاری ومسلم)

یہود ونصاریٰ کی مخالفت

﴿۳۲﴾وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُوْمُ يَوْمَ السَّبْتِ وَيَوْمَ الْأَحَدِ أَكْثَرَ مَا يَصُوْمُ مِنَ الْأَيَّامِ وَيَقُوْلُ إِنَّهُمَا يَوْمَا عِيْدٍ لِلْمُشْرِكِيْنَ فَأَنَا أُحِبُّ أَنْ أُخَالِفَهُمْ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ دوسرے دنوں میں روزہ رکھنے کی بہ نسبت ہفتہ اور اتوار کے دن زیادہ روزہ رکھا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ یہ دو دن مشرکین کے لئے عید ہیں (کہ جن میں وہ روزہ نہیں رکھتے) لہٰذا میں اسے پسند کرتا ہوں کہ (میں ان دنوں میں روزہ رکھ کر) ان کی مخالفت کروں۔ (احمد)

توضیح: سوال یہ ہے کہ اس سے پہلے حدیث نمبر ۲۸ میں واضح طور پر ہفتہ کے دن کے روزہ کی ممانعت ہے تو یہاں اس کی اجازت کیسی ہے؟۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث نمبر ۲۸ کا تعلق امت کے ساتھ ہے اور یہاں جواز کا تعلق حضور اکرم ﷺ کی ذات کے ساتھ ہے وہاں امت کی خصوصیت ہے یہاں نبی اکرم ﷺ کی خصوصیت ہے۔

---

[1] اخرجه البخاري: ۳/۵۷ ومسلم: ۴۵۸/۱، ۴۵۹ [2] اخرجه احمد: ۶/۳۲۳

"للمشرکین" یہود کو اس لئے مشرک قرار دیا گیا کہ انہوں نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ تبارک وتعالیٰ کا بیٹا قرار دیا اور عیسائیوں کو اس لئے مشرک کہد یا کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تبارک وتعالیٰ کا بیٹا قرار دیتے ہیں۔

رمضان سے پہلے عاشورہ کے روزں کے تاکید تھی

﴿۳۳﴾وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْمُرُ بِصِيَامِ يَوْمِ عَاشُوْرَاءَ وَيَحُثُّنَا عَلَيْهِ وَيَتَعَاهَدُنَا عِنْدَهُ فَلَمَّا فُرِضَ رَمَضَانُ لَمْ يَأْمُرْنَا وَلَمْ يَنْهَنَا عَنْهُ وَلَمْ يَتَعَاهَدْنَا عِنْدَهُ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت جابر ابن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم (پہلے) ہمیں یوم عاشوراء کا روزہ رکھنے کا حکم دیا کرتے تھے۔ اس کی ترغیب دلاتے تھے اور اس دن کے آنے کے وقت ہماری خبر گیری کرتے تھے (یعنی عاشوراء کا دن جب نزدیک آتا تو اس کے روزہ رکھنے کی نصیحت فرمایا کرتے تھے) مگر جب رمضان کے روزے فرض ہو گئے تو نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس دن روزہ رکھنے کا حکم فرمایا، اور نہ اس سے منع کیا، اور نہ ہی اس دن کے آنے کے وقت ہماری خبر گیری کی۔ (مسلم)
مسلم شریف کی روایت میں "یامر" کے بجائے "یامرنا" لفظ ہے جو زیادہ واضح ہے۔

﴿۳۴﴾وَعَنْ حَفْصَةَ قَالَتْ أَرْبَعٌ لَمْ يَكُنْ يَدَعُهُنَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صِيَامُ عَاشُوْرَاءَ وَالْعَشْرِ وَثَلَاثَةِ أَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ وَرَكْعَتَانِ قَبْلَ الْفَجْرِ۔ (رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)[2]

ترجمہ: اور حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ چار چیزیں ایسی ہیں کہ جنہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ترک نہیں فرماتے تھے (کیونکہ سنت مؤکدہ ہیں) اول یوم عاشوراء کا روزہ، دوم عشرہ ذی الحجہ (یعنی ذی الحجہ کے ابتدائی نو دنوں کے) روزے، سوم ہر مہینہ میں تین دن کے روزے، چہارم فجر سے پہلے دو رکعتیں (فجر کی دو سنتیں)۔ (نسائی)

ایام بیض کے روزے

﴿۳۵﴾وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُفْطِرُ أَيَّامَ الْبِيضِ فِي حَضَرٍ وَلَا سَفَرٍ۔ (رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایام بیض میں بغیر روزہ نہیں رہا کرتے تھے۔ نہ گھر میں اور نہ سفر میں۔ (نسائی)

---

[1] اخرجه مسلم: ۱/۴۵۸ [2] اخرجه انسائی: ۴/۲۲۰۱ [3] اخرجه النسائی: ۴/۱۹۸

توضیح: ایام بیض یعنی چاندنی راتوں کے دنوں کے روزے، ایام جمع ہے یہ مضاف ہے اور بیض مضاف الیہ ہے مگر یہ مضاف الیہ صفت ہے اس کا موصوف لیالی محذوف ہے اصل عبارت اس طرح ہے "ایام لیالی البیض" ہر ماہ کی تیرھویں چودھویں اور پندرھویں اسلامی تاریخ کو یہ روزے رکھے جاتے ہیں پورے سال میں نفل روزوں کی تعداد اکیاون (۵۱) دن ہے۔ گیارہ مہینوں میں تینتیس روزے تو یہی ایام بیض کے ہیں نو روزے عشرہ ذی الحجہ کے ہیں دو روزے یوم عاشورا کے ہیں ایک روزہ پندرہ شعبان کا ہے اور چھ روزے شوال کے ہیں۔ ۳۳+۹+۲+۱+۶/۵۱۔[۱]

روزہ رکھنا بدن کی زکوۃ ہے

﴿۳۶﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِكُلِّ شَيْءٍ زَكَاةٌ وَزَكَاةُ الْجَسَدِ الصَّوْمُ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه)[۲]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "ہر چیز کے لئے زکوۃ ہے، اور بدن کی زکوۃ روزہ رکھنا ہے۔ (ابن ماجہ)

توضیح: "زکوۃ الجسد" یعنی ہر چیز کے لئے بڑھوتری اور طہارت ہوتی ہے جسم کی بڑھوتری روزہ سے ہے کیونکہ روزہ میں قلت طعام کی وجہ سے بہت ساری بیماریاں دور ہو جاتی ہیں ایک ماہر ڈاکٹر نے مجھے بتایا کہ ایام بیض کے روزوں کی پابندی کرنے سے آدمی شوگر سے محفوظ رہتا ہے اسی طرح ان روزوں سے آدمی گناہوں کی نجاست سے محفوظ رہتا ہے تو طہارت عن المعاصی آجاتی ہے لہذا زکوۃ کی پاکیزگی کا پورا مفہوم روزہ پر صادق ہے اس لئے اس کو زکوۃ الجسد کہا گیا۔[۳]
بیہقی میں ایک روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے بنی اسرائیل کے ایک نبی کو وحی بھیجی کہ اپنی قوم کو خبر دو کہ جو شخص کسی دن میری خوشنودی کے لئے روزہ رکھتا ہے تو میں صرف یہ نہیں کہ اسکے جسم کو تندرست رکھتا ہوں بلکہ اس کو بہت زیادہ ثواب بھی دیتا ہوں۔

﴿۳۷﴾ وَعَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَصُوْمُ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَالْخَمِيْسِ فَقِيْلَ يَارَسُوْلَ اللهِ إِنَّكَ تَصُوْمُ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَالْخَمِيْسِ فَقَالَ إِنَّ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَالْخَمِيْسِ يَغْفِرُ اللهُ فِيْهِمَا لِكُلِّ مُسْلِمٍ إِلَّا ذَاهَاجِرَيْنِ يَقُوْلُ دَعْهُمَا حَتّٰى يَصْطَلِحَا۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَه)[۴]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ پیر اور جمعرات کے دن روزہ رکھا کرتے تھے چنانچہ

[۱] المرقات: ۴/۵۶۶ [۲] اخرجه ابن ماجه: ۱/۵۵۵ ح ۱۷۴۵
[۳] المرقات: ۴/۳۶۷ [۴] اخرجه احمد: ۲/۲۶۸، ۳۲۹ ابن ماجه: ۱/۵۵۳

آپ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ: آپ ﷺ پیر اور جمعرات کے دن (اکثر) روزے رکھتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا "پیر اور جمعرات وہ دن ہیں جس میں اللہ رب العزت ہر مسلمان کی بخشش کرتا ہے علاوہ ان دولوگوں کے جو ترک تعلقات کئے ہوئے ہیں چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ (ان کے بارے میں ان فرشتوں سے جو آثار مغفرت ظاہر ہونے کے وقت برائیوں کو مٹانے پر مامور ہوتے ہیں) فرماتا ہے کہ انہیں چھوڑ دو تاوقتیکہ یہ (آپس میں) صلح کرلیں اس کے بعد ان کی مغفرت ہوگی۔ (احمد، ابن ماجہ)

اللہ تبارک وتعالیٰ کی خوشنودی کے لئے نفل روزہ کا ثواب

﴿۳۸﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَامَ يَوْمًا اِبْتِغَاءَ وَجْهِ اللّٰهِ بَعَّدَهُ اللّٰهُ مِنْ جَهَنَّمَ كَبُعْدِ غُرَابٍ طَائِرٍ وَهُوَ فَرْخٌ حَتّٰى مَاتَ هَرِمًا۔

(رَوَاهُ أَحْمَدُ وَرَوَى الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيْمَانِ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ قَيْسٍ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص اللہ رب العزت کی رضا و خوشنودی کی خاطر ایک دن روزہ رکھتا ہے۔ تو اللہ تبارک وتعالیٰ اسے دوزخ سے اس اڑتے ہوئے کوے کی مسافت کے بقدر دور رکھتا ہے، جو بچہ ہو اور بوڑھا ہو کر مرے۔ (احمد بیہقی)

توضیح: "غراب طائر" کہتے ہیں کہ کوے کی عمر ہزار ہا سال ہوتی ہے نیز اس کی اڑان بھی تیز ہے اب غور کرو کہ ابتداء عمر سے لیکر آخر بڑھاپے تک جب کوا مسلسل اڑتا رہے تو وہ کتنی مسافت طے کریگا؟ جتنی مسافت وہ طے کرتا ہے اسی کے مقدار کے برابر اللہ تبارک وتعالیٰ روزہ دار کو دوزخ سے دور رکھتا ہے۔[2]

بیہقی میں ایک روایت ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا روزہ دار کا سونا عبادت ہے اس کی خاموشی تسبیح ہے اس کا عمل مضاعف ہے اس کی دعا مقبول ہے اور اس کے گناہ معاف ہیں۔

طبرانی سے منقول ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے پاس ایک خوان ہے جس پر طرح طرح کی نعمتیں ہیں جس کا کسی نے نہ تصور کیا ہے نہ کسی نے سنا ہے نہ دیکھا ہے اس خوان پر صرف روزہ دار بیٹھیں گے۔

﴿اللھم ارزقنا ما بیّن رسولك من النعم﴾۔

[1] اخرجه احمد: ۲/۵۲۶، ۵/۳۹۱ والبیھقی: ۳/۲۹۹ [2] المرقات: ۴/۵۶۸

باب متفرق مسائل

نفل روزہ کی نیت دن میں ہوسکتی ہے

﴿۱﴾ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ فَقَالَ هَلْ عِنْدَكُمْ شَيْءٌ فَقُلْنَا لَا قَالَ فَإِنِّي إِذاً صَائِمٌ ثُمَّ أَتَانَا يَوْماً آخَرَ فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللهِ أُهْدِيَ لَنَا حَيْسٌ فَقَالَ أَرِيْنِيْهِ فَلَقَدْ أَصْبَحْتُ صَائِماً فَأَكَلَ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ میرے پاس تشریف لائے، اور فرمانے لگے کہ کیا تمہارے پاس (کھانے کی) کی کوئی چیز ہے؟ میں نے عرض کیا کہ "نہیں" آپ ﷺ نے فرمایا میں نے اب روزہ رکھ لیا ہے"۔ پھر اس کے بعد ایک اور دن آپ ﷺ تشریف لائے (اور پوچھا کہ تمہارے پاس کھانے کی کوئی چیز ہے؟) تو میں نے کہا کہ "یا رسول اللہ: ہمارے لئے حیس ہدیہ میں آیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ لاؤ مجھے وہ دکھاؤ میں نے صبح روزہ رکھ لیا تھا پھر آپ ﷺ نے وہ حیس کھالیا۔ (مسلم)

توضیح: "فانی اذاً صائم" اس جملہ سے یہ مسئلہ ثابت ہوگیا کہ نفل روزہ کی نیت دن کے وقت زوال سے پہلے کرنا جائز ہے اس میں تمام ائمہ کا اتفاق ہے صرف امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نفل روزہ کے لئے بھی ضروری ہے کہ اس کی نیت رات سے ہو اس کی پوری تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔[2]

"اصبحت صائماً فاکل" حدیث کے اس جملہ سے ایک دوسرے اختلافی مسئلہ کی طرف اشارہ ہوگیا وہ یہ کہ نفل روزہ کسی عذر کے بغیر توڑا جاسکتا ہے یا نہیں، جمہور علماء کا یہی مسلک ہے کہ توڑا جاسکتا ہے مگر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نفل روزہ رکھنے کے بعد واجب ہوجاتا ہے لہٰذا کسی عذر کے بغیر اس کو نہیں توڑا جاسکتا ہے اور عذر کی صورت میں بھی توڑنے کی گنجائش ہے لیکن پھر بھی قضا لازم آتی ہے۔ اختلاف اور دلائل آئندہ حدیث نمبر ۴ کے تحت آرہے ہیں، کچھ انتظار فرمائیں۔

"حیس" ایک کھانے کا نام ہے جو مالیدہ کی طرح ہوتا ہے کھجور، گھی اور قروت سے تیار کیا جاتا ہے۔[3]

نفل روزہ توڑنے کے لئے عذر کیا ہے؟

﴿۲﴾ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى أُمِّ سُلَيْمٍ فَأَتَتْهُ بِتَمْرٍ وَسَمْنٍ فَقَالَ

[1] اخرجه مسلم: ۱/۳۶۶، ۳۶۷ [2] المرقات: ۴/۵۷۰ [3] المرقات: ۴/۵۷۰

أَعِيدُوا سَمْنَكُمْ فِي سِقَائِهِ وَتَمْرَكُمْ فِي وِعَائِهِ فَإِنِّي صَائِمٌ ثُمَّ قَامَ إِلَى نَاحِيَةٍ مِنَ الْبَيْتِ فَصَلَّى غَيْرَ الْمَكْتُوبَةِ فَدَعَا لِأُمِّ سُلَيْمٍ وَأَهْلِ بَيْتِهَا۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لے گئے تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے گھی اور کھجور لائیں (تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تناول فرمائیں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ اپنے گھی کو اس کی مشک میں اور کھجور کو اس کے برتن میں رکھ دو۔ کیونکہ میں روزہ سے ہوں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر کے ایک کونہ میں کھڑے ہوکر فرض کے علاوہ نماز پڑھنے لگے اور ام سلیم اور ان کے گھروالوں کے لئے دعاء فرمائی۔ (بخاری)

توضیح: اگر کسی کا نفل روزہ ہے اور اس دن اس کے خاص مہمان آگئے تو کیا ان کی ضیافت عذر ہے کہ یہ شخص روزہ توڑ ڈالے یا عذر نہیں؟ اس بارہ میں علماء کے ہاں معمولی اختلاف ہے لیکن راجح یہی ہے کہ اگر مہمان ان کے روزہ کی وجہ سے کھانے میں حرج محسوس کرتے ہوں یا ان کے بغیر کھانا نہیں کھاتے ہوں یا ان کی دل شکنی ہوتی ہو یا ان کو ناگواری اور تنگی ہوتی ہو تو اس صورت میں ضیافت عذر ہے روزہ توڑا جاسکتا ہے۔

ائمہ احناف کی کتابوں میں لکھا ہے کہ ایسی صورت میں روزہ دار کو دو اجر ملیں گے ایک تو اس پر کہ اس نے مہمانوں کی خاطر داری کی دوسرا اس وجہ سے کہ بعد میں روزہ رکھے گا لیکن اگر مہمان کی وجہ سے مندرجہ بالا مشکلات پیش نہیں آتی ہیں تو پھر افطار کے لئے ضیافت عذر نہیں ہے۔ حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں یہی صورت تھی اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ افطار نہیں کیا، بہر حال اگر بزرگ آدمی ہو تو ان کو چاہئے کہ وہاں نفل پڑھے اور گھروالوں کے لئے دعا کریں جیسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ام سلیم کے لئے کیا۔[2]

﴿۳﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دُعِيَ أَحَدُكُمْ إِلَى طَعَامٍ وَهُوَ صَائِمٌ فَلْيَقُلْ إِنِّي صَائِمٌ وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ إِذَا دُعِيَ أَحَدُكُمْ فَلْيُجِبْ فَإِنْ كَانَ صَائِمًا فَلْيُصَلِّ وَإِنْ كَانَ مُفْطِرًا فَلْيَطْعَمْ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کو کھانے پر بلایا جائے اور وہ روزہ دار ہو تو اسے چاہیئے کہ یہ کہہ دے کہ میں روزے سے ہوں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا اگر تم میں سے کسی کی دعوت کی جائے۔ تو اسے چاہیئے کہ وہ دعوت قبول کرلے اور اگر وہ روزہ دار ہو تو دو رکعت نماز (نفل) پڑھ لے اور اگر روزہ دار نہ ہو تو اسے چاہیئے کہ کھانے میں شریک ہو۔ (مسلم)

[1] اخرجه البخاري: ۳/۵۳ [2] المرقات: ۴/۵۷۰ [3] اخرجه مسلم: ۱/۴۶۵

الفصل الثانی

نفل روزہ توڑنے والے پر قضا ہے یا نہیں

﴿٤﴾ عَنْ أُمِّ هَانِئٍ قَالَتْ لَمَّا كَانَ يَوْمُ الْفَتْحِ فَتْحِ مَكَّةَ جَاءَتْ فَاطِمَةُ فَجَلَسَتْ عَلَى يَسَارِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأُمِّ هَانِئٍ عَنْ يَمِينِهِ فَجَاءَتِ الْوَلِيدَةُ بِإِنَاءٍ فِيهِ شَرَابٌ فَنَاوَلَتْهُ فَشَرِبَ مِنْهُ ثُمَّ نَاوَلَهُ أُمَّ هَانِئٍ فَشَرِبَتْ مِنْهُ فَقَالَتْ يَارَسُولَ اللهِ لَقَدْ أَفْطَرْتُ وَكُنْتُ صَائِمَةً فَقَالَ لَهَا أَكُنْتِ تَقْضِينَ شَيْئًا قَالَتْ لَا قَالَ فَلَا يَضُرُّكِ إِنْ كَانَ تَطَوُّعًا رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَفِي رِوَايَةٍ لِأَحْمَدَ وَالتِّرْمِذِيِّ نَحْوُهُ وَفِيهِ فَقَالَتْ يَارَسُولَ اللهِ أَمَا إِنِّي كُنْتُ صَائِمَةً فَقَالَ الصَّائِمُ الْمُتَطَوِّعُ أَمِيرُ نَفْسِهِ إِنْ شَاءَ صَامَ وَإِنْ شَاءَ أَفْطَرَ[1]

ترجمہ: حضرت ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ جب مکہ فتح ہوا تو اس دن حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آئیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بائیں طرف بیٹھ گئیں۔ اور ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں طرف بیٹھی ہوئی تھیں اتنے میں ایک لونڈی ایک برتن لے کر آئی جس میں پینے کی کوئی چیز تھی لونڈی نے وہ برتن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سے کچھ پی کر وہ برتن ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو عنایت فرمایا، ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی اس میں سے پیا اور کہنے لگیں کہ یا رسول اللہ: میں نے افطار کرلیا کیونکہ میں روزے سے تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ کیا تم نے (رمضان کا) کوئی قضاء (یا نذر کا) روزہ رکھا تھا؟ انہوں نے کہا کہ ''نہیں'' (بلکہ نفل روزہ تھا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اگر یہ نفل روزہ تھا تو کوئی حرج نہیں۔ (ابوداؤد، ترمذی، دارمی) ایک اور روایت میں جو احمد اور ترمذی نے اسی کے مانند نقل کیا ہے یہ الفاظ بھی ہیں کہ ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ یا رسول اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہونا چاہیئے کہ میں روزہ سے تھی'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''نفل روزہ رکھنے والا اپنے نفس کا مالک ہے چاہے روزہ رکھے چاہے افطار کرے۔

توضیح: نفل روزہ اگر کسی نے رکھا اور پھر توڑ دیا تو اس پر قضاء ہے یا نہیں؟ اس بارہ میں علماء کا اختلاف ہے۔

علماء کا اختلاف:

امام احمد اور امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک نفل روزہ توڑنے سے قضا لازم نہیں آتی ہے۔

امام مالک اور امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک قضا لازم ہے اصل اختلاف شوافع اور احناف کا ہے۔[2]

[1] اخرجہ ابوداؤد: ۲/۳۴۲ والترمذی: ۳/۱۰۹ [2] المرقات: ۴/۵۷۱

دلائل:

شوافع کی پہلی دلیل زیر بحث حضرت ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث ہے جس میں یہ الفاظ ہیں ''فلا یضرك ان كان تطوعا'' اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں ''الصائم المتطوع امیر نفسه'' ان شاء صام وان شاء افطر۔[۱]

ائمہ احناف کی پہلی دلیل قرآن کی یہ آیت ہے ولا تبطلوا اعمالكم[۲]

احناف کی دوسری دلیل اس حدیث کے ساتھ والی حدیث نمبر ۵ ہے جس میں یہ الفاظ ہیں ''فقال اقضیا یوما اٰخر مكانه'' اس کے متعدد طرق میں اتصال ہے اگر بعض میں انقطاع وارسال ہو تو وہ مضر نہیں ہے۔[۳]

احناف کی تیسری دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث ہے۔

عن عائشة قالت دخل علی النبی صلی الله علیه وسلم فقلت له یارسول الله انا هیأنا لك حیسا فقال اما انی كنت ارید الصوم ولكن قربیه سأصوم یوما اٰخر مكانه۔ (طحاوی بیہقی دار قطنی)[۴]

جواب: حضرت ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث میں نفل روزہ توڑنے پر صرف عدم مضرت کا حکم لگایا گیا اس کا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ روزہ کے قضا کرنے کے بعد کوئی مضرت نہیں یہ حدیث قضاء نہ کرنے سے بالکل ساکت ہے اور احناف کے دلائل قضاء کرنے پر ناطق ہیں اور ناطق ساکت سے راجح ہوتا ہے۔

دوسرا جواب: یہ بھی ہے کہ ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اس روایت میں بہت ضعف ہے چنانچہ علامہ منذری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں لا یثبت وفی اسناده اختلاف كثیر (مرقات) امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کی سند کو کمزور قرار دیا ہے اس حدیث کے دوسرے جزء کا جواب یہ ہے کہ نفل روزہ رکھنے والا روزہ رکھتے وقت مختار ہے چاہے رکھے یا نہ رکھے لہٰذا یہ قطعی دلیل نہیں ہے۔

تیسرا جواب: یہ ہے کہ حدیث کا یہ ٹکڑا بھی قضاء سے ساکت ہے اور ہماری دلیل ناطق ہے اور ناطق ساکت سے راجح ہے تاویلات اگرچہ سینہ زوری پر مبنی ہیں مگر احناف نے دیگر معیار حق روایات کی وجہ سے یہ تاویلات کی ہیں۔[۵]

احناف کی طرف سے شوافع کو الزامی جواب یہ ہے کہ آپ لوگ جب نفل حج اور عمرہ کے توڑنے پر قضاء کو واجب قرار دیتے ہو تو نفل روزہ میں کیوں ایسا نہیں کرتے ہو آخر نفل روزہ اور حج وعمرہ میں کیا فرق ہے؟

نفل روزہ توڑنے والا قضا کریگا

﴿۵﴾وَعَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ أَنَا وَحَفْصَةُ صَائِمَتَيْنِ فَعُرِضَ لَنَا طَعَامٌ

[۱] المرقات: ۴/۵۷۴ [۲] محمد الآیہ ۳۳ [۳] المرقات: ۴/۵۷۶ [۴] المرقات: ۴/۵۷۵ [۵] المرقات: ۴/۵۷۵

اِشْتَهَيْنَاهُ فَأَكَلْنَا مِنْهُ فَقَالَتْ حَفْصَةُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّا كُنَّا صَائِمَتَيْنِ فَعُرِضَ لَنَا طَعَامٌ اِشْتَهَيْنَاهُ فَأَكَلْنَا مِنْهُ قَالَ اِقْضِيَا يَوْمًا آخَرَ مَكَانَهُ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَذَكَرَ جَمَاعَةٌ مِنَ الْحُفَّاظِ رَوَوْا عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عَائِشَةَ مُرْسَلًا وَلَمْ يَذْكُرُوْا فِيْهِ عَنْ عُرْوَةَ وَهٰذَا أَصَحُّ وَرَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ عَنْ زُمَيْلٍ مَوْلٰى عُرْوَةَ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ [1]

ترجمہ: اور حضرت زہری رحمۃ اللہ علیہ حضرت عروہ رحمۃ اللہ علیہ سے اور وہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا (ایک دن) میں اور حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دونوں روزے سے تھیں کہ ہمارے سامنے کھانا لایا گیا ہمیں اس کو کھانے کی خواہش ہوئی چنانچہ ہم نے کھالیا اس کے بعد حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ہم روزے سے تھیں کہ ہمارے سامنے کھانا لایا گیا ہمیں اس کو کھانے کی خواہش ہوئی چنانچہ ہم نے کھالیا (اب ہمارے بارہ میں کیا حکم ہے؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے بدلہ بطور قضاء ایک دن روزہ رکھو۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور حفاظ حدیث کی ایک ایسی جماعت کا ذکر کیا ہے جنہوں نے اس روایت کو زہری رحمۃ اللہ علیہ سے اور زہری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بطریق ارسال نقل کیا ہے اس میں عروہ رحمۃ اللہ علیہ کا واسطہ مذکور نہیں ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے۔ نیز اس روایت کو امام ابوداؤد نے زمیل رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے جو حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے زمیل رحمۃ اللہ علیہ نے عروہ رحمۃ اللہ علیہ سے اور عروہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نقل کیا ہے۔

نفل روزہ رکھنے والے کے لئے فرشتے دعا کرتے ہیں

﴿۶﴾ وَعَنْ أُمِّ عُمَارَةَ بِنْتِ كَعْبٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَيْهَا فَدَعَتْ لَهُ بِطَعَامٍ فَقَالَ لَهَا كُلِيْ فَقَالَتْ إِنِّيْ صَائِمَةٌ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الصَّائِمَ إِذَا أُكِلَ عِنْدَهُ صَلَّتْ عَلَيْهِ الْمَلَائِكَةُ حَتّٰى يَفْرُغُوْا (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ) [2]

ترجمہ: اور حضرت ام عمارہ بنت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں مروی ہے کہ (ایک دن) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے یہاں تشریف لے گئے تو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کھانا منگوایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام عمارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ تم بھی کھاؤ" انہوں نے عرض کیا کہ "میں تو روزہ سے ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" جب کسی روزہ دار کے سامنے کھانا کھایا جاتا ہے (اور اس کا دل کھانے کی خواہش کرتا ہے جس کی بناء پر اس کے لئے روزہ بڑا سخت ہوتا ہے) تو جب تک کہ کھانے والے کھانے سے فارغ نہیں ہوجاتے فرشتے اس پر رحمت بھیجتے رہتے ہیں۔ (احمد، ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)

[1] اخرجہ الترمذی: ۳/۱۱۲ ح ۷۳۵ [2] اخرجہ احمد: ۶/۱۳۱ والترمذی: ۳/۱۱۲ ابن ماجہ

الفصل الثالث

﴿۷﴾ عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ دَخَلَ بِلَالٌ عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَتَغَدّٰى فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْغَدَاءَ يَا بِلَالُ قَالَ إِنِّيْ صَائِمٌ يَا رَسُوْلَ اللهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَأْكُلُ رِزْقَنَا وَفَضْلُ رِزْقِ بِلَالٍ فِي الْجَنَّةِ أَشَعَرْتَ يَا بِلَالُ أَنَّ الصَّائِمَ يُسَبِّحُ عِظَامُهُ وَيَسْتَغْفِرُ لَهُ الْمَلَائِكَةُ مَا أُكِلَ عِنْدَهُ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيْمَانِ)[1]

ترجمہ: حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) حضرت بلال رضی اللہ عنہ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ صبح کا کھانا کھا رہے تھے۔ چنانچہ رسول کریم ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ”بلال آؤ کھانا کھاؤ“ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ: میں روزہ سے ہوں آپ ﷺ نے فرمایا ”ہم تو اپنا رزق (یہاں) کھا رہے ہیں اور بلال رضی اللہ عنہ کا بہترین رزق جنت میں ہے، بلال رضی اللہ عنہ کیا تم جانتے ہو کہ (جب روزہ دار کے سامنے کھانا کھایا جاتا ہے تو) روزہ دار کی ہڈیاں تسبیح کرتی ہیں، اور فرشتے اس کے لئے بخشش چاہتے ہیں جب تک کہ اس کے سامنے کھایا جاتا ہے۔ (بیہقی)

[1] اخرجه البیهقی: ۳/۲۹۷ ح ۳۵۸٦

باب لیلة القدر

لیلۃ القدر کا بیان

قال الله تعالیٰ ﴿انا انزلناه فی لیلة القدر وما ادراك ما لیلة القدر لیلة القدر خیر من الف شهر﴾[۱]

اس باب میں لیلۃ القدر کی عظمت وفضیلت کا بیان ہے اس کو لیلۃ القدر اس وجہ سے کہتے ہیں کہ قدر اندازہ کرنے کو کہتے ہیں اور اس رات میں بھی ارزاق و آجال کا اندازہ کر کے لکھا جاتا ہے یا یہ لفظ قدر وعظمت شان کے معنی میں ہے۔ بہرحال لیلۃ القدر کی رات اس امت مرحومہ کے ساتھ خاص ہے کیونکہ انکی عمریں مختصر ہیں تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے لیلۃ القدر کے ذریعہ سے اجر وثواب میں ان کی عمروں کو طول عطا کیا چنانچہ ایک حدیث میں ہے جس کو ابن ابی حاتم رضی اللہ عنہ نے نقل کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک دفعہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیٹھے ہوئے تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسرائیل کے چار اشخاص کا ذکر کیا اور فرمایا کہ انہوں نے اسّی اسّی سال تک اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت کی، صحابہ رضی اللہ عنہم نے جب یہ سنا تو تعجب بھی کیا اور تمنا بھی کی، اتنے میں جبریل امین آئے اور فرمایا تم نے تعجب کیا اور طویل عمر کی عبادت کی تمنا کی تو سن لو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس امت کو اس سے زیادہ بھلائی عطا فرمائی ہے پھر جبرئیل امین نے سورۃ القدر پڑھ کر سنائی یاد رہے کہ ایک ہزار مہینوں سے ۸۳ سال بن جاتے ہیں اور چار ماہ زائد رہتے ہیں اسی چار ماہ کو فرمایا ﴿خیر من الف شهر﴾[۲]

علماء نے لکھا ہے کہ لیلۃ القدر میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی خاص رحمت کی تجلی آسمان دنیا پر ہوتی ہے اس رات میں زمین پر کثیر مقدار میں فرشتے اتر آتے ہیں اسی رات میں قرآن لوح محفوظ سے آسمان دنیا کی طرف نازل ہوا تھا اسی شب میں ملائکہ کی پیدائش ہوئی ہے اسی شب میں آدم علیہ السلام کا مادہ جمع کیا گیا تھا اسی شب میں جنت میں درخت لگائے گئے تھے۔ اسی شب میں عبادت کے درجات دوسرے اوقات کی نسبت بڑھائے گئے تھے اور اسی رات میں دعا قبول ہوتی ہے۔

(ابن ابی حاتم مظاہر حق)[۳]

---

[۱] قدر الایہ ۱ [۲] المرقات: ۴/۵۷۹ [۳] قدر الایہ ۵

لیلۃ القدر کونسی شب میں ہے؟

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس رات کو لوگوں سے چھپا کر رکھا ہے تا کہ لوگ ہر رات کی قدر کریں اور صرف لیلۃ القدر کی عبادت پر اکتفانہ کریں جس طرح جمعہ کے دن میں قبولیت دعا کی ایک گھڑی کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے چھپا رکھا ہے لیلۃ القدر بھی اسی کے مانند ہے۔

علماء نے لکھا ہے کہ جو شخص پورے سال عبادت کے لئے رات میں تہجد کے لئے اٹھتا رہے وہ ضرور لیلۃ القدر کو پالیگا کیونکہ جو آدمی راتوں کی عبادت کی قدر کرتا ہے وہ لیلۃ القدر کو پالیتا ہے جس طرح کہا گیا ہے۔

من لم یعرف قدر اللیلۃ لم یعرف لیلۃ القدر

یعنی ہرشب شبِ قدر است اگرقدر می دانی

بہر حال ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقات میں لکھتے ہیں کہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ علماء لیلۃ القدر کے محل تعین میں آپس میں اختلاف رکھتے ہیں بعض کا خیال ہے کہ یہ رات منتقل ہوتی رہتی ہے ایک سال میں کسی ایک رات میں آتی ہے تو دوسرے سال میں کسی دوسری رات میں آتی ہے۔ ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس قول سے لیلۃ القدر کے بارہ میں تمام مختلف احادیث میں تطبیق پیدا ہوجائے گی۔ [1]

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ واحمد رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر علماء کا مسلک بھی یہی ہے۔

بعض علماء کا خیال ہے کہ لیلۃ القدر ماہ رمضان کے آخری عشرہ کی راتوں میں گھومتی پھرتی ہے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی رائے یہ ہے کہ لیلۃ القدر پورے سال میں گھومتی پھرتی ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی خیال ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی رائے یہ ہے کہ شب قدر پورے رمضان کی راتوں میں کسی ایک رات میں ہے اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم اور اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ رمضان کی ستاویں شب لیلۃ القدر کی رات ہے۔ اس رات کی کچھ خصوصی علامات بھی ہیں جو احادیث میں مذکور ہیں اس کے علاوہ جو علامات بیان کی جاتی ہیں کہ درخت سجدہ ریز ہوتے ہیں پھر کھڑے ہوجاتے ہیں یہ سب غیر مستند اور غیر معتمد چیزیں ہیں۔ [2]

سوال: یہاں ایک مشہور سوال ہے جو عوام الناس اور بعض خواص کے ذہنوں میں آتا رہتا ہے۔ وہ سوال یہ ہے کہ لیلۃ القدر کی رات تو ایک ہے جب یہ کسی جگہ میں آگئی اور چلی گئی تو دوسری جگہ میں کیسے آئے گی اور اگر آبھی گئی تو طاق راتوں میں کیسے آئے گی؟

---

[1] المرقات: ۴/۵۷۹ [2] المرقات: ۵۷۹/۴ ۵۸۰

جواب: اس کا سادہ جواب یہ ہے کہ لیلۃ القدر کے آنے جانے کا تعلق اختلاف مطالع اور زمانہ کی تقدیم اور تاخیر سے ہے یہ رات مثلاً سعودیہ میں زمانہ کی تقدیم کی وجہ سے پہلے پہنچ گئی پھر اس نے سفر شروع کیا اور پاکستان پہنچ گئی اب یہ وہی کل والی شب قدر ہے لیکن زمانہ کی تاخیر سے اور اختلاف مطالع سے ہم تک تاخیر کے ساتھ پہنچ گئی تو یہ گذشتہ کل اگر سعودیہ میں ۲۷ کی شب تھی تو یہی شب ہم تک دوسرے دن میں پہنچ گئی جس میں شب قدر ہے۔ بہر حال یہ زمانہ کی تقدیم و تاخیر کی وجہ ہے رات بھی ایک ہے شب قدر بھی ایک ہے۔

الفصل الاول

شب قدر آخری عشرہ کی طاق راتوں میں ہے

﴿۱﴾ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَحَرَّوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي الْوِتْرِ مِنَ الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[1]

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "شب قدر کو رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔ (بخاری)

﴿۲﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ إِنَّ رِجَالًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُرُوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي الْمَنَامِ فِي السَّبْعِ الْأَوَاخِرِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرَى رُؤْيَاكُمْ قَدْ تَوَاطَأَتْ فِي السَّبْعِ الْأَوَاخِرِ فَمَنْ كَانَ مُتَحَرِّيهَا فَلْيَتَحَرَّهَا فِي السَّبْعِ الْأَوَاخِرِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کے کتنے ہی صحابہ رضی اللہ عنہم کو خواب میں شب قدر (رمضان کی) آخری سات راتوں میں دکھلائی گئی چنانچہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا میں یہ بات دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے سب کے خواب آخری سات راتوں پر متفق ہیں لہٰذا جو شخص شب قدر پانا چاہے تو اسے چاہیئے کہ وہ اسے آخری سات راتوں میں تلاش کرے۔ (بخاری و مسلم)

توضیح: "فی السبع الاواخر" یعنی شب قدر رمضان کے آخری عشرہ کے آخری سات راتوں میں تلاش کرو، اس حدیث کے مطابق شب قدر ۲۳ رمضان سے آخر تک کسی رات میں ہوسکتی ہے اسلامی مہینہ یقینی طور پر ۲۹ دن کا ہوتا ہے کبھی تیس کا ہوجاتا ہے لیکن اس میں احتمال ہے لہٰذا ۲۹ کے حساب سے یہ سات دن بن جاتے ہیں اور حدیث کا یہی مطلب لینا زیادہ صحیح ہے۔[3]

[1] اخرجه البخاری: ۳/۶۰ [2] اخرجه البخاری: ۲/۶۹ ومسلم: ۱/۴۷۵ [3] المرقات: ۴/۵۸۰

﴿۳﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِلْتَمِسُوْهَا فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِيْ تَاسِعَةٍ تَبْقٰى فِيْ سَابِعَةٍ تَبْقٰى فِيْ خَامِسَةٍ تَبْقٰى۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے رمضان کے آخری عشرہ میں تلاش کرو، یعنی لیلۃ القدر کو (تلاش کرو) باقی ماندہ نویں شب میں (کہ وہ اکیسویں شب ہے) باقی ماندہ ساتویں شب میں (کہ وہ تیئسویں شب ہے) اور باقی ماندہ پانچویں شب میں (کہ وہ پچیسویں شب ہے)۔ (بخاری)

توضیح: ''فی تاسعة تبقی'' یعنی جب آخری عشرہ کی نوراتیں باقی رہ جائیں اس وقت شب قدر کو تلاش کرو، یہ اکیسویں رات کی طرف اشارہ ہے ''سابعة تبقی'' سے تیئسویں رات کی طرف اشارہ ہے ''خامسة تبقی'' اس میں پچیسویں رات کی طرف اشارہ ہے اس حدیث کے حساب کے مطابق رمضان کا مہینہ ۳۰ دن کا ہونا چاہیے۔ اور اوپر والی گنتی کے اسلوب کو رمضان کے آخر سے لیا جائے تو پھر مطلب یہ ہوگا کہ شب قدر کو ۲۹ ویں رات میں تلاش کرو ۲۷ شب اور ۲۵ ویں شب میں تلاش کرو۔[2]

﴿۴﴾ وَعَنْ أَبِيْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اعْتَكَفَ الْعَشْرَ الْأَوَّلَ مِنْ رَمَضَانَ ثُمَّ اعْتَكَفَ الْعَشْرَ الْأَوْسَطَ فِيْ قُبَّةٍ تُرْكِيَّةٍ ثُمَّ اطَّلَعَ رَأْسَهٗ فَقَالَ إِنِّيْ اِعْتَكَفْتُ الْعَشْرَ الْأَوَّلَ أَلْتَمِسُ هٰذِهِ اللَّيْلَةَ ثُمَّ اعْتَكَفْتُ الْعَشْرَ الْأَوْسَطَ ثُمَّ أُتِيْتُ فَقِيْلَ لِيْ إِنَّهَا فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ فَمَنْ كَانَ اعْتَكَفَ مَعِيْ فَلْيَعْتَكِفِ الْعَشْرَ الْأَوَاخِرَ فَقَدْ أُرِيْتُ هٰذِهِ اللَّيْلَةَ ثُمَّ أُنْسِيْتُهَا وَقَدْ رَأَيْتُنِيْ أَسْجُدُ فِيْ مَاءٍ وَطِيْنٍ مِنْ صَبِيْحَتِهَا فَالْتَمِسُوْهَا فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ وَالْتَمِسُوْهَا فِيْ كُلِّ وِتْرٍ قَالَ فَمَطَرَتِ السَّمَاءُ تِلْكَ اللَّيْلَةَ وَكَانَ الْمَسْجِدُ عَلٰى عَرِيْشٍ فَوَكَفَ الْمَسْجِدُ فَبَصُرَتْ عَيْنَايَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلٰى جَبْهَتِهٖ أَثَرُ الْمَاءِ وَالطِّيْنِ مِنْ صَبِيْحَةِ إِحْدٰى وَعِشْرِيْنَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ فِي الْمَعْنٰى وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ إِلٰى قَوْلِهٖ فَقِيْلَ لِيْ إِنَّهَا فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ وَالْبَاقِيْ لِلْبُخَارِيِّ، فِيْ رِوَايَةِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أُنَيْسٍ قَالَ لَيْلَةُ ثَلَاثٍ وَعِشْرِيْنَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے پہلے عشرہ میں اعتکاف کیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ترکی خیمہ کے اندر درمیانی عشرہ میں اعتکاف کیا اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر مبارک (خیمہ سے) باہر نکال کر فرمایا کہ ''میں نے شب قدر کو تلاش کرنے کے لئے پہلے عشرہ میں اعتکاف کیا، پھر میں نے درمیانی عشرہ میں اعتکاف کیا، اس

[1] اخرجه البخاری: ۳/۶۱ [2] المرقات: ۳/۵۸۲ الکاشف: ۳/۵۸۳ [3] اخرجه البخاری: ۱/۱۷۱ ومسلم: ۱/۳۷۶

کے بعد میرے پاس ایک فرشتہ آیا اور اس نے مجھے بتایا کہ شب قدر رمضان کے آخری عشرہ میں آتی ہے لہٰذا جو شخص میرے ساتھ اعتکاف کرنا چاہے اسے چاہیئے کہ وہ آخری عشرہ میں اعتکاف کرے، اور مجھے خواب میں شب قدر کو متعین کر کے بتایا گیا مگر بعد میں اسے میرے ذہن سے محو کر دیا گیا (یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام نے مجھے بتایا کہ فلاں رات شب قدر ہے مگر پھر میں بھول گیا کہ انہوں نے کس رات کا تعین کیا تھا) اور میں نے (خواب میں) اپنے آپ کو دیکھا کہ میں اس کی صبح (یعنی لیلۃ القدر کی صبح کو) کیچڑ میں سجدہ کر رہا ہوں اور چونکہ میں یہ بھول گیا ہوں کہ وہ کون سی رات تھی لہٰذا اسے (رمضان کے) آخری عشرہ میں تلاش کرو، نیز لیلۃ القدر کو طاق راتوں میں (یعنی آخری عشرہ کی طاق راتوں میں) تلاش کرو۔ راوی کہتے ہیں کہ (جس رات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب دیکھا تھا) اس رات میں بارش ہوئی تھی اور چونکہ مسجد کی چھت کھجور کی شاخوں کی بنی ہوئی تھی اس لئے مسجد ٹپکی چنانچہ میری آنکھوں نے دیکھا کہ اکیسویں شب کی صبح کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی پر پانی اور مٹی کا نشان تھا۔ اس حدیث کے نقل کے سلسلہ میں معنوی طور پر بخاری و مسلم دونوں متفق ہیں البتہ "**فقیل لی انها فی العشر الاواخر**" تک اس روایت کے الفاظ تو مسلم نے نقل کئے ہیں اور روایت کے باقی الفاظ بخاری نے نقل کئے ہیں نیز ایک دوسری روایت میں جو عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے (اکیسویں شب کی صبح کی بجائے) تئیسویں شب کی صبح کے الفاظ ہیں اس روایت کو مسلم نے نقل کیا ہے۔

توضیح: "**فی قبة ترکیة**" ترکی کا بنا ہوا چھوٹا سا گول خیمہ تھا اس کو خرقان بھی کہتے ہیں جس کو فارسی میں خرگاہ کہتے ہیں۔[۱]

"**ثم اتیت**" یہ مجہول کا صیغہ ہے یعنی میرے پاس ایک آنے والا فرشتہ آگیا[۲] "**اریت**" یہ بھی مجہول کا صیغہ ہے یعنی مجھے یہ رات دکھائی گئی مگر پھر بھلائی گئی یعنی اس کا تعین ختم کر دیا گیا رات باقی ہے[۳] "**رئیتنی**" یعنی میں نے خواب میں اپنے آپ کو اس حالت میں دیکھا[۴] "**علی عریش**" یعنی اس کی چھت کھجور کی شاخوں سے بنی ہوئی تھی[۵] "**فوکف المسجد**" یعنی مسجد کی چھت ٹپکی بارش کی وجہ سے پانی ٹپک ٹپک کر نیچے آگیا۔[۶]

راوی نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب کے مطابق بیان دیا کہ جس طرح خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو دیکھا ویسا ہی صبح کے وقت نماز کے بعد ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا یہ رات ۲۳ رمضان کی تھی۔

شب قدر کی رات ۲۷ رمضان ہی ہے

﴿۵﴾ وَعَنْ زِرِّ بْنِ حُبَيْشٍ قَالَ سَأَلْتُ أُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ فَقُلْتُ إِنَّ أَخَاكَ ابْنَ مَسْعُوْدٍ يَقُوْلُ مَنْ يَقُمِ الْحَوْلَ يُصِبْ لَيْلَةَ الْقَدْرِ فَقَالَ رَحِمَهُ اللّٰهُ أَرَادَ أَنْ لَّا يَتَّكِلَ النَّاسُ أَمَا أَنَّهُ قَدْ عَلِمَ أَنَّهَا فِيْ رَمَضَانَ وَأَنَّهَا فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ وَأَنَّهَا لَيْلَةُ سَبْعٍ وَعِشْرِيْنَ ثُمَّ حَلَفَ لَا يَسْتَثْنِيْ أَنَّهَا لَيْلَةُ سَبْعٍ وَعِشْرِيْنَ

[۱] المرقات: ۴/۵۸۳ [۲] المرقات: ۴/۵۸۳، ۵۸۴ [۳] المرقات: ۴/۵۸۵
[۴] المرقات: ۴/۵۸۵ [۵] المرقات: ۴/۵۸۵ [۶] المرقات: ۴/۵۸۲

فَقُلْتُ بِأَيِّ شَيْءٍ تَقُوْلُ ذٰلِكَ يَا أَبَا الْمُنْذِرِ قَالَ بِالْعَلَامَةِ أَوْ بِالْآيَةِ الَّتِيْ أَخْبَرَنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهَا تَطْلُعُ يَوْمَئِذٍ لَا شُعَاعَ لَهَا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت زربن حبیش رحمۃ اللہ علیہ (تابعی) کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے سوال کرتے ہوئے کہا کہ آپ کے (دینی) بھائی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جو شخص تمام سال عبادت کے لئے شب بیداری کرے تو وہ شب قدر کو پالے گا؟ حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ابن مسعود رضی اللہ عنہ پر رحم کرے، انہوں نے یہ بات اس بناء پر کہی ہے کہ لوگ بھروسہ کر کے نہ بیٹھ جائیں ورنہ تو جہاں تک حقیقت کا تعلق ہے ابن مسعود رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ شب قدر رمضان میں آتی ہے اور رمضان کے آخری عشرہ کی ایک رات شب قدر ہوتی ہے اور وہ رات ستائیسویں شب ہے۔ پھر ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ نے ایسی قسم کھائی جس کے ساتھ ان شاء اللہ نہ کہا اور کہا کہ "بلاشبہ لیلۃ القدر ستائیسویں شب ہے۔ میں نے عرض کیا ابو منذر رضی اللہ عنہ: (یہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے) آپ یہ بات کس دلیل کی بناء پر کہتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ اس علامت یا نشانی کی بناء پر جو ہمیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائی ہے کہ اس رات کی صبح آفتاب طلوع ہوتا ہے تو اس میں روشنی نہیں ہوتی (چنانچہ میں نے دیکھا ہے کہ ستائیسویں شب کی صبح آفتاب طلوع ہوا تو اس میں روشنی نہیں تھی)۔ (مسلم)

توضیح: "ان لا یتکل الناس" یعنی صرف ۲۷ رمضان پر بھروسہ کر کے نہ بیٹھ جائیں ورنہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو خوب معلوم ہے کہ شب قدر رمضان کے آخری عشرہ میں ہے اور ۲۷ رمضان میں ہے۔[2]

"ثم حلف" یعنی ایسی قسم کھائی جو پکی تھی اس میں ان شاء اللہ کی استثنا بھی نہیں تھی، امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ قرآن کی سورۃ قدر میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے تین بار لیلۃ القدر کا لفظ استعمال فرمایا ہے اور اس لفظ کے اندر نو حروف ہیں جس سے کل حروف ۲۷ بنتے ہیں لہٰذا لیلۃ القدر ۲۷ رمضان میں ہے یہ قرآنی اشارہ ہے یہاں سلطان العارفین محی الدین ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک عبارت نقل کرتا ہوں فائدہ سے خالی نہ ہوگی، وہ فتوحات مکیہ میں لکھتے ہیں۔[3]

واختلف الناس فی لیلۃ القدر اعنی فی زمانها فمنهم من قال هی فی السنة کلها تدور، وبه اقول فانی رئیتها فی شعبان وفی شهر ربیع وفی شهر رمضان واکثر ما رئیتها فی شهر رمضان وفی العشر الاخر منه ورئیتها مرة فی العشر الوسط من رمضان فی غیر لیلة وتر وفی الوتر منها فأنا علی یقین من انها تدور فی السنة فی وتر وشفع من الشهر انتهی۔ (زجاجۃ المصابیح ج ۱ ص ۵۸۴)

[1] اخرجه مسلم: ۱/۵۸۶ [2] المرقات: ۴/۵۸۷ [3] المرقات: ۴/۵۸۸

رمضان کے آخری عشرہ میں عبادت میں مجاہدہ

﴿۶﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْتَهِدُ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مَالَا يَجْتَهِدُ فِيْ غَيْرِهٖ ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ رمضان کے آخری عشرہ میں جس قدر ریاضت ومجاہدہ کرتے اتنا مجاہدہ اور کسی مہینہ میں نہیں کرتے تھے۔ (مسلم)

﴿۷﴾ وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ شَدَّ مِئْزَرَهٗ وَأَحْيٰى لَيْلَهٗ وَأَيْقَظَ أَهْلَهٗ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب (رمضان) کا آخری عشرہ آتا تو نبی کریم ﷺ اپنا تہبند مضبوط باندھ لیتے، رات کو زندہ کرتے اور اپنے اہل وعیال کو جگاتے۔ (بخاری ومسلم)

الفصل الثانی

لیلۃ القدر کی دعا

﴿۸﴾ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ أَرَأَيْتَ إِنْ عَلِمْتُ أَيُّ لَيْلَةٍ لَيْلَةُ الْقَدْرِ مَا أَقُوْلُ فِيْهَا قَالَ قُوْلِيْ اَللّٰهُمَّ إِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّيْ ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَه وَالتِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهُ)[3]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا راوی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ: مجھے بتایئے کہ اگر میں شب قدر کو پالوں تو اس میں کیا دعا مانگوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا "یہ دعا مانگو" اے اللہ: تو معاف کرنے والا ہے اور معاف کرنے کو پسند کرتا ہے لہٰذا مجھے تو معاف فرمادے۔ (احمد، ابن ماجہ، ترمذی)

﴿۹﴾ وَعَنْ أَبِيْ بَكْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِلْتَمِسُوْهَا يَعْنِيْ لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِيْ تِسْعٍ يَبْقَيْنَ أَوْ فِيْ سَبْعٍ يَبْقَيْنَ أَوْ فِيْ خَمْسٍ يَبْقَيْنَ أَوْ ثَلَاثٍ أَوْ آخِرِ لَيْلَةٍ ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[4]

ترجمہ: اور حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ شب قدر کو (رمضان

[1] اخرجه مسلم: ۱/۳۸۰ [2] اخرجه البخاری: ۳/۶۱ ومسلم: ۱/۳۸۰

[3] اخرجه احمد: ۶/۲۵۶ ابن ماجه: ۲/۱۲۶۵ والترمذی: ۵/۵۳۴ [4] اخرجه الترمذی: ۳/۱۶۰

کی) باقی ماندہ نویں رات (یعنی انتیسویں شب میں) تلاش کرو یا باقی ماندہ ساتویں رات (یعنی ستائیسویں شب) میں یا باقی ماندہ پانچویں رات (یعنی پچیسویں شب) میں یا باقی ماندہ تیسری رات (تیئیسویں شب) میں اور یا آخری شب میں۔ (ترمذی)

﴿۱۰﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ فَقَالَ هِيَ فِيْ كُلِّ رَمَضَانَ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَقَالَ رَوَاهُ سُفْيَانُ وَشُعْبَةُ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ مَوْقُوْفًا عَلَى ابْنِ عُمَرَ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شب قدر کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "وہ ہر رمضان میں آتی ہے"۔ امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس روایت کو سفیان اور شعبہ نے ابی اسحاق سے اور انہوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے موقوفاً نقل کیا ہے۔

تیئیسویں رات شب قدر کی ہے

﴿۱۱﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ أُنَيْسٍ قَالَ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّ لِيْ بَادِيَةً أَكُوْنُ فِيْهَا وَأَنَا أُصَلِّيْ فِيْهَا بِحَمْدِ اللّٰهِ فَمُرْنِيْ بِلَيْلَةٍ أَنْزِلُهَا إِلَى هٰذَا الْمَسْجِدِ فَقَالَ انْزِلْ لَيْلَةَ ثَلَاثٍ وَعِشْرِيْنَ قِيْلَ لِابْنِهِ كَيْفَ كَانَ أَبُوْكَ يَصْنَعُ قَالَ كَانَ يَدْخُلُ الْمَسْجِدَ إِذَا صَلَّى الْعَصْرَ فَلَا يَخْرُجُ مِنْهُ لِحَاجَةٍ حَتّٰى يُصَلِّيَ الصُّبْحَ فَإِذَا صَلَّى الصُّبْحَ وَجَدَ دَابَّتَهُ عَلَى بَابِ الْمَسْجِدِ فَجَلَسَ عَلَيْهَا وَلَحِقَ بِبَادِيَتِهِ۔

(رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)[2]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن انیس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ "یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرا مکان جنگل میں ہے میں وہیں رہتا ہوں اور وہیں نماز پڑھتا ہوں خدا کا شکر ہے، لہٰذا آپ مجھے اس رات کے بارے میں بتایئے جس میں میں اس مسجد میں آؤں (یعنی بتایئے کہ شب قدر کون سی ہے تاکہ میں اس رات میں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم آکر عبادت کروں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (رمضان کی) تیئیسویں شب میں آؤ (اس کے بعد) حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے سے (کہ جن کا نام حمزہ تھا) پوچھا گیا کہ اس سلسلہ میں آپ کے والد مکرم کا کیا معمول تھا، تو انہوں نے کہا کہ (رمضان کی بائیسویں تاریخ کو) میرے والد عصر کی نماز پڑھ کر مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل ہوتے اور صبح کی نماز تک کسی بھی کام سے (جو اعتکاف کے منافی ہوتا) مسجد سے باہر نہ نکلتے چنانچہ جب فجر کی نماز پڑھ لیتے تو مسجد کے دروازے پر اپنی سواری کا جانور موجود پاتے اس پر سوار ہوتے اور اپنے جنگل میں چلے جاتے۔ (ابوداؤد)

توضیح: "بادیة" شہری لوگوں کے علاوہ جو دیہات میں رہنے والے لوگ ہیں ان کے رہنے کے مقامات کو بادیہ کہتے ہیں عرب کے ہر خاندان کا الگ الگ بادیہ ہوتا تھا یہ درحقیقت چراہ گاہیں اور صحرائی علاقے ہوتے تھے۔[3]

[1] اخرجہ ابوداؤد: ۲/۵۵ ح ۱۳۸۷ [2] اخرجہ ابوداؤد: ۲/۵۳ ح ۱۳۸۰ [3] المرقات: ۴/۵۹۳

سوال: یہاں سوال یہ ہے کہ شب قدر کا علم اللہ تبارک وتعالیٰ نے پوشیدہ رکھا حضور اکرم ﷺ نے بھی فرمایا کہ اس کا تعین مجھ سے اٹھایا گیا تو پھر یہاں حضور اکرم ﷺ نے اس صحابی کو متعین طور پر کیسے بتادیا کہ تیئسویں شب کو مسجد میں آجاؤ یہ شب قدر ہے۔

جواب: اس سوال کا جواب یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے صرف اسی سال کا تعین فرمایا تھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ ﷺ کو بتادیا کہ اس سال لیلۃ القدر تیئسویں شب کو آئے گی حضور اکرم ﷺ نے ہمیشہ کے لئے تعین نہیں فرمایا تھا وہ تعین صحابی نے خود سمجھ لی۔ [۱]

حضور اکرم ﷺ کو شب قدر کا علم اور پھر نسیان

﴿۱۲﴾ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيُخْبِرَنَا بِلَيْلَةِ الْقَدْرِ فَتَلَاحٰى رَجُلَانِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ فَقَالَ خَرَجْتُ لِاُخْبِرَكُمْ بِلَيْلَةِ الْقَدْرِ فَتَلَاحٰى فُلَانٌ وَفُلَانٌ فَرُفِعَتْ وَعَسٰى اَنْ يَّكُوْنَ خَيْرًا لَّكُمْ فَالْتَمِسُوْهَا فِي التَّاسِعَةِ وَالسَّابِعَةِ وَالْخَامِسَةِ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ) [۲]

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ باہر تشریف لائے تا کہ ہمیں شب قدر کے بارے میں بتائیں مگر مسلمانوں میں سے دو شخص جھگڑنے لگے آپ ﷺ نے فرمایا میں باہر آیا تھا کہ تمہیں شب قدر کے بارے میں بتاؤں (کہ وہ کون سی شب ہے) مگر فلاں اور فلاں جھگڑنے لگے۔ چنانچہ شب قدر کی تعیین اٹھالی گئی۔ اور شاید تمہارے لئے یہی بہتر ہو۔ لہٰذا تم شب قدر کو انتیسویں، ستائیسویں اور پچیسویں شب میں تلاش کرو۔ (بخاری)

توضیح: ''فتلاحی'' یہ جھگڑنے اور ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے کے معنی میں ہے ان دو اشخاص کا آپس میں مال کا کچھ لین دین تھا جس کی وجہ سے کئی باران کا آپس میں تکرار ہوگیا تھا ایک کا نام حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ تھا اور دوسرے کا نام عبداللہ بن ابی حدرد رضی اللہ عنہ تھا کسی اور موقع پر حضور اکرم ﷺ نے ان کا فیصلہ فرمادیا تھا۔ [۳]

''فرفعت'' یعنی ان دو اشخاص کے جھگڑنے کا اتنا برا اثر پڑا کہ مجھ سے لیلۃ القدر کی تعیین واپس لے لی گئی اس سے مسلمان کو سوچ لینا چاہئے کہ آپس کی منافرت اور جھگڑے فساد کا کتنا بڑا روحانی اثر پڑتا ہے سوچ لیجئے ان کے جھگڑے کا اثر حضور اکرم ﷺ پر جا کر پڑا تو خود ان پر اس کا کیا اثر ہوگا اور مسلم معاشرہ پر اس کا کتنا اثر پڑتا ہوگا۔ [۴]

یہاں یہ بات سمجھ لیجئے کہ لیلۃ القدر کے اٹھائے جانے کا مطلب یہ نہیں کہ یہ رات ختم ہوگئی اور اس کی فضیلت باقی نہیں رہی بلکہ مطلب یہ ہے کہ جو تعیین حضور اکرم ﷺ کو حاصل ہوگئی تھی وہ تعیین ختم ہوگئی شب قدر ختم نہیں ہوئی ''وعسی ان

[۱] المرقات: ۴/۵۹۳ [۲] اخرجه البخاری: ۳/۶۱ [۳] المرقات: ۴/۵۹۵ [۴] المرقات: ۴/۵۹۵

یکون'' اس جملہ میں حضور اکرم ﷺ نے امت کو تسلی دی ہے کہ اٹھایا جانا تمہارے لئے بہتر ہے غم نہ کرو اور نہ پریشان ہوں بلکہ اس کی تلاش میں مزید محنت کرو مزید ثواب ملے گا۔[۱]

شب قدر کی فضیلت

﴿۱۳﴾ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ لَيْلَةُ الْقَدْرِ نَزَلَ جِبْرِيْلُ فِيْ كَبْكَبَةٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ يُصَلُّوْنَ عَلٰى كُلِّ عَبْدٍ قَائِمٍ أَوْ قَاعِدٍ يَذْكُرُ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ فَإِذَا كَانَ يَوْمُ عِيْدِهِمْ يَعْنِيْ يَوْمَ فِطْرِهِمْ بَاهٰى بِهِمْ مَلَائِكَتَهُ فَقَالَ يَامَلَائِكَتِيْ مَاجَزَاءُ أَجِيْرٍ وَفّٰى عَمَلَهُ قَالُوْا رَبَّنَا جَزَاؤُهُ أَنْ يُوَفّٰى أَجْرُهُ قَالَ مَلَائِكَتِيْ عَبِيْدِيْ وَإِمَائِيْ قَضَوْا فَرِيْضَتِيْ عَلَيْهِمْ ثُمَّ خَرَجُوْا يَعُجُّوْنَ إِلَى الدُّعَاءِ وَعِزَّتِيْ وَجَلَالِيْ وَكَرَمِيْ وَعُلُوِّيْ وَارْتِفَاعِ مَكَانِيْ لَأُجِيْبَنَّهُمْ فَيَقُوْلُ ارْجِعُوْا قَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ وَبَدَّلْتُ سَيِّئَاتِكُمْ حَسَنَاتٍ قَالَ فَيَرْجِعُوْنَ مَغْفُوْرًا لَهُمْ.

(رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْإِيْمَانِ)[۲]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''جب شب قدر آتی ہے تو (اس رات میں) حضرت جبرئیل علیہ السلام فرشتوں کی جماعت کے جلو میں اترتے ہیں اور ہر اس بندے کے لئے بخشش کی دعا کرتے ہیں جو کھڑا ہوا (نماز پڑھتا، طواف کرتا یا اور کوئی عبادت کرتا) ہوتا ہے یا بیٹھا ہوا (اللہ عزوجل کی یاد اور اس کے ذکر میں مشغول) ہوتا ہے۔ پھر جب ان (مسلمانوں) کی عید (یعنی عید الفطر) کا دن ہوتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے ان بندوں کی وجہ سے اپنے (ان) فرشتوں کے سامنے فخر کرتا ہے (جنہوں نے آدم علیہ السلام کی تخلیق کے وقت بنی آدم کو مطعون کیا تھا) اور فرماتا ہے کہ ''اے میرے فرشتو: اس مزدور کے لئے کیا اجر ہے جس نے اپنا کام پورا کرلیا ہو؟ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ ''اے ہمارے پروردگار اس کا اجر یہ ہے کہ اسے اس کے کام کی پوری پوری اجرت دی جائے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے ''فرشتو! (تم سنو کہ) میرے بندے اور میرے بندیوں نے میرا وہ فرض ادا کیا جو ان پر تھا (یعنی روزہ) پھر وہ (اپنے گھروں سے عیدگاہ کی طرف) دعاء کے لئے گڑگڑاتے چلاتے نکلے، قسم ہے اپنی عزت اور اپنے جلال کی اپنے کرم اور اپنی بلند قدر کی اور اپنے بلند مرتبہ کی، میں ان کی دعا ضرور قبول کروں گا۔ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ (بندوں سے) فرماتا ہے کہ ''(اپنے گھروں کو) واپس ہو جاؤ میں نے تمہیں بخش دیا اور میں نے تمہاری برائیاں نیکیوں میں بدل دی ہیں تمہارے نامۂ اعمال میں ہر برائی کے بدلہ ایک نیکی لکھ دی گئی ہے، اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا چنانچہ مسلمان عیدگاہ سے اپنے گھروں کو اس حالت میں واپس ہوتے ہیں کہ ان کے گناہ بخشے جا چکے ہوتے ہیں۔ (بیہقی)

توضیح: ''فی کبکبۃ'' کاف پر دونوں جگہ فتحہ ہے اور ضمہ بھی پڑھا جاتا ہے یہ اس مختصر سی جماعت کو کہتے ہیں

[۱] المرقات: ۴/۵۹۵ الکاشف: ۴/۲۲۸ [۲] اخرجه البیهقی: ۳/۳۴۳

جو آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ جڑی ہوئی رہتی ہے اس کی جمع کبا کب ہے جو فوجی دستے کو بھی کہتے ہیں [۱]

''**فاذا کان یوم عیدھم**'' حدیث کا یہ حصہ لیلۃ القدر سے متعلق نہیں لیکن چونکہ لیلۃ القدر میں فرشتوں کے نزول کا ذکر آ گیا تو فرشتوں ہی سے متعلق عید الفطر کے بارے میں بھی کلام کیا گیا اور ایک اور حدیث کا حصہ اس حدیث سے ملا لیا گیا۔

[۲] ''**ملائکتی**'' یہ منادیٰ ہے اسی حدیث میں اس سے پہلے ملائکتی'' کے الفاظ حرف ندا کے ساتھ آئے ہیں یہاں اضافت تشریفیہ ہے۔ [۳] ''**عبیدی وامائی**'' یہ الگ کلام ہے جو مبتدا ہے اور **قضوا فریضتی** اس کے لئے جزء ہے [۴]

''**یعجون**'' گڑگڑانے اور چیخنے چلانے کو کہتے ہیں جیسے ایک حدیث میں ہے۔ **الحج العج الثج**۔ ''**وعزتی**'' اپنی عظمت ذاتی کی قسم اس کا تعلق ذات باری تعالیٰ سے ہے۔

''**وجلالی**'' اپنے جاہ وجلال کی قسم، اس جملہ کا تعلق اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفات سے ہے۔ [۵]

''**و کرمی**'' اپنے جود وسخا کی قسم اس جملہ کا تعلق اللہ تبارک وتعالیٰ کے افعال سے ہے تو ذات وصفات وافعال کا ذکر آ گیا۔ [۶]

''**وعلوی**'' اس کا تعلق اوپر والے تمام جملوں سے ہے۔ [۷]

''**مغفورًا لھم**'' یعنی سب کی مغفرت ہو جاتی ہے اس میں اشارہ ہے کہ ہر آدمی مغفرت کا محتاج ہے خواہ نیک ہو یا بد ہو، [۸] اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے ﴿وتوبوا الی اللہ جمیعا ایھا المؤمنون لعلکم تفلحون﴾ [۹]

اَللّٰھم انی استغفرك فاغفرلی ما قدمت وما اخرت ما اعلنت وما اسررت۔

ان تغفرِ اللّٰھم فاغفر جمّا　　　　وایّ عبد لك لا اَلَمّا

فضل محمد یوسف زئی غفرلہ

حال کراچی پاکستان جمعہ ۲۴ رجب ۱۴۲۵ھ

---

[۱] المرقات: ۴/۵۹۲ [۲] المرقات: ۴/۵۹۲ [۳] المرقات: ۴/۵۹۷ [۴] المرقات: ۴/۵۹۷ [۵] المرقات: ۴/۵۹۷ الکاشف: ۴/۲۴۹
[۶] المرقات: ۴/۵۹۷ [۷] المرقات: ۴/۵۹۷ [۸] المرقات: ۴/۵۹۸ [۹] نور الایہ ۳۱

باب الاعتکاف

قال الله تبارك وتعالیٰ ﴿ولا تباشروهن وانتم عاكفون في المساجد﴾[1]

اعتکاف کا لغوی معنی یہ ہے ''وهو الحبس على الشيء ولزومه'' اصطلاح شرع میں اعتکاف کی تعریف اس طرح ہے ''هو المكث في المسجد ولزومه على وجه مخصوص''۔[2]

اعتکاف کی تین قسمیں ہیں:

❶ اعتکاف واجب:۔ یہ وہ اعتکاف ہے جو نذر کی وجہ سے واجب ہوا ہو اس اعتکاف کے لئے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ان کے راجح اقوال کے مطابق روزہ رکھنا شرط ہے اور ایک دن ایک رات کا ہونا بھی شرط ہے اور اگر فاسد ہوجائے تو قضا بھی واجب ہے یہ اعتکاف ہر زمانے میں ہوسکتا ہے کسی ایک زمانہ سے خاص نہیں۔

❷ اعتکاف سنت مؤکدہ:۔ یہ وہ اعتکاف ہے جو رمضان کے آخری عشرہ میں دس دن کا ہوتا ہے یہ سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے اگر پورے محلہ نے چھوڑ دیا تو سب گناہ گار ہوجائیں گے اگر ایک آدمی نے کرلیا تو سب کی طرف سے کافی ہوجائے گا۔

❸ اعتکاف مستحب:۔ پہلی دو قسموں کے علاوہ ہر قسم کا اعتکاف مستحب ہے۔ اعتکاف مستحب کی اقل مدت میں فقہاء کے اقوال مختلف ہیں۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اعتکاف مستحب کی اقل مدت ایک دن ہے اس سے کم کا اعتکاف نہیں ہے۔

امام ابویوسفؒ کے نزدیک اس کی مدت دن کا اکثر حصہ ہے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اقل مدت کی کوئی تعیین نہیں ہے ایک گھڑی کا بھی ہوسکتا ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی ظاہر روایت بھی یہی ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

اعتکاف کا پس منظر:

دین اسلام میں رہبانیت کی گنجائش نہیں ہے سابقہ ادیان میں لوگ رہبانیت کی زندگی گذارتے تھے یعنی گھروں اور بیوی بچوں سے لاتعلق ہوکر قوت لایموت پر گذارہ کر کے پوری عمر تنہائی کی عبادت میں مشغول ہوکر انتہائی مشقت کے ساتھ گذارتے تھے دین اسلام میں رہبانیت کی قطعاً گنجائش نہیں ہے۔ لیکن بطور نمونہ رہبانیت کی طرح دس دن کی زندگی گذارنے کا حکم ہوا ہے تاکہ ایک مسلمان کو یہ احساس دلایا جائے کہ اس دس دن کی مشقتوں اور محنتوں والی زندگی کو دیکھو اور پھر سوچ لو کہ سابقہ ادیان کا ایک بڑا طبقہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس طرح سخت زندگی گذارتے تھے تم پر اللہ تبارک وتعالیٰ کا احسان ہوا ہے۔

---

[1] بقرہ: ۱۸۷ [2] المرقات: ۴/۵۹۸

بہر حال معتکف کی مثال اس شخص کی ہے جو بادشاہ کے دروازہ میں پڑا رہے اور اپنی درخواست کو مسلسل قبولیت کی غرض سے پیش کرتا رہے۔

الفصل الاول

عورتیں اپنے گھروں میں اعتکاف کریں

﴿۱﴾ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَعْتَكِفُ الْعَشْرَ الْأَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ حَتّٰى تَوَفَّاهُ اللّٰهُ ثُمَّ اعْتَكَفَ أَزْوَاجُهُ مِنْ بَعْدِهِ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف فرماتے تھے یہاں تک کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس دنیا سے اٹھالیا، پھر آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کی ازواج مطہرات نے اعتکاف کیا۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: عورتوں کے لئے مسجد میں آکر اعتکاف کرنا جائز نہیں ہے وہ اگر اعتکاف کرنا چاہیں تو اپنے گھروں میں ایک جگہ خاص کر کے اس میں بیٹھ جائیں اور اسی جگہ تک خاص رہیں پورے گھر میں نہ گھومیں پھریں۔
ازواج مطہرات نے سنت اعتکاف کو برقرار رکھنے کے لئے اعتکاف کیا تھا۔

﴿۲﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَجْوَدَ النَّاسِ بِالْخَيْرِ وَكَانَ أَجْوَدُ مَايَكُوْنُ فِيْ رَمَضَانَ كَانَ جِبْرِيْلُ يَلْقَاهُ كُلَّ لَيْلَةٍ فِيْ رَمَضَانَ يَعْرِضُ عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقُرْآنَ فَإِذَا لَقِيَهُ جِبْرِيْلُ كَانَ أَجْوَدَ بِالْخَيْرِ مِنَ الرِّيْحِ الْمُرْسَلَةِ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ تمام لوگوں میں خیر وبھلائی کے معاملہ میں بہت سخی تھے اور (خصوصا) رمضان میں تو بہت سخاوت کرتے تھے۔ رمضان کی ہر شب میں حضرت جبرئیل علیہ السلام آنحضرت ﷺ کے پاس آتے اور آپ ﷺ کے سامنے (تجوید کے ساتھ) قرآن کریم پڑھتے چنانچہ حضرت جبرئیل علیہ السلام سے ملاقات کے وقت آپ ﷺ کی سخاوت ہوا کے جھونکوں سے بھی بڑھ جاتی تھی۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "اجود الناس" یعنی حضور اکرم ﷺ بھلائی کرنے والوں میں سب سے زیادہ فیاض اور سخی تھے پھر جب بھلائی کا موسم اور سیزن آتا جیسے رمضان وغیرہ تو اس میں آپ ﷺ تیز ہوا سے زیادہ سخی ہوجاتے کیونکہ ایک تو برکتوں والا مہینہ سر پر آتا دوسرے جبرئیل مسلسل آتے رہتے تھے اس وجہ سے آپ ﷺ کی فیاضی مزید بڑھ جاتی بہر حال عرب جب کسی چیز کے تیز ہونے کو بیان کرتے ہیں تو ہوا سے اس کی تشبیہ دیا کرتے ہیں یہاں بھی یہی تشبیہ ہے اس

[1] اخرجه البخاري: ۲/۶۲ ومسلم: ۱/۴۷۹ [2] اخرجه البخاري: ۳/۳۳ ومسلم: ۲/۳۲۲

حدیث کا باب اعتکاف سے کوئی تعلق نہیں ہے لیکن جب رمضان کا ذکر آ گیا راتوں کا ذکر آ گیا تو لامحالہ یہ بات سمجھ میں آ گئی کہ اعتکاف بھی ہوا ہوگا کیونکہ اعتکاف رمضان ہی میں ہوتا ہے۔[1]

رمضان میں حضور اکرم ﷺ کا جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ دور قرآن

﴿۳﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ يُعْرَضُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقُرْآنُ كُلَّ عَامٍ مَرَّةً فَعُرِضَ عَلَيْهِ مَرَّتَيْنِ فِي الْعَامِ الَّذِي قُبِضَ وَكَانَ يَعْتَكِفُ كُلَّ عَامٍ عَشْرًا فَاعْتَكَفَ عِشْرِيْنَ فِي الْعَامِ الَّذِي قُبِضَ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہر سال ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کے سامنے قرآن کریم پڑھا جاتا تھا (یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام پڑھتے تھے) لیکن جس سال آنحضرت ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے اس سال آپ ﷺ کے سامنے دو مرتبہ قرآن کریم پڑھا گیا، اسی طرح آنحضرت ﷺ ہر سال دس دن اعتکاف فرماتے تھے لیکن جس سال آپ ﷺ کا وصال ہوا آپ ﷺ نے بیس دن اعتکاف کیا۔ (بخاری ومسلم)

معتکف انسانی تقاضا کے لئے مسجد سے باہر جا سکتا ہے

﴿۴﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اعْتَكَفَ أَدْنَى إِلَيَّ رَأْسَهُ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ فَأُرَجِّلُهُ وَكَانَ لَا يَدْخُلُ الْبَيْتَ إِلَّا لِحَاجَةِ الْإِنْسَانِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[3]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ جب اعتکاف کی حالت میں ہوتے تو مسجد میں بیٹھے بیٹھے اپنا سر مبارک میری طرف کر دیتے اور میں (آپ ﷺ کے بالوں میں) کنگھی کر دیتی نیز آپ ﷺ حاجت انسانی کے علاوہ گھر میں داخل نہیں ہوتے تھے۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "الالحاجة الانسان" انسانی حاجت کے الفاظ کے نیچے بہت کچھ آ جاتا ہے اسی لفظ کو بنیاد بنا کر فقہاء اور شارحین حدیث نے اعتکاف کے لئے سخت سے سخت پابندیاں نکالی ہیں۔[4]

چنانچہ حاجت اور ضرورت کی دو قسمیں ہیں اول طبعی حاجت ہے جیسے پاخانہ پیشاب اور غسل جنابت یا غسل جمعہ۔ دوم شرعی حاجت ہے جیسے نماز عیدین کے لئے نکلنا اذان کے لئے نکلنا خواہ معتکف مؤذن ہو یا غیر مؤذن ہو۔ اسی طرح جامع مسجد کی طرف جمعہ کے لئے نکلنا وغیرہ وغیرہ، علماء نے لکھا ہے کہ جمعہ کے لئے زوال آفتاب کے وقت نکلنا چاہئے لیکن اگر جامع مسجد دور ہو تو ایسے وقت میں نکلنا چاہئے کہ وہاں پہنچ کر تحیۃ المسجد اور جمعہ کی سنتیں پہلے ادا کر سکے اور جمعہ کے بعد کی جو سنتیں

[1] المرقات: ۴/۴۹۹ [2] اخرجه البخاري: ۳/۶۷ [3] اخرجه البخاري: ۱/۸۲ ومسلم: ۲/۳۳۵، ۳۳۶ [4] المرقات: ۴/۵۰۲

ہیں اس کے لئے بھی جامع مسجد میں ٹھہرنا جائز ہے یہ تفصیلات احناف کے ہاں ہیں لیکن شوافع اور مالکیہ حضرات فرماتے ہیں کہ معتکف جمعہ کے لئے جامع مسجد کی طرف نہیں نکل سکتا بلکہ اس کو چاہئے کہ ایسی مسجد میں اعتکاف کرے جہاں جمعہ ہوتا ہو اسی لئے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اعتکاف جامع مسجد کے علاوہ کسی دوسری مسجد میں جائز ہی نہیں ہے۔
ائمہ احناف نے لکھا ہے کہ اگر مسجد گرنے لگے تو معتکف فوراً دوسری مسجد جا کر اعتکاف میں بیٹھ جائے۔
امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بلاضرورت اگر معتکف مسجد سے باہر ایک منٹ بھی گذاریگا اس کا اعتکاف فاسد ہو جائے گا لیکن صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر نصف یوم مسجد سے باہر رہا تب اعتکاف فاسد ہوگا ورنہ نہیں۔[1]

جاہلیت کی حالت میں مانی گئی نذر کا مسئلہ

﴿۵﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ عُمَرَ سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُنْتُ نَذَرْتُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ أَنْ أَعْتَكِفَ لَيْلَةً فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ قَالَ فَأَوْفِ بِنَذْرِكَ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ "میں نے جاہلیت میں یہ نذر مانی تھی کہ ایک رات (اور ایک دن جیسا کہ دوسری روایت میں وضاحت ہے) مسجد حرام میں اعتکاف کروں گا (تو کیا وہ نذر پوری کرنی میرے لئے ضروری ہے؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اپنی نذر پوری کرو۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "اوف بنذرك" جاہلیت کا اطلاق اسلام سے پہلے زمانے پر ہوتا ہے یہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نذر یا تو اسلام سے پہلے جاہلیت کے زمانہ میں تھی جس پر حدیث واضح طور پر دلالت کرتی ہے اس صورت میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک اس طرح ہے کہ اگر کسی نے قبول اسلام سے پہلے جائز نذر مانی تو قبول اسلام کے بعد اس کا پورا کرنا واجب ہے جیسے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے **اوف بنذر** کا حکم دیا، یہ حکم وجوب کے لئے ہے۔[3]
امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قبول اسلام سے پہلے مانی گئی نذر کا پورا کرنا ضروری نہیں ہے کیونکہ یہ اتفاقی مسئلہ ہے کہ کافر میں نذر ماننے کی اہلیت ہی نہیں ہے لہٰذا اس کی نذر کا پورا کرنا واجب نہیں۔ شوافع زیر بحث حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ امر وجوب کے لئے ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تسلی خاطر کے لئے بطور استحباب تھا یا جاہلیت سے مراد قریب جاہلیت زمانہ ہے یعنی قبول اسلام کی ابتدائی حالت ہے۔
"**اعتکف لیلة**" یعنی میں نے جاہلیت میں یہ نذر مانی تھی کہ میں ایک رات اعتکاف کروں گا۔ اس لفظ سے فقہاء کے درمیان اختلافی مسئلہ پیدا ہو گیا ہے وہ یہ ہے کہ آیا نذر اعتکاف کے لئے روزہ رکھنا شرط ہے یا نہیں؟[4]

فقہاء کا اختلاف:

علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام شافعی واحمد اور اسحاق بن راہویہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک نذر اعتکاف کے

---

[1] المرقات: ۴/۶۰۷ [2] اخرجه البخاري: ۳/۶۳ ومسلم: ۲/۲۶، ۲۷ [3] المرقات: ۴/۶۰۳ [4] المرقات: ۴/۶۰۳

لئے روزہ لازم نہیں ہے امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ نذر اعتکاف کے لئے روزہ شرط ہے اعتکاف بغیر صوم جائز نہیں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول قدیم بھی اسی طرح ہے۔[1]

دلائل:

فریق اول نے زیر بحث حدیث سے استدلال کیا ہے طرز استدلال اس طرح ہے کہ اس میں 'لیلة' رات کی نذر کی بات ہے اور رات کو روزہ نہیں ہوتا لہٰذا نذر اعتکاف کے لئے روزہ شرط نہیں ہے۔[2]

فریق ثانی ابوداود ونسائی کی روایت سے استدلال کرتے ہیں جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "**اعتکف وصم**" یعنی اعتکاف کرو اور روزہ رکھو۔ دوسری دلیل آئندہ آنے والی حدیث نمبر ۹ ہے جس میں لا اعتکاف الا بصوم، کے واضح الفاظ آئے ہیں۔[3]

جواب: ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نذر والی حدیث کے تمام طرق کو اگر تلاش کیا جائے تو اس میں اصل روایت کے الفاظ "**یوما ولیلة**" ہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ جاہلیت کی نذر تھی بطور استحباب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پورا کرنے کا فرمایا لہٰذا اس میں روزہ کی ضرورت ہی نہیں تھی۔

الفصل الثانی

اعتکاف کی قضاء

﴿۶﴾ عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْتَكِفُ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ فَلَمْ يَعْتَكِفْ عَامًا فَلَمَّا كَانَ الْعَامُ الْمُقْبِلُ اعْتَكَفَ عِشْرِيْنَ.

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَه عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ)[4]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری دس دنوں میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے ایک سال (غالباً کسی عذر کی بناء پر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعتکاف نہیں کیا، جب دوسرا سال آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس رمضان میں) بیس دن اعتکاف کیا۔ (ترمذی) ابوداؤد اور ابن ماجہ نے اس روایت کو ابی ابن کعب سے نقل کیا ہے۔

توضیح: واجب اعتکاف کی جس طرح قضاء واجب ہے اسی طرح سنت مؤکدہ اعتکاف کی قضا بھی ہے لیکن واجب نہیں سنت ہے اس حدیث سے سنت مؤکدہ اعتکاف کی قضاء ثابت ہوتی ہے۔

اعتکاف میں بیٹھنے کا وقت

﴿۷﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَعْتَكِفَ صَلَّى الْفَجْرَ

[1] المرقات: ۴/۶۰۳ [2] المرقات: ۴/۶۰۳ [3] المرقات: ۴/۶۰۳ [4] اخرجہ الترمذی: ۳/۱۶۶ وابوداؤد: ۲/۳۳۴

ثُمَّ دَخَلَ فِيْ مُعْتَكَفِهٖ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَه)[1]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ جب اعتکاف کا ارادہ فرماتے تو فجر کی نماز پڑھتے اس کے بعد اعتکاف کی جگہ میں داخل ہو جاتے۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

توضیح: "ثم دخل" یعنی آنحضرت ﷺ جب اعتکاف کا ارادہ فرماتے تو فجر کی نماز پڑھا کر پھر اپنے اعتکاف کی جگہ میں داخل ہو جاتے، فقہاء کرام کا اس میں تھوڑا سا اختلاف ہے کہ اعتکاف کرنے والا مسجد میں کس وقت آئے اور اعتکاف کی جگہ میں بیٹھ جائے امام اوزاعی اور سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اور ایک قول میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ اعتکاف والا آدمی رمضان کی اکیسویں تاریخ میں فجر کی نماز کے بعد مسجد میں آ کر اعتکاف میں بیٹھ جائے۔[2]

ائمہ ثلاثہ اور ایک قول میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ جمہور ائمہ فرماتے ہیں کہ معتکف رات کو غروب آفتاب کے بعد مسجد میں داخل ہو اور رات مسجد میں گذار دے یہ اکیسویں رمضان کی رات ہے فریق اول نے زیر بحث حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں واضح طور پر فجر کی نماز کے بعد اعتکاف میں بیٹھنے کا طریقہ بتایا گیا ہے۔[3]

جمہور بھی اسی حدیث سے استدلال کرتے ہیں لیکن اس میں اس طرح احتمال بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ مسجد نبوی میں اعتکاف کے لئے رات سے تشریف لائے تھے رات مسجد ہی میں عبادت میں گذاری تھی لیکن اپنے بیٹھنے کی خاص جگہ میں تشریف اس وقت لے گئے تھے جب کہ فجر کی نماز پڑھا لی، تو اعتکاف کی ابتدا تو مغرب کے وقت سے ہوئی تھی لیکن اعتکاف کے لئے جو خاص بنی ہوئی جگہ تھی اس میں صبح کے وقت داخل ہوئے تھے تو اختلاف کی بات ہی ختم ہو گئی۔[4]

اعتکاف کی حالت میں مریض کی عیادت

﴿۸﴾ وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُوْدُ الْمَرِيْضَ وَهُوَ مُعْتَكِفٌ فَيَمُرُّ كَمَا هُوَ فَلَا يُعَرِّجُ يَسْأَلُ عَنْهُ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)[5]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ اعتکاف کی حالت میں (جب حاجت کے لئے باہر نکلتے) تو مریض کی عیادت فرماتے (جو مسجد سے باہر کسی جگہ ہوتا) چنانچہ آپ ﷺ جس طرح ہوتے ویسے ہی گزرتے اس کے پاس ٹھہرتے نہیں تھے (صرف) اس کو پوچھ لیتے تھے۔ (ابوداؤد)

توضیح: "فلا یعرج" یعنی کسی بیمار کی عیادت کے لئے راستہ سے ہٹ کر نہیں جاتے تھے اس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ مثلاً آنحضرت ﷺ اپنی طبعی حاجت کے لئے مسجد سے باہر چلے جاتے اور واپس آتے اس آنے جانے

[1] اخرجه ابوداؤد: ۲/۳۳۳ وابن ماجه ۱/۵۶۳ [2] المرقات: ۴/۶۰۵ [3] المرقات: ۴/۶۰۵
[4] المرقات: ۴/۶۰۵ [5] اخرجه ابوداؤد: ۲/۳۳۶

میں آپ ﷺ چلتے چلتے کسی بیمار کا پوچھ لیتے تھے یہی مطلب ہے اس حدیث کا کہ آپ ﷺ راستہ سے ادھرادھر نہیں جاتے تھے مستقل طور پر کسی مریض کی عیادت کے لئے جانے سے اعتکاف باطل ہوجاتا ہے ہاں اگر کوئی شخص نذر اعتکاف میں یہ شرط لگائے کہ میں مریض کی عیادت کروں گا یا جنازہ میں جاؤں گا پھر جائز ہوگا۔[1]

اعتکاف کے آداب

﴿۹﴾ وَعَنْهَا قَالَتِ السُّنَّةُ عَلَى الْمُعْتَكِفِ أَنْ لَا يَعُودَ مَرِيضًا وَلَا يَشْهَدَ جَنَازَةً وَلَا يَمَسَّ الْمَرْأَةَ وَلَا يُبَاشِرَهَا وَلَا يَخْرُجَ لِحَاجَةٍ إِلَّا لِمَا لَا بُدَّ مِنْهُ وَلَا اعْتِكَافَ إِلَّا بِصَوْمٍ وَلَا اعْتِكَافَ إِلَّا فِي مَسْجِدٍ جَامِعٍ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُد)[2]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ اعتکاف کرنے والے کے لئے یہ سنت (یعنی ضروری) ہے کہ وہ نہ تو (بالقصد اور ٹھہر کر) مریض کی عیادت کرے اور نہ (مسجد سے باہر مطلقا) نماز جنازہ میں شریک ہو نیز نہ عورت سے صحبت کرے نہ عورت سے مباشرت کرے اور نہ علاوہ ضروریات کے (مثلا پیشاب و پاخانہ کے علاوہ) کسی دوسرے کام سے باہر نکلے اور اعتکاف کے لئے روزہ رکھنا ضروری ہے اور اعتکاف مسجد جامع ہی میں صحیح ہوتا ہے۔ (ابوداؤد)

توضیح: "ولا اعتکاف الا بصوم" اس کی توضیح اور علماء کا اختلاف اس سے پہلے حدیث نمبر ۵ کے تحت بیان ہو چکا ہے یہ جمہور کے مسلک کے لئے واضح دلیل ہے۔ علامہ شامی رحمہ اللہ کا رجحان اس طرف ہے کہ اعتکاف خواہ واجب ہو یا مسنون ہو اس کے لئے روزہ رکھنا شرط ہے۔[3]

"الا فی مسجد جامع" یعنی جامع مسجد کے علاوہ کسی جگہ اعتکاف جائز نہیں۔ حضرت حسن بصری امام زہری اور عروہ عطاء رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک صحت اعتکاف کے لئے ایسی مسجد ضروری ہے جس میں جمعہ ہوتا ہو یعنی جامع مسجد ہو امام مالک رحمہ اللہ کی ایک روایت بھی اسی طرح ہے۔[4]

جمہور ائمہ کے نزدیک اعتکاف کے لئے جمعہ کی مسجد ضروری نہیں ہے بلکہ ہر اس مسجد میں اعتکاف صحیح ہے جہاں پانچوں اوقات کی نمازیں جماعت کے ساتھ ہوتی ہوں تو حدیث میں مسجد جامع سے مراد جمعہ والی مسجد نہیں ہے بلکہ جماعت والی مسجد مراد ہے دیہاتوں میں جن مساجد میں جماعت کے ساتھ پانچوں نمازیں نہیں ہوتی ہیں ان میں اعتکاف ضروری نہیں ہے اگر کوئی شخص اپنے طور پر ثواب کی نیت سے کرتا ہو وہ جائز ہے۔ جمہور فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کی یہ آیت[5] **﴿وانتم عاکفون فی المساجد﴾** میں مساجد عام ہیں جامع مسجد کی تخصیص نہیں ہے۔[6]

البتہ علماء نے اعتکاف کی فضیلت کے بارے میں مساجد میں فرق بیان کیا ہے کہ سب سے افضل اعتکاف مسجد حرام مکہ میں ہے پھر مسجد نبوی ﷺ کا اعتکاف ہے پھر مسجد اقصی کا اعتکاف ہے اور پھر جامع مسجد کا اعتکاف افضل ہے۔

[1] المرقات: ۴/۶۰۵ [2] اخرجه ابوداؤد: ۲/۲/۳۳۷ [3] المرقات: ۴/۶۰۵ [4] المرقات: ۴/۶۰۷ [5] المرقات: ۴/۶۰۷ [6] بقرة: ۱۸۷

بہر حال معتکف کے لئے مسجد میں کھانا لانا اور پھر کھانا جائز ہے مگر کھانے کو جائز کرنے کے لئے اعتکاف کرنا کوئی معہود شرعی نہیں ہے جس طرح تبلیغی حضرات کرتے ہیں پھران کو چاہئے کہ جب اعتکاف اپنے اوپر لازم کرتے ہیں تو روزہ بھی رکھیں ہاں اگر جزوقتی اعتکاف ہے تو اس میں روزہ نہیں ہے یعنی "نویت سنة الاعتكاف مادمت فی هذا المسجد" کچھ دیر کے لئے نیت ہو۔

معتکف کے لئے خرید وفروخت بھی مسجد میں جائز ہے مگر سامان اندر لانا منع ہے نیز یہ خرید وفروخت صرف اپنی ذات اور اہل وعیال کی ضروریات سے متعلق ہو عام تجارت مرادنہیں ہے نہ وہ جائز ہے۔

حالت اعتکاف میں فضول باتیں کرنا منع ہے لیکن بالکل چپ بیٹھنا بھی جائز نہیں جائز باتیں کرنا جائز ہیں معتکف کے لئے زیادہ تر اوقات میں باوضو رہنا افضل ہے اور سونا مسجد میں جائز ہے علم دین کے طلبہ کے لئے بھی مسجد میں رہنا اور سونا جائز ہے۔

الفصل الثالث

﴿۱۰﴾ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ إِذَا اعْتَكَفَ طُرِحَ لَهُ فِرَاشُهُ أَوْ يُوْضَعُ لَهُ سَرِيْرُهُ وَرَاءَ أُسْطُوَانَةِ التَّوْبَةِ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه)[1]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب اعتکاف فرماتے تو آپ ﷺ کے لئے (مسجد نبوی ﷺ میں) ستون توبہ کے آگے یا پیچھے آپ ﷺ کا بچھونا بچھایا جاتا تھا یا آپ ﷺ کی چارپائی رکھ دی جاتی تھی۔

(ابن ماجہ)

حضرت ابولبابہ انصاری رضی اللہ عنہ سے بنوقریظہ کے بارے میں ایک لغزش ہوگئی تھی آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو مسجد نبوی ﷺ میں ایک ستون کے ساتھ باندھ رکھا تھا پھر آپ رضی اللہ عنہ کی توبہ قبول ہوگئی اسی ستون کو اسطوانہ توبہ کہتے ہیں جس کا ذکر اس حدیث میں ہے۔

معتکف کو باہر کی تمام نیکیوں کا ثواب ملتا ہے

﴿۱۱﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي الْمُعْتَكِفِ هُوَ يَعْتَكِفُ الذُّنُوْبَ وَيُجْرِىْ لَهُ مِنَ الْحَسَنَاتِ كَعَامِلِ الْحَسَنَاتِ كُلِّهَا۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَه)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے اعتکاف کرنے والے کے بارے میں فرمایا کہ وہ گناہوں سے محفوظ رہتا ہے اور اس کے لئے نیکیوں کا سلسلہ تمام نیکی کرنے والوں کی مانند جاری رہتا ہے۔ (ابن ماجہ)

[1] اخرجه ابن ماجه: ۱/۵۶۴ [2] اخرجه ابن ماجه: ۱/۵۶۶

توضیح: "کعامل الحسنات کلها" یعنی جن نیکیوں کے کرنے کے لئے معتکف باہر نہیں جاسکتا اور عام مسلمان ان نیکیوں میں شریک ہوکر حاصل کررہے ہوں تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس معتکف کو شرکت کے بغیر یہ تمام نیکیاں عطا کرتا ہے۔[1]

معتکف کا ترجمہ ہی یہ ہے کہ سرنگوں ہوکر اللہ تبارک وتعالیٰ کے دروازہ میں پڑا ہوا ہے اور تمام گناہوں سے کنارہ کش ہوکر ذوالجلال کے سامنے مغفرت کی درخواست پیش کررہا ہے چونکہ معتکف تمام لوگوں کی جانب سے اعتکاف کی ذمہ داری پوری کررہا ہے اس لئے لوگوں کی نیکیوں میں اس کو شریک کردیا گیا ہے۔

کتاب فضائل القرآن

قران کریم کے فضائل

قال الله تعالیٰ ﴿ یاایها الناس قدجآء تکم موعظة من ربکم وشفاء لمافی الصدور وهدی ورحمة للمؤمنین قل بفضل الله وبرحمته فبذلك فلیفرحوا هو خیر مما یجمعون ﴾۔

(یونس ۵۸)[2]

فضائل جمع ہے اس کا مفرد فضیلة ہے "**وهی مایزیده به الرجل علی غیره واکثر مایستعمل فی الخصال المحمودة**"۔ (طیبی)[3]

قرآن کریم اللہ تبارک وتعالیٰ کی وہ آخری کتاب ھدایت ہے جو انسانوں کی دینی رہنمائی کے لئے اتاری گئی ہے اس کی فضیلت کے لئے یہی کافی ہے کہ یہ خالق کائنات کی کتاب ہے۔ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے خود اس کی بڑی شان اسی کے اوراق میں بیان فرمائی ہے پھر نبی کریم ﷺ نے اپنے فرامین اور اقوال وافعال کے ذریعہ سے اس کی بڑی عظمت ظاہر فرمائی ہے گیارہ سو سال تک اس کتاب نے مسلمانوں کو دنیا کے تمام انسانوں پر حاکم وقائد کی حیثیت سے صفحہ عالم پر غالب رکھا اور اس کی تعلیمات کی روشنی میں مسلمانوں کی مثالی حکومتیں قائم ہوئیں جب مسلمانوں نے اس کتاب کو چھوڑا تو مسلمانوں کی قائدانہ صلاحتیں ختم ہوگئیں اور ان کی حکومتیں کفار اغیار کے دست نگر بن گئیں آج کائنات میں اگر کوئی مظلوم ہے تو سب سے بڑا مظلوم اللہ تبارک وتعالیٰ کی یہی کتاب ہے۔

ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی اس کتاب کو حرز جان بنائے اور اس کا ناظرہ پڑھے اس کو یاد کرے اس کے معانی کو سمجھے اور اس پر عمل کرے تاکہ وہ دنیا کے لئے قائد بن جائے اور آخرت میں کامیاب ہوجائے۔

اس امت کے علماء نے مختلف انداز سے کتاب اللہ کی خدمت کی ہے فقہاء نے فقاہت اور مسائل کے حوالہ سے خدمت کی ہے اہل بلاغت نے اس کی فصاحت وبلاغت کے حوالہ سے خدمت کی ہے صرف ونحو کے علماء نے اپنے فن کی روشنی میں اس

---

[1] المرقات: ۲/۶۰۹ [2] یونس الایہ ۵۸ [3] الکاشف: ۴/۳۶۱

کی بھرپور خدمت کی ہے اور قراء حضرات نے اس کی قراءت کی خدمت کی ہے اہل تصوف نے اس کے تصوف کا پہلو اجاگر کیا ہے اور اہل عمل نے عملی میدان میں اس کی خدمت کی ہے مفسرین نے اس کی تفسیر وتوضیح کی وہ خدمات انجام دی ہیں جسے دیکھ کر عقلیں حیران رہ جاتی ہیں دو لاکھ تفاسیر لکھ کر مفسرین نے کتاب اللہ کی خدمت کی ہے الغرض اس عاجز انسان نے اپنی بساط کے مطابق اس کی خدمت میں کوئی کسر نہیں چھوڑی اگر اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس ابدی کلام کا حق ادا ہوسکتا تو خدمت کرنے والوں کی اس بڑی خدمت سے اس کا حق ادا ہوجاتا لیکن ایک فانی انسان اس ابدی کلام کی خدمت کا حق ادا نہیں کرسکتا وہ اتنا ہی کہہ سکتا ہے۔

ما للعلوم وللتراب وانما
یسعی لیعلم انه لایعلم

اس باب میں پورے قرآن کے فضائل عمومی طور پر بیان کئے گئے ہیں اور بعض سورتوں یا آیتوں کے فضائل خصوصی طور پر بیان کئے گئے ہیں۔

قرآن میں تفاضل کی بحث:

اب یہاں یہ بحث ہے کہ آیا قرآن کی بعض سورتوں یا ایتوں کو دوسری ایتوں پر فضیلت دی جاسکتی ہے یا نہیں؟

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اتقان میں لکھا ہے کہ اس میں علماء کا اختلاف ہوا ہے ابن حبان ابوالحسن اشعری اور قاضی ابوبکر باقلانی رحمہما اللہ تعالیٰ کی رائے یہ ہے کہ قرآن کریم میں تفضیل بعض علی بعض جائز نہیں ہے کیونکہ سارا اللہ تبارک وتعالیٰ کا کلام ہے۔[1]

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے جواہر القرآن میں جو کلام کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر تیری بصیرت اور ذوق سلیم ایت الکرسی اور آیت مداینہ میں فرق نہ کرسکے اسی طرح سورۃ اخلاص اور سورۃ لہب میں فرق نہ کرسکے کہ کون کس سے افضل تو پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرلو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورتوں اور ایتوں کے درمیان تفضیل کا شافی بیان کیا ہے۔ (مرقات)[2]

ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ نفس کلام باعتبار اس کے کہ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا کلام ہے اس میں کوئی فرق نہیں ہے نہ تفاضل ہے البتہ معانی اور مضامین کے اعتبار سے تفاضل ہے کیونکہ سورۃ اخلاص کا مضمون جو وحدانیت باری تعالیٰ پر مشتمل ہے وہ سورت لہب میں کہاں ہے اسی اعتبار سے تفضیل ہے۔

ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں کہ قرآن کا اطلاق کلام نفسی اور اس پر دال الفاظ دونوں پر ہوتا ہے۔[3]

ملاحظہ:

یہاں یہ بتانا بہت ضروری ہے کہ مشکوۃ شریف پڑھاتے وقت مجھے کوئی زائد وقت مل جاتا تھا تو میں اس میں فضائل کے

[1] المرقات: ۴/۶۱۰ [2] المرقات: ۴/۶۱۰ [3] المرقات: ۴/۶۱۰

ابواب سے درس دیا کرتا تھا جو کسی تاریخ کے تحت درج نہیں ہوتا تھا یہی وجہ ہے کہ فضائل قرآن سے لیکر کتاب الحج تک درس کی روزانہ تاریخ نہیں لکھی گئی ہے۔ (فضل محمد غفرلہ)

قرآن سیکھنے اور سکھانے والا سب سے بہتر ہے

﴿۱﴾ عَنْ عُثْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَہٗ۔ (رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)[1]

ترجمہ: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ”تم میں سے بہتر وہ شخص ہے جس نے قرآن سیکھا اور سکھایا۔

قرآن کی تلاوت کی عظیم فضیلت

﴿۲﴾ وَعَنْ عُقْبَۃَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ فِی الصُّفَّۃِ فَقَالَ أَیُّکُمْ یُحِبُّ أَنْ یَغْدُوَ کُلَّ یَوْمٍ إِلٰی بُطْحَانَ أَوِ الْعَقِیْقِ فَیَأْتِیَ بِنَاقَتَیْنِ کَوْمَاوَیْنِ فِیْ غَیْرِ إِثْمٍ وَلَا قَطْعِ رَحِمٍ فَقُلْنَا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ کُلُّنَا نُحِبُّ ذٰلِکَ قَالَ أَفَلَا یَغْدُوْ أَحَدُکُمْ إِلَی الْمَسْجِدِ فَیُعَلِّمُ أَوْ یَقْرَأُ آیَتَیْنِ مِنْ کِتَابِ اللّٰہِ خَیْرٌ لَہٗ مِنْ نَاقَتَیْنِ وَثَلَاثٌ خَیْرٌ لَہٗ مِنْ ثَلَاثٍ وَأَرْبَعٌ خَیْرٌ لَہٗ مِنْ أَرْبَعٍ وَمِنْ أَعْدَادِھِنَّ مِنَ الْإِبِلِ۔ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت عقبہ ابن عامر کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ باہر تشریف لائے، تو ہم ”صفہ“ پر بیٹھے ہوئے تھے آپ ﷺ نے ہم سے فرمایا کہ ”تم میں سے کون شخص یہ پسند کرتا ہے کہ وہ ہر روز بطحان یا عقیق کی طرف جائے اور وہاں سے دو اونٹنیاں بڑے کوہان والی بغیر کسی گناہ کے اور بغیر انقطاع صلہ رحمی کے لائے؟ ہم نے عرض کیا کہ ”یارسول اللہ: ہم سب پسند کرتے ہیں“ آپ ﷺ نے فرمایا (تو پھر سن لو کہ) تم میں سے جو شخص مسجد میں جاتا ہے اور وہاں کتاب اللہ کی دو آیتیں کسی کو سکھاتا ہے یا خود پڑھتا ہے تو وہ اس کے لئے دو اونٹنیوں سے بہتر ہے، تین آیتیں اس کے لئے تین اونٹنیوں سے بہتر ہیں اور چار آیتیں اس کے لئے چار اونٹنیوں سے بہتر ہیں۔ حاصل یہ کہ آیتوں کی تعداد اونٹنیوں کی تعداد سے بہتر ہے (یعنی پانچ آیتیں پانچ اونٹنیوں سے بہتر ہے اور چھ آیتیں چھ اونٹنیوں سے بہتر ہیں اسی طرح آگے تک قیاس کیا جائے۔ (مسلم)

توضیح: ”الصفۃ“ مسجد نبوی کے پاس اسلام کے پہلے مدرسہ کا نام الصفۃ ہے جس کے بانی خود رسول اللہ ﷺ تھے اور جس کے طالب علم خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے، اب تک مسجد نبوی ﷺ کے اندر اس کے نشانات قائم

[1] اخرجه البخاري: ۶/۲۳۶ [2] اخرجه مسلم: ۱/۳۲۱

ہیں۔ [۱] "بطحان" مدینہ منورہ کے قریب ایک نالہ کا نام تھا۔ اسی طرح [۲] "عقیق" مدینہ منورہ سے تین میل کے فاصلہ پرایک جگہ کا نام ہے۔ [۳]

ان دونوں مقامات میں اس وقت تجارتی منڈیاں لگتی تھی جس میں اونٹوں کی خرید وفروخت ہوا کرتی تھی عرب کے ہاں اونٹ عمدہ مال ہوتے تھے خصوصاً بڑے کوہاں کے اونٹ تو گرانمایہ سرمایہ ہوتا تھا اسی لئے حضور اکرم ﷺ نے عرب مزاج کے مطابق ایک بلیغ اسلوب سے تلاوت کلام اللہ کی ترغیب دی ہے۔

"کوماوین" کوماء کا تثنیہ ہے اور کوما بلند مقام کو کہتے ہیں اس سے وہ بڑی اونٹنیاں مراد ہیں جس کے کوہان بہت بلند ہوں ،عرب کے ہاں یہ ایک عمدہ مال تھا۔ [۴]

"فی غیر اثم" یعنی جس میں مثل سرقہ وغصب کوئی گناہ نہ ہو "ولا قطع رحم" یعنی جس میں گناہ کی خاص صورت قطع رحم نہ ہو یا کوئی ڈاکہ اور ظلم نہ ہو یہ تخصیص بعد تعمیم ہے۔ [۵]

"ومن اعدادھن من الابل" یعنی جتنی آیات کی تعداد بڑھے گی اسی طرح اونٹ بڑھیں گے یعنی پانچ ایات پانچ اونٹنیوں سے بہتر اور چھ ایات چھ اونٹنیوں سے بہتر الی اخرہ ان دونوں مذکورہ حدیثوں میں قرآن پڑھنے پڑھانے والوں کو اس کے بڑے ثواب کا ذکر کیا گیا ہے اونٹ ملنے کا مطلب یہ ہے کہ گویا اس شخص نے ایک اونٹ اللہ تبارک وتعالیٰ کے راستے میں صدقہ کر کے دیا اور اس کا ثواب پایا یا دو اونٹ یا چار یا دس اونٹوں کو صدقہ کیا اور ثواب کمایا۔ [۶]

﴿۳﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ إِذَا رَجَعَ إِلَى أَهْلِهِ أَنْ يَجِدَ فِيهِ ثَلَاثَ خَلِفَاتٍ عِظَامٍ سِمَانٍ قُلْنَا نَعَمْ قَالَ فَثَلَاثُ آيَاتٍ يَقْرَأُ بِهِنَّ أَحَدُكُمْ فِي صَلَاتِهِ خَيْرٌ لَهُ مِنْ ثَلَاثِ خَلِفَاتٍ عِظَامٍ سِمَانٍ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) [۷]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ "کیا تم میں سے کوئی شخص اس بات کو پسند کرتا ہے کہ وہ جب گھر لوٹ جائے تو وہاں تین حاملہ اور فربہ و بڑی اونٹنیاں پائے؟ ہم نے عرض کیا کہ "جی ہاں" آپ ﷺ نے فرمایا "تم میں سے جو شخص اپنی نماز میں قرآن کی تین آیتیں پڑھتا ہے تو وہ اس کے لئے تین حاملہ اور بڑی موٹی اونٹنیوں سے بہتر ہے۔ (مسلم)

توضیح: "خلفات" خلفۃ کی جمع ہے خا پر فتحہ ہے اور کسرہ دونوں جائز ہے مراد حاملہ اونٹنیاں ہے "ای حالات عظام" یعنی جسم کے اعتبار سے بڑے ہوں "سمان" یعنی کیفیت کے اعتبار سے موٹے ہوں۔ [۸]

---

[۱] المرقات: ۴/۶۱۲ [۲] المرقات: ۴/۶۱۳ [۳] المرقات: ۴/۶۱۳ [۴] المرقات: ۴/۶۱۳

[۵] المرقات: ۴/۶۱۳ [۶] المرقات: ۴/۶۱۵ [۷] اخرجہ مسلم: ۱/۳۲۱ [۸] المرقات: ۴/۶۱۶

ماہر قرآن کی فضیلت

﴿۴﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمَاهِرُ بِالْقُرْآنِ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ وَالَّذِيْ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَيَتَتَعْتَعُ فِيْهِ وَهُوَ عَلَيْهِ شَاقٌّ لَهٗ أَجْرَانِ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "ماہر قرآن ان فرشتوں کے ساتھ ہے جو لکھنے والے بزرگ و نیکوکار ہیں اور وہ شخص کہ جو قرآن کو اٹک اٹک کر پڑھتا ہے اور قرآن (پڑھنا) اس کے لئے مشکل ہوتا ہے تو اس کے لئے دو ثواب ہیں"۔ (بخاری و مسلم)

توضیح: "الماهر بالقرآن" ماہر قرآن سے وہ شخص مراد ہے جس کو قرآن خود یاد ہو اور مکمل روانی کے ساتھ پڑھتا ہو[2] "السفرة" سافر کی جمع ہے جو قاصد اور پیغام پہنچانے والے کو کہتے ہیں یا السفرة کتبة کے معنی میں ہے اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو لوح محفوظ سے قرآن عظیم نقل کرتے ہیں قرآن عظیم کے ماہرین ان فرشتوں کے ساتھ اس لئے ہونگے کہ دونوں کا کام قرآن عظیم کو عام کرنا اور پھیلانا اور آگے بڑھانا ہے[3] "الکرام" یہ کریم کی جمع ہے مکرم اور مقرب فرشتے مراد ہیں[4] "البررة" یہ البار کی جمع ہے البار محسن نیکوکار اور اچھا سلوک کرنے والا "یتتعتع"[5] دحرج یتدحرج کی طرح باب ہے "ای یتردد ویتلبد علیه لسانه" اٹک اٹک کر قرآن پڑھنے والے کو کہتے ہیں۔[6]

"اجران" یعنی دگنا اجر و ثواب ہے ایک ثواب تو قرآن کریم پڑھنے کا ہے اور دوسرا ثواب اس مشقت کی وجہ سے ہے جو پڑھنے والا اٹکنے کی وجہ سے برداشت کر رہا ہے۔[7]

سوال: کیا اس حدیث کا یہ مطلب ہوا کہ جو شخص قرآن کا ماہر ہے اس کو ایک اجر ملے گا اور جو اٹک اٹک کر پڑھتا ہے اس کو دو ثواب ملیں گے تو ماہر سے غیر ماہر کا اجر بڑھ گیا؟؟

جواب: ایسا نہیں ہے ماہر کا ثواب زیادہ ہے لیکن غیر ماہر کو اس کے اپنے اعتبار سے دو ثواب مل گئے اس کے دونوں ثواب ملا کر ماہر کے ایک ثواب تک نہیں پہنچ سکتے ہیں۔ گویا ماہر کا ثواب سونے کی طرح ہے جو وزن میں کم اور قیمت میں زیادہ ہے اور غیر ماہر کا ثواب چاندی کی طرح ہے چاندی وزن میں اگرچہ زیادہ ہو لیکن قیمت میں سونے سے بہت کم ہوتی ہے۔

دو قسم لوگ قابل رشک ہیں

﴿۵﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا حَسَدَ إِلَّا عَلَى اثْنَيْنِ رَجُلٌ آتَاهُ

[1] اخرجه البخاری: ۶/۲۰۶ ومسلم: ۱/۳۱۹ [2] المرقات: ۴/۶۱۶ [3] المرقات: ۴/۶۱۷
[4] المرقات: ۴/۶۱۷ [5] المرقات: ۴/۶۱۷ [6] المرقات: ۴/۶۱۷ [7] المرقات: ۴/۶۱۷

اللہُ الْقُرْآنَ فَهُوَ يَقُوْمُ بِهٖ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ وَرَجُلٌ آتَاهُ اللہُ مَالاً فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''صرف دو اشخاص کے بارے میں حسد (جائز) ہے ایک تو وہ شخص جس کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن کی نعمت عطا فرمائی اور وہ شخص (بعض اوقات کے علاوہ) دن اور رات کے اکثر حصہ میں اس قرآن میں مشغول رہتا ہے، دوسرا وہ شخص جس کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے مال عطا فرمایا ہو اور وہ اس کو دن ورات کے اکثر حصہ میں خرچ کرتا ہو''۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: ''لاحسد'' حسد کے معنی زوال نعمتِ غیر کی تمنا کرنا ہے حاسد کو ملے یا نہ ملے اور غبطہ کا معنی حصول نعمت غیر من غیر زوال منہ ہوتا ہے۔ لہٰذا حسد ناجائز ہے اور غبطہ جائز ہے اس حدیث میں حسد سے غبطہ مراد ہے۔ کیونکہ حسد حرام ہے غبطہ جائز ہے اس پر یہ اعتراض ہے کہ جب غبطہ جائز ہے تو پھر یہاں اس حدیث میں حصر کی کیا ضرورت تھی غبطہ تو ہر چیز میں جائز ہے تو اصل جواب یہ ہے کہ یہ کلام بطور فرض والتقدیر ہے کہ اگر حسد کسی چیز میں جائز ہوتا تو ان دو چیزوں میں جائز ہوتا جب ان میں جائز نہیں تو پھر کسی چیز میں جائز نہیں ہے یا جواب یہ ہے کہ یہ دو چیزیں بوجہ اہم ہونے کے حسد کے عام ضابطہ سے مستثنیٰ ہیں۔ (توضیحات جلد اول ص ۴۲۲ دیکھ لو) اگر حسد سے غبطہ لیا جائے اور غبطہ کا ترجمہ رشک کرنا نہ کیا جائے بلکہ اس کا ترجمہ مسابقہ اور ریس کیا جائے تو کوئی اشکال نہیں آئے گا پشتو میں اس کو ''سیالی'' کہتے ہیں یہ بہت عمدہ ہے[2]۔

قرآن پڑھنے اور نہ پڑھنے والے کی مثال

﴿۶﴾ وَعَنْ أَبِي مُوْسَى الْأَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّى اللہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِيْ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ مَثَلُ الْأُتْرُجَّةِ رِيْحُهَا طَيِّبٌ وَطَعْمُهَا طَيِّبٌ وَمَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِيْ لَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ مَثَلُ التَّمْرَةِ لَا رِيْحَ لَهَا وَطَعْمُهَا حُلْوٌ وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِيْ لَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ الْحَنْظَلَةِ لَيْسَ لَهَا رِيْحٌ وَطَعْمُهَا مُرٌّ وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِيْ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ مَثَلُ الرَّيْحَانَةِ رِيْحُهَا طَيِّبٌ وَطَعْمُهَا مُرٌّ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ الْمُؤْمِنُ الَّذِيْ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَيَعْمَلُ بِهٖ كَالْأُتْرُجَّةِ وَالْمُؤْمِنُ الَّذِيْ لَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَيَعْمَلُ بِهٖ كَالتَّمْرَةِ[3]

ترجمہ: اور حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''وہ مسلمان جو قرآن کریم پڑھتا ہے اس کی مثال سنگترے کی سی ہے کہ اس کی خوشبو بھی بہت لطیف اور اس کا مزہ بھی بہت اچھا، اور وہ مسلمان جو قرآن کریم نہیں پڑھتا اس کی

[1] اخرجه البخاري: ۶/۲۰۶ ومسلم: ۱/۳۱۹ [2] المرقات: ۴/۶۱۸ [3] اخرجه البخاري: ۶/۲۴۴ ومسلم: ۱/۳۱۹

مثال کھجور کی سی ہے کہ اس میں خوشبو نہیں ہوتی اور اس کا مزہ شیریں ہوتا ہے اور وہ منافق جو قرآن کریم نہیں پڑھتا اس کی مثال اندرائن کے پھل کی سی ہے جس میں نہ خوشبو ہے اور اس کا مزہ بھی بہت تلخ ہوتا ہے اور وہ منافق جو قرآن کریم پڑھتا ہے اس کی مثال خوشبودار پھل کی سی ہے جس کی خوشبو تو اچھی ہوتی ہے مگر اس کا مزہ نہایت تلخ"۔ (بخاری و مسلم)

توضیح: "الاترجة" ترنج، لیمو اور سنگترہ کو کہتے ہیں اردو میں اس لفظ کا ترجمہ سنگترہ سے کیا گیا ہے لیکن لغت کی کتابوں میں منجد نے جو تصویر لکھی ہے وہ لیمو کی ہے اور منجد و مصباح اللغات میں اس کو لیمو کہا گیا ہے۔ بہر حال یہ بڑے لیمو سنگترہ کینو اور مالٹا سب کے لئے استعمال ہوسکتا ہے علامہ طیبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس پھل سے انسانی تمام قویٰ کو لذت حاصل ہوجاتی ہے بڑے ہونے کی وجہ سے ہاتھوں کو اچھا لگتا ہے دیکھنے میں آنکھ کو خوبصورت لگتا ہے سونگھنے سے قوت شامہ اس سے لطف اندوز ہوتی ہے اور چکھنے سے قوت ذائقہ اس سے لطف اٹھاتی ہے اسی طرح قرآن عظیم ہے جسکے پڑھنے پڑھانے اور سننے اور سنانے سے خود قاری بھی لطف اٹھاتا ہے اور دوسرے لوگ بھی محظوظ ہوتے ہیں۔ [1]

"الحنظلة" اندرائن کو کہتے ہیں جو نہایت کڑوا بھی ہے بدبودار بھی ہے منافق کی یہی مثال ہے جو کڑوا بھی ہے بدبودار بھی ہے جس میں ہر طرف سے ضرر ہی ضرر ہے۔ [2]

"ریحانہ" گل ریحان خوشبو کے اعتبار سے اچھا ہوتا ہے مگر کڑوا ہوتا ہے تو منافق بھی اصل میں اندر سے کڑوا ہے لیکن قرآن کریم پڑھنے سے ظاہر خوشبو پیدا ہوجاتی ہے جو سریع الزوال ہوتی ہے یہ **تشبیه الهیئة المرکبة بالهیئة المرکبة** ہے جس کو تمثیل کہتے ہیں جس کی مثال اس شعر میں ہے [3]

کأن مثار النقع فوق رؤسنا
واسیافنا لیل تهاوی کواکبه

حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ قرآن پڑھنے والا مؤمن قرآن پڑھنے سے مزید روحانی ترقی کرتا ہے اور نہ پڑھنے والا اس ترقی سے محروم رہتا ہے۔

قوموں کے عروج وزوال کا سبب قرآن ہے

﴿۷﴾ وَعَنْ عُمَرَبْنِ الْخَطَّابِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهٖ آخَرِيْنَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) [4]

ترجمہ: اور حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "یقیناً اللہ تبارک وتعالیٰ اس کتاب یعنی کلام اللہ کے ذریعہ کتنے لوگوں کو بلند کرتا ہے اور اس کے ذریعہ کتنے لوگوں کو پست کرتا ہے۔ (مسلم)

[1] المرقات: ۴/۶۱۹ الکاشف: ۴/۲۶۵ [2] المرقات: ۴/۶۱۹ [3] المرقات: ۴/۶۱۹ [4] اخرجه مسلم: ۱/۳۲۵

توضیح: "یرفع بھذا الکتاب" حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ صرف تلاوت کرنے نہ کرنے سے قوموں کا عروج وزوال متعلق ہے بلکہ اس حدیث کا ایک جامع مفہوم ہے اس کی طرف میں صرف اشارہ کرتا ہوں یعنی اس کتاب کو جو قومیں اپناتی ہیں اس کے اوامر ونواہی کو جائز مقام دیتی ہیں اس کی تلاوت کرتی ہیں اور اس پر عمل کرتی ہیں اس کو اپنا مقتدیٰ بناتی ہیں اور اس کو معاشرہ میں قانون کی حیثیت سے نافذ کرتی ہیں اپنی سیاست کا مدار اسی کتاب پر رکھتی ہیں اور اپنی داخلہ وخارجہ پالیسی اسی کتاب کی روشنی میں وضع کرتی ہیں اور اس کتاب کو اعزاز کا عالیشان مقام دیتی ہیں تو ایسی قوموں کو اللہ تعالیٰ دنیا (مدت کے ساتھ) وآخرت میں اس کتاب کی برکت سے آسمان عروج پر بلند فرماتا ہے اور جو قومیں ایسا نہیں کرتیں اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو قعر مذلت میں نیچے گرادیتا ہے آج کل یہ امر مشاہدہ ہے کسی پر پوشیدہ نہیں ہے۔[1]

حکایت:

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے معالم تنزیل میں سند کے ساتھ ایک واقعہ لکھا ہے کہ مکہ کا گورنر نافع بن حارث عُسفان مقام میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ملے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نافع رضی اللہ عنہ کو مکہ کا گورنر مقرر کیا تھا اس لئے ان سے پوچھا کہ آپ نے مکہ مکرمہ پر اس وقت کس کو اپنا نائب بنا کر گورنر مقرر کیا ہے؟ حضرت نافع بن حارث رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا کہ میں نے ابن ابزیٰ (عبدالرحمن بن ابزی) کو گورنر مقرر کیا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تعجب کے انداز میں فرمایا کہ تم نے ایک غلام کو ان (اشراف قریش) پر گورنر مقرر کیا؟ (یہ کیا غضب کیا) حضرت نافع رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے امیر المؤمنین! یہ شخص قرآن کا سب سے زیادہ پڑھا ہوا عالم ہے اور قرآن کے فرائض کو سب سے زیادہ جانتا ہے اور قرآن کی روشنی میں فیصلوں کا سب سے زیادہ ماہر ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ (واقعی ایسا ہونا چاہئے تھا یہ گورنر بننے کا زیادہ اہل ہے) سن لو تمہارے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ان اللہ یرفع بھذا الکتاب اقواما ویضع بہ اٰخرین"

(مرقات ج ۴ ص ۶۲۰)[2]

قرآن کی تلاوت سے سکینہ نازل ہوتی ہے

﴿۸﴾ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ أُسَيْدَ بْنَ حُضَيْرٍ قَالَ بَيْنَمَا هُوَ يَقْرَأُ مِنَ اللَّيْلِ سُورَةَ الْبَقَرَةِ وَفَرَسُهُ مَرْبُوطَةٌ عِنْدَهُ إِذْ جَالَتِ الْفَرَسُ فَسَكَتَ فَسَكَنَتْ فَقَرَأَ فَجَالَتْ فَسَكَتَ فَسَكَنَتْ ثُمَّ قَرَأَ فَجَالَتِ الْفَرَسُ فَانْصَرَفَ وَكَانَ ابْنُهُ يَحْيَى قَرِيبًا مِنْهَا فَأَشْفَقَ أَنْ تُصِيبَهُ وَلَمَّا أَخَّرَهُ رَفَعَ رَأْسَهُ إِلَى السَّمَاءِ فَإِذَا مِثْلُ الظُّلَّةِ فِيهَا أَمْثَالُ الْمَصَابِيحِ فَلَمَّا أَصْبَحَ حَدَّثَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اقْرَأْ يَا ابْنَ حُضَيْرٍ اقْرَأْ يَا ابْنَ حُضَيْرٍ قَالَ فَأَشْفَقْتُ يَارَسُولَ اللّٰهِ أَنْ تَطَأَ يَحْيَى وَكَانَ مِنْهَا قَرِيبًا فَانْصَرَفْتُ إِلَيْهِ وَرَفَعْتُ رَأْسِي إِلَى السَّمَاءِ فَإِذَا مِثْلُ الظُّلَّةِ فِيهَا أَمْثَالُ الْمَصَابِيحِ فَخَرَجْتُ

---

[1] المرقات: ۴/۶۲۰ [2] المرقات: ۴/۶۲۰

حَتّٰی لَا أَرَاهَا قَالَ وَتَدْرِیْ مَاذَاكَ قَالَ لَا قَالَ تِلْكَ الْمَلَائِكَةُ دَنَتْ لِصَوْتِكَ وَلَوْ قَرَأْتَ لَأَصْبَحَتْ يَنْظُرُ النَّاسُ إِلَيْهَا لَا تَتَوَارٰی مِنْهُمْ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِيِّ وَفِيْ مُسْلِمٍ عَرَجَتْ فِي الْجَوِّ بَدَلَ فَخَرَجَتْ عَلٰى صِيْغَةِ الْمُتَكَلِّمِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ حضرت اسید ابن حضیر رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت کرتے تھے کہ "(ایک دن) جبکہ وہ (یعنی اسید رضی اللہ عنہ) رات میں سورۂ بقرہ پڑھ رہے تھے۔ ان کا گھوڑا جوان کے قریب ہی بندھا تھا اچانک اچھلنے کودنے لگا چنانچہ انہوں نے پڑھنا بند کر دیا (تا کہ دیکھیں وہ کیوں اچھل کود رہا ہے) گھوڑے نے بھی اچھل کود بند کر دی۔ (اسید رضی اللہ عنہ نے یہ سوچ کر کہ یونہی اچھل کود رہا ہوگا) پھر پڑھنا شروع کر دیا، گھوڑا بھی پھر اچھلنے کودنے لگا وہ پھر رک گئے تو گھوڑا بھی رک گیا۔ پھر جب انہوں نے پڑھنا شروع کیا تو گھوڑے نے اچھل کود شروع کی (اب انہیں احساس ہوا کہ گھوڑے کو اچھل کود یوں ہی نہیں ہے بلکہ اس کی خاص وجہ ہے) چنانچہ انہوں نے پڑھنا موقوف کر دیا (اتفاق سے) ان کا بچہ جس کا نام یحییٰ تھا گھوڑے کے قریب ہی تھا انہیں خوف ہوا کہ کہیں گھوڑا (اس اچھل کود میں) اس بچہ کو کوئی تکلیف نہ پہنچادے (اس لئے وہ اٹھ کر گھوڑے کے پاس گئے تا کہ بچہ کو وہاں سے ہٹا دیں) جب انہوں نے بچہ کو وہاں سے ہٹایا اور ان کی نظر آسمان کی طرف اٹھی تو اچانک کیا دیکھتے ہیں کہ بادل کی مانند کوئی چیز ہے جس میں چراغ سے جل رہے ہیں۔ جب صبح ہوئی تو اسید رضی اللہ عنہ نے یہ واقعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیان کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اے ابن حضیر تم پڑھتے رہتے۔ اے ابن حضیر تم پڑھتے رہتے"۔ اسید رضی اللہ عنہ نے عرض کیا "یارسول اللہ: میں اس بات سے ڈرا کہ کہیں گھوڑا یحییٰ کو کچل نہ ڈالے کیونکہ یحییٰ گھوڑے کے قریب ہی تھا، چنانچہ جب میں یحییٰ کی طرف پھرا اور اپنا سر آسمان کی طرف کیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ کوئی چیز بادل کی مانند ہے۔ جس میں چراغ جل رہے ہیں پھر میں (تحقیق حال کے لئے اپنے گھر سے) باہر نکلا مگر وہ (چراغاں) مجھے پھر نظر نہیں آیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جانتے ہو وہ کیا تھا؟ انہوں نے کہا کہ نہیں۔ فرمایا "وہ فرشتے تھے جو تمہاری قرأت کی آواز (سننے) کے لئے قریب آ گئے تھے اگر تم اسی طرح پڑھتے رہتے تو اسی طرح صبح ہو جاتی اور لوگ فرشتوں کو دیکھتے اور وہ فرشتے لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل نہ ہوتے"۔ اس روایت کو بخاری و مسلم نے نقل کیا ہے مگر الفاظ بخاری کے ہیں۔ مسلم کی روایت میں فخرجت کے بجائے عرجت فی الجو (یعنی وہ چیز زمین و آسمان کے درمیان میں چڑھ گئی) کے الفاظ ہیں۔

توضیح: مطلب یہ کہ حضرت اسید بن حُضیر رضی اللہ عنہ جب تلاوت فرما رہے تھے تو قرآن سننے کے لئے آسمان سے فوج درفوج فرشتے نازل ہو رہے تھے جس کی وجہ سے گھوڑا اچھل کود رہا تھا، قریب میں حضرت اسید بن حُضیر رضی اللہ عنہ کا چھوٹا بچہ یحییٰ تھا صحابی رضی اللہ عنہ کو خطرہ لاحق ہوا تلاوت چھوڑ کر باہر گئے تو فرشتے بھی غائب ہو گئے جو سکینہ کی صورت میں بادل میں نمودار ہوئے تھے۔

"اقرأ یا ابن حضیر" اس جملہ کا ترجمہ حضرت انور شاہ رحمہ اللہ سے اس طرح منقول ہے "پڑھتے رہنا تھا اے ابن حضیر

[1] اخرجه البخاری ومسلم: ۱/۳۱۸

پڑھتے رہنا تھا'' علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اقرأ امر ہے زمان ماضی کو استمرار الحال کے طور پر پیش کیا گیا ہے اسی کا ترجمہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اردو میں کیا ہے۔[1]

﴿۹﴾ وَعَنِ الْبَرَاءِ قَالَ كَانَ رَجُلٌ يَقْرَأُ سُوْرَةَ الْكَهْفِ وَإِلٰى جَانِبِهٖ حِصَانٌ مَرْبُوْطٌ بِشَطَنَيْنِ فَتَغَشَّتْهُ سَحَابَةٌ فَجَعَلَتْ تَدْنُوْ وَتَدْنُوْ وَجَعَلَ فَرَسُهٗ يَنْفِرُ فَلَمَّا أَصْبَحَ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لَهٗ فَقَالَ تِلْكَ السَّكِيْنَةُ تَنَزَّلَتْ بِالْقُرْآنِ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت براء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) ایک شخص سورۂ کہف پڑھ رہا تھا اس کے قریب ہی اس کا گھوڑا دو رسوں سے بندھا تھا کہ اسے ایک ابر (کے ٹکڑے) نے ڈھانک لیا وہ قریب سے قریب ہونے لگا یہاں تک کہ گھوڑے نے اچھل کود شروع کی، جب صبح ہوئی تو وہ شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پورا ماجرا کہہ سنایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''وہ سکینہ تھی جو قرآن پڑھے جانے کی وجہ سے اتری تھی۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: ''شطنین'' یہ شطن کا تثنیہ ہے شطن رسی کو کہتے ہیں[3] ''السکینۃ'' یہ تسکین اور سکون سے ہے اطمینان کے معنی میں ہے یعنی وہ تسکین قلب، خاطر جمعی، اور رحمت خداوندی، جس سے دل پاکیزہ اور منور ہوجاتا ہے، سکینہ اگرچہ مشاہدہ میں عام طور پر نہیں آتی ہے مگر کبھی کبھی بادل وغیرہ چھاؤں کی صورت میں ظاہر ہوجاتی ہے میدان جہاد میں غنودگی کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے عوام بسا اوقات غفلت کو سکینہ سمجھتے ہیں مجلس وعظ یا تلاوت میں شیطانی نیند کو سکینہ کہتے ہیں یہ غلط ہے۔[4]

سورت فاتحہ کی اہمیت وفضیلت

﴿۱۰﴾ وَعَنْ أَبِيْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُعَلّٰى قَالَ كُنْتُ أُصَلِّيْ فِي الْمَسْجِدِ فَدَعَانِي النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ أُجِبْهُ ثُمَّ أَتَيْتُهٗ فَقُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ إِنِّيْ كُنْتُ أُصَلِّيْ قَالَ أَلَمْ يَقُلِ اللّٰهُ اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ إِذَا دَعَاكُمْ ثُمَّ قَالَ أَلَا أُعَلِّمُكَ أَعْظَمَ سُوْرَةٍ فِي الْقُرْآنِ قَبْلَ أَنْ تَخْرُجَ مِنَ الْمَسْجِدِ فَأَخَذَ بِيَدِيْ فَلَمَّا أَرَدْنَا أَنْ نَخْرُجَ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّكَ قُلْتَ لَأُعَلِّمَنَّكَ أَعْظَمَ سُوْرَةٍ مِنَ الْقُرْآنِ قَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ هِيَ السَّبْعُ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْآنُ الْعَظِيْمُ الَّذِيْ أُوْتِيْتُهٗ ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[5]

ترجمہ: اور حضرت سعید ابن معلی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) میں مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے

[1] المرقات: ۴/۶۲۲ والکاشف: ۴/۲۶۷ [2] اخرجه البخاری: ۴/۲۲۵ ومسلم: ۱/۳۱۸ [3] اخرجه المرقات: ۴/۶۲۳

[4] اخرجه المرقات: ۴/۶۲۳ [5] اخرجه البخاری: ۶/۲۰

بلایا، اس وقت میں نے کوئی جواب نہیں دیا، پھر (نماز سے فارغ ہو کر) جب میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو عرض کیا کہ "یارسول اللہ. (اس وقت) میں نماز پڑھ رہا تھا (اس لئے میں نے آپ کا جواب نہیں دیا تھا) آپ ﷺ نے فرمایا کہ "کیا اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ نہیں کہا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اور رسول ﷺ کا جواب دو جبکہ رسول اللہ ﷺ تمہیں بلائیں اور ان کے حکم کی اطاعت کرو؟ پھر اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا "قبل اس کے کہ ہم اس مسجد سے نکلیں کیا میں تمہیں قرآن کی ایک بہت بڑی (یعنی افضل) سورۃ نہ سکھلادوں؟ پھر آپ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا اور جب ہم مسجد سے نکلنے کو ہوئے تو میں نے عرض کیا کہ "یارسول اللہ: آپ نے مجھ سے فرمایا تھا کہ کیا تمہیں قرآن کی ایک بہت بڑی سورۃ نہ سکھلادوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا وہ سورۃ الحمدللہ رب العالمین ہے وہ سات آیتیں ہیں جو نماز میں بار بار پڑھی جاتی ہیں۔

توضیح: "**استجیبوا**" یعنی جب رسول اللہ ﷺ تم کو بلائے تو ہر حالت میں اجابت واطاعت کرو، نماز چھوڑ دو اور آکر پوچھ لو کہ کیا خدمت ہے؟ یہ بات تو اپنی جگہ طے ہے کہ رسول ﷺ کے بلانے پر بلاتاخیر نماز سے نکل کر آجانا چاہئے، [1] بحث اس میں ہے کہ آیا یہ نماز باقی رہی یا نماز باطل ہوگئی؟

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ظاہر حدیث کی واضح دلالت اس پر ہے کہ نماز باطل نہیں ہوتی ہے۔[2]

علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ نماز باطل نہیں ہوتی مگر بعض فرماتے ہیں کہ باطل ہو جاتی ہے حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ نماز باطل نہیں ہوتی۔[3]

ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اجابت رسول ﷺ تو لازم ہے حدیث اسی پر دال ہے لیکن نماز کے بطلان یا عدم بطلان سے حدیث ساکت ہے البتہ عام دلائل کے پیش نظر نماز کا باطل ہو جانا زیادہ ظاہر ہے۔[4]

"**المثانی**" سورۃ فاتحہ کو السبع اس لئے کہا کہ یہ بالاتفاق سات ایات پر مشتمل ہے اور المثانی میں کئی احتمال ہیں لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہ سورۃ چونکہ نماز کی ہر رکعت میں دہرائی جاتی ہے اس لئے اس کو المثانی کہا گیا، یا نزول کے اعتبار سے المثانی کہا گیا کیونکہ یہ سورۃ ایک دفعہ مکہ میں نازل ہوئی دو بار مدینہ میں نازل ہوئی۔[5]

"**والقرآن العظیم**" یہ عطف عام علی الخاص کے قبیل سے ہے یا **القرآن العظیم** سے سورۃ فاتحہ ہی مراد ہے یہ عطف صفت علی صفت کی صورت ہے اصل عبارت اس طرح ہے '**ولقد اتیناك شیئا یقال له السبع المثانی ویقال له القرآن العظیم**' 'ایک چیز کی دو الگ الگ صفتیں ہیں۔[6]

سورۃ فاتحہ کو قرآن عظیم اس لئے کہا گیا کہ قرآن کریم کے تمام مضامین سورۃ فاتحہ میں اجمالی طور پر مندرج ہیں۔

سورۃ بقرہ کی فضیلت

﴿۱۱﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ مَقَابِرَ إِنَّ

[1] المرقات: ۴/۶۲۲،۶۲۳ [2] الکاشف: ۴/۲۷۱ [3] المرقات: ۴/۶۲۲ [4] المرقات: ۴/۶۲۲ [5] المرقات: ۴/۶۲۵ [6] المرقات: ۴/۶۲۵

الشَّيْطَانَ يَنْفِرُ مِنَ الْبَيْتِ الَّذِيْ يُقْرَأُ فِيْهِ سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "اپنے گھروں کو مقبرے نہ بناؤ (یاد رکھو) شیطان اس گھر سے بھاگتا ہے جس میں سورۂ بقرہ پڑھی جاتی ہے۔ (مسلم)

توضیح: "مقابر" اس لفظ کے دو مفہوم ہیں۔ پہلا مفہوم کہ اپنے گھروں کو قبرستان کی طرح نہ بناؤ کہ اس میں نہ تلاوت ہو نہ عبادت ہو نہ ذکر اللہ ہو، دوسرا مفہوم یہ کہ اپنے مردوں کو گھروں میں نہ دفناؤ گھروں کو قبرستان نہ بناؤ پہلا معنی زیادہ واضح ہے یعنی گھروں میں سورۃ بقرہ پڑھا کرو۔[2]

سورۃ بقرۃ آل عمران کی شفاعت

﴿۱۲﴾ وَعَنْ أَبِيْ أُمَامَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِقْرَؤُوا الْقُرْآنَ فَإِنَّهُ يَأْتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شَفِيْعًا لِأَصْحَابِهِ اِقْرَؤُوا الزَّهْرَاوَيْنِ الْبَقَرَةَ وَسُوْرَةَ آلِ عِمْرَانَ فَإِنَّهُمَا تَأْتِيَانِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَأَنَّهُمَا غَمَامَتَانِ أَوْ غِيَايَتَانِ أَوْ فِرْقَانِ مِنْ طَيْرٍ صَوَافَّ تُحَاجَّانِ عَنْ أَصْحَابِهِمَا اقْرَأُوْا سُوْرَةَ الْبَقَرَةِ فَإِنَّ أَخْذَهَا بَرَكَةٌ وَتَرْكَهَا حَسْرَةٌ وَلَا يَسْتَطِيْعُهَا الْبَطَلَةُ ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ "قرآن کریم پڑھا کرو کیونکہ وہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کی سفارش کرے گا اور (خاص طور پر) جگمگاتی ہوئی دو سورتیں کہ وہ سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران ہیں، پڑھو کیونکہ یہ دونوں قیامت کے دن اس طرح ظاہر ہوں گی گویا کہ وہ ابر کی دو ٹکڑیاں ہیں یا دو سایہ کرنے والی چیزیں ہیں یا پرندوں کی صف باندھے ہوئے دو ٹکڑیاں ہیں اور وہ اپنے پڑھنے والوں کی طرف سے جھگڑیں گے، اور سورۂ بقرہ پڑھو کیونکہ اس کے پڑھنے پر مداومت اس کے مفہوم و معانی میں غور و فکر اور اس کے (احکام) پر عمل کرنا برکت (یعنی نفع عظیم) ہے اور اس کو ترک کرنا قیامت کے دن حسرت (یعنی ندامت کا باعث) ہوگا اور (یاد رکھو سورۂ بقرہ کے طویل ہونے کی وجہ سے) اس کے پڑھنے کی طاقت وہ لوگ نہیں رکھتے جو اہل باطل اور کسل مند ہوتے ہیں"۔ (مسلم)

توضیح: "الزھراوین" الزهراء کا تثنیہ ہے جو ازھر کی تانیث ہے نہایت روشن اور چمکدار کے معنی میں ہے کیونکہ اس میں ہدایت کا زبردست نور ہے گویا یہ دو سورتیں آسمان عروج پر چاند اور سورج کی طرح ہیں اور باقی ستارے ہیں۔[4]
"تأتیان" یعنی اس کا اجر و ثواب آئے گا یا خود یہ دونوں سورتیں ایک خاص جسم کے ساتھ متشکل ہو کر آئیں گی۔[5]
"غمامتان" بادل کے دو چمکدار ٹکڑے[6] "اوغیابتان" یہ سایہ کے معنی میں ہے یعنی دو مزیدار سائبان۔[7]

[1] اخرجہ مسلم: ۱/۳۱۳ [2] المرقات: ۴/۶۲۶ [3] اخرجہ مسلم: ۱/۲۲۲۱ [4] المرقات: ۴/۶۲۶
[5] المرقات: ۴/۶۲۶ [6] المرقات: ۴/۶۲۶ [7] المرقات: ۴/۶۲۶

"**اوفرقان**" فرقة کا تثنیہ ہے فرق وفرقة کا تثنیہ فرقان ہے ای القطعتان پرندوں کے دوجھنڈ مراد ہے جس کی وجہ سے سر پر سایہ ہوجاتا ہے۔[۱]

علامہ طیبی عشلیہ فرماتے ہیں کہ یہاں اوشک کے لئے نہیں ہے بلکہ مختلف اقسام وانواع بیان کرنے کے لئے ہے پھراس میں ترتیب دیگر فرماتے ہیں کہ اول صفت ان لوگوں کی ہے جو قرآن پڑھتے ہیں لیکن معانی نہیں سمجھتے دوسری صفت ان لوگوں کی ہے جو معلم بن کر دوسروں کو سمجھانے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ پھر علامہ عشلیہ اس تشبیہ کی تقسیم کی وضاحت اس طرح فرماتے ہیں کہ بادل کا سایہ سائبان کے سایہ سے کم ہوتا ہے نیز سائبان قریب بھی ہوتا ہے بادل عوام الناس کے لئے عام ہے لیکن سائبان بادشاہوں کے ساتھ خاص ہوتا ہے اور پرندوں کے پروں کا سایہ تو عام بادشاہوں کو بھی نصیب نہیں یہ تو حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرح اخص الخواص کے لئے ہے جنہوں نے فرمایا "**رب هب لی ملکا لاینبغی لاحد من بعدی**"۔[۲]

"**صواف**" صافة کی جمع ہے پروں کے ساتھ پرندے جب قطار باندھ کر فضا میں کھڑے ہوجاتے ہیں اس کو صواف کہتے ہیں۔[۳]

"**البطلة**" اس سے یا تو جادوگر لوگ مراد ہیں جو اپنی گمراہی کی وجہ سے ان دوسورتوں کو نہ پڑھ سکتے ہیں نہ ان پرعمل کرسکتے ہیں یا اس سے وہ باطل لوگ مراد ہیں جو اپنی بے راہ روی، فسق وفجور اور سستی ومستی میں پڑے رہتے ہیں ان کو طویل سورتوں کی توفیق کہاں ہوسکتی ہے۔[۴]

﴿۱۳﴾ وَعَنِ النَّوَّاسِ بْنِ سَمْعَانَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ يُؤْتَى بِالْقُرْآنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَأَهْلِهِ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ بِهِ تَقْدُمُهُ سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ وَآلِ عِمْرَانَ كَأَنَّهُمَا غَمَامَتَانِ أَوْ ظُلَّتَانِ سَوْدَاوَانِ بَيْنَهُمَا شَرْقٌ أَوْ كَأَنَّهُمَا فِرْقَانِ مِنْ طَيْرٍ صَوَافَّ تُحَاجَّانِ عَنْ صَاحِبِهِمَا.

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[۵]

ترجمہ: اور حضرت نواس ابن سمعان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "قیامت کے دن لایا جائے گا قرآن کو اور ان لوگوں کو جو قرآن پڑھتے تھے اور ان پرعمل کرتے تھے سارے قرآن کے آگے دوسورتیں سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران ہوں گی۔ اس طرح گویا کہ وہ ابر کے دوٹکڑے ہیں یا ابر کے دوسیاہ ٹکڑے ہیں اور ان میں ایک چمک ہے، یا گویا دوٹکڑیاں صف بستہ پرندوں کی ہیں جو پڑھنے والوں کی طرف سے جھگڑیں گی (یعنی اپنے پڑھنے والوں کی سفارش کریں گی)۔ (مسلم)

---

[۱] المرقات: ۴/۶۲۶ [۲] المرقات: ۴/۶۲۷ والکاشف: ۴/۲۷۳ [۳] المرقات: ۴/۶۲۶ [۴] المرقات: ۴/۶۲۷ [۵] اخرجه مسلم: ۱/۳۲۲

توضیح: "یوتی بالقرآن" یعنی بعینہ قرآن کو لایا جائے گا یا اس کے ثواب کو پیش کر دیا جائے گا اور اس پر عمل کرنے والوں کو ان کے ثواب کے ساتھ حاضر کیا جائے گا۔ [1]

"ظلتان سوداوان" بادل جب تہ بتہ اور گہرا ہوتا ہے تو اس کا سایہ مزیدار اور فرحت بخش ہوتا ہے یہاں اس لفظ کے اضافہ کرنے سے یہی بیان کرنا مقصود ہے۔ [2]

"بینھما" یعنی یہ بادل تو نہایت گہرے ہونگے لیکن ان کے درمیان ایک چمک ہوگی جس کی وجہ سے مزید ار روشنی میں کوئی کمی نہیں آئے گی اور خوفناک اندھیرا نہیں ہوگا۔ [3]

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر علماء فرماتے ہیں کہ شرق کا معنی فرق کا ہے یعنی بادل کے ان دوٹکڑوں کے درمیان ایک چمکدار فاصلہ ہوگا یعنی بسم اللہ مذکور ہوگی جس کی وجہ سے دونوں سورتوں کے درمیان فرق اور جدائی معلوم ہوگی۔ [4]

آیت الکرسی قرآن کی سب سے عظیم آیت ہے

﴿۱۴﴾ وَعَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا أَبَا الْمُنْذِرِ أَتَدْرِي أَيُّ آيَةٍ مِنْ كِتَابِ اللهِ تَعَالَى مَعَكَ أَعْظَمُ قُلْتُ أَللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ قَالَ يَا أَبَا الْمُنْذِرِ أَتَدْرِي أَيُّ آيَةٍ مِنْ كِتَابِ اللهِ تَعَالَى مَعَكَ أَعْظَمُ قُلْتُ أَللهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ قَالَ فَضَرَبَ فِي صَدْرِي وَقَالَ لِيَهْنِكَ الْعِلْمُ يَا أَبَا الْمُنْذِرِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) [5]

ترجمہ: اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ مجھ سے) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "ابوالمنذر رضی اللہ عنہ (یہ حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے) کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے نزدیک کتاب اللہ کی کون سی آیت سب سے عظیم ہے؟ میں نے عرض کیا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی سب سے زیادہ جاننے والے ہیں (کہ وہ کون سی آیت ہے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (پھر) پوچھا کہ "ابوالمنذر: تم جانتے ہو کہ تمہارے نزدیک کتاب اللہ کی کون سی آیت سب سے زیادہ عظیم ہے؟ میں نے کہا کہ اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم (یعنی پوری آیت الکرسی) حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (یہ سن کر) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک میرے سینے پر مارا اور فرمایا کہ ابوالمنذر: خدا کرے تمہارا علم خوشگوار ہو"۔ (مسلم)

توضیح: "لیھنئك العلم" ابولمنذر رضی اللہ عنہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے شان والے صحابہ میں سے سب سے بڑے قاری تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے بطور امتحان پوچھا کہ قرآن کریم میں سب سے بڑی ایت کونسی ہے اس پر آپ نے فرمایا کہ ایت الکرسی سب سے بڑی ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے شاگرد کو صحیح جواب دینے پر دو اعزاز دیئے ایک تو بطور اعزاز آپ رضی اللہ عنہ کے سینہ پر اپنا مبارک ہاتھ مارا کہ شاباش شاباش، دوسرا ایک اعزازی نمبر عطا کیا کہ تجھے تیرا علم مبارک ہو۔

[1] المرقات: ۴/۶۲۷ [2] المرقات: ۴/۶۲۷ [3] المرقات: ۴/۶۲۸ [4] المرقات: ۱/۴/۶۲۸ والکاشف: ۴/۲۷۵ [5] اخرجہ مسلم: ۱/۳۲۳

اس حدیث سے مدرسوں کے طلبہ کے امتحانات اور اس پر نمبرات وانعامات کا ثبوت ملتا ہے۔[1]

"لیهنك" یہ صیغہ ہمزہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے اور العلم ہر صورت میں اس کا فاعل ہے "ای لیکن العلم هنیئا لك" باب سمع اور فتح دونوں سے اہل لغت نے استعمال کیا ہے عرب جب کسی کو بچے کی پیدائش پر مبارک باد پیش کرتے ہیں تو کہتے ہیں "لیهنك الولد"۔[2]

حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے ایک بار جواب دینے سے گریز کیا کہ ہوسکتا ہے حضور اکرم ﷺ صرف متوجہ کرنا چاہتے ہوں اور جواب خود دینا چاہتے ہوں جیسا کہ عام عادت مبارکہ یہی تھی لیکن جب حضور اکرم ﷺ نے دوبارہ پوچھا تو حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ کو اندازہ ہوا کہ یہ واقعی سوال ہے تب جواب دیا ادب کا لحاظ بھی رکھا اور جواب بھی صحیح دیا اسلامی مدارس میں امتحانی نظام کے ثبوت اور پھر پاس ہونے پر بطور اعزاز واکرام انعام دینے کے لئے یہ حدیث دلیل ہے۔[3]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ابلیس کا قصہ

﴿۱۵﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ وَكَّلَنِي رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِحِفْظِ زَكَاةِ رَمَضَانَ فَأَتَانِي آتٍ فَجَعَلَ يَحْثُوْ مِنَ الطَّعَامِ فَأَخَذْتُهُ وَقُلْتُ لَأَرْفَعَنَّكَ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنِّي مُحْتَاجٌ وَعَلَيَّ عِيَالٌ وَلِي حَاجَةٌ شَدِيْدَةٌ قَالَ فَخَلَّيْتُ عَنْهُ فَأَصْبَحْتُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ مَا فَعَلَ أَسِيْرُكَ الْبَارِحَةَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ شَكَا حَاجَةً شَدِيْدَةً وَعِيَالًا فَرَحِمْتُهُ فَخَلَّيْتُ سَبِيْلَهُ قَالَ أَمَا إِنَّهُ قَدْ كَذَبَكَ وَسَيَعُوْدُ فَعَرَفْتُ أَنَّهُ سَيَعُوْدُ لِقَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّهُ سَيَعُوْدُ فَرَصَدْتُهُ فَجَاءَ يَحْثُوْ مِنَ الطَّعَامِ فَأَخَذْتُهُ فَقُلْتُ لَأَرْفَعَنَّكَ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ دَعْنِي فَإِنِّي مُحْتَاجٌ وَعَلَيَّ عِيَالٌ لَا أَعُوْدُ فَرَحِمْتُه خليت سَبِيْلَهُ فَأَصْبَحْتُ فَقَالَ لِي رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ مَا فَعَلَ أَسِيْرُكَ قلت يا رسول الله شَكَا حَاجَةً شَدِيْدَةً وَعِيَالًا فَرَحِمْتُهُ فَخَلَّيْتُ سَبِيْلَهُ فَقَالَ أَمَا إِنَّهُ قَدْ كَذَبَكَ وَسَيَعُوْدُ فَرَصَدْتُهُ فَجَاءَ يَحْثُوْ مِنَ الطَّعَامِ فَأَخَذْتُهُ فَقُلْتُ لَأَرْفَعَنَّكَ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهٰذَا آخِرُ ثَلَاثِ مَرَّاتٍ إِنَّكَ تَزْعَمُ لَا تَعُوْدُ ثُمَّ تَعُوْدُ قَالَ دَعْنِي أُعَلِّمْكَ كَلِمَاتٍ يَنْفَعُكَ اللّٰهُ بِهَا إِذَا أَوَيْتَ إِلَى فِرَاشِكَ فَاقْرَأْ آيَةَ الْكُرْسِيِّ اَللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ حَتّٰى تَخْتِمَ الْآيَةَ فَإِنَّكَ لَنْ يَزَالَ عَلَيْكَ مِنَ اللّٰهِ حَافِظٌ وَلَا يَقْرَبُكَ شَيْطَانٌ حَتّٰى تُصْبِحَ فَخَلَّيْتُ سَبِيْلَهُ فَأَصْبَحْتُ فَقَالَ لِي رَسُوْلُ

[1] المرقات: ۴/۶۲۹　[2] المرقات: ۴/۶۲۹　[3] المرقات: ۱/۴/۶۲۸ والکاشف: ۴/۲۷۵

اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَافَعَلَ أَسِیْرُكَ قُلْتُ زَعَمَ اَنَّہٗ یُعَلِّمُنِیْ کَلِمَاتٍ یَنْفَعُنِی اللہُ بِھَا قَالَ أَمَا اِنَّہٗ صَدَقَكَ وَھُوَ کَذُوْبٌ وَتَعْلَمُ مَنْ تُخَاطِبُ مُنْذُ ثَلَاثِ لَیَالٍ قُلْتُ لَا قَالَ ذَاكَ شَیْطَانٌ۔

(رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کی زکوٰۃ (یعنی صدقہ عید الفطر) کی نگہبانی اور جمع کرنے پر مجھے مامور فرمایا چنانچہ (اس دوران) ایک شخص میرے پاس آیا اور اپنے ہاتھوں سے (اپنے دامن اور اپنے برتن میں) غلہ بھرنا شروع کر دیا میں نے اسے پکڑ لیا اور کہا کہ میں تجھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے چلوں گا۔ (اور تجھے اس غلط حرکت کی سزا دلواؤں گا) اس نے کہا کہ "میں ایک محتاج ہوں، میرے اوپر میرے اہل وعیال کا نفقہ ہے اور میں سخت حاجتمند ہوں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے (اس کی یہ خستہ حالت سن کر) اسے چھوڑ دیا، جب صبح ہوئی تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے فرمانے لگے کہ "ابوہریرہ: تمہارے گذشتہ رات کے قیدی کا کیا ہوا؟ (اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی خبر دے دی تھی) میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ: وہ مجھ سے اپنی سخت حاجت اور عیال داری کا رونا رونے لگا اس لئے مجھے اس پر رحم آیا اور میں نے اسے چھوڑ دیا۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "خبردار رہنا: اس نے (اپنے حالات کے اظہار میں) تم سے جھوٹ بولا ہے، وہ پھر آئے گا (اس لئے آئندہ احتیاط رکھنا) میں سمجھ گیا کہ ضرور آئے گا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ وہ پھر آئے گا۔ چنانچہ میں اس کا منتظر رہا، وہ آیا اور اپنے دونوں ہاتھوں سے غلہ بھرنا شروع کر دیا، میں نے اسے پکڑ لیا اور کہا کہ (اب تو) میں تجھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جاؤں گا"۔ اس نے کہا کہ مجھے چھوڑ دیجئے میں ضرور تمند ہوں میرے اوپر کنبہ کا نفقہ ہے اب آئندہ میں نہیں آؤں گا"۔ مجھے اس پر رحم آیا اور میں نے اسے چھوڑ دیا جب صبح ہوئی تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے پھر فرمایا کہ "ابوہریرہ رضی اللہ عنہ: تمہارے قیدی کا کیا ہوا؟ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ: وہ میرے سامنے اپنی شدید ضرورت وحاجت اور عیالداری کا دکھڑا رونے لگا۔ اس لئے مجھے اس پر رحم آ گیا اور میں نے (اس کے اس وعدہ پر کہ آئندہ پھر کبھی نہیں آؤں گا) اس کو چھوڑ دیا"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہوشیار رہنا اس نے (اس مرتبہ بھی) جھوٹ بولا ہے (کہ میں آئندہ نہیں آؤں گا) وہ پھر آئے گا"۔ چنانچہ میں اس کا منتظر رہا اور وہ پھر آیا، جب اس نے غلہ بھرنا شروع کیا تو میں نے اسے پکڑ لیا اور کہا کہ "میں آج تو تجھے ضرور ہی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جاؤں گا یہ آخری تیسرا موقع ہے تو نے تو کہا تھا کہ آئندہ نہیں آؤں گا مگر تو پھر آ گیا" اس نے کہا کہ مجھے چھوڑ دو میں تمہیں ایسے کلمات سکھاؤں گا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی وجہ سے نفع پہنچائے گا (اور وہ یہ کہ) جب تم (سونے کے لئے) اپنے بستر پر جاؤ تو آیت الکرسی اللہ لاالہ الا ھو الحی القیوم آخر آیۃ (یعنی وھو العلی العظیم) تک پڑھو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے تمہارے ساتھ ہمیشہ ایک نگہبان (فرشتہ) رہا کرے گا اور صبح تک تمہارے پاس کوئی شیطان (خواہ وہ انسان میں سے ہو یا جنات میں سے دینی یا دنیوی تکالیف واذیت پہنچانے کے لئے) نہیں آئے گا"۔ میں نے (یہ سن کر) اسے اس مرتبہ بھی چھوڑ دیا، جب صبح ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے پھر فرمایا کہ تمہارے قیدی کا کیا ہوا؟ میں نے عرض کیا کہ "قیدی نے

[1] اخرجہ مسلم: ۱/۳۲۳

(جب) مجھ سے یہ کہا کہ وہ مجھے کچھ کلمات سکھائے گا جن کی وجہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے نفع پہنچائے گا (تو میں نے اس مرتبہ بھی اس کو چھوڑ دیا) آپ ﷺ نے فرمایا آگاہ رہو (اگرچہ) اس نے تم سے (ان کلمات کے بارے میں) سچ کہا ہے (مگر) وہ (دوسری باتوں میں) جھوٹا ہے، اور تم جانتے ہو کہ تم ان تین راتوں میں کس سے مخاطب تھے''؟ میں نے کہا کہ نہیں'' آپ ﷺ نے فرمایا ''وہ شیطان تھا (جو اس طرح مکروفریب سے صدقات کے مال میں کمی کرنے آیا تھا)۔ (بخاری)

توضیح: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو حضور اکرم ﷺ نے صدقات کے اموال پر چوکیدار مقرر فرمایا تھا ایک رات چور آ گیا اور غلہ اٹھانے لگا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے پکڑ لیا اس نے منتیں کیں آپ نے اسے چھوڑ دیا حضور اکرم ﷺ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے بذریعہ وحی اطلاع فرمادی کہ ایسا واقعہ ہو گیا حضور اکرم ﷺ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ یہ چور پھر آئے گا یہ بھی وحی کے ذریعہ سے بتادیا الغرض تین دن تک یہی سلسلہ چلتا رہا پھر اس چور نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو حفاظت مال وجان کے لئے ایک وظیفہ بتادیا کہ سوتے وقت آیت الکرسی پڑھا کرو میرے جیسے چور نہیں آئیں گے حضور اکرم ﷺ نے اس وظیفہ کی افادیت کی تصدیق فرمادی اور یہ بھی بتادیا کہ تین دن سے تیرا واسطہ ابلیس کے ساتھ پڑا تھا۔ اس حکایت سے ہر مسلمان کو جان لینا چاہئے کہ آیت الکرسی ایک مسلمان کی جان ومال کے لئے حفاظت کا بڑا قلعہ ہے۔[1]

سورۃ فاتحہ اور امن الرسول کی فضیلت

﴿۱۶﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بَيْنَمَا جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَاعِدٌ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعَ نَقِيْضًا مِنْ فَوْقِهٖ فَرَفَعَ رَأْسَهٗ فَقَالَ هٰذَا بَابٌ مِنَ السَّمَاءِ فُتِحَ الْيَوْمَ لَمْ يُفْتَحْ قَطُّ اِلَّا الْيَوْمَ فَنَزَلَ مِنْهُ مَلَكٌ فَقَالَ هٰذَا مَلَكٌ نَزَلَ اِلَى الْاَرْضِ لَمْ يَنْزِلْ قَطُّ اِلَّا الْيَوْمَ فَسَلَّمَ فَقَالَ اَبْشِرْ بِنُوْرَيْنِ اُوْتِيْتَهُمَا لَمْ يُؤْتَهُمَا نَبِيٌّ قَبْلَكَ فَاتِحَةُ الْكِتَابِ وَخَوَاتِيْمُ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ لَنْ تَقْرَأَ بِحَرْفٍ مِنْهُمَا اِلَّا اُعْطِيْتَهٗ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک دن) جب کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے تو انہوں نے (یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام نے) اوپر کی طرف دروازہ کھلنے کی آواز سنی چنانچہ انہوں نے اپنا سر اوپر اٹھایا اور کہا کہ ''یہ آسمان کا دروازہ کھولا گیا ہے آج کے علاوہ کبھی یہ نہیں کھولا گیا ہے'' جب اس دروازے سے ایک فرشتہ اترا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ ''یہ فرشتہ آج سے پہلے کبھی زمین پر نہیں اترا ہے'' پھر اس فرشتے نے (آنحضرت ﷺ کو) سلام کیا اور کہا کہ ''خوشخبری ہو کہ آپ کو وہ دو نور عطا فرمائے گئے ہیں جو آپ ﷺ سے پہلے اور کسی نبی کو نہیں دیئے گئے اور وہ سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ کا آخری حصہ ہیں ان میں سے آپ کی طرف سے پڑھے گئے ایک ایک حرف کے عوض آپ کو ثواب ملے گا یا آپ کی دعا قبول کی جائے گی۔

[1] المرقات: ۴/۶۳۲، ۶۳۳ [2] اخرجہ مسلم: ۱/۳۲۲

توضیح: "نقیضا" یہ اس آواز کو کہتے ہیں کہ جو کسی چیز کے کھلنے یا بند کرنے یا ٹوٹنے سے پیدا ہوتی ہے یہاں دروازہ کھلنے کی آواز مراد ہے۔[۱]

"**خواتیم سورة البقرة**" اس سے "**امن الرسول**" مراد ہے علماء نے لکھا ہے کہ اس سے سورۃ بقرہ کی آخری تین آیات مراد ہیں جو امن الرسول سے شروع ہوتی ہیں مشہور یہی ہے۔[۲]

"**اعطیته**" یعنی ہر ہر کلمہ پر ثواب ملے گا اور ہر کلمہ جو سوال ہے اس سوال کے مطابق انعام دیا جائے گا مثلاً فاتحہ میں "**اھدنا الصراط المستقیم**" ہے اور امن الرسول میں "**ربنا لا تؤاخذنا**" ہے وغیرہ۔[۳]

﴿۱۷﴾ وَعَنْ أَبِي مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْآيَتَانِ مِنْ آخِرِ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ مَنْ قَرَأَ بِهِمَا فِيْ لَيْلَةٍ كَفَتَاهُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[۴]

ترجمہ: اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص رات میں سورۂ بقرہ کی آخری دو آیتیں یعنی امن الرسول سے آخر تک پڑھتا ہے تو اس کے لئے وہ کافی ہیں"۔ (بخاری ومسلم)

﴿۱۸﴾ وَعَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَفِظَ عَشْرَ آيَاتٍ مِنْ أَوَّلِ سُوْرَةِ الْكَهْفِ عُصِمَ مِنَ الدَّجَّالِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[۵]

ترجمہ: اور حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص سورۂ کہف کی پہلی دس آیتیں یاد کرے تو وہ دجال کے شر سے بچایا جائے گا۔ (مسلم)

سورۃ اخلاص کی فضیلت

﴿۱۹﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيَعْجِزُ أَحَدُكُمْ أَنْ يَقْرَأَ فِيْ لَيْلَةٍ ثُلُثَ الْقُرْآنِ قَالُوْا وَكَيْفَ يَقْرَأُ ثُلُثَ الْقُرْآنِ قَالَ قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ تَعْدِلُ ثُلُثَ الْقُرْآنِ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَرَوَاهُ الْبُخَارِيُّ عَنْ أَبِي سَعِيْدٍ)[۶]

ترجمہ: اور حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کیا تم میں سے کوئی شخص ایک رات میں تہائی قرآن پڑھنے سے عاجز ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ "تہائی قرآن کیسے پڑھا جائے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "قل ھو اللہ احد تہائی قرآن کے برابر ہے (جس شخص نے رات میں یہ سورۃ پڑھ لی گویا اس نے تہائی قرآن پڑھ لیا) مسلم امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو ابو سعید سے نقل کیا ہے۔

[۱] المرقات: ۴/۶۳۳ [۲] المرقات: ۴/۶۳۴ [۳] المرقات: ۴/۶۳۴

[۴] اخرجه البخاري: ۵/۱۰۷ ومسلم: ۱/۳۲۲ [۵] اخرجه مسلم: ۲/۳۲۳ [۶] اخرجه مسلم: ۱/۳۲۳ والبخاري: ۶/۲۳۳

توضیح: "تعدل" یعنی مساوی اور برابر ہے قرآن عظیم اصولی طور پر تین بڑے مضامین پر مشتمل ہے ① قصص ② احکام ③ توحید۔ ان تین مضامین میں سے سورۃ اخلاص مکمل طور پر تیسرے مضمون پر مشتمل ہے اس لئے یہ ایک تہائی قرآن کے برابر ہے۔ یا مطلب یہ ہے کہ سورۃ اخلاص ثواب کے اعتبار سے ایک تہائی قرآن کے ثواب کے برابر ہے۔[1]

﴿۲۰﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ رَجُلاً عَلَى سَرِيَّةٍ وَكَانَ يَقْرَأُ لِأَصْحَابِهِ فِيْ صَلَاتِهِمْ فَيَخْتِمُ بِقُلْ هُوَاللهُ أَحَدٌ فَلَمَّا رَجَعُوْا ذَكَرُوْا ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ سَلُوْهُ لِأَيِّ شَيْءٍ يَصْنَعُ ذٰلِكَ فَسَأَلُوْهُ فَقَالَ لِأَنَّهَا صِفَةُ الرَّحْمٰنِ وَأَنَا أُحِبُّ أَنْ أَقْرَأَهَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخْبِرُوْهُ أَنَّ اللهَ يُحِبُّهُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کو امیر بنا کر ایک لشکر کے ساتھ بھیجا وہ شخص نماز میں اپنے رفقاء کی امامت بھی کرتا تھا اور (اس کا معمول تھا کہ اپنی قرأت) قل ہواللہ پر ختم کرتا تھا، جب وہ (لشکر کے لوگ) واپس آئے تو انہوں نے اس کا تذکرہ آنحضرت ﷺ سے کیا، آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ اس شخص سے دریافت کرو کہ وہ ایسا کیوں کرتا ہے؟ اس سے پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ "میں یہ اس لئے کرتا ہوں کہ اس سورۃ میں رحمٰن (اللہ تبارک وتعالیٰ) کی صفت (وحدانیت) بیان کی گئی ہے اور میں اسے پسند کرتا ہوں کہ (اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفت وحدانیت کے اظہار کے پیش نظر) اس سورت کو (ہمیشہ) پڑھتا رہوں"۔ نبی کریم ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا کہ "اس شخص کو خبر دو کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو دوست رکھتا ہے کیونکہ وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو دوست رکھتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

"**فیختم**" اس لفظ کا زیادہ واضح مطلب یہ ہے کہ یہ شخص ہر نماز کی آخری رکعت میں فاتحہ کے بعد سورۃ اخلاص پڑھا کرتا تھا۔ علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہر رکعت کے آخر میں سورۃ اخلاص پڑھتا تھا اس صورت میں فقہاء کا تھوڑا سا اختلاف آئے گا کہ آیا ہر رکعت میں ایک سورۃ کی تکرار صحیح ہے یا نہیں؟ پہلی وضاحت زیادہ بہتر ہے۔[3]

﴿۲۱﴾ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ إِنَّ رَجُلاً قَالَ يَارَسُوْلَ اللهِ إِنِّيْ أُحِبُّ هٰذِهِ السُّوْرَةَ قُلْ هُوَاللهُ أَحَدٌ قَالَ إِنَّ حُبَّكَ إِيَّاهَا أَدْخَلَكَ الْجَنَّةَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوَى الْبُخَارِيُّ مَعْنَاهُ)[4]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ یارسول اللہ: میں اس سورت یعنی قل ہواللہ کو دوست رکھتا ہوں (یعنی اسے اکثر پڑھتا رہتا ہوں) آپ ﷺ نے فرمایا کہ "اس سورۃ سے تمہاری دوستی تمہیں جنت میں داخل کرے گی۔ (ترمذی) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو بالمعنی نقل کیا ہے۔

[1] المرقات: ۴/۲۳۶ [2] اخرجه البخاري: ۹/۱۴۰ ومسلم: ۱/۳۲۲ [3] المرقات: ۴/۶۳۷، ۶۳۸ [4] اخرجه الترمذي: ۵/۱۶۹

معوذتین سے دم کرنے کا طریقہ

﴿۲۲﴾ وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلَمْ تَرَ آيَاتٍ أُنْزِلَتِ اللَّيْلَةَ لَمْ يُرَ مِثْلُهُنَّ قَطُّ قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ وَقُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ) [1]

ترجمہ: اور حضرت عقبہ ابن عامر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "آج کی رات ایسی عجیب آیتیں اتاری گئی ہیں کہ (پناہ طلب کرنے کے سلسلہ میں) ان کا کوئی جواب نہیں ہے اور وہ قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس ہیں۔ (مسلم)

﴿۲۳﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا أَوَى إِلَى فِرَاشِهِ كُلَّ لَيْلَةٍ جَمَعَ كَفَّيْهِ ثُمَّ نَفَثَ فِيْهِمَا فَقَرَأَ فِيْهِمَا قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ وَقُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ وَقُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ثُمَّ يَمْسَحُ بِهِمَا مَا اسْتَطَاعَ مِنْ جَسَدِهِ يَبْدَأُ بِهِمَا عَلَى رَأْسِهِ وَوَجْهِهِ وَمَا أَقْبَلَ مِنْ جَسَدِهِ يَفْعَلُ ذٰلِكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَسَنَذْكُرُ حَدِيْثَ ابْنِ مَسْعُوْدٍ لَمَّا أُسْرِيَ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَابِ الْمِعْرَاجِ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالَى) [2]

ترجمہ: اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ روزانہ رات میں جب اپنے بستر پر تشریف لے جاتے تو (سونے سے پہلے) اپنے دونوں ہاتھ ملا کر ان پر دم کرتے اور پھر ان پر قل ہو اللہ، قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھتے اور پھر اپنے دونوں ہاتھ اپنے جسم پر جہاں تک ہوسکتا پھیرتے، پہلے آپ ﷺ ہاتھ پھیرنا اپنے سر، منہ اور بدن کے آگے کے حصہ سے شروع کرتے (اس کے بعد بدن کے دوسرے اعضاء پر پھیرتے) آپ ﷺ یہ عمل (یعنی پڑھنا دم کرنا اور بدن پر ہاتھوں کا پھیرنا) تین مرتبہ کرتے تھے"۔ (بخاری، مسلم)

توضیح: "فقرأ فیھما" یہ جملہ اس سے پہلے ثم نفث فیھما کی تفصیل وتفسیر ہے یعنی آنحضرت اپنے دونوں ہاتھوں میں معوذتین دم فرماتے اس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ پہلے آپ پڑھتے تھے پھر ہاتھوں میں دم کرتے تھے پھر اپنے بدن پر ملتے تھے عربی محاورہ میں اس طرح کلام شائع ہے لہٰذا کسی راوی کی طرف سہو یا غلطی کی نسبت کی ضرورت نہیں کہ اس نے فقرأ فیھما کو موخر ذکر کیا ہے اور ثم نفث کو پہلے ذکر کیا ہے۔ [3] ﴿فاذا قرأت القرآن فاستعذ باللّٰہ﴾ [4] اور ﴿فتوبوا الی بارئکم [5]﴾ ﴿فاقتلوا انفسکم﴾ [6] میں بھی اسی طرح ہے وہاں پھر کیا کروگے؟ بہر حال مسلمان کو چاہئے کہ وہ دم کرنے کے اس طریقہ کو اپنائے یہ سحر و جادو اور دیگر روحانی امراض کا علاج ہے۔

[1] اخرجه مسلم: ۱/۳۳۴ [2] اخرجه البخاری: ۲/۲۳۳ ومسلم: [3] المرقات: ۴/۶۴۰ [4] نحل: ۹۸ [5] بقرة: ۵۴ [6] بقرة: ۵۴

الفصل الثانی

قیامت میں عرش کے نیچے تین اہم چیزیں

﴿۲۴﴾ عَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلَاثَةٌ تَحْتَ الْعَرْشِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَلْقُرْاٰنُ يُحَاجُّ الْعِبَادَ لَهٗ ظَهْرٌ وَبَطْنٌ وَالْاَمَانَةُ وَالرَّحِمُ تُنَادِيْ اَلَا مَنْ وَصَلَنِيْ وَصَلَهُ اللّٰهُ وَمَنْ قَطَعَنِيْ قَطَعَهُ اللّٰهُ۔ (رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ)[1]

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا "قیامت کے دن عرش کے نیچے تین چیزیں ہوں گی ایک تو قرآن جو بندوں سے جھگڑے گا اور قرآن کے لئے ظاہر بھی ہے اور باطن بھی عرش کے نیچے دوسری چیز امانت ہوگی تیسری چیز صلہ جو پکارے گا، خبردار: جس شخص نے مجھے ملایا تو اللہ تبارک وتعالیٰ اسے بھی (اپنی رحمت کے ساتھ) ملائے اور جس شخص نے مجھے توڑا (یعنی میرے حق کو ادا نہیں کیا) تو اللہ تبارک وتعالیٰ بھی اس شخص کو توڑے گا شرح السنۃ۔

توضیح: "تحت العرش" یعنی ان تین چیزوں کو قیامت کے روز اللہ تبارک وتعالیٰ کا قرب حاصل ہوگا خواہ عرش کے نیچے ہوں یا کہیں بھی ہو۔[2]

❶۔ پہلی چیز قرآن ہے جو وہاں نہ ماننے یا نہ پڑھنے اور یا عمل نہ کرنے والوں سے جھگڑا کریگا اور حجت بازی کرے گا "ظھر وبطن" یعنی قرآن کریم کے الفاظ کا ایک ظاہری معنی ہے اور دوسرا تاویلی معنی ہے یا ایک ظاہری معنی ہے کہ سب اہل اسلام اس کو سمجھتے ہیں اور ایک باطنی معنی ہے کہ جس کو علماء باطن اور اہل تصوف سمجھتے ہیں۔ اس جملہ کی توضیح وتشریح مکمل طور پر توضیحات ج ۱ ص ۴۵۰ پر ملاحظہ کریں۔[3]

❷۔ دوسری چیز امانات ہیں جس سے حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں مراد ہیں جو قیامت میں انسان کے مقابل کھڑے ہونگے۔

❸۔ تیسری چیز قرابت داری اور صلہ رحمی ہے جس کے جوڑنے کا حکم ہے قیامت کے دن یہ بھی شکایت پر اتر آئے گا۔

قاری قرآن کا بلند مقام

﴿۲۵﴾ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَالُ لِصَاحِبِ الْقُرْاٰنِ اقْرَأْ وَارْتَقِ وَرَتِّلْ كَمَا كُنْتَ تُرَتِّلُ فِي الدُّنْيَا فَاِنَّ مَنْزِلَكَ عِنْدَ اٰخِرِ اٰيَةٍ تَقْرَؤُهَا۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ)[4]

---

[1] اخرجہ شرح السنۃ: ۱۳/۲۲،۲۳ [2] المرقات: ۴/۶۴۲ [3] المرقات: ۴/۶۴۲

[4] اخرجہ احمد: ۲/۱۹۲ والترمذی: ۵/۱۷۷ وابوداؤد: ۲/۷۳ والنسائی: ۸۱

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "(قیامت کے دن) صاحب قرآن سے کہا جائے گا کہ پڑھتا جا اور (بہشت کے درجوں پر) چڑھتا جا اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھ جیسا کہ تو دنیا میں ٹھہر ٹھہر کر پڑھتا تھا پس تیری منزل اس آخری آیت پر ہوگی جسے تو پڑھے گا"۔ (احمد، ترمذی، ابوداود، نسائی)

توضیح: یہ پڑھنا امر تکلیفی نہیں ہے بلکہ یہ اس طرح تکوینی معاملہ ہے جس طرح انسان دنیا میں سانس لیتا ہے یا فرشتے تسبیح کرتے ہیں کہتے ہیں کہ جنت کی بلندیوں کے اتنے ہی درجات ہیں جتنی قرآن عظیم کی آیات ہیں صاحب مظاہر حق نے لکھا ہے کہ قرآن کی آیات کی تعداد چھ ہزار دو سو سینتیس ہے۔ اس حدیث میں لصاحب القرآن کے الفاظ آئے ہیں۔ صاحب قرآن سے مراد وہ شخص ہے جس نے قرآن کو پڑھا اور اس پر عمل بھی کیا اور ہمیشہ اس کی تلاوت جاری رکھی۔ علامہ ابن حجر اور ملا علی قاری رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ مرتبہ صرف حافظ قرآن کے ساتھ خاص ہے۔[1]

قرآن سے خالی دل ویران کھنڈر ہے

﴿۲۶﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الَّذِيْ لَيْسَ فِيْ جَوْفِهٖ شَيْءٌ مِنَ الْقُرْاٰنِ كَالْبَيْتِ الْخَرِبِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جس شخص کا دل قرآن سے خالی ہو تو وہ (یا اس کا دل) ویران گھر کی طرح ہے"۔ (ترمذی، دارمی)

توضیح: قرآن عظیم اس امت کے مسلمانوں کی زینت ہے جو شخص اس سے محروم ہے وہ زینت سے محروم ہے اور اس کے باطن کا خانہ خراب ہے وہ ویران کھنڈر کے مانند ہے جس پر کوئی چوکیدار نہیں ہوتا تو عیار مکار دشمن جو شیطان ہے وہ اس ویرانے میں بلا خوف و خطر اپنا ٹھکانہ بنائے گا۔

تلاوت میں مشغول شخص کی تمام ضروریات پوری کی جاتی ہیں

﴿۲۷﴾ وَعَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى مَنْ شَغَلَهُ الْقُرْاٰنُ عَنْ ذِكْرِيْ وَمَسْأَلَتِيْ أَعْطَيْتُهٗ أَفْضَلَ مَا أُعْطِي السَّائِلِيْنَ وَفَضْلُ كَلَامِ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلٰى سَائِرِ الْكَلَامِ كَفَضْلِ اللّٰهِ عَلٰى خَلْقِهٖ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ "اللہ بزرگ و برتر فرماتا ہے کہ جس شخص کو

[1] المرقات: ۶۴۳/۴، ۶۴۴ [2] الترمذی: ۱۷۷/۵ والدارمی: ۳۳۰۹ [3] اخرجه الترمذی: ۱۸۴/۵ والدارمی: ۳۳۵۹

قرآن کریم میرے ذکر اور مجھ سے مانگنے سے باز رکھتا ہے تو میں اس کو اس چیز سے بہتر عطا کرتا ہوں جو مانگنے والوں کو دیتا ہوں۔ اور تمام کلاموں کے مقابلہ میں کلام اللہ کو وہی عظمت و بزرگی حاصل ہے جو اللہ رب العزت کو اس کی تمام مخلوقات پر بزرگی اور برتری حاصل ہے (لہٰذا قرآن کریم میں مشغول رہنے والے کو دوسری چیزوں میں مشغول رہنے والوں پر بھی اسی طرح برتری و بزرگی حاصل ہوتی ہے) ترمذی، دارمی، بیہقی، نیز امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

توضیح: "یقول الرب" اس جملہ سے یہ حدیث حدیث قدسی بن گئی۔

یعنی تلاوت میں مشغول شخص صرف تلاوت کرتا ہے اور دوسرا شخص نہایت عاجزی سے اللہ تبارک وتعالیٰ سے مقدس مکان یا مقدس زمان میں سوال کر کے مانگتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو جو کچھ دیتا ہے اس سے زیادہ تلاوت والے کو دیتا ہے۔[1]

"**کفضل اللہ علی خلقہ**" اس تشبیہ کی حقیقت کو کسی انسان کی عقل نہیں پاسکتی ہے یہ تشبیہ کی دنیا میں تشبیہات میں انتہاء ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے کلام کا مقام دوسرے کے کلام پر اتنا بلند و بالا ہے جس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ کی شان اپنی مخلوق کے مقابلے میں بلند و بالا ہے "وفضل کلام اللہ الخ" یہ جملہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا زیادہ راجح اور واضح یہی ہے کہ یہ جملہ حدیث قدسی کا حصہ نہیں ہے۔[2]

قرآن کے ہر حرف کے عوض دس نیکیاں

﴿۲۸﴾ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَأَ حَرْفًا مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ فَلَهُ بِهِ حَسَنَةٌ وَالْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا لَا أَقُوْلُ (الم) حَرْفٌ أَلِفٌ حَرْفٌ وَلَامٌ حَرْفٌ وَمِيْمٌ حَرْفٌ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ غَرِيْبٌ إِسْنَادًا)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص قرآن کا ایک حرف پڑھے تو اس کے لئے ہر حرف کے عوض ایک نیکی ہے جو دس نیکیوں کے برابر ہے (یعنی قرآن کے ہر حرف کے عوض دس نیکیاں ملتی ہیں) میں یہ نہیں کہتا کہ سارا الم ایک حرف ہے (بلکہ) الف ایک حرف ہے لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے (یعنی الم کہنے میں تیس نیکیاں لکھی جاتی ہیں)۔ (ترمذی، دارمی) اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث سند کے اعتبار سے حسن صحیح غریب ہے۔

قرآن کریم سرچشمۂ ہدایت ہے

﴿۲۹﴾ وَعَنِ الْحَارِثِ الْأَعْوَرِ قَالَ مَرَرْتُ فِي الْمَسْجِدِ فَإِذَا النَّاسُ يَخُوْضُوْنَ فِي الْأَحَادِيْثِ فَدَخَلْتُ عَلٰى عَلِيٍّ فَأَخْبَرْتُهُ فَقَالَ أَوَقَدْ فَعَلُوْهَا قُلْتُ نَعَمْ قَالَ أَمَا إِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ أَلَا إِنَّهَا سَتَكُوْنُ فِتْنَةٌ قُلْتُ مَا الْمَخْرَجُ مِنْهَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ كِتَابُ اللّٰهِ

---

[1] المرقات: ۴/۶۳۶ [2] المرقات: ۴/۶۳۶ [3] اخرجہ الترمذی: ۵/۱۷۵

فِيهِ نَبَأُ مَا قَبْلَكُمْ وَخَبَرُ مَا بَعْدَكُمْ وَحُكْمُ مَا بَيْنَكُمْ هُوَ الْفَصْلُ لَيْسَ بِالْهَزْلِ مَنْ تَرَكَهُ مِنْ جَبَّارٍ قَصَمَهُ اللّٰهُ وَمَنِ ابْتَغَى الْهُدٰى فِي غَيْرِهِ أَضَلَّهُ اللّٰهُ وَهُوَ حَبْلُ اللّٰهِ الْمَتِيْنُ وَهُوَ الذِّكْرُ الْحَكِيْمُ وَهُوَ الصِّرَاطُ الْمُسْتَقِيْمُ هُوَ الَّذِيْ لَا تَزِيْغُ بِهِ الْأَهْوَاءُ وَلَا تَلْتَبِسُ بِهِ الْأَلْسِنَةُ وَلَا يَشْبَعُ مِنْهُ الْعُلَمَاءُ وَلَا يَخْلُقُ عَنْ كَثْرَةِ الرَّدِّ وَلَا يَنْقَضِيْ عَجَائِبُهُ هُوَ الَّذِيْ لَمْ تَنْتَهِ الْجِنُّ إِذْ سَمِعَتْهُ حَتّٰى قَالُوْا إِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا يَهْدِيْ إِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهِ مَنْ قَالَ بِهِ صَدَقَ وَمَنْ عَمِلَ بِهِ أُجِرَ وَمَنْ حَكَمَ بِهِ عَدَلَ وَمَنْ دَعَا إِلَيْهِ هُدِيَ إِلٰى صِرَاطٍ مُسْتَقِيْمٍ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ إِسْنَادُهُ مَجْهُوْلٌ وَفِي الْحَارِثِ مَقَالٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت حارث رضی اللہ عنہ جو اعور (یعنی کانی آنکھ والے) تھے راوی ہیں کہ میں (ایک دن کوفہ کی) مسجد میں (بیٹھے ہوئے لوگوں کے پاس) گیا (تو میں نے دیکھا کہ وہ) لوگ بیکار ولایعنی گفتگو (یعنی قصے کہانیوں) میں مصروف ہیں (اور انہوں نے قرآن مجید کی تلاوت وغیرہ ترک کی ہوئی ہے) چنانچہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے اس کے بارے میں بتایا، انہوں نے فرمایا "کیا انہوں نے واقعی ایسا کیا ہے (کہ تلاوت قرآن وغیرہ چھوڑ کر بیکار باتوں میں مصروف ہیں؟) میں نے کہا کہ "جی ہاں": انہوں نے فرمایا "تو پھر سن لو: میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ خبردار: فتنہ واقع ہوگا (یعنی لوگوں کے دینی افکار وعقائد میں اختلاف ہوگا، اعمال میں سست روی اور گمراہی پیدا ہوگی اور وہ گمراہ لوگ اسلام کے نام پر نت نئے مذاہب ونظریات کی داغ بیل ڈالیں گے) میں نے عرض کیا کہ "حضرت صلی اللہ علیہ وسلم: پھر اس سے نجات پانے کا کیا راستہ ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کتاب اللہ (یعنی نجات کا راستہ قرآن پر عمل کرنے ہی سے ہاتھ لگے گا) جس میں تم سے پہلے لوگوں (یعنی پچھلی امتوں) کے حالات بھی ہیں اور ان باتوں کی بھی خبر دی گئی ہے جو تمہارے بعد واقع ہونے والی ہیں (یعنی قیامت کے علامات واحوال) اور اس قرآن میں وہ احکام بھی مذکور ہیں جو تمہارے درمیان (ضروری) ہیں اور (یاد رکھو) وہ قرآن حق وباطل کے درمیان (اپنے احکام کے ذریعہ) فرق کرنے والا ہے وہ کوئی بے کار ولایعنی چیز نہیں ہے اور (یہ بھی کان کھول کر سن لو کہ) جس متکبر نے قرآن کو چھوڑ دیا اس کو اللہ تبارک وتعالیٰ ہلاک کر ڈالے گا اور جو شخص اس قرآن کے علاوہ (کسی ایسی کتاب وعلم سے کہ جو نہ قرآن سے مستنبط ہے اور نہ اسلامی شرائع ونظریات کے مطابق ہے) ہدایت وروشنی چاہے گا تو اللہ تبارک وتعالیٰ اسے گمراہ کر دے گا وہ قرآن اللہ تبارک وتعالیٰ کی مضبوط سیدھی رسی ہے (یعنی خدا کے قرب اور اس کی معرفت کا سب سے قوی وسیلہ ہے) قرآن باحکمت ذکر اور بیان ہے۔ قرآن بالکل سیدھا اور صاف راستہ ہے (جس پر چل کر انسان اپنی تخلیق کا حقیقی مقصد پاتا ہے) قرآن وہ سرچشمۂ ہدایت ہے جس کی اتباع کے نتیجہ میں خواہشات انسانی حق سے باطل کی طرف مائل نہیں ہوتیں، اس کی زبان سے اور زبانیں نہیں ملتیں، علماء اس سے (کبھی) سیر نہیں ہوتے (یعنی علماء ومفسرین اس کے تمام علوم ومعارف پر حاوی نہیں

[1] اخرجہ الترمذی: ۵/۱۷۲ والدارمی: ۳۳۳۴، ۳۳۳۵

ہوتے) اور قرآن مجید مزاولت (کثرت تلاوت) سے پرانا نہیں ہوتا اور نہ اس کے عجائب تمام ہوتے ہیں قرآن کریم وہ کلام ہے جس کو جنات نے سنا تو وہ ایک لحہ توقف کئے بغیر کہہ اٹھے کہ ہم نے قرآن سنا جو ہدایت کی عجیب راہ دکھاتا ہے لہٰذا ہم اس پر ایمان لائے (یاد رکھو) جس شخص نے قرآن کے مطابق کہا اس نے سچ کہا اور جس نے اس پر عمل کیا اسے ثواب دیا جائے گا (یعنی وہی اقوال ونظریات صحیح اور قابل قبول ہیں جو قرآن کے عین مطابق ہیں اسی طرح ہدایت یافتہ بھی وہی شخص ہے جس نے قرآن کو سرچشمۂ ہدایت جان کر اس پر عمل کیا) جس شخص نے (لوگوں کے درمیان) قرآن کے مطابق فیصلہ وانصاف کیا اور جس نے (لوگوں کو) اس (پر ایمان لانے اور اس پر عمل کرنے) کی طرف بلایا اس کو سیدھی راہ دکھائی گئی ہے (یعنی وہ ہدایت یافتہ ہے) ترمذی، دارمی۔ اور امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند مجہول ہے اور اس کے راوی حارث اعور کے بارے میں کلام ہے (یعنی ان کے سچا ہونے میں شبہ کیا جاتا ہے)۔

توضیح: "**یخوضون**" یعنی تلاوت کو چھوڑ کر دوسری باتوں میں گھس گئے ہیں؟[۱] "**او قدفعلوها**" کیا انہوں نے واقعی ایسا کیا ہے؟[۲]

"**الا انها**" یہ ضمیر قصہ ہے "**نبأ**" گذشتہ زمانہ سے متعلق اخبار مراد ہیں[۳] "**وخبر**" مستقبل سے متعلق بڑے بڑے واقعات مراد ہیں۔[۴] "**وحکم**" زمانہ حال کے فیصلے مراد ہیں تو قرآن عظیم تینوں زمانوں کے احوال ومسائل پر مشتمل جامع کتاب ہے[۵] "**ھو الفصل**" اس سے قرآن کی ایت[۶] {**انه لقول فصل وماھو بالھزل**}[۷] کی طرف اشارہ ہے۔

"**من جبار**" انسان کے لئے جب جبار کا لفظ مستعمل ہوتا ہے اس سے مذمت مقصود ہوتی ہے۔ چنانچہ جبار سے یہاں وہ متکبر اور منکر قرآن مراد ہے کہ نہ اس نے قرآن پر ایمان لایا نہ اس کو پڑھا نہ اس پر عمل کیا۔[۸]

"**قصمه الله**" قصم ضرب یضرب سے توڑنے اور ریزہ ریزہ کرنے کے معنی میں ہے یعنی اللہ اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے[۹] رکھے گا۔ "**لاتزیغ به الاھواء**" یعنی جو شخص قرآن کریم کی پیروی کریگا اور اس پر ٹھیک چلے گا تو وہ کبھی بھی گمراہ نہیں ہوگا مختلف خیالات ونظریات کے لوگ اگر اپنے خیالات ونظریات اور مختلف خواہشات کو قرآن کے تابع بنادیں تو سب کے خیالات ایک حق پر جمع ہوجائیں گے۔[۱۰]

بعض علماء نے یہ بیان کیا ہے کہ اہل اہواء اس قرآن کو راہ راست اور صداقت ودیانت سے ادھر ادھر نہیں موڑ سکتے اس طرح کوشش کرنے والے خود بخود تو کجرو بن جائیں گے لیکن قرآن میں کوئی کمی پیدا نہیں کر سکتے ہیں۔

"**لاتلتبس به الالسنة**" اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن وہ کتاب ہے کہ کسی لسان والے کی لغت سے اس کی لغت مشتبہ نہیں ہوسکتی ہے بلکہ قرآن عظیم کی لغت فصاحت وبلاغت میں ممتاز ہے اور اس کا اسلوب نمایاں ہے جس میں کسی التباس کی گنجائش نہیں ہے ایک مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دنیا کی تمام زبانیں قرآن پڑھتے وقت ایک ہوجاتی ہیں عجم وعرب

---

[۱] المرقات: ۴/۶۴۸ [۲] المرقات: ۴/۶۴۸ [۳] المرقات: ۴/۶۴۹ [۴] المرقات: ۴/۶۴۹ [۵] المرقات: ۴/۶۴۹
[۶] المرقات: ۴/۶۴۹ [۷] طارق: ۱۳، ۱۴ [۸] المرقات: ۴/۶۴۹ [۹] المرقات: ۴/۶۴۹ [۱۰] المرقات: ۱۵۱/۴، ۴/۶۵۰

ایک زبان سے عربی پراکھٹے ہوجاتے ہیں کوئی التباس نہیں رہتا۔[۱]

"ولایشبع منه العلماء" یعنی اس کے عالی مضامین اور فصیح کلام اور عجیب وغریب نکات ایسے ہیں کہ اس سے علماء سیر نہیں ہوسکتے بلکہ اس کے غرائب وعجائب ایسے یکتا موتی ہیں کہ اس سے جستجو میں عمریں تو ختم ہوسکتی ہیں لیکن یہ جواہرات باقی رہیں گے۔[۲]

"ولایخلق" باب نصر اور ضرب دونوں سے پرانا ہونے کے معنی میں ہے یعنی ہر کتاب اور ہر کلام بار بار لوٹانے اور تکرار کرنے سے بے ذوق وبے شوق ہوجاتا ہے اور آدمی اس سے اکتانے لگ جاتا ہے لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ کلام جتنا پڑھا جائے اتنا ہی اس سے شوق وذوق اور لذت وطراوت اور جمال وکمال تازہ ہوجاتا ہے۔[۳]

جیسے کہا گیا ہے: ؎

وخیر جلیس لایمل حدیثه

وترادده تزداد فیه تجملا

اسی طرح اس کلام کو جتنا پھیلایا جائے سنا جائے یا سنایا جائے پڑھا جائے یا پڑھایا جائے، اس کے تکرار سے اس کی خوشبو مزید پھیلتی چلی جاتی ہے کسی نے کیا خوب فرمایا ؎

اعد ذکر نعمان لنا ان ذکره

هو المسك ما کررته یتضوع [۴]

"لم تنته الجن" انتہاء توقف کے معنی میں ہے یعنی جونہی جنات نے اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ کلام سنا تو انہوں نے کسی قسم کے توقف کے بغیر کہہ دیا[۵] ﴿انا سمعنا قرانا عجبا﴾[۶] "قال به" یعنی جس نے قرآن کے حوالہ سے بات کہی اس نے سچ کہا۔[۷]

"هدی" مجہول کا صیغہ ہے یعنی اس کو راہ راست کی ہدایت کی گئی۔

حافظ قرآن کے والدین کو تاج پہنایا جائے گا

﴿۳۰﴾ وَعَنْ مُعَاذِ الْجُهَنِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ وَعَمِلَ بِمَا فِيْهِ أُلْبِسَ وَالِدَاهُ تَاجًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ ضَوْءُهُ أَحْسَنُ مِنْ ضَوْءِ الشَّمْسِ فِيْ بُيُوْتِ الدُّنْيَا لَوْ كَانَتْ

[۱] المرقات: ۴/۶۵۱ [۲] المرقات: ۴/۶۵۱ [۳] المرقات: ۴/۶۵۱ [۴] المرقات: ۴/۶۵۱
[۵] المرقات: ۴/۶۵۱ [۶] جن ۱ [۷] المرقات: ۴/۶۵۲

فِيكُمْ فَمَا ظَنُّكُمْ بِالَّذِي عَمِلَ بِهٰذَا (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُو دَاوُدَ)[1]

ترجمہ: اور حضرت معاذ جہنی رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص قرآن پڑھے اور جو کچھ اس میں مذکور ہے اس پر عمل کرے تو قیامت کے دن اس کے والدین کو تاج پہنایا جائے گا جس کی روشنی دنیا کے گھروں میں چمکنے والے آفتاب کی روشنی سے اعلیٰ ہوگی اگر (بفرض محال) تمہارے گھروں میں آفتاب ہو، اب تم خود اس شخص کا مرتبہ سمجھ سکتے ہو جس نے قرآن پر عمل کیا"۔ (احمد، ابوداود)

توضیح: "من قرأ" حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس قاری سے مراد حافظ قرآن ہے بشرطیکہ وہ اس پر عمل کر کے اس کا حق ادا کرتا ہو۔[2]

"**لو كانت فيكم**" یعنی اگر وہ سورج تمہارے گھروں کے اندر آجائے اور اس کا پھیلاؤ اور روشنی سکڑ کر ایک جگہ جمع ہو جائے اور اس وقت اس کی روشنی تیز تر ہو جائے اس سے بھی اس تاج کی روشنی تیز ہوگی پھر خود حافظ قرآن اور عامل قرآن کا مقام کیا ہوگا؟[3]

جس کھال میں قرآن ہو اس کو آگ نہیں جلائے گی

﴿۳۱﴾ وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَوْ جُعِلَ الْقُرْآنُ فِي إِهَابٍ ثُمَّ أُلْقِيَ فِي النَّارِ مَا احْتَرَقَ۔ (رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ)[4]

ترجمہ: اور حضرت عقبہ ابن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "اگر قرآن کو کسی کھال (وغیرہ) میں رکھ کر اسے (بفرض محال) آگ میں ڈالدیا جائے تو اس پر آگ اثر انداز نہیں ہوگی"۔ (دارمی)

توضیح: "فی اھاب" اس جملہ کے مفہوم کے متعلق علامہ طیبی رحمہ اللہ اور ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ احتمال بھی ہے کہ کھال سے مراد غیر مدبوغ کھال ہی ہو اور اس میں قرآن عظیم کو لپیٹ لیا جائے اور آگ میں پھینک دیا جائے تو آگ اس کھال پر اس لئے اثر نہیں کریگی کہ اس میں قرآن لپٹا ہوا ہے یہ حضرات فرماتے ہیں کہ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ کے ساتھ خاص ہے کہ اس طرح ہوتا تھا۔[5]

دوسرا مطلب یہ ہے کہ یہاں کھال سے مراد مسلمان قاری اور حافظ کا دل ہے کہ قیامت کے روز دوزخ کی آگ اس کے جسم پر اثر نہیں کریگی بلکہ قرآن عظیم کی رحمت و برکت سے آگ دور بھاگے گی جس طرح ایک حدیث میں مذکور ہے کہ دوزخ کہے گی۔ "جزيا مؤمن فان نورك اطفأ لهبي"۔ یہ مطلب زیادہ واضح ہے۔

---

[1] اخرجه احمد: ۳/۴۴۰ وابوداؤد: ۲/۷۱ [2] المرقات: ۴/۶۵۲ [3] المرقات: ۴/۶۵۳

[4] اخرجه الدارمي: (۳۳۱۳) المرقات: ۴/۶۵۳ [5] والكاشف: ۴/۳۰۲

حافظ قرآن دس رشتہ داروں کی شفاعت کریگا

﴿۳۲﴾ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ فَاسْتَظْهَرَهٗ فَأَحَلَّ حَلَالَهٗ وَحَرَّمَ حَرَامَهٗ أَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ وَشَفَّعَهٗ فِيْ عَشَرَةٍ مِنْ أَهْلِ بَيْتِهٖ كُلُّهُمْ قَدْ وَجَبَتْ لَهُ النَّارُ۔

(رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَه وَالدَّارِمِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَحَفْصُ بْنُ سُلَيْمَانَ الرَّاوِيْ لَيْسَ هُوَ بِالْقَوِيِّ يُضَعَّفُ فِي الْحَدِيْثِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت علی رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس شخص نے قرآن مجید پڑھا پھر اسے یاد کیا اور اس کے حلال کو حلال اور اس کے حرام کو حرام جانا تو اللہ تبارک وتعالیٰ اسے جنت میں داخل فرمائے گا اور اس کے ان دس عزیزوں کے حق میں اس کی سفارش قبول فرمائے گا جو مستوجب دوزخ (یعنی فاسق اور مستحق عذاب) ہوں گے"۔ (احمد، ترمذی، ابن ماجہ، داری) امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے اس کے ایک راوی قوی نہیں ہیں بلکہ (روایت حدیث میں) ضعیف شمار کئے جاتے ہیں۔

﴿۳۳﴾ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ كَيْفَ تَقْرَأُ فِي الصَّلَاةِ فَقَرَأَ أُمَّ الْقُرْآنِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ مَا أُنْزِلَتْ فِي التَّوْرَاةِ وَلَا فِي الْإِنْجِيْلِ وَلَا فِي الزَّبُوْرِ وَلَا فِي الْقُرْآنِ مِثْلُهَا وَإِنَّهَا سَبْعٌ مِنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْآنُ الْعَظِيْمُ الَّذِيْ أُعْطِيْتُهٗ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوَى الدَّارِمِيُّ مِنْ قَوْلِهٖ مَا أُنْزِلَتْ وَلَمْ يَذْكُرْ أُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ "(نماز میں) تم کس طرح (یعنی کیا پڑھتے ہو؟) انہوں نے سورۂ فاتحہ پڑھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "قسم ہے اس پاک ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اس جیسی سورۂ نہ تو توریت، انجیل اور زبور میں اتاری گئی ہے اور نہ ہی قرآن میں نازل کی گئی ہے، سورۂ فاتحہ سبع مثانی ہے (یعنی سات آیتیں ہیں جو بار بار پڑھی جاتی ہیں) اور یہ "قرآن عظیم" ہے جو مجھے دیا گیا ہے" ترمذی۔ دارمی نے اس روایت کو ما انزلت سے نقل کیا ہے اور ان کی روایت میں ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں ہے، نیز امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

[1] اخرجہ الترمذی: ۵/۱۷۱ [2] اخرجہ الترمذی: ۵/۱۵۵ والدارمی: ۳۳۷۶

حافظ قرآن مشک وعنبر کی تھیلی ہے

﴿۳۴﴾ وعنه قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعَلَّمُوا الْقُرْآنَ فَاقْرَأُوْهُ فَإِنَّ مَثَلَ الْقُرْآنِ لِمَنْ تَعَلَّمَ فَقَرَأَ وَقَامَ بِهِ كَمَثَلِ جِرَابٍ مَحْشُوٍّ مِسْكًا تَفُوْحُ رِيْحُهُ كُلَّ مَكَانٍ وَمَثَلُ مَنْ تَعَلَّمَهُ فَرَقَدَ وَهُوَ فِيْ جَوْفِهِ كَمَثَلِ جِرَابٍ أُوْكِيَ عَلَى مِسْكٍ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَة)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا قرآن سیکھو اور پھر اسے پڑھو: اور (یہ بات یاد رکھو کہ) اس شخص کی مثال جو قرآن سیکھتا ہے پھر اسے (ہمیشہ) پڑھتا (رہتا) ہے (یا اس پر عمل کرتا ہے) اور اس میں مشغولیت کے لئے شب بیداری کرتا ہے اس تھیلی کی سی ہے جو مشک سے بھری ہو جس کی خوشبو تمام مکان میں پھیلتی ہے اور اس شخص کی مثال جس نے قرآن سیکھا اور سو رہا (یعنی وہ قرآن کی تلاوت قرأت، شب بیداری سے غافل رہا یا اس پر عمل نہ کیا) اس تھیلی کی سی ہے جسے مشک پر باندھ دیا گیا ہو"۔ (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

توضیح: "تعلموا القرآن" یعنی اس کے الفاظ ومعانی سیکھو "فاقروہ" یعنی سیکھنے کے بعد دوسروں کو سکھاؤ۔[2]
"وقام به" یعنی قرآن کی تلاوت کے لئے شب بیداری کرتا ہے۔[3]
"جراب" تھیلی کو کہتے ہیں "محشو مسکا" یعنی ایسی تھیلی جو اندر سے مشک وعنبر سے بھری ہوئی ہو اور اس کا منہ کھلا ہوا ہو جس کی خوشبو ہر طرف پھیل رہی ہو۔[4] "اوکی" ایکاء سے ہے تھیلی کو رسی اور تسمہ سے باندھنے کے معنی میں ہے۔[5]
مطلب یہ ہے کہ حافظ قرآن کے سینے میں جو مشک وعنبر بھرا ہوا ہے جو قرآن ہے اگر وہ اسے پڑھتا ہے تو اندر کی خوشبو باہر آکر چاروں طرف پھیل جائے گی خود بھی اس کو فائدہ ہوگا اور لوگوں کو بھی فائدہ ہوگا لیکن اگر حافظ قرآن غافل ہو کر سو جاتا ہے تو اندر کی خوشبو اندر ہی بند ہو کر رہ جاتی ہے نہ خود اس کو فائدہ ہوگا نہ کسی اور کو فائدہ ہوگا۔[6]

﴿۳۵﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَأَ حٰمٓ الْمُؤْمِنَ إِلَى إِلَيْهِ الْمَصِيْرُ وَآيَةَ الْكُرْسِيِّ حِيْنَ يُصْبِحُ حُفِظَ بِهِمَا حَتّٰى يُمْسِيَ وَمَنْ قَرَأَ بِهِمَا حِيْنَ يُمْسِيْ حُفِظَ بِهِمَا حَتّٰى يُصْبِحَ
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)[7]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص صبح کے وقت حم (سے) کہ وہ سورۂ مؤمن ہے الیه المصیر تک اور آیت الکرسی پڑھے تو وہ ان کی برکت سے شام تک (ظاہری وباطنی آفات وبلاؤں سے) محفوظ رہتا ہے اور جو شخص ان کو شام کے وقت پڑھے تو وہ ان کی برکت سے صبح تک محفوظ رہتا ہے"۔ (ترمذی، دارمی) امام ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

[1] اخرجه الترمذی: ۵/۱۵۶ وابن ماجه: ۱/۷۸ [2] المرقات: ۴/۶۵۶ [3] المرقات: ۴/۶۵۷ [4] المرقات: ۴/۶۵۷
[5] المرقات: ۴/۶۵۷ [6] المرقات: ۴/۶۵۷، ۶۵۸ [7] اخرجه الترمذی: ۵/۱۵۷

لوح محفوظ میں قرآن کب لکھا گیا؟

﴿۳۶﴾ وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللهَ كَتَبَ كِتَابًا قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ بِأَلْفَيْ عَامٍ أَنْزَلَ مِنْهُ آيَتَيْنِ خَتَمَ بِهِمَا سُوْرَةَ الْبَقَرَةِ وَلَا تُقْرَآنِ فِيْ دَارٍ ثَلَاثَ لَيَالٍ فَيَقْرَبُهَا الشَّيْطَانُ.

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت نعمان ابن بشیر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اللہ تبارک وتعالیٰ نے زمین وآسمان کی تخلیق سے دو ہزار برس پہلے کتاب لکھی (یعنی لوح محفوظ میں فرشتوں کو لکھنے کا حکم دیا) اس کتاب میں سے وہ دونوں آیتیں نازل فرمائیں جن پر سورۂ بقرہ کا اختتام ہوتا ہے (امن الرسول سے آخر سورۃ تک) یہ آیتیں جس مکان میں تین رات تک پڑھی جاتی ہیں شیطان اس کے نزدیک بھی نہیں پھٹکتا''۔ (ترمذی، داری) امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے۔

﴿۳۷﴾ وَعَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَأَ ثَلَاثَ آيَاتٍ مِنْ أَوَّلِ الْكَهْفِ عُصِمَ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو شخص سورۂ کہف کی ابتدائی تین آیتیں پڑھے گا وہ دجال کے فتنہ سے بچایا جائے گا''۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

سورۃ یٰس قرآن کا دل ہے

﴿۳۸﴾ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ لِكُلِّ شَيْءٍ قَلْبًا وَقَلْبُ الْقُرْآنِ يٰسٓ وَمَنْ قَرَأَ يٰسٓ كَتَبَ اللهُ لَهٗ بِقِرَاءَتِهَا قِرَاءَةَ الْقُرْآنِ عَشْرَ مَرَّاتٍ.

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)[3]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ہر چیز کا دل ہوتا ہے اور قرآن کا دل سورہ یٰسین ہے جو شخص سورۂ یٰس پڑھتا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے پڑھنے کی وجہ سے (اس کے نامۂ اعمال میں) دس مرتبہ قرآن پڑھنے کا ثواب لکھتا ہے''۔ (ترمذی، داری) امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے۔

[1] اخرجه الترمذی: ۵/۱۵۹ والدارمی: ۳۳۹۰ [2] اخرجه الترمذی: ۵/۱۶۲ [3] اخرجه الترمذی: ۵/۱۶۲ والدارمی: ۳۴۱۹

توضیح: "وقلب القرآن" ای لبه وخالصه۔[1]

سوال: اس سورت کو قرآن کا دل کس وجہ سے کہا گیا؟

جواب: اس سوال کا پہلا جواب یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے یہی فرمایا بس بات ختم ہوگئی۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ چونکہ سورۃ یٰس میں حشر ونشر کا دلائل قاطعہ سے اثبات کیا گیا ہے اور اس میں انسان کے لئے بالغ زواجر اعلیٰ وعدے موجود ہیں اور علوم مکنونہ سے یہ سورۃ بھری ہوئی ہے اور دقیق معانی پر مشتمل ہے اس لئے اس کو قلب القرآن کہا گیا۔[2]

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حشر ونشر پر ایمان لانا ایمان کی صحت کے لئے ضروری ہے اور یہ موضوع سورۃ یٰس میں ابلغ طریقہ پر مذکور ہے اس لئے یہ قلب قرآن ہے۔[3]

علامہ نسفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سورۃ میں تین بنیادی عقائد کا ذکر ہے جو توحید، رسالت اور حشر ونشر ہے اور ان تینوں کا تعلق قلب سے ہے لہٰذا یہ سورۃ قلب قرآن ہے۔[4]

"عشر مرات" یعنی ایک بار سورۃ یٰس پڑھنے سے دس قرآن کا ثواب ملتا ہے بشرطیکہ وہ دس قرآن سورۃ یٰس کے بغیر فرض کر لیا جائے۔[5]

﴿۳۹﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللّٰهَ تَعَالَى قَرَأَ طٰهٰ وَيٰسٓ قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ بِأَلْفِ عَامٍ فَلَمَّا سَمِعَتِ الْمَلَائِكَةُ الْقُرْآنَ قَالَتْ طُوبٰى لِأُمَّةٍ يَنْزِلُ هٰذَا عَلَيْهَا وَطُوبٰى لِأَجْوَافٍ تَحْمِلُ هٰذَا وَطُوبٰى لِأَلْسِنَةٍ تَتَكَلَّمُ بِهٰذَا۔ (رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ)[6]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "اللہ تبارک وتعالیٰ نے آسمان وزمین کو پیدا کرنے سے ہزار برس پہلے سورۂ طٰہٰ اور سورۂ یٰس پڑھی جب فرشتوں نے قرآن (یعنی ان دونوں سورتوں کو پڑھتے) سنا تو کہنے لگے کہ خوش بختی ہو اس امت کے لئے جس پر یہ قرآن (یعنی یہ دونوں سورتیں) اتاری جائیں گی خوش بختی ہو ان دلوں کے لئے جو انہیں قبول کریں گے (یعنی ان کو یاد کریں گے اور ان کی محافظت کریں گے) اور خوش بختی ہو ان زبانوں کے لئے جو انہیں پڑھیں گی۔

(دارمی)

توضیح: "بالف عام" یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورۃ طٰہٰ اور سورۃ یٰس فرشتوں کے سامنے زمین وآسمان کی تخلیق سے ایک ہزار سال قبل ظاہر فرما دیا۔[7]

سوال: یہاں پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اس حدیث میں ایک ہزار سال کا ذکر ہے لیکن اس سے پہلے حضرت نعمان

---

[1] المرقات: ۴/۶۵۹ [2] الکاشف: ۴/۳۰۸ [3] المرقات: ۴/۶۵۹ [4] المرقات: ۴/۶۶۰ [5] المرقات: ۴/۶۶۰ [6] اخرجه الدارمی: ۳۴۰۹ [7] المرقات: ۴/۶۶۱

بن بشیر رحمۃ اللہ علیہ کی روایت نمبر ۳۶ میں دو ہزار سال کا ذکر ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مقادیر کی لکھت کے بارے میں پچاس ہزار سال کا ذکر ہے یہ بظاہر تضاد و تعارض ہے۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تعارض نہیں ہے بلکہ مختلف چیزوں کے درمیان میعاد زمانی ہے کسی کا زمانہ پچاس ہزار سال ہے کسی کا چالیس ہزار سال ہے اور کسی کا دو ہزار کسی کا ایک ہزار سال زمانہ ہے۔ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کل اشیاء زمین و آسمان کی تخلیق پہلے پچاس ہزار سال کے فاصلہ سے لوح محفوظ میں لکھی گئیں فرشتوں پر مختلف زمانوں میں یہ چیزیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ظاہر فرمادیں اس وجہ سے تفاوت آگیا توضیحات ج ۱ ص ۲۸۵ پر اس کی تفصیل ہے۔

حم دخان کی فضیلت

﴿۴۰﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَأَ حٰمٓ الدُّخَانَ فِيْ لَيْلَةٍ أَصْبَحَ يَسْتَغْفِرُ لَهُ سَبْعُوْنَ أَلْفَ مَلَكٍ ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَعُمَرُ بْنُ أَبِيْ خَثْعَمٍ الرَّاوِيْ يُضَعَّفُ وَقَالَ مُحَمَّدٌ يَعْنِي الْبُخَارِيَّ هُوَ مُنْكَرُ الْحَدِيْثِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”جو شخص رات میں حٰمٓ الدخان (یعنی سورۂ دخان) پڑھتا ہے تو وہ اس حال میں صبح کرتا ہے کہ ستر ہزار فرشتے اس کے لئے بخشش کی دعاء مانگتے ہیں“۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے اور اس حدیث کے راوی عمر ابن ابی خثعم (روایت حدیث میں) ضعیف شمار کئے جاتے ہیں، نیز محمد یعنی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ وہ (عمر ابن خثعم) منکر الحدیث ہیں۔

﴿۴۱﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَأَ حٰمٓ الدُّخَانَ فِيْ لَيْلَةِ الْجُمُعَةِ غُفِرَ لَهُ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ ضَعِيْفٌ وَهِشَامٌ أَبُو الْمِقْدَامِ الرَّاوِيْ يُضَعَّفُ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”جو شخص جمعہ کی رات میں حم الدخان پڑھتا ہے اس کی بخشش کی جاتی ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے اور ہشام ابو المقدام روایت حدیث میں ضعیف شمار کئے جاتے ہیں۔

مسبحات کی فضیلت

﴿۴۲﴾ وَعَنِ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقْرَأُ الْمُسَبِّحَاتِ قَبْلَ أَنْ يَرْقُدَ يَقُوْلُ إِنَّ فِيْهِنَّ آيَةً خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ آيَةٍ ۔
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْ دَاوُدَ وَرَوَاهُ الدَّارِمِيُّ عَنْ خَالِدِ بْنِ مَعْدَانَ مُرْسَلًا وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ)[3]

[1] اخرجه الترمذی: ۵/۱۶۲ [2] اخرجه الترمذی: ۵/۱۶۲ [3] اخرجه الترمذی: ۵/۱۸۱ و ابوداؤد: ۴/۳۱۵

ترجمہ: اور حضرت عرباض ابن ساریہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ سونے سے پہلے **مسبحات** پڑھتے تھے اور فرماتے تھے کہ ان میں ایک آیت ہے جو ہزار آیتوں سے بہتر ہے۔ (ترمذی، ابوداود) نیز دارمی نے اس روایت کو خالد بن معدان سے بطریق ارسال نقل کیا ہے اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

توضیح: "المسبحات" جن سورتوں کی ابتدا میں سَبَّحَ یا یُسَبِّحُ یا سَبِّحْ کے الفاظ آئے ہیں ان کو **مسبحات** کہتے ہیں قرآن میں اس قسم کی کل سات سورتیں ہیں۔ ① سورۃ بنی اسرائیل ② سورۃ حدید ③ سورۃ حشر ④ سورۃ صف ⑤ سورۃ جمعہ ⑥ سورۃ تغابن ⑦ سورۃ اعلیٰ۔[1]

ان سورتوں میں ایک ایت ہے جو ایک ہزار ایتوں سے بہتر ہے اب وہ ایت کونسی ہے؟

تو بعض علماء فرماتے ہیں کہ {**لو انزلنا هذا القرآن علی جبل** الخ} [2] ایت ہے۔

بعض فرماتے ہیں کہ {**هو الاول والاخر والظاهر والباطن** الخ} [3] ایت ہے۔

بہر حال علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس ایت کو لیلۃ القدر کی طرح پوشیدہ رکھا ہے اس لئے تعین مشکل ہے۔[4]

سورۃ ملک کی فضیلت

﴿۴۳﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ سُوْرَةً فِي الْقُرْآنِ ثَلَاثُوْنَ آيَةً شَفَعَتْ لِرَجُلٍ حَتّٰى غُفِرَ لَهٗ وَهِيَ تَبَارَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ۔

(رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَه)[5]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "قرآن کریم میں ایک سورۃ ہے جس میں تیس آیتیں ہیں، اس سورۃ نے ایک شخص کی شفاعت کی یہاں تک کہ اس کی بخشش کی گئی اور وہ سورۂ ملک تبارک الذی بیدہ الملک ہے"۔

(احمد، ترمذی، ابی داود، نسائی، ابن ماجہ)

توضیح: "**شفعت لرجل**" کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ زمانہ ماضی میں اس سورۃ نے ایک آدمی کی شفاعت کی تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس شخص کو بخش دیا۔ دوسرا احتمال یہ بھی ہے کہ شفعت ماضی کا صیغہ مستقبل کے معنی میں استعمال کیا گیا ہو یعنی[6] "تشفع" قیامت میں آدمی کی شفاعت کریگی۔[7]

﴿۴۴﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ ضَرَبَ بَعْضُ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خِبَاءَهٗ عَلٰى قَبْرٍ وَهُوَ لَا يَحْسَبُ أَنَّهٗ قَبْرٌ فَإِذَا فِيْهِ إِنْسَانٌ يَقْرَأُ سُوْرَةَ تَبَارَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ حَتّٰى خَتَمَهَا فَأَتَى

---

[1] المرقات: ۴/۶۶۲ [2] حشر: ۲۱ [3] حدید: ۳ [4] الکاشف: ۴/۳۰

[5] اخرجہ احمد: ۲/۲۹۹ والترمذی: ۵/۱۶۴ [6] المرقات: ۴/۶۶۳ [7] المرقات: ۴/۶۶۳

النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرَهُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هِيَ الْمَانِعَةُ هِيَ الْمُنْجِيَةُ تُنْجِيْهِ مِنْ عَذَابِ اللهِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ایک شخص نے اپنا خیمہ ایک قبر پر کھڑا کرلیا مگر انہیں اس بات کا علم نہیں تھا کہ یہاں قبر ہے چنانچہ ناگہاں انہوں نے سنا کہ اس (قبر) میں ایک شخص تبارک الذی بیدہ الملک پڑھ رہا ہے یہاں تک کہ اس نے وہ سورۃ ختم کی، اس کے بعد خیمہ کھڑا کرنے والا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ واقعہ بتایا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "سورۂ ملک منع کرنے والی اور نجات دینے والی ہے یہ سورۃ اپنے پڑھنے والے کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے عذاب سے چھٹکارا دلاتی ہے"۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

سونے سے پہلے سورت ملک پڑھا کرو

﴿۴۵﴾ وَعَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا يَنَامُ حَتّٰى يَقْرَأَ الٓمٓ تَنْزِيْلُ وَتَبَارَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ۔

(رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ وَكَذَا فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَفِي الْمَصَابِيْحِ غَرِيْبٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم الٓم تنزیل السجدہ اور تبارک الذی بیدہ الملک پڑھے بغیر نہیں سوتے تھے۔ (احمد، ترمذی، دارمی) امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے، اسی طرح محی السنۃ میں تو کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے لیکن مصابیح میں کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

سورۃ زلزال، اخلاص اور الکافرون کی فضیلت

﴿۴۶﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَأَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا زُلْزِلَتْ تَعْدِلُ نِصْفَ الْقُرْآنِ وَقُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ تَعْدِلُ ثُلُثَ الْقُرْآنِ وَقُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ تَعْدِلُ رُبُعَ الْقُرْآنِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ دونوں راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "سورۂ اذا زلزلت آدھے قرآن کے برابر ہے، سورۂ قل ھو اللہ تہائی قرآن کے برابر ہے اور سورۂ قل یا ایھا الکافرون چوتھائی قرآن کے برابر ہے۔ (ترمذی)

[1] اخرجه الترمذی: ۵/۱۶۳ [2] اخرجه احمد: ۳/۳۴۰ والترمذی: ۵/۱۶۵ والدارمی: ۲۴۱۴ [3] اخرجه الترمذی: ۵/۱۶۶

توضیح: ''تعدل نصف القرآن'' قرآن کریم میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے مبدأ اور معاد کو بیان کیا ہے۔ سورۃ زلزال مکمل طور پر معاد سے متعلق ہے لہٰذا نصف قرآن ہے۔ قرآن کریم کو اگر اس نظر سے دیکھا جائے کہ اس میں تین بڑے مضامین مذکور ہیں یعنی قصص، احکام اور توحید سورۃ اخلاص ایک تہائی یعنی توحید سے متعلق ہے لہٰذا یہ ثلث قرآن کے برابر ہوئی۔

اگر قرآن کو اس نظر سے دیکھا جائے کہ اس میں بڑے پیمانے پر چار مضامین مذکور ہیں مثلاً توحید، رسالت، احکام اور قصص اور سورت الکافرون میں توحید کا اعلیٰ پیمانے پر بیان ہوا ہے اس لئے یہ ربع القرآن ہے۔[1]

یا سب کے متعلق یہ کہا جائے کہ چونکہ حضور اکرم ﷺ نے اس طرح فرمایا ہے تو حضور ﷺ کا فرمان سب سے بڑی وجہ ہے آنحضرت ﷺ نے ہم کو ترغیب دی ہے ہمیں اس ترغیب کو دیکھ کر اس پر عمل کرنا چاہئے نہ یہ کہ علتیں اور حکمتیں نکال کر حقیقت سے محروم ہو جائیں۔

حشر کی تین آیتوں پر ۷۰ ہزار فرشتے دعا کریں گے

﴿۴۷﴾ وَعَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَالَ حِيْنَ يُصْبِحُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ أَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ فَقَرَأَ ثَلَاثَ آيَاتٍ مِنْ آخِرِ سُوْرَةِ الْحَشْرِ وَكَّلَ اللّٰهُ بِهٖ سَبْعِيْنَ أَلْفَ مَلَكٍ يُصَلُّوْنَ عَلَيْهِ حَتّٰى يُمْسِيَ وَإِنْ مَاتَ فِيْ ذٰلِكَ الْيَوْمِ مَاتَ شَهِيْدًا وَمَنْ قَالَهَا حِيْنَ يُمْسِيْ كَانَ بِتِلْكَ الْمَنْزِلَةِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت معقل ابن یسار رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا ''جو شخص صبح کے وقت تین مرتبہ یہ کہے اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم (میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی جو سننے والا جاننے والا ہے پناہ پکڑتا ہوں مردود شیطان سے) اور پھر سورۂ حشر کی آخری تین آیتیں (یعنی ھو اللہ الذی لا الہ الا ھو سے آخر سورۂ تک) پڑھے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے ساتھ ستر ہزار فرشتے متعین کرتا ہے جو اسکے لئے شام تک (خیر وبھلائی کی توفیق کی) دعاء مانگتے ہیں اور اس کے گناہوں کی بخشش چاہتے ہیں اور اگر وہ شخص اس دن میں مرجاتا ہے تو شہادت کی موت پاتا ہے اور جو شخص اس کو (یعنی اعوذ باللہ الخ اور ان آیتوں کو) شام کے وقت پڑھے تو صبح تک یہ (مذکورہ بالا) سعادت حاصل ہوتی ہے''۔ (ترمذی، دارمی) امام ترمذی علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

ہر روز دوسو مرتبہ قل ھو اللہ احد پڑھنے کی تاثیر

﴿۴۸﴾ وَعَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَرَأَ كُلَّ يَوْمٍ مِائَتَيْ مَرَّةٍ قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ مُحِيَ عَنْهُ ذُنُوْبُ خَمْسِيْنَ سَنَةً إِلَّا أَنْ يَكُوْنَ عَلَيْهِ دَيْنٌ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَفِيْ رِوَايَتِهٖ خَمْسِيْنَ مَرَّةً وَلَمْ يَذْكُرْ إِلَّا أَنْ يَكُوْنَ عَلَيْهِ دَيْنٌ)[3]

---

[1] المرقات: ۴/۶۶۶ [2] المرقات: ۴/۶۶۶ [3] اخرجه الترمذی: ۵/۱۶۸ والدارمی: ۳۴۳۳

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو شخص ہر روز دو سو مرتبہ قل ہو اللہ احد پڑھے تو اس (کے نامۂ اعمال میں) سے پچاس برس کے گناہ مٹا دیئے جاتے ہیں الا یہ کہ اس پہ دین ہو۔ (ترمذی، داری) ایک اور روایت میں (دو سو مرتبہ کی بجائے) پچاس مرتبہ کا ذکر ہے نیز اس روایت میں الا یہ کہ اس پر دین ہو کے الفاظ مذکور نہیں ہیں۔

﴿۴۹﴾ وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَرَادَ أَنْ يَنَامَ عَلٰى فِرَاشِهٖ فَنَامَ عَلٰى يَمِيْنِهٖ ثُمَّ قَرَأَ مِائَةَ مَرَّةٍ قُلْ هُوَاللّٰهُ أَحَدٌ إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ يَقُوْلُ لَهُ الرَّبُّ يَا عَبْدِيْ اُدْخُلْ عَلٰى يَمِيْنِكَ الْجَنَّةَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ)[1]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو شخص اپنے بستر پر سونے کا ارادہ کرے اور پھر اپنی داہنی کروٹ پر لیٹ کر سو مرتبہ قل ھو اللہ احد پڑھے تو قیامت کے دن پروردگار اس سے فرمائے گا کہ اے میرے بندے جنت میں اپنی دائیں طرف داخل ہو جا''۔ (امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

توضیح: "علی یمینك الجنة" چونکہ سوتے وقت آدمی دائیں کروٹ پر سوجاتا ہے اور ظاہر ہے کہ اس شخص نے دائیں کروٹ پر سو جانے کے بعد ایک سو مرتبہ قل ھو اللہ احد پڑھ لیا اس لئے ان سے قیامت میں کہا گیا کہ جنت میں دائیں جانب سے چل کر داخل ہو جاؤ۔[2]

﴿۵۰﴾ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعَ رَجُلاً يَقْرَأُ قُلْ هُوَاللّٰهُ أَحَدٌ فَقَالَ وَجَبَتْ قُلْتُ وَمَا وَجَبَتْ قَالَ الْجَنَّةُ۔ (رَوَاهُ مَالِكٌ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو قل ھو اللہ احد پڑھتے سنا تو فرمایا کہ ''(اس کے لئے واجب ہو گئی'' میں نے عرض کیا کہ کیا چیز واجب ہو گئی؟ فرمایا جنت''۔ (مالک، ترمذی، نسائی)

﴿۵۱﴾ وَعَنْ فَرْوَةَ بْنِ نَوْفَلٍ عَنْ أَبِيْهِ أَنَّهٗ قَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ عَلِّمْنِيْ شَيْئًا أَقُوْلُهٗ إِذَا أَوَيْتُ إِلٰى فِرَاشِيْ فَقَالَ إِقْرَأْ قُلْ يَاأَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ فَإِنَّهَا بَرَاءَةٌ مِّنَ الشِّرْكِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ)[4]

ترجمہ: اور حضرت فروہ ابن نوفل اپنے والد مکرم سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے (آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے) عرض کیا کہ یا رسول اللہ: مجھے کوئی ایسی چیز (یعنی آیت یا سورۃ) سکھلا دیجئے جسے میں اپنے بستر پر جا کر (یعنی سونے سے پہلے) پڑھ لیا کروں؟

---

[1] اخرجه الترمذی: ۵/۱۶۸ [2] المرقات: ۴/۶۶۹

[3] اخرجه مالك: ۱۳۶ والترمذی: ۵/۱۶۷ والنسائی: ۲/۱۷۱ [4] اخرجه ابوداؤد: ۴/۱۳۵ والترمذی: ۵/۴۷۴

آپ ﷺ نے فرمایا قل یاایھا الکافرون پڑھ لیا کرو کیونکہ یہ سورۃ شرک سے بیزاری ہے (لہٰذا اسے پڑھ کر سوؤ گے تو گویا شرک سے پاک ہو کر سوؤ گے اور اگر مرو گے توحید پر مرو گے۔ (ترمذی، ابوداود، دارمی)

معوذتین کی فضیلت

﴿۵۲﴾ وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ بَيْنَا أَنَا أَسِيْرُ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ الْجُحْفَةِ وَالْأَبْوَاءِ إِذْ غَشِيَتْنَا رِيْحٌ وَظُلْمَةٌ شَدِيْدَةٌ فَجَعَلَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَعَوَّذُ بِأَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ وَأَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ وَيَقُوْلُ يَا عُقْبَةُ تَعَوَّذْ بِهِمَا فَمَا تَعَوَّذَ مُتَعَوِّذٌ بِمِثْلِهِمَا۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)[1]

ترجمہ: اور حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) جب کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ہمراہ جحفہ اور ابواء (جو مکہ اور مدینہ کے راستہ میں دو مقام ہیں) کے درمیان چلے جارہے تھے کہ اچانک سخت آندھی اور شدید اندھیرے نے ہمیں آگھیرا چنانچہ نبی کریم ﷺ نے اعوذ برب الفلق اور اعوذ برب الناس کے ذریعہ پناہ مانگنی شروع کی (یعنی یہ سورتیں پڑھنے لگے) اور مجھ سے (بھی) فرماتے کہ عقبہ ان دونوں سورتوں کے ذریعہ پناہ چاہو، جان لو کہ کسی پناہ چاہنے والے نے ان دونوں (سورتوں) کی مانند کسی چیز کے ذریعہ پناہ نہیں چاہی ہے (کیونکہ آفات وبلاؤں کے وقت اللہ کی پناہ طلب کرنے کے سلسلے میں یہ دونوں سورتیں سب سے افضل ہیں)۔ (ابوداود)

﴿۵۳﴾ وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ خُبَيْبٍ قَالَ خَرَجْنَا فِيْ لَيْلَةِ مَطَرٍ وَظُلْمَةٍ شَدِيْدَةٍ نَطْلُبُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَدْرَكْنَاهُ فَقَالَ قُلْ قُلْتُ مَا أَقُوْلُ قَالَ قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ وَالْمُعَوِّذَتَيْنِ حِيْنَ تُصْبِحُ وَحِيْنَ تُمْسِيْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ تَكْفِيْكَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْ دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ)[2]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن خبیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک سخت اندھیری اور بارش کی رات میں رسول کریم ﷺ کو ڈھونڈتے ہوئے نکلے (یعنی آپ ﷺ کہیں تشریف لے جارہے تھے ہم بھی آپ کو ڈھونڈتے ہوئے نکلے تاکہ آپ ﷺ کے ہمراہ جائیں) چنانچہ ہم نے آپ ﷺ کو پالیا آپ ﷺ نے (اس وقت) فرمایا کہ پڑھو میں نے عرض کیا کہ کیا پڑھوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا "صبح اور شام کے وقت تین مرتبہ قل ھو اللہ احد، قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھ لیا کرو یہ تمہیں ہر چیز سے کفایت کرینگی (یعنی ہر آفت وبلاء کو دفع کریں گی۔ (ترمذی، ابوداود، نسائی)

﴿۵۴﴾ وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ أَقْرَأُ سُوْرَةَ هُوْدٍ أَوْ سُوْرَةَ يُوْسُفَ قَالَ لَنْ تَقْرَأَ شَيْئًا أَبْلَغَ عِنْدَ اللهِ مِنْ قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ۔ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ وَالدَّارِمِيُّ[3]

[1] اخرجہ ابوداؤد: ۲/۷۳ [2] اخرجہ ابوداؤد: ۴/۳۲۴ والترمذی: ۵/۵۶۷ والنسائی: ۸/۲۵۰ [3] اخرجہ احمد: ۴/۱۴۹، ۱۵۰ والدارمی: ۳۴۴۲

ترجمہ: اور حضرت عقبہ ابن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ یا میں (پناہ چاہنے اور شر و برائی کے دفعیہ کے لئے) سورۂ ہود یا سورۂ یوسف پڑھ لیا کروں آپ ﷺ نے فرمایا "تم اللہ کے نزدیک قل اعوذ برب الفلق سے زیادہ بہتر کوئی چیز (یعنی کوئی سورۃ یا آیت) ہرگز نہیں پڑھ سکتے"۔ (احمد، نسائی، دارمی)

الفصل الثالث

﴿۵۵﴾ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْرِبُوا الْقُرْآنَ وَاتَّبِعُوْا غَرَائِبَهُ وَغَرَائِبُهُ فَرَائِضُهُ وَحُدُوْدُهُ

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "قرآن کے معانی بیان کرو اور اس کے غرائب کی پیروی کرو اس کے غرائب اس کے فرائض اور اس کی حدود ہیں۔

قرآن کریم کی تلاوت کی ترتیب وفضیلت

﴿۵۶﴾ وَعَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قِرَاءَةُ الْقُرْآنِ فِي الصَّلَاةِ أَفْضَلُ مِنْ قِرَائَةِ الْقُرْآنِ فِيْ غَيْرِ الصَّلَاةِ وَقِرَائَةُ الْقُرْآنِ فِيْ غَيْرِ الصَّلَاةِ أَفْضَلُ مِنَ التَّسْبِيْحِ وَالتَّكْبِيْرِ وَالتَّسْبِيْحُ أَفْضَلُ مِنَ الصَّدَقَةِ وَالصَّدَقَةُ أَفْضَلُ مِنَ الصَّوْمِ وَالصَّوْمُ جُنَّةٌ مِنَ النَّارِ۔

ترجمہ: اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "نماز میں قرآن کی قرأت نماز کے علاوہ قرآن پڑھنے سے افضل ہے اور نماز کے علاوہ قرآن کا پڑھنا تسبیح و تکبیر سے زیادہ ثواب رکھتا ہے اور تسبیح صدقہ (خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے) زیادہ ثواب رکھتی ہے اور صدقہ روزہ سے زیادہ ثواب رکھتا ہے اور روزہ دوزخ کی آگ سے ڈھال ہے"۔

دیکھ کر تلاوت زبانی تلاوت سے افضل ہے

﴿۵۷﴾ وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ أَوْسٍ الثَّقَفِيِّ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِرَاءَةُ الرَّجُلِ الْقُرْآنَ فِيْ غَيْرِ الْمُصْحَفِ أَلْفُ دَرَجَةٍ وَقِرَاءَتُهُ فِي الْمُصْحَفِ تُضَعَّفُ عَلٰى ذٰلِكَ إِلٰى أَلْفَيْ دَرَجَةٍ۔

ترجمہ: اور حضرت عثمان ابن عبداللہ بن اوس ثقفی اپنے دادا (حضرت اوس رضی اللہ عنہ) سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "آدمی کا بغیر مصحف (یعنی زبانی) قرآن پڑھنا ہزار درجہ ثواب رکھتا ہے اور مصحف میں (دیکھ کر) پڑھنے کا ثواب بغیر مصحف (یعنی زبانی) پڑھنے کے ثواب سے دو ہزار تک زیادہ کیا جاتا ہے"۔

توضیح: دیکھ کر تلاوت یاد سے پڑھنے سے اس لئے افضل ہے کہ دیکھ کر پڑھنے میں مشقت زیادہ ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ دیکھ کر پڑھنے میں سوچ وفکر اور خشوع وخضوع زیادہ حاصل ہوجاتا ہے نیز مصحف کی زیارت نصیب ہوتی ہے اس کے اٹھانے اور ہاتھ لگانے کا الگ الگ ثواب ہے یہ چیزیں یاد سے پڑھنے سے حاصل نہیں ہوسکتی ہیں، اس میں زیادہ مشقت ہے لہٰذا زیادہ ثواب ہے۔

تلاوتِ قرآن زنگ آلود دلوں کے لئے ریگمال ہے

﴿۵۸﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ هٰذِهِ الْقُلُوْبَ تَصْدَأُ كَمَا يَصْدَأُ الْحَدِيْدُ اِذَا أَصَابَهُ الْمَاءُ قِيْلَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا جِلَاؤُهَا قَالَ كَثْرَةُ ذِكْرِ الْمَوْتِ وَتِلَاوَةُ الْقُرْآنِ. (رَوَى الْبَيْهَقِيُّ الْأَحَادِيْثَ الْأَرْبَعَةَ فِي شُعَبِ الْإِيْمَانِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "یاد رکھو یہ دل زنگ پکڑتے ہیں جیسا کہ پانی پہنچنے سے لوہا زنگ پکڑتا ہے" عرض کیا گیا کہ یارسول اللہ: اس کی جلا کا کیا ذریعہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا "موت کو زیادہ یاد کرنا اور قرآن کریم کی تلاوت (یہ چاروں روایتیں بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کی ہیں)۔

توضیح: "تصدأ" زنگ لگنے کو کہتے ہیں[2] "ماجلاءها" جلاء، میلے کچیلے لوہے کو مانجھنے کے لئے ریتی ریگمال یا قلعی استعمال کیا جاتا ہے تاکہ لوہا چمک جائے اور اس میں جلاء پیدا ہوجائے اسی کی طرف اس حدیث میں اشارہ ہے کہ دنیا کی غفلتوں، آلودگیوں اور گناہ ومعاصی کی وجہ سے دل میلے ہوجاتے ہیں اور اس پر گویا معصیت کا ایسا زنگ چڑھ جاتا ہے جس طرح پانی لگنے سے لوہے پر زنگ چڑھ جاتا ہے جس سے دل سخت ہوجاتے ہیں اس کا علاج حضور اکرم ﷺ نے بتادیا کہ قرآن کریم زیادہ سے زیادہ پڑھو اور موت کو زیادہ یاد کیا کرو اس سے قلب کا زنگ اتر جائے گا۔[3]

آیۃ الکرسی قرآن میں سب سے عظیم آیت ہے

﴿۵۹﴾ وَعَنْ أَيْفَعَ بْنِ عَبْدِ الْكَلَاعِيِّ قَالَ قَالَ رَجُلٌ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ أَيُّ سُوْرَةِ الْقُرْآنِ أَعْظَمُ قَالَ قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ قَالَ فَأَيُّ آيَةٍ فِي الْقُرْآنِ أَعْظَمُ قَالَ آيَةُ الْكُرْسِيِّ اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ قَالَ فَأَيُّ آيَةٍ يَانَبِيَّ اللّٰهِ تُحِبُّ أَنْ تُصِيْبَكَ وَأُمَّتَكَ قَالَ خَاتِمَةُ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ فَاِنَّهَا مِنْ خَزَائِنِ رَحْمَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى مِنْ تَحْتِ عَرْشِهٖ أَعْطَاهَا هٰذِهِ الْأُمَّةَ لَمْ تَتْرُكْ خَيْرًا مِنَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ اِلَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ. (رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ)[4]

---

[1] اخرجه البيهقي: ۲/۳۵۳ [2] المرقات: ۴/۶۶۲ [3] المرقات: ۴/۶۶۴، ۶۶۵ [4] اخرجه الدارمي: ۲/۳۰۲

ترجمہ: اور حضرت ایفع ابن عبدالکلاعی کہتے ہیں کہ ایک شخص نے (نبی کریم ﷺ سے) عرض کیا کہ "یارسول اللہ: قرآن مجید میں (صفات باری تعالیٰ کے بیان کے سلسلہ میں) سب سے عظیم الشان سورۃ کون سی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا "**قل ھو اللہ احد**" اس نے عرض کیا کہ "قرآن کریم میں سب سے عظیم الشان آیت کون سی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا آیت الکرسی **اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم** اس نے عرض کیا کہ "یارسول اللہ: وہ کون سی آیت ہے جس کے بارے میں آپ فرمائیں گے کہ وہ (یعنی اس کا ثواب اور اس کا فائدہ) آپ ﷺ کو اور آپ ﷺ کی امت کو پہنچے" آپ ﷺ نے فرمایا سورۃ بقرہ کا آخری حصہ بیشک وہ آخری آیتیں خدا کی رحمت کے خزانوں میں سے عرش کے نیچے سے اتری ہیں اور جو اس امت کو عطا کی گئی ہیں اور دنیا و آخرت کی کوئی ایسی بھلائی نہیں ہے جو اس میں نہ ہو۔ (ترمذی)

توضیح: اس حدیث میں سورۃ اخلاص کو قرآن کی بڑی سورۃ قرار دیا گیا اور گذشتہ حدیث نمبر ۱۰ میں سورۃ فاتحہ کو سب سے بڑی سورۃ قرار دیا گیا ہے جس سے بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے لیکن یہ کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ سورۃ اخلاص میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات کا تعارف کیا گیا ہے اور ذات کے اعتبار سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی عظیم بڑائی بیان کی گئی ہے جبکہ سورۃ فاتحہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفات کے ذریعہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی عظیم بڑائی بیان کی گئی ہے الگ الگ مضمون ہے۔[1]

سورت فاتحہ ہر بیماری کے لئے شفاء ہے

﴿۶۰﴾ وَعَنْ عَبْدِالْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ مُرْسَلاً قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ فَاتِحَةِ الْكِتَابِ شِفَاءٌ مِنْ كُلِّ دَاءٍ ۔ (رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت عبدالملک ابن عمیر بطریق ارسال روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "سورۂ فاتحہ ہر بیماری کے لئے شفاء ہے"۔ (دارمی، بیہقی)

توضیح: تجربہ بھی شاہد ہے اور احادیث واقوال علماء بھی گواہ ہیں کہ ایمان ویقین کے ساتھ جس نے فاتحہ سے علاج کیا ہے روحانی وجسمانی دونوں اعتبار سے شفایاب ہوا ہے البتہ صرف ایک دفعہ یا ایک بار عمل سے فائدہ نہ ہوگا کچھ دنوں تک تسلسل رکھنا ہر وظیفہ کے لئے ضروری ہے فاتحہ کو پانی پر دم کیا جائے یا کاغذ پر لکھ کر چاٹا جائے یا تعویذ کی شکل میں گلے میں لٹکایا جائے۔

﴿۶۱﴾ وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ قَالَ مَنْ قَرَأَ آخِرَ آلِ عِمْرَانَ فِيْ لَيْلَةٍ كُتِبَ لَهُ قِيَامُ لَيْلَةٍ[3]

ترجمہ: اور حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص رات میں آل عمران کا آخری حصہ پڑھے تو اس کے لئے قیام لیل (یعنی شب بیداری) کا ثواب لکھا جاتا ہے۔

[1] البرقات: ۴/۶۷۵ [2] اخرجه الدارمی: ۲/۳۰۱ [3] اخرجه الدارمی: ۲/۳۰۵

﴿۶۲﴾ وَعَنْ مَكْحُولٍ قَالَ مَنْ قَرَأَ سُورَةَ آلِ عِمْرَانَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ صَلَّتْ عَلَيْهِ الْمَلَائِكَةُ إِلَى اللَّيْلِ.
(رَوَاهُمَا الدَّارِمِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت مکحول رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص جمعہ کے دن سورۂ آل عمران پڑھتا ہے تو اس کے لئے رات تک فرشتے دعا اور استغفار کرتے ہیں (یہ دونوں روایتیں دارمی نے نقل کی ہیں)۔

﴿۶۳﴾ وَعَنْ جُبَيْرِ بْنِ نُفَيْرٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ خَتَمَ سُورَةَ الْبَقَرَةِ بِآيَتَيْنِ أُعْطِيتُهُمَا مِنْ كَنْزِهِ الَّذِي تَحْتَ الْعَرْشِ فَتَعَلَّمُوهُنَّ وَعَلِّمُوهُنَّ نِسَاءَكُمْ فَإِنَّهَا صَلَاةٌ وَقُرْبَانٌ وَدُعَاءٌ. (رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ مُرْسَلًا)[2]

ترجمہ: اور حضرت جبیر ابن نفیر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورۂ بقرہ کو دو آیتوں (یعنی امن الرسول سے آخر تک) پر ختم فرمایا ہے یہ دو آیتیں مجھے اس خزانے سے عطا فرمائی گئی ہیں جو عرش کے نیچے ہے لہٰذا ان آیتوں کو تم سیکھو اور اپنی عورتوں کو سکھلاؤ کیونکہ وہ آیتیں رحمت ہیں (خدا کے) قرب کا ذریعہ ہیں اور تمام دینی و دنیاوی بھلائیوں کے حصول کے لئے دعا ہیں (اس روایت کو دارمی رحمۃ اللہ علیہ نے بطریق ارسال نقل کیا ہے۔

﴿۶۴﴾ وَعَنْ كَعْبٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اقْرَؤُوا سُورَةَ هُودٍ يَوْمَ الْجُمُعَةِ.
(رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ مُرْسَلًا)[3]

ترجمہ: اور حضرت کعب رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جمعہ کے دن سورۂ ہود پڑھا کرو''۔ (دارمی)

جمعہ کے دن سورۃ کہف پڑھنے کا بڑا ثواب ہے

﴿۶۵﴾ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَرَأَ سُورَةَ الْكَهْفِ فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ أَضَاءَ لَهُ النُّورُ مَا بَيْنَ الْجُمُعَتَيْنِ. (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعَوَاتِ الْكَبِيرِ)

ترجمہ: اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو شخص جمعہ کے دن سورۂ کہف پڑھتا ہے تو اس کے لئے (یعنی اس کے دل میں ایمان وہدایت کا) نور دوسرے جمعہ تک روشن رہتا ہے۔ (بیہقی نے اس روایت کو دعوات کبیر میں نقل کیا ہے۔

توضیح: یعنی ایک جمعہ میں جس نے سورۃ کہف پڑھ لی تو دوسرے جمعہ تک وہ شخص اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ایک روحانی انوارات وبرکات میں رہتا ہے دشمنوں کے شرور وغرور سے محفوظ رہتا ہے اور دجال جیسے بڑے فتنوں سے

[1] اخرجه الدارمی: ۲/۳۰۵ [2] اخرجه الدارمی: ۲/۳۰۴ [3] اخرجه الدارمی: ۲/۳۰۶

بچا رہتا ہے جس طرح اس کی ابتدائی دس آیت کی تاثیر احادیث میں مذکور ہے لہٰذا ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ جمعہ کے دن سورۃ کہف کی تلاوت کا اہتمام کریں۔ عوام وخواص کا تجربہ ہے کہ اس عمل سے انسان ہر فتنہ اور دشمن کے ہر حملہ سے محفوظ رہتا ہے۔ [۱]

﴿۶۶﴾ وَعَنْ خَالِدِ بْنِ مَعْدَانَ قَالَ إِقْرَأُوا الْمُنْجِيَةَ وَهِيَ الٓمٓ تَنْزِيْلُ فَإِنَّهُ بَلَغَنِيْ أَنَّ رَجُلاً كَانَ يَقْرَأُهَا مَا يَقْرَأُ شَيْئًا غَيْرَهَا وَكَانَ كَثِيْرَ الْخَطَايَا فَنَشَرَتْ جَنَاحَهَا عَلَيْهِ قَالَتْ رَبِّ اغْفِرْ لَهُ فَإِنَّهُ كَانَ يُكْثِرُ قِرَاءَتِيْ فَشَفَّعَهَا الرَّبُّ تَعَالٰى فِيْهِ وَقَالَ اكْتُبُوْا لَهُ بِكُلِّ خَطِيْئَةٍ حَسَنَةً وَارْفَعُوْا لَهُ دَرَجَةً وَقَالَ أَيْضًا إِنَّهَا تُجَادِلُ عَنْ صَاحِبِهَا فِي الْقَبْرِ تَقُوْلُ اللّٰهُمَّ إِنْ كُنْتُ مِنْ كِتَابِكَ فَشَفِّعْنِيْ فِيْهِ وَإِنْ لَمْ أَكُنْ مِنْ كِتَابِكَ فَامْحُنِيْ عَنْهُ وَإِنَّهَا تَكُوْنُ كَالطَّيْرِ تَجْعَلُ جَنَاحَهَا عَلَيْهِ فَتَشْفَعُ لَهُ فَتَمْنَعُهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَقَالَ فِيْ تَبَارَكَ مِثْلَهُ وَكَانَ خَالِدٌ لَا يَبِيْتُ حَتّٰى يَقْرَأَهُمَا وَقَالَ طَاؤُسٌ فُضِّلَتَا عَلٰى كُلِّ سُوْرَةٍ فِي الْقُرْآنِ بِسِتِّيْنَ حَسَنَةٍ ۔ (رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ) [۲]

ترجمہ: اور حضرت خالد ابن معدانؒ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا (رات کے ابتدائی حصہ میں) اس سورۃ کو پڑھا کرو جو (قبر وحشر کے) عذاب سے نجات دینے والی ہے اور وہ **سورۃ الم تنزیل** ہے کیونکہ (صحابہ رضی اللہ عنہم سے) مجھ تک یہ بات پہنچی ہے کہ ایک شخص تھا جو یہی سورۃ پڑھا کرتا تھا وہ اس سورۃ کے علاوہ اور کچھ نہیں پڑھتا تھا (یعنی اس نے اس سورۃ کے علاوہ اور کسی چیز کو ورد قرار نہیں دیا تھا) اور وہ شخص بہت زیادہ گنہگار تھا چنانچہ (جب اس شخص کا انتقال ہوا) اس سورۃ نے اس پر اپنے بازو پھیلا دیئے اور فریاد کی اے میرے پروردگار: اس شخص کی بخشش فرما کیونکہ یہ مجھے بہت زیادہ پڑھا کرتا تھا حق تبارک وتعالیٰ نے اس شخص کے حق میں اس سورت کی شفاعت قبول فرمائی اور (فرشتوں کو) حکم دیا کہ (اس کے نامۂ اعمال میں) اس کے ہر گناہ کے بدلہ نیکی لکھ دو اور اس کے درجات بلند کردو‘‘ خالد یہ بھی فرماتے تھے کہ بیشک یہ سورت اپنے پڑھنے والے کی طرف سے قبر میں جھگڑتی ہے وہ کہتی ہے کہ ’’یاالٰہی: اگر میں تیری کتاب (قرآن کریم) میں سے ہوں (جو لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے) تو اس کے حق میں میری شفاعت قبول فرما اور اگر (بفرض محال) میں تیری کتاب میں سے نہیں ہوں تو مجھے اس میں سے مٹا دے‘‘ نیز حضرت خالد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ’’یہ سورۃ (قبر میں) ایک پرندہ کی مانند آئے گی اور اس پر اپنے بازو پھیلا کر اس کے لئے (اللہ تبارک وتعالیٰ) سے شفاعت کرے گی‘‘ حضرت خالد رحمۃ اللہ علیہ نے **سورۃ تبارک الذی بیدہ الملک** کے بارے میں بھی یہی کہا کہ (اس سورۃ کی بھی یہی تاثیر اور برکت ہے) حضرت خالد رحمۃ اللہ علیہ کا معمول یہ تھا کہ وہ یہ دونوں سورتیں پڑھے بغیر نہیں سوتے تھے‘‘ حضرت طاؤس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ان دونوں سورتوں کو قرآن کریم کی ہر سورۃ پر ساٹھ نیکیوں کے ساتھ فضیلت بخشی گئی ہے‘‘ (دارمی) یعنی ان دونوں روایتوں کو ایک حضرت خالد رحمۃ اللہ علیہ سے اور دوسری حضرت طاؤس رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے، دارمی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے۔

[۱] المرقات: ۴/۶۷۸ [۲] اخرجہ الدارمی: ۲/۳۰۶

سورت یٰس پڑھنے کی فضیلت

﴿۶۷﴾ وَعَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ قَالَ بَلَغَنِي أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَرَأَ يٰس فِي صَدْرِ النَّهَارِ قُضِيَتْ حَوَائِجُهُ ۔ (رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ مُرْسَلاً)[1]

ترجمہ: اور حضرت عطاء ابن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ (تابعی) کہتے ہیں کہ مجھ تک یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص دن کے ابتدائی حصہ میں سورۂ یٰس پڑھتا ہے تو اس کی (دینی و دنیوی حاجتیں پوری کی جاتی ہیں دارمی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو بطریق ارسال نقل کیا ہے)

﴿۶۸﴾ وَعَنْ مَعْقِلِ ابْنِ يَسَارٍ الْمُزَنِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَرَأَ يٰس اِبْتِغَاءَ وَجْهِ اللهِ تَعَالٰى غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ فَاقْرَؤُوْهَا عِنْدَ مَوْتَاكُمْ ۔
(رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيْمَانِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت معقل ابن یسار مزنی رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ رب العزت کی رضا وخوشنودی کی طلب میں سورۂ یٰسین پڑھتا ہے تو اس کے وہ گناہ بخش دیئے جاتے ہیں جو اس نے پہلے کئے ہیں لہٰذا اس سورت کو اپنے مردوں کے سامنے پڑھو۔ (بیہقی)

﴿۶۹﴾ وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ أَنَّهُ قَالَ إِنَّ لِكُلِّ شَيْءٍ سَنَامًا وَإِنَّ سَنَامَ الْقُرْآنِ سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ وَإِنَّ لِكُلِّ شَيْءٍ لُبَابًا وَإِنَّ لُبَابَ الْقُرْآنِ الْمُفَصَّلُ ۔ (رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ)[3]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا "ہر چیز کے لئے رفعت و بلندی ہوتی ہے اور قرآن کی رفعت و بلندی سورۂ بقرہ ہے ہر چیز کا خلاصہ (حاصل مقصد) ہوتا ہے اور قرآن کا خلاصہ مفصل ہے۔
(دارمی)

زینت قرآن سورۃ رحمٰن

﴿۷۰﴾ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لِكُلِّ شَيْءٍ عَرُوْسٌ وَعَرُوْسُ الْقُرْآنِ الرَّحْمٰنُ[4]

ترجمہ: اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ "ہر چیز کے لئے زینت ہوتی ہے اور قرآن کریم کی زینت سورۂ رحمٰن ہے۔

[1] اخرجه الدارمی: ۲/۳۰۸ [2] اخرجه الدارمی: ۲/۴۷۹ [3] اخرجه الدارمی: ۲/۳۰۲ [4] اخرجه البیهقی: ۲/۴۹۰

توضیح: سورۃ رحمن اس لئے قرآن کی زینت ہے کہ ہمارے پیارے پیغمبر ﷺ نے ایسا ہی فرمایا ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ سورت رحمن میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی عجیب نعمتوں کا تذکرہ ہے حوروں کے حسن وجمال اوران کے زیورات کی شان وکمال کا ذکر ہے تیسری وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اس سورت کے الفاظ وآیات عجیب اسلوب پر واقع ہیں فواصل کا تسلسل اورایک خاص آیت کا باربار دہرانا زیب وزینت کے اعتبار سے ایک خاص شان رکھتا ہے باذوق لوگ خواہ عوام ہوں یا خواص وہ اس کو جانتے ہیں۔[1]

سورۃ واقعہ فقر وفاقہ کا علاج ہے

﴿۷۱﴾وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَأَ سُوْرَةَ الْوَاقِعَةِ فِيْ كُلِّ لَيْلَةٍ لَمْ تُصِبْهُ فَاقَةٌ أَبَدًا وَكَانَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ يَأْمُرُ بَنَاتِهِ يَقْرَأْنَ بِهَا كُلَّ لَيْلَةٍ.

(رَوَاهُمَا الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْإِيْمَانِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص ہر شب میں سورۂ واقعہ پڑھتا ہے وہ کبھی بھی فاقہ کی حالت کو نہیں پہنچتا، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اپنی صاحبزادیوں کو حکم دیا کرتے تھے کہ وہ ہر شب میں یہ سورت پڑھا کریں"۔ (ان دونوں روایتوں کو بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے۔

توضیح: سورت واقعہ کی خاص تاثیر ہے کہ جو مفلس وفقیر ومحتاج آدمی اس کو خود عشا کے وقت پڑھے یا اپنے بیوی بچوں کے ذریعہ سے پڑھوائے اللہ تبارک وتعالیٰ اس گھر کی محتاجی اور فقر وفاقہ کو دور فرمادیتا ہے اگر فرض کرو مال نہ بھی ملا تو اللہ تبارک وتعالیٰ قلبی استغناء اور قناعت وسکون عطا فرماتا ہے۔شریعت نے بعض عبادات کے اخروی فوائد کے ساتھ دنیوی فوائد کا ذکر اس لئے کیا ہے تاکہ لوگ اس عبادت کی طرف متوجہ ہوجائیں اور یہ عبادت معاشرہ میں خوب عام ہوجائے۔[3]

﴿۷۲﴾وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحِبُّ هٰذِهِ السُّوْرَةَ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰى۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ)[4]

ترجمہ: اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ اس سورت یعنی سبح اسم ربك الاعلی کو بہت محبوب رکھتے تھے"۔ (احمد)

توضیح: آسمانی کل صحیفے ایک سو ہیں جس کی طرف یہاں صحف اولی میں اشارہ کیا گیا ہے اور آسمانی بڑی کتابیں چار ہیں ان صحیفوں میں دین ودنیا کی بھلائی کی تعلیمات اور تزکیہ نفس کے لئے بہتر مواعظ ونصائح موجود تھیں۔

﴿۷۳﴾وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ أَتَى رَجُلٌ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَقْرِئْنِيْ يَارَسُوْلَ

[1] المرقات: ۴/۶۸۲ [2] اخرجه البيهقي: ۲/۴۹۱ [3] اخرجه المرقات: ۴/۶۸۲، ۶۸۳ [4] اخرجه احمد: ۱/۹۶

اللہِ فَقَالَ اقْرَأْ ثَلَاثًا مِنْ ذَوَاتِ الرا فَقَالَ كَبُرَتْ سِنِّيْ وَاشْتَدَّ قَلْبِيْ وَغَلُظَ لِسَانِيْ قَالَ فَاقْرَأْ ثَلَاثًا مِنْ ذَوَاتِ حٰمٓ فَقَالَ مِثْلَ مَقَالَتِهٖ قَالَ الرَّجُلُ يَارَسُوْلَ اللہِ أَقْرِئْنِيْ سُوْرَةً جَامِعَةً فَأَقْرَأَهٗ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّى اللہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا زُلْزِلَتْ حَتّٰى فَرَغَ مِنْهَا فَقَالَ الرَّجُلُ وَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ لَا أَزِيْدُ عَلَيْهِ أَبَدًا ثُمَّ أَدْبَرَ الرَّجُلُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّى اللہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْلَحَ الرُّوَيْجِلُ مَرَّتَيْنِ۔

(رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْدَاوُدَ)[1]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ مجھے پڑھایئے: آپ ﷺ نے فرمایا: ''قرآن کریم کی ان سورتوں میں سے جن کے شروع میں الرہے پڑھو، اس نے عرض کیا میری عمر زیادہ ہوچکی ہے اور دل میرا سخت ہوگیا ہے (یعنی میرے قلب پر حافظہ کی کمی اور نسیان کا غلبہ ہے) نیز میری زبان موٹی ہے (یعنی کلام اللہ خصوصا بڑی سورتیں میں یاد نہیں کرسکتا) آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تم وہ سورتیں نہیں پڑھ سکتے تو ان سورتوں میں سے تین سورتیں پڑھو جن کے شروع میں (حم) ہے (کیونکہ یہ سورتیں ان سورتوں کی نسبت چھوٹی ہیں) اس شخص نے پھر وہی کہا کہ یارسول اللہ: مجھے کوئی جامع سورۃ پڑھایئے (یعنی کوئی ایسی بتایئے جس میں بہت سی باتیں جمع ہوں) چنانچہ آپ ﷺ نے اسے ''سورۂ اذا زلزلت'' پڑھائی، جب آپ ﷺ (پوری سورۃ پڑھا کر) اس سے فارغ ہوئے تو اس شخص نے کہا کہ ''قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں (اس سورۃ پر عمل کرنے کے سلسلہ میں اس پر کبھی بھی زیادتی نہیں کروں گا'' پھر اس شخص نے پیٹھ پھیری (یعنی جب واپس ہوگیا) تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ''اس شخص نے مراد حاصل کرلی''۔ یہ بات آپ ﷺ نے دو مرتبہ فرمائی۔ (احمد، ابوداؤد)

توضیح: اس سورۃ کو جامعہ اس لئے فرمایا گیا کہ اس میں فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرًا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ[1] جیسی آیت ہے جس نے کسی چیز کو باہر نہیں چھوڑا سب کو اپنے اندر سمیٹ لیا ہے۔

سورت تکاثر پڑھو ایک منٹ میں ہزار آیتیں پڑھو

﴿۷۴﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّى اللہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلَا يَسْتَطِيْعُ أَحَدُكُمْ أَنْ يَقْرَأَ أَلْفَ آيَةٍ فِيْ كُلِّ يَوْمٍ قَالُوْا وَمَنْ يَسْتَطِيْعُ أَنْ يَقْرَأَ أَلْفَ آيَةٍ فِيْ كُلِّ يَوْمٍ قَالَ أَمَا يَسْتَطِيْعُ أَحَدُكُمْ أَنْ يَقْرَأَ أَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْإِيْمَانِ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''کیا تم میں سے کوئی شخص اس بات پر قادر نہیں ہے کہ وہ روزانہ ایک ہزار آیتیں پڑھا کرے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ ''کون شخص اس بات پر قادر ہوسکتا ہے کہ وہ (ہمیشہ)

---

[1] زلزال،　[2] اخرجه البيهقي: ۲/۴۹۸

روزانہ ایک ہزار آیتیں پڑھتا رہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا "کیا کوئی شخص اس بات پر قادر نہیں ہوسکتا کہ وہ (روزانہ) الھکم التکاثر پڑھ لیا کرے"۔ (بیہقی)

توضیح: سورۃ تکاثر مختصر سی سورت ہے جس کے پڑھنے میں کچھ وقت نہیں لگتا ایک منٹ میں تین بار پڑھی جاسکتی ہے لیکن اس دولت کو ذرا دیکھو کہ ایک ہزار آیتوں کے برابر ہے کم خرچ بالانشین کی مثال ہے ہر مسلمان کو چاہئے کہ اس سے فائدہ اٹھائے اور ایک منٹ میں ہزار آیتوں کا ثواب کمائے۔[1]

سورۃ اخلاص دس مرتبہ پڑھو ایک محل ملے گا

﴿۷۵﴾ وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ مُرْسَلاً عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَرَأَ قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ عَشَرَ مَرَّاتٍ بُنِيَ لَهُ بِهَا قَصْرٌ فِي الْجَنَّةِ وَمَنْ قَرَأَ عِشْرِيْنَ مَرَّةً بُنِيَ لَهُ بِهَا قَصْرَانِ فِي الْجَنَّةِ وَمَنْ قَرَأَهَا ثَلَاثِيْنَ مَرَّةً بُنِيَ لَهُ بِهَا ثَلَاثَةُ قُصُوْرٍ فِي الْجَنَّةِ فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَاللهِ يَا رَسُوْلَ اللهِ إِذًا لَنُكْثِرَنَّ قُصُوْرَنَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَللهُ أَوْسَعُ مِنْ ذٰلِكَ ۔ (رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ)[2]

ترجمہ: اور حضرت سعید ابن مسیب رحمۃ اللہ علیہ بطریق ارسال نقل کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص سورۃ قل ھو اللہ احد دس بار پڑھے تو اس کی وجہ سے جنت میں اس کے لئے ایک محل بنایا جاتا ہے، جو شخص اس کو بیس مرتبہ پڑھے تو اس کی وجہ سے جنت میں اس کے لئے دو محل بنائے جاتے ہیں اور جو شخص اس کو تیس مرتبہ پڑھے تو اس کی وجہ سے جنت میں اس کے لئے تین محل بنائے جاتے ہیں"۔ (لسان نبوت سے یہ بشارت سن کر) حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ "خدا کی قسم: اے اللہ کے رسول ﷺ: پھر تو اب ہم (جنت میں) اپنے لئے بہت زیادہ محل بنالیں گے رسول کریم ﷺ نے فرمایا "اللہ تبارک وتعالیٰ اس سے بھی بہت زیادہ فراخ ہے" (یعنی اس سورۃ کی فضیلت اور اس کا ثواب بہت عظیم اور بہت وسیع ہے لہٰذا اس بشارت پر تعجب نہ کرو بلکہ اس کے حصول کی کوشش کرو اور اس کی طرف راغب ہو)۔ (دارمی)

توضیح: "قصر فی الجنة" یعنی جو شخص سورۃ اخلاص دس بار پڑھے گا اس کے عوض اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو جنت میں ایک محل عطا فرمائے گا اور اگر سو بار پڑھے گا تو دس محل ملیں گے ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ اس عظیم دولت سے استفادہ کرے اور اس میں کوتاہی نہ کرے اپنے لئے بھی پڑھے اور اپنے مرحومین کے ایصال ثواب کے لئے بھی پڑھے یہ کم خرچ بالانشین نعمت ہے اسی پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تعجب کیا کہ ہمارے تو بہت محل بن جائیں گے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی وسعت تیرے تعجب سے بڑھ کر ہے۔ بہر حال محل ملنا تو الگ نعمت ہے لیکن اس بشارت کے ضمن میں جنت میں دخول کی بشارت مل گئی وہ الگ نعمت ہے۔[3]

[1] المرقات: ۴/۶۸۶ [2] اخرجه الدارمي: ۲/۳۰۹ [3] المرقات: ۴/۶۸۶

قرآن کی تلاوت ہر مسلمان پر واجب ہے

﴿۷۶﴾ وَعَنِ الْحَسَنِ مُرْسَلاً أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَرَأَ فِيْ لَيْلَةٍ مِائَةَ آيَةٍ لَمْ يُحَاجَّهُ الْقُرْآنُ تِلْكَ اللَّيْلَةَ وَمَنْ قَرَأَ فِيْ لَيْلَةٍ مِائَتَيْ آيَةٍ كُتِبَ لَهُ قُنُوْتُ لَيْلَةٍ وَمَنْ قَرَأَ فِيْ لَيْلَةٍ خَمْسَ مِائَةٍ إِلَى الْأَلْفِ أَصْبَحَ وَلَهُ قِنْطَارٌ مِنَ الْأَجْرِ قَالُوْا وَمَا الْقِنْطَارُ قَالَ اثْنَا عَشَرَ أَلْفًا۔

(رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت حسن بطریق ارسال نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "جو شخص کسی رات میں (قرآن کی) سو آیتیں پڑھے تو اس رات میں قرآن اس سے نہیں جھگڑے گا اور جو شخص کسی رات میں دو سو آیتیں پڑھے تو اس کے لئے شب بیداری کا ثواب لکھا جاتا ہے اور جو شخص رات میں پانچ سو سے ہزار تک آیتیں پڑھے تو وہ اس حال میں صبح کرتا ہے کہ اس کے لئے قنطار کا ثواب (لکھا جا چکا) ہوتا ہے"۔ صحابہ نے عرض کیا کہ "قنطار کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا بارہ ہزار درہم یا دینار)۔

(دارمی)

توضیح: "لم یحاجه القرآن" یعنی قرآن کریم اس شخص سے نہیں جھگڑیگا اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص قرآن کی تلاوت نہیں کریگا اور اس پر عمل نہیں کریگا تو قرآن اس کا دشمن بن جائے گا اور اپنے حق کا مطالبہ اس سے کریگا پھر اس کے خلاف شکایت کریگا یہاں اتنی بات جان لینی چاہیئے کہ قرآن کا جھگڑا اور لعنت ملامت کرنا دو سبب سے ہے ایک قرآن نہ پڑھنے کی وجہ سے اور دوسرا قرآن پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے ان دو کاموں میں اگر کوئی شخص کوتاہی کرتا ہے تو قرآن اس سے جھگڑا کریگا اب اگر کوئی شخص عمل کرنے میں کوتاہی نہیں کرتا صرف تلاوت میں کوتاہی کرتا ہے تو تلاوت کرنے سے یہ جھگڑا ختم ہو جائے گا اور اگر کوئی شخص تلاوت تو کرتا ہے لیکن عمل نہیں کرتا تو صرف تلاوت سے یہ جھگڑا ختم نہیں ہوگا بلکہ عمل کرنے سے ختم ہوگا۔[2]

علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ قرآن کی تلاوت ہر مسلمان پر واجب ہے۔[3]
بہر حال اس حدیث میں جھگڑے کی نسبت قرآن کی طرف مجازی ہے حقیقت میں یہ جھگڑا اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ہوگا۔ بعض شارحین نے اس وعید کو ان حفاظ قرآن کے لئے بتایا ہے جن کے قرآن بھول جانے کا خطرہ ہے اور وہ اس کی حفاظت نہیں کرتے ہیں۔

"قنطار" ڈھیر اور خزانہ کے معنی میں ہے یعنی اس کے وزن کے برابر ثواب ملے گا یا تعداد کے برابر ثواب ملے گا یعنی بارہ ہزار درہم یا دینار۔

---

[1] اخرجه الدارمی: ۲/۳۱۳ [2] اخرجه الدارمی: ۲/۳۱۳ [3] المرقات: ۴/۶۸۷

باب آداب التلاوة ودروس القرآن

قرآن کا پڑھنا پڑھانا اور تلاوت کے آداب

قال الله تعالیٰ ﴿ورتل القرآن ترتیلا﴾[1]

جان لینا چاہئے کہ یہاں مشکوۃ کے نسخوں میں صرف ''باب'' کا لفظ ہے عنوان کوئی نہیں جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ باب اس سے قبل باب کے لواحقات میں سے ہے البتہ شارح طیبی عظیم اور ملا علی قاری عظیم نے مندرجہ بالا عنوان قائم کیا ہے اس عنوان میں جن مضامین کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اس باب میں اسی سے متعلق احادیث مذکور ہیں نیز قرآن عظیم کی نگرانی اور حفاظت پر زور دیا گیا ہے اور اسے بھلا دینے پر شدید وعید سنادی گئی ہے۔[2]

قرآن کی خبر گیری کرو بھولو نہیں

﴿۱﴾ عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعَاهَدُوا الْقُرْآنَ فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهٖ لَهُوَ أَشَدُّ تَفَصِّيًا مِنَ الْإِبِلِ فِي عُقُلِهَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[3]

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''قرآن کریم کی خبر گیری کرو (یعنی قرآن برابر پڑھتے رہا کرو تا کہ بھولو نہیں) قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے قرآن سینوں سے اتنی جلدی نکل جاتا ہے کہ اونٹ بھی اتنی جلدی اپنی رسی سے نہیں نکلتا''۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: قرآن عظیم چونکہ ایک عظیم دولت ہے اور بڑی دولت اپنی حفاظت چاہتی ہے اگر کوئی ناقدری کرتا ہے اور حفاظت میں کوتاہی کرتا ہے تو یہ دولت چلی جاتی ہے یہاں بندھے ہوئے پیاسے اونٹ سے قرآن کی تشبیہ دی گئی ہے کہ جب وہ اونٹ پیاسا ہو اور رسی سے کھل جائے تو وہ دوڑ دوڑ کر پانی کی طرف بھاگتا ہے عرب میں دستور تھا کہ پانچ دن تک اونٹوں کو باندھے رکھتے تھے پانی پر لیجانے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے تھے چھٹے دن جب اونٹوں کو رسیوں سے کھولتے تھے تو وہ اندھادھند پانی کی طرف بھاگ جاتے تھے اسی طرح مثال قرآن کی ہے کہ اس کو اگر باندھے رکھا اور اس کی نگرانی وخبر گیری اور تلاوت وحفاظت کی تو یہ دولت پاس رہتی ہے ورنہ بھاگ جاتی ہے قرآن کا معجزہ ہے کہ جتنی جلدی یاد ہو جاتا ہے اتنی ہی جلدی بھول بھی جاتا ہے۔[4]

''تفصیا'' باب تفعل سے دوڑ دوڑ کر بھاگنے کے معنی میں ہے۔[5]

---

[1] مزمل: ۴ [2] المرقات: ۴/۳۲۷ [3] اخرجه البخاری: ۶/۲۳۸ ومسلم: ۱/۳۱۷ [4] المرقات: ۴/۶۸۹ [5] المرقات: ۴/۶۸۹

"عقل" یہ عقال کی جمع ہے اونٹ کے ایک پاؤں کو موڑ کر گھٹنے کے پاس مضبوط رسی سے باندھا جاتا ہے تو اونٹ ہل نہیں سکتا کیونکہ بھاری جسم ہونے کی وجہ سے اونٹ تین پاؤں پر لنگڑا کر نہیں چل سکتا ہے اسی رسی کو عقال کہتے ہیں۔[1]

یہ نہ کہو کہ میں فلاں آیت بھول گیا

﴿۲﴾ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِئْسَ مَا لِأَحَدِهِمْ أَنْ يَقُوْلَ نَسِيْتُ آيَةَ كَيْتَ وَكَيْتَ بَلْ نُسِّيَ وَاسْتَذْكِرُوا الْقُرْآنَ فَإِنَّهُ أَشَدُّ تَفَصِّيًا مِنْ صُدُوْرِ الرِّجَالِ مِنَ النَّعَمِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَزَادَ مُسْلِمٌ بِعُقُلِهَا)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "کسی شخص کے لئے یہ بات بہت بری ہے کہ وہ یوں کہے کہ میں فلاں فلاں آیت بھول گیا بلکہ وہ اس طرح کہے کہ بھلایا گیا اور قرآن کریم (برابر) یاد کرتے رہا کرو کیونکہ وہ لوگوں کے دل سے جانوروں سے بھی جلد نکل جاتا ہے" (بخاری ومسلم) مسلم کی روایت میں لفظ بعقلھا بھی ہے یعنی (ان جانوروں سے بھی جلد) جو اپنی رسی میں بندھے ہوئے ہوں۔

توضیح: "نُسِّیَ" یہاں ایک ادب بتایا جارہا ہے کہ اگر کوئی شخص قرآن کی کوئی سورۃ یا آیت بھول جائے تو وہ یہ نہ کہے کہ میں نے بھلادیا بلکہ یوں کہے کہ میں بھلایا گیا کیونکہ پہلی صورت میں یہ شخص اپنی طرف بھلانے کی نسبت کرتا ہے جو در حقیقت اس عظیم دولت کی بے ادبی اور اس میں کوتاہی و تقصیر کا اعتراف ہے بلکہ وہ یہ کہے کہ میں بھلایا گیا جس میں تأسف وافسوس کی طرف اشارہ ہے کہ میں تو بھولنا نہیں چاہتا تھا لیکن مجھ سے بھلایا گیا۔[3]

﴿۳﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّمَا مَثَلُ صَاحِبِ الْقُرْآنِ كَمَثَلِ صَاحِبِ الْإِبِلِ الْمُعَقَّلَةِ إِنْ عَاهَدَ عَلَيْهَا أَمْسَكَهَا وَإِنْ أَطْلَقَهَا ذَهَبَتْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[4]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "صاحب قرآن (قرآن پڑھنے والے) کی مثال بندھے ہوئے اونٹ کے مالک کی سی ہے اگر وہ اس اونٹ کی خبر گیری کرتا ہے تو وہ بندھا اور رکا رہتا ہے اور اگر اسے چھوڑ دیتا ہے تو وہ جاتا رہتا ہے (اسی طرح اگر کوئی شخص قرآن کریم برابر نہ پڑھے اور یاد نہ کرتا رہے تو قرآن اس کے سینہ سے نکل جاتا ہے)۔
(بخاری ومسلم)

جب تک دل لگے قرآن پڑھو

﴿۴﴾ وَعَنْ جُنْدُبِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اقْرَأُوا الْقُرْآنَ

---

[1] المرقات: ۶۸۸/۴، ۶۸۹ [2] اخرجه مسلم: ۱/۳۱۶ والبخاری: ۶/۲۳۸
[3] المرقات: ۴/۶۹۰ [4] اخرجه البخاری: ۶/۲۳۷ ومسلم: ۱/۳۱۶

مَا ائْتَلَفَتْ عَلَيْهِ قُلُوبُكُمْ فَإِذَا اخْتَلَفْتُمْ فَقُومُوا عَنْهُ . (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[1]

ترجمہ: اور حضرت جندب ابن عبد اللہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''قرآن اس وقت تک پڑھو جب تک کہ تمہارے دل کی خواہش ہو، جب آپس میں اختلاف ہو (یعنی زیادہ پڑھنے سے ملال اور دل گرفتگی محسوس ہو) تو کھڑے ہو جاؤ (یعنی قرآن پڑھنا موقوف کر دو)۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "ما ائتلفت" ائتلاف مالوف و مانوس ہونے کے معنی میں ہے یعنی جب تک قرآن کریم کی تلاوت میں خوب ذوق وشوق ہو اور چستی ونشاط ہو تو خوب پڑھو لیکن جب یہ نشاط ختم ہو جائے اور یہ کیفیت مختلف ہو جائے اور انسان ملول ہو جائے تو اس تھکاوٹ اور اکتاہٹ کے وقت تلاوت بند کر دو جا کر آرام کرو تاکہ اس عظیم دولت کے بارے میں دل میں کوئی بوجھ محسوس نہ ہو۔[2]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑھنے کا انداز

﴿۵﴾ وَعَنْ قَتَادَةَ قَالَ سُئِلَ أَنَسٌ كَيْفَ كَانَتْ قِرَاءَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كَانَتْ مَدًّا مَدًّا ثُمَّ قَرَأَ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ يَمُدُّ بِبِسْمِ اللهِ وَيَمُدُّ بِالرَّحْمٰنِ وَيَمُدُّ بِالرَّحِيمِ.

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[3]

ترجمہ: اور حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت کیسی ہوتی تھی؟ انہوں نے کہا کہ ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت درازی کے ساتھ ہوتی تھی پھر انہوں نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر بتایا کہ اس طرح بسم اللہ کو دراز کرتے تھے (یعنی بسم اللہ میں اللہ کے الف کو الف مقصورہ کے بقدر کھینچتے تھے) رحمٰن کو دراز کرتے تھے (یعنی اس کے الف کو کھینچتے تھے) اور رحیم کو دراز کرتے تھے (یعنی رحیم کی یاء کو اصلی یا عارضی مد کرتے تھے)۔ (بخاری)

اللہ تعالیٰ نبی کی تلاوت کو کان لگا کر سنتا ہے

﴿۶﴾ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَذِنَ اللهُ لِشَيْءٍ مَا أَذِنَ لِنَبِيٍّ يَتَغَنّٰى بِالْقُرْآنِ . (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[4]

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اللہ تبارک وتعالیٰ جس طرح (پسندیدگی کیساتھ) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز کو سنتا ہے جب کہ وہ قرآن کریم کو خوش گلوئی کے ساتھ پڑھتے ہیں اس طرح اور کوئی آواز نہیں سنتا''۔

(بخاری ومسلم)

---

[1] اخرجه البخاری: ۶/۲۴۳ ومسلم: ۲/۳۶۲ [2] المرقات: ۴/۶۹۱

[3] اخرجه البخاری: ۶/۲۴۱ [4] اخرجه البخاری: ۶/۲۳۵ ومسلم: ۱/۳۱۷

توضیح: "ما اذن" اس حدیث میں پہلا ما نافیہ ہے اور دوسرا ما مصدریہ ہے "اذن" سمع سے کان لگا کر سننے کو کہتے ہیں۔[1]

"یتغنی" خوش آوازی کے ساتھ پڑھنے کو کہتے ہیں جس میں غنغنہ ہو[2] "بالقرآن" اس سے یا تو قرآن کریم ہی مراد ہے یا قرآن بمعنی قرات ہے جو مصدر ہے اس سے پڑھنا مراد ہے خواہ قرآن پڑھے یا سابقہ کتب کو گذشتہ زمانے کا کوئی نبی پڑھے،[3] ملاعلی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "نبی" کی تنکیر سے اشارہ ملتا ہے کہ اس سے کوئی بھی نبی مراد ہوسکتا ہے حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ یوں تو ہر نبی کی آواز ہر فرد بشر کی آواز سے پیاری عمدہ اور شرین ہوتی ہے مگر جب وہ نبی خوش گلوئی کے ساتھ یعنی تجوید وترتیل کے ساتھ بلاتکلف اللہ تبارک وتعالیٰ کی کتاب پڑھے تو اس وقت ان کی آواز کائنات کی ہر آواز سے لطیف اور شرین ہوتی ہے۔ اسی کو[4] "مایلیق بشانہ" کان لگا کر سنتا ہے اسے محبوب رکھتا ہے اور اسے قبول کرتا ہے سبحان اللہ کیا شان ہے۔

اعلاء السنن میں لکھا ہے کہ قرآن کی تلاوت بلند آواز میں افضل ہے ہاں عوارض کی وجہ سے آہستہ پڑھے۔

﴿۷﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَذِنَ اللّٰهُ لِشَيْءٍ مَا أَذِنَ لِنَبِيٍّ حَسَنِ الصَّوْتِ بِالْقُرْآنِ يَجْهَرُ بِهِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[5]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ تبارک وتعالیٰ کسی بھی چیز کے لئے کان نہیں رکھتا (یعنی اہتمام نہیں کرتا) جیسا کہ وہ قرآن پڑھتے وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خوش گلوئی کیلئے کان رکھتا ہے (یعنی اسے پسند وقبول کرتا ہے) جبکہ نبی باآواز بلند قرآن کریم پڑھتے ہیں"۔ (بخاری ومسلم)

خوش آوازی کے ساتھ قرآن پڑھنا چاہئے

﴿۸﴾ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَتَغَنَّ بِالْقُرْآنِ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[6]

ترجمہ: اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "وہ شخص ہمارے کامل طریقہ پر چلنے والا نہیں ہے جو قرآن کریم خوش گلوئی کے ساتھ نہ پڑھے"۔ (بخاری)

توضیح: "لم یتغن" اس لفظ کو بعض شارحین نے حسن صوت اور ترنم وخوش آوازی پر حمل کیا ہے۔ مطلب یہ کہ

[1] المرقات: ۴/۶۹۲ [2] المرقات: ۴/۶۹۲ [3] الامرقات: ۴/۶۹ [4] المرقات: ۴/۶۹۲

[5] اخرجه البخاری: ۶/۲۳۵ ومسلم: ۱/۳۱۶ [6] اخرجه البخاری: ۹/۱۸۸

جو شخص قرآن عظیم کو خوش الحانی اور خوش آوازی کے ساتھ نہیں پڑھتا ہے تو وہ تلاوت کے میدان میں ہمارے طریقہ پر نہیں ہے کچھ علماء نے اس لفظ کو استغناء اور مستغنی ہونے کے معنی میں لیا ہے مطلب یہ کہ جس شخص کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن عظیم کی دولت عطا فرمائی ہے اور وہ اس کے ذریعہ سے اپنے آپ کو دوسروں سے مستغنی نہیں سمجھتا ہے بلکہ اوروں کو صاحب دولت سمجھتا ہے تو وہ ہمارے طریقہ پر نہیں ہے کیونکہ اس نے اس عظیم دولت کی توہین کی۔[1]

مرقات میں ملا علی قاری عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ لکھتے ہیں کہ علامہ ازہر عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ فرماتے ہیں کہ لم یتغن کے لفظ کو استغناء پر حمل کرنا لغت کے اعتبار سے غلط ہے یہ لفظ صرف تغنی سے ہے جو خوش آوازی کے معنی میں ہے۔ ملا علی قاری عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ فرماتے ہیں کہ علامہ ازھری عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ کو اس لغت کے غلط قرار دینے میں خود غلطی ہوگئی ہے اہل لغت اس کو استغناء کے معنی میں استعمال کرتے ہیں یقال رجل ربطها تغنیا ای استغناء بها من الناس۔

پھر ملا علی قاری عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ "یتغن" کے کئی معنی یوں لکھتے ہیں۔[2]

ای لم یحسن صوته به، او لم یجهر به، اولم یتغن به عن غیره، اولم یترنم به، اولم یتحزن، اولم یطلب به غنی النفس، اولم یرج به غنی الید۔ فهذه سبعة معان ماخوذة من فتح الباری استخرها علی القاری اھ۔

شارحین کی یہ تشریحات اپنی جگہ صحیح ہیں لیکن اگر تغنی سے اس طرف اشارہ مقصود ہو کہ جو شخص قرآن پڑھے تو قرآن کے لہجے میں پڑھے اس میں غنہ ہے ادغام ہے مد ہے اور عربی طرز کلام سے الگ اپنا ایک طرز ہے تو یہ احتمال بے جا نہیں ہوگا مطلب یہ کہ جس شخص نے قرآن کو قرآن کے طرز پر نہیں پڑھا بلکہ عربی کلام کے طرز پر پڑھا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

نبی کا دوسرے سے قرآن سننا

﴿۹﴾ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ اِقْرَأْ عَلَيَّ قُلْتُ أَقْرَأُ عَلَيْكَ وَعَلَيْكَ أُنْزِلَ قَالَ اِنِّيْ أُحِبُّ أَنْ أَسْمَعَهُ مِنْ غَيْرِيْ فَقَرَأْتُ سُوْرَةَ النِّسَاءِ حَتّٰى أَتَيْتُ اِلٰى هٰذِهِ الْاٰيَةِ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰؤُلَاءِ شَهِيْدًا قَالَ حَسْبُكَ الْاٰنَ فَالْتَفَتُّ اِلَيْهِ فَاِذَا عَيْنَاهُ تَذْرِفَانِ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[3]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] المرقات: ۴/۶۹۳ الکاشف: ۴/۳۳۲ [2] المرقات: ۴/۶۹۳ الکاشف: ۴/۳۳۲

[3] اخرجه البخاری: ۶/۵۷ ومسلم: ۱/۳۲۰

منبر پر تھے مجھ سے فرمایا کہ "میرے سامنے قرآن کریم پڑھو" میں نے عرض کیا کہ "آپ ﷺ کے سامنے میں قرآن کریم پڑھوں حالانکہ قرآن کریم آپ پر اتارا گیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ "میں اسے پسند کرتا ہوں کہ اپنے علاوہ کسی دوسرے سے قرآن سنوں: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پس میں نے سورۂ نساء پڑھنی شروع کی یہاں تک کہ جب میں اس آیت پر پہنچا ﴿فکیف اذا جئنا من کل امة بشهيد وجئنا بك على هؤلاء شهيدا﴾۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ "بس اب رک جاؤ پھر جب میں آپ ﷺ کی طرف متوجہ ہوا تو میں کیا دیکھتا ہوں کہ آپ ﷺ کی آنکھیں بڑی مقدار میں آنسو بہا رہی ہیں"۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: اس حدیث میں پہلی تعلیم یہ ملی کہ چھوٹوں کو بڑوں کے سامنے ادب کا لحاظ رکھنا چاہئے جس طرح حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہی خیال کیا کہ جب قرآن خود نبی مکرم پر اترا ہے وہی اس کا حقدار ہے کہ خود پڑھے اور دوسروں کو پڑھائے اس کے سامنے قرآن سنانے کا کوئی شخص کس طرح جرأت کر سکتا ہے۔ دوسری تعلیم یہ ملی کہ کبھی کبھی بڑوں کو چاہئے کہ اپنے چھوٹوں سے قرآن سنے اس میں فائدہ یہ ہوتا ہے کہ قرآن کے معانی ومطالب میں غور کرنے کا خوب موقع ملتا ہے۔ تیسری تعلیم یہ ملی کہ جب قرآن کا ایک حصہ قاری پڑھ لے اور سامعین چاہیں کہ اب قاری قراءت بند کردے تو وہ ان کو کہہ سکتے ہیں کہ بس یہی کافی ہے۔[1]

"تذرفان" یہ ضرب یضرب سے رونے اور آنسو بہانے کے معنی میں ہے امرء القیس کہتا ہے۔[2]

وماذرفت عيناك الالتضربى بسهميك فى اعشار قلب مقتل

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی سعادت

﴿۱۰﴾ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ إِنَّ اللهَ أَمَرَنِي أَنْ أَقْرَأَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ قَالَ اللهُ سَمَّانِي لَكَ قَالَ نَعَمْ قَالَ وَقَدْ ذُكِرْتُ عِنْدَ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ قَالَ نَعَمْ فَذَرَفَتْ عَيْنَاهُ وَفِي رِوَايَةٍ إِنَّ اللهَ أَمَرَنِي أَنْ أَقْرَأَ عَلَيْكَ لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قَالَ وَسَمَّانِي قَالَ نَعَمْ فَبَكَى۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)[3]

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم ﷺ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ "اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہارے سامنے قرآن پڑھوں حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ "کیا اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کے سامنے میرا نام لیا ہے" آپ ﷺ نے فرمایا کہ "ہاں: حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ "دونوں جہان کے پروردگار کے ہاں میرا ذکر کیا گیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "ہاں (یہ سنتے ہی) حضرت ابی رضی اللہ عنہ کی دونوں آنکھوں سے آنسو بہنے لگے"۔ ایک اور روایت میں یوں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ "مجھے اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ میں تمہارے

[1] المرقات: ۴/۶۹۴ [2] المرقات: ۴/۶۹۴، ۶۹۵ [3] اخرجه البخاری: ۵/۴۸ ومسلم: ۱/۳۱۹، ۳۲۰

سامنے سورۂ لم یکن الذین کفروا پڑھوں۔ حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ "کیا اللہ تبارک وتعالیٰ نے میرا نام لیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں (یہ سنتے ہی) حضرت ابی رضی اللہ عنہ رو پڑے"۔ (بخاری ومسلم)

توضیح: "اللہ سمانی" صحابہ رضی اللہ عنہم میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سید القراء شمار ہوتے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم سے بطور خاص پڑھا کر گویا خصوصی سند قراءت عطا فرمائی۔ حضرت کعب کا نام چونکہ بطور خاص اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے ہاں ذکر فرمایا اس پر بوجہ فرط مسرت حضرت کعب رضی اللہ عنہ روئے اس عظیم شرف پر خوشی کا اس طرح اظہار سب سے زیادہ مناسب تھا۔[1]

این سعادت بزور بازو نیست   تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

دار الحرب میں قرآن لیجانے کی ممانعت

﴿۱۱﴾ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُسَافَرَ بِالْقُرْآنِ اِلٰى أَرْضِ الْعَدُوِّ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ لَا تُسَافِرُوْا بِالْقُرْآنِ فَاِنِّيْ لَا آمَنُ أَنْ يَنَالَهُ الْعَدُوُّ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمن ملک (یعنی دار الحرب) کی طرف قرآن لے کر سفر کرنے سے منع فرمایا ہے"۔ (بخاری ومسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں یوں ہے کہ فرمایا "قرآن لے کر سفر نہ کرو اس لئے کہ مجھے یہ اطمینان نہیں ہے کہ دشمن اسے چھین لے (اور پھر وہ اس کی بے حرمتی کرے)۔

توضیح: دار الحرب سے مراد وہ علاقے ہیں جہاں جنگ جاری ہو یا ایسا دار الحرب ہو جہاں مسلمان موجود نہ ہوں اگر دار الحرب میں مسلمان آباد ہوں اور قرآن لے جانے میں اہانت کا خطرہ نہ ہو تو وہاں لے جانا جائز ہے عسا کر اسلام اگر شوکت میں ہوں تب بھی لے جانا جائز ہے خطرہ کی صورت میں بھی لیجانا حرام نہیں ہے البتہ مکروہ ہے یہاں ایک باریک سا سوال ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مکمل قرآن لکھا ہوا موجود نہ تھا پھر اس نہی کا کیا مطلب ہے؟ اس کا آسان جواب یہ ہے کہ جتنا قرآن کسی کے پاس اس وقت ہوتا تھا اخر وہ بھی تو قرآن تھا جس کے لیجانے کی ممانعت کر دی گئی یا مستقبل کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور پیشگوئی یہ حکم فرمادیا۔[3]

الفصل الثانی

غرباء مہاجرین کو بشارت

﴿۱۲﴾ عَنْ أَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ جَلَسْتُ فِيْ عِصَابَةٍ مِنْ ضُعَفَاءِ الْمُهَاجِرِيْنَ وَاِنَّ بَعْضَهُمْ

---

[1] المرقات: ۴/۶۹۵ [2] اخرجه البخاری: ۴/۶۸ ومسلم: ۲/۱۳۳ [3] المرقات: ۴/۶۹۶

لَيَسْتَتِرُ بِبَعْضٍ مِنَ الْعُرْيِ وَقَارِئٌ يَقْرَأُ عَلَيْنَا اِذْجَاءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَامَ عَلَيْنَا فَلَمَّا قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَكَتَ الْقَارِئُ فَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ مَا كُنْتُمْ تَصْنَعُوْنَ قُلْنَا كُنَّا نَسْتَمِعُ اِلٰى كِتَابِ اللّٰهِ فَقَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ جَعَلَ مِنْ اُمَّتِيْ مَنْ اُمِرْتُ اَنْ اَصْبِرَ نَفْسِيْ مَعَهُمْ قَالَ فَجَلَسَ وَسْطَنَا لِيَعْدِلَ بِنَفْسِهٖ فِيْنَا ثُمَّ قَالَ بِيَدِهٖ هٰكَذَا فَتَحَلَّقُوْا وَبَرَزَتْ وُجُوْهُهُمْ لَهٗ فَقَالَ اَبْشِرُوْا يَامَعْشَرَ صَعَالِيْكَ الْمُهَاجِرِيْنَ بِالنُّوْرِ التَّامِّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ قَبْلَ اَغْنِيَاءِ النَّاسِ بِنِصْفِ يَوْمٍ وَذٰلِكَ خَمْسُ مِائَةِ سَنَةٍ ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُد)[1]

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں (ایک دن) غرباء مہاجرین کی ایک جماعت کے درمیان بیٹھا تھا ان میں سے کچھ ننگے بدن ہونے کی وجہ سے اپنے ساتھیوں کی اوٹ میں بیٹھے ہوئے تھے اور ایک شخص سامنے قرآن پڑھ رہا تھا کہ اچانک نبی کریم ﷺ تشریف لائے اور ہمارے پاس کھڑے ہو گئے، پڑھنے والے نے جب نبی کریم ﷺ کو کھڑے ہوئے دیکھا تو وہ چپ ہو گیا اس وقت آپ ﷺ نے ہمیں سلام کیا اور فرمایا کہ "تم لوگ کیا کر رہے ہو؟ ہم نے عرض کیا کہ "ہم کتاب اللہ سن رہے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا "تمام تعریفیں اس خدا کے لئے ہیں جس نے میری امت میں وہ لوگ پیدا کئے جن کے بارے میں مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ان کے ساتھ بیٹھوں" راوی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (یہ فرما کر) آپ ﷺ ہمارے درمیان بیٹھ گئے (یعنی کسی خاص شخص کے پہلو میں نہیں بیٹھے) تا کہ آپ ﷺ کی ذات اقدس کا تعلق ہمارے سب کے ساتھ یکساں رہے پھر آپ ﷺ نے اپنی انگلی سے اس طرح اشارہ کیا (کہ حلقہ بنا کر بیٹھ جاؤ) سب لوگ حلقہ بنا کر بیٹھ گئے اور ان سب کے منہ آپ ﷺ کی طرف ہو گئے، اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا "اے مہاجرین کے مفلس گروہ: تمہیں خوشخبری ہو اس بات کی کہ قیامت کے دن تمہیں بھرپور نور حاصل ہوگا اور تم دولتمند طبقے سے آدھے دن پہلے جنت میں داخل ہو نگے اور یہ آدھا دن پانچ سو برس کے برابر ہوگا"۔ (ابوداود)

توضیح: "یستتر" یعنی جن کے پاس کپڑا کم ہوتا تھا وہ اپنے ساتھی کے پیچھے چھپ کر بیٹھ جاتا تھا تا کہ اس کا ستر کھل نہ جائے[2] "العری" اس کا مطلب یہ ہے کہ ستر کے مقامات کے علاوہ بدن پر کپڑا نہیں تھا باقی تمام بدن ننگا تھا[3] "ان اصبر نفسی معھم" اس میں سورت کہف کی اس ایت کی طرف اشارہ ہے[4] ﴿واصبر نفسك مع الذين يدعون ربهم﴾[5] الخ۔

"لیعدل بنفسه" یعنی حضور اکرم ﷺ بالکل بیچ میں مساوی ہو کر بیٹھ گئے تا کہ آپ ﷺ کا تعلق ہم سب کے ساتھ مساویانہ ہو۔[6]

---

[1] اخرجه ابوداؤد: ۴/۳۲۲ ح ۳۶۶۶ [2] المرقات: ۴/۶۹۷ [3] المرقات: ۴/۶۹۷
[4] المرقات: ۴/۶۹۸ [5] کهف: ۲۸ [6] المرقات: ۴/۶۹۸

"قال بیدہ" یہ اشارہ کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے[1] "برزت وجوھھم لہ" یعنی اس طرح حلقہ باندھ کر بیٹھ گئے کہ سب کے چہرے حضور اکرم ﷺ کے لئے کھلے تھے[2] "اغنیاء الناس" اس سے صالح مالدار شاکر مراد ہیں اور فقراء سے فقیر صالح وصابر مراد ہیں "بنصف یوم" قیامت کا آدھا دن پانچ سو سال کے برابر ہے اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے[3] ﴿وان یوما عند ربك كالف سنة مما تعدون﴾۔[4]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فقراء صالحین وصابرین کا درجہ قیامت میں صالحین وشاکرین مالداروں سے بڑا ہے کیونکہ مالدار ابھی حساب کی گذرگاہوں میں ہونگے اور فقراء جنت کے مزے لوٹتے ہونگے مالداروں نے دنیا میں خوب مزے لوٹے ہیں غریب دیکھتے رہے۔

اپنی خوش آوازی سے قرآن کو مزین کرو

﴿۱۳﴾ وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَيِّنُوا الْقُرْآنَ بِأَصْوَاتِكُمْ۔ (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَأَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ)[5]

ترجمہ: اور حضرت براء ابن عازب رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "قرآن کو اپنی آواز کے ذریعہ زینت دو"۔ (احمد، ابوداود، ابن ماجہ، دارمی)

توضیح: "زینوا القرآن" یعنی اپنی اچھی آوازوں سے قرآن کو مزید مزین کرو اور جتنا ہو سکے آواز کو اچھی بناؤ تاکہ قرآن عظیم کی عظمت وہیبت برقرار رہے اور سامعین پر اس کا اثر ہو جائے ایسا نہ ہو کہ اس مزین قرآن کو اپنی مکروہ آواز میں اس طرح پیش کرو کہ لوگوں کو اس سے نفرت پیدا ہو ایک اور حدیث میں ہے[6] "ان الصوت الحسن یزید القرآن حسناً"۔[7]

بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہاں قرآن اپنے مصدری معنی میں ہے جو قرأت کے معنی میں ہے یعنی اپنی آوازوں کے ساتھ قراءت کو اچھی بناؤ معلوم ہوا قرآن کو اچھی لحن میں پڑھنا مستحب ہے بشرطیکہ تجوید وترتیل کی پوری رعایت ہو، گانے کی صورت نہ ہو بلکہ لحون عرب میں بلا تکلف ہو علماء نے لکھا ہے کہ اگر قاری چاہتا ہے کہ اس کی آواز خوبصورت بن جائے تو اس کو چاہئے کہ اپنے دل میں خوف خدا پیدا کرے اسی لئے بعض علماء نے یہاں حدیث کے اس کلام کو مقلوب مانا ہے یعنی زینوا القرآن باصواتکم اصل میں اس طرح ہے زینوا اصواتکم بالقرآن۔[8]

---

[1] المرقات: ۴/۶۹۸ [2] المرقات: ۴/۶۹۸ [3] المرقات: ۴/۶۹۸ [4] حج ۴۷ [5] اخرجه الدارمی: ۳۵۰۳

[6] المرقات: ۴/۶۹۹ [7] المرقات: ۴/۶۹۹ [8] المرقات: ۴/۶۹۹

قرآن بھول جانے پر وعید

﴿۱۴﴾ وَعَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنِ امْرِءٍ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ ثُمَّ يَنْسَاهُ إِلَّا لَقِيَ اللّٰهَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَجْذَمَ ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ)[۱]

ترجمہ: اور حضرت سعید ابن عبادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''جو شخص قرآن پڑھ کر بھول جائے تو وہ قیامت کے دن اللہ تبارک وتعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اس کا ہاتھ کٹا ہوا ہوگا''۔ (ابوداود، داری)

توضیح: ''ینساہ'' احناف کے ہاں اس نسیان سے مراد یہ ہے کہ قرآن میں دیکھ کر بھی نہ پڑھ سکے مگر شوافع کے ہاں اس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے اسے یاد تھا پھر بھول گیا اب یاد سے نہیں پڑھ سکتا یا اس کلام کا مطلب یہ ہے کہ اس پر عمل نہیں کرتا ہے قرآن یاد ہو یا بھول گیا ہو۔[۲]

تین دن سے کم میں قرآن کے ختم کا مسئلہ

﴿۱۵﴾ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَمْ يَفْقَهْ مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ فِيْ أَقَلَّ مِنْ ثَلَاثٍ ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ)[۳]

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جس شخص نے تین رات سے کم میں قرآن پڑھا (یعنی ختم کیا) اس نے قرآن کو اچھی طرح نہیں سمجھا''۔ (ابوداود، الترمذی، داری)

توضیح: ''لم یفقه'' یعنی تین دن سے کم میں قرآن کا ختم کیا تو اس شخص نے قرآن کو نہیں سمجھا بعض سلف اس حدیث کے ظاہر کو دیکھ کر اس پر عمل کرتے تھے اور تین دن سے کم میں کبھی قرآن ختم نہیں کرتے تھے بلکہ اس کو مکروہ سمجھتے تھے۔[۴]

علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے تین دن سے کم میں قرآن کا ختم کیا اس نے قرآن کا ظاہری معنی تو سمجھ لیا لیکن قرآن کے حقائق ودقائق سے محروم رہا ہاں حقائق ودقائق کی نفی تو ہے لیکن ثواب کی نفی نہیں ہے ثواب تو ہر صورت میں ملتا ہے۔ بعض علماء نے محاکمہ کی صورت پیدا کر کے فرمایا ہے کہ جو لوگ ماہرین فی القرآن ہیں یہ حکم ان کے لئے نہیں ہے بلکہ یہ حکم غیر ماہرین کے لئے ہے کیونکہ ماہرین میں سے بعض تو ایک رات میں قرآن مکمل پڑھتے تھے اور بعض ایک رات ایک دن میں مکمل پڑھتے تھے بلکہ آج بھی پڑھتے ہیں۔[۵]

---

[۱] اخرجه ابوداؤد: ۲/۷۶ والدارمی: ۳۳۴۳ [۲] المرقات: ۴/۷۰۰ [۳] اخرجه الترمذی: ۵/۱۹۷ وابوداؤد: ۲/۵۵ والدارمی: ۳۴۹۰

[۴] المرقات: ۴/۷۰۱ [۵] المرقات: ۴/۷۰۱ والکاشف: ۴/۳۳۰

صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے اکثر سات دن میں قرآن مکمل پڑھتے تھے اور اس کو "ختم الاحزاب" کہتے تھے چنانچہ قرآن آج بھی سات منزلوں پر مشتمل ہے ایک منزل ایک دن میں ہوا کرتی تھی ان سات منزلوں کی طرف اشارہ "فمی بشوق" میں ہے ان حروف کا پہلا حرف سورت کے نام کا حرف ہے مثلاً ف سے فاتحہ کی طرف اشارہ ہے یہ پہلی منزل ہے ''م'' سے مائدہ کی طرف اشارہ ہے یہ دوسری منزل ہے ''ی'' سے سورت یونس کی طرف اشارہ ہے یہ تیسری منزل ہے ''ب'' سے سورت بنی اسرائیل کی طرف اشارہ ہے یہ چوتھی منزل ہے ''ش'' سے شعراء کی طرف اشارہ ہے یہ پانچویں منزل ہے چھٹی منزل سورۃ الصفت سے ہے نہ کہ سورۃ ص سے سورۃ ص میں والقرآن ذی الذکر ہے اور ''ق'' اس میں والقرآن المجید سے سورۃ قاف کی طرف اشارہ ہے جو ساتویں منزل ہے اور فمی بشوق کا ساتواں حرف ہے۔[1]

یہاں یہ بات بھی جان لینی چاہئے کہ ایک مسلمان کے ذمہ کتنے عرصہ میں قرآن مکمل پڑھنا ضروری ہے؟

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ کم از کم چالیس دن میں ایک بار قرآن مکمل پڑھنا ضروری ہے اس مسلک پر کوئی وزنی دلیل نہیں ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کی تردید کی ہے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا رجحان اس طرف ہے کہ اس میں کوئی تحدید نہیں ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے کہ حافظ کو چاہئے کہ چالیس دن میں ایک بار ختم کر ہی لے نیز یہ بھی لکھا ہے کہ جو شخص سال میں ایک مرتبہ قرآن کا ختم کرے تو وہ ہاجر للقرآن نہیں سمجھا جائے گا یعنی اس نے قرآن کا حق ادا کر دیا ورنہ نہیں۔

قرآن بلند آواز سے پڑھنا افضل ہے یا آہستہ؟

﴿۱۶﴾ وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْجَاهِرُ بِالْقُرْآنِ كَالْجَاهِرِ بِالصَّدَقَةِ وَالْمُسِرُّ بِالْقُرْآنِ كَالْمُسِرِّ بِالصَّدَقَةِ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ)[2]

ترجمہ: حضرت عقبہ ابن عامر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''بآواز بلند قرآن کریم پڑھنے والا شخص ظاہری صدقہ دینے والے کی طرح ہے اور آہستہ قرآن پڑھنے والا شخص چھپا کر صدقہ دینے والے کی طرح ہے''۔ (ترمذی، ابوداود، نسائی) اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

توضیح: ''کالجاھر بالصدقة'' چھپا کر صدقہ دینا ظاہر کر کے صدقہ دینے سے افضل ہے اس حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ قرآن کا آہستہ پڑھنا جھراً پڑھنے سے افضل ہے۔

[1] المرقات: ۴/۶۰۱، ۶۰۲ [2] اخرجه للترمذی: ۵/۱۸۰ وابوداؤد: ۲/۳۹ والنسائی: ۳/۲۲۵ [3] المرقات: ۴/۶۰۲

علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آہستہ قرآن پڑھنے کی فضیلت میں بھی احادیث ہیں اور ظاہری جہر کے ساتھ پڑھنے کی فضیلت میں بھی احادیث ہیں لہٰذا دونوں میں تطبیق اس طرح ہے کہ جس شخص کو ریاکاری کا خطرہ ہو اس کے لئے آہستہ پڑھنا افضل ہے اور جس کو ریاکاری کا خطرہ نہیں اس کے لئے جہر سے پڑھنا افضل ہے بشرطیکہ کسی کو ایذا پہنچنے کا خطرہ نہ ہو۔

دوسری توجیہ یہ ہے کہ اصل اور بنیادی طور پر جہر افضل ہے جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے لیکن عوارض کی وجہ سے آہستہ پڑھنا افضل ہو جاتا ہے۔[1]

جو قرآن پر عمل نہیں کرتا اس نے قرآن نہیں کو مانا

﴿۱۷﴾ وَعَنْ صُهَيْبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا آمَنَ بِالْقُرْآنِ مَنِ اسْتَحَلَّ مَحَارِمَهُ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ لَيْسَ إِسْنَادُهُ بِالْقَوِيِّ)[2]

ترجمہ: اور صہیب رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "وہ شخص قرآن پر ایمان نہیں لایا جو اس کے حرام کو حلال جانے"۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس روایت کی اسناد قوی نہیں ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت

﴿۱۸﴾ وَعَنِ اللَّيْثِ بْنِ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنْ يَعْلَى بْنِ مَمْلَكٍ أَنَّهُ سَأَلَ أُمَّ سَلَمَةَ عَنْ قِرَاءَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا هِيَ تَنْعَتُ قِرَاءَةً مُفَسَّرَةً حَرْفًا حَرْفًا۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْ دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ)[3]

ترجمہ: اور حضرت لیث ابن سعد رضی اللہ عنہ حضرت ابن ابی ملیکہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں اور وہ حضرت یعلی ابن مملک رحمہ اللہ کے بارے میں روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت کے بارے میں پوچھا (کہ آپ قرآن کریم کس طرح پڑھتے تھے؟) حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت کو واضح طور پر اور ایک ایک حرف کر کے بیان کیا"۔ (ترمذیؒ، ابوداودؒ، نسائیؒ)

﴿۱۹﴾ وَعَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَطِّعُ قِرَاءَتَهُ يَقُوْلُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ثُمَّ يَقِفُ ثُمَّ يَقُوْلُ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ثُمَّ

[1] الکاشف: ۴/۳۳۱ [2] اخرجہ الترمذی: ۵/۱۸۰ [3] اخرجہ الترمذی: ۸/۱۸۵ و ابوداود: ۴/۳۶

يَقِفُ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ لَيْسَ اِسْنَادُهُ بِمُتَّصِلٍ لِأَنَّ اللَّيْثَ رَوٰى هٰذَا الْحَدِيْثَ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنْ يَعْلَى بْنِ مَمْلَكٍ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ وَحَدِيْثُ اللَّيْثِ أَصَحُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابن جریج حضرت ابن ملیکہ رضی اللہ عنہ سے اور وہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت علیحدہ علیحدہ ہوتی تھی الحمد للہ رب العالمین پڑھتے اور پھر ٹھہرتے پھر الرحمٰن الرحیم پڑھتے اور ٹھہرتے امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کی سند متصل نہیں ہے کیونکہ اس کا (اصل) سلسلۂ سند یہ ہے، حضرت ابن ملیکہ رضی اللہ عنہ نے نقل کیا حضرت یعلی ابن مملک رحمہ اللہ سے اور انہوں نے نقل کیا حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے (جیسا کہ اس سے پہلی حدیث کا سلسلۂ سند ہے) اور حضرت لیث کی حدیث (جو پہلے گزری) زیادہ صحیح ہے"۔

الفصل الثالث

قرآن محض خوش آوازی کا نام نہیں

عَنْ جَابِرٍ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ نَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَفِيْنَا الْأَعْرَابِيُّ وَالْأَعْجَمِيُّ فَقَالَ اقْرَأُوْا فَكُلٌّ حَسَنٌ وَسَيَجِيْءُ أَقْوَامٌ يُقِيْمُوْنَهُ كَمَا يُقَامُ الْقِدْحُ يَتَعَجَّلُوْنَهُ وَلَا يَتَأَجَّلُوْنَهُ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيْمَانِ)[2]

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان تشریف لائے جب کہ ہم قرآن کریم پڑھ رہے تھے ہم میں دیہاتی لوگ اور عجمی بھی تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا کہ "پڑھو: تم میں سے ہر شخص اچھا پڑھتا ہے (یاد رکھو) ایک ایسی جماعت پیدا ہونے والی ہے جس کے افراد قرآن کریم کو اس طرح سیدھا کریں گے جس طرح تیر سیدھا کیا جاتا ہے اور اس کا بدلہ جلدی (دنیا ہی میں) حاصل کرنا چاہیں گے آخرت کیلئے کچھ نہ چھوڑیں گے"۔ (ابوداود، بیہقی)

توضیح: "العجمی" عرب کے مقابلہ میں غیر عرب سب عجمی کہلاتے ہیں "الاعرابی" اعراب کی طرف منسوب ہے اعراب دیہاتیوں کو کہتے ہیں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا مطلب یہ ہے کہ جس مجلس میں صحابہ رضی اللہ عنہم بیٹھے ہوئے تھے وہاں ہمارے ساتھ کچھ دیہاتی اور کچھ غیر عرب تھے جو تمام قواعد کے ساتھ قرآن نہیں پڑھ سکتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم سب پڑھو سب کی قراءت اچھی ہے کیونکہ غرض آخرت ہے تم نے اگرچہ قراءت میں اپنی زبانوں اور اپنی آوازوں کو آراستہ نہیں کیا ہے مگر اس میں تمہارا کوئی نقصان نہیں تم سے بعد کچھ لوگ آئیں گے جس کے افراد قرآن کو ایسا سیدھا کر کے پڑھیں گے جس طرح تیر سیدھا کیا جاتا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اپنی آوازوں کو اور قرآنی کلمات

[1] اخرجه الترمذی: ۸/۱۸۵ [2] اخرجه ابوداؤد: ۱/۲۱۷

کو مختلف قراءتوں کے ساتھ خوب سنواریں گے اور مخارج کی ادائیگی میں خوب محنت کر کے بہت زیادہ تکلف کریں گے۔ لیکن ان کی یہ سعی آخرت کے لئے نہیں ہوگی بلکہ ساری سعی اپنی شہرت، اپنی عزت، فخر ومباہات اور دنیا کو دکھانے سنانے کے لئے ہوگی اس پر مزید یہ کہ سر سے لیکر پاؤں تک تکبر وغرور میں ڈوبے پڑے ہونگے ان تمام نقائص کے ساتھ ساتھ وہ لوگ معاوضہ بھی وصول کرتے ہونگے چنانچہ آج کل پاکستان میں بڑے بڑے خطیب اس طرف آرہے ہیں افسوس اس پر کہ جو علماء دیوبند کی طرف منسوب ہوتے ہوئے بھی تقریر کرنے سے پہلے معاوضہ مقرر کرتے ہیں اور وہ بھی پندرہ ہزار اس سے قلیل ہو تو دس ہزار ورنہ اقل قلیل چھ ہزار ہے اس سے کم نہیں ایسے ہی لفاظی کرنے والوں اور آخرت کو بھلانے والوں کے بارہ میں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا "یتعجلونه ولا یتأجلونه" یعنی جلدی جلدی ثواب کا معاوضہ لیکر کھائیں گے اور آخرت کے ثواب کا خیال ہی نہیں کریں گے "خسر الدنیا والاخرة ذلك هو الخسران المبین"۔[1]

﴿۲۱﴾ وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِقْرَأُوْا الْقُرْآنَ بِلُحُوْنِ الْعَرَبِ وَأَصْوَاتِهَا وَاِيَّاكُمْ وَلُحُوْنَ أَهْلِ الْعِشْقِ وَلُحُوْنَ أَهْلِ الْكِتَابَيْنِ وَسَيَجِيْئُ بَعْدِيْ قَوْمٌ يُرَجِّعُوْنَ بِالْقُرْآنِ تَرْجِيْعَ الْغِنَاءِ وَالنَّوْحِ لَايُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ مَفْتُوْنَةٌ قُلُوْبُهُمْ وَقُلُوْبُ الَّذِيْنَ يُعْجِبُهُمْ شَأْنُهُمْ. (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ وَرَزِيْنٌ فِيْ كِتَابِهٖ)[2]

ترجمہ: اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "تم قرآن کریم اہل عرب کی طرح اور ان کی آوازوں کے مطابق پڑھو، اہل عشق اور اہل کتاب کے طریقہ کے مطابق پڑھنے سے بچو: میرے بعد ایک جماعت پیدا ہوگی جس کے افراد راگ اور نوحہ کی طرح آواز بنا کر قرآن پڑھیں گے ان کا یہ حال ہوگا کہ قرآن ان کے حلق سے آگے نہیں بڑھے گا (یعنی ان کا پڑھنا قبول نہیں ہوگا) نیز ان کی قرأت سن کر خوش ہونے والوں کے قلوب فتنہ میں مبتلا ہوں گے"۔ (بیہقی، رزین)

توضیح: "لحون عرب" عرب کا لہجہ اور پڑھنے کا طریقہ مراد ہے عرب لوگ کسی تکلیف وتکلف کے بغیر حدر کے انداز میں قرآن پڑھ کر خود بھی فائدہ اٹھاتے ہیں اور دوسرے بھی فائدہ اٹھاتے ہیں اہل عشق اور اہل کتاب کا طریقہ یہ ہے کہ جس طرح شعراء غزلیں گاتے ہیں محفل سجاتے ہیں آواز بنا کر سُر اور ترنم کے ساتھ اور موسیقی وراگ کے انداز میں پڑھتے ہیں تم ان کی طرح قرآن نہ پڑھو ان کے دل فتنہ میں ڈوبے پڑے ہیں جبکہ دنیا ان کے دل ودماغ پر مسلط ہے اور ان کے وہ پیروکار بھی ان کے ساتھ فتنہ میں مبتلا ہونگے جو ان غافل قاریوں کی قرأت کو پسند کرتے ہیں۔[3]

﴿۲۲﴾ وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ حَسِّنُوا الْقُرْآنَ

[1] المرقات: ۴/۷۰۵ [2] اخرجه البیهقی: ۲/۵۴۰ [3] المرقات: ۴/۷۰۶

بِأَصْوَاتِكُمْ فَإِنَّ الصَّوْتَ الْحَسَنَ يَزِيْدُ الْقُرْآنَ حُسْنًا ۔ (رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت براء ابن عازب رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ "قرآن کو اپنی اچھی آواز (یعنی ترتیل وخوش آوازی) کے ساتھ پڑھو کیونکہ اچھی آواز قرآن کا حسن زیادہ کرتی ہے"۔ (دارمی)

خوف خدا رکھنے والے قاری کی آواز سب سے اچھی ہے

﴿۲۳﴾ وَعَنْ طَاؤُسٍ مُرْسَلاً قَالَ سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ النَّاسِ أَحْسَنُ صَوْتًا لِلْقُرْآنِ وَأَحْسَنُ قِرَاءَةً قَالَ مَنْ إِذَا سَمِعْتَهُ يَقْرَأُ أُرِيْتَ أَنَّهُ يَخْشَى اللهَ قَالَ طَاؤُسٌ وَكَانَ طَلْقٌ كَذٰلِكَ ۔ (رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ)[2]

ترجمہ: اور حضرت طاوس رحمۃ اللہ علیہ بطریق ارسال نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ قرآن پڑھنے کے سلسلہ میں از روئے آواز کون شخص سب سے بہتر ہے اور پڑھنے میں بھی (یعنی از روئے ترتیل وادائیگی الفاظ کون شخص سب سے بہتر ہے؟) آپ ﷺ نے فرمایا "وہ شخص کہ جس کو تم پڑھتے ہوئے سنو تو تمہارا گمان ہو کہ وہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے ڈرتا ہے" حضرت طاوس رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت طلق میں یہی بات تھی (کہ قرآن پڑھتے تو محسوس ہوتا کہ خشیت الٰہی ان پر غالب ہے)۔

(دارمی)

توضیح: مطلب یہ ہے کہ ایک شخص جب قرآن پڑھ رہا ہو اور اس کے پڑھنے سے تمہارے دل پر اثر ہو رہا ہو یا اس کی اپنی کیفیت اس طرح ہو جس سے معلوم ہوتا ہو کہ ان پر خوف خدا سوار ہے تو سمجھ لو کہ سب سے اچھی آواز انہی کی ہے معلوم ہوا کہ کوئی شخص اپنی آواز تلاوت کے لئے اچھی بنانا چاہتا ہے تو اس کو چاہئے کہ دل میں خوف خدا پیدا کرے۔ طاوس کہتے ہیں کہ شیخ طلق کی یہی کیفیت تھی صاحب مشکوٰۃ نے ان کو صحابی لکھا ہے واللہ اعلم۔[3]

درسوں اور مدرسوں کے ذریعہ قرآن عام کرو

﴿۲۴﴾ وَعَنْ عُبَيْدَةَ الْمُلَيْكِيِّ وَكَانَتْ لَهُ صُحْبَةٌ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا أَهْلَ الْقُرْآنِ لَا تَتَوَسَّدُوا الْقُرْآنَ وَاتْلُوْهُ حَقَّ تِلَاوَتِهِ مِنْ آنَاءِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَأَفْشُوْهُ وَتَغَنَّوْهُ وَتَدَبَّرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ وَلَا تَعَجَّلُوْا ثَوَابَهُ فَإِنَّ لَهُ ثَوَابًا ۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيْمَانِ)[4]

ترجمہ: اور حضرت عبیدہ ملیکی رضی اللہ عنہ جو آنحضرت ﷺ کے ایک صحابی تھے راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا

[1] اخرجه الدارمی: ۲/۳۱۸ [2] اخرجه الدارمی: ۲/۳۱۷ [3] المرقات: ۲/۷۰۷ [4] اخرجه البیهقی: ۲/۳۵۰

''اے اہل قرآن: قرآن سے تکیہ نہ کرو اور رات ودن میں پڑھتے رہا کرو جیسا کہ اس کو پڑھنے کا حق ہے قرآن کو ظاہر کرو، اسے خوش آوازی کے ساتھ پڑھو جو کچھ اس میں مذکور ہے اس میں غور وفکر کرو تا کہ تمہارا مطلوب (آخرت) حاصل ہو اور اس کا ثواب حاصل ہونے میں جلد بازی نہ کرو (یعنی دنیا ہی میں اس کا اجر حاصل کرنے کی کوشش نہ کرو) کیونکہ آخرت میں اس کا بڑا ثواب ہے''۔ (بیہقی)

توضیح: ''لاتتوسدوا'' اے قرآن پڑھنے والو! قرآن کو تکیہ نہ بناؤ کہ اس پر سر رکھ کر سو جاؤ یا لیٹ کر آرام کرو۔[1]

علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ قرآن پر سہارا دیکر بیٹھنا یا لیٹنا، اس کی طرف پاؤں کرنا، اس پر کوئی چیز رکھنا اس کی طرف پیٹھ کرنا، اس کو روندنا اور اس کو زمین پر پھینکنا یہ سب چیزیں حرام ہیں۔ آج کل عام عرب قرآن کے احترام میں کوتاہی کرتے ہیں حالانکہ حضور اکرم ﷺ نے تورات کے نسخے کا احترام کیا ہے۔ چنانچہ ابوداؤد جلد دوم کتاب الحدود و باب رجم الیہودین ص ۲۵۵ پر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے تورات کو زمین پر نہیں رکھا بلکہ نیچے سے تکیہ اٹھا کر اس پر تورات رکھ دیا حدیث کا عربی متن اس طرح ہے۔[2]

ثم قال ائتونی بالتوراة فاتی بها فنزع الوسادة من تحته ووضع التوراة علیها وفی روایة ووضع الوسادة تعظیما لکتاب الله وقال امنت بك وبمن انزلك ص ۲۵۵

''**حق تلاوته**'' یعنی جیسا کہ اس کی تلاوت کا حق ہے قرآن کی تلاوت کا حق یہ ہے کہ اس کے حروف کی تصحیح کی جائے ٹھہر ٹھہر کر پڑھا جائے اس کے الفاظ کے ساتھ ساتھ اس کے معانی اور اس کی تفسیر کو سمجھا جائے۔[3]

''**وافشوه**'' یعنی درس وتدریس کے ذریعہ سے اس کو عام کرو، اس سے معلوم ہوا کہ قرآن عظیم کو عام کرنا علماء اور مدارس کا کام ہے۔ ''وافشوہ'' افشا سے عام کرنے کے معنی میں ہے۔ شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ درس وتدریس اور تعلیم وتعلم کے ذریعہ سے قرآن کا عام کرنا مراد ہے ظاہر ہے یہ کام قرآن عظیم کے مکاتب یا مدارس یا جید علماء کے مواعظ اور مجالس میں ہوسکتا ہے لہٰذا مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ قرآن کریم کے مکاتب اور اس کے درسوں کو عام کریں ناظرہ ترجمہ اور حفظ وتجوید کا انتظام کریں تبلیغ والوں پر فرض ہے کہ وہ قرآن سمجھنے سمجھانے اور سننے اور سنانے کا اہتمام کریں اور قرآن کی اشاعت اور درس کے راستوں میں رکاوٹ نہ بنیں ورنہ تباہ ہو جائیں گے۔[4]

[1] المرقات: ۴/۷۰۸ [2] المرقات: ۴/۷۰۸ [3] المرقات: ۴/۷۰۸ [4] المرقات: ۴/۷۰۹

باب القرأت وجمع القرآن

وقال الله تعالى ﴿فاقرأوما تيسر من القرآن﴾[1]

مشکوۃ کے عام نسخوں میں یہاں بھی صرف باب لکھا ہوا ہے کوئی عنوان نہیں ہے جس سے اس طرف اشارہ ہے کہ یہ باب بھی ابواب القرآن کے متعلقات میں سے ہے لیکن بعض نسخوں میں اور عام شروحات میں مندرجہ بالا عنوان رکھا ہوا ہے اسی کے متعلق اس باب میں احادیث آئیں گی کہ قرآن عظیم ایک جگہ کس طرح جمع کیا گیا اور کون اس کے لئے باعث بنا تو اس پورے قصے کے پس منظر میں ہے کہ یہ سارا کام حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی کوششوں سے ہوا ہے عہد خلافت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا تھا۔ پھر دور عثمان رضی اللہ عنہ میں اختلاف قراءت کے جھگڑے اٹھ کھڑے ہوئے اس لئے حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کی کوششوں سے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے ایک کمیٹی بنائی اور قرآن عظیم کو صرف لغت قریش پر جمع کرا دیا کیونکہ قرآن ابتداء میں اسی لغت پر اتارا گیا تھا تو یہ قرآن کے الفاظ میں تغیر وتبدل نہیں ہے بلکہ ابتداء میں جس وسعت لغات کی رخصت واجازت تھی اس رخصت کو ختم کر کے امت کو اصل لغت پر جمع فرما دیا اور یہ بہت بڑا کارنامہ تھا جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی قسمت میں آیا۔[2]

الفصل الاول

قرآن کریم سات لغات پر نازل ہوا ہے

﴿۱﴾ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ سَمِعْتُ هِشَامَ بْنَ حَكِيْمِ بْنِ حِزَامٍ يَقْرَأُ سُوْرَةَ الْفُرْقَانِ عَلٰى غَيْرِ مَا أَقْرَأُهَا وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقْرَأَنِيْهَا فَكِدْتُّ أَنْ أَعْجَلَ عَلَيْهِ ثُمَّ أَمْهَلْتُهُ حَتّٰى انْصَرَفَ ثُمَّ لَبَّبْتُهُ بِرِدَائِهِ فَجِئْتُ بِهِ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنِّيْ سَمِعْتُ هٰذَا يَقْرَأُ سُوْرَةَ الْفُرْقَانِ عَلٰى غَيْرِ مَا أَقْرَأْتَنِيْهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْسِلْهُ اِقْرَأْ فَقَرَأَ الْقِرَاءَةَ الَّتِيْ سَمِعْتُهُ يَقْرَأُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰكَذَا أُنْزِلَتْ ثُمَّ قَالَ لِيْ إِقْرَأْ فَقَرَأْتُ فَقَالَ هٰكَذَا أُنْزِلَتْ إِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ أُنْزِلَ عَلٰى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ فَاقْرَأُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَاللَّفْظُ لِمُسْلِمٍ)[3]

ترجمہ: امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک دن جب) میں نے ہشام بن حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ

---

[1] مزمل: ۲۰ [2] المرقات: ۴/۴۳۱ [3] اخرجه البخاري: ۳/۱۹۰ ومسلم: ۱/۳۲۵

کو سنا کہ وہ سورۂ فرقان اس طریقہ کے خلاف پڑھ رہے ہیں جس طریقہ کے مطابق میں پڑھتا تھا اور جس طریقہ سے مجھے رسول کریم ﷺ نے وہ سورۃ پڑھائی تھی تو قریب تھا کہ میں ان کی طرف جھپٹ پڑوں (یعنی قرأت ختم کرنے سے پہلے ہی میں ان سے لڑ پڑوں) مگر پھر میں نے ان کو اتنی مہلت دی کہ وہ پڑھنے سے فارغ ہوئے اس کے بعد میں نے ان کی چادر ان کی گردن میں ڈالی اور انہیں کھینچتا ہوا رسول کریم ﷺ کی خدمت میں لایا اور عرض کیا کہ ''یارسول اللہ'' میں نے ان سے سنا ہے کہ یہ سورۃ فرقان اس طریقہ کے خلاف پڑھتے ہیں جس طریقہ سے آپ ﷺ نے مجھے وہ سورت پڑھائی ہے'' آپ ﷺ نے فرمایا ''عمر: انہیں چھوڑ دو'' پھر ہشام رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم پڑھو: چنانچہ ہشام رضی اللہ عنہ نے اسی طریقہ سے پڑھا جس طریقہ سے میں نے انہیں پڑھتے سنا تھا آنحضرت ﷺ نے (ان کی قرأت سن کر) فرمایا کہ ''یہ سورت اسی طرح اتاری گئی ہے'' پھر مجھ سے فرمایا کہ ''اب تم پڑھو: چنانچہ میں نے پڑھا تو (آپ ﷺ نے میری قرأت بھی سن کر) فرمایا کہ یہ سورۃ اسی طرح اتاری گئی ہے یاد رکھو کہ یہ قرآن سات طریقہ پر اتارا گیا ہے لہٰذا ان میں سے جس طریقہ سے ہو سکے پڑھو''۔ (اس روایت کو بخاری و مسلم نے نقل کیا ہے۔ مگر الفاظ مسلم کے ہیں)

توضیح: عہد نبوی میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت ہشام رضی اللہ عنہ وغیرہ کے درمیان اختلاف قراءت اور اختلاف لغات کی وجہ سے ایک زبردست تنازع پیدا ہو گیا تھا اس حدیث میں اسی کا قصہ ہے[1] **''ان اعجل علیه''** یعنی مجھے تو اتنا طیش آ گیا کہ قریب تھا کہ میں نماز چھوڑ کر ان پر حملہ کرتا لیکن میں نے ضبط سے کام لیا[2] **''لببته''** یعنی نماز سے فارغ ہو کر میں نے ان کی چادر ان کی گردن میں ڈالی اور حضور اکرم ﷺ کی طرف کھینچ لایا[3] **''ارسله''** یعنی اس کو جو تم نے چادر سے کھینچ رکھا ہے اس کو چھوڑ دو۔[4]

''علی سبعة احرف'' حدیث کا یہ ٹکڑا سمجھنا بہت دشوار ہے حتی کے بعض علماء نے اس کو متشابہات میں سے شمار کیا ہے عام علماء کے اس جملہ کے سمجھنے میں ۴۰ اقوال ہیں۔[5]

سب سے آسان توجیہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ احرف حرف کی جمع ہے اور حرف کا اطلاق لغت پر ہوتا ہے۔ حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ قرآن سات لغات پر اترا ہے۔ قرآن کا نزول قریش کی لغت پر ہوا تھا لیکن قریش کے علاوہ عرب کے مشہور چھ قبائل تھے سب کی لغات اور قبائل کے نام یہ ہیں۔

① لغت قریش ② لغت بنو طے ③ لغت بنو تمیم ④ لغت ہوازن ⑤ لغت اہل یمن ⑥ لغت ثقیف ⑦ لغت ھذیل۔

ان سات لغات کے تحت قرآن کا پڑھنا جائز قرار دیا گیا تھا اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہر لغت میں سات لغات جاری تھیں بلکہ مجموعہ قبائل میں جو اختلافی لغات تھیں وہ مجموعی اعتبار سے سات تک پہنچ جاتی تھیں نیز یہ حلال و حرام کا اختلاف نہیں تھا اس حدیث کی پوری تفصیل توضیحات جلد اول ۴۴۰ پر ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔

---

[1] المرقات: ۴/۷۰۹ [2] المرقات: ۴/۷۰۹ [3] المرقات: ۴/۷۰۹ [4] المرقات: ۴/۷۱۰ [5] المرقات: ۴/۷۱۰

﴿۲﴾ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ سَمِعْتُ رَجُلًا قَرَأَ وَسَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ خِلَافَهَا فَجِئْتُ بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرْتُهُ فَعَرَفْتُ فِيْ وَجْهِهِ الْكَرَاهِيَةَ فَقَالَ كِلَاكُمَا مُحْسِنٌ فَلَا تَخْتَلِفُوْا فَإِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمُ اخْتَلَفُوْا فَهَلَكُوْا. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[1]

توضیح: اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو قرآن پڑھتے ہوئے سنا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ آپ کی قرأت اس شخص کی قرأت سے مختلف تھی چنانچہ میں اس شخص کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے صورت حال بیان کی۔ پھر میں نے محسوس کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ اقدس پر ناگواری کے آثار نمایاں ہیں بہرکیف آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم دونوں صحیح اور اچھا پڑھتے ہو (دیکھو) آپس میں اختلاف نہ کرو کیونکہ وہ لوگ جو تم سے پہلے گذر چکے ہیں وہ آپس کے اختلاف کی وجہ سے ہلاک ہوگئے (یعنی وہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کو جھٹلایا کرتے تھے۔) (بخاری)

﴿۳﴾ وَعَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ كُنْتُ فِي الْمَسْجِدِ فَدَخَلَ رَجُلٌ يُصَلِّيْ فَقَرَأَ قِرَاءَةً أَنْكَرْتُهَا عَلَيْهِ ثُمَّ دَخَلَ آخَرُ فَقَرَأَ قِرَاءَةً سِوَى قِرَاءَةِ صَاحِبِهٖ فَلَمَّا قَضَيْنَا الصَّلَاةَ دَخَلْنَا جَمِيْعًا عَلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ إِنَّ هٰذَا قَرَأَ قِرَاءَةً أَنْكَرْتُهَا عَلَيْهِ وَدَخَلَ آخَرُ فَقَرَأَ سِوَى قِرَاءَةِ صَاحِبِهٖ فَأَمَرَهُمَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَرَأَ فَحَسَّنَ شَأْنَهُمَا فَسَقَطَ فِيْ نَفْسِيْ مِنَ التَّكْذِيْبِ وَلَا إِذْ كُنْتُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَلَمَّا رَأٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا قَدْ غَشِيَنِيْ ضَرَبَ فِيْ صَدْرِيْ فَفِضْتُ عَرَقًا وَكَأَنَّمَا أَنْظُرُ إِلَى اللّٰهِ فَرَقًا فَقَالَ لِيْ يَا أُبَيُّ أُرْسِلَ إِلَيَّ أَنِ اقْرَإِ الْقُرْآنَ عَلٰى حَرْفٍ فَرَدَدْتُّ إِلَيْهِ أَنْ هَوِّنْ عَلٰى أُمَّتِيْ فَرَدَّ إِلَيَّ الثَّانِيَةَ إِقْرَأْهُ عَلٰى حَرْفَيْنِ فَرَدَدْتُ إِلَيْهِ أَنْ هَوِّنْ عَلٰى أُمَّتِيْ فَرَدَّ إِلَيَّ الثَّالِثَةَ إِقْرَأْهُ عَلٰى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ وَلَكَ بِكُلِّ رَدَّةٍ رَدَدْتُكَهَا مَسْأَلَةٌ تَسْأَلُنِيْهَا فَقُلْتُ اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِأُمَّتِيْ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِأُمَّتِيْ وَأَخَّرْتُ الثَّالِثَةَ لِيَوْمٍ يَرْغَبُ إِلَيَّ الْخَلْقُ كُلُّهُمْ حَتّٰى إِبْرَاهِيْمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)[2]

ترجمہ: اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) میں مسجد میں تھا کہ ایک شخص وہاں آیا اور نماز پڑھنے لگا اس نے نماز ہی میں یا نماز کے بعد ایسی قرأت پڑھی (یعنی ایسے لہجے میں قرآن شریف پڑھا) کہ میں نے اسے درست نہیں سمجھا پھر ایک اور شخص آیا اور اس نے پہلے شخص کے خلاف طریقہ سے قرأت پڑھی جب ہم سب نماز سے فارغ ہوچکے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس (مسجد ہی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی جگہ یا آپ کے حجرہ مبارک میں) حاضر ہوئے میں نے عرض کیا کہ حضرت اس شخص نے ایسی

[1] اخرجه البخاری: ۳/۱۵۸ [2] اخرجه مسلم: ۱/۳۲۶، ۳۲۷

قرأت پڑھی جسے میں نے درست نہیں سمجھا اس کے بعد یہ دوسرا شخص آیا اس نے پہلے شخص کے خلاف طریقہ سے قرأت پڑھی نبی کریم ﷺ نے یہ سن کر دونوں کو اپنے سامنے قرآن پڑھنے کا حکم دیا ان دونوں نے پڑھا آپ ﷺ نے ان دونوں کی قرأت کی تحسین وتوثیق کی یہ دیکھ کر میرے دل میں اس بات کی تکذیب کا وسوسہ پیدا ہو گیا ایسا وسوسہ اور شبہ جو ایام جاہلیت میں پیدا نہیں ہوا تھا جب آنحضرت ﷺ نے میری یہ کیفیت دیکھی جو مجھ پر طاری تھی تو آپ ﷺ نے اپنا دست مبارک میرے سینے پر مارا (تا کہ اس کی برکت سے وسوسہ ختم ہو جائے) چنانچہ میں پسینہ پسینہ ہو گیا اور خوف کی وجہ سے میری ایسی حالت ہو گئی کہ گویا میں خدا کو دیکھ رہا ہوں اس کے بعد آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ ابی: جب قرآن نازل ہوا تو میرے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ یہ حکم بھیجا گیا کہ میں ایک طریقہ (یعنی ایک قرأت یا ایک لغت پر) قرآن پڑھوں میں نے بارگاہ الوہیت میں درخواست پیش کی کہ میری امت پر آسانی فرمائی جائے (بایں طور کہ ایک ہی قرأت میں قرآن پڑھنا مشکل ہے اس لئے کئی قرأتوں کے مطابق پڑھنے کی اجازت دی جائے تا کہ آسانی ہو) چنانچہ دوسری مرتبہ مجھے یہ حکم دیا گیا کہ میں دو قرأتوں پر قرآن پڑھوں: میں نے پھر درخواست پیش کی کہ میری امت کو مزید آسانی عطا فرمائی جائے چنانچہ تیسری مرتبہ مجھے یہ حکم دیا گیا کہ میں قرآن کریم کو سات طریقوں سے پڑھوں اور یہ بھی فرمایا گیا کہ جتنی مرتبہ ہم نے آپ کو حکم دیا ہے اتنی ہی مرتبہ آپ ہم سے دعاء مانگئے ہم اسے قبول کریں گے چنانچہ میں نے بارگاہ الوہیت میں دو مرتبہ یہ دعا کی "اے اللہ میری امت میں سے کبیرہ گناہ کرنے والوں کو بخش دے اے اللہ میری امت میں سے صغیرہ گناہ کرنے والوں کو بخش دے۔ اور تیسری دعاء میں نے اس دن کے لئے رکھ چھوڑی ہے جس دن مخلوق مجھ سے سفارش وشفاعت کی خواہش کرے گی یہاں تک کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی مجھ سے شفاعت کی خواہش کریں گے۔ (مسلم)

توضیح "فسقط" یعنی میرے دل میں تکذیب کا ایسا وسوسہ پیدا ہو گیا کہ جاہلیت میں بھی اس طرح وسوسہ نہیں آیا تھا کہ آیا یہ دین سچا ہے یا نہیں [1] **"قد غشینی"** یعنی جو کیفیت مجھ پر طاری تھی [2] **"ففضت عرقا"** یعنی میں پسینہ پسینہ ہو گیا یہ آنحضرت ﷺ کی طرف سے توجہ ڈالنے کا اثر تھا۔ [3]

"بکل ردة" یعنی جتنی مرتبہ تیرا سوال آیا ہے اور ہم نے جواب دیا ہے ہر مراجعہ پر ایک سوال قبول کیا جائے گا حضور اکرم ﷺ نے دو سوال تو امت کی مغفرت کے لئے مانگے اور تیسرا سوال قیامت کے دن کے لئے چھوڑ دیا جہاں حضور اکرم ﷺ تمام انسانوں کے حساب کتاب شروع کرنے کی شفاعت فرمائیں گے جسے شفاعت کبریٰ کہتے ہیں۔ [4]

سات لغات کی اجازت کا تعلق حلال وحرام سے نہیں

﴿۴﴾ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَقْرَأَنِيْ جِبْرِيْلُ عَلٰى حَرْفٍ فَرَاجَعْتُهُ فَلَمْ أَزَلْ أَسْتَزِيْدُهُ وَيَزِيْدُنِيْ حَتّٰى انْتَهٰى اِلٰى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ بَلَغَنِيْ أَنَّ تِلْكَ السَّبْعَةَ الْأَحْرُفَ اِنَّمَا هِيَ فِي الْأَمْرِ تَكُوْنُ وَاحِدًا لَا تَخْتَلِفُ فِيْ حَلَالٍ وَلَا حَرَامٍ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ) [5]

[1] المرقات: ۴/۷۱۴ [2] المرقات: ۴/۷۱۶ [3] المرقات: ۴/۷۱۶ [4] المرقات: ۴/۷۱۷ [5] اخرجه البخاری: ۴/۱۳۷ ومسلم: ۱/۳۲۶

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ''حضرت جبرئیل علیہ السلام نے پہلی مرتبہ مجھے ایک قرأت پر قرآن پڑھایا پھر میں نے اپنی امت کی آسانی کے لئے خدا کی طرف مراجعت کی اور میں آسانی میں برابر زیادتی طلب کرتا رہا جس کے نتیجہ میں مجھے زیادہ آسانی حاصل ہوتی رہی یہاں تک کہ سات قرأتوں تک نوبت پہنچ گئی اور یہ آخری فیصلہ دے دیا گیا کہ قرآن کریم سات لغات پر پڑھا جاسکتا ہے۔ اس حدیث کے راوی حضرت ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ (تابعی) کہتے ہیں کہ یہ بات مجھ تک تحقیقی طور پر پہنچی ہے کہ قرأت کے یہ سات طریقے دینی احکام وامور میں متفق ومتحد ہیں حلال وحرام میں ان سے کوئی اختلاف واقع نہیں ہوتا''۔ (بخاری ومسلم)

الفصل الثانی

﴿۵﴾ عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ لَقِيَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جِبْرِيْلَ فَقَالَ يَا جِبْرِيْلُ إِنِّيْ بُعِثْتُ إِلٰى أُمَّةٍ أُمِّيِّيْنَ مِنْهُمُ الْعَجُوْزُ وَالشَّيْخُ الْكَبِيْرُ وَالْغُلَامُ وَالْجَارِيَةُ وَالرَّجُلُ الَّذِيْ لَمْ يَقْرَأْ كِتَابًا قَطُّ قَالَ يَا مُحَمَّدُ إِنَّ الْقُرْآنَ أُنْزِلَ عَلٰى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ.

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ، وَفِيْ رِوَايَةٍ لِأَحْمَدَ وَأَبِيْ دَاوُدَ قَالَ لَيْسَ مِنْهَا إِلَّا شَافٍ كَافٍ، وَفِيْ رِوَايَةٍ لِلنَّسَائِيِّ قَالَ إِنَّ جِبْرِيْلَ وَمِيْكَائِيْلَ أَتَيَانِيْ فَقَعَدَ جِبْرِيْلُ عَنْ يَمِيْنِيْ وَمِيْكَائِيْلُ عَنْ يَسَارِيْ فَقَالَ جِبْرِيْلُ اِقْرَأِ الْقُرْآنَ عَلٰى حَرْفٍ قَالَ مِيْكَائِيْلُ اسْتَزِدْهُ حَتّٰى بَلَغَ سَبْعَةَ أَحْرُفٍ فَكُلُّ حَرْفٍ شَافٍ كَافٍ)[1]

ترجمہ: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے ملاقات کی اور ان سے فرمایا کہ جبریل: میں ایک ناخواندہ قوم کی طرف بھیجا گیا ہوں میری قوم میں بوڑھی عورتیں اور بڑے بوڑھے مرد ہیں لڑکے اور لڑکیاں ہیں اور اس قوم میں ایسا شخص بھی ہے جس نے کبھی کوئی کتاب نہیں پڑھی'' حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا اے محمد ﷺ: قرآن کریم سات طرح پر اتارا گیا ہے لہٰذا جسے جو قرأت آسان معلوم ہو اس کے مطابق قرآن کریم پڑھے۔ (ترمذی) اور احمد وابوداود کی روایت میں ہے کہ ''حضرت جبرئیل علیہ السلام نے (لفظ احرف کے بعد آخر میں) یہ بھی کہا کہ ''ان سات میں سے ہر قرأت شافی ہے (یعنی کفر وشرک اور ظلم وجہل کے روگ کو دفع کرتی ہے) اور کافی ہے (یعنی نبی کی صداقت دین اسلام کی حفاظت اور منکرین دین کے رد کے لئے کافی ہے) نسائی کی روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جبرئیل علیہ السلام ومیکائیل علیہ السلام میرے پاس آئے جبرئیل علیہ السلام تو میری داہنی طرف بیٹھ گئے اور میکائیل علیہ السلام میری بائیں طرف بیٹھ گئے اس کے بعد جبریل علیہ السلام نے کہا کہ ''ایک قرأت کے مطابق قرآن پڑھو۔ یہ سن کر میکائیل علیہ السلام نے مجھ سے کہا کہ ''ایک قرأت سے زیادہ طلب کیجئے (یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ سے درخواست کیجئے کہ اور قرأتوں کے مطابق بھی پڑھنے کا حکم دیا جائے یا جبریل علیہ السلام سے کہئے کہ اس کے بارے میں اللہ تبارک وتعالیٰ سے عرض کر کے آسانی دلائیں چنانچہ میں زیادتی کرتا رہا اور مجھے زیادہ قرأتوں کی اجازت حاصل ہوتی رہی) یہاں تک کہ سات قرأتوں تک نوبت پہنچ گئی لہٰذا ان میں سے ہر قرأت شافی اور کافی ہے''۔

[1] اخرجه الترمذی: ۵/۱۹۴ واحمد: ۵/۱۱۴ وابوداؤد: ۲/۷۷

قرآن عظیم کو بھیک مانگنے کا ذریعہ نہ بناؤ

﴿۶﴾وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ أَنَّهُ مَرَّ عَلَى قَاصٍّ يَقْرَأُ ثُمَّ يَسْأَلُ فَاسْتَرْجَعَ ثُمَّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ فَلْيَسْأَلِ اللهَ بِهٖ فَإِنَّهُ سَيَجِيْئُ أَقْوَامٌ يَقْرَؤُوْنَ الْقُرْآنَ يَسْأَلُوْنَ بِهِ النَّاسَ۔ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ[1]

ترجمہ: اور حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ وہ ایک مرتبہ ایک قصہ گو کے پاس سے گزرے جو قرآن کریم پڑھتا تھا اور لوگوں سے بھیک مانگتا تھا حضرت عمران رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر انتہائی تکلیف کے ساتھ کہا انا للہ وانا الیہ راجعون (کیونکہ یہ بدعت اور علامات قیامت میں سے ہے) اور پھر انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص قرآن پڑھے تو اسے چاہیئے کہ وہ اس کے ذریعہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہی سے مانگے اور وہ وقت آنے والا ہے جب لوگ قرآن کریم پڑھیں گے اور اس کے ذریعہ دوسروں کے آگے دست سوال دراز کریں گے۔ (احمد وترمذی)

توضیح: ''فلیسأل اللہ''، یعنی قرآن عظیم اللہ تبارک وتعالیٰ کی بڑی عظیم الشان کتاب ہے اس کے پڑھتے پڑھنے اور برکات حاصل کرنے کے بعد اس کی عظمت کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے سوال کیا جائے کیونکہ تلاوت کے بعد سوال قبول ہوتا ہے۔[2]

''یسألون به الناس''، یعنی اتنی بڑی کتاب اور اتنی عظیم کلام کو حقیر اور ذلیل دنیا کے حصول کا ذریعہ نہ بناؤ اگر دنیا بھی مانگنا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ سے مانگو لوگوں سے نہ مانگو یہ خود انسانی عظمت وشرافت کے خلاف ہے کہ ایک انسان اپنے جیسے محتاج انسان کے سامنے دست سوال دراز کرے وہ خود محتاج ہے وہ تمہیں کیا دیگا۔[3]

تلاوت کے درمیان اللہ تبارک وتعالیٰ سے مانگنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ جب آدمی رحمت کی آیت پر آجائے تو جنت کا سوال کرے اور جب عذاب کی آیت پر آجائے تو جہنم سے بچنے کا سوال کرے۔

﴿۷﴾عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ يَتَأَكَّلُ بِهِ النَّاسَ جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَوَجْهُهُ عَظْمٌ لَيْسَ عَلَيْهِ لَحْمٌ۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيْمَانِ)[4]

ترجمہ: حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص قرآن کریم اس لئے پڑھے کہ اس کے ذریعہ لوگوں سے کمائے (یعنی قرآن کریم کو دنیاوی فائدہ کے لئے وسیلہ بنائے) تو وہ قیامت کے دن اس حالت میں اٹھ کر آئے گا کہ اس کا چہرہ صرف ہڈی ہوگا اس پر گوشت نہیں ہوگا'' (بیہقی)

[1] اخرجه احمد: ۴/۴۳۲ والترمذی: ۵/۱۷۹ [2] المرقات: ۴/۷۲۱ [3] المرقات: ۴/۷۲۱ [4] اخرجه البیهقی: ۲/۵۳۲

بسم اللہ قرآن کی ایک آیت ہے جو فصل کے لئے آئی ہے

﴿۸﴾وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَعْرِفُ فَصْلَ السُّوْرَةِ حَتّٰى يَنْزِلَ عَلَيْهِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک سورۃ سے دوسری سورۃ کا فرق نہیں کر پاتے تھے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نازل ہوئی''۔ (ابوداود)

قرآن کی تکذیب شرابی لوگ کرتے ہیں

﴿۹﴾وَعَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ كُنَّا بِحِمْصَ فَقَرَأَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ سُوْرَةَ يُوْسُفَ فَقَالَ رَجُلٌ مَا هٰكَذَا أُنْزِلَتْ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ وَاللّٰهِ لَقَرَأْتُهَا عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَحْسَنْتَ فَبَيْنَا هُوَ يُكَلِّمُهُ إِذْ وَجَدَ مِنْهُ رِيْحَ الْخَمْرِ فَقَالَ أَتَشْرَبُ الْخَمْرَ وَتُكَذِّبُ بِالْكِتَابِ فَضَرَبَهُ الْحَدَّ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ[2]

ترجمہ: اور حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم ''حمص'' میں (کہ جو ایک شہر کا نام ہے) مقیم تھے وہیں ایک مرتبہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے سورۃ یوسف کی قرأت کی تو ایک شخص نے ان کی قرأت سن کر کہا کہ یہ سورۃ اس طرح نازل نہیں کی گئی ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: خدا کی قسم: میں نے یہ سورۃ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پڑھی ہے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سن کر فرمایا کہ تم نے خوب پڑھا'' وہ شخص جب حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے گفتگو کر رہا تھا تو اچانک حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کے منہ سے آتی ہوئی شراب کی بو محسوس کی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا کہ تم شراب پیتے ہو؟ اور اس پر طرہ یہ کہ قرآن کریم کو جھٹلاتے بھی ہو'' پھر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس پر حد جاری کی یعنی شراب پینے کی سزا کے طور پر اسے کوڑے مارے۔ (بخاری مسلم)

توضیح: سوال حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت دو حالتوں سے خالی نہیں ہوگی یا یہ قرأت مشہورہ ہوگی تو اس پر یہ اعتراض ہے کہ جب اس شخص نے قرآن کریم کی مشہور قرأت پر اعتراض کیا تو اس سے وہ کافر ہو گیا اس لئے وہ واجب القتل تھا کیونکہ ارتداد کی سزا قتل ہے اور اگر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت شاذہ تھی تو اس کے انکار پر اس شخص کی طرف تکذیب کتاب اللہ کی نسبت نہیں کرنی چاہئے تھی حالانکہ ان کی طرف یہی نسبت کی گئی ہے؟[3]

جواب: س سوال کا جواب یہ ہے کہ اس شخص نے قرأت مشہورہ کا انکار نہیں کیا تھا بلکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے شائد کوئی شاذ قرأت کی تلاوت فرمائی تھی اس کے لہجے اور ادائیگی کلمات پر اس شخص نے اعتراض کیا تھا حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے تغلیظا وتشدیداً اس کی نسبت تکذیب کتاب اللہ کی طرف کردی یہی جواب علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے دیا ہے

[1] اخرجہ ابوداؤد: ۱/۲۰۷ [2] اخرجہ البخاری: ۶/۲۲۰ ومسلم: ۱/۳۲۰، ۳۲۱ [3] المرقات: ۴/۷۲۳ الکاشف: ۴/۳۵۷

اور یہی زیادہ راجح ہے تاہم یہ ایک تاویل ہے۔ اگر یہاں یہ کہا جائے کہ اس شخص نے اگرچہ قرأت مشہورہ پر اعتراض کیا تھا لیکن اپنی جہالت اور لاعلمی کی وجہ سے کیا تھا یا کچھ اشتباہ کی بنیاد پر کیا تھا جس کی وجہ سے بطور تعزیر ان پر کوڑوں کی سزا جاری کردی گئی اور ارتداد کی سزا نہیں دی گئی یہ جواب ظاہری حدیث سے زیادہ موافق ہے اگرچہ میں نے کسی شرح میں نہیں دیکھا۔ بہرحال اس حدیث سے آج کل منافق حکمرانوں کا نقشہ کھل کر سامنے آتا ہے جو شراب پی کر اسلام کے کسی حکم پر اعتراض کرتے ہیں۔[1]

خدا کو کیا منہ دکھاؤ گے ظالم شرم تم کو مگر آتی نہیں

اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ منہ سے شراب کی بدبو باعث حد خمر ہے علماء کا ایک طبقہ اسی طرف گیا ہے ائمہ احناف اور شوافع کے ہاں صرف منہ کی بو ثبوت حد کے لئے کافی نہیں ہے کیونکہ کچھ چیزیں ایسی بھی ہیں جو شراب نہیں ہیں لیکن اس کے کھانے کے بعد منہ سے شراب کی بدبو آتی ہے جیسے کیلا وغیرہ ہے۔

اس حدیث کا جواب ان حضرات کی طرف سے یہ ہوسکتا ہے کہ ممکن ہے اس شخص نے اعتراف جرم کیا ہو یا یہ بھی ممکن ہے کہ منہ کی بدبو کے علاوہ دیگر علامات بھی موجود ہوں جو موجب حد خمر تھیں۔[2]

قرآن عظیم جمع کرنے کی ابتدا کیسی ہوئی؟

﴿۱۰﴾ وَعَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ أَرْسَلَ إِلَيَّ أَبُوْبَكْرٍ مَقْتَلَ أَهْلِ الْيَمَامَةِ فَإِذَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ عِنْدَهُ قَالَ أَبُوْبَكْرٍ إِنَّ عُمَرَ أَتَانِيْ فَقَالَ إِنَّ الْقَتْلَ قَدِ اسْتَحَرَّ يَوْمَ الْيَمَامَةِ بِقُرَّاءِ الْقُرْآنِ وَإِنِّيْ أَخْشَى أَنِ اسْتَحَرَّ الْقَتْلُ بِالْقُرَّاءِ بِالْمَوَاطِنِ فَيَذْهَبَ كَثِيْرٌ مِنَ الْقُرْآنِ وَإِنِّيْ أَرٰى أَنْ تَأْمُرَ بِجَمْعِ الْقُرْآنِ قُلْتُ لِعُمَرَ كَيْفَ تَفْعَلُ شَيْئًا لَمْ يَفْعَلْهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ عُمَرُ هٰذَا وَاللّٰهِ خَيْرٌ فَلَمْ يَزَلْ عُمَرُ يُرَاجِعُنِيْ حَتّٰى شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرِيْ لِذٰلِكَ وَرَأَيْتُ فِيْ ذٰلِكَ الَّذِيْ رَأٰى عُمَرُ قَالَ زَيْدٌ قَالَ أَبُوْبَكْرٍ إِنَّكَ رَجُلٌ شَابٌّ عَاقِلٌ لَا نَتَّهِمُكَ وَقَدْ كُنْتَ تَكْتُبُ الْوَحْيَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَتَبَّعِ الْقُرْآنَ فَاجْمَعْهُ فَوَاللّٰهِ لَوْ كَلَّفُوْنِيْ نَقْلَ جَبَلٍ مِنَ الْجِبَالِ مَا كَانَ أَثْقَلَ عَلَيَّ مِمَّا أَمَرَنِيْ بِهِ مِنْ جَمْعِ الْقُرْآنِ قَالَ قُلْتُ كَيْفَ تَفْعَلُوْنَ شَيْئًا لَمْ يَفْعَلْهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ هُوَ وَاللّٰهِ خَيْرٌ فَلَمْ يَزَلْ أَبُوْبَكْرٍ يُرَاجِعُنِيْ حَتّٰى شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرِيْ لِلَّذِيْ شَرَحَ لَهُ صَدْرَ أَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ فَتَتَبَّعْتُ الْقُرْآنَ أَجْمَعُهُ مِنَ الْعُسُبِ وَاللِّخَافِ وَصُدُوْرِ الرِّجَالِ حَتّٰى وَجَدْتُ آخِرَ سُوْرَةِ

---

[1] المرقات: ۴/۶۲۳ الکاشف: ۴/۳۵۷ [2] المرقات: ۴/۶۲۳

التَّوْبَةِ مَعَ أَبِي خُزَيْمَةَ الْأَنْصَارِيِّ لَمْ أَجِدْهَا مَعَ أَحَدٍ غَيْرِهِ لَقَدْ جَاءَ كُمْ رَسُوْلٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ حَتّٰى خَاتِمَةِ بَرَاءَةَ فَكَانَتِ الصُّحُفُ عِنْدَ أَبِي بَكْرٍ حَتّٰى تَوَفَّاهُ اللّٰهُ ثُمَّ عِنْدَ عُمَرَ حَيَاتَهُ ثُمَّ عِنْدَ حَفْصَةَ بِنْتِ عُمَرَ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ) [1]

ترجمہ: اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جن دنوں اہل یمامہ کا قتل ہوا انہیں دنوں کی بات ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کسی شخص کو میرے پاس مجھے بلانے کے لئے بھیجا میں ان کے پاس حاضر ہوا وہاں پہنچ کر میں کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے ہیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا کہ عمر ''میرے پاس آئے ہیں اور کہتے ہیں کہ قرآن کے قاریوں کی شہادت کا حادثہ یمامہ کے دن گرم ہوگیا (یعنی یمامہ کی لڑائی میں بہت سے قاری شہید ہوگئے ہیں) مجھے خدشہ ہے کہ اگر اسی کثرت سے مختلف جنگوں میں قاریوں کی شہادت ہوتی رہی تو قرآن کا بہت بڑا حصہ جاتا رہے گا لہٰذا مجھے اسی میں بہتری اور مصلحت نظر آتی ہے کہ آپ قرآن کو جمع کرنے کا حکم دے دیں (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ (میں نے یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم اس کام کو کس طرح کرو گے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ خدا کی قسم: اس کام میں بھلائی اور بہتری ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے اس مسئلہ میں برابر مجھ سے گفتگو کی یہاں تک کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کام (یعنی قرآن کو جمع کرنے) کے لئے میرا سینہ کھول دیا۔ اور مجھے بھی اس میں وہی مصلحت نظر آئی جو عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھی ہے حضرت زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا کہ تم ایک سمجھ دار نوجوان مرد ہو (تمہاری نیک بختی اور سعادت کی وجہ سے قرآن کو جمع کرنے اور نقل کرنے کے سلسلہ میں جھوٹ وغیرہ کا) تم پر کوئی اتہام نہیں لگا سکتا کیونکہ تم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی لکھا کرتے تھے۔ لہٰذا تم قرآن کو تلاش کرو اور اس کو (مصحف) میں جمع کرو''۔ (حضرت زید رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ) خدا کی قسم: اگر پہاڑوں میں سے کسی پہاڑ کو اٹھا کر منتقل کرنے کی خدمت میرے سپرد کی جاتی تو یہ خدمت میرے لئے اس خدمت سے زیادہ سخت اور بھاری نہ ہوتی جو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قرآن جمع کرنے کی میرے سپرد فرمائی تھی۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ بہرکیف میں نے یہ حکم سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ آپ وہ کام کس طرح کریں گے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا خدا کی قسم: اس کام میں بھلائی اور بہتری ہے'' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مجھ سے اس سلسلہ میں برابر گفتگو کرتے رہے یہاں تک کہ اس کام کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے میرا بھی سینہ اس طرح کھول دیا جس طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا سینہ کھولا تھا۔ چنانچہ میں نے قرآن کو تلاش کرنا شروع کیا اس طرح کہ میں اس کو جمع کرتا تھا۔ کھجور کی شاخوں میں سے سفید پتھروں میں سے اور لوگوں میں سے (یعنی حافظوں کے سینوں میں سے) یہاں تک کہ میں نے سورۃ توبہ کا آخری حصہ ابوخزیمہ انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس پایا اور یہ حصہ مجھے ان کے سوا اور کسی کے پاس سے نہیں ملا اور وہ حصہ یہ ہے **لقد جاء کم رسول من انفسکم** آخر سورۂ برأت تک (وہ صحیفے جو میں نے جمع اور نقل کئے تھے) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس

[1] اخرجه البخاری: ۶/۸۵

ان کی وفات تک رہے پھر ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ان کی زندگی تک رہے اور پھر ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس رہے''۔ (بخاری)

توضیح ''مقتل اهل اليمامة'' بلاد حجاز میں ایک جگہ کا نام یمامہ ہے یہاں پر مسیلمہ کذاب نے جھوٹی نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور اپنے ساتھ چالیس ہزار جنگجوؤں کو اکٹھا کر رکھا تھا جن کا تعلق قبیلہ بنو حنیفہ سے تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں یہ فتنہ خطرناک صورت حال اختیار کر گیا اس لئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی سپہ سالاری میں ایک لشکر یمامہ کی طرف روانہ کر دیا یمامہ میں حق و باطل کے سخت ترین معرکے ہوئے خصوصاً حدیقۃ الموت کی جنگ ایک تباہ کن جنگ تھی مضبوط قلعہ کے اندر مسیلمہ اور اس کے سپاہی چھپے ہوئے تھے اور مسلمانوں پر حملے کرتے تھے آخر کار مسلمان اس قلعہ میں داخل ہو گئے اور اندر جنگ شروع ہوگئی بیس ہزار انسان اس قلعہ میں مارے گئے جس کا نام حدیقۃ الموت پڑ گیا۔ یمامہ کے ان معرکوں میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے چیدہ چیدہ سات سو یا بارہ سو قاری شہید ہو گئے اسی سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو خطرہ لاحق ہو گیا کہ اگر اسلام کی مختلف جنگوں میں قرآن کریم کے حفاظ اسی طرح شہید ہوتے گئے تو ان کے چلے جانے سے ان کے سینوں میں محفوظ قرآن بھی چلا نہ جائے اور قرآن کو نقصان نہ پہنچ جائے اس خطرہ کے پیش نظر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ بات رکھی کہ اب قرآن عظیم کو ایک جگہ اکٹھا کرنا چاہئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا اس مسئلہ میں کافی بحث و مباحثہ ہوا جس کا ذکر زیر بحث حدیث میں ہے جب حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا سینہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کام کے لئے کھولدیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے قابل اعتماد اور قابل استعداد صحابی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو بلایا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور اپنا پورا مکالمہ ان کے سامنے رکھا انہوں نے بھی کافی بحث و مباحثہ کیا لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کا سینہ بھی اس کام کے لئے کھولدیا اس طرح انہوں نے مختلف مواضع سے لکھا ہوا قرآن اکٹھا فرمایا جو پتھروں، لکڑیوں اور کھجوروں کی چھالوں اور ہڈیوں پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لکھا ہوا تھا اور حفاظ قراء کے سینوں میں محفوظ تھا، حضرت زید رضی اللہ عنہ نے صرف اس طرح نہیں کیا کہ جہاں جس نے بتا دیا کہ یہ قرآن ہے اس کو جمع کر دیا بلکہ آپ نے پوری تحقیق کی تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کی تصدیق بھی کی پھر بھی ہر آیت پر دو گواہ قائم ہونے کے بعد قبول کیا ۲۳ سال تک صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کو قرآن اور غیر قرآن کا مکمل تجربہ ہو چکا تھا اور حافظوں کے سینوں میں جو محفوظ تھا اس سے موازنہ کروا کر تب لکھا، جس پر اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم قائم ہو گیا جس کو قطعیت کا اعلیٰ مقام حاصل ہو گیا یہاں قرآن کے بارہ میں کوئی شبہ اس لئے بھی متوجہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کتاب کی حفاظت کی ذمہ داری خود اپنے ذمہ لے لی ہے انسان نے تو انسانی حد تک حفاظت کی کوشش کی ہے اصل حفاظت کا اعلان تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے پہلے ہو چکا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے چار صحابہ رضی اللہ عنہم نے

کامل قرآن یاد کیا تھا ① حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ انصاری ② حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ ③ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ④ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ۔ [1]

زیر بحث حدیث میں ہے کہ حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کے پاس سورۃ توبہ کی آخری ایت مجھ کو مل گئی، اس پر یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ یہاں تو ایک آدمی کی گواہی سے ایت قبول کی گئی اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ اکیلے کی گواہی حضور اکرم ﷺ نے دو آدمیوں کے برابر قرار دیا تھا۔ ملاعلی قاری رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب رجم کی آیت لے آئے تا کہ اس کو لکھ لیا جائے تو حضرت زید رضی اللہ عنہ نے دوسرے گواہ نہ ہونے کی وجہ سے اس کے لکھنے سے انکار فرمادیا، اس طرح قرآن عظیم کے چند متفرق کا پیاں تیار ہوگئیں جو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس تھیں پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسے منگوالیا اور اس کو ایک لغت پر لکھوا کر چند نسخے تیار کردیئے اور مختلف ممالک میں بھیجدیئے جیسا کہ آئندہ حدیث میں آرہا ہے۔ [2]

"**العُسُب**" یہ **عسیب** کی جمع ہے کھجور کی شاخ کو کہتے ہیں۔ [3]

"**اللخاف**" یہ لَخْفَةٌ کی جمع ہے جس میں خا پر کسرہ ہے اور لام پر فتحہ ہے سفید پتھر کو کہتے ہیں بعض روایات میں رقاع جمع رقعۃ بھی آیا ہے جو ٹکڑوں کے معنی میں ہے چونکہ اس زمانہ میں کاغذ نہیں تھا اس لئے ان چیزوں پر قرآن لکھا گیا۔ [4]

حضرت عثمان کے زمانہ میں قرآن کس طرح جمع ہوا؟

﴿۱۱﴾ وَعَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ حُذَيْفَةَ ابْنَ الْيَمَانِ قَدِمَ عَلَى عُثْمَانَ وَكَانَ يُغَازِيْ أَهْلَ الشَّامِ فِيْ فَتْحِ أَرْمِيْنِيَّةَ وَآذَرْبِيْجَانَ مَعَ أَهْلِ الْعِرَاقِ فَأَفْزَعَ حُذَيْفَةَ إِخْتِلَافُهُمْ فِي الْقِرَاءَةِ فَقَالَ حُذَيْفَةُ لِعُثْمَانَ يَاأَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ أَدْرِكْ هٰذِهِ الْأُمَّةَ قَبْلَ أَنْ يَخْتَلِفُوْا فِي الْكِتَابِ إِخْتِلَافَ الْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى فَأَرْسَلَ عُثْمَانُ إِلٰى حَفْصَةَ أَنْ أَرْسِلِيْ إِلَيْنَا بِالصُّحُفِ نَنْسَخُهَا فِي الْمَصَاحِفِ ثُمَّ نَرُدُّهَا إِلَيْكِ فَأَرْسَلَتْ بِهَا حَفْصَةُ إِلٰى عُثْمَانَ فَأَمَرَ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ وَعَبْدَاللّٰهِ بْنَ الزُّبَيْرِ وَسَعِيْدَ بْنَ الْعَاصِ وَعَبْدَاللّٰهِ بْنَ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ فَنَسَخُوْهَا فِي الْمَصَاحِفِ وَقَالَ عُثْمَانُ لِلرَّهْطِ الْقُرَشِيِّيْنَ الثَّلَاثِ إِذَا اخْتَلَفْتُمْ أَنْتُمْ وَزَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ فِيْ شَيْءٍ مِنَ الْقُرْآنِ فَاكْتُبُوْهُ بِلِسَانِ قُرَيْشٍ فَإِنَّمَا نَزَلَ بِلِسَانِهِمْ فَفَعَلُوْا حَتّٰى إِذَا نَسَخُوا الصُّحُفَ فِي الْمَصَاحِفِ رَدَّ عُثْمَانُ الصُّحُفَ إِلٰى حَفْصَةَ وَأَرْسَلَ إِلٰى كُلِّ أُفُقٍ بِمُصْحَفٍ مِمَّا نَسَخُوْا وَأَمَرَ بِمَا سِوَاهُ مِنَ الْقُرْآنِ فِيْ كُلِّ صَحِيْفَةٍ أَوْ مُصْحَفٍ أَنْ يُحْرَقَ قَالَ

[1] المرقات: ۴/۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶ [2] المرقات: ۴/۷۲۸،۷۲۷ [3] المرقات: ۴/۷۲۷ [4] المرقات: ۴/۷۲۷

ابْنُ شِهَابٍ فَأَخْبَرَنِي خَارِجَةُ بْنُ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ أَنَّهُ سَمِعَ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ قَالَ فَقَدْتُ آيَةً مِنَ الْأَحْزَابِ حِيْنَ نَسَخْنَا الْمُصْحَفَ قَدْ كُنْتُ أَسْمَعُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُبِهَا فَالْتَمَسْنَاهَافَوَجَدْنَاهَامَعَ خُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ الْأَنْصَارِيِّ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَاعَاهَدُوااللهَ عَلَيْهِ فَأَلْحَقْنَاهَافِيْ سُوْرَتِهَا فِي الْمُصْحَفِ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)[1]

ترجمہ: اور حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حذیفہ ابن یمان رضی اللہ عنہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شام وعراق کے ارمینیہ اور آذربائیجان کی جنگوں کی غرض سے سامان جہاد کی فراہمی اور تیاری میں مصروف تھے حذیفہ رضی اللہ عنہ کو قرأت کے بارے میں لوگوں کے اختلاف نے اضطراب میں اور خوف میں مبتلا کر دیا تھا۔ (کیونکہ وہ دیکھتے تھے کہ لوگ بے محابا آپس میں ایک دوسرے کی قرأت کا انکار کرتے ہیں۔) چنانچہ انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ ''امیر المؤمنین: اس امت کے بارے میں تدارک کی کوئی راہ نکالئے قبل اس کے کہ وہ یہود ونصاریٰ کی طرح کلام اللہ میں اختلاف کرنے لگیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کی بات سن کر حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس یہ پیغام بھیجا کہ آپ وہ صحیفے (جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جمع کئے تھے) ہمارے پاس بھیج دیجئے ہم ان کو نقل کرا کر یہ مصاحف آپ کے پاس بھیج دیں گے حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وہ تمام صحیفے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انصار میں سے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو اور قریش میں سے عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ، سعید بن عاص رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ کو ان صحیفوں کو نقل کرنے پر مامور کیا چنانچہ ان سب نے ان صحیفوں کو مصاحف میں نقل کیا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قریش کے تینوں حضرات سے فرمایا کہ اگر قرآن کے لغات میں کسی جگہ تم میں اور زید بن ثابت میں اختلاف ہوجائے تو وہاں لغت قریش کے مطابق لکھو کیونکہ کلام اللہ لغت قریش کے مطابق ہی نازل ہوا ہے چنانچہ ان سب نے اس پر عمل کیا اور جب مصاحف میں وہ صحیفے نقل کئے جاچکے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان صحیفوں کو تو حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس بھیج دیا اور ان مصاحف میں سے جو نقل کئے گئے تھے ایک ایک مصحف (اسلامی مملکت میں) ہر جگہ بھیج دیا اس کے ساتھ ہی یہ حکم جاری فرمایا کہ ان مصاحف کے علاوہ ہر اس صحیفے یا مصحف کو جلا دیا جائے جس میں قرآن لکھا ہوا ہے''۔ (حدیث کے ایک راوی) حضرت ابن شہاب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے خارجہ رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے بتایا کہ میں نے اپنے والد حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس وقت کہ ہم (یعنی میں اور دونوں قریشی صحابہ رضی اللہ عنہم سعید بن عاص رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ) قرآن کریم (مصحف عثمانی میں) نقل کر رہے تھے مجھے سورۂ احزاب کی ایک آیت نہیں مل رہی تھی حالانکہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا کرتا تھا۔ چنانچہ تلاش وجستجو کے بعد مجھے یہ آیت حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس سے لکھی ہوئی ملی۔ اور وہ آیت یہ ہے **من المؤمنين رجال صدقوا ما عاهدوا الله عليه** پھر میں نے یہ آیت مصحف میں اس کی سورۃ (یعنی سورۂ احزاب) کے ساتھ ملا دی''۔ (بخاری)

[1] اخرجه البخاري: ۹/۱۰

توضیح "**ان حذيفة**" حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ عراق کے گورنر تھے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کا زمانہ تھا اکثر فارس تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں فتح ہو چکا تھا لیکن کچھ حصے مثلاً آرمینیہ اور آذربائیجان وغیرہ ابھی باقی تھے اسی پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کاروائی کے لئے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو مامور کیا۔[1]

"**وكان يغازى**" اس جملہ کے سمجھنے میں کافی پیچیدگی ہے کیونکہ "کان" اور "یغازی" کی ضمیر فاعل میں یہ احتمال بھی ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی طرف راجع ہو، اور یہ احتمال بھی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف راجع ہو۔ شارح بخاری علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں جگہ ضمیر فاعل حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی طرف لوٹائی ہے فرمایا

"**وَكَانَ عُثْمَانُ يُجَهِّزُ أَهْلَ الشَّامِ وَأَهْلَ الْعِرَاقِ لِغَزْوَةِ هَاتَيْنِ النَّاحِيَتَيْنِ وَفَتْحِهِمَا**"

یعنی اس وقت حضرت عثمان رحمۃ اللہ علیہ شامی اور عراقی افواج کو ارمینیہ اور آذربائیجان کے فتح کرنے کے لئے تیار کر رہے تھے مظاہر حق نے بھی اسی عبارت کی روشنی میں حدیث کا ترجمہ کیا ہے اگرچہ عبارت کی پوری وضاحت نہ کر سکے تاہم حدیث کی اس تشریح و توضیح پر کوئی اشکال نہیں آتا اور واقعہ بھی اسی طرح ہے کیونکہ آرمینیہ اور آذربائیجان کے جہاد کے لئے شامی اور عراقی افواج کا بھیجا جانا سمجھ میں آتا ہے اس لئے کہ اس وقت عراق اور شام دونوں فتح ہو چکے تھے صرف اتنا کرنا پڑیگا کہ یغازی بمعنی **یُغَزِّیْ** لینا ہوگا یعنی حضرت عثمان فوجوں کو لڑا رہے تھے۔

شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے کان اور یغازی دونوں کی ضمیریں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی طرف لوٹائی ہیں۔ شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ اشعۃ اللمعات میں لکھتے ہیں "روایت است از انس رضی اللہ عنہ کہ حذیفہ قدوم آورد بر عثمان رضی اللہ عنہ و بود حذیفہ کہ غزامی کرد اہل شام را در فتح آرمینیہ و غزامی کرد آذربائیجان را با اہل عراق" اھ

شاید شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ نے ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی تشریح کو دیکھ کر یہ تشریح فرمادی ہے لیکن اس میں پیچیدگی یہ ہے کہ ظاہری عبارت سے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اہل شام کے خلاف جہاد کیا اگرچہ یہاں یغازی کو ہم لڑانے کے معنی میں لے لیں پھر بھی پوری عبارت درست نہیں ہوتی ہے کیونکہ ان حضرات نے جو ترجمہ اختیار کیا ہے اس میں انتشار ضمائر بھی ہے اور انتشار معنی بھی ہے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے "کان" میں ضمیر شان کو بھی تسلیم کیا ہے اور یغازی کا فاعل اہل الشام کو بنایا ہے اور فرمایا کہ یہی صحیح ہے اس کا مطلب یہ ہو جائے گا کہ حذیفہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور شان یہ تھی کہ اہل شام اہل عراق کے ساتھ مل کر آرمینیہ اور آذربائیجان کے خلاف لڑ رہے تھے اس طرح لمبا سفر کر کے عبارت کا مفہوم درست ہو جائے گا لیکن اس سے بہتر وہی ہے جو علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ نے مختصر راستہ اختیار کیا ہے مجھے ہمیشہ اس عبارت میں شک رہتا تھا آج الحمدللہ ان سطور

[1] المرقات: ۴/۷۳۰

کے لکھتے وقت پوری حقیقت سمجھ میں آگئی اور قارئین کے سامنے پیش کردی، مولائے کریم میرے قلم کو دانستہ اور غیر دانستہ غلطیوں سے محفوظ فرمالے۔ [1]

''آرمینیه'' ایک خاص علاقے کا نام ہے آزر بائیجان عام ہے تو پھر آزر بائیجان کا ذکر تعمیم بعد تخصیص ہے۔ بہر حال اوپر عبارت سے مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ فتح آرمینیہ میں شامی اور عراقی افواج اسلامیہ اکٹھی ہوگئیں تو قرآن عظیم کی قرأتوں میں اختلاف شروع ہوگیا۔ [2]

''فافزع حذيفة'' اس عبارت میں حذیفہ کا لفظ مفعول بہ واقع ہے اور اختلافھم افزع کا فاعل ہے یعنی جب حذیفہ نے لوگوں کا قرآن کریم کی قرأتوں میں اختلاف کو دیکھا تو وہ سخت گھبرا گئے کہ کہیں یہ لفظی اختلاف حقیقی اور معنوی اختلاف پر منتج نہ ہو جائے۔ [3]

''ادرك هذه الامة'' یعنی اس امت کو اس سے پہلے بچالیں کہیں قرآن کریم میں یہود و نصاریٰ کی کتابوں تورات انجیل کے تغیر و تبدیل کی طرح تغیر نہ آجائے۔ اس پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مصحف کے صحیفے منگوالئے اور چار صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس پر مامور کیا کہ وہ قرآن عظیم کو قریش کی لغت پر لکھدیں ان چار صحابہ رضی اللہ عنہم کے نام یہ ہیں۔ [4]

① حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ۔ ② حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ۔ ③ حضرت سعید بن العاص رضی اللہ عنہ ④ حضرت عبداللہ بن حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ۔ ان چار میں سے حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ غیر قریشی ہیں باقی تینوں قریشی ہیں۔ [5]

''للرهط القريشين'' سے مراد یہی تین ہیں۔ ان حضرات کو حکم تھا کہ اگر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے ساتھ کسی لغت میں اختلاف آجائے تو قریش کی لغت کو اختیار کیا جائے کیونکہ قرآن اسی لغت پر اترا تھا چنانچہ ان حضرات نے قرآن عظیم کو ایک ہی لغت قریش پر لکھا اور باقی لغات پر مشتمل صحیفے حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو واپس بھجوادیئے ان حضرات نے کل سات مصاحف لکھ کر تیار کئے اور بلاد اسلام کے ان بڑے شہروں کی طرف بھجوائے گئے۔ [6]

① مکہ مکرمہ ② شام ③ یمن ④ بحرین ⑤ بصرہ ⑥ کوفہ ⑦ ایک نسخہ مدینہ میں رکھا گیا۔ ان سات مصاحف کے علاوہ تمام سابقہ کاپیاں جلائی گئیں ضعیف اوراق کا جلانا جائز ہے مگر عوام الناس کے سامنے نہیں جلانا چاہئے فتنہ برپا ہوگا بہتر یہ ہے کہ زمین میں دفن کیا جائے یا پانی سے دھویا جائے یا سمندر میں پھینکا جائے۔ [7]

بہر حال قرآن عظیم کے جمع کرنے کی جو ترتیب ہے وہ اس طرح ہے کہ سب سے پہلے وحی آنے کے بعد حضور اکرم ﷺ کے حکم پر قرآن پتھروں چمڑوں اور لکڑیوں پر لکھ کر جمع کیا گیا پھر عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی توجہ شدید پر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دور

---

[1] اشعة المعات [2] المرقات: ۴/۷۳۰ [3] المرقات: ۴/۷۳۰ [4] المرقات: ۴/۷۳۰ [5] المرقات: ۴/۷۳۰

[6] المرقات: ۴/۷۳۲ [7] اخرجه احمد: ۱/۵۷، ۶۹ وابوداؤد: ۱/۲۰۶ والترمذی: ۵/۲۷۲

میں ان پتھروں لکڑیوں چمڑوں اور حفاظ کے سینوں سے لیکر کاغذوں پر جمع کیا کئی صحیفے بن گئے پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں صحیفوں سے لیکر باقی تمام لغات کو ختم کر کے قریش کی ایک لغت پر جمع کیا ترتیب نزولی الگ طرز پر تھی صحفی خود صحابہ رضی اللہ عنہم نے قائم کی یعنی سورتوں کی ترتیب خود بنائی اور آیات کی ترتیب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے تھی جو توقیفی تھی مگر بعض علماء کا خیال ہے کہ سورتوں اور آیات دونوں کی ترتیب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے تھی جو توقیفی ہے پھر حجاج بن یوسف نے علماء اور حفاظ اور قاریوں کے ذریعہ سے قرآن میں پاروں رکوعات اور آیات کے نشانات کی ترتیب قائم کی جو آج تک اسی حالت پر ہے۔

سورۃ توبہ کی ابتداء میں بسم اللہ کیوں نہیں؟

﴿۱۲﴾وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قُلْتُ لِعُثْمَانَ مَا حَمَلَكُمْ عَلَى أَنْ عَمَدْتُمْ إِلَى الْأَنْفَالِ وَهِيَ مِنَ الْمَثَانِيْ وَإِلَى بَرَاءَةَ وَهِيَ مِنَ الْمِئِيْنَ فَقَرَنْتُمْ بَيْنَهُمَا وَلَمْ تَكْتُبُوْا سَطْرَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَوَضَعْتُمُوْهَا فِي السَّبْعِ الطُّوَلِ مَا حَمَلَكُمْ عَلَى ذٰلِكَ قَالَ عُثْمَانُ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِمَّا يَأْتِيْ عَلَيْهِ الزَّمَانُ وَهُوَ تَنْزِلُ عَلَيْهِ السُّوَرُ ذَوَاتُ الْعَدَدِ وَكَانَ إِذَا نَزَلَ عَلَيْهِ شَيْءٌ دَعَا بَعْضَ مَنْ كَانَ يَكْتُبُ فَيَقُوْلُ ضَعُوْا هٰؤُلَاءِ الْآيَاتِ فِي السُّوْرَةِ الَّتِيْ يُذْكَرُ فِيْهَا كَذَا وَكَذَا فَإِذَا نَزَلَتْ عَلَيْهِ الْآيَةُ فَيَقُوْلُ ضَعُوْا هٰذِهِ الْآيَةَ فِي السُّوْرَةِ الَّتِيْ يُذْكَرُ فِيْهَا كَذَا وَكَذَا وَكَانَتِ الْأَنْفَالُ مِنْ أَوَائِلِ مَا نَزَلَتْ بِالْمَدِيْنَةِ وَكَانَتْ بَرَاءَةُ مِنْ آخِرِ الْقُرْآنِ نُزُوْلًا وَكَانَتْ قِصَّتُهَا شَبِيْهَةً بِقِصَّتِهَا فَقُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يُبَيِّنْ لَنَا أَنَّهَا مِنْهَا فَمِنْ أَجْلِ ذٰلِكَ قَرَنْتُ بَيْنَهُمَا وَلَمْ أَكْتُبْ سَطْرَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَوَضَعْتُهَا فِي السَّبْعِ الطُّوَلِ۔

(رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْ دَاوُدَ)[1]

ترجمہ: اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ نے سورۂ انفال کو جو "مثانی" میں سے ہے اور سورۃ براۃ کو جو "مئین" میں سے ہے پاس پاس رکھا ہے اور دونوں سورتوں کے درمیان بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھ کر امتیاز بھی قائم نہیں کیا ہے پھر یہ کہ آپ نے سورۂ انفال کو سات لمبی سورتوں کے درمیان رکھا ہے آخر اس کا سبب کیا ہے؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں وقت گزرتا رہتا تھا اور آیتوں والی سورتیں نازل ہوتی رہتی تھیں (یعنی قرآن کی آیتیں حسب موقع اور حسب ضرورت بتدریج اترتی تھیں) چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ جب قرآن کی کوئی آیت یا اس کا کچھ حصہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کاتبان (وحی) میں سے کسی کو بلاتے اور فرماتے کہ اس آیت

[1] اخرجه احمد: ۱/۵۷، ۶۹ وابوداؤد: ۱/۲۰۶ والترمذی: ۵/۲۷۲

کو اس سورۃ میں شامل کردو جس میں ایسا اور ایسا ذکر ہے (یعنی کسی خاص موضوع مثلاً حج وطلاق وغیرہ کا نام لیتے اور فرماتے کہ جس سورۃ میں اس کے بارے میں ذکر ہے اس آیت کو اسی میں شامل کردو) اس کے بعد پھر جب کوئی آیت نازل ہوتی تو اس کے بارے میں فرماتے کہ اسے اس سورت میں شامل کردو جس میں ایسا اور ایسا ذکر ہے اور سورۂ انفال ان سورتوں میں سے ہے جو مدینہ میں ابتداء میں نازل ہوئی ہیں جبکہ سورۃ برأت قرآن کا وہ حصہ ہے جو آخر میں نازل ہوا ہے لیکن سورۂ انفال میں مذکورہ باتیں سورۂ برأت میں مذکورہ باتوں کے مشابہ ہیں (یعنی دونوں سورتوں میں کافروں سے برسرپیکار ہونے اور عہد ختم کرنے کا بیان ہے۔) رسول کریم ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے لیکن ہمیں یہ نہیں بتا گئے کہ سورۂ برأت سورۂ انفال کا حصہ ہے یا نہیں؟ لہٰذا نبی کریم ﷺ کے نہ بتانے کے سبب اور دونوں سورتوں میں از روئے مفہوم ومعنی مماثلت ومشابہت ہونے کے باعث ہم نے دونوں سورتوں کو پاس پاس رکھا لیکن میں نے دونوں کے درمیان بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھ کر امتیاز قائم نہیں کیا۔ اور پھر میں نے ان دونوں سورتوں کو پاس پاس سات بڑی سورتوں کے درمیان رکھا (لیکن ان دونوں کے درمیان فاصلہ رکھا یعنی دونوں کو الگ الگ رکھا کیونکہ جس طرح دونوں کے دو ہونے میں شبہ تھا اسی طرح دونوں کے ایک ہونے میں بھی شبہ تھا)۔ (احمد، ترمذی، ابوداود)

توضیح "من المثانی" قرآن مجید کی سورتوں کو اس طرح تقسیم کیا گیا ہے کہ سورۃ بقرہ سے سورۃ یونس تک کو **"طوال"** کہتے ہیں طوال لمبے کے معنی میں ہے یہ سورتیں بھی قرآن کی لمبی سورتیں ہیں اور یہ سات ہیں اس لئے اس کو **"السبع الطول"** کہتے ہیں سورۃ یونس سے سورۃ شعراء تک کی سورتوں کو **"مئین"** کہتے ہیں مئین مأة کی جمع ہے سو کو کہتے ہیں یہ سورتیں بھی سو سو آیتوں یا کم وبیش پر مشتمل ہیں سورۃ شعراء سے سورۃ حجرات تک کی سورتوں کو **"مثانی"** کہتے ہیں وجہ یہ ہے کہ یہ سورتیں مضمون کے اعتبار سے مکرر ہیں ایک قسم کے قصے بار بار دہرائے گئے ہیں اور یہ سورتیں سو سو آیتوں سے کم ہیں اس لئے مثانی کہلاتی ہیں سورۃ حجرات سے آخر قرآن تک سورتوں کو **"مفصلات"** کہتے ہیں پھر یہ مفصلات تین قسم پر ہیں۔ سورۃ حجرات سے سورۃ بروج تک طوال مفصل ہیں اور سورۃ بروج سے سورۃ بینہ تک اوساط مفصل ہیں اور سورۃ بینہ سے آخر قرآن تک قصار مفصل ہیں اس تمہید کے بعد آیئے اور حدیث کو سمجھنے کی کوشش کیجئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے سورۃ توبہ اور سورۃ انفال کو ساتھ رکھنے اور بسم اللہ نہ لکھنے سے متعلق تین سوال کئے ہیں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کا جواب دیا یہی اس حدیث کا خلاصہ ہے۔[1]

سوال ❶: یہ ہے کہ سورت انفال مثانی میں سے ہے اور سورت توبہ مئین میں سے ہے ان دونوں کو ایک ساتھ رکھنے میں کیا مناسبت ہے؟۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس سوال کا جواب یہ دیا ہے کہ دونوں سورتوں کا مضمون ملتا جلتا ہے **"قصتها شبيهة بقصتها"** لہٰذا دونوں کو اکٹھا رکھا گیا۔[2]

سوال ❷: یہ تھا کہ قرآن کریم کی ہر سورۃ کی ابتدا میں بسم اللہ لکھی گئی ہے سورۃ برأت کی ابتدا میں بسم اللہ کیوں نہیں

[1] المرقات: ۴/۴۳۵ [2] المرقات: ۴/۴۳۵

لکھی؟ اس کا جواب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ دیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے سورۃ انفال اور سورۃ توبہ کے بارہ میں کوئی ہدایت نہیں فرمائی آپ ﷺ نے یہ بھی نہیں فرمایا کہ سورۃ توبہ کو سورۃ انفال کے ساتھ رکھو یہ اس کا جزء ہے آپ ﷺ پر بسم اللہ بھی سورۃ توبہ کے ساتھ نازل نہیں ہوئی کہ جس سے یہ معلوم ہوتا کہ سورۃ توبہ الگ سورت ہے لہٰذا سورت توبہ میں یہ احتمال بھی رہا کہ یہ سورۃ انفال کا جزء ہے اور یہ احتمال بھی رہا کہ یہ الگ سورۃ ہے اس وجہ سے مصحف لکھتے وقت ہم نے بھی دونوں احتمالات کا خیال رکھا جزئیت کے احتمال کے پیش نظر دونوں کے درمیان بسم اللہ نہیں لکھی اور مستقل سورۃ کے احتمال کے پیش نظر دونوں سورتوں کے درمیان خالی جگہ چھوڑ دی اور اس میں **سورۃ التوبہ** لکھدیا۔[1]

سوال ❸: یہ تھا کہ سورت انفال مثانی میں سے ہے اور سورۃ توبہ مئین میں سے ہے جو زیادہ لمبی ہے تو **السبع الطوال** میں سورۃ توبہ کو رکھنا چاہئے تھا تم نے سورۃ انفال کو مقدم رکھ کر اس کو **السبع الطول** میں جگہ دیدی ایسا کیوں کیا؟ اس کا جواب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ دیا کہ سورۃ انفال مدنی زندگی کے بالکل ابتدائی دور میں نازل ہوئی ہے اور سورۃ توبہ مدنی زندگی کے بالکل آخر میں نازل ہوئی ہے گویا ترتیب نزولی کے اعتبار سے انفال مقدم ہے اور سورۃ توبہ مؤخر ہے اب حضور اکرم ﷺ کے کسی فرمان کے بغیر ترتیب نزولی کو بدلا نہیں جا سکتا اس لئے اسی ترتیب پر باقی رکھا گیا گویا یہ دونوں مل کر **السبع الطوال** کی ساتویں سورۃ ہے۔[2]

ملاحظہ:

علماء کرام کا اس بات پر اجماع ہے کہ سورتوں کی آیات کی ترتیب سمعی اور توقیفی ہے کسی کے اجتہاد کو اس میں دخل نہیں ہے۔ قرآن کریم کی سورتوں کے بارہ میں راجح یہ ہے کہ ان کی ترتیب بھی توقیفی ہے ہم اس میں رائے نہیں دے سکتے جمہور کی یہی رائے ہے۔

[1] المرقات: ۴/۴۳۵ [2] المرقات: ۴/۴۳۵، ۴۳۶